اِشاعتِ خاص

بیاد

شہیدِ اسلام

حکیم العصر

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

نوّر اللہ مرقدہٗ

ماہنامہ

بیّنات

کراچی

اشاعتِ خاص

ماہنامہ کراچی

بینات

بیاد

شہیدِ اسلام

حکیم العصر

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

نوّر اللہ مرقدہٗ

شعبان تا ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

دسمبر ۲۰۰۰ء تا فروری ۲۰۰۱ء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، طابع: فیروز زکی، مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

جدة : ١٢ شوال المكرم

تشکر و اعتذار

مولانا سعید احمد جلالپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آج سے ۲۴ سال پیشتر (۱۳۹۷ھ میں) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی، مدیر، ماہنامہ "بینات" کے روح رواں اور قائد تحریک ختم نبوت محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی رحلت کا سانحہ پیش آیا تو جامعہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ، طلبہ، حضرتؒ کے اعزہ، اقرباء ہی نہیں بلکہ پاکستان سمیت پوری ملت اسلامیہ اس صدمہ سے نڈھال ہوگئی، بلامبالغہ حضرتؒ کے خدام کی دنیا اندھیر ہوگئی، اس موقع پر حضرتؒ کی قد آور عبقری شخصیت، ان کی علمی، تحقیقی خدمات اور کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے ارباب جامعہ اور ماہنامہ "بینات" کی انتظامیہ نے آپؒ کی زندگی کے مخفی گوشوں کو اجاگر کرنے کے لئے "بینات" کی اشاعت خاص کا اہتمام کیا اور حضرتؒ کے ہم نام و ہم کام اور محبوب جانشین شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے نہایت عرق ریزی اور شبانہ روز محنت سے شاندار نمبر تیار کر کے حضرتؒ کی سیرت و سوانح، علم و تحقیق اور کارہائے نمایاں کی تفصیلات پر مشتمل تاریخی دستاویز کی مقدس امانت قوم کے سامنے پیش کی۔

حضرت بنوری قدس سرہ کی رحلت کے بعد اگرچہ متعدد اکابرین اور جامعہ کے اساتذہ کی یکے بعد دیگرے رحلت و شہادت کے متعدد سانحات پیش آئے مگر ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ کو حضرت بنوریؒ کے رفیق کار اور علم و فضل کے نیر تاباں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی

شہادت کے صدمہ نے پوری ملت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا، اس سانحہ سے جامعہ علوم اسلامیہ اور علمی دنیا کو جو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا اسے احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، جامعہ علوم اسلامیہ کی تاریخ کا یہ وہ عظیم سانحہ تھا جس کی وجہ سے تاحال جامعہ کے درودیوار اور اس کی فضا پر سوگ مرگ طاری ہے۔ اور بظاہر اس صدمہ کے دور ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ احباب وخدام کی دلجوئی اور زخموں پر مرہم کی ایک ہی صورت نظر آئی کہ حضرتؒ کے تذکرے، خدمات جلیلہ اور آپ کی علمی امانت کو امت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ مخلصین آپ کے تذکرے کو پڑھ کر سکون حاصل کریں اور امت اس سے رہنمائی حاصل کرے، اس لیے حضرت بنوریؒ، جامعہ علوم اسلامیہ، اور ماہنامہ "بینات" سے زندگی بھر کے حضرت شہیدؒ کے والہانہ تعلق، دینی، علمی، تحقیقی اور مسلکی خدمات کا تقاضا، اور احباب کی شدید خواہش تھی کہ ماہنامہ "بینات" کا شہید نمبر شائع کیا جائے، لہذا ادارہ "بینات" حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی یاد میں اپنی "اشاعت خاص" قارئین کرام کی خدمت میں پیش کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے ایک مقبول ومحبوب بندے کے حالات وکمالات کو منصۂ شہود پر لانے کی توفیق وسعادت بخشی۔

جہاں تک حضرت شہیدؒ کے محاسن علمی ومحامد عملی کے احاطے کا تعلق ہے، ادارہ "بینات" کو اپنی تنگ دامانی کا پورا پورا اعتراف ہے:

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

جن مخلصین نے اس سلسلے میں دامے، درمے قلمے، سخنے معاونت فرمائی، ادارہ ان سب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے، بالخصوص مخدوم مکرم حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدیر جامعہ، برادرم مولانا مفتی محمد جمیل خان، مولانا مفتی خالد محمود، برادرم عبداللطیف طاہر ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مضامین کی ترتیب اور پروف پڑھنے میں خصوصی تعاون فرمایا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہم نے ہر اعتبار سے مکمل سرپرستی فرمائی۔ اسی طرح جناب وسیم احمد غزالی، سید اطہر عظیم، مولوی احتشام الحق خیری اور محمد فیصل نے بھی کمپوزنگ اور کاپی پیسٹنگ میں بھرپور ساتھ دیا، حق تعالیٰ شانہ ان سب حضرات کو ان کے اس

تعاون کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

اشاعت خاص کچھ تاخیر سے منظر عام پر آرہی ہے جس کی ناگزیر وجوہ میں سب سے بڑی وجہ اس کی غیر معمولی ضخامت ہے، امید ہے ہماری معذرت قبول فرمائی جائے گی۔ اندازہ تھا کہ یہ اشاعت پانچ سو صفحات کی ہوگی مگر مضامین کی کثرت کی بنا پر ضخامت آٹھ سو صفحات سے بھی بڑھ گئی، اس لیے متعدد مضامین شامل اشاعت نہیں ہوسکے۔ امید ہے مضمون نگار حضرات ہماری مجبوری کو پیش نظر رکھ کر در گزر فرمائیں گے۔

نہایت تأسف وافسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرتؒ کی شہادت کو آٹھ ماہ کا طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر تاحال حکومت نے قاتلوں کی گرفتاری کے سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا، اور حضرت شہیدؒ کے متعلقین، اعزأ، اقربأ اور ملت اسلامیہ کے زخمی قلوب پر مرہم رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ علمأ کرام پاکستان اور بیرون پاکستان کے مسلمانوں نے پرامن احتجاج، جلسے، جلوس اور اجتماعات کی حد تک کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کو اس سلسلہ میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، بلکہ حکومت کے بعض اقدامات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کیس کی تحقیقات کو غلط رخ پر ڈال کر اسے خراب کرنا چاہتی ہے۔ غالباً حکومت کو حضرت شہیدؒ کے متعلقین، ورثأ اور اسلامیان پاکستان کے بجائے قاتلوں کا تحفظ زیادہ عزیز ہے، چنانچہ حکومت کے اس طرز عمل سے اب یہ تاثر ابھرنے لگا ہے کہ خود حکومت اور اس کے کارندے اس قتل میں ملوث ہیں یا کم از کم اس سازش میں برابر کے شریک ہیں۔

ہم ارباب حکومت سے خیر خواہی کے طور پر عرض کرنا چاہیں گے کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ ذاتی طور پر دلچسپی لے کر اس سازش کو بے نقاب کریں اور اس خون ناحق کے ذمہ دار درندہ صفت قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل کی مظلومانہ شہادت اور اس پر حکومت کی سرد مہری پر غضب الٰہی جوش میں آئے اور قاتلوں کے ساتھ ساتھ حکومت اور اس کے اہل کار اس انتقام الٰہی کی آگ میں جل کر خاکستر ہوجائیں۔

حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب زید مجدہ کا مضمون اگرچہ کسی قدر تاخیر سے ملا، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں مشیت الٰہی کی یہ حکمت اور قدرت کا یہ راز شامل تھا کہ شہید نمبر کی ابتدأ اگر امیر العلمأ حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہ کے مبارک کلمات سے ہوئی تھی تو اس کی

انتا نائب امیر حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ کے نذرانہ عقیدت سے ہو رہی ہے، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جانہ ہوگا:

"وختامه مسك وفي ذالك فليتنافس المتنافسون"

آخر میں اپنی گزارشات کو کسی قدر تصرف کے ساتھ حضرت شہیدؒ کی دعا پر ختم کرتا ہوں:

"یا اللہ! آپ کے ایک مقبول بندے کا یہ تذکرہ آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر رہا ہوں، اے کریم! آپ ان کے ظاہر و باطن اور ان کے مبدأ و مآل سے پوری طرح واقف ہیں، یا اللہ! تیرے عاجز بندوں نے ان کو اچھا جان کر اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، اے مالک الملک! ہمیں تو اب یہ بھی یاد نہیں کہ ان میں سے کس نے ان کا تذکرہ کس نیت اور کس جذبے سے لکھا ہے، یا اللہ! اگر کسی بات کو نقل کرنے میں فروگزاشت یا کسی جذبہ کے اظہار میں افراط و تفریط ہوئی ہو تو اپنے لطف بے پایاں سے اس کو معاف فرما، اور اپنے "ستر جمیل" سے ہمارے عیوب کی ستاری فرما۔

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة، توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا
محمد النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

....

نوٹ : ادارہ "بینات" کی جانب سے اعلان کیا گیا تھا کہ اشاعت خاص شعبان، رمضان اور شوال ۱۴۲۱ھ کے تین شماروں پر مشتمل ہو گی، چونکہ اس کی ضخامت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہے اور اس کے صفحات نو صد سے تجاوز کر گئے ہیں، اس لئے اب اس اشاعت خاص کو شعبان، رمضان، شوال اور ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ کے چار شماروں کا متبادل تصور کیا جائے۔

ترجمانِ ختم نبوۃ

حضرت مولانا خواجہ خان محمد خانقاہ سراجیہ کندیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہمارے اس دور کی وہ عظیم شخصیت تھی جن پر اکابرِ امت کو ناز تھا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے فیضِ تربیت نے ان کو عقیدۂ ختم نبوت سے وہ وابستگی اور تڑپ عطا کی جس نے آپ کو ترجمانِ ختم نبوت کے منصب پر فائز کیا۔ ویسے تو حضرت بنوریؒ کے زمانہ میں ان کے جوہر دنیا پر آشکارا ہوگئے تھے، علمأ امت ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے تھے اور اکابر علمأ کرام ان کو ترجمانِ علمأ حق کی حیثیت دیتے تھے اور ہمارے حضرت بنوریؒ نے ان کو اپنا ہم نام، ہم کام اور مدرسہ کا مدار قرار دے کر ایک ایسے اعزاز سے سرفراز فرمایا تھا جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد آپ نے جس انداز سے "بینات" کے ذریعہ قلمی جہاد کیا اس نے حضرت بنوریؒ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں حضرت بنوریؒ کی طرف سے ان کی تقرری ہماری سمجھ سے بالاتر تھی لیکن مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد آپؒ نے جس طرح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور میری ترجمانی کا حق ادا کیا وہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس کا تمام تر سہرا حضرت بنوریؒ کی کرامت اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی تواضع اور مروت کو جاتا ہے، اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ حضرت بنوریؒ نے ان کو اتنے اصرار سے دفتر میں کیوں بٹھایا تھا۔

۱۹۸۹ء سے لے کر شہادت تک انہوں نے یورپ، افریقہ، سمر قند و بخارا اور پاکستان کے ایک ایک گوشے میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کو وسیع کیا اور قادیانیت کی کمر توڑ دی اور مرزا طاہر کے مباہلہ کے چیلنج کو قبول کر کے مسلمانوں کی عزت و وقار میں اضافہ کیا اور مرزا طاہر سے لے کر عام قادیانی تک کے ایک ایک شبہ کا مدلل جواب دیا، جو ان کے قلم کا ایسا شاہکار ہے جس پر تاریخ اسلامی عرصہ دراز تک ناز کرتی رہے گی۔

تردیدِ قادیانیت کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی ان کی کتب و تصانیف ایک اچھا خاصا علمی ذخیرہ ہے، خاص کر "اختلاف امت اور صراط مستقیم" سے تو امت صدیوں تک استفادہ کرتی رہے گی اور قومیں رہنمائی حاصل کرتی رہیں گی۔ رشد و ہدایت کی مسند سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ان کا ایسا صدقہ جاریہ ہے جس کا تسلسل قیامت تک جاری رہے گا۔

مسلک سے مضبوط وابستگی اور اصلاح کے سلسلہ میں پختہ شرائط ان کا ایک خاص وصف تھا۔ علمائے دیوبند سے گہری عقیدت ان کے کمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ واقعی وہ اسلاف کی مکمل تصویر تھے۔ ان کی شہادت کا سب سے بڑا نقصان میری ذات کو پہنچا کیونکہ میں اپنے ترجمان سے محروم ہو گیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت کی شہادت امت مسلمہ کے لئے اس صدی کا سب سے بڑا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کی بہتر صورت پیدا فرمائیں۔

ہمہ گیر شخصیت

حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ایک عہد ساز اور ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے، دین حق کی خدمت کا شاید ہی کوئی میدان ہو جہاں آپ کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل نہ ہوں، مولاناؒ بیک وقت کئی شعبوں میں عرصۂ دراز تک خدمتِ دین محمدی ﷺ میں مشغول رہے، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جس میدان میں بھی آپ نے قدم رکھا اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ سے بھر پور کام لیا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ آخر دم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

تدریس کے شعبہ میں آپ نے ابتدا سے دورۂ حدیث تک کے تمام اسباق عرصہ دراز تک پڑھائے، اسی لئے مولاناؒ کا رسوخِ علم عروج تک پہنچا، مولانا کے فیض یافتہ ہزاروں شاگرد آپ کی علمی قابلیت کی دلیل اور آپ کے لئے توشۂ آخرت ہیں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں، آپ کی تحریروں سے اس پر فتن دور میں بے شمار لوگوں کو راہ حق کی رہنمائی ملی، آپ کی گرانمایہ تصنیفات آنے والوں کیلئے ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ مولاناؒ نے جس معتدل انداز تحریر کے ساتھ مسلک حق کی ترجمانی کی، اس کی مثال قریبی دور میں ملنا مشکل ہے، مشکل مسائل کو سہل انداز میں پیش کرنا آپ کی علو استعداد اور وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔

اصلاح وتربیت کے شعبہ میں مولاناؒ نے کم وقت میں زیادہ منازل طے کیں، اس میدان میں آپؒ کی علوشان کیلئے یہی کافی ہے کہ آپؒ اپنے اکابر ومشائخ رحمہم اللہ کے منظورِ نظر تھے، اصلاح کاکام بھی اللہ نے آپؒ سے غیر معمولی انداز میں لیا۔ آپؒ کے بے شمار متوسلین نے آپ سے استفادہ کیا، عمر کے آخری حصے میں اکابر کی طرح اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کی طرف زیادہ توجہ دی، فرق باطلہ کے ردو تعاقب میں ہمارے علماٗ اور اکابر نے جو کام کیا آپ کی خدمات کے ذکر کے بغیر ان کا تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا، خصوصاً قادیانیت کے تعاقب میں آپ نے صرف تصنیف وتالیف کے ذریعے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی مصروف عمل رہ کر حضور اکرم ﷺ سے عشق ومحبت کا حق ادا کیا، ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود دنیا کے جس گوشے میں بھی قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا، آپؒ وہاں تشریف لے گئے اور قادیانیوں کی سرگرمیوں کا انسداد کیا۔ اس کے علاوہ دیگر فرق باطلہ کے رد میں بھی آپ نے بیش قیمت تحریرات کا خزانہ چھوڑا ہے، صحیح معنیٰ میں آپؒ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ اہل سنت والجماعت اور علمائے دیوبند کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے کیا وہ ایک جماعت مل کر بھی نہیں کرسکتی۔ آپؒ بیک وقت ایک عظیم مدرس، مصنف، مفسر، محدث، مصلح اور کاروان ختم نبوت کے سالار ومجاہد تھے۔ یہ آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری کی دلیل ہے کہ آپؒ سینکڑوں مدارس کے سرپرست، مسلک حق سے وابستہ جماعتوں کے راہنما، علمائے اہل سنت والجماعت کے ترجمان، باطل سے برسرپیکار مجاہدین کے پشت پناہ اور معاون ومددگار تھے۔ بلاشبہ یہ جامعیت، ہمہ گیری اور مرجعیت آپ ہی کے حصے میں آسکتی تھی۔

مولاناؒ مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے، آپ نے میرے ساتھ ہمیشہ احترام اور محبت کا معاملہ فرمایا، ایک مرتبہ میں سفر حج میں بھی ان کے ساتھ رہا اور دوران سفر مولاناؒ کی محبتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ جن حضرات کے بارہ میں میرے دل سے غائبانہ دعائیں نکلتی تھیں اور میں ان کی صحت ودرازیٔ عمر کی دعا کیا کرتا تھا مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ان میں سرفہرست تھے۔

اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو غریق رحمت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے، اور ہم سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور مولانا کی جدائی سے پیدا شدہ عظیم خلاٗ کو پر فرمائے، اور مولانا کے صاحبزادوں اور نائبین کے ذریعہ مولاناؒ کے جاری کردہ صدقات جاریہ کو جاری وساری رکھے۔ آمین

جانشین شیخ الہند

مولانا سید محمد ارشد مدنی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ۱۲ روز پیشتر جمعیۃ علماً ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی کے خطبہ صدارت میں یہ پیغام دیا تھا کہ :

"اسلام صرف عبادت کا نام نہیں، بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے، جو لوگ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کیلئے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بد نما داغ لگاتے ہیں۔"

چونکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اسلامی تعلیمات کی جامع تھی اور مکمل تصویر پیش کرتی تھی اس لئے ان کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ بہانگ دہل یہ اعلان کریں اور علماً امت کے ضمیر کو جھنجوڑ کر میدان عمل کی طرف بلائیں اور امت کی تربیت کریں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں ایسے صفات کے جامع افراد ملتے ہیں، جن کی زندگی میں حضرت استاذ محترمؒ کا جہاد، علم، عمل، زہد فی الدنیا، معرفت الٰہی، ایثار و قربانی اور کسی بھی باطل سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ ملتا ہے۔

الحمد للہ یہ سلسلہ ایثار و قربانی ختم نہیں ہوا ہمارے اکابر کے اخلاص اور قبولیت عند اللہ کا یہ اثر ہے کہ اللہ نے ان کے اخلاف و اخیار میں بھی اپنے دین کی خدمت کے لئے مذکورہ صفات کی حامل جامع شخصیات کو پیدا کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دور میں اسی طرح کی جامع ترین شخصیت تھی اور اپنے اسلاف کرام کے مختلف کمالات کی آئینہ دار تھی، انتہائی مظلومیت کے ساتھ ان کی شہادت کی مبارک موت موصوف کے اخلاص مقبول الی اللہ اور دنیا نیز آخرت میں کامیابی و کامرانی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

راقم الحروف کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو ان کے اکابر و اسلاف کے ساتھ جنت میں اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے اور ان کے اخلاف کی نگہبانی فرمائے۔ آمین ثم آمین

☆

......ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، لیکن مختصر سی نصیحت ہو، بات لمبی نہ ہو، کہ مجھے یاد نہ رہے، دیہاتی قسم کے آدمی تھے، اس لئے خیال ہوا کہ لمبی بات بھول نہ جاؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لایزال لسانک رطباً من ذکر الله"۔ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔

کتنی مختصر اور عمدہ نصیحت فرمائی کہ اس بات کو پلے باندھ لو کہ ہمیشہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، ذکر کرتے رہو، جب بھی تمہیں موقع ملے، جب بھی تمہیں فرصت ملے، تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری ہو جائے، بڑے ہی مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت نصیب فرما دیتے ہیں کہ ان کی زبانیں اللہ کے نام اور اللہ کے ذکر سے مانوس ہو جاتی ہیں، یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں "ان کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہیں"۔ زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہے تو یہ زبان کی آخرت کی منفعت ہے، جو آخرت میں آدمی کو کام دینے والی ہے، جہاں اس کی (زبان کی) منفعتیں بے شمار ہیں، وہاں اس کے نقصانات بھی بے پناہ ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں......

قابلِ رشک
حیات وشہادت

مولانا فضل الرحمٰن ۔ امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ علمی حلقوں میں ہمیشہ سے منفرد شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے رہے، جب میں ملتان میں طالب علم تھا اس وقت حضرت مولانا کے اسم گرامی سے واقفیت ہوئی۔ ان کی علمی شخصیت نے مجھے اس وقت زیادہ متاثر کیا، جب میں نے ان کی ایک تصنیف ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' پڑھی۔ غالباً اس وقت اس کی ایک دو جلدیں سامنے آئی تھیں اور مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک خاص جذبہ اور ولولہ سے اس کا آغاز کیا اور اختتام تک اسی شوق وذوق اور ولولہ سے پڑھتا رہا، اس کتاب کے مطالعہ سے مجھے ان کے علمی مقام اور ان کی علمی حیثیت کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا۔ بعض دفعہ جب کراچی آنا ہوتا تھا تو حضرت مولانا کے پاس شرف باریابی بھی حاصل ہوتا رہا۔

بعض اوقات حضرت ماہنامہ بینات کے دفتر میں خود بھی بلالیا کرتے تھے۔ آپؒ اتنی محبت سے میرا اکرام کرتے تھے کہ میں حیران ہوتا تھا، حالانکہ عمروں میں بہت فرق تھا، ان کے مقابلے میں، میں بہت چھوٹا تھا،

گزشتہ چند سالون میں تو نہایت ہی قرب اور محبت کا تعلق ہوگیا تھا حتیٰ کہ کراچی میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں، میں جب بھی آتا تھا تو حضرتؒ کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ جس ماحول میں وہ بیٹھتے تھے اس سے خود ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کر، قدر

علمی ذوق رکھتے تھے۔ میں ایک عرصہ سے بینات میں ان کے مضامین پڑھتا آرہا ہوں۔ ان کے مضامین کی ایک ایک سطر پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آدمی علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو۔

گزشتہ سے پیوستہ سال میں ان کے ساتھ حج میں تھا، ہم منیٰ، عرفات میں اکٹھے رہے، اور وہاں کئی روز مسلسل میں نے ان کی کئی مجالس سے استفادہ کیا۔ انہوں نے عرفات کے میدان میں ایک روحانی نسبت سے مجھے نوازا اور یہ ان کی طرف سے بھرپور اعتماد کا اظہار تھا ،ورنہ میں اپنے آپ کو کبھی بھی اس قابل نہیں سمجھتا، یہ ان کا کرم اور محبت تھی کہ انہوں نے ایک روحانی نسبت سے مجھ جیسے عاجز کو نوازا۔

میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ حضرت ہم سے اس طرح بہت جلدی جدا ہوں جائیں گے اور ایک المناک واقعہ کے حوالے سے ہمیں داغِ مفارقت دے جائیں گے اور شہادت کی وجہ سے ہمارے درمیان جدائی اور فصل واقع ہوگا۔

بہر حال اب وہ شہادت کے عظیم الشان منصب پر فائز ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑی عظمت سے نوازا۔ ان کی زندگی بھی مبارک تھی اور ان کی موت بھی قابل رشک ہے، بلاشبہ وہ "طبت حیاً و میتاً" کا مصداق ہیں۔ اللہ پاک ان کی زندگی اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ ابھی چند دن پہلے ہی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات پر انہوں نے جو تعزیتی مضمون لکھا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کسی علمی شخصیت کا اگر حق ادا کیا جاسکتا ہے تو مولانا شہیدؒ کے مضمون نے ادا کیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ان کے بعض مکتوبات میرے مطالعہ سے گزرے ہیں، ان سے ان کے نفیس علمی، عملی اور محبت الٰہیہ کے ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی لو تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو محبت تھی، اور اس میں ایک علمی ذوق چھلک رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ آج ہم میں نہیں، لیکن رہتی دنیا تک آنے والی نسلیں ان کے علوم سے استفادہ کرتی رہیں گی، سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنے کام کئے ہیں اور اتنی حسنات چھوڑی ہیں کہ انشاءاللہ قیامت تک وہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لحد مبارک کو رحمتوں سے بھرے اور اس وقت جو ان کے علمی ذخائر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ فرمائے اور ہم لوگوں کو ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مشاہدات و تأثرات

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمدلله وسلام على عباده الذين اصطفى،امابعد:

علمأ و صالحین کی زندگی کے حالات اور ان کی سیرت و سوانح کے تذکرہ سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں :

اول :..... یہ کہ اس سے برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

دوم : یہ کہ ان کی سیرت و کردار کو لکھنے والا گویا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مجھے ان صلحأ سے محبت ہے۔اور میں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں،اور ارشاد الٰہی :"اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده"اور حدیث نبویؐ : "المرء مع من احب" کے پیش نظر بارگاہ الٰہی میں ان اکابر کی بدولت اپنی ہدایت اور نجات اخروی کی درخواست کرتا ہے۔

سوم : یہ کہ علمأ صلحأ کی سیرت و سوانح پڑھنے سے قاری کے دل پر عمل کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اور اس سے انسان کی اپنی سیرت و کردار کی تکمیل ہوتی۔

انسانی سیرت و کردار کی تکمیل کے لئے اولیائے کاملین کی صحبت و ہم نشینی،اکسیر کا حکم رکھتی ہے جس کی واضح مثال حضرات صحابہ کرام کا مرتبہ و مقام ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو صحابیت کا اتنا بڑا مقام محض رسول اللہ ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کے طفیل حاصل ہوا جسے بعد میں آنے والا کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی حاصل نہیں کرسکتا۔اور پھر صحبت صالح اور نگاہ کے

اثرات کا انسانی زندگی پر مرتب ہونا بدیہی ہے اس لئے کہ اگر نظر بد کے برے اثرات ہوتے ہیں تو نظر خیر کے اچھے اثرات کیوں نہیں ہوں گے ؟

ایک بزرگ کے حالات زندگی میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کی ایک مجلس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ چالیس دن تک اس کی برکت سے عبادت میں نشاط کی کیفیت رہتی تھی۔اس مناسبت سے میں اپنے شیخ علامہ محقق عبد الفتاح ابو غدہ کی مجلس کے تأثرات کا ذکر کیا کرتا ہوں کہ ان کی ایک مجلس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ چالیس دن تک علمی نشاط رہتا تھا۔

ہمارے مشائخ اور بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت کاملہ سے نوازا تھا چنانچہ وہ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، تصنیف وتالیف، تعلیم وتدریس، اصلاح وتربیت وغیرہ، ہر میدان میں امام نظر آتے ہیں۔یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکیلے ان سے وہ کام لیا جو ایک مستقل اکیڈمی نہیں کر سکتی، جس کی زندہ مثال حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیات ہیں، کہ ان کی حیات مستعار کے لمحات اور کارناموں کا موازنہ کیا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اپنی حیات مستعار کے محدود دنوں میں اتنا سارے کام کس طرح اور کیسے کر لئے تھے ؟؟

میں سمجھتا ہوں اس کی بنیاد ان بزرگان دین کا اخلاص، استقامت، نظم او قات اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق وہدایت تھی، جیسا کہ ارشاد الٰہی : ”والذین جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا“ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔اسی لئے استقامت کو کرامت کہا گیا ہے چنانچہ کہا گیا ہے :"الاستقامة هی الکرامة" یہ اسی استقامت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی امت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ ان حضرات کے ملفوظات اور تالیفات سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور امت کو برابر ان کی تعلیمات سے ہدایت مل رہی ہے۔

سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کو ایسی جامعیت عطا فرمائی تھی اور ان میں ایسے ایسے کمالات جمع فرمائے تھے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، حضرت علقمہ ابن قیس کوفی ” متوفی ۶۱ / ۶۲ھ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں۔نہایت اونچے درجے کے تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ :”میں نے حضرات صحابہ کرامؓ کو بہت قریب سے دیکھا، ان کی مثال ان چشموں کی سی ہے جن سے لوگ سیراب ہوتے ہیں، پھر ان چشموں میں

سے بعض تو وہ ہوتے ہیں جن سے دس آدمی سیراب ہوتے ہیں، بعض سے پچاس، بعض سے سو، اور بعض وہ ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی آجائے تو وہ سب کو سیراب کرلیں۔ پھر فرمایا: ”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان چشموں میں سے تھے جو ساری دنیا کو سیراب کرنے والے ہوتے ہیں“۔

ٹھیک اسی طرح ہمارے بزرگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اس کا مصداق بنایا تھا کہ آپؒ ان علماء میں سے تھے جن میں یہ کمال تھا، چنانچہ آپ کے علوم وفیوض کے چشمہ صافی سے پوری دنیا سیراب ہوئی مگر وہ نہ ختم ہوا اور نہ کم ہوا۔ اس لیئے کہ حضرتؒ کی دینی خدمات کا جائزہ لیجئے تو ایک طرف علماء کی تربیت ہورہی ہے، درس و تدریس ہورہا ہے، رشد وہدایت کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ تو دوسری جانب عوام کی تربیت کا انتظام ہے، ان کی ذہن سازی ہورہی ہے اور روحانی فیض پھیلایا جارہا ہے، بلکہ یہاں بیٹھ کر ان کی تربیت کا اثر اور علمی فیض دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا ہے۔ مجھے اکثر باہر جانے کا اتفاق ہوتا ہے وہاں دیندار طبقے سے ملاقات ہوتی ہے اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: کہ ہم ہر جمعے کو ”جنگ اخبار“ کا انتظار کرتے ہیں۔ کہ جمعہ آئے تو ہم حضرت کا فقہی مسائل کا کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ پڑھ کر ہدایت حاصل کریں۔

اسی طرح تدریس کے میدان میں آپ لائق وفائق اور قابل مدرس، تصنیف و تالیف کے میدان میں قلم کے شہسوار، فرق باطلہ کے مقابلہ میں بحث ومناظرہ اور مناقشہ ومباحثہ، میں نہایت مہذب وشائستہ زبان وبیان اور حد درجہ منصفانہ انداز کے مالک تھے، جس کا مخالفین کو بھی اعتراف تھا، اگر اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپ کی تصنیف، اختلاف امت اور صراط مستقیم، جسے اگر الہامی تصنیف کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا، دیکھی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ ” وجادلهم بالتی هی احسن “ کا نمونہ ہے اسی طرح اگر آپ کے فتاویٰ اور امت کے بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپ کے قلم کے جواہر پارے ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جو غالباً بیس سال سے زائد عرصہ سے روزنامہ ”جنگ“ کے جمعہ ایڈیشن میں شائع ہورہے ہیں۔ جن میں شرعی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سائل کو درپے مسائل اور مشکلات سے نکلنے کی راہنمائی بھی کی گئی ہے۔ بلاشبہ روزنامہ ”جنگ“ کے اس سلسلہ کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کو دینی مسائل میں

راہنمائی حاصل ہوئی، اور لوگ جن مسائل کو شرم کے مارے پوچھ نہیں سکتے تھے۔ یا ان کو یہی ہی معلوم نہیں تھا کہ پوچھیں تو کس سے ؟ اور کس طرح ؟ اس سلسلہ کے ذریعہ ان کے مسائل گھر بیٹھے حل ہونے لگے۔ الحمد للہ اب یہ ذخیرہ نو (۹) جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور امت کی راہنمائی کر رہا ہے۔ جبکہ مزید جلدوں کی ترتیب کا کام جاری ہے۔

حضرت شہیدؒ رحمہ اللہ ایک کامیاب مصلح اور مربی تھے جنہوں نے اپنی سیرت و کردار، اپنے وعظ و بیان، دعوت و ارشاد اور رشد و ہدایت اور حلقہ ہائے ذکر و فکر سے ہزاروں انسانوں کی اصلاح و تربیت فرمائی۔ بہت سے علماء اور مخلصین انشاء اللہ حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں سے پر لکھیں گے، میں چونکہ تحریر کے میدان کا آدمی نہیں ہوں اسلیئے بعض مخلصین کے اصرار پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں حضرت شہید رحمہ اللہ کے اوصاف عالیہ میں سے صرف ایک وصف پر کچھ مختصر سا لکھنے کی کوشش کروں گا اور وہ وصف جس کا میں نے سفر و حضر میں مشاہدہ کیا ہے۔ آپؒ کی صفت "استقامت" ہے، میرے ناقص خیال میں غالباً یہی وہ بنیادی صفت ہے۔ جو حضرت شہید رحمہ اللہ کے سارے کمالات کی بنیاد ہے۔

ہمارے شیخ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی نظر انتخاب جب آپ پر پڑی تو آپ ماموں کانجن میں تدریس کر رہے تھے۔ حضرت نے آپ کو بینات کے لئے نہایت موزوں سمجھا، اور اس کے لئے دس دن مانگے تو ماموں کانجن کے حضرات تو اسکے لئے تیار نہ ہو سکے البتہ آپ کے قدردان جامعہ رشیدیہ والوں نے آپ کو مدرس رکھ لیا اور طے ہوا کہ آپ دس دن بینات، کراچی کے لئے دیں گے۔ اور بیس دن ساہیوال میں پڑھائیں گے چنانچہ یہ معمول سالوں چلا، پھر جب آپ کو مستقل دفتر ختم نبوت ملتان میں متعین فرمایا گیا اور طے ہوا کہ اتنے دن آپ ملتان میں ختم نبوت کا کام کریں اور اتنے روز کراچی آکر بینات کا کام سرانجام دیں گے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک آپ نہایت استقامت کے ساتھ یہ دونوں فرائض، خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ مستقل کراچی منتقل ہو گئے،

کراچی منتقل ہونے کے بعد آپؒ نے جس استقامت کے ساتھ بینات کی ادارت اور اسکے ذریعہ مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا، وہ محتاج بیان نہیں، جس سے بے شمار انسانوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور لاکھوں انسانوں کے ذہنوں کا قبلہ درست ہوا، میں سمجھتا ہوں یہ ان کے

اخلاص، اور استقامت، وسعت معلومات اور علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کی استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تربیت کا جو سلسلہ بھی شروع فرمایا، اسے نہایت پابندی سے نبھایا، وہ جمعہ کا وعظ ہو۔ یا ہفتہ کے مختلف دروس، مجالس ذکر ہوں یا رمضان المبارک کا اعتکاف، اس میں کبھی تخلف نہیں آنے دیا، ہمارے ان اکابر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں فرماتے۔ بلکہ وہ نظم اوقات کے ذریعہ اپنے اوقات کو تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، اور تلاوت وذکر میں اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی سے قیمتی بن جاتا ہے اور ان کے اوقات میں برکت ہو جاتی ہے، یہ اسی نظام الاوقات کا ثمرہ ہے کہ آج حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی چھوٹی بڑی تالیفات ہزار سے تجاوز کر گئی ہیں۔ اسی طرح راقم الحروف کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ بعض چھوٹے بڑے اسفار میں معیت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ مثلاً ملتان، لاہور، تاشقند، سمرقند، بخارا، برطانیہ، اور افغانستان وغیرہ کے اسفار میں راقم بھی ان کے ہم رکاب تھا جن میں ان کی استقامت اور لمحات زندگی کو قیمتی بنانے کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، چنانچہ ان کی استقامت کا یہ حال تھا کہ گھر سے نکلتے ہی ہاتھ میں تسبیح ہوتی اور زبان ذکر اللہ سے تر رہتی، ائیرپورٹ، ہوائی جہاز وغیرہ ہر جگہ یہی حال تھا۔ جہاں بھی ہوتے نماز کے وقت میں باقاعدہ اذان دلاتے اور باجماعت نماز ادائیگی کا اہتمام فرماتے۔

تاشقند کے ایک ہوٹل میں علماً کے وفد کے ساتھ قیام تھا، جہاں کسی زمانہ میں اذان دینا بھی جرم تھا، وہاں بھی باقاعدہ آپ اذان کہلواتے اور سب کے سامنے باجماعت نماز ادا کی جاتی۔ اور فجر کی نماز میں جب قاری سعید الرحمٰن صاحب امام ہوتے تو بہتوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔

یہی حال آپ کی تہجد کے معمول کا تھا کہ سفر میں بھی اس میں کبھی فرق نہیں آتا تھا، گویا وقت پر اٹھنا، وقت پر عبادت کرنا، اور وقت پر دوسرے معمولات ادا کرنا آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔

یہ مختصر سے مشاہدات وتاثرات ہیں جو میں نے قلمبند کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان اکابر کی طرح استقامت نصیب فرمائے۔ میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر طلبا اور علماً کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں دین کی خدمت کر سکیں تو اپنے اندر ان اکابر کی طرح استقامت کی صفت پیدا کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اوقات اور اعمال میں کیسی برکت ظاہر ہوتی ہے۔

انتخاب لاجواب

صاحبزادہ مولانا سید محمد سلیمان بنوری

۱۴/ صفر ۱۴۲۱ھ صبح دس بجے حسب معمول دفتر میں بیٹھا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، ریسور اٹھانے والے کی زبان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" جاری تھا اور اس کے چہرہ کے احساسات کسی عظیم سانحہ کی اطلاع دے رہے تھے، پوچھنے پر بتلایا کہ حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور حضرت شدید زخمی ہیں، حضرت کے زخمی ہونے کی اطلاع سن کر دل پر جو چوٹ لگی وہ بیان سے باہر ہے۔ لیکن فوراً ہی دوسری اطلاع آئی کہ ہماری متاع عزیز، جامعہ علوم اسلامیہ کے مایہ صد افتخار اور ہمارے مشفق و مربی استاذ اور شیخ کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا۔ بس پھر کیا تھا دل کی دنیا ویران اور دنیا اندھیر ہو گئی، کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کروں؟ بالآخر دیوانہ وار ہسپتال کی طرف چل پڑا، وہاں جاکر دیکھا تو میرے محبوب اور محبوب خلائق حضرت اقدس شہادت کی خونی چادر تانے محو استراحت ہیں اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ہم سے بے نیاز اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔

حضرت شہیدؒ اور حضرت اباجانؒ کی رفاقت و تعلق، محبت و الفت، حضرت اباجانؒ کی نظر انتخاب اور حضرت شہیدؒ کی خود سپردگی اور ایثار و وفا کی داستان جہاں لطف اندوز ہے وہاں تفصیل طلب بھی، اس کے بعض گوشوں پر حضرت شہیدؒ نے "چند حسین یادوں" کے عنوان سے لکھا ہے، جسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شہیدؒ مجھے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر چاہتے تھے، اور میں حضرت شہیدؒ کے پیار و محبت میں حضرت اباجانؒ کی محبت و الفت کی جھلک محسوس کرتا۔

حضرت شہیدؒ کے چہرے میں مشفق باپ کی سی اپنائیت کا تصور، ان کی صفات کی جھلک نمایاں تھی، بچپن میں جب پہلی بار حضرتؒ سے تعارف ہوا تو پہلے ہی دن سے میرے دل میں ان

کی محبت و عقیدت بیٹھ گئی، اور پھر اس تصور نے کہ، یہ وہی شخصیت ہے جس نے میرے ابا جانؒ کے فرمان اور ان کی محبت و عشق میں سب کچھ چھوڑ کر، کراچی سکونت اختیار فرمائی اور ان کے "ہم نام و ہم کام" ہونے کا شرف و اعزاز حاصل کیا، مجھے حضرت کا گرویدہ بنالیا:

آں دل کہ ام نمودے از خوبرو جواناں
پیرانہ سال مردے بردہ بہ یک نگاہے

یوں تو حضرتؒ سراپا شفقت تھے مگر راقم الحروف پر آپ کی جس قدر شفقتیں تھیں ان کا تو شمار ہی نہیں، خصوصاً دوران سبق جب بھی آپ کی نگاہ مجھ پر پڑتی تو میں محسوس کرتا کہ مجھ پر حضرتؒ کی پوری پوری توجہات ہیں۔

اسی طرح دوران سبق موقع بموقع جب آپؒ حضرت ابا جانؒ کی زریں نصیحتیں، حکیمانہ اقوال، درسی و غیر درسی ارشادات نہایت دل کش انداز میں سناتے تو ایسا لگتا کہ حضرتؒ میری تربیت فرمارہے ہیں، اور واضح طور پر یہ محسوس ہوتا کہ آپؒ میری تربیت کے لئے کس قدر فکر مند اور کوشاں ہیں؟ میں جب بھی حضرت سے ملتا، دیر تک سینے سے لگائے رکھتے پیشانی پر بوسہ دیتے اور فرماتے: میرے شیخ کی نشانی! سلیمان، سلیمان!

اللہ یہ فردوس سماعت کی بہاریں
وہ اور مجھے نام سے محفل میں پکاریں

حضرتؒ کی یہ شفقتیں ہی ہمیشہ میرے دل کی تسکین و تقویت کا باعث رہیں:

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

حضرتؒ سراپا خیر تھے، آپؒ سے تمام خیریں وابستہ تھیں اور دین کے تمام شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہ ان کے اعتدال کی برکت تھی کہ اہل حق کی ہر سیاسی، مذہبی اور دینی جماعت کے کارکن یہی سمجھتے تھے کہ حضرت ہمارے ہیں اور حضرت کو ہم سے زیادہ تعلق خاطر ہے۔

یہ میری خوش بختی ہے کہ گزشتہ سال مجھے حج و عمرہ میں حضرتؒ کی رفاقت کی سعادت میسر آئی، مناسک حج اور خصوصاً طواف میں ساتھ ساتھ رہا، جس سے مجھے بہت کچھ سیکھنے، حضرتؒ کی عنایتیں اور شفقتیں سمیٹنے کا موقع ملا۔

حضرت کی شہادت سے بزم علم و عمل، فقہ و افتاء، تحقیق و تدریس اور محافل ذکر و تزکیہ اجڑ گئیں۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله وادخله الجنة (آمین)

حیاتِ شہید

ایک نظر میں

مولانا مفتی مزمل حسین کاپڑیا، نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی کمالات سے عبارت تھی اور کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں آپ کی نمایاں خدمات کو علمائے کرام نے خراج تحسین پیش نہ کیا ہو۔ قارئین کی سہولت کے لئے سن وار حضرت کی خدمات کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے:

۱۹۳۲ء...... ولادت بمقام عیسیٰ پور، ضلع لدھیانہ، والد کا نام چوہدری اللہ بخش تھا جو کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔

۱۹۳۴ء...... اس سال آپؒ کی والدۂ ماجدہ آپ کو عالم شیر خوارگی میں چھوڑ کر انتقال فرماگئیں۔

۱۹۴۴ء...... قاری ولی محمدؒ کے پاس قرآن کریم ناظرہ مکمل کیا اور اس عرصہ میں پرائمری کی تعلیم بھی مکمل کی۔

۱۹۴۵ء...... مدرسہ محمودیہ اللہ والا ضلع لدھیانہ میں مولانا امداد اللہ صاحب سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۴۶ء...... مدرسہ انوریہ میں عربی کتابیں پڑھنے کے لئے داخلہ لیا۔

۱۹۴۸ء...... پاکستان کے قیام کے بعد ضلع ملتان میں منتقل ہو گئے اور وہاں مدرسہ رحمانیہ جہانیاں منڈی میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔

۱۹۴۹ء...... مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر میں مولانا لطف اللہ شہیدؒ اور مولانا عبداللہؒ سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۵۰ء...... جامعہ خیرالمدارس ملتان میں خیرالاساتذہ حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی زیرِ سرپرستی تعلیم کا آغاز کیا۔

۱۹۵۲ء...... موقوف علیہ کی تعلیم (بمعہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ) کی تکمیل کر کے شاندار نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

۱۹۵۳ء...... دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور اوّل درجہ میں کامیابی حاصل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔

اس سال حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی اور علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنہ میں بھی تدرج اور بلندی کا سلسلہ شروع ہوا، اور حضرت شہیدؒ نے اپنے آپ کو ہر اعتبار سے اپنے مرشد کے سپرد کر دیا۔

اسی سال آپ کا پہلا عقد ہوا۔

۱۹۵۴ء...... دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد دیگر علوم کی تکمیل کی۔

اسی سال اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ محمد سعید کی شکل میں فرزند عطا فرمایا۔

۱۹۵۵ء...... اپنے مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیا اور وہاں دو سال تک ابتدائی عربی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تقریباً تمام ہی کتب پڑھائیں۔

۱۹۵۷ء...... مدرسہ احیاءُ العلوم ماموں کانجن ضلع لائل پور (فیصل آباد) میں مدرس کی حیثیت سے دس سال قیام پذیر رہے۔

اس عرصہ میں آپ نے مختلف علوم و فنون کی تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور آپ کے مقالات و مضامین مختلف رسائل میں چھپنے شروع ہو گئے۔ ان رسائل میں ماہنامہ ”دارالعلوم“ دیوبند، ”ترجمان اسلام“ اور ماہنامہ ”بینات“ خاص طور پر شامل ہیں۔

۱۹۶۲ء...... پہلی اہلیہ رحلت فرماگئیں۔
۱۹۶۳ء...... پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی جانب سے "صدقِ جدید" میں قادیانیوں کی حمایت میں ایک شذرہ کے جواب میں تحریر فرمایا جو ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔
اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے مدیر نے انکار حدیث پر لکھنے کی فرمائش کی۔ یہ مضمون دارالعلوم دیوبند اور ترجمان اسلام میں شائع ہوا اور جمعیت علمأ اسلام نے کتابچہ کی شکل میں شائع کراکر تقسیم کیا۔
۱۹۶۴ء...... دوسرا عقد ہوا۔
۱۹۶۶ء...... حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے حکم پر اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے مدرسہ سے ایک سال کی رخصت لے کر کراچی تشریف لائے جہاں آپ نے ماہنامہ بینات کے کاموں کے سلسلہ میں حضرت بنوریؒ کے معاون کے فرائض انجام دیئے۔
اس سال والد محترم کی خواہش پر حفظِ قرآن کی تکمیل کر کے رمضان المبارک میں والد صاحب کو قرآن کریم تراویح میں سنایا۔
صاحبزادہ محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی کی ولادت ہوئی۔
۱۹۶۷ء...... ایک سال بینات میں کام کرنے کے بعد آپ کا تقرر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ہوا لیکن اس طرح سے کہ آپ مہینہ کے بیس دن جامعہ رشیدیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے اور بقیہ دس دن کے لئے کراچی تشریف لاتے، ماہنامہ بینات کا کام دیکھتے، اور یہ سلسلہ سات، آٹھ سال چلتا رہا۔
۱۹۶۹ء...... والد محترم کے ہمراہ پہلے حج کی سعادت حاصل کی۔
۱۹۷۱ء...... صاحبزادہ محمد طیب لدھیانوی کی ولادت ہوئی۔
۱۹۷۲ء...... آپؒ نے علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی فارسی تصنیف کا ترجمہ "عہد نبوت کے ماہ و سال" کے عنوان سے شروع کیا۔
۱۹۷۴ء...... یہ سال تحریک ختم نبوت کے عروج کا تھا۔ حضرت اقدس مولانا سید محمد

یوسف بنوریؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی صدارت و امارت کی ذمہ داری سنبھالی تو حضرت لدھیانوی شہیدؒ کو بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان طلب فرمالیا۔ بعد ازاں آپ نے اپنے آپ دفتر ختم نبوت ملتان اور ماہنامہ بینات کے لئے مختص کر دیا اور تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

۱۹۷۵ء...... "سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ" نامی کتاب کے ترجمہ کا آغاز۔
اس عرصہ میں آپ بیس دن ملتان دفتر ختم نبوت میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کے سلسلہ میں تشریف رکھتے اور دس دن کے لئے بینات کے کام کے لئے کراچی تشریف لاتے۔

۱۹۷۷ء...... اس سال حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد آپؒ مستقل طور پر کراچی منتقل ہو گئے اور ماہنامہ بینات کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔

۱۹۷۸ء...... روزنامہ جنگ میں اسلامی صفحہ اقرأ کے آغاز کے ساتھ ہی آپ نے اس کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اس میں مختلف مضامین کے ساتھ ساتھ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے ایک کالم کے ذریعہ عوام الناس کے مسائل کے جوابات لکھنے شروع کئے، یہ سلسلہ بے حد مقبول ہوا اور یہ آپ کی شہادت کے بعد بھی کئی ماہ تک چلتا رہا۔
اسی سال جون کے مہینہ میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" شائع ہو کر مقبول عام ہوئی۔

۱۹۸۰ء...... جامع مسجد فلاح فیڈرل بی ایریا کراچی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے کا آغاز فرمایا جو شہادت کے وقت تک جاری رہا۔
اسی سال حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے، جن سے آپ نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے وصال کے بعد تجدیدِ بیعت کی تھی، خلافت عطا فرمائی، یہ خلافت نامہ جب حضرت شہیدؒ نے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا تو

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی جانب سے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

۱۹۸۱ء...... صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ کی ولادت ہوئی۔

۱۹۸۲ء...... ہفت روزہ "ختم نبوت" کا آپ کی زیر ادارت آغاز ہوا۔

۱۹۸۵ء...... "اقرأ ڈائجسٹ" کی سرپرستی قبول فرمائی اور اس میں دیگر مضامین کے ساتھ "مسائل کا حل" نامی کالم تحریر فرمانا شروع کیا۔

رسالہ "عصر حاضر احادیث نبویؐ کے آئینہ میں" کی تالیف فرمائی۔

۱۹۸۸ء...... جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مفتی احمد الرحمٰنؒ کی خواہش پر دوبارہ تدریس کا آغاز کیا اور دورۂ حدیث شریف کا سبق شروع فرمایا۔

۱۹۸۹ء...... اس سال ستمبر کے مہینہ میں روزنامہ جنگ کراچی کے اسلامی صفحہ اقرأ میں شائع ہونے والے آپ کے کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" سے منتخب سوالات کے مجموعہ کی پہلی جلد کی اسی نام سے اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۰ء...... اس سال جون میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی دوسری جلد شائع ہوئی۔

۱۹۹۱ء...... اس سال اگست میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی تیسری جلد کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۳ء...... اس سال اپریل میں آپ کی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" شائع ہوئی۔

اسی سال مئی میں ردّ قادیانیت پر آپ کی مختلف تحریرات کے مجموعہ "تحفہ قادیانیت" کی پہلی جلد منظر عام پر آئی۔

۱۹۹۵ء...... اس سال جون کے مہینہ میں ماہنامہ بینات میں شائع شدہ مختلف اہم شخصیات سے متعلق تأثرات پر مشتمل مجموعہ "شخصیات و تأثرات" کی اشاعت ہوئی۔

اسی ماہ درود شریف پر مشتمل آپ کا مجموعہ "ذریعة الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے شائع ہوا۔

ماہ ستمبر میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی چوتھی جلد شائع ہوئی۔

۱۹۹۶ء...... اس سال فروری کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت

پر مشتمل آپ کی تالیف ”اطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم“ شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔
اسی سال آپ نے اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے بانی صدر حضرت مفتی ولی حسنؒ کے انتقال کے بعد اس ٹرسٹ کی صدارت قبول فرمائی۔
اسی سال ماہ اپریل میں آپ کی تصنیف ”رسائل یوسفی“ منظر عام پر آئی۔

۱۹۹۷ء...... اس سال مارچ کے مہینہ میں ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی ساتویں جلد مرتب ہو کر منظر عام پر آئی۔
ماہ اگست میں ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی آٹھویں جلد شائع ہوئی۔
اس سال ماہ دسمبر میں آپ کے مقالات کے مجموعہ مقالات یوسفی المعروف بہ ”حسن یوسف“ کی جلد اوّل کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۸ء...... اس سال ترمذی شریف کے ”ابواب الزہد“ کی احادیث کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل مجموعہ کی ”دنیا کی حقیقت“ کے نام کتابی شکل میں اشاعت ہوئی۔
اسی سال آپ نے حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلویؒ کے مرتب کردہ دعوت و تبلیغ کے چھ اصولوں پر مشتمل احادیث کے مجموعہ کے ترجمہ کا آغاز بھی فرمایا۔
اسی سال ماہ اکتوبر میں ”دنیا کی حقیقت“ کی دوسری جلد کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۹ء...... اس سال آپؒ نے دعوت و تبلیغ کے چھ اصولوں کے ترجمہ سے فراغت کے بعد اپنی آخری تصنیف حضرت العلامہ حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ کی عقائد پر مشتمل کتاب ”المعتمد فی المعتقد“ کے ترجمہ کا آغاز فرمایا۔
اسی سال اگست میں ”رجم“ کے موضوع پر آپ کے مقالات ”رجم کی شرعی حیثیت“ کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوئے۔
اسی مہینہ آپ کے مواعظ ”اصلاحی مواعظ“ کی پہلی جلد کی شکل میں شائع ہوئے۔
ماہِ نومبر میں ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی نویں جلد شائع ہو کر مقبول عام ہوئی۔

۲۰۰۰ء...... ۷/مارچ کو آخری سفر حج کے لئے روانگی ہوئی اور اسی ماہ کے آخر میں حج کے

سفر سے واپس تشریف لائے۔
اسی سال مئی کے شروع میں آپ کے مقالات کے مجموعہ پر مشتمل کتاب "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" کی ترتیب و تکمیل ہوئی، جو حضرتؒ کی شہادت کے بعد جون ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔
اس سال ۹ / مئی کو امیر المؤمنین ملا محمد عمر کی دعوت پر افغانستان کے تاریخی سفر پر روانگی ہوئی، جیش محمد ﷺ کے محاذوں کا دورہ فرمایا اور اگلے مورچوں پر شہادت کی تمنا اور دعا فرمائی، اور فائرنگ کی تربیت میں شرکت فرمائی۔
۱۶ / مئی بروز پیر کو عصر کے وقت سفر افغانستان سے کراچی واپسی ہوئی۔
۱۸ / مئی کو زیر ترجمہ کتاب "المعتمد فی المعتقد" کے صفحہ نمبر ۱۹۰ کا ترجمہ آخری دفعہ املا کرایا۔
۱۹ / مئی کو صبح ساڑھے دس بجے شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا۔
اسی دن عشاء کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔
نماز جنازہ بعد نماز عشاء شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے پڑھائی۔
رات ڈیڑھ بجے جامع مسجد خاتم النبیین کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔

............☆............

......ایک بزرگ جا رہے تھے۔ ایک آدمی ان کو پیچھے برا بھلا کہتے ہوئے چلنے لگا۔ چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ فرمانے لگے میرے بھائی میرے گھر کا دروازہ آگیا ہے۔ اب تو میں اندر چلا جاؤں گا گھر کے، تمہیں کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو، میں ٹھہرتا ہوں۔ میں کھڑا ہوتا ہوں۔ کچھ تمہیں اور کہنا ہے تو کہہ لو۔ یہ تو ان لوگوں کی باتیں ہیں جن کا غصہ مہذب ہو گیا تھا۔ اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آتا تھا۔ "ماانتقم رسول الله ﷺ لنفسه قط"۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا......۔

سوانحی خاکہ

صاحبزادہ محمد سعید لدھیانوی

مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حد فاصل کا کام دیتا تھا- ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نمابستی عیسیٰ پور، کے نام سے آباد تھی جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی- یہ حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید کا آبائی وطن تھا- تاریخ ولادت محفوظ نہیں- اندازہ یہ ہے کہ سن ولادت ۱۳۵۱ھ=۱۹۳۲ء ہوگا- والدہ ماجدہ کا انتقال شیرخوارگی کے زمانہ میں ہوگیا تھا- والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم ومغفور، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت اور ذاکروشاغل اور زیرک وعاقل بزرگ تھے،- دیہات میں پنچایتی فیصلے نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا قریب کی بستی موضع جسووال میں والد صاحب کے پیر بھائی حضرت قاری ولی محمد صاحب ایک خضر صفت بزرگ تھے- قرآن کریم کی تعلیم انہی سے ہوئی، پرائمری کے بعد ۱۳برس کی عمر ہوگی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے، یہاں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب حصاروی سے فارسی پڑھی، اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا، دوسال یہاں مولانا انیس الرحمٰنؒ مولانا لطف اللہ شہیدؒ ودیگر اساتذہ سے ابتدائی عربی کی کتابیں ہوئیں- ۲۷رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے انخلاء کا ہنگامہ رستاخیز پیش آیا- مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں قیام ہوا- وہاں سے قریب منڈی جہانیاں میں چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں مدرسہ رحمانیہ تھا- وہاں حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی اور دیگر اساتذہ سے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا، ایک سال مدرسہ

قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاول نگر میں حضرت مولانا عبداللہ رائے پوری، ان کے برادر خورد حضرت مولانا لطف اللہ شہید رائے پوری اور حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہ تعالی سے متوسطات کی تعلیم ہوئی، اس کے بعد چار سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں تعلیم ہوئی ۷۳-۷۲ ۱۳ھ میں مشکوۃ شریف ہوئی-۷۴-۷۳ھ میں دورہ حدیث اور دورہ حدیث کے بعد ۷۵-۷۴ھ میں تکمیل کی، خیر المدارس میں درج ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے:

حضرت اقدس استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ بانی خیر المدارس وخلیفہ مجاز حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی-حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری-حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی-حضرت مولانا محمد نور صاحب-حضرت مولانا غلام حسین صاحب-حضرت مولانا جمال الدین صاحب-حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری-تعلیم سے فراغت کے سال حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری سے سلسلہ اشرفیہ، امدادیہ، صابریہ میں بیعت کی، اور علوم ظاہری کے ساتھ تعمیر باطن میں ان کے انوار وخیرات سے استفادہ کیا-

تعلیم سے فراغ پر مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائلپور کے مدرسہ مین تدریس کے لئے تقرر ہوا اور دو سال میں وہاں ابتدائی عربی سے لیکر مشکوۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی-دو سال بعد حضرت مرشد نے ماموں کانجن، ضلع لائلپور بھیج دیا-وہاں حضرت الاستاذ مولانا محمد شفیع ہوشیارپوری کی معیت میں تقریباً دس سال قیام رہا-

تعلیم وتدریس کے ساتھ لکھنے کا شوق شروع ہی سے تھا-مشکوۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں طبع زاد مشکوۃ کی تقریر" التقریر النجیح " کے نام سے تالیف کی تھی-

سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریابادی کے رد میں لکھا-موصوف نے "صدق جدید" میں ایک شذرہ قادیانیوں کی حمایت میں لکھا تھا-اس کے جواب میں ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند میں ایک مضمون شائع ہوا تھا لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی اس لئے جناب مستری ذکر اللہ صاحب کے ایماء پر مرحوم کی تردید میں مضمون لکھا جو" ماہنامہ دارالعلوم دیوبند" ہی کی دو قسطوں میں شائع ہوا-ماہنامہ دارالعلوم کے ایڈیٹر مولانا ازہر شاہ قیصر کی فرمائش

پر ''فتنہ انکار حدیث'' پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ ہفت روزہ ترجمان اسلام میں بھی شائع ہوا۔ جمعیت علمائے اسلام سرگودھا کے احباب نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان ۱۹۶۲ء میں بی ڈی نظام کے تحت ملک کے صدر بنے تو پاکستان کے ''اکبر اعظم'' بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رفقاء کو ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کرنے کے لئے بلایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی اسلام پر تابڑ توڑ حملے شروع کردیئے۔ ان کے مضامین اخبارات کے علاوہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ماہنامہ ''فکر و نظر'' میں شائع ہورہے تھے۔ حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی تمامتر توجہ ''فضل الرحمانی فتنہ'' کے کچلنے میں لگی ہوئی تھی اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس فتنہ کے خلاف جنگ کا بگل بجایا جاچکا تھا۔ ماہنامہ ''بینات'' میں ڈاکٹر صاحب کے جو اقتباسات شائع ہورہے تھے ان کی روشنی میں آپؒ نے ایک مفصل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول'' یہ مضمون ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا تو حضرت اقدس بنوریؒ نے کراچی طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ ماموں کانجن سے ایک سال کی رخصت لے کر کراچی آجاؤ، یہ ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے چنانچہ حکم کی تعمیل کی، سال ختم ہوا تو حکم فرمایا کہ یہاں مستقل قیام کرو۔ بعض وجوہ سے ان دنوں کراچی میں مستقل قیام مشکل تھا۔ جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم سے کم ہر مہینے میں دس دن ''بینات'' کیلئے دیا کرو۔ ماموں کانجن کے حضراتؒ سے اس سلسلے پر بات کی، مگر انہوں ہر ماہ دس دن کی چھٹی دینا قبول نہ کیا تو جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم و مغفور کو جب حضرت بنوری کی اس خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت محبت سے نہ صرف اپنے مدرسہ میں تدریس کا اظہار کیا بلکہ اس شرط پر کہ آپ ہمارے مدرسہ میں صرف بیس دن پڑھانا قبول فرمائیں اور دس دن بینات کے لئے کراچی تشریف لیجایا کریں۔ چنانچہ تدریس کے لئے ماموں کانجن سے ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں تقرر ہوگیا، یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک رہا، ۱۹۷۴ء میں حضرت اقدس بنوریؒ نے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی امارت و صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی تو جامعہ رشیدیہ کے بزرگوں سے فرمایا کہ ان کو جامعہ رشیدیہ سے ختم نبوت

کے مرکزی دفتر ملتان آنے کی اجازت دی جائے-ان حضرات نے بادل نخواستہ اس کی اجازت دے دی-اس طرح جامعہ رشیدیہ سے تدریسی تعلق ختم ہوا-اب بیس دن مجلس کے مرکزی دفتر ملتان میں اور دس دن کراچی میں گزارنے کا سلسلہ حضرت بنوریؒ کی وفات (۳ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ ، ۱۷اکتوبر ۱۹۷۷ء) تک جاری رہا- حضرت بنوریؒ کا ہمیشہ اصرار رہا کہ مستقل قیام کراچی میں رکھیں-ان کی وفات کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی-اس طرح آپؒ ۱۹۶۶ء سے تادم واپسی "بینات" کے مدیر شہیر رہے-

مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے جنگ کا اسلامی صفحہ اقراء جاری فرمایا تو ان کے اصرار اور حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کی تاکید و فرمائش پر اس سے منسلک ہوئے اور دیگر مضامین کے علاوہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کا مستقل سلسلہ شروع کیا-جس کے ذریعہ بلا مبالغہ لاکھوں مسائل کے جوابات، کچھ اخبارات کے ذریعہ اور کچھ نجی طور پر لکھنے کی نوبت آئی-الحمد اللہ، یہ سلسلہ اب تک جاری ہے-

بیعت کا تعلق حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ سے تھا-ان کی وفات (۲۱شعبان ۱۳۹۰ھ -۲۲اکتوبر ۱۹۷۰ء) کے بعد حضرت قطب العالم ریحانتہ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ (المتوفی ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء -۲۹رجب ۱۴۰۲ھ) سے رجوع کیا اور حضرت شیخ نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا-اسی کے ساتھ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب عارفی نور اللہ مرقدہ المتوفی ۱۵رجب ۱۴۰۶ھ نے بھی سند اجازت وخلافت عطا فرمائی-

حضرت بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر قرار دئے گئے، ۱۴رجب ۱۴۱۱ھ کو حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال ہوا تو حضرت مفتی صاحب کے بعد آپؒ کو مجلس کا نائب امیر نامزد کیا گیا. اور تادم واپسیں آپ اس منصب پر فائز رہے-

اسی طرح ۱۴۰۹ھ میں حضرت اقدس مولانا محمد ادریسؒ کی وفات اور حضرت مولانا بدیع الزمانؒ کی بیماری کے بعد حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ صاحب نے دورہ حدیث کے اسباق میں سے سنن ابی داود پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے قبول فرمالی- اور ایک عرصہ تک ابو داود

شریف آپ کے زیر درس رہی. لیکن اب گزشتہ کچھ سالوں سے طحاوی شریف آپ کے زیر درس تھی۔ غرض آپ ایک عرصہ سے جامعہ علوم اسلامیہ کے مایہ ناز استاد اور مدرس تھے۔

ماہنامہ "بینات"، ہفت روزہ "ختم نبوت" اور ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل میں شائع شدہ سیکڑوں مضامین کے علاوہ بیسیوں کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں سے چند ایک کی فہرست درج ذیل ہے :

۱ :..... اردو ترجمہ خاتم النبین۔ از علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ،

۲ :..... اردو ترجمہ حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، از حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا مہاجر مدنیؒ،

۳ :..... عہد نبوت کے ماہ وسال-ترجمہ بذل القوہ فی حوادث سنی النبوہ، از مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ۔

۴ :..... سیرت عمر بن عبدالعزیز (عربی سے ترجمہ)

۵ :..... سوانح حیات حضرت شیخ الحدیثؒ

۶ :..... اختلاف امت اور صراط مستقیم، جلد اول،

۷ :..... اختلاف امت اور صراط مستقیم، جلد دوم،

۸ :..... عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں،

۹ :..... رجم کی شرعی حیثیت،

۱۰ :..... آپ کے مسائل اور ان کا حل (نو جلدیں)،

۱۱ :..... شخصیات وتاثرات، (جلد اول)

۱۲ :..... شخصیات وتاثرات، (جلد دوم)

۱۳ :..... تحفہ قادیانیت (تین جلدیں، چوتھی زیر طبع)

۱۴ :..... دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار،

۱۵ :..... دنیا کی حقیقت، (جلد اول)

۱۶ :..... دنیا کی حقیقت، (جلد دوم)

۱۷ :..... دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اصول

۱۸:.....اصلاحی مواعظ،
۱۹:.....شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم،
۲۰:.....ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،
۲۱:.....حسن یوسف (مقالات کا مجموعہ)،
۲۲:.....رسائل یوسفی،
۲۳:.....ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں (زیر ترتیب)،
۲۴:.....اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم،

۱۳ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات علم و عمل کا یہ کوہ گراں اور شہادت کا آرزو مند، تھکا ہارا ستر سالہ مسافر صبح دس بجے گھر سے دفتر آتے ہوئے جام شہادت نوش فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا- فانا للہ وانا الیہ راجعون-

............☆............

......سعدیؒ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کا لڑکا اباّ کے سامنے شکایت لایا اور کہا کہ مجھے فلاں سپاہی کے لڑکے نے ماں کی گالی دی ہے۔ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے ارکان دولت سے پوچھا کہ کیوں بھئی کیا سزا ہونی چاہئے؟ کسی نے کہا کہ اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ خلیفہ کی بیوی کو اور سلطنت اسلام کی خاتون اول کو اس نے گالی دی ہے۔ کسی نے کہا زبان کاٹ دینی چاہیے۔ کسی نے کہا اس کا مال و جائیداد ضبط کر لینا چاہئے۔ کسی نے کہا اس کو جلاوطن کر دینا چاہیے۔ یا کم سے کم جیل کی سزا۔

ہارون الرشید نے بیٹے کو کہا بیٹا تم معاف کر دو تو بڑا بہتر ہے۔ اس نے اپنا منہ گندا کیا اس میں تمہارا کیا نقصان؟ تمہاری ماں کو گالی لگی نہیں۔ اگر کسی کی ماں ایسی نہیں ہے جیسے اس نے کہا تو اس کا منہ گندا ہوا، اس کی ماں کا کیا بگڑا؟ تو بہتر یہی ہے، مکارم اخلاق تو یہ ہے کہ تم اس کو معاف کر دو۔ اور اگر تم سے برداشت نہیں ہوتا تو "وجزاء سیئة سیئة بمثلها"......برائی کا بدلہ اتنی برائی ہے۔ تم بھی اس کی ماں کو گالی دے دو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جتنی اس نے دی تھی اتنی دو اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ اگر تم اس سے زیادہ دو گے تو تم ظالم بن جاؤ گے اور تمہارا مخالف مظلوم بن جائے گا......۔

گزارش احوال واقعی

مفتی نظام الدین شامزی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے "پرانے چراغ" میں جگر مراد آبادی مرحوم کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جگر مرحوم وفات سے کچھ عرصے قبل غالباً علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے تو لکھنؤ ریڈیو کے ایک پروگرام میں ان سے کلام شاعر بزبان شاعر کے طور پر تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی گئی۔ اس موقع پر جگر مرحوم نے یہ غزل پڑھی:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر جتنا ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر صادق آتا ہے شاید ہی موجودہ وقت میں کسی اور پر صادق آتا ہو۔ جگر مرحوم کی زندگی تو شاعرانہ حیثیت سے اس شعر کا مصداق تھی لیکن ہمارے حضرتؒ کی زندگی ہر حیثیت سے اس کا مصداق تھی۔

برادران گرامی حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب دامت فیوضہ اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری دامت برکاتہ کا اصرار تھا کہ حضرتؒ کی حیات مبارکہ اور زرین دینی و علمی خدمات کے حوالے سے ماہنامہ بینات کا جو نمبر شائع ہو رہا ہے اس میں تمہارے مضمون کی شمولیت ضروری ہے۔ بلاشبہ ان کا اصرار بجا تھا، کیونکہ یہ کس قدر ناقدری ہوتی کہ حضرتؒ کے متعلق بینات کا نمبر شائع ہو، اور وہ بھی اسی ادارے سے جس سے حضرتؒ اور راقم کا زندگی بھر تعلق رہا ہو، اور پھر بندہ کا حضرتؒ پر مضمون اس نمبر میں نہ آئے! نیز بندہ کا حضرتؒ سے جو نیاز مندانہ، خادمانہ، ارادت مندانہ اور بیعت کا تعلق تھا اس کے لحاظ سے بھی اس نمبر میں میرے

مضمون کی شمولیت ضروری تھی۔ لیکن میرے لئے مشکل یہ ہے کہ طبعی طور پر لکھنے لکھانے سے طبیعت انکاری رہتی ہے حتی کہ عموماً خطوط کے جوابات بھی نہیں لکھتا، اس لئے خط لکھنے والے حضرات مجھ سے شاکی اور ناراض رہتے ہیں کہ میں ان کے خطوط کے جوابات کیوں نہیں دیتا؟

اسی طرح مجھے کسی کا کوئی تاریخی خاکہ یا کسی پر سوانحی مضمون لکھنے کا سلیقہ اور تجربہ بھی نہیں، خصوصاً حضرتؒ کے متعلق، جن کی شہادت اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے دل اب تک واقعۃً تیار نہیں۔ میں جب بھی جامعہ علوم اسلامیہ یا دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں ہوتا ہوں تو دل میں بلا مبالغہ یہ خیال آتا ہے کہ شاید ابھی حضرت کسی جانب سے خدام کے جھرمٹ میں دفتر تشریف لائیں گے اور بندہ دوڑ کر حضرت کے سینہ مبارک سے چمٹ جائے گا اور دست بوسی کرے گا:

مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دیوانے نے موت پائی ہے؟

لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے ان خیالات سے حقائق تو نہیں بدلیں گے۔

عام طور پر کسی بڑی شخصیت کی زندگی میں کوئی کمال ایسا نمایاں ہوتا ہے کہ اس شخصیت کی زندگی پر وہی کمال حاوی ہو جاتا ہے اور اس کی سوانح لکھنے والوں یا اس شخصیت کی زندگی کے حوالے سے اپنے تأثرات کا اظہار کرنے والوں کے لئے یہ آسانی ہو جاتی ہے کہ وہ اسی جہت سے اس شخص کی زندگی پر اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہیں اور اس شخصیت کے اسی کمال کو دنیا کے سامنے نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں۔ لیکن بلا مبالغہ ہمارے حضرتؒ کی حیات مبارکہ اور ان کی پاک زندگی کے کمالات اتنے ہمہ جہت ہیں کہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ حضرتؒ کے کون کون سے کمال پر گفتگو کی جائے اور ان کی زندگی کی کون کون سی جہت کو نمایاں کیا جائے:

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کو جن اوصاف و کمالات سے نوازا تھا اس دور پُر فتن میں کسی ایک شخصیت کی زندگی میں ان کا جمع ہونا تقریباً "الشاذ کالمعدوم" کے درجے میں ہے۔

راقم الحروف درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد رائے ونڈ کے ایک اجتماع میں برکۃ العصر

قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ سے مجمع عام میں پہلی دفعہ بیعت ہوا تھا جس میں بہت سے علمأ کرام نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی تھی، لیکن ایک تو مجھے اپنی غفلت کی بنا پر تصوف و سلوک اور بیعت کی حقیقت سے آگاہی نہیں تھی، اور مزید یہ کہ وہ میری تدریس کا ابتدائی زمانہ تھا، محنت و مطالعہ کا حد سے زیادہ بلکہ جنون کی حد تک شوق تھا، اور تدریس کے لئے اس کی ضرورت بھی تھی، اس لئے اس زمانہ میں الحمد للہ بندہ پندرہ سولہ گھنٹے سے زیادہ روزانہ مطالعہ کرتا تھا، اس لئے میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تعلیم فرمودہ اذکار و اشغال پر کما حقہ عمل نہیں کر سکا، نیز پاکستان اور ہندوستان کے بُعد مکانی کی وجہ سے حضرت شیخ سے استفادہ بھی مشکل تھا۔ اسی اثنا میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب مجھے تصوف و سلوک کی طرف کشش ہوئی اور بیعت کی حقیقت سے متعلق کچھ شعور پیدا ہوا (حقیقی شعور تو اگرچہ ابھی تک بھی پیدا نہیں ہوا) تو برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ کی راہنمائی سے حضرت اقدس حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ سے حضرت نواب قیصر صاحب دام ظلہ کے مکان پر بیعت ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حضرت قدس سرہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش کی گئی تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ علمأ محنت تو کرتے نہیں اور نہ ہی ذکر و اذکار کرتے ہیں بلکہ تدریس میں لگے رہتے ہیں، تم ذکر وغیرہ کرو گے؟ میری خاموشی پر حضرت قدس سرہ نے بیعت فرما لیا، اور بندہ نے حتی المقدور حضرت قدس سرہ کے بتائے ہوئے اذکار و اشغال پر عمل کیا۔

جب حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ کا انتقال ہوا تو بندہ سوچتا رہا کہ اب کس سے رجوع کیا جائے؟ اور اپنی باطنی و روحانی زندگی کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دی جائے؟ اس لئے کہ اپنے اساتذہ و مشائخ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دل میں بٹھا رکھا ہے کہ جب تک کسی بھی اعتبار سے تمہارے بڑے تم میں موجود ہوں، تمہیں خودرائی کے بجائے اپنی زندگی کے مختلف معاملات میں ان ہی سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا اور ان کے فرمان پر بلا چون و چرا عمل کرتے رہنا چاہئے، نیز بندہ کا عمر بھر کا معمول بھی یہی ہے اور اس کا تجربہ بھی ہے کہ اسی میں خیر ہے، اور اب بھی جب میرے احباب و تلامذہ مجھ سے کسی نصیحت کے طالب ہوتے ہیں تو میں

سب سے پہلے ان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ جب تک تمہارے بڑے اور بزرگ تمہارے درمیان موجود ہوں تو اپنی باگ ڈور کسی بھی معتمد بزرگ کے ہاتھ میں دے کر بلا چون وچرا ان کے مشوروں پر عمل کیا کریں، میں نے اپنی پوری زندگی میں اس عمل کی برکت کا مشاہدہ کیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جب تک میرے بڑے اور بزرگ موجود ہیں انشاء اللہ اس پر عمل کرتا رہوں گا، تصوف وسلوک کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حضرت شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے متعلق القا کیا اور میرے دل میں ان سے رجوع کرنے کی طرف رغبت ڈال دی، کیونکہ جتنے مشائخ اور بزرگ ذہن میں آتے رہے کچھ حضرات تو دور تھے اور بُعد مکانی کی بنا پر ان کی برکات سے استفادہ مشکل تھا اور کچھ حضرات کے ساتھ قلبی وذہنی مناسبت نہیں تھی۔ یہ بات دل میں آئی تو میں سیدھا حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں حضرتؒ جامعہ علوم اسلامیہ کے دارالافتاء سے متصل کمرے میں تشریف رکھتے تھے، ظہر کے بعد کا وقت تھا، بندہ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے میری طرف توجہ فرمائی، بندہ نے ساری صورتحال عرض کرتے ہوئے بتایا کہ پہلے میں فلاں فلاں بزرگوں سے بیعت تھا اور اب اپنا اصلاحی تعلق حضرت سے قائم کرنا چاہتا ہوں، میری معروضات سن کر حضرت کو تھوڑا سا تعجب بھی ہوا لیکن آپ نے ہنس کر قبول فرمایا اور بیعت فرمانے کے بعد اذکار تلقین فرمائے۔ اس کے بعد سے آج تک حضرت کی جانب سے جو الطاف و عنایات اور جو شفقتیں مسلسل ہوتی رہیں حقیقت یہ ہے کہ اس بندہ "ظلوم وجہول" نے آج تک صحیح معنی میں ان کی قدر نہ کی۔ آج جب اس حیات مستعار میں مختلف مواقع پر مشکلات پیش آتی ہیں تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کاش حضرت حیات ہوتے یا حضرت کی حیات میں اس حوالہ سے کوئی بات ملتی تو بفضل خدا ان مشکلات کا ازالہ ہو جاتا۔

میرے شیخ اول حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ میری قدر جتنی میرے بڑوں نے کی، میرے ہم عصروں یا میرے چھوٹوں نے نہیں کی۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا یہ فرمان کلی طور پر ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر صادق آتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کے اکابر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ، محدث العصر حضرت مولانا

محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہ، حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم اور دیگر اکابر نے حضرت شہیدؒ کی جو قدر فرمائی، بعد کے حضرات حلقہ تلامذہ اور متوسلین و مریدین ان کی وہ قدر نہیں کر سکے، اور نہ ہی وہ ان سے اتنا استفادہ کر سکے جو کرنا چاہئے تھا۔

جیسا کہ ابتدا میں بندہ نے عرض کیا تھا کہ حضرتؒ کی زندگی اور کمالات زندگی اتنے ہمہ جہت ہیں کہ ان سب کا احاطہ مکمل طور پر ممکن ہی نہیں۔ بندہ کوئی تحقیقی مضمون لکھ بھی نہیں رہا بلکہ یہ ایک طرح سے گزارش احوال واقعی ہے، اس لئے صرف چند باتوں کے سرسری تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

ایک صفت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی وہ آپ کی شفقت و محبت تھی کہ انسان خواہ کتنا ہی پریشان حال آپ کی خدمت میں حاضر ہو تا لمحوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے وہ سکون واطمینان اور فرحت نصیب ہوتی کہ اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خود راقم کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک واقعہ کے سلسلے میں راقم اتنا پریشان ہوا کہ عجیب عجیب خیالات و تصورات دل میں آنے لگے، کیونکہ واقعہ جس شخصیت سے متعلق تھا وہ میرے محسن اور میرے لئے انتہائی قابل احترام شخصیت تھے۔ جب میری پریشانی انتہا کو پہنچی تو میں نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس پریشانی کو عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں جمعہ حضرت کی مسجد میں پڑھ کر جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے حسب عادت دیکھتے ہی سینے سے لگالیا۔ حضرت کے سینہ مبارک سے مس ہوتے ہی کچھ عرض معروض سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے وہ ساری پریشانی ختم فرمادی۔ بعد میں حضرت کی خدمت میں سارا واقعہ ذکر کیا اور حضرت کے ارشاد پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے شر سے بھی حفاظت فرمائی اور وہ سارا معاملہ بحمد اللہ بخیر و خوبی حل ہو گیا۔

اس طرح کے واقعات میری زندگی میں کئی دفعہ پیش آئے، خصوصاً جامعہ کے معاملات کے حوالے سے بعض اوقات اتنی پریشانی ہوتی کہ ہمت جواب دے جاتی اور بے اختیار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانے کو جی چاہتا، بالخصوص حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے

انتقال اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نور اللہ مرقدہ کی شہادت کے بعد بعض مواقع پر کئی دفعہ جی میں آیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤں اور علمی لائن ترک کر کے تارک دنیابن جاؤں لیکن حضرت نور اللہ مرقدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے استقامت نصیب فرمائی اور دین کی خدمت سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کیفیت کا بارہا مشاہدہ اور تجربہ کیا، اب کسی کو کیسے باور کرایا جائے کہ آپؒ کی آغوش ہمارے لئے تمام مشکلات و مصائب سے خلاصی کا ذریعہ تھی؟ اور آپ سے ملاقات ہی ہمارے تمام سوالات کا شافی اور تسلی بخش جواب ہوا کرتی تھی:

اے لقائے تو جواب ہر سوال

اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی جو پختگی آپ کو عطا فرمائی تھی اس کی مثال اب شاید چراغِ رخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ خال خال چند بزرگ ہیں جن کی زندگیاں بظاہر چراغِ سحری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں اور صحت میں برکتیں نصیب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے، ورنہ اس پائے کا علم و عمل اب تقریباً عنقا ہے اور تلاش بسیار سے بھی نہیں ملتا۔

بندہ نے حضرتؒ کے علم و عمل کی جس پختگی کا ذکر کیا ہے، یہ کہنے اور لکھنے کو تو بہت مختصر سے الفاظ ہیں اور ہمارے اس دور میں جس میں ریا و سمعہ کا دور دورہ ہے ویسے بھی الفاظ کی حرمت باقی نہیں رہی، لیکن اگر عملی زندگی میں کوئی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ ان الفاظ کا مصداق ڈھونڈنا چاہے تو اسے شاید ہی ملے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان بڑے بڑے جبوں' قبوں کے نیچے کیا کیا چھپا ہوا ہے۔

آپؒ کی دوسری نمایاں خصوصیت علمأ دیوبند۔کثر اللہ سواد ہم سے آپ کی والہانہ عقیدت و وابستگی اور ان کے عقیدے اور علم و عمل پر غیر متزلزل اعتماد تھی، اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ جو آج کل نئے وابستگانِ مدارسِ دیوبند سے نکلتی جارہی ہے اور موجودہ دور کے محقق علمأ کرام اپنی تحقیق کو ہی حرف آخر سمجھتے ہیں اور علمأ دیوبند کی تحقیق پر غیر متزلزل اعتماد کی کیفیت ان میں نظر نہیں آتی۔ ہمارے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق سے زیادہ علمأ دیوبند کی تحقیق کو قابلِ اعتماد سمجھتے تھے اور جب بھی آپ کو اپنی تحقیق کے دوران اپنے اکابر کی عبارت نظر آتی تو آپ بہت زیادہ فرحت کا اظہار فرماتے اور فوری طور پر اس کو اپنے مضمون کی زینت بناتے۔ ایک

دفعہ برمنگھم ختم نبوت کانفرنس میں آپ نے فرمایا کہ میں اپنی ہزار ہا تحقیقات کے مقابلہ میں اپنے اکابر کی تحقیق پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرتا ہوں۔ آپ کا زندگی بھر کا طرز عمل اور آپ کے وہ مضامین جو وقتاً فوقتاً آپ نے اس سلسلے میں تحریر فرمائے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ کچھ گزارش احوال واقعی کی جائے۔ گزشتہ دنوں ہمارے دار الافتا سے جماعت اشاعت التوحید سے منسلک لوگوں اور عقیدۂ حیات انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک فتوی صادر ہوا اور اس سلسلے میں بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں اور غلط طور پر مجھ پر ایسے الزامات لگائے گئے اور ایک ایسی پراپیگنڈہ مہم شروع کی گئی جس کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں۔ میری پچیس سالہ تدریسی اور افتأ نویسی کی زندگی، میرا عقیدہ اور مسلک حقہ دیوبند سے میری وابستگی اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ اور حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے میری بیعت و تعلق روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مجھے زیادہ افسوس ان احباب پر ہوا جو میری پوری زندگی سے واقف ہیں اور میرے اور میرے اکابر کے تعلق کا ان کو اچھی طرح علم ہے۔ میری زندگی کا کوئی گوشہ ان سے مخفی نہیں، مگر میں اس موقع پر ان حضرات کی طرف سے اپنے بارے میں بدگمانی پر صرف دل میں کڑھ ہی سکتا ہوں اور افسوس ہی کر سکتا ہوں، لیکن بہر حال جب اس قسم کے حالات ہوتے ہیں تو ان میں اس قسم کے واقعات پیش آنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ چند گزارشات پیش کروں، حالانکہ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ کے اصرار کے باوجود بندہ اس موضوع پر فی الحال کچھ لکھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا، بلکہ خیال یہ تھا کہ بندہ سے للہ بغض و دشمنی رکھنے والے یا اغیار کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ استعمال ہونے والے جب اپنے دل کے ارمان پورے کر لیں گے تو اس کے بعد انشأ اللہ بندہ حقیقت حال واضح کرے گا، کیونکہ اس وقت اگر میں کچھ لکھتا ہوں تو شاید وہ اس کو کچھ اور معنی پہنا دیں گے، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ ہمارے ایک محترم بزرگ کے مضمون میں ہمارے حضرت لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے مجازین اور خلفأ کو ترغیب بھی دی گئی

ہے کہ حضرتؒ کی جانب سے مجھے جو اجازت ملی تھی وہ سارے حضرات مل کر اس کو منسوخ فرمادیں اور جامعہ علوم اسلامیہ کے منتظمین سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ مجھے جامعہ میں تدریس کی خدمت سے فارغ کردیں۔

میری خواہش تھی کہ جب ان حضرات کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی یا بصورت دیگر جب پروپیگنڈے اور جھوٹ والزام تراشی کا یہ غبار چھٹ جائے گا تب انشاءاللہ بندہ حقیقت حال عرض کرے گا، لیکن یہ سطور لکھتے لکھتے مجھ پر اس خیال کا بہت زیادہ شدت کے ساتھ غلبہ ہوا کہ اس مقام پر اس مسئلہ سے متعلق چند باتیں بھی لکھ دی جائیں، حسن اتفاق کہ اس وقت میں حضرتؒ کی مسند کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ یہ بھی حضرت کی بعد الوفات کرامت یا فیض اثر ہی کا نتیجہ ہے۔واللہ اعلم و علمہ اتم والامور کلھا بیدہ۔

ہمارے جامعہ کے ایک طالب علم نے ایک استفتا پوچھا جس میں ایک جز تو انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبور سے متعلق تھا اور دوسرا جزیہ تھا کہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے لوگ انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر کے بھی منکر ہیں اور عذاب قبر کے بھی منکر ہیں، آیا یہ لوگ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟

سوال کے پہلے جز کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور مبارکہ میں حیات ہیں اور یہ حیات دنیا کی سی بلکہ دنیا کی حیات سے بھی اعلیٰ وبرتر ہے، اور دوسرے جز کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے لوگ اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں۔ اس جواب پر بندہ نے بھی غلطی اور غفلت کی بنا پر دستخط کردیئے تھے، جس کی تفصیل اس خط میں موجود ہے جو اس سلسلے میں فتویٰ کی وضاحت کے لئے بندہ نے بعد میں جاری کیا تھا۔ چونکہ یہ خط فتویٰ کی وضاحت کے سلسلہ میں تھا اور اس میں بعض الفاظ سخت بھی تحریر ہوگئے تھے اس بنا پر مہربانوں نے میرے خلاف وہ کوششیں شروع فرمائیں جن کا تذکرہ بندہ نے کیا ہے۔

وضاحت کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا شاگرد ہے اور اس حقیقت سے میرے اکثر اکابر اور حلقہ احباب کے علماءؒ واقف ہیں، اور آج تک بندہ نے کبھی اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی،

اسی طرح علماً دیوبند کثر اللہ سواد ہم سے بندہ کی وابستگی و عقیدت اور شرف تلمذ بھی بالکل واضح ہے۔ بندہ نے ابتدائی تعلیم کراچی کے ایک مدرسہ اور مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ' سوات' صوبہ سرحد میں حاصل کی جبکہ تکمیل بجامعہ فاروقیہ کراچی میں کی۔ میرے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب آف برتھانہ سوات، حضرت مولانا فیض علی شاہؒ، حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب مدظلہ، حضرت اقدس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ جیسے جلیل القدر اصحاب علم شامل ہیں، جن میں سے بعض مرحوم ہو چکے ہیں اور بعض حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی عمر اور صحت میں برکتیں عطا فرمائے۔

بندہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد استاذ محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم' بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ و صدر وفاق المدارس' کے حکم پر جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس پر مامور رہا اور عرصہ بیس سال کے قریب وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیتا رہا، اور ۱۹۸۸ء سے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی دعوت اور حکم پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں استاد حدیث کی حیثیت سے کام شروع کیا اور تاحال شیخ الحدیث اور نگران تخصص فی الفقہ کی حیثیت سے مصروف خدمت ہوں۔ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے تلمذ کے حوالے سے نہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم سے کوئی بات مخفی تھی اور نہ ہی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ سے...... نعوذباللہ میں نے منافقت سے کام لے کر کوئی منصب حاصل نہیں کیا، میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اس قسم کے حربوں سے، میرے اساتذہ و مشائخ خصوصاً حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا فقیر محمد نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے اقدام عالیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مناصب اور مراتب کی محبت دل سے ایسی نکالی ہے کہ عام لوگ تو شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکیں، اس لئے الحمدللہ نفاق نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے۔

اب میں حقیقت حال کی وضاحت کرتا ہوں۔ بندہ حیات انبیاً کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا سماع موتی یا توسل وغیرہ کے مسائل میں اپنے اساتذۂ کرام حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیری رحمہم اللہ کا شاگرد ہونے کے

باوجود ان کی اور ان کے استاد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی آرا کو ان کے تفردات میں سے سمجھتا ہے، بندہ کا عقیدہ ان مسائل کے متعلق ان حضرات کے برعکس وہی ہے جو جمہور علمائے دیوبند کا ہے اور عقائد علمائے دیوبند سے متعلق اکابر کی تصدیق شدہ کتاب ”المہند علی المفند“ میں درج ہے۔ البتہ بندہ کے خیال میں یہ مسائل عقائد کے بنیادی یا اصولی مسائل نہیں ہیں، اس لئے مذکورہ بالا تینوں حضرات کے موقف کے حوالہ سے وہ جذبات جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ یا پنجاب کے بعض دیگر علمأ کرام میں موجود ہیں وہ صورتحال بندہ کی نہیں ہے اور بندہ عوامی حلقوں میں اس رائے کے اظہار کو مفید نہیں سمجھتا اور اپنے دیگر اساتذۂ کرام کی طرح صرف بوقت ضرورت مسئلہ کی وضاحت اور جمہور علمأ دیوبند کی رائے کی حقانیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ جامعہ فاروقیہ اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے زمانے کے بندہ کے تحریر کردہ فتاویٰ اس بات کے شاہد ہیں۔

اس فتویٰ کی وضاحت بھی بندہ نے محض اس لئے کی تھی کہ اس میں مستفتی اور مفتی حضرات نے دانستہ یا نادانستہ ابہام سے کام لیا ہے، اس لئے کہ عذاب قبر کے منکر مولوی عبدالعزیز، امتیاز راولپنڈی والے، احمد سعید چتروڑ گڑھی، عطأ اللہ بندیالوی یا اس طرح کے کچھ اور لوگ ہیں، اور ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے منکر کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن پوری اشاعت التوحید والسنۃ کو عذاب قبر کا منکر گردان کر اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا بندہ کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ یہ پھر عرض کردوں کہ جن مسائل میں علمأ دیوبند سے اشاعت التوحید والسنۃ والوں کی رائے مختلف ہے ان مسائل میں حق بلاشبہ علمأ دیوبند کے ساتھ ہے اور بندہ کا بھی ان مسائل میں وہی عقیدہ ہے جو علمأ دیوبند کا عقیدہ ہے۔ مختلف مسائل میں اختلافات اکابر کے درمیان پیدا ہوئے ہیں، اور بہت سارے مسائل میں بعض علمأ کرام نے تفرد کیا ہے اور اس سلسلے میں علمأ کرام کا تغلیط کا طریقہ مختلف رہا ہے، اس لئے بندہ کے اس خط کا مفہوم بھی صرف اتنا تھا کہ فتویٰ کا یہ دوسرا جز کلی طور پر درست نہیں جس میں اشاعت التوحید سے متعلقہ مطلقاً تمام اشخاص و افراد کو اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ بندہ نے اس حقیقت کا اظہار حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب (کہروڑ پکا) کے سامنے بھی کیا تھا، وہاں بھی جب حضرت شیخ الحدیث موصوف نے پوچھا تھا کہ تمہارے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے

تو میں نے عرض کیا تھا کہ عقیدہ کی حد تک یہ فتویٰ صحیح ہے کہ عذاب قبر کا منکر اہلسنت والجماعت سے خارج ہے اور بندہ کا بھی یہی عقیدہ ہے، البتہ علی الاطلاق اشاعت التوحید والسنة والوں کو عذاب قبر کا منکر قرار دینا اور اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا درست نہیں، ہاں میں نے اوپر جو چند نام منکرین عذاب قبر کے ذکر کئے ہیں اگر اس طرح کے کچھ دیگر لوگ بھی ہوں جو عذاب قبر کے کسی بھی درجہ میں منکر ہوں تو وہ یقیناً اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، چاہے وہ اپنے آپ کو کسی بھی طرف منسوب کرتے ہوں، لیکن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ ہرگز عذاب قبر کے منکر نہیں تھے، یہ حضرات میرے اساتذہ تھے اور میں عذاب قبر سے متعلق ان کے موقف سے بخوبی واقف تھا، باقی ان کی تفرداتی آرا کی صحت و خطا کے بارے میں اپنا عقیدہ و مسلک میں اس مضمون میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ بندہ حیات انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا سماع موتی یا توسل وغیرہ کے مسائل میں ان حضرات کی آرا کو ان کے اور ان کے استاد مولانا حسین علی صاحبؒ کے تفردات میں سے سمجھتا ہے اور بندہ کا عقیدہ ان مسائل کے بارے میں وہی ہے جو عقائد علمائے دیوبند نامی کتاب میں درج ہے۔ یہ اس موضوع پر میری اول و آخر تحریر ہوگی، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص میرے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈا کرتا رہے گا تو وہ انشاء اللہ یوم الحساب کو اُس ”عالم الغیب و الشہادۃ“ اور ”عالمٌ بما فی الصدور“ کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

میں اس بحث کا اختتام اپنے شیخ و مرشد، مرشد العلمأ شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہ کی اس عبارت پر کرتا ہوں:

> ”ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں ایک جگہ فرمایا ہے (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ ”علم توحید کے مسائل میں کسی جگہ اشکال پیش آجائے تو کہدے کہ اللہ و رسولؐ کے نزدیک جو مسئلہ ہو میرا اس پر ایمان ہے“ اور پھر اہل علم سے تحقیق کرے“۔ اس ناکارہ (حضرت لدھیانویؒ) نے حضرت امامؒ کے اس جملہ کو اپنی زندگی کا اصول بنا رکھا ہے، بار بار جب بھی خیال آجائے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ:
>
> ”یا اللہ! آپ کو علم ہے کہ میں نے جو عقائد دل میں رکھے ہیں، یا قلم و

زبان سے ان کا اظہار کیا ہے، جو شرعی مسائل میں نے سمجھے ہیں، لکھے ہیں، یا بیان کئے ہیں، یا چھوڑے ہیں، یہ سب کچھ میں نے اپنے علم و فہم اور عقل و ادراک کے مطابق آپ کی رضا کے موافق سمجھتے ہوئے کیا ہے۔ یا اللہ! میں جانتا ہوں کہ میرے بہت سے علوم و ادراکات، بہت سے احساسات و جذبات، بہت سے اعمال آپ کی منشا کے خلاف ہوں گے۔ یا اللہ! میری جو چیز بھی آپ کی رضا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہو، یا اللہ! میں بصمیم قلب اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، اور میں ہر اس بات پر ایمان لاتا ہوں جو آپ نے اپنے حبیب پاک (علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا) پر نازل فرمائی۔ یا اللہ! میں ان تمام عقائد کو، تمام اعمال کو، تمام امور کو اسی طرح مانتا ہوں جس طرح آپ کا منشا ہے اور جس طرح آپ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائے اور ان پر نازل فرمائے۔

خلاصہ یہ کہ جو اللہ و رسول کا عقیدہ ہے وہی میرا ہے، اور میں دین حق کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مانتا ہوں"۔

یہی بندہ کا عقیدہ ہے اور بندہ کے تمام عقائد وہی ہیں جو علمأ دیوبند کے ہیں، بندہ حیات انبیأ کرام، توسل، سماع موتی اور اس طرح کے دیگر مسائل میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ دینؒ، مجتہدینؒ اور جمہور علمأ کا مقلد اور اکابر دیوبند کے مسلک و مشرب کا پابند ہے، بندہ ہر قسم کی تفرداتی آرا سے مکمل طور پر بری ہے اور تھا، اور ان مسائل میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میرے شیخ و مرشد حضرت لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کا عقیدہ تھا۔

ہمارے شیخ شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف فتنوں کے تعاقب میں حضرتؒ سے جو کام لیا دور حاضر کے ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر دام ظلہ کے علاوہ شاید ہی کسی اور سے اتنا کام لیا گیا ہو۔ آپ باقاعدگی سے اپنی مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے جسے بعض حضرات نے کیسٹ کی شکل میں محفوظ بھی کیا، اسی طرح ترمذی شریف کے ابواب الزہد کی

حو شرح حضرت بنوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے حکم پر آپ نے مرتب فرمائی جو بینات میں پابندی سے شائع ہوتی رہی اور بعد میں ”دنیا کی حقیقت“ کے عنوان سے مستقل کتاب کی صورت میں بھی شائع ہوئی، جو اپنے اچھوتے اسلوب اور طرز نگارش کی بنا پر بے نظیر ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دور میں جہاد کے حوالے سے جو عظیم خدمات آپ سے لیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ تبلیغ و دعوت اور اصلاح وارشاد کے سلسلے میں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی نے آپ سے رجال سازی اور دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والی اپنی مخلوق کی اصلاح و تربیت کا جو نا قابل یقین کام لیا اس کی مثال ماضی قریب میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے بعد مشکل سے ملے گی۔

آپ کی ان ہمہ جہتی خدمات و کمالات خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت اور تعاقب قادیانیت کے سلسلے میں خدمات کو دیکھ کر دل میں بے ساختہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپؒ پندرہویں صدی کے مجدد تھے اور اگر اس میں مبالغہ سمجھا جائے تو مجددین کی جماعت کے رکن رکین تو یقینی طور پر تھے، کیونکہ علماٗ نے لکھا ہے کہ مجدد کبھی صدی کی ابتدا میں ہوتے ہیں، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں۔ آپ کی خدمات کی قبولیت کو دیکھئے کہ اس وقت عالم اسلام میں جس نوع کی بھی اسلامی خدمت ہورہی ہے اس میں آپ کے خلفاٗ، منتسبین و مریدین الحمد للہ نہ صرف شامل ہیں بلکہ اکثر دینی خدمات میں ان کی حیثیت قائدین کی ہے۔ جمعیت علماٗ اسلام سیاسی میدان میں علماٗ حق کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس کی سرخیلی اور قیادت پر جو شخصیت فائز ہے یعنی مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، ان کو حضرت شہیدؒ نے میدان عرفات میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا اور مولانا احمد میاں حمادی بھی آپؒ کے خلفاٗ کرام میں شامل ہیں۔ مولانا محمد اعظم طارق بھی آپؒ کے فیض یافتہ ہیں، اسی طرح جہادی تنظیم جیش محمد کی سربراہی بھی آپ کے خلیفہ مولانا مسعود اظہر فرمارہے ہیں، جنہیں حضرت شہیدؒ نے خلافت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس طرح آپ کے جہادی عمل میں میرا بھی حصہ شامل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ تبلیغی جماعت کے اکابر مولانا طارق جمیل، حافظ فیروز الدین لدھیانوی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس اور محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے

معتمد خاص و جانشین اور سفر و حضر کے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ کے علاوہ دیگر کئی حضرات بھی آپ کے فیض یافتہ اور شاگرد ہیں۔ اقرأ روضۃ الاطفال کے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ، مفتی خالد محمود اور مفتی مزمل حسین کاپڑیا تو براہ راست آپ کے فیض یافتہ ہیں اور آپ کی ادارت میں اس ادارہ نے گلگت جیسے ظلمت کدہ میں اپنی قرآنی خدمات کا دائرہ وسیع کر کے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت شہیدؒ کا یہ کارنامہ بھی مجددانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت کے خادم خاص، جنہوں نے حضرت کا فیض سب سے زیادہ حاصل کیا، اور اس وقت حضرت کے نائب اور جانشین ہیں، یعنی حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے فیض کو تحریروں کی صورت میں زندہ رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح انگلینڈ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں کام کرنے والی دینی جماعتوں کے سرکردہ رہنما بھی حضرتؒ کے فیض سے اپنی خدمات کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ اس بنا پر اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ ہماری صدی کے مجددین کی فہرست میں ایک نمایاں مقام کے حامل تھے اور انہی خدمات جلیلہ کو سرانجام دیتے ہوئے آپ حیات جاودانی کا انعام پاکر اس طرح رخصت ہوئے کہ قیامت تک تمام عالم میں ہونے والی خدمات دینیہ کا ثواب اللہ تعالیٰ انشاء اللہ آپ کو پہنچاتے رہیں گے۔ نیز اولاد صالح، حافظ محمد سعید اسعد، حافظ محمد عتیق الرحمٰن، مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی، کتب دینیہ اور دیگر صدقات جاریہ کی صورت میں بھی آپ کا فیض انشاء اللہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ میں آخر میں جگر کا وہ شعر دوبارہ لکھوں گا کہ :

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

............☆............

...... میرا بھائی! مدینے کا سفر محبت کا سفر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرنے کا سفر ہے۔ ہم آنحضرت ﷺ کے در دولت پر اس لیے حاضری دیتے ہیں کہ ہم عرض معروض کر سکیں کہ حضورؐ ہماری بھی شفاعت کریں۔ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ یہ نہ کہے کہ میں مدینے کی زیارت کے لیے آیا ہوں، بلکہ یہ کہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ اقدس میں بھی اسی طرح حیات ہیں جس طرح کہ آپؐ اپنی زندگی میں حیات تھے۔ یہ اپنا عقیدہ ہے۔......

علم و عمل کے جامع

مفتی عبدالشکور ترمذیؒ ، سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمتہ اللہ علیہ یقیناً ،ایک جید عالم دین اور ممتاز مذہبی رہنما تھے ، موصوف علم و عمل کے جامع ،ایک عمدہ اور مقبول استاذ و مصنف ہونے کے ساتھ بہترین مربی اور مزکی بھی تھے۔

مخدوم العلماً مولانا خیر محمدؒ صاحب جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی جامع شخصیت نے جہاں مولانا مرحوم کو ایک کامیاب مدرس ، مدبر اور منتظم بنایا تھا وہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے فیض صحبت نے انکو ایک شیخ وقت اور مقبول ترین مربی بھی بنادیا تھا، جیسے ان سے استفادہ کرنے والے طلباً، علماً کرام کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے ، ایسے ہی ان سے فیض پانے والے بھی بحمد اللہ ہزاروں سے متجاوز ہیں ، درس و تدریس ، وعظ و تبلیغ ، بحث و افتاً ،اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ انہوں نے جو دینی خدمات سر انجام دی ہیں وہ ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتی رہیں گی ، اللہ تعالیٰ انکی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور انکے درجات کو مزید بلند فرمادیں۔ (آمین)

موصوف کی شخصیت میں مذکورہ اکابر کے علاوہ سب سے زیادہ جس نابغۂ روزگار ہستی کی تربیت کا اثر ہوا۔ وہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے صحیح علمی جانشین محدث کبیر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی عظیم شخصیت ہے ، حضرت موصوف سے انسلاک کے بعد مرحوم کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوا اور وہ خود بھی ایک ہمہ گیر شخصیت کے حامل بن گئے اور اس طرح مختلف

دینی اداروں، جماعتوں اور تحریکوں کو ان کی سرپرستی حاصل ہوئی۔

مولانا موصوف اگرچہ احقر سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے مگر کم عمری میں ہی وہ تدریس کے ساتھ تحریر و تقریر کے میدان میں بھی مصروف عمل ہو گئے تھے، اس لئے شروع سے ہی انکی تحریریں پڑھنے کا موقع ملتا رہا، "حدیث قسطنطنیہ" پر ان کا مضمون بہت ہی عمدہ تھا، جو ابتدائی زمانہ کی وقیع علمی تحریروں میں شمار ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات سب سے پہلے اس دور میں ہوئی جب وہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہا کی خدمت میں سرگودھا حاضر ہوتے تھے، ایک مرتبہ ۱۹۸۶ء میں حضرت عارفیؒ کے ہاں بھی ملاقات کا موقع حاصل ہوا جب بھی ملاقات ہوئی۔ بڑی محبت وبشاشت سے پیش آئے جسکا اب تک قلب پر اثر ہے۔ انکی تصانیف اور تحریریں نہایت شستہ اور مفید ہیں، خاص طور پر "بینات،، کے اداریئے اور "صراط مستقیم"، "شیعہ سنی اختلاف"، "آپ کے مسائل اور انکا حل" اور رد قادیانیت پر لکھی گئی کتب قابل ذکر ہیں۔ بینات میں ترمذی شریف کی شرح بھی نہایت عمدہ اور مفید ہے اگر تکمیل کے بعد اس کو الگ شائع کر دیا جائے تو علماً و طلباً کو بہت نفع ہو سکتا ہے۔ (بحمد اللہ اسکی دو جلد شائع ہو چکی ہیں۔ مدیر)

مولانا محترم کو حق تعالیٰ نے مختلف فرق پر نقد و تنقید کی بھی بڑی صلاحیت عطا فرمائی تھی، بحمد اللہ وہ خود صحیح مسلک پر بہت متصلب تھے، رافضیت، قادیانیت اور پرویزیت وغیرہ فرق باطلہ کے رد میں انکی تحریریں سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بینات میں مختلف کتب پر ان کا تبصرہ نہایت جاندار ہوتا تھا، احقر نے جب ہدایۃ الحیران۔ کے نام سے جواہر القرآن پر رد لکھا تو حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صدیقی فاضل دیوبند، مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا نے کراچی میں اسکا تذکرہ آں موصوف سے فرمایا، احقر نے اسکے بعد تبصرہ کیلئے کتاب بھیجی تو تبصرہ سے قبل درج ذیل مکتوب احقر کے نام روانہ فرمایا:

"محترم و معظم زیدت الطافہم، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جناب مولانا قاری جلیل الرحمان صاحب سرگودھا نے آں محترم کا ذکر خیر فرمایا تھا، رمضان المبارک میں گھر چلا گیا اور بات بھول بھلا گئی آج واپسی پر آپکی تصنیف لطیف کا پیکٹ کھولا تو قاری صاحب اور آپ دونوں یاد

آئے آپ دونوں کا بے حد ممنون ہوں کہ یاد فرمایا یہ خط محض وصولی کی رسید ہے، پڑھ کر تبصرہ کروں گا، اور وہ پرچہ آپ کو بھی بھیجوں گا، امید ہے مزاج سامی بعافیت ہونگے۔ والسلام

محمد یوسف عفااللہ عنہ مدیر ''بینات،، کراچی

۱۴ شوال ۹۰ھ،،

آں محترم نے حسب وعدہ اس کے بعد کتاب پڑھ کر اس پر تبصرہ فرمایا اور وہ پرچہ بھی ارسال فرمایا تبصرہ میں انکے یہ کلمات جہاں اکابر سے تعلق کے آئینہ دار ہیں وہیں ہم سب کیلئے ایک سبق کا درجہ بھی رکھتے ہیں کہ :۔

''ہمارے اکابر کی خاص روایت یہ رہی ہے کہ جب کسی علمی لغزش پر انہیں متنبہ کیا گیا، انہوں نے اس سے فوراً رجوع کر لیا، اسکے بر عکس زائغین کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار جو بات ان کے قلم سے نکل گئی، اس سے رجوع کرنے کو انہوں نے اپنی توہین سمجھا اور متنبہ کرنے والوں کو اپنا حریف تصور کیا الخ،،۔

مولانا مرحوم ہی کا ایک واقعہ اس سلسلہ میں یاد آگیا جو اکابر کے طرز کا مکمل عکس ہے اس لیئے اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ ''اقرا ڈائجسٹ'' میں آپ کے مسائل کا کالم بھی چھپتا تھا، ۱۹۸۶ء کے ایک شمارہ میں غیر کفو کے نکاح سے متعلق ایک فتویٰ موصوف کا نظر سے گزرا جو مفتی بہ نہیں تھا، احقر نے برخوردار عبدالقدوس سلمہ سے اس سلسلہ میں مولانا موصوف کو خط لکھوایا اور ''شامی،، کی عبارت لکھوا کر بھیجی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اسکو قبول کیا بلکہ سابقہ فتویٰ سے رجوع کا اعلان بھی اسی رسالہ میں شائع فرمایا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیراً۔

حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ایک مرتبہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر کا تذکرہ آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر تبصرہ اور تنقید کی ضرورت پر زور دیا، احقر نے عرض کیا کہ حضرت بنوریؒ نے ''یتیمۃ البیان'' میں اس پر بہت زور دار لکھا ہے لیکن وہ عربی میں ہے اسکے ترجمہ کی ضرورت ہے اس پر طے پایا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو لکھا جائے کہ وہ اس حصہ کا ترجمہ فرما کر ''بینات،، میں شائع کر دیں۔ چنانچہ آں موصوف کو خط

لکھا گیا تو انہوں نے تحریر فرمایا کہ "اس تجویز پر غور ہو رہا ہے فرصت ملنے پر کام کرونگا؟ مگر افسوس کہ انہیں اسکی فرصت نہ مل سکی۔ البتہ ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" میں کافی عرصہ پہلے یتیمۃ البیان کے اس حصہ کا ترجمہ دو قسطوں میں طبع ہوا تھا، مولانا آزاد بھی اس وقت حیات تھے۔ احقر نے ان تمام مضامین کو مع اضافات ایک رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا ہے مگر وہ اب تک شائع نہیں ہوا۔

یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مولانا کو اپنے مسلک میں بہت تصلب حاصل تھا، اکابر کے ساتھ عقیدت و محبت اور انکی اتباع کو وہ انتہائی اہم سمجھتے تھے۔ کتاب "المہند" جو علمائے دیوبند کی متفقہ عقائدی دستاویز ہے اس کا خلاصہ احقر نے بصورت اشتہار شائع کرایا تو سکھر کے احباب کی فرمائش پر انہوں نے بلا کسی تردد کے دستخط ثبت فرما دیئے، پھر وہ ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر مساجد و مدارس میں لگایا گیا۔

سرگودھا کے علمائے کرام نے گذشتہ دنوں ایک دو روزہ عظیم کانفرنس بلاک نمبر ایک میں رکھی اور مولانا مرحوم کو اس میں بطور خاص دعوت دی گئی، مولانا مرحوم خاصے طویل دورہ سے سفر کر کے پاکستان تشریف لائے تھے، مگر ضعف اور تکان کے باوجود اس کانفرنس میں تشریف لائے، احقر خواہش کے باوجود اس موقعہ پر ان سے نہ مل سکا جس کا افسوس رہے گا ایک رات کی نشست میں جلسہ کی صدارت بھی انہوں نے فرمائی برخوردار عبدالقدوس سلمہ بھی اس میں شریک ہوئے مگر کسے معلوم تھا کہ اہل سرگودھا کو انکی یہ آخری زیارت ہو رہی ہے، اسکے چند دن بعد ہی انکی شہادت کا المناک حادثہ پیش آگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ سے اور اپنی مرضیات سے نوازیں۔ آمین۔

ابھی ماہنامہ "بینات،، میں جناب صوفی محمد اقبال صاحب مرحوم کے نام مولانا کا مکتوب پڑھا اسمیں جس اعتدال کے ساتھ انہوں نے موصوف کے نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے وہ قابل تقلید ہے اس سے مولانا کے اکابر کے ساتھ مکمل اعتماد اور انکے مسلک و مشرب سے وابستگی بھی واضح ہے۔ تمام تر علمی و عملی صلاحیت اور ترقی کے باوجود اپنے بڑوں پر اعتماد اور انکے مسلک و مشرب کی پابندی میرے نزدیک اس دور میں انتہائی اہم ہے مرحوم کی زندگی اور انکی سیرت میں یہ خوبی نہایت درجہ نمایاں ہے، الحمد للہ علی ذالک۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مولانا محمد تقی عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کو کئی ماہ ہو گئے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کی مفارقت کا زخم بالکل تازہ ہے، اور نہ جانے کب تک یہ زخم ہرا ہی رہے گا، ان کی شخصیت ایسی نہیں جسے بھلایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے زندگی کے مختلف شعبوں میں خدمت دین کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کے نقوش زندۂ جاوید ہیں اور ان نقوش کے درمیان ان کا کھلا ہوا پر نور چہرہ ناقابل فراموش۔

مجھے مولاناؒ سے سب سے پہلے شناسائی کا شرف دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ماہنامے "الحق" کے ذریعے حاصل ہوا، یہ جنرل ایوب خان صاحب مرحوم کی حکومت کا دور تھا، اور اس زمانے میں اسلام آباد کا "ادارۂ تحقیقات اسلامی" ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں اسلام کا ایک مغربی ایڈیشن تیار کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا، مولاناؒ نے تحقیق کے نام پر تحریف دین کی اس کوشش کے خلاف "الحق" میں بڑے موثر مضامین لکھنے شروع کئے، اس وقت مولاناؒ پنجاب کے ایک چھوٹے سے قصبے "ماموں کانجن" میں مقیم تھے اور وہاں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے، چنانچہ ان مضامین کے ساتھ مولاناؒ کا نام "مولانا محمد یوسف ماموں کانجن" چھپا کرتا تھا، میں یہ مضامین شوق سے پڑھتا اور یہ دیکھ کر بڑی خوشگوار حیرت ہوتی کہ ایک گمنام قصبے سے ایک ایسا صاحب طرز مصنف نمودار ہو رہا ہے جس کی تحریر میں علم کی وسعت و گہرائی کے ساتھ انداز بیان کی سلاست و شگفتگی اس طرح جمع ہے کہ اس کی

مثالیں نئے لکھنے والوں میں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ اس طرح مولاناؒ سے غائبانہ محبت کا تعلق قائم ہوا جو ان کو قریب سے دیکھنے، سفر و حضر میں ساتھ رہنے اور انہیں برتنے کے نتیجے میں بفضلہ تعالیٰ بڑھتا ہی چلا گیا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس اللہ سرہ کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، انہوں نے مولاناؒ کے اندر چھپے ہوئے جوہر کا اندازہ فرمایا اور انہیں ماموں کانجن سے اپنے مدرسے میں کراچی بُلالیا، مولاناؒ کراچی منتقل ہوئے تو ملاقات کے لئے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے پاس تشریف لائے، اس موقع پر مجھے پہلی بار ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، میں اب تک ان کی تحریروں کے ذریعے متعارف تھا، ان تحریروں میں تنقیدی طنز کی جو شوخی اس وقت نمایاں تھی اس کے پیش نظر میرے ذہن میں انکا کچھ اور تصور تھا، مگر جب انہیں دیکھا تو ان کا سراپا اس تصور سے کافی مختلف نکلا، ایک مرنجاں مرنج اور سادہ ودرویشانہ وجود جس میں شوخی کا دور دور نشان نہ تھا، حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ نے ان سے اپنے مدرسے میں تدریس کی خدمت لینے کے علاوہ انہیں اپنے ماہنامے "بینات" کی ادارت بھی تفویض فرمادی، مدتوں "بینات" پر بحیثیت مدیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھیؒ کا نام چھپتا رہا، لیکن عملاً مدیر مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے، یہاں تک کہ حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ نے خود اداریہ لکھنا چھوڑ دیا اور یہ خدمت بھی حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے سپرد فرمادی، اور غالباً یہ بینات ہی کے ذریعے ہوا کہ ان کے نام کے ساتھ "لدھیانوی" کی نسبت ان کے نام کا جزبن گئی۔

میرا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ سے تھا، اور اس بنا پر ہر ہفتے حضرتؒ کی مجلس میں حاضری کا معمول تھا، کچھ عرصے کے بعد مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے بھی اس مجلس میں پابندی کے ساتھ حاضری شروع کردی اور اس طرح مجھے ان کے "پیر بھائی" ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا، حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ ان پر خاص شفقت فرماتے اور بالآخر انہیں حضرتؒ نے اپنی طرف سے بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرما کر اپنا خلیفہ مجاز بھی بنادیا، اس سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہ سے بیعت تھے اور شاید حضرتؒ سے انہیں اجازت حاصل تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ

نے انہیں دونوں بزرگوں کے فیوض سے حصہ وافر عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دور میں دین کی کثیر الجہت خدمات کیلئے گویا چن لیا تھا، لیکن ان کے فیوض کے تین بڑے دائرے سب سے زیادہ نمایاں تھے، ایک ان کی تحریری خدمات، دوسرے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذریعے فتنہ قادیانیت کی تردید کے لئے ان کا بیش بہا کام اور تیسرے اصلاح وارشاد کا سلسلہ۔

انہیں تحریر وانشا کا وہ خداداد سلیقہ اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا جو ان کے معاصر اہل علم کے لئے قابل رشک تھا، "بینات" کی ادارت کے دور میں ان کے قلم سے متفرق مضامین کے علاوہ بڑی مفید تصانیف منظر عام پر آئیں، "عصر حاضر احادیث نبویہؐ کے آئینے میں" بڑا مفید سلسلہ مضامین تھا جو احقر کی درخواست پر کتابی شکل میں بھی شائع ہوا، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کی "کتاب الزہد والرقائق" کا ترجمہ بھی بینات میں قسط وار شائع ہوتا رہا، اور اس طرح حدیث کی اس عظیم کتاب کی خدمت ان کے حصے میں آئی، پھر "اختلاف امت اور صراط مستقیم" کے نام سے ان کی معرکۃ الآرا تصنیف ان لوگوں کے لئے بطور خاص انتہائی مفید ثابت ہوئی جو مسلمانوں کے اختلاف مسلک سے مشوش اور پریشان رہتے ہیں، اس کتاب میں مولاناؒ نے عصر حاضر میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر پر بڑا متوازن اور جاندار تبصرہ فرمایا ہے جس سے نہ جانے کتنے لوگوں کی فکری اصلاح ہوئی۔

روزنامہ جنگ نے "اقرأ" کے نام سے مذہبی صفحہ شروع کیا تو مولاناؒ نے اس میں قارئین کے سوالات کے جوابات دینے شروع کئے، یہ سلسلہ سالہاسال سے "جنگ" میں جاری تھا، اور آخر وقت تک جاری رہا، ان کے یہ جوابات بے شمار مسلمانوں کے لئے راہنمائی کا سبب بنے اور بالآخر ان کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو کر نہایت مقبول ہوا اور اس طرح ان کا یہ فیض دائمی صورت اختیار کر گیا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد مولاناؒ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا نائب امیر منتخب کیا گیا، اور انہوں نے بہت جلد قادیانیت کے بارے میں اپنے مطالعے اور تحقیق سے اس موضوع پر اختصاص کا درجہ حاصل کر لیا، انہیں مرزا غلام احمد

قادیانی کی تصانیف کے حوالے ازبر تھے، اور انہوں نے رد قادیانیت پر ایک انتہائی مفید کتاب مرتب فرمائی جو ایک حقیقت پسند انسان کو حق تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔

جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کی عدالت میں جب یہ مقدمہ چلا کہ مرزائی مسلمان ہیں یا نہیں؟ تو پاکستان سے ایک وفد مسلمانوں کے مقدمے میں ان کی مدد کیلئے وہاں گیا، مولاناؒ اس وفد کے رکن رکین تھے، مجھے بھی اس سفر میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا ظفر احمد انصاریؒ اس وفد کے سربراہ تھے، اور دیگر ارکان میں جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب، مفتی زین العابدین صاحب، جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب، پروفیسر خورشید احمد صاحب، ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب وغیرہ شامل تھے۔

یہ میرا ان کے ساتھ پہلا سفر تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اس رفاقت نے میرے دل میں مولاناؒ کی محبت میں کئی گنا اضافہ کردیا، چونکہ مقدمے کیلئے مواد کی تیاری انگریزی میں ہوتی تھی، اس لئے تحریری کام تو زیادہ تر ہمیں کرنا پڑتا تھا لیکن اس کام میں مواد کی فراہمی، حوالوں کی تلاش اور متعدد کام کرنے والوں اور ان کی ضروریات کی فراہمی کیلئے مولاناؒ نے جس عرق ریزی اور بے نفسی سے کام کیا وہ وفد کے تمام ارکان کے دل میں ان کے اخلاص اور للّٰہیت کا گہرا نقش چھوڑ گیا۔

اگرچہ مولاناؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے اور امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم تھے لیکن عملاً مجلس کے تمام کاموں کی نگرانی مولاناؒ ہی کرتے تھے، اور انکے زمانے میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا کام عالمی سطح پر بہت پھیلا، مختلف مغربی ملکوں اور خاص طور پر برطانیہ میں اس کے مختلف مراکز قائم ہوئے، کراچی کی مسجد باب الرحمت میں مولاناؒ نے اس کا مرکزی دفتر قائم فرمایا، وہاں سے ہفت روزہ "ختم نبوت" جاری کیا اور اس مرکز سے مختلف ممالک میں تبلیغی سرگرمیوں کی نگرانی فرمائی، ہر سال برطانیہ کے شہر برمنگھم میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس بڑی آب و تاب سے منعقد ہوتی اور مولاناؒ اس کے روح رواں ہوتے۔

وہ تقریباً ہر سال مجھے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی فرمائش کرتے لیکن مجھے اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس میں باقاعدہ شرکت کا موقع تو نہ مل سکا لیکن ایک مرتبہ میں اس کانفرنس کے چند ہی دن بعد لندن پہنچا تو مولاناؒ کانفرنس سے فراغت کے بعد وہاں مقیم تھے

اور اسکاٹ لینڈ کے ایک تبلیغی سفر کا پروگرام بنا رہے تھے، اس سفر میں مجھے انکی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ جب وسط ایشیأ کی ریاستیں روس کے تسلط سے آزاد ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ازبکستان میں قادیانی پروپیگنڈا مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے، اس موقع پر مولاناؒ نے ازبکستان کے دورے کے لئے پاکستانی علمأ کا ایک وفد ترتیب دیا جس میں برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، مولانا مسعود اظہر صاحب، اور دوسرے حضرات شامل تھے۔ اس سفر میں بھی مولاناؒ کے ساتھ بڑا یادگار سفر گزرا، تاشقند، سمر قند اور بخارا کے اہل علم سے ملاقاتیں ہوئیں اور انہیں فتنہ قادیانیت سے آگاہ کیا گیا۔

جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ زیر بحث تھا تو حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر تھے اور انہی کی قیادت میں تحریک ختم نبوت اپنے شباب پر تھی، قومی اسمبلی میں مسلمانوں کی طرف سے جو بیان پیش ہونا تھا حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ نے اس کی تیاری کیلئے مجھے حکم دیا تھا، چنانچہ اس کام کیلئے میں تقریباً دو ہفتے راولپنڈی میں حضرتؒ کے ساتھ مقیم رہا، اور جب اس کام کی تکمیل کے بعد کراچی واپس پہنچا تو مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور جب پارلیمنٹ نے مرزائیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کے بارے میں دستوری ترمیم منظور کرلی تو مولانا لدھیانویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”آج قیام پاکستان کے فائدے کا اندازہ ہوا، کیونکہ یہ کام غیر منقسم ہندوستان میں ممکن نہیں تھا“۔

مرزائیوں کی طرف سے اسلامی اصلاحات کے استعمال وغیرہ کی ممانعت پر جو آرڈی نینس صدر محمد ضیأ الحق مرحوم کے زمانے میں جاری ہوا اس کے بارے میں بھی جدوجہد کا سہرا مولاناؒ کے سر ہے، اور اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ صادر کیا تھا اس کی کارروائی میں بھی مولاناؒ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا لدھیانویؒ کا اصلاحی تعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بھی تھا، اور بعد میں میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس سرہ سے بھی انہیں خلافت حاصل ہوئی، ان دونوں بزرگوں کے فیوض سے مالامال ہو کر انہوں نے اصلاح وارشاد کے میدان میں بھی عظیم خدمات انجام دیں۔

فیڈرل بی ایریا کی جامع مسجد فلاح کو مولاناؒ نے اس جہت سے اپنا مرکز فیض رسانی قرار دیا تھا اسی مسجد کے مکان میں مولاناؒ آخر وقت تک مقیم رہے، اس مسجد میں ہونے والی ان کی مجالس نے نہ جانے کتنے مردوں اور عورتوں کی زندگی میں خوشگوار دینی انقلاب پیدا کیا، پورے محلے پر ان کی اصلاحات کا رنگ نمایاں تھا، بعد میں لوگ دور دور سے ان مجالس میں شرکت کیلئے آتے اور مولاناؒ کے فیوض سے مالامال ہوتے تھے، اسی مسجد میں انہوں نے ایک دینی مدرسے کی بھی بنیاد ڈالی جو بفضلہ تعالیٰ مفید خدمات انجام دے رہا ہے۔

مجھ ناچیز پر مولاناؒ کی شفقتیں ناقابل فراموش ہیں، میری کوئی علمی یا عملی خدمت ان کے علم میں آتی تو ہمیشہ بڑی محبت سے حوصلہ افزائی فرماتے، مجھ سے کئی مرتبہ فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور مجھے بھی آپ سے بڑی محبت ہے، جب میری تالیف "تکملہ فتح الملہم" کی ابتدائی جلدیں چھپ کر آئیں تو مولاناؒ مبارکباد کیلئے میرے گھر پر تشریف لائے، میری پیشانی کو بوسہ دیا، اور پانچ سو روپے ہدیہ عنایت فرماکر کہا کہ "آپ نے جو خدمت انجام دی ہے اس پر مسرت کے علامتی اظہار کیلئے میرا بساختہ جی چاہا کہ یہ ہدیہ پیش کروں"۔

مولاناؒ اپنے دینی مسلک کے لحاظ سے اکابر علماءِ دیوبند کے سوفی صد نمائندے تھے، اور اس کی تمام جزئیات پر ان کی نظر بڑی گہری اور مدلل تھی، وہ بڑی پختہ استعداد کے مالک تھے اور اپنے مسلک کے معاملے میں کبھی انہوں نے کسی مداہنت کو گوارا نہیں کیا، جن لوگوں سے انکے ذاتی تعلقات تھے، ان سے بھی اگر کوئی بات معتدل مسلک سے ہٹی ہوئی صادر ہوئی تو انہوں نے احقاقِ حق کے فریضے میں کوتاہی نہیں کی اور ریکارڈ ہمیشہ درست رکھا۔

مسلک اعتدال کی نشاندہی میں وہ اپنے قریبی رفقاء، معاصر و اکابر تک کی کسی لغزش پر چشم پوشی اور رعایت کے روادار نہ تھے، چنانچہ حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر آپ نے جو شذرہ تحریر فرمایا اسے پڑھ کر میرے دل پر حضرتؒ کے جس حُسنِ اعتدال کا تأثر پیدا ہوا، بے اختیار جی میں آیا کہ حضرتؒ کی خدمت میں اپنے جذبات کا اظہار کروں، اس موقع پر میں نے آپ کو جو عریضہ لکھا، وہ درج ذیل ہے :

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر گرامی قدر و معظم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے ایک مرتبہ تکملۂ فتح الملہم کی اشاعت پر احقر ناکارہ کی پیشانی چوم کر ایک ذرۂ بے مقدار کو اعزاز بخشا تھا، اور ایک مرتبہ "البلاغ" کے ایک مضمون پر کسی کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر تم سامنے ہوتے تو تمہاری پیشانی چومتا، یہ سب کچھ آپ کی خورد نوازی اور عظمت فکر کی بات تھی، ورنہ احقر یقیناً اس لائق نہ تھا اور نہ ہے، البتہ آپ کی متعدد تحریروں کو پڑھ کر میرے دل میں یہ حسرت ضرور پیدا ہوئی کہ اگر میرا مُنہ کسی لائق ہوتا تو آپ کی پیشانی چومتا، لیکن وہ اس لائق بھی نہیں تھا اس لئے اس خواہش و مسرت کو دل ہی مین رکھا، کل تازہ "بینات" ملا، اور اس میں حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کے شذرات نظر سے گزرے تو یہ خواہش پھر دل میں پیدا ہوئی، بے ساختہ دل چاہا کہ اس مرتبہ کم از کم تحریری طور پر ہی اپنی اس خواہش کا اظہار کردوں (عمل کی تو اہلیت ہی نہیں) میں نے پہلے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کتاب پر آپ کا تبصرہ نہیں پڑھا تھا، اس شذرے کے ذریعے وہ پڑھنے کا موقع ملا، اور جس حُسنِ اعتدال اور رعایتِ حدود کے ساتھ وہ لکھا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں، زادکم اللہ علماً وافادۃً۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے راستے پر ثبات عطا فرمائیں، اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔ "شخصیات وتأثرات" کا تحفہ بھی پہنچا، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔

والسلام

احقر محمد تقی"

علم و فضل، تحریر و تصنیف اور دیگر خدمات میں مقام بلند حاصل کرنے کے باوجود ان کی شخصیت بڑی سادہ، متواضع، مرنجاں مرنج اور تصنع سے کہیں دور تھی، ان سے مل کر ہر ملنے

والے کو بشاشت کا احساس ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے عبادت کا ذوق فراواں بھی عطا فرمایا تھا، اتباع سنت کا رنگ ان کی ادا ادا سے نمایاں تھا، اور یہی وہ گرانقدر صفت تھی جس نے ان کے فیوض کی خوشبو دور دور تک پہنچائی۔

جن لوگوں نے انہیں دیکھا اور پرکھا ان میں سے کسی شخص کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ مولاناؒ کی کسی سے دشمنی ہوگی، مولاناؒ نے جس بات کو حق سمجھا اسے حق، اور جسے باطل سمجھا اسے باطل کہنے کا فریضہ بفضلہ تعالیٰ کسی مداہنت کے بغیر ادا کیا، لیکن یہ سب کچھ شریفانہ انداز میں کیا جس کی ایک عالم ربانی سے توقع ہوسکتی تھی، کسی کی ذات سے عناد کا ان کے یہاں کوئی تصور نہیں تھا، چنانچہ باطل کے خلاف ان کا زبانی اور قلمی جہاد کبھی دشمنی یا فرقہ واریت کی حد تک نہیں پہنچا، لہذا کبھی تصور بھی نہ تھا کہ کوئی شخص انہیں اپنی دشمنی کا نشانہ بنائے گا لیکن پچھلے چند سالوں سے دہشت گردی کا جو عفریت ہمارے ملک میں برہنہ رقص کرتا رہا ہے، اس کی نظر میں ہر وہ شخص گردن زدنی ہے جو ملک وملت کے کسی کام آسکتا ہو، یا جس کی شفقتوں کی چھاؤں میں یہ ستم رسیدہ قوم پناہ لے سکتی ہو، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے، اور یہی ان کا وہ "جرم" تھا جس کی پاداش میں انہیں اس وقت بربریت کا نشانہ بنایا گیا جب امت مسلمہ کیلئے ان کی خدمات اپنے شباب پر تھیں، ماضی قریب میں ہماری قوم کے جن درخشندہ ستاروں کو اس وحشت و بربریت کی بھینٹ چڑھایا گیا، ان میں سے کسی کے بھی قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جاسکا، مولاناؒ کے قاتل بھی ابھی تک دنیوی سزا سے بچے ہوئے ہیں، لیکن قدرت کے عذاب سے وہ کب تک اپنے آپ کو بچائیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو شہادت کا قابل رشک مقام عطا فرمایا، ان کے متبسم چہرے پر چھایا ہوا سکون کہہ رہا تھا کہ:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں مقامات عالیہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازیں، آمین۔

محقق عالم

مولانا قاضی مظہر حسین: چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا بندہ بیمار تھا اس لئے تعزیت نامہ بھی ارسال نہ کر سکا، دو تین ماہ اسی طرح علالت و نقاہت میں گزر گئے، کئی اہم تحریری کام تھے جو نہ کر سکا- اب تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ بندہ نے بوجہ موتیا دونوں آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے لیکن لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا، اب کچھ لکھنا شروع کیا ہے، اپنی یادداشت کے مطابق حضرت مولانا لدھیانویؒ کے بارے میں کچھ عرض کر رہا ہوں :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے میری پہلی ملاقات مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے پرانے دفتر میں ہوئی جب کہ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ حیات تھے، بندہ کا کسی اجلاس کے سلسلے میں وہاں قیام تھا کہ صبح نماز فجر کے بعد مولانا لدھیانویؒ میرے پاس تشریف لائے اپنا نام وغیرہ بتایا اور مجھ کو میری کتاب "بشارت الدارین" پر مبارک باد دی جو انہی دنوں میں شائع ہوئی تھی، یہ بڑی تقطیع کی ایک ضخیم لاجواب کتاب ہے جو مروجہ ماتم کے رد میں جواب الجواب کے طور پر لکھی گئی ہے، یہ کتاب بڑی نایاب ہے دوبارہ نہیں چھپ سکی، البتہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" دوبارہ چھپ گئی ہے جو اس سلسلے کی میری پہلی مختصر تصنیف ہے۔

اسی ملاقات میں آپ نے میری کتاب "مودودی مذہب" کے بارے میں فرمایا کہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوریؒ (ولادت مئی ۱۹۰۸ء وفات ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء) نے اسے بہت پسند فرمایا ہے، ان دنوں مولانا لدھیانوی شہیدؒ کوئی نمایاں شخصیت نہ تھے یہ آپ کی تدریس اور تالیف و تصنیف کا ابتدائی دور تھا۔

چند سالوں کے بعد مولانا شہیدؒ سے میری دوسری ملاقات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دفتر میں ہوئی، جس کی تقریب یہ ہوئی کہ بندہ حج کے سلسلے میں کراچی جناب حاجی لال حسین اختر صاحبؒ کے ہاں قیام پذیر ہوا تھا، ان دنوں لاہور اور راولپنڈی سے حج کی پروازیں نہیں جایا کرتی تھیں۔

حاجی لال حسین صاحب مرحوم سے قرابت داری بھی تھی اور پھر ان کی جائے پیدائش بھی موضع بڈھیال تحصیل چکوال ہے۔ حاجی صاحب مرحوم ختم نبوت کے پروانے تھے، عموماً علماً حضرات ان ہی کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے، حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادیؒ سے ان کے خصوصی تعلقات تھے، حاجی صاحب مرحوم ہر باطل کے مقابلے میں بہت جری اور بہادر تھے۔

بندہ کے ان کے ہاں قیام کے دوران حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت تشریف لائے، اور جامعہ میں بندہ کے درس وبیان کا پروگرام طے کیا اور مجھے اپنے ساتھ جامعہ لے گئے۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مجھے سیدھا دفتر لے گئے، وہاں کھڑے کھڑے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ اور حضرت مولانا لدھیانوی شہیدؒ سے مصافحہ ہوا، پھر مولاناؒ کی فرمائش پر بندہ نے درس دیا، ان دنوں یزید کے بارے میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی صدیقی مرحوم سے میری بحث چل رہی تھی۔ میرے درس کا موضوع بھی یہی مسئلہ تھا بعد میں جب جنوری ۱۹۸۴ء میں میری کتاب "خارجی فتنہ" حصہ اول شائع ہوئی تو مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے ماہنامہ "بینات" میں اس پر مفصل تبصرہ فرمایا اور بندہ کے پیش کردہ مسلک و موقف کی پرزور تائید فرمائی۔ چنانچہ اس میں آپ نے خارجی فتنہ کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے لکھا کہ :

"بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں، ایک یہ کہ

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے، ان کی خلافت قرآن پاک کی موعودہ خلافت ہے، اس کا انکار یا اس کی تنقیص خلافت راشدہ کا انکار یا اس کی تنقیص ہے، دوم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جو مشاجرات و محاربات رونما ہوئے ہیں، ان میں حضرت علیؓ حق بجانب تھے، جو حضرات ان کے خلاف صف آرا ہوئے وہ خطا پر تھے، مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا، اس لئے وہ اپنی اس اجتہادی خطأ پر بھی عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں، ان پر طعن و تشنیع روا نہیں، بلاشبہ ان دونوں مسلکوں میں جناب مصنف نے اہلِ حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے، اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج و نواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے، اور جس طرح خلفأ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے دفاع کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے، جناب مصنف کو اللہ تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔" (ص ۴۷)

نیز مولانا شہیدؒ اسی مضمون میں لکھتے ہیں :

"خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف و مسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے لیکن موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے خلاف جس درشتی اور تندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے، اب اگر مولانا مرحوم یعنی مولانا سندیلوی اس شدت سے قطع نظر کر کے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ ان کی للّٰہیت و بے نفسی کا کمال ہوگا۔" (ص ۵۰)

مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے اس تائیدی تبصرے سے مولانا محمد اسحاق سندیلوی اس قدر

ناراض ہوئے کہ انہوں نے جامعہ علوم اسلامیہ سے علیحدگی کی درخواست دے دی اور جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور دوسرے اکابر نے ان سے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست کی، مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے بالآخر ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا، حالانکہ مولانا سندیلوی صاحب کتنے سال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شعبہ دعوت وارشاد کے صدر اور مجلس دعوت و تحقیق کے رکن رہ چکے تھے۔

مولانا لدھیانوی شہیدؒ علمأ حق میں سے ایک محقق عالم تھے، صاحب قلم تھے، مختلف موضوعات پر آپ کی جس قدر تصانیف شائع ہو چکی ہیں جن میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" بھی ہے جو قریباً ۹ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ان میں زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل آگئے ہیں، بہت لوگ ان سے مستفید ہوئے ہیں، ان میں آپ کی کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" بھی ہے۔

مولانا شہیدؒ نے جب کسی موضوع پر لکھا تو خوب لکھا اور خصوصاً آپ نے اسلام کے بنیادی عقیدہ "ختم نبوت" کو اپنا موضوع بنایا اس سلسلے میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک ضخیم کتاب "تحفہ قادیانیت" ہے جس کی جلد اول بڑی تقطیع کے ۷۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، میرے پاس موجود ہے۔ یہ بہت مدلل اور لاجواب تصنیف ہے جس میں آپ نے کذاب ودجال مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کو بے نقاب کر دیا ہے اس کی اشاعت کی بڑی ضرورت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ تحفہ قادیانیت کی اس کے علاوہ دو مزید جلدیں بھی شائع ہو گئی ہیں اور چوتھی زیر ترتیب ہے۔

قادیانی فتنۂ کفر وارتداد :

اس دور میں قادیانیت کفر وارتداد کا ایک عظیم فتنہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی ساکن قادیان ضلع گورداس پور کی طرف منسوب ہے، مرزا قادیانی آنجہانی ۲۹ دجالوں اور کذابوں میں سے ایک ہے جن کی خبر حضور خاتم النبیین علیہ السلام نے دی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی مجسمۂ کفر تھا، قادیانیت کا یہ منحوس پودا انگریزوں کا خود کاشتہ ہے، اس فتنہ کے استیصال کے لئے علمأ حق نے بڑی قربانیاں دی ہیں، میرے والد ماجد رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ نے

براہ راست مقدمہ کی صورت میں مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کا مقابلہ کیا ہے۔اس مقدمہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو لالہ آتمارام مجسٹریٹ گورداسپور نے چھ ماہ محض قید کی سزا سنائی تھی جس میں بذریعہ اپیل ایک انگریز وکیل کے ذریعہ مرزا قادیانی کو چھٹکارا حاصل ہوا، اس مقدمہ کی تفصیلات اور سرکاری دستاویزات پر مشتمل کارروائی حضرت والد صاحبؒ کی کتاب "تازیانہ عبرت" میں موجود ہے۔

مجلس احرار اسلام کا قیام بھی اس قادیانی فتنہ کے استیصال کی غرض سے ہوا تھا اور دراصل مجلس احرار اسلام کے روح رواں امیر شریعت، مجاہد جلیل حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ (ولادت یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء وفات ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۶۱ء) تھے قیام پاکستان کے بعد امیر شریعت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالی اور ساری زندگی قادیانی فتنہ کے کفر وارتداد کے خلاف نبرد آزما رہے، حتی کہ آپ کی مساعی سے ۱۹۵۳ء کی ایک تاریخی تحریک ختم نبوت چلی، بالآخر حق تعالیٰ کی نصرت سے علماء حق کی قربانیوں کا ثمرہ اس صورت میں ملا کہ آئین پاکستان میں بھی قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم (کافر) قرار دے دیا گیا۔اب مرزائی قانوناً کلمۂ اسلام نہیں پڑھ سکتے، اذان نہیں کہہ سکتے، اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد نہیں رکھ سکتے اپنے لئے اسلامی اصطلاحات کا استعمال نہیں کرسکتے۔

ترجمہ کتاب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم :

مرجع المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (متوفی ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کی ایک کتاب فارسی میں "خاتم النبیین" ہے جس کا ترجمہ اور تشریح مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے قلم سے ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتابیں بڑی مشکل ہوتی تھیں آپ کے علمی تبحر کی دلیل ہوتی تھیں، مولانا شہیدؒ کے اس ترجمہ و تشریح سے مولانا کی علمی قابلیت نمایاں ہے بندہ بینات میں مولانا شہید کے مضامین کو بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔

قیام پاکستان :

تقسیم ہند یعنی قیام پاکستان کے بارے میں اکابر علماء دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہوگئے

تھے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ مطابق ستمبر ۱۸۶۳ء وفات ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء) قیام پاکستان کے حامی تھے، ان کے نظریہ کو پھیلانے والے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (ولادت ۱۸۸۵ء وفات ۱۹۴۹ء) تھے، جنہوں نے جمعیت علما ہند کی طرز پر جمعیت علمأ اسلام کی بنیاد رکھی تھی، ادھر جمعیت علما ہند کے صدر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ محدث (ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۹ء وفات جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۷ء) اور آپ کے موید وحامی مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (ولادت ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۵۲ء) وغیرہ علمأ دیوبند تھے۔

ان اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ومسلک ایک ہی تھا البتہ قیام پاکستان کے سلسلے میں یہ ایک سیاسی نوعیت کا اجتہادی اختلاف تھا، لیکن جب پاکستان بن گیا تو حضرت مدنیؒ نے اس کو تسلیم کرلیا چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ قیام پاکستان کے حق میں نہ تھے، تاہم جب پاکستان بن گیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اب پاکستان کو مضبوط بنایا جائے، حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ جب تک مسجد تعمیر نہ ہو تو اس کے بارے میں اختلافات ہو سکتے ہیں، اس کی ساخت وبناوٹ، موقع محل پر مختلف آرا ہو سکتی ہیں، لیکن جب مسجد تعمیر ہو جائے تو اس کی تقدیس کا خیال لازم ہے، پھر مسجد کے بنانے نہ بنانے پر بحث نہیں کی جاسکتی، یہی حال قیام پاکستان کا ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا اب چونکہ پاکستان قائم ہو گیا ہے اب پاکستان کو مضبوط بنایا جائے، البتہ اس سلسلے میں میری رائے کا اختلاف ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب خدا تعالیٰ پاکستان کو مستحکم اور خوشحال بنائے۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۸ ص ۷۰۴)

مولانا شہیدؒ اور مسئلہ پاکستان :

مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے بھی اس موضوع پر بحث کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۔

”تقسیم کے وقت مسلم اکثریتی صوبوں کو الگ کرنے کی جو تجویز مطالبہ پاکستان کے نام سے مسلم لیگ نے شروع کی تھی اس میں علمأ دیوبند کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک جماعت مطالبہ پاکستان کی حامی تھی اور اس کو

مسلمانان ہند کی فلاح وبہبود کی کلید سمجھتی تھی، ان کے برعکس دوسرا گروہ ہندوستان کے بٹوارے کو اسلامیان ہند کے لئے نقصان دہ سمجھتا تھا، پہلے فریق میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا اطہر علیؒ ڈھاکہ اور دیگر بہت سے اکابر تھے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو اپنے دور کے تمام علمأ دیوبند کے سر تاج تھے تحریک پاکستان کے زبردست حامی اور موید تھے۔ حضرت تھانویؒ کی اس تائید اور حمایت پر بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح کو بھی فخر تھا۔“

منشی عبدالرحمٰن مرحوم پھلیک لکھتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کی فائل قائداعظم کے پاس محفوظ تھی۔

۲:.... حضرت تھانویؒ کی حیثیت ایک سیاست دان کی نہیں بلکہ ایک مصلح ربانی اور مرشد برحق کی تھی، حضرت چونکہ مسلمانوں کی الگ تنظیم کو مفید سمجھتے تھے اس لئے کانگریس کے بجائے مسلم لیگ کے حامی تھے۔ آپ جہاں اس کی تائید وحمایت فرماتے تھے وہاں آپ منصب اصلاح وارشاد کے لحاظ سے مسلم لیگ کی خامیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

۳:.... لیکن آخر میں حضرت تھانویؒ لیگی لیڈروں سے مایوس ہوگئے تھے۔ چنانچہ مولانا لدھیانویؒ نے اس میں حضرت تھانویؒ کا ایک مکتوب گرامی شائع کیا ہے جو آپ نے سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کے جواب میں لکھا تھا، سکندر حیات نے حضرت تھانویؒ کو مسلم لیگی امیدوار شیخ صادق حسین کی حمایت حاصل کرنے کے لئے خط لکھا تھا تو حضرتؒ نے ان کا مفصل جواب لکھا تھا جس میں یہ بھی لکھا کہ:

”لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف توجہ نہ فرمائی، اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا میں بھی موثر ہیں میں اور بتلاتا، مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے یہ شکایت ہے کہ مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اور ان کے

فتوؤں پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا، ہم اگر ذاتی منافع کے لئے کچھ بھی لکھیں تو بے شک نہ سنئے اور نہ مانئے لیکن اگر ان حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کیلئے صحیح ہوتا ہے دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا- میری غرض لیگ کی حمایت سے یہی تھی کہ اس میں محمد اللہ عالی دماغ مسلمان ہیں تو ان حضرات سے جب دینداری کے لئے کہا جائے گا تو بہت جلد مان لیا جاوے گا- تو گویا لیگ کی حمایت دین کی حمایت تھی، اور جب میں دیکھتا ہوں کہ اصل چیز یعنی دین ہی سے بے تعلقی اور بے توجہی ہے تو پھر بجز خاموشی کے اور کیا کروں؟ آپ ہی انصاف فرمادیں کہ اب میرا کیا جی چاہے، یہاں تک تو وہ امور عرض کئے تھے جن کی طرف حضرات لیگ کو متوجہ کر چکا ہوں اور پھر بھی انہوں نے عمل نہیں کیا-

اب دو نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن سے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں ایک تو لیگ کا علامہ مشرقی سے تعاون اور دوسرا ذمہ داران لیگ کا علماً کے وقار اور ملاازم کے برباد کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ مشرقی کی کتابیں میں نے دیکھی ہیں اور جہاں تک ہو سکا میں نے اس کے اقوال کی تاویل بھی کی مگر وہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اور اس کے عقائد جن کی رفتہ رفتہ وہ خاموشی سے تبلیغ کر رہا ہے صریح کفر ہیں اور چونکہ مسلم لیگ اس وقت تک مسلمانوں میں مقبول جماعت ہے مگر خاکساروں کی جماعت کی وجہ سے لوگ لیگ سے بھی بد ظن ہو رہے ہیں- (ماہنامہ بینات اکتوبر ۱۹۹۹ء)

تقسیم ہند سے اختلاف کرنے والے :

اس عنوان کے تحت بھی مولانا شہیدؒ نے مفصل لکھا ہے- چنانچہ لکھتے ہیں کہ :

''جو حضرات تقسیم ہند کو مسلمانوں کے دین ومذہب اور معاش ومعاشرت کے لئے مہلک تصور کرتے تھے ان کو ملک کی تقسیم کی صورت میں نہایت بھیانک قسم کے خطرات محسوس ہوتے تھے اور وہ اپنی چشم بصیرت سے تقسیم ملک کی صورت میں ہونے والی تباہی کو آفتاب نصف النہار کی طرح دیکھ رہے تھے، اس لئے وہ کسی طرح تقسیم ملک کی صورت میں ہونے والی مسلمانوں کی اس تباہی اور بربادی پر آمادہ نہ تھے، چنانچہ بعد میں پیش آنے والے حالات وواقعات نے بھی ثابت کردیا ہے کہ موخر الذکر اکابرین کا موقف صحیح اور درست تھا۔'' (بینات دسمبر ۱۹۹۹ء)

مولانا شہیدؒ کے ان مضامین سے ثابت ہورہا ہے کہ آپ ملکی سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور اپنے سیاسی نظریہ کو بھی دلائل سے ثابت کرتے تھے۔

نسبت باطنی:

مولانا شہیدؒ نے اپنی قلبی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرمائی اور ذکر ومجاہدہ میں محنت کی اور بفضلہ تعالیٰ نسبت باطن کی نعمت حاصل کی۔ حضرات صوفیا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص قلبی وروحانی تعلق کو نسبت روحانی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وہ باطنی کیفیت ہے جس کو حدیث میں مقام احسان سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ حضرت جبرائیل امینؑ نے انسانی صورت میں متمثل ہوکر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے ایمان واسلام کے سوال کے بعد جب یہ عرض کیا کہ: ''ماالاحسان؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تراہ فانہ یراک''۔ یعنی مقام احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہیں کرسکتا تو یہ تصور کرلے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے، مولانا لدھیانوی شہیدؒ کو ان دو بزرگوں نے مجاز بیعت فرمایا تھا جس کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک اسوۃ الصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ، دوم حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔

اکابر کی

نسبتوں کے امین

مفتی خالد محمود، استاذ الحدیث جامعہ بنوریہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو فقیہہ دوران، جنیدِ وقت، عالم بے بدل، حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو صبح دس بجے کے قریب اس وقت شہید کر دیا گیا جب وہ معمول کے مطابق اپنے گھر سے اپنے دفتر جا رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت اقدس نے تو شہادت کا مرتبہ عظمیٰ پا لیا اور اس دنیا سے سرخ رو ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے لیکن اپنے پیچھے لاکھوں آنکھوں کو اشکبار اور لاکھوں دلوں کو افسردہ چھوڑ گئے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے جید عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ علم و وقار کا مجسمہ تھے، مکارمِ اخلاق کا نمونہ تھے، زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، آپ ان عظیم ہستیوں میں سے تھے جن کے وجود مسعود سے علم و علما کا وقار قائم ہوتا ہے، جن کے دم سے خانقاہوں کی عظمت باقی رہتی ہے جن کے انفاس قدسیہ سے ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن ہوتی ہیں اور جن کے اٹھ جانے سے مسند ولایت بے رونق ہو جاتی ہے اور گلشن دین اجڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے پوری زندگی عزت و عظمت کے ساتھ گزاری اور جب حیات فانی کو خیر باد کہنے کا وقت آیا تو بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کیلئے راستہ بھی وہ اختیار کیا جو سب سے زیادہ عزت والا ہے، شہادت سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے اور اس سے

بہتر اور عزت والی موت اور کیا ہو سکتی ہے ؟

اس دنیا میں آنا جانے کی تمہید ہے، کسی کو بقا اور دوام حاصل نہیں، ہر شخص نے موت کا مزا چکھنا ہے، یہ ایسا اٹل قانون خداوندی ہے کہ جس کا جو وقت مقرر ہے اس میں ایک لمحہ کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، لیکن مبارک اور صد مبارک ہو ان مبارک حضرات کو جو جام شہادت نوش کر کے موت کو گلے لگاتے ہیں، اور وہ اس انداز سے اللہ سے ملاقات کرتے ہیں کہ موت بھی ان پر رشک کرتی ہے۔

ایک عالم نے حضرت کی شہادت پر کیا خوب تبصرہ کیا کہ ہمارے حضرت کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا کہ گھر سے قدم نکالا اور فوراً جنت میں قدم رکھ دیا گویا جنت ان کی منتظر تھی، حضرت نے کامیاب زندگی گزاری اور شہادت کی تمنا اور دعا کر کے کامیابی والی موت اختیار کی، حضرت تو کامیاب وکامران اور سرخ رو ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے لیکن ایک جہان کو یتیم کر گئے، آج کون اشکبار نہیں ؟ کس کا دل غمزدہ نہیں ؟ حضرت کی جدائی اور فراق کے صدمے سے ہر شخص نڈھال ہے، اس موقع پر میں اپنے حضرت اقدس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اپنے حضرت ہی کے الفاظ مستعار لیتا ہوں جو حضرت اقدس نے اپنے شیخ محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کیلئے ان کی وفات پر بینات میں تحریر فرمائے تھے، حضرت لکھتے ہیں :

> ”موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سبھی گئے اور سبھی کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے، قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنے کاکل وگیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل ولالہ بن جاتا ہے، مجروح قلب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس ودرماندہ افراد ان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں

مگر مخلوق خدا پر ضو فشانی کرتے ہیں، خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے ہیں، ان کے آئینہ رخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے (اذا رؤا ذکر اللہ) ان کی دید، دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے۔ ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت ووقار پرا باندھے پہرہ دیتے ہیں، بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے، دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان وزمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا اور قصر ملت پر زلزلہ آجاتا ہے، ہمارے شیخ چلے گئے، لیکن آہ! ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے، آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب بانی چپکے سے چلے گئے، دار الحدیث کے در و دیوار پکار رہے ہیں کہ شیخ بوری کے لحن میں قال رسول اللہ ﷺ کی جو سحر آفرین آواز آتی تھی بند ہو گئی، "مجلس تحفظ ختم نبوت" اپنی یتیمی پر نوحہ کناں ہے کہ اس کے امیر و قافلہ سالار بچھڑ گئے اہل قلوب مضطرب ہیں کہ :

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اہل نظر تصویر حیرت ہیں کہ متاع دین و دانش لٹ گئی، علما مبہوت ہیں کہ علم و فقاہت کی بساط الٹ گئی، دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت و سیادت کی مسند خالی ہو گئی، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی، یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق و مربی اٹھ گیا، عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہو گئی- ان للّٰہ ما اخذ وله ما اعطى وكل شيئ عنده باجل مسمىٰ- حق تعالیٰ شانہ

نے حضرت شیخ قدس سرہ کو اس قدر ظاہری وباطنی کمالات سے نوازا اور اتنی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا کہ نہ تو ان کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے، نہ ان کیلئے مناسب الفاظ و تعبیرات مل سکتی ہیں، عام لوگ انہیں اخباری اصطلاح میں بس ایک ''ممتاز عالم دین'' اور ''عظیم راہنمائے ملت'' کی حیثیت سے جانتے تھے، اہل علم ان کے فضل وکمال، ان کے تدین و تقویٰ، ان کے اخلاص و عزیمت اور ان کی شہامت و نجابت کے معترف تھے، حکام ان کی حمیت و غیرت، ان کی جرأت واستقامت اور ان کی حق گوئی وبیباکی سے خائف تھے، اہل زیغ ملاحدہ وزنادقہ ان کی ضرب یداللهی سے لرزاں تھے، طلبہ ان کے حدیثی و تفسیری، فقہی وکلامی معارف وافادات پر سر دھنتے تھے، احباب ان کے حسن صورت، حسن سیرت، حسن مصاحبت، حسن معاشرت، حسن تکلم، حسن تبسم پر گرویدہ تھے، مگر سچی بات یہ ہے کہ :

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست
بسیار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

حضرت قدس سرہ کی ایک ایک ادا اپنے اندر ''بسیار شیوہ ہا'' رکھتی تھی، ان کی ایک ایک جنبش لب عجلیاں گراتی تھی، ان کا ایک ایک نقش پا جادہ استقامت کی نشاندہی کرتا تھا :

ذهب الذين يعاش في اكنافهم

حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل و فہیم تھے، ذکی ولبیب تھے، عابد وزاہد تھے، متقی وپرہیزگار تھے، جری وبہادر تھے، نڈر حق گو، فیاض اور سخی تھے۔ انہیں جو کچھ ملا تھا موہبت خداوندی سے ملا تھا اور ان کے تنہا وجود میں اس قدر فوق العادت اوصاف وکمالات قدرت نے جمع کر دیئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کر دیئے جائیں تو محاسن سے مالا مال ہو جائے۔

حضرت شیخ کو حق تعالیٰ نے عبدیت و محبوبیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث :"ثم یوضع له القبول فی الارض " کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیہ آسمانی تھا-وہ ہر محفل میں "چراغ محفل" ہوتے، خواہ یہ محفل بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی، طلباً کی یا دانشوروں کی، احباب کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے"- (بینات حضرت بنوریؒ نمبر)

ہمارے حضرت کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا اور بہت سے جامع اوصاف کے ساتھ متصف کیا تھا، آپ بیک وقت ایک کامیاب مدرس، بہترین مصنف، بہترین واعظ اور دینی غیرت و حمیت رکھنے والے عظیم مجاہد تھے، عام اہل علم کی حالت یہ ہے کہ ان کے کام کا ایک محدود دائرہ ہوتا ہے ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے وہ اسی میں محدود رہتے ہیں، اس دنیا سے باہر کیا ہو رہا ہے؟ وہاں جھانکنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو بیدار مغزی اور وسعت فکر عطا کی تھی، حضرت علمی دنیا میں رہ کر علمی کام میں ہمہ وقت مشغول و مصروف رہتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جگہ نظر رکھتے تھے، جہاں کہیں دین کے خلاف کوئی آواز اٹھتی، دین کے خلاف کوئی فتنہ اٹھتا آپ اس کے مقابلہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے اور آپ کا قلم اسلام اور دین کے دفاع کے لئے متحرک ہو جاتا اور اس فتنہ کا مقابلہ کرتا، دلائل و براہین کے اتنے انبار لگاتے کہ اس فتنہ کو خاموش ہونا پڑتا، آپ کے قلم سے نکلنے والی تحریریں اس پر شاہد عدل ہیں، حضرت کو ان فتنوں سے حد درجہ بغض اور نفرت تھی اور یہ آپ کے مضبوط ایمان کی دلیل تھی حضرت اقدسؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا:

"حق تعالیٰ شانہ نے زائغین کے برپا کردہ فتنوں کو ایمان کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی بنایا ہے یعنی اسے ان فتنوں سے تنفر ہے یا ان کی طرف کشش؟ جس شخص کے دل میں ایمان جتنا قوی، جتنا مضبوط اور جتنا صحت مند ہوگا اسے فتنوں سے اسی قدر نفرت اور بغض و عداوت ہوگی، اس کے برعکس جس کا ایمان جس قدر کمزور، زیغ آلود اور مریض ہوگا

اسے فتنوں کی طرف اس کی نسبت سے کشش ہو گی۔“

(بینات بنوری نمبر ۲۹۰)

حضرت اقدسؒ نے اہل فتنہ سے قتال کو ”ایمان“ کا بلند ترین مرتبہ قرار دیا اور فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پانچ اوصاف کا حامل ہونا ضروری قرار دیا وہ پانچ اوصاف یہ ہیں :

۱ :.... ایمانی حس : یعنی دل میں ایمان اتنا راسخ اور مضبوط ہو کہ فوراً فتنے کی بو سونگھ لے۔

۲ :.... ایمانی غیرت : یعنی وہ ایمانی قوت کہ فتنہ کی بو اس کیلئے ناقابل برداشت ہو۔

۳ :.... بسالت و شجاعت : جو آتش نمرود میں کودنے اور اپنے وقت کے بڑے سے بڑے فرعون سے ٹکر لینے پر آمادہ کرے۔

۴ :.... علم و فضل کا ساز و سامان اور اسلحہ جس سے علمی جنگ لڑی جا سکے۔

۵ :.... حق تعالیٰ سے قلبی تعلق : اپنے ضعف و ناتوانی پر نظر اور بارگاہ خداوندی سے پیہم التجا۔

ان پانچ اوصاف کو بیان کر کے حضرت اقدس اپنے شیخ حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ کیلئے لکھتے ہیں :

> ”حضرت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا، جو فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لئے درکار ہیں، ان کی ”ایمانی حس“ اتنی تیز تھی کہ نہ صرف دور سے فتنہ کو محسوس کر لیتی بلکہ اس کی باریک سے باریک رگوں کو بھی ٹٹول لیتی، ”ایمانی غیرت“ ایسی پرجوش تھی کہ انہیں ہمہ دم فتنوں کے خلاف بے قرار اور آتش زیرپا رکھتی، شجاعت و جرأت ایسی تھی کہ بڑے بڑے فراعنہ سے ٹکرا دیتی، علم و فضل، فہم و فراست، عقل و تدبر اور سیادت و وجاہت میں آپ کی برتری عرب و عجم میں مسلم تھی اور حق تعالیٰ شانہ سے رشتہ قلب ایسا قوی، مضبوط اور استوار تھا کہ آسمان سے رحمت الٰہی کو کھینچ لاتا تھا، وہ ہر کام سے پہلے خدا تعالیٰ سے اتنی دعائیں، اتنی التجائیں، اتنے استخارے

کرتے اور نالہ ہائے نیم شبی میں اتنی سسکیاں بھرتے کہ مالک رؤف رحیم کو ان پر ترس آجاتا، وہ جب بھی میدان جہاد میں اترتے تو اسی کی رضا کیلئے اور اسی کے بھروسے پر۔

پھر ان کا قلبی تعلق مرکز تجلیات الٰہی، کعبہ مشرفہ اور معدن انوار نبوت، روضۂ مطہرہ سے ہمیشہ پیوستہ رہتا، اس کے ساتھ ساتھ تمام ارباب قلوب سے جو انکے علم میں تھے ہمیشہ ربط و تعلق رہتا اور ان سے بھی دعاؤں اور التجاؤں کی مسلسل استدعائیں ہوتی رہتیں۔"

(بینات بنوری نمبر)

ہمارے حضرتؒ نے اگرچہ یہ الفاظ اپنے شیخ کیلئے تحریر فرمائے ہیں لیکن آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھئے اور حضرت کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو واضح نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو بھی انہی اوصاف سے متصف فرمایا تھا اور یہ الفاظ آپ پر بھی اسی طرح حرف بحرف صادق آتے ہیں جس طرح حضرت بنوری رحمہ اللہ پر صادق آتے تھے اور شاید یہ وصف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کو اپنے شیخ حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب قدس سرہ سے عطا ہوا ہو۔

حضرت اقدسؒ کی شخصیت مجموعہ محاسن تھی، آپ کی ذات ایک حسین گلدستہ تھی، جس میں اللہ تعالیٰ نے رنگھارنگ کے خوبصورت پھول جمع کر دیئے تھے، اگر ایک طرف آپ کا قلم ملاحدہ، زنادقہ اور زائغین کے خرمن امن وسکون کو پھونک ڈالتا تھا تو دوسری طرف آپ کی زبان کی حلاوت اہل ایمان اور عاشقان رسولؐ کے قلوب کیلئے ٹھنڈک اور راحت وسکون کا باعث ہوتی تھی، اگر ایک طرف آپ اپنے علمی نکتوں سے تشنگانِ علوم کو سیراب کر دیتے تھے وہاں رشد وہدایت کے طلب گاروں کی رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ ایک طرف اللہ کی معرفت وخشیت اور عشق رسول کا دریا آپ کی ذات میں موجزن تھا تو دوسری طرف طبیعت میں اعلیٰ درجے کی متانت وسنجیدگی کے ساتھ خوش طبعی، مسرت بخش ظرافت اور حسن مزاح کی صفات بھی تھیں۔

اولو العزمی، بلند ہمتی اور جفاکشی کے ساتھ دوسروں کو راحت وآرام پہنچانے کا

جذبہ بھی تھا، اپنے اکابر اور اپنے بزرگوں کی بے انتہا تعظیم و توقیر کے ساتھ چھوٹوں پر بے پایاں شفقتیں اور عنایتیں بھی تھیں۔

آپ کی ذات میں استغنا، بے نفسی کے ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ خیر خواہی اور نفع رسانی کے اوصاف بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے تھے، رسوخ فی العلم کے ساتھ علم کی اشاعت، علم کی تدریس و تعلیم، معلومات کا وسیع ذخیرہ، تیقظ وبیداری، دلکش تحریر، مہارت تصنیف، موثر خطابت، اور حکیمانہ دعوت وارشاد جیسے عالی اوصاف سے بھی اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔

ان تمام اوصاف میں آپ کا نمایاں وصف ''علم'' تھا جس کی جھلک آپ کی تصانیف، آپ کی مجالس، آپ کی خطابت، آپ کی تحریر و تقریر، آپ کی گفتگو، آپ کی تدریس، غرضیکہ ہر جگہ نظر آتی ہے، علم کے حصول کے آپ شروع ہی سے حریص تھے، زمانہ طالب علمی میں ہر وقت کتاب آپ کے ہاتھ میں رہتی تھی، مطالعہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور زمانہ طالب علمی کے بعد مطالعہ اور حصول علم کے شوق میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔ کتابیں خریدنے کا حد درجہ شوق تھا۔ خود لکھا ہے کہ جب حضرت اپنے والد محترم کے ساتھ پہلی مرتبہ حج کیلئے گئے تو سوائے کتابوں کے کچھ نہیں خریدا اور بعد میں بھی یہی معمول رہا، اور آخر وقت تک حضرت اور کتاب لازم وملزوم رہے، سفر ہو یا حضر، گھر ہو یا دفتر، آپ ہر وقت کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہوتے۔

ہمارے حضرت نے صرف ظاہری علوم کے حصول پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علم باطنی اور علم روحانی کے حصول کی طرف بھی توجہ دی، جس طرح ظاہری علم کا حصول ضروری ہے اسی طرح علم باطنی کا حصول بھی ضروری ہے، جسے قرآن کریم میں تزکیہ اور حدیث شریف میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی شکل میں ان الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں :

''ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انک

انت العزیز الحکیم"۔ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاک کرے، بلاشبہ تو غالب طور پر حکمت والا ہے۔"

انہی مقاصد کو سورۂ آل عمران، سورۂ جمعہ میں بھی بیان کیا گیا ہے، ان آیات سے چار مقاصد بعثت معلوم ہوئے:

۱- تلاوت آیات ۲- تعلیم کتاب، ۳- تعلیم حکمت، ۴- تزکیہ نفس۔

اور اس تزکیہ کو آیات میں کبھی آخر میں کبھی درمیان میں ذکر کیا- یہ بتانا مقصود ہے کہ تلاوت آیات اور تعلم کتاب وحکمت سے اصل مقصود تزکیہ نفس ہے، اگر اللہ کا تقویٰ، خوف وخشیت پیدا نہ ہو، انسان اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف نہ ہو اور اخلاق حمیدہ سے متصف نہ ہو تو زندگی بے مقصد ہے اور جو علم ان صفات کو پیدا نہ کرے وہ حقیقی علم نہیں، بلکہ نرے الفاظ اور علم کی ظاہری صورت ہے اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے تو اسی کو حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا- جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت فرمایا احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ صفت پیدا نہ کر سکو تو یہ ضرور استحضار رکھو کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں فرمایا:

"انبیاً علیہم السلام جن چیزوں کی اہمیت اور خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین ہی چیزیں ہیں:

ایک مبدأ ومعاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح-اس شعبہ کو علمأ عقائد واصول نے سنبھال لیا ہے- اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

دوسرے عبادات ومعاملات اور معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں کی تعلیم اور حلال وحرام کا بیان، اس شعبہ کی کفالت

فقہائے امت نے اپنے ذمہ لی ہے اور اس میں انہوں نے امت کی پوری رہنمائی اور رہبری کی ہے۔

تیسرے اخلاص واحسان (یعنی ہر عمل خالص لوجہ اللہ اور اس دھیان کے ساتھ کرنا کہ میرا مالک مجھے اور میرے عمل کو دیکھ رہا ہے.... اور یہ تیسری چیز دین وشریعت کے مقاصد میں سب سے زیادہ دقیق اور عمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اسکی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلہ میں معنی کی....

اور اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم نے لے لی ہے وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، خود سیراب ہیں اور دوسروں کو سیراب کرتے ہیں، وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادت مند ہیں۔" (تفہیمات الہیہ ص ۱۲-۱۳ ملخصاً)

اسی تزکیۂ نفوس اور کیفیت احسانی پیدا کرنے کو بعد میں تصوف سے تعبیر کیا گیا اور دیگر علوم کی طرح باقاعدہ یہ بھی ایک علم قرار پایا اور اسکی اصطلاحات متعین کی گئیں اور اس فریضہ کو انجام دینے والوں کو صوفیأ کہا گیا ورنہ تصوف کوئی چیز نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تو آپ ﷺ کے فیض صحبت اور آپ کی نظر کرم سے ایک لمحہ میں قلوب کا تزکیہ ہو جاتا تھا اور کیفیت احسانی پیدا ہو جاتی تھی، اور وصول الی اللہ ہو جاتا تھا لیکن جیسے جیسے زمانہ رسالت سے بُعد ہوتا گیا دلوں میں اضمحلال اور کیفیت احسانی میں ضعف آتا گیا، اسی لئے بعد میں آنے والے علمأ، صلحأ، اتقیأ اور صوفیائے کرام نے اس کیلئے محنت ومجاہدہ، ذکر واذکار، مراقبہ ومحاسبہ اور اس طرح کے اعمال تجویز کئے تاکہ کیفیت احسانی پیدا ہو، ورنہ یہ تمام چیزیں مقصود نہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جاکر کہا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی آئے ہیں، رائے پور جارہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا

ہے، میں نے کہا جلدی بلا دے مرحوم اوپر چڑھے، اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ رائے پور جارہا ہوں، اور ایک سوال آپ سے کر کے جارہا ہوں، اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا، "یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا "صرف تصحیح نیت" اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا "انما الاعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہا "ان تعبد الله كانك تراه" سے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے دلی سے یہ سوچتا آرہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا، اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"انما الاعمال بالنیات" سارے تصوف کی ابتدا ہے، اور "ان تعبد الله كانك تراه" سارے تصوف کی انتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں"۔

(سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۲۵۶)

ایک جگہ تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تصوف ایک عظیم الشان چیز تھی، جس کی تعریف علماء تصوف نے یہ فرمائی ہے کہ "هو علم الخ" وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں، جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ اس میں سے کون سی چیز غلط ہے؟ نفس کا تزکیہ غلط ہے؟ یا اخلاق کا تصفیہ برا ہے؟ ظاہر و باطن کی تعمیر لغو ہے؟ یا سعادت ابدیہ کی تحصیل بے کار ہے؟ اسی طرح تقویم اخلاق، تہذیب نفس، نیز نفس کو اعمال دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا؟ ان امور میں کون سی شئ مقاصد شرع کے خلاف

ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک شئ کتاب وسنت کے عین مطابق اور اللہ ورسول اللہ ﷺ کے منشأ کو پورا کرنے والی ہے۔

غرض ہم جس تصوف کے اثبات کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاح شرع میں احسان کہتے ہیں، یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے، یا تعمیر الظاہر والباطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ ایک بانظم وبااصول چیز ہے اس میں مریدین کے لئے بھی شرائط ہیں، اور شیخ کیلئے بھی اصول وآداب ہیں، جن کی رعایت کرنے کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور دین کا لب لباب کہنا بجا ہے، اور جب ان شرائط وآداب کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ غیر تصوف کو تصوف قرار دے دیا جائے تو پھر وہ طریق ہی نہیں جو ہمارا موضوع بحث ہے، اس لئے کہ ان خرابیوں اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے سالک میں جو خرابیاں پیدا ہوں، اس کا ذمہ دار کسی طرح حقیقی تصوف اور اصل طریق کو نہیں قرار دیا جاسکتا، اب اگر آپ کو تصوف سے محض اس بنا پر چڑ اور انکار ہے کہ اس کا نام محدث ہے تو اس میں تصوف ہی منفرد نہیں، نہ معلوم کتنی چیزیں اس وقت موجود ہیں کہ آپ کا ان سے تعلق بھی ہے، جو کہ ابتدا اسلام میں ان ناموں سے معروف نہ تھیں، میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا نام بدعت ہے تو مسمّی تو اس کا بدعت نہیں، آپ اس کو احسان سے تعبیر کر لیجئے، علم الاخلاق اس کا نام رکھ لیجئے اور جو شخص کہ اس سے متصف ہو، اس کو محسن اور مخلص کہہ لیجئے اور احسان، محسن، متقی و مخلص کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر آیا ہے"۔

(سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۲۶۴۰)

بیعت کرنے کا مفہوم و مقصد بھی یہی ہے ہمارے حضرت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"بیعت کا مطلب ہے کہ کسی مرشد کامل، متبع سنت کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ اس کی رہنمائی میں دین پر چلنے کا عہد کرنا۔ یہ صحیح ہے اور صحابہ کرامؓ کا آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہے جب تک کسی اللہ والے سے رابطہ نہ ہو نفس کی اصلاح نہیں ہوتی، اور دین پر چلنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق تو ضروری ہے، البتہ رسمی بیعت ضروری نہیں۔"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۷ ص ۳۶۴)

جس طرح ظاہری علم صرف کتابوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ کسی ماہر استاد سے سیکھنا پڑتا ہے اسی طرح یہ باطنی علم بھی کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرنے، اسکی خدمت میں بیٹھنے اور اس کی رہنمائی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے؟ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتی کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا، بلا خوش نویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہو سکتا، غرض بدون کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا"۔

(شریعت و تصوف ص ۱۰۷)

شیخ کیسا ہونا چاہئے؟ ہمارے حضرت شہیدؒ شیخ کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہونا اپنی اصلاح کیلئے ہوتا ہے اور مرشد کامل وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل باتیں موجود ہوں:

۱:.... ضرورت کے موافق دین کا علم رکھتا ہو۔

۲:.... اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔

۳ :.... دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔
۴ :.... کسی مرشد کامل، متبع سنت کی خدمت میں رہا ہو اور اس کی طرف سے بیعت لینے کی اجازت اسے حاصل ہو۔
۵ :.... اس زمانے کے عالم اور بزرگان دین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔
۶ :.... اس سے تعلق رکھنے والے سمجھ دار اور دین دار لوگ ہوں اور شریعت کے پابند ہوں۔
۷ :.... وہ اپنے مریدوں کی اصلاح کا خیال رکھتا ہو اور ان سے کوئی شریعت کے خلاف کام ہو جائے تو اس پر روک ٹوک کرتا ہو۔
۸ :.... اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہو، دنیا کی محبت کم ہو۔

جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں وہ مرشد بنانے کے لائق نہیں بلکہ وہ دین و ایمان کا رہزن ہے اور اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں :

اے بسا ابلیس آدم روئے ست
پس ہر بدستے نہ باید داد دست

ترجمہ : "یعنی بہت سے ابلیس انسانوں کے بھیس میں آتے ہیں اس لئے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے"۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۷ ص ۳۶۸)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی اپنے روحانی مدارج اپنے مشائخ کی نگرانی اور راہنمائی میں نہ صرف یہ کہ طے کئے بلکہ ان میں کمال پیدا کیا، حضرت نے کن شیوخ سے فیض حاصل کیا اس روحانی سفر کی داستان سناتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں :

"حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات و احسانات اس ناکارہ

کے شامل حال ہیں، ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط و تعلق نصیب فرمایا- فلہ الحمد ولہ الشکر-

ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی نور اللہ مرقدہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے :

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی :

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت امام التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہ، حضرت محدث العصر مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ، حضرت سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ-

اپنے چار اکابر کیلئے یہ ناکارہ ہر نماز کے بعد التزاماً ایصال ثواب کرتا ہے اور ان کی بلندیٔ درجات کیلئے دعا کرتا ہے :

۱ :.... سیدی و مرشدی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان-

۲ :.... سیدی و مرشدی قطب العالم حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ-

۳ :.... سیدی و مرشدی حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ-

۴ :.... سیدی و مرشدی حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ-

اول الذکر میرے استاذ حدیث بھی ہیں اور شیخ اول بھی، ثانی

الذکر میرے شیخ ثانی ہیں، حضرت ڈاکٹر صاحب میرے رہبر طریقت ہیں اور حضرت اقدس بنوریؒ سے نہ اس ناکارہ کو باقاعدہ تلمذ حاصل تھا اور نہ وہ اس ناکارہ کے باقاعدہ شیخ طریقت تھے لیکن اس ناکارہ کی شخصیت کی تکوین میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور علمی وروحانی استفادہ سب سے زیادہ انہی سے کیا، اس لئے یہ ناکارہ ان کو اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے۔ بعد میں حضرت بنوریؒ نے اس ناکارہ کو حدیث کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی، اس لئے ان کو بھی اپنا شیخ ومرشد سمجھتا ہوں"۔

(شخصیات وتأثرات ص ۱۳۲)

حضرت کے پہلے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفا میں سے تھے، حضرت خود اپنے شیخ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت والا (حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) حضرت حافظ محمد صالحؒ (خلیفہ حضرت گنگوہیؒ) سے بیعت تھے، ان کے انتقال کے بعد شوال ۱۳۴۲ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا، ایک سال کے اصلاحی تعلق کے بعد اگلے سال لیلۃ الضحیٰ ۱۳۴۳ھ کو مغرب کے بعد دست بدست بیعت سے مشرف ہوئے، حضرت لکھتے ہیں:

"اس روز حضرت والاؒ (حکیم الامتؒ) کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری وباطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفۃ نمایاں ہونے لگی اور خط وکتابت اور آمد ورفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق وشوق روز مرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا"۔

مرشد تھانویؒ کی نظر کیمیا اثر اور حضرت والاؒ کی خداداد بلند ہمتی جوہر قابل اور علوے استعداد کا نتیجہ تھا کہ تین سال سات مہینے کے قلیل عرصہ میں مراحل سلوک طے ہوگئے اور ۱۷ر رجب ۱۳۴۷ھ کو

مرشد تھانویؒ نے آپ کو خلافت واجازت عطا فرمادی۔

آناں کہ بہ نظر خاک را کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشم ہما کنند

اور تکمیل سلوک عبدیت وفنائیت کا نام ہے، چنانچہ حضرت والاؒ نے حصول خلافت کے بعد بھی اپنے کو باکمال نہیں سمجھا بلکہ اپنے شیخ ومرشد حکیم الامتؒ سے برابر استفادہ کرتے رہے، اور یہ سلسلہ حکیم الامتؒ کے وصال تک جاری رہا"۔ (بیس مردان حق ص ۵۴)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کو کب اور کس طرح خلافت عطا فرمائی، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے الفاظ میں حضرتؒ نے ان کی خود نوشت سے نقل کیا:

"یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۱۷/ رجب ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۹ء) کو بوقت قیام احقر در خانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرمائی اور یہ الفاظ لکھ کر مجھے اطلاع دی:

بشارت ناشیہ از ذوق: اب کے بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہوا کہ آپ پر خدا کا فضل وکرم شروع ہوگیا ہے جو خواص پر ہوتا ہے اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہے ان کی جھلک محسوس ہونے لگی، خصوصاً کل کے دن سے اور اس بنا پر بتوقع زیادت رسوخ، شب سے قلب کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کو تلقین وبیعت کی اجازت دے دوں۔

اس رقعہ سے میرے خیال کی صحت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ سب آثار ہیں فنا کے، جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی۔ پس اس خیال کی صحت کے بعد توکلاً علی اللہ اپنے اس تقاضے کو

پورا کرتا ہوں اور بنام خدا آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔ عذر اور تواضع نہ فرمائیں اور اپنے خاص محبین سے اس کا اظہار بھی فرمادیں اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریراً محفوظ بھی رکھتا ہوں اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کر دے دیں۔ میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور موقع پر شائع کردوں گا، اشرف علی ۱۷ ر رجب ۱۳۴۷ھ (انتہی) ۱۹۲۸ء-۱۲-۳۰۔"

(بیس مردان حق ص ۷)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق آخر عمر تک اصلاح وارشاد کا کام کرتے رہے، حضرت اپنے شیخ کے اس اصلاح وارشاد کے کام کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت والاؒ کو مرشد تھانویؒ سے ۱۷ ر رجب ۱۳۴۷ھ میں خلافت واجازت ملی اور ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو حضرتؒ کا وصال ہوا۔ اس تینتالیس سالہ عرصہ میں حضرت والاؒ نے اصلاح وارشاد اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ پیہم جاری رکھا، بے شمار لوگ حضرت والاؒ سے فیض یاب ہوئے اور متعدد حضرات کو حضرت والاؒ کی طرف سے خلافت واجازت عطا ہوئی۔ اگر اس چہل سالہ دور میں آپؒ کے افادات کو جمع کر کے مرتب کردیا جاتا تو ہمارے لئے جدید "تربیت السالک" تیار ہو جاتی۔"

(بیس مردان حق ص ۵۵،۵۶)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ نے اپنے شیخ کی حیات میں "تربیت السالک" کو مرتب فرمایا اور اس کی تبویب کی، اس کتاب میں ان خطوط اور ان جواہر پاروں کو جمع کیا گیا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ لکھتے اور آپ ان کے جوابات دیتے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"اکناف واطراف سے دوائے درد دل کے متلاشی حضرت مرشدؒ کے دارالشفاءؒ (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) سے رجوع کرتے تھے،

اور بذریعہ خطوط اپنے باطنی احوال پیش کرتے اور حضرت حکیم الامتؒ ان کے حکیمانہ جوابات مرحمت فرماتے، امراض باطنی کی تشخیص فرماتے، انکے معالجات تجویز فرماتے، اشکالات حل فرماتے اور بہت سے پریشان لوگوں کی عقدہ کشائی فرماتے، ان میں سب سے اہم مکاتیب کو محفوظ کرلیا جاتا اور خانقاہ سے شائع ہونے والے رسائل میں انکو تربیت السالک کے نام سے شائع کرایا جاتا، تاکہ ان کا نفع عام اور تام ہو- یہ جواہر پارے منتشر اور رسائل وکتب میں بکھرے ہوئے تھے، حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز مولانا عبدالمجید بچھرانوی کے ایما پر ہمارے حضرت والا (مولانا خیر محمد جالندھریؒ) نے ان تمام جواہر کو جو ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۵۰ھ تک شائع ہوئے، اور مختلف جگہوں پر بکھرے ہوئے تھے یکجا کیا، اور انہیں ''تبویب تربیت السالک'' کے نام سے دس ابواب پر مرتب ومدون کردیا- گویا تیس سال کے لآلی منثورہ (بکھرے ہوئے موتیوں) کی سلک مروارید تیار کردی- یہ مجموعہ، جو گیارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، مولانا عبدالمجید بچھرانوی نے دہلی سے طبع کراکر شائع کیا، بعد ازاں حضرت والاؒ نے ۱۳۵۰ھ کے بعد کے افادات اشرفیہ کی بھی اسی طرح تبویب فرمائی- اب مکمل ''تربیت السالک'' تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہوئی ہے جو قریباً پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے، ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ نے اس کی اشاعت کی تحریک فرمائی اور مختصر سا ابتدائیہ بھی تحریر فرمایا تھا-

الغرض حضرت حکیم الامتؒ کے چہل سالہ افادات اور باطنی معالجات کو یکجا کرنا اور ایک خاص ترتیب سے مرتب ومدون کردینا ہمارے حضرت والاؒ کا وہ کارنامہ ہے جس کی توقع ان جیسے اولوالعزم ہی سے ہوسکتی تھی-'' (بیس مردان حق ص ۵۴، ۵۵)

ہمارے حضرت شہیدؒ کو اپنے شیخ سے عقیدت اور غایت درجہ کا تعلق تھا کوئی کام

اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دین کے کاموں کے لئے اپنے شیخ کو راہنما بنالیا ہے اور دنیاوی امور میں اپنے والد محترم کو اپنا بڑا تسلیم کیا ہے ان کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔

حضرت نے جہاں کہیں تدریس کی تو اپنے شیخ کے حکم کے مطابق حتی کہ تنخواہ کیا مقرر کی جائے؟ یہ بھی اپنے شیخ سے پوچھتے تھے، جب حضرت اقدس کو ان کے شیخ نے ماموں کانجن کے مدرسہ میں تدریس کیلئے بھیجا تو ہمارے حضرتؒ نے اپنے شیخ کو خط لکھا:

"حضور والا کے ارشاد سے اس نالائق کی تقرری آئندہ سال کیلئے ماموں کانجن کیلئے ہوئی ہے، تاحال ان سے معاملات بابت مشاہرہ ودیگر لوازمات گفتگو نہیں ہوئی بلکہ اسے حضور اقدس کے فیصلہ پر رکھا گیا ہے، اس لئے عرض رساں ہوں کہ حضرت والا جو کچھ منظور فرمائیں گے بندہ کو بھی منظور ہوگا۔" (بیس مردان حق ص ۶۷، ۶۸)

اس کے جواب میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

"چونکہ ماموں کانجن والوں نے آپ کے تقرر کی براہ راست خواہش ظاہر کی ہے میرا تعلق صرف اجازت کا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ براہ راست بذریعہ خط وکتابت بلاتکلف آزادی سے تنخواہ کا فیصلہ کرلیں، نتیجہ سے مجھے بھی مطلع کرنا مناسب ہے، تنخواہ کو مجھ پر معلق رکھنا غیر مناسب ہے"۔ (بیس مردان حق ص ۶۷، ۶۸)

حضرت والاؒ اپنے شیخ سے معاملات میں کس طرح اجازت طلب فرماتے اور اپنی اصلاح کیلئے کس طرح رہنمائی طلب فرماتے اس کا اندازہ حضرت کے ان خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ اپنے شیخ کو لکھتے تھے اس کے چند نمونے بیس مردان حق میں مولانا خیر محمد جالندھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ انہی خطوط میں سے ایک خط نقل کیا جاتا ہے، اس سے جہاں یہ اندازہ ہوگا کہ اپنے شیخ کے حکم اور اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرنا وہاں حضرت کی انتہائی احتیاط کا بھی اندازہ ہوگا جو یقیناً آپ کے ورع وتقویٰ کا نتیجہ تھا، حضرت اپنے شیخ کو لکھتے ہیں:

”بندہ حضرت کے ارشاد مقدس کے ماتحت یہاں روشن والہ
میں آیا تھا، آئندہ سال چونکہ ان کے پاس طالب علم نہیں، اس لئے
انہوں نے ۱۵ رجب کے بعد سے بندہ کو فارغ کر دیا اور آئندہ سے جواب
دے دیا، اطلاعاً حضرت کی خدمت میں گزارش ہے کہ بندہ کیلئے کوئی جگہ
جو حضرت اقدس کے نزدیک مناسب ہو تجویز فرمادیں۔
نیز عرض ہے کہ نصف رجب کے بعد بندہ یہاں سے فارغ
ہو جائے گا اور یہ لوگ پورے رجب کی رقم دینا چاہتے ہیں تو کیا بعد کے
پندرہ دن کی رقم میرے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟“ (بیس مردان حق ص ۶۷)

حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

”جو تنخواہ دینا چاہتے ہیں وہ جائز ہے، اگر ہماری معرفت کوئی
جگہ لینی ہے تو اواخر شعبان میں یاد دہانی معہ پورے پتہ وڈاک کے کرا کر
نام لکھوا دینا، ان شاء اللہ تعالیٰ خیال رکھا جائے گا“۔

(بیس مردان حق ص ۶۷)

اپنے شیخ سے کس حد تک تعلق تھا اور آپ کے حکم اور مشورہ کے بغیر حضرت والا کوئی کام نہیں کرتے تھے، اس کی سب سے واضح مثال یہ ہے کہ جب محدث العصر، قطب دوراں، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سال کیلئے کراچی آنے کی شدید خواہش اور فرمائش کی تو حضرتؒ نے فرمایا میرے شیخ سے اجازت لے لیں، حضرت اس واقعہ کو خود بیان فرماتے ہیں:

”حضرت بنوریؒ کی خواہش تھی کہ ناکارہ کا تعلق ان سے
مستقل ہو جائے، اس لئے اس حاضری کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم
ماموں کانجن سے ایک سال کی چھٹی لے کر رمضان کے بعد یہاں آجاؤ،
اس ارشاد کی تعمیل سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا سعادت ہو سکتی تھی؟
لیکن میری مشکل یہ تھی کہ میں آزاد اور خودرو نہیں تھا، اس لئے عرض
کیا کہ میری نکیل میرے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا خیر محمد

جالندھریؒ کے ہاتھ میں ہے، مجھے یہ جرأت نہیں کہ ان کی خدمت میں
عرض تمنا کروں، آپ حضرتؒ سے اجازت لے لیں، یہ ناکارہ بصد شوق
حاضر ہے، فرمایا، ہم حضرت جالندھریؒ کی خدمت میں لکھیں گے اور
کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اجازت نہ دیں۔'' (شخصیات وتاثرات ص ۱۳۷)

حضرت اقدس نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۷۳ھ میں اصلاح کا تعلق قائم کیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۳۹۰ھ میں ہوا گویا تقریباً ۱۷ سال تک حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاح کا تعلق قائم رہا۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت والا نے قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ حضرت والا اپنے شیخ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

حضرت الشیخ الامام الحافظ الحجہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ ہمارے اس آخری دور میں شریعت وطریقت کے امام، علماً ومشائخ کے مرجع ومقتدا، سر حلقہ عشاق اور قطب الاقطاب تھے، عنایت ازلیہ نے انکے وجود باجود میں اوصاف وکمالات کی ایسی جامعیت کبریٰ ودیعت فرمائی تھی جس سے ہر صدی میں خاص خاص افراد ہی مشرف ہوتے ہیں اور اسی جامعیت کی بنا پر وہ اپنے معاصرین سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں، ان کی عظیم شخصیت اپنے اندر ظاہری وباطنی کمالات کے بہت سے متنوع پہلو رکھتی ہے، اور وہ ہر کمال میں ایسے فرد یگانہ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے کمالات میں کلیدی وصف اور سب سے غالب پہلو کون سا ہے ؟''۔

(قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث ص ۲۴، ۲۵)

اس وقت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے حالات لکھنا مقصود نہیں، آپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے سوانح شیخ الحدیث مولفہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی

ندوی یا ہمارے حضرت کی تالیف قطب الاقطاب اور خود حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی آپ بیتی کا مطالعہ کیا جائے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات میں سے تین اوصاف کا اجمالی تذکرہ حضرت والاؒ کی کتاب سے نقل کرتا ہوں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر اتباع سنت کا ایسا غلبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ہر ہر ادا میں اتباع کا اہتمام فرماتے تھے، اعمال میں اخلاق میں، عادات میں، معاشرت میں، معیشت میں، جذبات میں، احساسات میں، محبت میں، بغض میں، صلح وجنگ میں، انتقام میں، عفو ودرگزر میں، غرضیکہ ایک ایک چیز میں آپ کے یہاں اتباع سنت کا اہتمام تھا، اور کوئی عمل وخلق ایسا نہ تھا جو سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا نہ ہو۔" (ص۳۲۱)

۲ :.... مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

"شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار وسکینت اور ضبط وتحمل کے فانوس میں عشق ومحبت کا ایک ایسا شعلہ تھا جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں، ان کا خمیر عشق ومحبت کے اس جوہر کے ساتھ گوندھا گیا تھا اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاوعناصر سے زیادہ مقدار میں تھا، ان کا حال وہ تھا جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے :

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق ومحبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا اور اس کے شرارے اسی وقت نظر آتے ہیں جب عشق الٰہی، ذات رسالت پناہی اور واصلان بارگاہ الٰہی کا تذکرہ ہو۔" (ص۳۲۲)

۳ :.... ایک جگہ حضرت والا حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

"حق تعالیٰ شانہ کی کسی بندے پر سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ اسے اپنے کام کیلئے استعمال فرمائے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس عنایت الٰہیہ کے خاص مورد تھے، ان کے دم قدم سے دین کے تین شعبے جن پر دین کی بقا کا مدار ہے بڑی کامیابی وخوش اسلوبی سے چل رہے تھے، ایک دینی علوم کی نشر واشاعت، اور درس وتدریس کا شعبہ، دوسرا دعوت وتبلیغ اور تیسرا مجالس ذکر کو زندہ کرنا۔" (شخصیات وتأثرات ص ۲۰۰)

ہمارے حضرت والا کو اپنے شیخ کے ان اوصاف میں سے وافر حصہ ملا تھا، حضرت کی بھی کوشش تھی کہ ہر کام میں سنت کا اتباع کیا جائے، عشق اور سوز وگداز سے حضرت والاؒ کا دل ہمیشہ لبریز رہتا تھا، اور دینی مدارس کی سرپرستی، مجالس ذکر کا اہتمام، دینی امور انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی، خصوصاً تبلیغی جماعت کی سرپرستی تو حضرت کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

اسی طرح اپنے شیخ کی طرح حضرت کو دنیا سے بے رغبتی بھی بہت زیادہ تھی اور اپنے شیخ کا یہ وصف بھی حضرت والا میں بہت نمایاں نظر آتا تھا کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کا بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ہی شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

ہمارے حضرت کو باوجودیکہ اپنے شیخ سے انتہائی عقیدت ومحبت تھی اور بہت زیادہ قلبی تعلق تھا لیکن اسکے باوجود حضرت والا پر اپنے شیخ کا رعب بہت زیادہ تھا، اسی لئے اپنے شیخ سے خط وکتابت زیادہ نہیں رہی جس کا اظہار حضرتؒ نے اپنے خطوط میں بھی کیا ہے، ایک مرتبہ فرمایا "جب میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں تو قلم خوب چلتا ہے لیکن جب حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں تو شیخ کے رعب کی وجہ سے کچھ لکھا نہیں جاتا۔" حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ اپنے شیخ کو خط لکھا جس میں اپنے معمولات اور اپنی روحانی حالت کے بارے میں لکھا اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات کس طرح اپنے اکابر سے اور اپنے شیوخ سے اپنی اصلاح کے طالب ہوتے تھے، اور اس خط سے حضرت والاؒ کی عاجزی وانکساری، تواضع اور فروتنی بھی کمال درجہ کی واضح ہوتی ہے کہ اپنے اکابر ومشائخ کے معتمد ہونے کے باوجود اپنے

آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، حضرت نے اپنے شیخ کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی حضرت الشیخ الامام، دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والاؒ کی خدمت میں کچھ حالات لکھوں، مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہو کر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں- قرآن کریم، حدیث نبوی ﷺ اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے، جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے، بحمد اللہ وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے، اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی، استغفار، درود شریف، تسبیحات فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ہوں، الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے، مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے، قلب مشغول بحق نہیں، بلکہ افکار پریشاں اور خطرات ووساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے، حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہئے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا- الحمد للہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصال ثواب اور دعا ترقی درجات التزاماً کرتا ہوں- کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے سے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا-

حضرت! یہ ناکارہ دور افتادہ بھی ہے، اور بد استعداد بھی، اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور

نہایت لائق رحم ہے، حضرت والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو ہدایات فرمائیں گے ان شاء اللہ ان پر بہ جان و دل عمل کروں گا، حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں، اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو - اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور فیوض و برکات میں اضعافاً مضاعفۃ اضافہ فرمائے -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی"

۲۹/۳/۱۴۰۰ھ

۱۷/۲/۱۹۸۰ء

اس کے جواب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے خط لکھا اور اسی خط میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت شیخ نے لکھا:

"باسمہ سبحانہ

مکرم و محترم مد فیوضکم بعد سلام مسنون، گرامی نامہ بہت دن ہوئے پہنچا تھا مگر اس ناکارہ کی طبیعت روز افزوں خراب ہی ہوتی جارہی ہے جس کی وجہ سے ڈاک سننا اور جواب لکھوانا بہت مشکل ہوگیا ہے مگر دوستوں کیلئے دعا سے کبھی دریغ نہیں کرتا، معمولات بالخصوص ذکر بارہ تسبیح کی پابندی سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، استقامت و ترقیات سے نوازے -

توکلاً علی اللہ تعالیٰ آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کرلیا کریں، تربیت السالک، اکمال الشیم، ارشاد الملوک اپنے مطالعہ میں رکھیں، میری آپ بیتی ۶ میں جو اجازت کے متعلق مضمون ہے اس کو بھی مطالعہ میں رکھیں، اجازت بیعت کی حقیقت

ایک سند کی سی ہے اس کو دلیل کمال نہیں سمجھ لینا چاہئے، بہت سے لوگوں کو اس گمان میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ملأ اعلیٰ سے تحت الثریٰ میں گرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اس کو دلیل کمال سمجھ کر معمولات چھوڑ دیئے، حالانکہ اس کے بعد تو ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہ تو دلیل مناسبت ہے کہ آدمی اس کے بعد اگر محنت و مجاہدہ سے اس نسبت کو بڑھائے تو ترقی کرتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نسبت ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا واقعہ تذکرۃ الرشید میں بھی اور میری دوسری تالیفات میں بھی کثرت سے مذکور ہے کہ حضرت کو حضرت حاجی صاحب نے بیعت کے ایک ہفتہ کے بعد فرمادیا تھا کہ ''میاں رشید احمد مجھے تو جو کچھ دینا تھا دیدیا اب بڑھانا تمہارا کام ہے''- اور دوسرے موقع پر کسی کے استفسار پر کہ ''حضرت پھر کیا ہوا؟'' حضرت گنگوہی نے ارشاد فرمایا کہ ''پھر تو میں مر مٹا'' حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ مجھے دینا تھا الخ، اس وقت تو مجھے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ حضرتؒ نے کیا چیز مجھے دیدی مگر اب ۱۵ سال کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی؟ میرا تو جی چاہتا تھا کہ بہت تفصیل سے لکھوں مگر میری طبیعت بہت خراب ہے، بہت مشکل سے یہ چند سطور لکھوا سکا ہوں، آپ کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں....

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ-

۷ جون ۱۹۸۰ء مدینہ طیبہ''-

جب یہ خط حضرت والاؒ کے پاس پہنچا اور آپ نے اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا اس وقت حضرت والا کی جو کیفیت ہوئی اسی خط پر حضرت نے وہ کیفیت تحریر فرماتے ہوئے لکھا:

"نوٹ: یہ صحیفہ مبارکہ ۳۰؍رجب ۱۴۰۰ھ کو موصول
ہو، اس کو پڑھتے ہی نہایت رقت سے گریہ طاری ہوا کہ: اے
اللہ! میری جو حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے، یااللہ اپنے مقبول بندوں
کے حسن ظن کو قبول فرما، اپنے اس نالائق وگنہ گار بندے کو ان کی
جوتیوں میں جگہ عطا فرما۔ محمد یوسف"

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب جو شیخ الحدیث کے خلفاءؒ میں سے ہیں ان کی تحریک اور اصرار پر حضرت اقدسؒ نے اپنے شیخ کی سوانح مرتب کی۔ سوانح مرتب کرنے کے بعد اس کا مقدمہ لکھا اور نماز فجر کے بعد درج ذیل آخری پیراگراف تحریر فرمایا:

"حق تعالیٰ شانہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے طفیل اس حقیر
سی محنت کو قبول فرمائیں اور غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائیں،
حضرت کو رحمت ورضوان کے درجات عالیہ عطا فرمائیں اور حضرت
کے خدام ومتعلقین اور جملہ متوسلین کے ساتھ اس روسیاہ کو بھی حضرت
سے ملحق فرمائیں:

شنیدم کہ در روز امید وبیم
بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

اس کے بعد حضرت استراحت فرما ہوئے اور اسی نیند کے عالم میں خواب دیکھا، حضرت نے وہ خواب اور اس کی تعبیر خود ہی تحریر فرمائی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری تحریر یہاں نقل کر دی جائے، حضرت فرماتے ہیں:

"خواب کوئی حجت شرعیہ نہیں، نہ اس پر کسی حکم شرعی کی بنا
ہی جائز ہے، البتہ رویائے صالحہ کو حدیث میں مبشرات فرمایا گیا ہے، اس
ناکارہ کو خواب بھی شاذ ونادر ہی آتے ہیں اور اپنے خوابوں پر اعتماد بھی
نہیں، مندرجہ بالا تحریر کا آخری پیراگراف اور اس سے قبل کی کچھ
عبارت نماز فجر کے بعد لکھی اور اشراق سے فارغ ہو کر ذرا آرام کیلئے لیٹا
تو خواب میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی زیارت ہوئی، سر پر عمامہ،

ہاتھ میں عصا، ریش مبارک کے زیادہ بال سیاہ، جوانوں کی طرح بڑی تیزی سے چل رہے ہیں، نماز کا وقت قریب ہے، نماز کے بعد میں غسل کے لئے چلا گیا، مجھے خیال ہوا کہ حضرتؒ جانے کی تیاری میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ میرے غسل سے فارغ ہونے سے پہلے تشریف لے جائیں، میں نے وہیں سے پکار کر کہا کہ حضرت! تشریف نہ لے جایئے، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں، حضرت کی آواز میرے کانوں میں آئی ''بہت اچھا'' غسل کرتے ہوئے سوچتا ہوں کہ حضرتؒ تو وصال فرما چکے ہیں، اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا جا چکا ہے، آپ کیسے تشریف لے آئے؟ (یہ بات ذہن ہی میں نہیں کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں) خیال آیا کہ یہ بات حضرتؒ ہی سے پوچھ لینی چاہئے، چنانچہ غسل سے جلدی جلدی فارغ ہو کر آیا تو دیکھا کہ حضرتؒ ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں، میں معانقہ کے لئے بے ساختہ حضرتؒ سے لپٹ گیا، اور فرط محبت سے رخسار مبارک اور پیشانی مبارک کو اس طرح چومنے لگا جیسے معصوم بچوں کو پیار سے چومتے ہیں، حضرت کی حیات مبارکہ میں اس ناکارہ پر آپ کے رعب وہیبت کا ایسا غلبہ تھا کہ سلام اور مزاج پرسی کے وقت بھی زبان گنگ ہو جاتی تھی، مجھے حیرت تھی کہ آج انس و محبت کی ایسی کیفیت غالب ہے کہ رعب وہیبت کا نام و نشان نہیں، میں نے نہایت بے تکلفی سے عرض کیا کہ حضرت! آپ وہی ہیں جن کو ہم جنت البقیع میں دفن کر آئے تھے؟ فرمایا، ہاں! وہی ہوں، عرض کیا کہ حضرت! حیات فی القبر تو اپنا عقیدہ ہے، مگر آپ دنیا میں دوبارہ کیسے تشریف لے آئے؟ (اور یہ خیال ہی نہیں کہ دنیا میں دوبارہ نہیں آئے بلکہ خواب میں تشریف لائے ہیں) فرمایا، حکومت مصر کی مدد سے آیا ہوں، اسکے بعد حضرت قبر کی کیفیات بیان فرمانے لگے ہی تھے کہ یکایک آنکھ کھل گئی۔

میری رائے تو اس خواب کے ذکر کرنے کی نہیں تھی، مگر

میرے مخدوم و محسن مولانا متالا صاحب نے تاکیداً فرمایا کہ اس خواب کو ضرور درج کردو، یہ تمہاری کتاب کی پسندیدگی کی علامت اور تم نے دیباچہ کے آخر میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے ملحق کئے جانے کی جو دعا کی ہے اس کی قبولیت کی بشارت ہے، ان شاء اللہ- مولانا نے فرمایا کہ حکومت مصر سے اشارہ میری (یعنی متالا صاحب کی) طرف ہو سکتا ہے، حضرتؒ نے نام کی مناسبت سے مزاحاً مجھے ''شاہ مصر'' فرمایا ہے، چونکہ میں تمہارے لئے اس کتاب کی تالیف اور اس کی وجہ سے خواب میں حضرتؒ کی زیارت کا واسطہ بنا ہوں، اس لئے فرمایا کہ حکومت مصر کی مدد سے آیا ہوں-

رعب و ہیبت کے بجائے انس و محبت کے غلبہ کی توجیہ اس ناکارہ کے ذہن میں یہ آتی ہے کہ حضرتؒ کی حیات مبارکہ میں اس بے توفیق کو حضرت کی صحبت طویلہ میسر نہیں آئی، اس لئے رعب و ہیبت کا غلبہ رہا، جو یک گونہ اجنبیت کی علامت ہے لیکن اس کتاب کی برکت سے میرے کئی چلّے گویا حضرتؒ کی صحبت میں گزرے، جس کی برکت سے رعب انس میں بدل گیا اور ہیبت کے بجائے محبت غالب آگئی، جیسا کہ شمائل ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد مروی ہے:

''من راه بداهة هابه ومن خالطه معرفة احبه''

ترجمہ: ''جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک دیکھتا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور جو شخص جان پہچان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھل مل جاتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے لگتا-''

خواب تو بہر حال خواب ہی ہے، حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان سے اس روسیاہ کو بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے (جیسا کہ ارشاد ہے: "الحقنابهم ذريتهم") تو ان

کے کرم سے کیا بعید ہے"۔ (قطب الاقطاب ص ۲۹، ۳۰)

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا وصال ۲۹ر رجب ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ر مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اگرچہ آپ کے باقاعدہ شیخ طریقت نہ تھے اور نہ ہی باقاعدہ حضرت کے استاذ تھے جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، لیکن حضرت والاؒ نے محدث العصر کو ہمیشہ اپنا شیخ اور اپنا استاد جانا اور انکے ساتھ تعلق اور عقیدت کا وہی معاملہ رکھا جو ایک شیخ سے ہوتا ہے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت والاؒ سے بے انتہا محبت تھی اور آپ کی شفقتیں اور عنایتیں بھی حضرت والا پر بے شمار تھیں۔

اسی تعلق اور محبت کی بنا پر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے ہمارے حضرت کو کراچی بلایا تھا، اور آپ کی شدید خواہش اور اصرار تھا کہ حضرت والا مستقل کراچی آجائیں لیکن حضرت بنوری رحمہ اللہ کی زندگی میں تو ایسا نہ ہو سکا لیکن حضرت بنوری رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ مستقل کراچی میں تشریف لائے اور اہل کراچی کی قسمت جاگ اٹھی کیونکہ اس کے بعد ہی اہل کراچی کو حضرت والا کے فیوض وبرکات سے استفادہ کا موقع ملا، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی کتنی شدید خواہش تھی کہ حضرت والاؒ کراچی تشریف لے آئیں، خود حضرتؒ بیان کرتے ہیں:

"جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں قیام کرنے کے بعد یہ ناکارہ ہر مہینے پابندی سے دس دن کیلئے ساہیوال سے کراچی آتا۔ "بینات" کا کام سمیٹتا (جواب کلیۃً اس کے سپرد تھا) اور دس دن بعد چلا جاتا۔ کبھی کبھی حنفیہ کے طرز پر "جمع بین الشہرین" کی شکل بھی ہو جاتی کہ ایک مہینے کے آخری دس دن اور دوسرے کے پہلے دس دن جمع کر کے بیس دن کا قیام ہو جاتا۔ میری پابندئ آمدورفت کے باوجود حضرتؒ کی خواہش تھی کہ میں مستقل یہاں آجاؤں۔ قریباً ہر حاضری کے موقع پر ہمیشہ یہی اصرار رہتا کہ بس یہاں آجاؤ۔ مگر یہ ناکارہ اس پر آمادہ نہ ہوتا، اصرار وانکار کا یہ

سلسلہ آخر تک رہا- یہاں تک کہ حضرتؒ کی آخری مجلس میں (جو مسجد کے عقب میں شوال کی آخری بدھ کو ہوئی) حضرتؒ نے فرمایا: ''مولانا! آپ یہاں آجایئے! آپ جیسا مکان چاہیں گے آپ کو لے دوں گا''- یہ حضرتؒ کی کرامت تھی کہ انکے وصال کے بعد یہ ناکارہ کراچی ہی کا ہو کر رہ گیا، حضرتؒ نے ایک بار دریافت فرمایا کہ آخر تم یہاں آنے پر آمادہ کیوں نہیں ہوتے؟ اس ناکارہ نے دل کا اصل چور بتانے کی تو جرأت نہ کی، صرف یہ عرض کیا کہ میرے گھر والی دیہات کے کھلے مکانوں میں رہنے کی عادی ہے، یہاں کے تنگ مکانوں میں پریشانی ہوگی- حضرتؒ نے میرے والد ماجدؒ سے اس کا شکوہ کیا کہ اس کی بیوی میری خاطر تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ نہیں-'' (شخصیات و تأثرات ص ۱۴۲)

یہاں تک کہ حضرت مولانا عزیر گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے تو ان سے بھی حضرت بوریؒ نے سفارش کی درخواست کی، حضرت والا خود اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں:

''حضرت اقدس مولانا سیّد عزیر گل مدظلہ العالی ہمارے مدرسہ میں رونق افروز ہوئے، وہ دن ہمارے حضرت بوریؒ کی انتہائی مسرت و شادمانی کا دن تھا، جبیں حسین پر ایسی خوشی اور بشاشت کے آثار میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے- چہرۂ مبارک فرط مسرت سے دمک رہا تھا، حسن اتفاق سے یہ ناکارہ بھی ان دنوں کراچی تھا، مخدوم و معظم مہمان جس کمرے میں تشریف فرما تھے، زیارت کے لئے یہ ناکارہ بھی وہاں حاضر ہوا، آج تک وہ منظر آنکھوں کے سامنے ہے، میں نے لپک کر مصافحہ کیا، اور میرے حضرت بوریؒ نے معزز مہمان سے اس نالائق کا تعارف کرانا شروع کیا- ''یہ میرے ہم نام ہیں، ایسے ہیں، ویسے ہیں، چنیں ہیں، چناں ہیں-''

میرے حضرت بوریؒ کا حیرت انگیز فقرہ جس کی توجیہ آج

تک سمجھ میں نہیں آئی یہ تھا ”حضرت! یہ ہمارے مدرسہ میں مستقل قیام کے لئے نہیں آتے، ان سے کہئے کہ مستقل طور پر ہمارے مدرسہ میں آجائیں“۔اب بھی سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ آخر مدرسہ میں اس ناکارہ کا ٹھہرنا ایسا کون سا اہم مسئلہ تھا جس کو حضرتؒ نے اپنے عظیم اور محبوب مہمان کے سامنے پیش کیا اور ان سے سفارش کی فرمائش کی؟“

(شخصیات وتأثرات ص ۱۴۳)

حضرت بنوریؒ کو حضرت والاؒ سے کتنا تعلق تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ حضرت والاؒ تحریر فرماتے ہیں:

”میرے چھوٹے بھائی کا مکان خیر المدارس ملتان کے قریب ہے، جس دن حضرتؒ میرے مکان کے سلسلے میں خیر المدارس تشریف لے گئے (جس کا ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے) اس دن حسن اتفاق سے میرے والد ماجدؒ بھی بھائی صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے، حضرت کی تشریف آوری کا سن کر وہ بھی زیارت کیلئے خیر المدارس میں حاضر ہوئے، میرے حضرتؒ نے بہت ہی تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ سلام ودعا اور معانقہ ومصافحہ کے بعد میرے والد ماجدؒ سے دریافت فرمایا کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا چار۔ فرمایا پانچواں محمد یوسف بنوریؒ۔ بعد میں میرے والد ماجد، جب کبھی اس کا تذکرہ کرتے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے۔ اس لطف وعنایت اور محبت وشفقت کی کوئی حد ہے؟“

(شخصیات وتأثرات ص ۱۴۵)

اور بہت سے واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکابر کا حضرت والا پر کتنا اعتماد تھا اور حضرت والا کو ان اکابر کی کتنی شفقتیں حاصل تھیں اور حضرتؒ بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے، اس کے باوجود ہمارے حضرتؒ میں انتہائی عاجزی، انکساری اور فروتنی تھی بلکہ اس عاجزی وانکساری میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ حضرت مولانا بنوریؒ سے تعلق اور آپؒ کی حضرت والاؒ پر شفقت کے سلسلہ میں حضرت والاؒ ہی کی تحریر کا ایک اقتباس نقل کرتا

ہوں- حضرت تحریر فرماتے ہیں :

''حضرت کی بیٹھک میں جب کبھی تنہائی میں شرف باریابی ہوتا تو حضرتؒ اس ناکارہ کے بارے میں بعض اوقات ایسے الفاظ ارشاد فرماتے، جو اس ناکارہ کی حیثیت سے بہت ہی بلند وبالا ہوتے تھے- یہ ناکارہ حضرت کے ایسے الفاظ کو سن کر محجوب ہو جاتا اور مالک کی ستاری کے قربان جاتا کہ اس ناکارہ کی وہ گندگیاں، جو اس مالک کے علم میں ہیں ان پر کیسا پردہ ڈال دیا ہے، ورنہ کوئی شریف آدمی اس ناکارہ کو اپنے پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا- ایک بار حضرتؒ نے بہت ہی شفیقانہ انداز میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، اور فرمایا: ''میں تم کو اور مفتی ولی حسنؒ کو اپنے مدرسہ کا مدار سمجھتا ہوں''- اور پھر ایسی نصیحتیں فرمائیں جس طرح شفیق باپ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہا ہو، اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے والد ماجد حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ذکر فرمایا، جو امام بخاریؒ نے باب ''برکۃ مال الغازی حیاً ومیتاً'' میں روایت کیا ہے- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے اپنے صاحبزادے کو قرضوں کے ادا کرنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا :

''یا بنی ان عجزت عن شیئی منه فاستعن علیه مولائی-''

ترجمہ : ''بیٹا اگر اس کی کسی چیز سے عاجز آجاؤ اور وسائل ساتھ نہ دیں، تو اس کے لئے میرے مولا سے مدد لینا''-

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھا کہ ''میرے مولا'' سے ان کی کیا مراد ہے ؟ اس لئے میں نے عرض کیا :

''یا ابه من مولاك؟ قال الله-'' (ابا جان آپ کے مولا کون ہیں ؟ فرمایا : اللہ تعالیٰ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے قرض

کی ادائیگی میں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو میں کہتا: "یا مولی الزبیر اقض عنه دینه"- (اے زبیر کے مولا قرضہ ادا کردیجئے)- (صحیح بخاری ص۴۴۱، ج۱)

اس واقعہ کو ذکر کر کے میرے حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا:
"تمہیں جب بھی کوئی مشکل پیش آئے، میرے مولا سے مدد لینا اور یہ کہنا اے یوسف بنوریؒ کے مولا میرا یہ کام کردے"-
یہ میرے حضرتؒ کا خاص عطیہ تھا، جو حضرتؒ نے اس خاص انبساط کی حالت میں عطا فرمایا اور الحمد للہ حضرتؒ کا یہ نسخہ کیمیا بہت سے مشکل مواقع میں کام آیا-" (شخصیات وتاثرات ص ۱۵۸،۱۵۹)

چوتھے بزرگ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کو حضرتؒ نے اپنا رہبر طریقت تحریر فرمایا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفا میں سے تھے، خود حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کا وجود سامی سایۂ رحمت اور چشمۂ فیض تھا- جس سے نہ جانے کتنی مخلوق خدا سیراب ہوتی تھی، انکی زندگی واقعۃً ایک عارف باللہ، مرد مومن اور ولیٔ کامل کی زندگی تھی، مبدأ فیاض نے ان کی فطرت میں بہت سے خصائص وکمالات ودیعت فرمائے تھے، مرشد تھانویؒ کے فیض صحبت و تعلق نے ان کمالات کو جلا بخشی- وہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (قدس سرہ ونور اللہ مرقدہ) کے اکابر خلفأ میں سے تھے- انہوں نے اپنے شیخ کے ذوق ومزاج اور قال وحال کو اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق پوری طرح اپنے اندر جذب کرلیا تھا، وہ مرشد تھانویؒ کے علوم وافادات کے امین تھے، ان کی ہر ادا شیخؒ کے ذوق مزاج میں ڈھلی ہوئی تھی، اور وہ شیخ کی اداؤں کا مرقع اور ان کی زندہ تصویر بن گئے تھے، انہیں اپنے شیخ سے مدۃ العمر ایسا والہانہ تعلق رہا جو نادر الوجود بھی ہے اور سبق

آموز بھی۔" (شخصیات وتأثرات ص ۲۹۳)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت کے عناصر ترکیبی میں محبت کا عنصر سب سے غالب تھا (والذین آمنوا اشد حباً لله) ان کا خمیر محبت کی مٹی سے گوندھا گیا تھا، اور شیخ کاملؒ کی نظر کیمیا اثر کی کرامت سے حسن ازل کا عشق ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، وہ کشتۂ محبت ہی نہیں، سراپا محبت بن گئے تھے۔"

(شخصیات وتأثرات ص ۲۹۴)

ایک جگہ حضرت والا ڈاکٹر صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"حضرتؒ سنت نبویؐ کو محبت کی ادائیں سمجھتے تھے، اتباع سنت کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ محبت الٰہی کا مظہر اتم ہیں، اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے زیادہ حسین پیکر تخلیق فرما کر ہمارے سامنے پیش کر دیا اور فرمایا کہ کیا تم ہم سے محبت رکھتے ہو؟ اگر ہم سے محبت رکھتے ہو تو ہمارے محبوب نبی امی ﷺ کے نقش قدم کو لازم پکڑلو، تم ہم سے کیا محبت کرو گے، اگر تم ہمارے محبوب ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل گئے تو ہم تم سے محبت کریں گے : "قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔"

حضرتؒ اس مضمون کو بار بار مختلف عنوانات اور مختلف پیرایوں میں بیان فرماتے تھے، حضرتؒ کی گرمی نفس کی برکت سے آپ کے سامعین کے دل میں اتباع سنت کا شوق اور ولولہ پیدا ہو جاتا، اور اس کی اہمیت دلوں میں رچ بس جاتی تھی۔" (شخصیات وتأثرات ص ۲۹۷، ۲۹۸)

ایک جگہ حضرت والاؒ تحریر فرماتے ہیں :

"راقم الحروف کو سالہا سال تک حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق و سعادت میسر آئی، لیکن اس طویل عرصے میں حضرتؒ کو کسی ناگوار بات پر بگڑتے ہوئے یا کسی کو ڈانٹتے کڑکتے کبھی نہیں

دیکھا.... البتہ اپنے بیان میں جب دورِ حاضر کی بے حیائی، بے پردگی، مردوزن کے اختلاط، ریڈیو، ٹی وی، اور دیگر فواحش ومنکرات پر نکیر فرماتے تو بے ساختہ حضرتؒ کا لب ولہجہ تیز تر ہو جاتا، چہرہ پر نفرت وبیزاری کے آثار ظاہر ہو جاتے اور لب ولہجہ سے غیظ وغضب ٹپکتا، جس طرح حضرتؒ کی مسکراہٹ کی ادا بہت پیاری معلوم ہوتی تھی اور اس وقت حضرتؒ کا منہ چوم لینے کو جی چاہتا تھا، اسی طرح حضرتؒ کا یہ غضب ناک لہجہ بھی بہت ہی بھلا لگتا تھا۔'' (شخصیات وتأثرات ص ۲۹۹)

حضرت والا کو اپنے شیخ حضرت عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خصوصی تعلق تھا، آپ حضرتؒ کی مجالس میں شرکت کا اہتمام فرماتے اور اپنے شیخ کے فیوض سے اپنے دل کو جلا بخشتے، حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ بھی حضرت پر بہت شفقت فرماتے اور حضرت کی بڑی قدر اور عزت افزائی فرماتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ ہمارے حضرت کو اپنا جانشین اور اپنا ترجمان سمجھتے تھے، ایک مرتبہ حضرت والا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

''الحمد للہ ہمیں یہ ایک سخن دان مل گیا''۔

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے شیخ کی طرف بہت سے لوگوں کو ''مجاز بیعت'' بنایا اور کئی لوگوں کو ''مجاز صحبت'' بنایا اور بعض مخصوص احباب کو تجدید اجازت مرحمت فرمائی، حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی یادداشتوں میں ''اجازتِ بیعت وتلقین کے متعلق اپنے احباب کیلئے ایک ضروری اعلان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''آج بتاریخ ۲۲/ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰/ اپریل ۱۹۷۹ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز اشراق دوران تلاوت کلامِ مجید بے ساختہ قلب پر تقاضا پیدا ہوا کہ اپنے خاص احباب کو جو داخل سلسلہ ہیں ان میں سے بعض کو اجازت بیعت وتلقین دے کر مجاز بیعت اور بعض کو مجاز صحبت بنادیا جائے تاکہ اپنے بزرگان سلسلہ کے فیوض وبرکات آئندہ طالبان حق کو پہنچتے رہیں۔'' (عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحئی عارفی سوانح حیات وتعلیمات ص ۵۸۴)

"علاوہ ازیں بعض مخصوص احباب ایسے بھی ہیں جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاءؒ کے اجازت یافتہ ہیں مگر انہوں نے ایک مدت مدید سے محض اپنے ذوق و تشنگی طلب کے تقاضے پر اس ناکارہ کے ساتھ تعلق محبت قائم کر رکھا ہے اس لئے دل چاہتا ہے کہ ان کی تقویت و طمانیت خاطر کیلئے اپنی طرف سے بھی تجدید اجازت پیش کر دوں، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میرے یہ احباب اپنے بزرگوں کے اس سلسلہ مقدسہ کے وقار اور منصب کی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ جذبہ خدمت دین اور نفع رسانی خلق کو خلوص نیت کے عزم کے ساتھ اپنا شعار زندگی بنا سکیں گے اور خود بھی عزم صمیم کے ساتھ اپنے نفس کی نگہداشت سے غافل نہ رہیں گے واللہ المستعان"

(عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی سوانح حیات و تعلیمات ص ۵۸۵)

حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ نے حضرت شہید کو اجازت و خلافت سے سرفراز کرتے ہوئے درج ذیل خط تحریر فرمایا:

"محبی و مشفقی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ ایک مدت مدید سے احقر کے ساتھ آپ کا رابطہ اخلاص و محبت و حسن ارادت قائم ہے جو باعث مسرت بھی ہے اور باعث تقویت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست دین اور نسبت باطنی سے نوازا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے حالانکہ آپ کے مرشد کامل کی طرف سے آپ کو شرف خلافت حاصل ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اظہار مسرت اور آپ کی قلبی طمانیت کیلئے اپنی طرف سے بھی آپ کے لئے تجدید اجازت کر دوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہری و باطنی خیر و برکت کا باعث بنا دیں۔ آمین"۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ نے جن حضرات کو "تجدید اجازت" مرحمت

فرمائی ان کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں ہمارے حضرت اقدسؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نور اللہ مرقدہ کا وصال ۱۵ / رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۷ / مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعرات کو ہوا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے حضرت کی تربیت ان عظیم اکابرؒ اور شیوخ کے سایۂ عاطفت میں اس طرح ہوئی ہے کہ ان شیوخ نے اپنی پوری توجہات اور بھرپور شفقتوں اور عنایتوں سے آپ کو نوازا، ان ہی اکابر و شیوخ کی برکات اور فیضان نظر کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بھی وہی صفات اور جوہر پیدا کر دیئے ہیں جن اوصاف سے یہ حضرات متصف تھے، اور حضرت والاؒ نے ہمیشہ اپنے اکابر کی لاج رکھی اور ان کے اعتماد پر پورے اترے اور اپنے شیوخ کے بتائے ہوئے خطوط پر ہمیشہ زندگی بھر تعلیم و تدریس اور اصلاح و ارشاد کا کام سرانجام دیتے رہے اور اپنے اکابر کے فیض کو ہر جگہ پھیلایا۔

ان اکابر کا یہ فیض ہمیشہ جاری و ساری رہے، حضرت والاؒ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے اور اس میں تعطل نہ آنے پائے، اس کیلئے اپنے اکابر کے طرز پر اس سلسلے کو آگے بڑھانے کیلئے حضرتؒ نے بہت سے حضرات کو خلافت عطا فرمائی، حضرتؒ کے خلفاءؒ کی فہرست درج ذیل ہے:

۱:.... حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری مدظلہ، ملتان۔
۲:.... حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ، کراچی۔
۳:.... حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ، کراچی۔
۴:.... حضرت مولانا فضل الرحمن مدظلہ، امیر جمعیت علماء اسلام۔
۵:.... حضرت مولانا محمد اعظم طارق مدظلہ، صدر سپاہ صحابہ۔
۶:.... حضرت مولانا محمد میاں حمادی صاحب مدظلہ، ہندو آدم۔
۷:.... حضرت مولانا مفتی نذیر احمد اخون صاحب مدظلہ، کراچی۔
۸:.... حضرت مولانا مسعود اظہر مدظلہ، امیر جیش محمد ﷺ۔
۹:.... حضرت مولانا محمد تعلیمن حسین پوری مدظلہ، ملتان۔

۱۰ :.... حضرت مولانا منظور احمد الحسینی صاحب مدظلہ، لندن۔
۱۱ :.... حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہ، برطانیہ۔
۱۲ :.... حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب مدظلہ، برطانیہ۔
۱۳ :.... حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مدظلہ، مدینہ منورہ۔
۱۴ :.... حضرت مولانا قاری محمد یٰسین یوسفی مدظلہ، کراچی۔
۱۵ :.... حضرت مولانا قاری محمد صدیق رحیمی مدظلہ، ملتان۔
۱۶ :.... حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ رحیمی (مرحوم)۔
۱۷ :.... حضرت مولانا محمد سلیمان ہوشیارپوری (مرحوم)۔
۱۸ :.... حضرت مولانا رب نواز صاحب مدظلہ، حیدرآباد۔
۱۹ :.... حضرت حافظ فیروزالدین صاحب مدظلہ، کراچی۔
۲۰ :.... حضرت مولانا قاری عطأ اللہ صاحب مدظلہ، کراچی۔
۲۱ :.... حضرت مولانا قاری نثار احمد مدظلہ، جامع مسجد، گلگت۔
۲۲ :.... حضرت مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی مدظلہ، کراچی۔
۲۳ :.... حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مدظلہ، برطانیہ۔
۲۴ :.... حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ، کراچی۔
۲۵ :.... حضرت مولانا مفتی فضل الحق مدظلہ، بنگلہ دیش۔
۲۶ :.... حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مدظلہ، اورکزئی ایجنسی۔
۲۷ :.... حضرت مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب مدظلہ، کراچی۔
۲۸ :.... حضرت مولانا ڈاکٹر وسیم احمد صاحب مدظلہ، کراچی۔
۲۹ :.... حضرت مولانا ابوالاشرف احمد صاحب مدظلہ، ٹھٹھہ۔
۳۰ :.... حضرت قاضی قائم الدین مدظلہ، ٹھٹھہ۔
۳۱ :.... حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری صاحب مدظلہ۔
۳۲ :.... حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ، کامرہ۔

۳۳ :.... حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ، کراچی۔

۳۴ :.... حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی مدظلہ، مکہ مکرمہ۔

۳۵ :.... حضرت مولانا ابراہیم ہاشم امریکی مدظلہ، ویسٹ انڈیز۔

۳۶ :.... حضرت مولانا مفتی نعیم میمن مدظلہ، حیدر آباد۔

۳۷ :.... حضرت خواجہ متین الدین مدظلہ، ٹورنٹو (کینیڈا)۔

۳۸ :.... حضرت مولانا اقبال اللہ مدظلہ، کراچی۔

۳۹ :.... حضرت مولانا احسان اللہ ہزاروی مدظلہ، کراچی۔

۴۰ :.... حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ، کراچی۔

۴۱ :.... حضرت مولانا طارق جمیل مدظلہ، تبلیغی مرکز رائیونڈ۔

۴۲ :.... حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ، ملتان۔

۴۳ :.... حضرت مولانا محمد انور فاروقی (مرحوم) کراچی۔

۴۴ :.... حضرت مولانا الشیخ عبدالسمیع فقیر مدظلہ، کراچی۔

۴۵ :.... حضرت مولانا قاری عبدالرشید مدظلہ، حیدر آباد۔

۴۶ :.... حضرت مولانا امیر عبداللہ مدظلہ، افغانستان۔

۴۷ :.... مولانا محمد افضل خان شاہ پور، سوات۔

۴۸ :.... سید اطہر عظیم (مجاز صحبت) کراچی۔

حضرت والا ہمیشہ اپنے خلفاً اور ارادت مندوں کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوقات ضائع نہ فرمائیں، کام کو مربوط اور اچھے انداز میں کرنے کے لئے اپنا نظام الاوقات مرتب کریں، اذکار و اشغال کا اہتمام فرمائیں، اتباع سنت کو اپنائیں اور معاصی سے اجتناب کریں، اگر گناہ ہو جائے تو فوراً اس پر نادم ہوں اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کریں۔

درود شریف کا کثرت سے اہتمام کریں، ذریعۃ الوصول اور مناجات مقبول کا پابندی سے ورد کریں۔ نماز باجماعت کا اہتمام کریں اور اس میں بھی کوشش کریں کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو۔ حضرت والا اس بات پر زور دیتے تھے کہ ظاہری حلیہ سنت کے مطابق

بنایا جائے، اس لئے کہ ظاہر باطن پر دلالت کرتا ہے ظاہری حلیہ درست ہوگا تو ان شاء اللہ باطن بھی درست ہوگا۔

حضرت والاؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلالیا اب حضرتؒ کے خلفاً اور ارادت مندوں کی ذمہ داری ہے کہ حضرتؒ کیلئے ایصال ثواب بھی کریں اور حضرتؒ کے جو کام تھے انہیں اسی طرح باقی اور زندہ رکھیں جس طرح حضرتؒ کی زندگی میں ہوتے تھے اور انہیں اس طرح انجام دیں کہ ان میں کوئی کمی نہ آنے پائے اور یہ تمام حضرتؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہو۔

اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کو اپنے قربِ خاص سے نوازے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ہمیں حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والاؒ کے متعلق کچھ الفاظ لکھ کر میں خود بھی اپنے جذبات و تأثرات کا اظہار کرنا چاہتا تھا اور پھر مجھے حکم بھی ملا کہ حضرت پر کچھ لکھوں، لیکن جب لکھنے بیٹھا تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھوں؟ بالآخر جس طرح اپنے ہر معاملہ میں حضرتؒ کی زندگی میں حضرتؒ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، آپ کی شہادت کے بعد بھی آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور آپ کی تحریروں سے آراستہ کر کے اپنے مضمون کو کچھ وقیع بنانے کی کوشش کی ہے۔

............☆............

......اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرات اولیاً اللہ کے مزارات پر جو گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں وہ اکابر اس سے بالکل بری ہیں۔ انہوں نے نہ اس فعل کو کبھی پسند فرمایا، نہ اس کی اجازت دی ہے اور نہ اس کی وصیت فرمائی ہے، اس کی ذمہ داری ان دنیادار امرأ و سلاطین پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشادات مقدمہ کی مخالفت کر کے اس فعل شنیع کو روا رکھا، اور اب تو لوگوں نے قبر کے پختہ ہونے اور اس پر شاندار روضہ تعمیر ہونے ہی کو ولایت کا معیار سمجھ لیا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات آپ کے علم میں ہوں گے کہ کسی تاجر قبر نے خواب یا الہام کا حوالہ دے کر کسی جگہ جعلی قبر بنا ڈالی اور لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہر حال حنفی مذہب کی قریباً تمام معتبر کتابوں مثلاً عالمگیری، قاضی خان، سراجیہ، در مختار، کبیری وغیرہ میں اس فعل کو ناجائز لکھا ہے......۔

خاص

علمی شخصیت

حضرۃ مولانا سید رشید الدین حمیدی مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے ان کی علمی تحقیقی خدمات کے پیش نظر شناسائی اور تعارف تو پہلے بھی تھا مگر جب آپ کا بیعت وارادت کا تعلق شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ سے ہوا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ سہارنپور، فیصل آباد اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں اعتکاف کے لیے تشریف لے جاتے اور حضرت کے متعلقین اور خدام بھی وہاں پہنچتے، اس وقت سے یہ شناسائی الفت و محبت میں تبدیل ہوگئی، اور پھر یہ تعلق محبت بڑھتا ہی گیا، اب کچھ عرصہ سے تو بحمد اللہ ہر سال ملاقات ہوتی، خصوصاً حرمین میں تو سال میں دو ایک بار ضرور ملاقات ہو جاتی، اس سال بھی حرمین میں ملاقات ہوئی تھی- حضرت کی شخصیت بلاشبہ اکابر دیوبند کی سچی تصویر تھی، آپ دور حاضر کے امام عزیمت، اور اکابر کے مسلک و مشرب کے داعی و مناد تھے، آپ خدا خوفی، تقویٰ، طہارت اور علم و فضل کے کوہ گراں تھے، آپ کی تصانیف ہندوپاک میں یکساں مقبول تھیں، خصوصاً اختلاف امت اور صراط مستقیم" اور "آپ کے مسائل اور ان کا حل" نے ہندوستان میں خوب خوب شہرت حاصل کی، اور اصلاح و تعمیر اخلاق میں ان کتابوں نے تاریخی کردار ادا کیا، ہندوستان کے مختلف مکتبوں نے اسے شائع کر کے گھر گھر پہنچایا، اور ان سے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا-

امسال مدینہ منورہ میں عزیز گرامی مولوی اخلد میاں سلمہ نے دوسرے اکابر علماً کے

ساتھ حضرت موصوف کو بھی گھر پر مدعو کیا تو موصوف ازراہ شفقت باوجود ضعف وبیماری کے رات کو تشریف لائے اور دیر تک دوسرے علمی مسائل کے علاوہ ہندوپاک کی صورت حال پر گفتگو ہوئی، ماحضر بھی تناول فرمایا، کسے معلوم تھا کہ یہ ہماری ان سے آخری ملاقات ہے ؟ اور حضرت بہت جلد ہم سے جدا ہو جائیں گے ؟ اور سفاک درندے انہیں ہم سے چھین لیں گے ؟ بہر حال قضاوقدر اور مقدرات سے مفر نہیں، حضرت کی شہادت سے انہیں تو فائدہ ہی فائدہ ہوا، البتہ ہمارا نقصان ہے کہ ہم بلکہ پوری امت انکے فیوض وبرکات سے محروم ہوگئی۔

مولانا کی ذات خالص علمی اور غیر متنازعہ تھی، ہاں اگر کوئی متنازعہ شخصیت ہوتی یا آپ فرقہ واریت کے داعی ہوتے تو ممکن ہے ان کی شہادت کو فرقہ واریت کا نام دیا جاتا، لیکن آپ تو صدق ووفا اور دین ودیانت زہد وتقشف کی تصویر، بے ضرر اور خالص علمی اور تحقیقی انسان تھے، اسکے باوجود آپ کا ناحق قتل اور شہادت بلاشبہ دین دشمنوں کی سازش ہے، میں سمجھتا ہوں ان پر حملہ علم وفضل، دین ودیانت، صدق ووفا، اور شرافت ونجابت کے قتل کے مترادف ہے۔

ان کی شہادت سے جس طرح ان کے اہل وعیال، متعلقین اور پاکستان کے ارباب فضل وتحقیق غم زدہ ہیں، مسلمانان ہندوستان بھی کسی طرح اس صدمہ کو سہارنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر محبوبیت ومقبولیت عامہ سے نوازا تھا وہ کسی وضاحت وبیان کی محتاج نہیں۔

آپ نے جس طرح حیات مستعار میں قائدانہ کردار ادا فرمایا اسی طرح اس دنیا سے جاتے جاتے بھی آپ امت کو ایک نئی سوچ وفکر دے گئے کہ اگر کبھی دین کی بقا کے لئے خون جگر کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے، بلکہ اپنی زندگی کی طرح موت کو بھی اعلاً کلمۃ اللہ کے کھاتے میں ڈال کر ہلکے پھلکے اور سرخرو ہو کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا چاہئے، چنانچہ موصوف نے شہادت کی تمنا کی، دعائیں مانگیں اور شہادت کو تلاش کرتے کرتے میدان جہاد کے خط اول پر پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، منہ مانگی موت عطا فرمائی اور سرخرو ہو کر دنیا سے اس شان سے گئے کہ شاید ان کو اپنے راستہ سے ہٹانے والے شقی القلب بھی پشیمان ہوں گے کہ ہم نے ان کو شہید کر کے ان کا نہیں اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ مولانا تو پہلے ہی قرب

الٰہی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، لیکن شہادت کی موت نے آپ کو اور زیادہ اونچا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے ساتھ رضا و رضوان کا معاملہ فرمائے، ان کی حسنات کو ان کے لئے باعث ترقی درجات بنائے اور ہم سب کو ان کے مشن پر زندہ رہنے اور مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

............☆............

......ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنی اہلیہ محترمہ فاطمہ کے پاس تھے، ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”فاطمہ! آج کی بہ نسبت دابق کی راتوں میں ہم زیادہ عیش و راحت میں تھے“۔

عرض کیا: ”آج آپ کو جتنی قدرت ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھی (عیش و راحت کا سامان کیا مشکل ہے)“ یہ سن کر آپ کی چیخ نکل گئی اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے: ”فاطمہ! مجھے دوزخ کی آگ سے ڈر لگتا ہے۔ فاطمہ! اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں“۔

خاندان بنی امیہ میں مسلمہ بن عبدالملک سب سے زیادہ مالدار، تنعم پرست اور کھانے پینے میں فضول خرچ تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو ان کی کھانے پینے میں فضول خرچی کا قصہ پہنچا تو ایک دن ان سے فرمایا کہ کل صبح سویرے آپ کے پاس آجائیں، گھر میں فرمایا کہ آج مسور کی دال کا ثرید بنایا جائے، اس کے علاوہ عمدہ قسم کا سالن تیار کیا جائے، مسلمہ صبح سویرے گئے اور دن چڑھے تک آپ کے پاس رہے، بھوک لگی تو اٹھ کر جانے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو روک لیا اور فرمایا: ”ذرا تشریف رکھئے“۔ بیٹھے بیٹھے دوپہر ہوگئی، وہ پھر اٹھنے لگے تو فرمایا: ”ذرا تشریف رکھئے“۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اب یہ بھوک سے بیتاب ہو رہے ہیں تو کھانا منگوایا، مسور کی دال کا ثرید پیش کیا گیا، مسلمہ دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑے اور یوں کھانے لگے جیسے کوئی بھوک سے مرا جاتا ہو، جب پیٹ بھرنے میں کچھ کسر باقی نہ رہی، تو حضرت عمر رحمہ اللہ نے یہ کھانا اٹھوا دیا اور عمدہ، لذیذ اور بہترین کھانا طلب فرمایا، جب کھانا لایا گیا تو مسلمہ سے فرمایا: ”تناول فرمائیے!“ کہنے لگے: ”میں سیر ہو چکا ہوں، اب اور گنجائش نہیں“۔ آپؒ نے فرمایا: ”جب مسور کا ثرید بھی کافی ہو سکتا ہے تو کھانے میں فضول خرچی کرنے اور جہنم میں گھسنے کی کیا ضرورت؟“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد انہیں نصیحت کرنا اور ادب سکھانا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمہ نے اپنی پہلی حالت کی اصلاح کرلی۔

جامع شریعت وطریقت

حضرۃ مولانا عاشق الٰہی مدینہ منورۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ان علمی شخصیات میں سے تھے جنہوں نے علوم اسلامیہ کی بہت خدمت کی، حضرت موصوف شریعت وطریقت دونوں کے جامع تھے، قرآن وحدیث کے علوم بھی پھیلائے، اور جن طالبین نے اصلاح نفوس کے لئے حضرت والاؒ سے اپنا تعلق قائم کیا ان کی بھی روحانی تربیت فرمائی، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، موصوف نے اپنے بعد اپنی تالیفات کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، تلامذہ بھی بڑی تعداد میں ہیں، ان کے ابناً صالحین بھی دینی علوم واعمال کی نشر واشاعت کے لئے موجود ہیں، یہ سب ان کے لئے بہت بڑا ذخیرہ ہے اور رہتی دنیا تک ان کو ثواب پہنچنے اور رفع درجات کا ذریعہ ہے۔

دشمنانِ دین یہود ونصاریٰ یہ سمجھتے ہیں اور پوری طرح جانتے ہیں کہ علماً کرام اور دینی مدارس ہی اسلام اور علوم اسلام اور اعمال اسلام کی بقا کا ذریعہ ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے قلوب پر ہمارا قبضہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک امت مسلمہ میں علماً کا وجود ہے اور جب سے افغانستان میں جہاد شروع ہوا ہے دشمنانِ اسلام کے کان کھڑے ہو گئے ہیں اور وہ ڈر رہے ہیں کہ پورے عالم کے مسلمان جہاد کے لئے کھڑے ہو گئے تو دشمنان اسلام کا کباڑا ہو جائے گا، لہذا وہ مدارس کو بند کرانے کی کوشش میں ہیں، پاکستان میں جو لوگ بر سر اقتدار آتے ہیں انہیں استعمال کیا جاتا ہے یہ لوگ اپنے عہدے باقی رکھنے کے لئے دشمن کی ہر بات ماننے کو

تیار ہیں، مدارس پر قبضہ کرنے اور ان کے نظام و نصاب میں دخل دینے کی کوشش کرتے ہیں، اصحاب اقتدار اپنی آخرت کے لئے فکر مند نہیں ہوتے، چند روزہ فانی دنیا کے اقتدار کی محبت میں مدارس کو ختم کرنے کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ترکی، لیبیا اور سوریا میں مدارس دینیہ کو ختم کرنے کے بعد جو بے دینی اور بد دینی آگئی ہے اسی طرح پاکستان بھی علوم اسلامیہ سے خالی ہو جائے-قاتلهم الله ماذا يتفكرون!

دشمنان اسلام کا دوسرا ہدف علماً کرام ہیں، خصوصاً مشاہیر اور خدام دین، خطباً اور مقررین ہیں، دشمن چاہتے ہیں کہ یہ سب ختم ہو جائیں، قتل کرنے والوں کو بڑی بڑی رقوم دے کر قتل پر آمادہ کرتے ہیں، قاتل یہ نہیں سوچتے کہ ایک مومن کو قتل کرنے سے ہمارا آخرت میں کیا بنے گا؟ حقیر دنیا تو یہیں دھری رہ جائے گی، اگر کسی کا قرآن پر ایمان ہی نہیں تو دوسری بات ہے، قرآن کریم میں تو یوں ارشاد فرمایا ہے:

"ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه واعدله عذاباً عظيماً-"

ترجمہ: "اور جو شخص قصداً کسی مومن کو قتل کردے تو اس کی جزاً جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غصہ ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار فرمائے گا"-

جو لوگ حقیر دنیا کے لئے کسی مومن کو قتل کردیتے ہیں وہ اپنے بارے میں سوچ لیں، جو مومنین ظلماً قتل کردیئے جاتے ہیں وہ تو شہادت کا درجہ پاکر کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مغفرتیں ان پر چھا جاتی ہیں، لیکن قاتلین عذابِ دائمی میں جانے کا اپنے لئے انتظام کرلیتے ہیں-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی مومن کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے وہ اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: "اللہ کی رحمت سے مایوس ہے"- (مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ آسمان وزمین والے سب اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوۃ المصابیح)

آج یہود ونصاریٰ اور دوسری اقوام نے اسلام کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے، اور اس میں بہت پیش پیش ہیں، جگہ جگہ نصاریٰ نے اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں، مسلمانوں کو نجات کے راستہ سے ہٹا کر یعنی اسلام کا منکر بنا کر عذاب میں لے جانا چاہتے ہیں، اور کروڑوں ڈالر اسی مقصد کیلئے خرچ کرتے ہیں، ان کا نتیجہ عام حالات میں صفر کے درجے میں ہے، وہ ایشیا کے ممالک میں اپنی مشنریاں بھیجتے ہیں، جب کہ خود یورپ وامریکہ میں نصاریٰ اسلام قبول کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، چرچ بک رہے ہیں، مسجدوں میں تبدیل ہو رہے ہیں، اور وہ اس پر پابندی لگانے سے عاجز ہیں، بات یہ ہے کہ ایمان دل میں اتر جائے تو کوئی بھی مخالفانہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، جسے مسلمان ہونا ہے مسلمان ہو کر جینا ہے، اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی، اگر دشمنانِ اسلام کی کوششیں کامیاب ہوتیں تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر سے آگے اسلام نہ بڑھتا۔

یہ علمأ کرام ہی ہیں جو دشمنوں کی ہر کوشش کا توڑ کرتے ہیں، مناظروں میں کافروں کو نیچا دکھاتے ہیں، اسلام کی حمایت میں اور کفر اور اہل کفر کی تردید میں رسائل ومضامین لکھتے ہیں، اسی لئے دشمنوں کو ان کا وجود کھٹکتا ہے، دشمنوں کی خواہش ہے کہ اسلام مٹ جائے اور کفر زندہ رہے لیکن ایسا نہ ہوگا۔

دشمنانِ دین کا پروگرام ہے کہ مشہور علمأ دین کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے، انہیں یہ پتہ نہیں کہ جب ایک عالم دین ختم ہوتا ہے تو اپنے پیچھے بہت بڑی تعداد میں خدامِ دین چھوڑ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نور بجھنے والا نہیں، سورۃ الصف میں فرمایا:

"یریدون لیطفؤا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون-"

ترجمہ: "یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں"۔

قافلہ شہدا کا

نیا مُسافِر

مولانا عبدالمجید فاضل دیوبند سکھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، اما بعد!

”ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون-“

بنوری ٹاؤن کے ایک کمرے میں، جہاں ہر طرف کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور جہاں ختم نبوت کے علاوہ ہر فتنہ کے خلاف کام ہوتا تھا، وہاں ایک پروقار شخصیت، اور درمیانہ قد و قامت کا خوش نما انسان سر جھکائے ہوئے، محوِ کتاب تھا، کہ راقم الحروف نے جاکر کہا ”السلام علیکم“ آگے سے جواب ملا ”وعلیکم السلام“- اور اس کے بعد خاموشی چھاگئی، راقم دیر تک بیٹھا رہا، کوئی سلسلہ کلام نہ ہوا، تو ناامید ہو کر اٹھ کر چلا آیا، پھر کئی مرتبہ ایسا ہی اتفاق پیش آیا- ہر دفعہ امید ہوتی کہ اس مرتبہ کچھ فرمائیں گے مگر: ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“ کا معاملہ پیش آیا جس سے دل میں ایک گونہ تکدر سا ہوا کہ یہ کیسا انسان ہے جو کسی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا؟ ایک دفعہ مفتی جمیل خان صاحب نے کہا آؤ آپ کی ”ماموں“ سے ملاقات کراؤں، جمیل صاحب مجھ کو ان ہی حضرت کے پاس لے گئے اور کہا کہ حضرت! یہ مفتی خالد محمود کے والد ہیں، سلام دعا ہوئی، پھر میں نے اپنا شکوہ بیان کیا اور سخت الفاظ میں کہا کہ میں نے آپ جیسا بد اخلاق آدمی کوئی نہیں دیکھا (اس جملہ کی میں نے

کئی دفعہ معافی مانگ لی تھی اور مجھے معاف بھی کر دیا تھا) پھر گفتگو ہوئی اور خاطر تواضع بھی۔ یہ جملہ بڑا سخت تھا لیکن اللہ کی حکمت دیکھئے کہ حضرت کا تحمل اور ظرف کتنا وسیع تھا کہ اس کو برداشت کیا اور اس پر مجھے کچھ بھی نہ کہا، اور یہ واقعہ میرے لئے باعث اصلاح ہو گیا، اور تعلقات کی مستحکم بنیاد بھی اس سے ہو گئی چنانچہ اس کے بعد حضرت جب ملتے تو فرماتے آ بھئی پھر تم کہو گے.... میں جواب دیتا اب نہیں کہوں گا۔ تعلقات بڑھتے گئے اور بے تکلفی ہو گئی۔

یہ تھے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی، شریعت مطہرہ کا مایہ ناز سپوت، ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کا عظیم سپاہی، مفسر و محدث، طریقت کا مرد میدان، امت کا بہترین نباض، ایک عظیم مفکر و مدبر، دانش ور، ورع و تقویٰ کا پیکر، اخلاص سے بھرپور۔ ابتدا اگرچہ نہایت تلخ ہوئی مگر انتہا شیریں ہوتی چلی گئی اور دل میں جو تکدر پیدا ہوا تھا وہ محبت میں تبدیل ہو گیا۔

اس وقت میرے پیش نظر چار یوسف ہیں:

ایک تو اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے جگر گوشہ نور نظر، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون، جن کے فراق میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی آنکھیں گنوادیں، چالیس سال ان کے فراق کے سوز و گداز میں گزار دیئے، اللہ پاک نے ان کا واقعہ خود قرآن پاک میں ''احسن القصص'' کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے۔

دوسرے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، امیر تبلیغی جماعت، المعروف بہ حضرت جی!، جو علمی تصنیفی مشغلہ میں حد درجہ منہمک رہے اور کبھی تبلیغ کی طرف توجہ بھی نہیں کی، والد محترم مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ صرف تبلیغ کے ہو کر رہ گئے، دعوت کے کام کو بیرون ملک احسن طریقے سے روشناس کرایا۔

تیسرے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جو حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت میں بھی ممتاز تھے، اللہ نے جیسی حسین صورت بنائی تھی، اس سے کہیں زیادہ سیرت حسین تھی، علمی اور عملی لحاظ سے اپنے ہم عصر علما میں فخر الاماثل تھے، تحریک ختم نبوت کی

کامیابی کا سہرا حضرتؒ کے سر ہے، آپ نے پرویزی اور فضل الرحمانی فتنہ کو کچل کر رکھ دیا، الحاد وزندقہ کے راستہ میں بند باندھ دیا، بیرون ملک سربراہان اسلامی مملکت کو مسئلہ ختم نبوت تفصیل سے سمجھایا، عرب ممالک میں استاذ اور شیخ کے نام سے مشہور تھے، عربی گویا مادری زبان تھی، عرب کے لوگ کہتے تھے ''واللہ ماانت ھندی'' (اللہ کی قسم آپ ہندوستانی نہیں ہیں) منکسر المزاج ایسے تھے کہ ہر عامی سے بات کر لیتے تھے، ایک مرتبہ جامعہ قاسم العلوم ملتان کے جلسہ میں اسٹیج پر بہت سے علما بیٹھے تھے، راقم سب کو جانتا تھا، ایک عالم جبہ ودستار میں ملبوس تھے، عاجز ان کو نہیں جانتا، جلسہ ختم ہونے کے بعد رہائش گاہ (حاجی محمد یار ان کے ہاں) بندہ حاضر ہوا تو دیکھا وہی عالم اب سادہ لباس میں ہیں، عاجز نے دریافت کیا جناب کا اسم گرامی، جواب دیا ''مجھے یوسف کہتے ہیں'' اب میں سمجھ گیا کہ یہ حضرت بنوریؒ ہیں، اس سادہ جواب کی شیرینی اب تک محسوس ہوتی ہے، میں حضرت بنوری کو بنوری کے بجائے بلوری (شیشہ کا) کہا کرتا ہوں، حضرت بنوریؒ کا شاہکار جامعۃ العلوم الاسلامیۃ آج بھی ان کی یاد کو تازہ کئے ہوئے ہے۔

چوتھے یوسف: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور ان کا ہی تذکرہ اس وقت مقصود ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی انڈیا کے مشہور ضلع لدھیانہ کی ایک چھوٹی سی بستی عیسیٰ پور میں پیدا ہوئے، جس طرح یوپی میں سہارنپور، اور کاندھلہ مردم خیز علاقہ ہے، اسی طرح مشرقی پنجاب میں لدھیانہ بھی مردم خیز علاقہ ہے، مادی حیثیت سے لدھیانہ کپڑے کی صنعت اور ہوزری میں مشہور تھا اور علمی لحاظ سے بھی یہ ضلع مردم خیز واقع ہوا ہے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے جب پانچ سو علما کو جمع کیا اور پوچھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ ان میں علمائے دہلی، علمائے سہارنپور اور علمائے لدھیانہ کا ذکر ملتا ہے، اوائل بیسویں صدی میں مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مجلس احرار کے رئیس مشہور ہستیاں ہوگزری ہیں، جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی محمد نعیم صاحب کے صاحبزادگان لدھیانہ لے گئے اور ان کو اپنا مدرسہ دکھایا اور اس کفرستان میں اسلامی خدمات

بھی بتائیں- مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق پہلا کفر کا فتویٰ بھی علمائے لدھیانہ نے دیا (کما قال شیخنا حسین احمد مدنی قدس سرہ) لدھیانہ کے کسی شہر میں غالباً رائے پور میں مفتی فقیر اللہ صاحب بڑے پایہ کے عالم تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اور پنجاب کے سارے علما کے استاد تھے حتیٰ کہ مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد تھے، ان کے صاحبزادگان میں قاری لطف اللہ شہید، شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ صاحب، مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی تھے، جنہوں نے ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ قائم کیا، لدھیانہ کی بستی جگراؤں میں مولانا عبد اللہ صاحب، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری کے خلیفہ تھے، مولانا عبد اللہ صاحب جس جگہ جاتے اور وعظ فرماتے وہاں کے لوگ ایسے نمازی بن جاتے تھے کہ ان کی کبھی نماز تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی، ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں لوگ ''ہیر'' پڑھ رہے تھے، مولانا بھی وہاں تشریف لے گئے اور کہا میں بھی آپ کو ''ہیر'' سناتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے قرآن پاک کی تلاوت ایسے موثر انداز میں کی کہ سب مجلس والوں نے توبہ کرلی، اور پختہ نمازی بن گئے، اسی لدھیانہ کی چھوٹی سی بستی عیسیٰ پور میں چودھری اللہ بخش ؒ کو اللہ نے ایک نعمت ایک ہونہار بچہ کی صورت میں عطا فرمائی جس کا نام ''محمد یوسف'' رکھا گیا، چودھری اللہ بخش کے حالات ان کے ہونہار صاحبزادے محمد یوسف کی زبانی سن لیجئے :

> ''حضرت والد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی سعادتوں سے نوازا تھا، عقل ودانش، فہم وفراست، صلاح وتقویٰ، اخلاص وایثار، اخلاق ومروت، مہمان نوازی، غربا پروری، کرم گستری اور خلق خدا کی نفع رسانی کی بنا پر بچپن سے جوانی اور پیری تک وہ اپنے حلقے میں محبوب ومعظم رہے، حضرت والد صاحب نے اپنی حیات مستعار کا آغاز نہایت بے کسی، کسمپرسی اور ناتوانی کی حالت میں کیا تھا، بساط حیات پر ابھی قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا، اور عین شیر خوارگی کی حالت میں آغوش مادر بھی چھن گئی، عالم اسباب میں اس یتیم کا سوائے دس سالہ ہمشیرہ کے کوئی کفیل نہ تھا، نہ کوئی تایا نہ کوئی چچا، نہ کوئی بھائی،

نہ کوئی ماموں نہ کوئی خویش و قریب، لیکن مالک کی قدرت کے قربان جائیے کہ یہی نادار اور بے کس یتیم بچہ بیس کے سن کو نہیں پہنچا تھا کہ ضلع بھر کی پنچائتی عدالتوں میں اسے سرپنچ تسلیم کر لیا گیا اور پیچیدہ سے پیچیدہ تنازعات میں اس کے فیصلے قبول کئے جانے لگے....

حضرت والد صاحب کا علم کتابی نہیں تھا بلکہ اہل اللہ کی صحبت سے ان کا آئینہ قلب مجلّی تھا، اس لئے کسی غلط مسئلہ کو ان کا قلب قبول ہی نہیں کرتا تھا....

حضرت والد صاحب کو بچپن سے ہی بدعات سے نفرت تھی اور سنت نبویؐ سے عشق تھا، دس بارہ برس کی عمر سے تہجد اور شب خیزی کی عادت تھی اور یہ عجیب بات ہے کہ ان کی آخری نماز بھی تہجد ہوئی۔ سحری کے وقت ذکر بالجہر کرتے ہوئے قلب پر الا اللہ کی ضرب کچھ ایسے انداز سے لگاتے تھے کہ سننے والوں کے دل دہل جاتے تھے۔....

ساری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا، رمضان المبارک میں تراویح کیلئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی، بڑی حسرت کے ساتھ اس ناکارہ کو فرماتے تو خود ہی قرآن کیوں حفظ نہیں کرلیتا، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والد صاحب مرحوم کی تمنا پوری فرمادی ان کی ترغیب و تحریص اور دعاوبرکت سے اس روسیاہ کو بھی کچا پکا یاد ہو گیا اور پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا التزام کیا۔ جس سے حضرت والد صاحب مرحوم کو بہت ہی قلبی راحت نصیب ہوئی....(راقم کو بھی پہلے معلوم نہ تھا کہ حضرت حافظ بھی ہیں، اس تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت حافظ قرآن بھی تھے۔ ناقل)والد صاحب مرحوم دیکھنے میں ایک دنیادار چودھری تھے مگر انہوں نے دنیا کے لئے نہ جائیداد بنائی نہ دکان نہ مکان، جو کچھ بنایا دین کے لئے بنایا"۔

(شخصیات و تأثرات جلد اول ص ۲۸۴)

حضرت والاؒ کے والد صاحبؒ کے یہ حالات اس لئے لکھے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس دین دار خدا ترس متقی صالح انسان کے ہاں محمد یوسف کے نام سے جو بچہ پیدا ہوا، وہ بھی ان سے تربیت پا کر باپ سے بھی بڑھ گیا۔

اخبار جنگ میں اقرأ کا آغاز:

مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے جنگ کا اسلامی صفحہ اقرأ جاری فرمایا تو ان کے اصرار پر مولانا مفتی ولی حسن اور مفتی احمد الرحمٰن صاحب کی تاکیدی فرمائش اور اصرار پر اس سے منسلک ہو گئے اور دیگر مضامین کے علاوہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" مستقل سلسلہ شروع کیا جس کے ذریعہ لاکھوں مسائل کا جواب دیا گیا اور یہ سلسلہ آخری وقت تک جاری رہا، اس سلسلہ کی خاص بات یہ ہے کہ عوام الناس نے اپنے عوامی طرز پر الٹے سیدھے سوالات کئے، حضرت نے ان کا نہایت تسلی و تشفی بخش جواب دیا۔ اس سلسلہ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے ہر سوال کا مختصر اور سادہ زبان میں محبت بھرا جواب دیا، اور بعض مرتبہ تو سائل کو مفید مشورہ بھی دیا، یہ طرز فتاویٰ نویسی سے ہٹ کر حضرت نے اختیار کیا، جس کی وجہ سے جوابات کا سلسلہ دراز ہو گیا اور اس کی اب تک نو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ حضرت کا یہ کارنامہ عوام کے لئے ایک تحفہ ہے اور ایک بڑا شاہکار بھی ہے جس سے عوام بھی مستفید ہوئے ہیں اور علما بھی اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

آپ کی ہر تصنیف میں اردو ادب کی نمایاں شان نظر آتی ہے، شگفتہ زبان، شائستہ قلم اور زبان کی شیرینی ہر تصنیف میں موجود ہو گی۔ نتیجۃً مطالعہ کرنے والا بور نہیں ہوتا بلکہ ذوق مطالعہ اور بڑھتا ہے۔ یہ بڑی نمایاں خصوصیت ہے۔

بینات میں عوام کا مرض اور اس کا علاج تحریر فرماتے، ہدایات بھی دیتے، رد باطل بھی کرتے، اسی طرح بعض جگہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں منکرین حدیث، پرویزی فتنہ اور اہل بدعت کے جوابات بھی نہایت مہذب طریقہ سے دیتے تھے۔

تصنیف و تالیف :

ماہنامہ بینات، ہفت روزہ ختم نبوت اور ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ (جواب بند ہو چکا ہے) کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل میں شائع شدہ سینکڑوں مضامین کے علاوہ چھوٹی بڑی سو سے زائد کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔

یوں تو حضرتؒ کی تمام تصنیفات و تالیفات منفرد طرز کی ہیں لیکن کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کا مزہ اور لطف ہی کچھ اور ہے، جن میں ایک کتاب ''عہد نبوت کے ماہ و سال'' بہت ہی عمدہ اور پر لطف ہے۔ یہ کتاب علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی کی لکھی ہوئی ''بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں حضرت مخدومؒ نے قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت ہر سال کے واقعات ماہ بماہ درج کئے ہیں، انہی مخدوم صاحب کی دوسری کتاب ''ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول'' جو اصل کتاب فارسی ہے اور ذخیرۂ احادیث درود شریف کو اس میں جمع کیا گیا ہے، حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور وظائف کے طریقہ پر اس کی سات منزلیں مقرر کردی ہیں۔ حضرتؒ نے اس کا ترجمہ کر کے حضور ﷺ کی ذات گرامی سے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت اور اپنی آخرت کیلئے ذخیرہ بنالیا ہے۔

تیسری کتاب ''اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ'' جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو قصائد پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک قصیدہ حضرت سواد بن قارب صحابی کے قصیدہ کے تتبع میں لکھا گیا ہے اور ایک قصیدہ شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کا عربی قصیدہ ہے ان سب کا ترجمہ حضرت لدھیانویؒ نے اردو میں کیا ہے۔ اصل قصیدہ تو دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جب انسان اس کو پڑھے گا تو حضرت شاہ ولی اللہ اور جناب نبی کریم ﷺ سے عقیدت و محبت اور عظمت کا اندازہ ہو گا، کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو خاتم الانبیا ﷺ سے عشق و محبت کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے قصیدہ میں اپنا قلب و جگر نکال کر کتاب میں رکھ دیا ہے۔

شعرا کی عادت ہے کہ وہ قصائد کے شروع میں محبوباؤں کے حسن و جمال، ناز و ادا، جور و جفا اور عاشق کی نامرادیوں کا تذکرہ کیا کرتے ہیں، اس کو تشبیب کہتے ہیں، اس کے بعد

اپنے ممدوح کی صفت وثنا کی طرف انتقال کرتے ہیں- مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے اس قصیدہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح عام شعراً تشبیب لکھتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے ان سے ہٹ کر ایک جدت اختیار کی ہے اور اپنی تکالیف و مصائب کیلئے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے مدد طلب کی ہے، محبوبوں کے حسن وجمال، نازوادا کا ذکر نہیں کیا-

میں نے ایک سفر میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے ذکر کیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی جدت واقعی عجیب ولذیذ ہے، لیکن صاحب قصیدہ "بردہ" نے جو تشبیب اختیار کی ہے اور جو سوزوگداز اس میں ہے کہ پڑھنے والا انسان اس میں پگھل جاتا ہے اس کا جواب نہیں، اس پر آپؒ نے فرمایا کہ واقعی اس کی لذت نرالی ہے-

حضرت شاہ صاحبؒ تو صاحب قصیدہ ہیں ان کی قابلیت اور قول کا حسن تو اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن ترجمہ نگار نے بھی اس میں اپنی رعنائیت کے چار چاند لگادئے ہیں، علم بلاغت اور علم بدیع کے جوہر بھی دکھائے ہیں-

حضرت شاہ صاحبؒ کا قصیدہ بائیہ ایک صحابی سواد بن قاربؓ کے تتبع میں لکھا گیا ہے اس لئے یہاں حضرت سواد بن قاربؓ کا تذکرہ بھی ایمان افروز ہوگا-

حضرت سواد بن قارب یمن کے رہنے والے تھے اور قبیلہ دوس سے تعلق تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی قبیلہ کے ہیں- سواد بن قارب کاہن تھے ان کے پاس جنات آیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان سے کہا کہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرو- انہوں نے اپنی داستان سنائی کہ میں سویا ہوا تھا میرے ایک جن دوست نے میرا پیر پکڑ کر ہلایا اور کہا اے سواد! اٹھ لوئ بن غالب میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے، اس کے پاس جاؤ، میں نے کچھ پرواہ نہ کی، دوسری رات پھر آیا اور یہی بات کہی، میں نے کہا چھوڑو مجھے سونے دو، تیسری رات پھر آیا، کہا اٹھو جلدی کرو ان کی خدمت میں جاؤ، اب مجھے بھی شوق ہوا اور اپنی ناقہ پر سوار ہو کر مسافت بعیدہ طے کر کے پہنچا، راستہ میں مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ حضور ﷺ اب مکہ سے مدینہ جاچکے ہیں، لہذا میں سیدھا مدینہ پہنچا اپنی ناقہ کو باندھ کر مسجد نبوی میں حاضر خدمت ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ

عنہ کے بار بار کہنے پر نزدیک ہوتا چلا گیا اور حضور ﷺ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا- حضور ﷺ نے نہایت شفقت سے فرمایا: ہاں بھائی وہ اپنے جن ساتھی کا قصہ بیان کرو، پھر میں نے اپنی ساری کارروائی نظم میں سنائی، چنانچہ آپؓ نے اپنا حضور ﷺ پر ایمان لانا اور خاتم الانبیا ﷺ کی تعریف سب نظم میں بیان کی- آخری شعر میں کہا اے رسول خدا ﷺ، اللہ نے آپ کو جو احکام دئے ہیں ان کا آپ ﷺ ہمیں حکم دیجئے، ان کی تعمیل میں اگر ہمارے بال بھی سفید ہو جائیں تو بھی ہم ان احکام کو پورا کریں گے، اور حضور ﷺ سے ایک درخواست ہے:

"وکن لی شفیعا یوم لا ذوشفاعة
سواك بمغن عن سواد بن قارب"

ترجمہ: درخواست ہے کہ آپؐ میرے لئے اس دن سفارشی بن جائیے
جس دن کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب
کے کام نہیں آئے گا-

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین میرے اسلام لانے پر بہت خوش ہوئے، یہاں تک کہ ان حضرات کے چہرے کھل گئے- حضرت سواد بن قاربؓ نے یہ واقعہ سنایا تو حضرت عمرؓ تیزی سے اٹھے اور ان سے لپٹ گئے اور فرمایا کہ یہ واقعہ خود تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا-

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے "قصیدہ بائیہ" کے لئے لکھتے ہیں کہ سید المرسلین ﷺ کی مدح کرنا آنحضرت ﷺ کے مناقب کا پھیلانا، اور آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل کا ذکر کرنا بلاشبہ برکات کا سبب اور درجات کا موجب ہے، اس فقیر کو توفیق دی گئی کہ مدح نبوی ﷺ میں قصیدہ بائیہ نظم کرے- جو کہ حضرت سواد بن قاربؓ کے تتبع میں لکھا گیا ہے، ان کا قصیدہ عرب اول کے طرز پر بہت بلیغ ہے، پھر وہ آنحضرت ﷺ کے سمع مبارک سے گزرا ہے اور خاطر مبارک کی پسندیدگی اور قبول کے ساتھ مشرف ہوا ہے- چونکہ یہ قصیدہ سواد بن قارب کے تتبع میں لکھا گیا ہے اور سواد بن قارب کی آخری درخواست والا شعر جو اوپر نقل کیا گیا ہے شاہ صاحبؒ نے بھی بعینہ وہی شعر اپنے قصیدہ میں لکھا ہے:

”انت شفیع یوم لا ذوشفاعة
بمغن کما اثنی سواد بن قارب“

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ میرے شفیع بن جائیں، جس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی، میں بھی یہی درخواست کرتا ہوں جو سواد بن قاربؓ نے کی تھی۔

فراغت کے بعد مرشد کے حکم سے روشن والا فیصل آباد پھر ماموں کانجن چار سال پڑھا، اس کے بعد جامعہ رشیدیہ میں بھی پڑھاتے رہے اور آخر میں تادم واپسیں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن میں رہے، ابوداؤد اور پھر طحاوی شریف پڑھاتے رہے، دفتر ختم نبوت، مسجد باب الرحمت پرانی نمائش میں تالیف وتصنیف کا کام بھی انجام دیتے تھے، دوپہر کا کھانا بھی دفتر ختم نبوت میں سب کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔شام کے وقت مسجد الفلاح نصیر آباد میں وعظ ونصیحت، خطابت اور رشد وہدایت کا کام انجام دیتے تھے۔

آپ بیک وقت بحیثیت مفسر، محدث، مولف، مصنف، مورخ، مرشد، متکلم، اور دانش ور کے سب کام انجام دیتے تھے، تقویٰ وطہارت بھی کامل درجہ کا تھا، خوش اخلاقی بھی آپ کا شیوہ تھا، ان کے علاوہ مدارس کے سرپرست بھی تھے، اقرأروضۃ الاطفال کی سرپرستی تو پہلے دن سے قبول کی تھی، تبلیغی جماعت سے بھی محبت تھی، سپاہ صحابہ، جہادی تنظیموں کی بھی سرپرستی فرماتے تھے، جمعیت علما اسلام سے بھی گہرا تعلق تھا، طالبان سے تو عشق تھا، اسی لئے شہادت سے چند روز قبل افغانستان کا دورہ کیا، چند رفقا بھی ساتھ تھے اس دورہ میں امیر المومنین ملا محمد عمر نے حضرت اور ان کے رفقا کا شاندار استقبال کیا۔کابل کی آمدورفت بذریعہ ہوائی جہاز، رہائش، طعام وقیام سب سرکاری خرچہ سے کیا، حضرت خط اول پر تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے چند فائر بھی گئے اور شہادت کی دعا بھی کی۔اس سفر میں حضرت بہت شاداں وفرحان تھے، آپ کی دعائے شہادت جلدی قبول ہوئی کہ وطن آکر تین دن کے بعد جام شہادت نوش فرمایا اور ”فزت برب الکعبہ“ کا نعرہ مستانہ لگایا۔

کچھ یادیں کچھ باتیں:

اس ناکارہ کو حضرت کی مجلسی صحبت بہت کم نصیب ہوئی، بس آئے حاضری دی،

کچھ وقفہ کے بعد رخصت ہوگئے-اس سال رمضان ۱۴۲۰ھ میں آپریشن کی وجہ سے سارا رمضان کراچی میں گزرا، غالباً ۲۴، ۲۵ رمضان المبارک کو مفتی خالد محمود صاحب کی معیت میں الفلاح مسجد حاضری ہوئی، نماز عصر پڑھی اور بعد نماز حضرتؒ کا بیان ہوا، بیان کے بعد سلام دعا ہوئی، حضرت چونکہ اعتکاف میں تھے، بندہ کو اپنے ساتھ محراب میں بٹھالیا، اور نہایت محبت سے افطاری میں شامل کیا، مولانا محمد طیب لدھیانوی ساتھ بیٹھے ہوئے اشیاء افطاری پیش کرتے رہے-اس واقعہ کی حسین یاد دل میں باقی رہ گئی، اب کبھی تاقیامت یہ واقعہ دہرایا نہ جاسکے گا-

اسی طرح سال ۱۴۲۰ھ میں حج کی رفاقت نصیب ہوگئی، مولانا مفتی جمیل خان صاحب کے قافلہ میں یہ عاجز بھی شامل تھا، منیٰ سے عرفات روانگی والی بس میں یہ عاجز بمعہ اہل وعیال وہمشیرہ، حافظ فیروزالدین صاحب زید مجدہ بمعہ اہل وعیال اور صاحبزادہ محمد سعید سلمہ بمعہ اہل وعیال سب ایک ہی بس میں تھے، حضرت لدھیانوی شہیدؒ بھی اسی بس میں سوار تھے رش میں بس پھنس کر رہ گئی اور میدان عرفات میں عصر کے وقت تقریباً پانچ چھ بجے کے درمیان پہنچنا نصیب ہوا- جلدی سے نماز عصر پڑھی، دعا کا وقت ہوگیا- مفتی محمد جمیل خان صاحب نے سب رفقا کو (جو کہ ۳۰۰ کے قریب تھے) جمع کیا- حضرتؒ، مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ اور اس ناکارہ کیلئے کرسی بچھائی گئی، باقی سب لوگ کھڑے تھے، اس منظر کے ساتھ دعا شروع ہوگئی، اور تقریباً پون گھنٹہ آہ وزاری کے ساتھ دعا ختم کی-

یہ منظر بھی اپنی نوعیت کا منفرد منظر تھا، یہ بھی اب کبھی نصیب نہ ہوگا اور اس کی بار بار یاد آتی رہے گی-بعد دعا حضرتؒ نے خواہش مند حضرات کو بیعت فرمایا، مزدلفہ کا مرحلہ بھی طے ہوگیا، حضرتؒ کے ساتھ باقاعدہ جماعت سے نماز فجر ادا کی-حج تو کئی دفعہ کیا، اپنے طور پر دعا وذکر اذکار سبھی کیا، مگر اپنے اکابرؒ کی معیت میں یہ پہلا واقعہ تھا اس کو سنہری موقع کہا جاسکتا ہے بزرگوں کی برکات بالکل الگ چیز ہے-

حج ختم ہوگیا، ایک دن جدہ سے قاری محمد رفیق صاحب (جو کہ قاری رحیم بخشؒ کے شاگرد تھے) نے اپنے صاحبزادہ کو مکہ بھیجا کہ جاؤ حضرت کو جدہ لے آؤ، مفتی جمیل صاحب نے اس عاجز کو بھی حضرت کے ساتھ بھیج دیا-

عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، قاری رفیق صاحب نے اپنے دوست احباب کو بلوایا ہوا تھا اور حضرت کے بیان کا انتظام گھر کے اوپر چھت پر کیا تھا، قاری رفیق صاحب نے اس عاجز کا بھی اعلان کر دیا کہ عبدالمجید بھی بیان کرے گا، بہر حال چند منٹ کچھ عرض کر دیا اس کے بعد حضرتؒ کا بیان ہوا- یہ مجلس بھی ایک یادگار مجلس تھی-

حج کے بعد حضرتؒ مختصر وقت کیلئے مدینہ منورہ تشریف لائے، واپس آنے کے بعد ایک روز میرے کمرہ میں عصر کی نماز پڑھی اور پھر لیٹ گئے، فرمایا کہ جعرانہ سے عمرہ کیا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے- پھر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شکایت کی ہے (شکایت خواب کے ذریعہ یا پھر حالت مکاشفہ میں تھی) کہ میری اولاد نے تو مجھے بالکل ہی بھلادیا ہے میرے لئے نہ کوئی ایصال ثواب کرتا ہے نہ کوئی عمرہ وغیرہ، اس لئے آج حضرت آدم علیہ السلام کیلئے عمرہ کیا ہے- پھر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آنے کے بعد سو سال تک روتے رہے جب توبہ قبول ہوگئی تو سو سال تک شرمندگی کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا- اس کے بعد شفاعت والی حدیث سنائی کہ تمام حضرات حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ اللہ رب العزت سے سفارش کریں!، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس قابل نہیں ہوں، شرمندہ ہوں اس طرح سب انبیاء علیہم السلام کے پاس لوگ جائیں گے اور سب یہی جواب دیں گے- حضور ﷺ کی خدمت میں بھی لوگ حاضر ہوں گے اور اپنی درخواست پیش کریں گے حضور ﷺ .... فرمائیں گے ''انا لھا انا لھا'' میں اس کے لئے حاضر ہوں، میں اس کے لئے حاضر ہوں، اور حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے، میں نے عرض کیا میں بالکل اسی مضمون کا خطبہ جمعہ میں پڑھا کرتا ہوں کبھی آپ کی مسجد میں حاضری ہوئی تو ان شاء اللہ جمعہ میں سناؤں گا، (فرمایا بہت اچھا- لیکن افسوس کہ یہ موقع آپ کی زندگی میں نہ آسکا)-

جب حضرتؒ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: مجھے اولاد نے بالکل بھلادیا، اس وقت میرے دل میں کھٹک ہوئی کہ واقعی میں نے کبھی ایصال ثواب نہیں کیا اور نہ ہی کبھی ان کے نام کا عمرہ کیا- حضور ﷺ کے لئے تو کئی دفعہ ایسا کیا ہے لیکن آدم علیہ السلام کے لئے کبھی ایسا نہیں ہوا- میں نے حضرت سے عرض کیا اب اگر اللہ نے موقع دیا تو

ضرور آدم علیہ السلام کے لئے عمرہ کروں گا۔

حضرتؒ سے میری بے تکلفی تھی، میں نے کہا حضرت! ایک بات میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں آپ حضور علیہ السلام کے عاشق صادق ہیں ختم نبوتؐ کے محافظ ہیں، ذات اقدس کی ہر طرح نگہبانی کرتے ہیں اور ساری عمر اسی میں گزاری ہے مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ مدینہ منورہ حاضری دیتے ہیں اور کہتے ہیں السلام علیکم دوسرے دن آپ کہتے ہیں حضور السلام علیکم میں جارہا ہوں، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ نہایت صفائی و خلوص سے فرمایا تم نے بالکل سچ کہا ہے آئندہ آیا تو مدینہ منورہ ایک ہفتہ قیام کروں گا (آئندہ تو اب آئندہ ہی ہے) بات ہی ختم ہوگئی۔

مدینہ سے واپسی پر حافظ عبدالقیوم سندھی (جو کہ یونیورسٹی ام القریٰ میں پروفیسر ہیں) گاڑی لے آئے، چھ سات آدمی بیٹھ کر چلے، چلتے چلتے عرفات پہنچ گئے۔ عرفات گھوم پھر کر مزدلفہ پہنچے، پھرتے پھرتے مشعر الحرام پہنچے، مسجد بند تھی، گاڑی سے اتر کر دروازے پر کھڑے ہوگئے، حضرتؒ نے فرمایا کبھی مشعر حرام آنا نہیں ہوا، آج مشعر حرام کی بھی حاضری ہوگئی، مزدلفہ سے منیٰ پہنچے، جمرات کو دیکھتے ہوئے آخری جمرہ سے دائیں طرف گاڑی کو موڑا، ایک چھوٹی سی مسجد کے پاس گاڑی کھڑی کردی۔ حافظ عبدالقیوم نے کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں مدینہ منورہ کے چھ حضرات نے پہلی مرتبہ بیعت فرمائی تھی۔ (بیعت عقبہ اولیٰ) الحمد للہ حضرتؒ کی برکت سے یہ بابرکات جگہیں نصیب ہوئیں۔

حج سے واپس ہوئے، پورا گروپ ایک ہی جہاز سے آیا، کراچی میں راقم کا کچھ سامان گم ہوگیا، سب حضرات فارغ ہو کر باہر چلے گئے، میں سامان کیلئے اکیلا ہی کسٹم میں کھڑا تھا، حضرت میرے قریب تشریف لائے، حال معلوم کیا، سب کچھ بتایا، حضرت نے بڑی تسلی دی، اور بہت محبت کا اظہار فرمایا پھر باہر جا کر میرے بیٹے مفتی خالد محمود کو۔ جو بڑی دیر سے انتظار میں پریشان تھے۔ حضرتؒ نے حالات بتادئے، ایسی شفقت و مہربانی کبھی بھلائی نہ جاسکے گی، حضرت کے ساتھ میری یہ آخری ملاقات تھی، کسے معلوم تھا کہ اب کبھی پھر آپؒ سے ملاقات نہ ہوسکے گی، کیونکہ صرف ڈیڑھ ماہ بعد حضرت کی شہادت ہوگئی اور پھر جنازہ پر آنا ہوا، زہے قسمت کہ جنازہ نصیب ہوگیا۔ حضرت کی بے پناہ محبت اور شفقت یاد

آتی ہے۔بس یوں کہنا چاہئے :ع بہت خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

ایک سفر میں دوران گفتگو فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ اگر میں مر جاؤں تو تم کو بہو بیٹیاں سنبھال لیں گی، اور اگر تم مر جاؤ تو مجھے کون سنبھالے گا؟ بہتر ہے کہ میں ہی پہلے مر جاؤں، قدرت نے اس بات میں ان کو سرخرو کردیا، اور اہلیہ سے پہلے ہی تشریف لے گئے، بات تو صرف گفتگو کی حد تک تھی، کسے معلوم تھا کہ یہ بات قبولیت کی حد پار کر چکی ہے۔"والله غالب علی امره ولکن اکثر الناس لایعلمون۔"

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ مجھے مجلسی صحبت بہت کم نصیب ہوئی، تھوڑا بہت زمانہ حج میں ساتھ رہا، اس مرتبہ خیال تھا کہ حضرتؒ کے ساتھ ہی لندن چلا جاؤں، پھر دوران سفر استفادہ کروں، (سفر میں بات پوچھنے کا موقع مل جاتا ہے اور بے تکلفی بھی ہوتی ہے) لیکن این خیال است و محال است و جنوں" قدرت کو یہ منظور نہ تھا "من درچہ خیال و فلک درچہ خیال" حسرت اور تمنا ہی رہ گئی :

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
ہنوز بوئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو عین اس وقت جب کہ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ دنیا کو منور کررہا تھا، علم و عمل، زہد و تقویٰ اور ایمان و یقین کا یہ آفتاب عالمتاب اپنی ضیاپاشیوں سے ایک جہاں کو منور کرتا ہوا وقت سے پہلے (غروب آفتاب سے پہلے ہی) غروب ہوگیا، یہ دو منٹ میں توقع کے خلاف کیسا انقلاب آگیا؟ یہ کیسا اندھیرا چھاگیا؟ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا، یہ کیا ہوگیا؟ کوئی یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا، پورا کراچی سوگوار ہوگیا جہاں خبر پہنچی بیرون کراچی بھی رنج و کرب میں مبتلا ہوگیا، پوری کراچی کی دکانیں بند ہوگئیں، کسی نے کسی کو کچھ نہ کہا، خود بخود کراچی ہڑتال کی صورت اختیار کرگیا۔

اس حادثہ جانکاہ میں کچھ حضرات صبر و سکون کی تصویر بنے ہوئے تھے، مگر بعض احباب ضبط نہ کرسکے، دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، آج حافظ محمد سعید، عتیق الرحمٰن، محمد طیب، اور محمد یحییٰ یتیم ہوگئے، یہی لوگ نہیں بلکہ ہم سب بلکہ پورا ملک یتیم ہوگیا اب کون

کس کی تعزیت کرے؟ کون کسی کو صبر کی تلقین کرے؟ سبھی مستحق تعزیت ہیں، آج تسلی دینے والا، آنسوؤں کو پونچھنے والا کوئی بھی نہیں رہا- کفار مکہ حضور علیہ ﷺ کو قتل کرتے ہوئے پختہ عزم کے ساتھ گھر سے نکلے تھے، جب چہرہ انور پر نظر پڑتی تھی، ہاتھ کانپ جاتے، دل لرز جاتے تھے، ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی تھی، پھر ایسا انقلاب آتا کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس جاتے، اے شقی القلب ظالم قاتل! حضرت کا روشن چہرہ دیکھ کر تیرا دل کیوں نہ لرز اٹھا؟ تیرے ہاتھ کیوں نہ کانپے؟ تو کفار مکہ سے بھی سخت دل نکلا؟ قابیل نے جب اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنا چاہا، ہابیل نے کہا میں تجھے قتل نہیں کروں گا "انی اخاف الله رب العالمین"- میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، اس کے باوجود قابیل کو اس کے نفس نے مجبور کر دیا، "فطوعت له نفسه" اور بھائی کو قتل کر دیا- او ظالم! تو نے قابیل سے بھی زیادہ سخت دل نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے باپ کو قتل کر دیا- بلکہ پوری ملت کے باپ کو قتل کر دیا، تجھ کو خوف خدا کا احساس نہ ہوا؟

اے ظالم! تو نے ایک گھر کا سکون برباد کر دیا ہے، نہیں! نہیں! پورے ملک و ملت کا صبر و سکون چھین لیا ہے، یاد رکھ! تجھے بھی زندگی میں کبھی سکون نصیب نہ ہوگا، تیرا نفس تجھ کو ملامت کرے گا، تیرا ضمیر تجھ کو جھنجوڑتا رہے گا، اہل دنیا تجھ پر لعنت کریں گے، فرشتے تجھ پر لعنت کریں گے، رب قدیر تجھ پر لعنت کریں گے، ہو سکتا ہے کہ اہل دنیا تجھ کو سزا نہ دے سکیں، لیکن قادر مطلق سے بچ کر کہیں نہ جا سکو گے، تم اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہو، ظالم تو نے اپنے دونوں جہاں برباد کر دئے، اور حضرت شہیدؒ نے دونوں جہان خرید لئے-

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک طویل زمانہ رنج میں گزار دیا، آنکھیں ختم ہو گئیں "وابیضت عیناه" بیٹے بھی طعنہ دینے لگے "ابا جان! آپ تو ہر وقت یوسفؑ یوسفؑ پکارتے ہیں، اس طرح تو آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے"- اس غم کے منظر کو دیکھیں اور صابر باپ کا جواب ملاحظہ فرمائیں! حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا: "بچو! اپنے غم کی کہانی اپنے رب کو سناتا ہوں، تم کو تو کچھ نہیں کہا، جاؤ یوسف کو تلاش کرو، اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو"-

خدا کی قدرت! حضرت یعقوب علیہ السلام کو گم شدہ یوسفؑ مل گیا، آنکھیں درست ہو گئیں، سب رنج دور ہو گئے، خوشیاں ہی خوشیاں مل گئیں، یوسف علیہ السلام نے شہر سے باہر جا کر والدین وبرادران کا استقبال کیا، جلوس کی شکل میں تزک واحتشام سے مصر لاکر تخت پر بٹھادیا، اور یہ تمام حضرات سجدہ میں گر گئے، یوسف علیہ السلام نے فرمایا "ابا جان! میرے خواب کی تعبیر دیکھ لیجئے،" ہر طرف خوشی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید کبھی رنج وغم دیکھا ہی نہیں تھا، یعقوب علیہ السلام کو اپنا لخت جگر مل گیا، مگر اہالیان پاکستان کو یوسف کیسے ملے گا؟ جتنا بھی روئیں، غم کریں، آہ وزاری کریں، جلسے کریں، بس اتنا ہی ہو گا کہ:

نام مشق لیلی می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

دل کی تسلی کے سوا کچھ بھی نہیں ورنہ بقول عرفی:

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

عرفی تو سو سال کی بات کرتے ہیں اگر رونے سے یوسف مل سکتا ہو تو ہم ہزار سال رونے کے لئے تیار ہیں مگر "ایں خیال است ومحال است وجنوں"۔

یوسف اب نہیں ملے گا: ڈھونڈھ اسے چراغ رخ زیبا لے کر

کتنا بھی سر پٹخو! اب یوسف کہاں؟ یوسف تو وہاں چلا گیا ہے جہاں سے آج تک کوئی بھی واپس نہیں آیا، وہ تو دنیا اور اہل دنیا سے ناراض ہو کر منہ موڑ گیا، اللہ کرے جنت میں ملاقات ہو جائے۔

مولانا لدھیانوی صاحبؒ تو آزادانہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، ان کو اس دنیائے دنی کی کیا ضرورت ہے وہ اس کمینی دنیا میں کیوں آئیں گے؟ عیش وآرام کی زندگی چھوڑ کر گندی جگہ جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا، بس اب تو تعزیتی جلسے ہوں گے، تعزیتی مضامین لکھے جائیں گے، فضائل ومناقب بیان کئے جائیں گے کیونکہ اب تو دل کے پھپھولے پھوڑنے کا بس یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا ہے، اور اہل دنیا کا حق بھی ہے کہ اس

طرح اپنے ممدوح کو خراج عقیدت پیش کریں۔

جنازہ اور تدفین :

اعلان ہو گیا تھا کہ نماز جنازہ بعد نماز عشأ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ہو گی، دن بھر لوگ مسجد الفلاح میں جمع ہوتے رہے، دن بھر تمام حضرات نے حضرتؒ کا چہرہ انور دیکھا، ہشاش بشاش، چہرہ پر مسکراہٹ طاری تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اٹھ کر کچھ بیان فرمائیں گے۔

ہجوم عاشقان سے دیدار عام ہو گا، مسجد الفلاح باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگی۔

جب جنازہ اٹھایا گیا ایک شور اٹھا: ''عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے'' اور پھر واقعی جنازہ اس دھوم سے اٹھا کہ جشن کا سماں ہو گیا، مسجد الفلاح سے بنوری ٹاؤن تک کا مختصر سا فاصلہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا، بعد نماز عشا جنازہ بنوری ٹاؤن مسجد میں پہنچا، صفیں درست کی گئیں، مسجد بنوری ٹاؤن کے اندر باہر صحن اور دائیں بائیں سب جگہ پر ہو گئی، اور باہر سڑکوں پر جیل روڈ تک لوگوں کا ہجوم تھا، مخدوم الملت امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی، اب جنازہ کو آخری منزل مسجد خاتم النبیین ﷺ جس کو حضرت شہیدؒ خود تعمیر کرا رہے تھے، لے جایا گیا، رات کے تین بج چکے تھے جو تہجد کا وقت ہوتا ہے، (اور رحمت خداوندی کا خاص وقت ہوتا ہے) حضرتؒ کو لحد میں اتارا گیا، اپنی عمر عزیز کی ستر منزلیں طے کرتا ہوا یہ تھکا ہارا مسافر اپنی تھکاوٹ اتارنے کے لئے ابدی نیند سو گیا، حدیث کے مطابق: ''نم کنومة العروس''۔ (دلہن کی نیند سو جا)۔اب اس کو کوئی نہیں جگائے گا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب دفنایا جا رہا تھا، ان کے چہیتے شاگرد محمود حسن (شیخ الہندؒ) روتے جاتے تھے اور کہتے تھے :

''مٹی میں کیا سمجھ کے دفن کرتے ہو دوستو! یہ خزینہ علم ہے خزینہ زر نہیں۔''

حضرت شہیدؒ کے دفن کرتے وقت بھی یہی بات مناسب حال تھی اور کہنا پڑتا ہے کہ ”مٹی میں کیا سمجھ کے دفن کرتے ہو دوستو! یہ خزینہ علم ہے خزینہ زر نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صحابہؓ سے پوچھا: تم نے اپنے پیغمبر کو خاک میں دفنانا کیسے گوارہ کرلیا؟ چاروناچار معتقدین اور متوسلین نے حضرت یوسفؒ کو بھی بادل نخواستہ خاک میں دفنانا گوارہ کرلیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

زخم خوردہ دل اور پرنم آنکھوں سے کہنا پڑا: اے شہید ختم نبوت! اب آپ خدا کے حوالے:

ع: آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

اللهم اغفرله وارحمه رحمةً واسعةً، اللهم اجعل قبره روضة من رياض الجنة۔

اے اللہ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما۔

وصلى الله تعالىٰ على خيرِ خلقه محمد
وآله واصحابه اجمعين

............☆............

......تو قرآن کریم کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اور میں سو بار قسم کھاکر کے بات کہوں تو ان شاء اللہ میں کہوں گا کہ قرآن کریم سے بڑھ کر کے کوئی نعمت نہیں ہے ہمارے پاس۔ اللہ کا شکر ہے، اگر ہمارے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں تو ہمارا گزارہ ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گزارہ ہوا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک کمبل لپیٹا ہوا ہے، اور اس پر ببول لگے ہوئے ہیں۔ اسی حالت میں مگن ہیں، ان کو کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ نہ اللہ سے شکایت ہوئی، نہ رسول سے شکایت ہوئی۔ نہ اپنے بھائی بندوں سے شکایت ہوئی، نہ بڑوں سے شکایت ہوئی۔ شکایت ہوتی تو کس بات پر ہوتی؟......

یوسفِ ثانی

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نرخ بالا کن کہ ارزانی ھنوز

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ماہنامہ "بینات" کراچی کے مدیر محترم اور نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں پوری زندگی کی بے لوث محنتوں کا جو شایان شان صلہ رب کریم نے ان کو عطا فرمایا، وہ ہے آپ کو شہادت سے نوازنا- واقعہ یہ ہے کہ ان کی اور انکے وفادار خادم اور ڈرائیور کی اس عجیب وغریب شہادت پر بیساختہ ان کی پاک روح کو ان الفاظ سے مبارک باد دینے کو دل چاہتا ہے کہ :

اے خوش آں عاشق سرمست کہ درپائے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)

جان ولولاد نداند کہ کدام . اندازد

جاذبۂ عشق محمدی سے سرشار اس عاشق سرمست نے تاج وتخت ختم نبوت پر قربان ہوتے ہوئے کچھ ایسا عجیب وغریب ایمان افروز منظر پیش کیا کہ خاتم الانبیاً والمرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ من الصلوات اکملھا ومن التسلیمات افضلھا کی شان محبوبیت کی جھلک دیکھتے ہوئے یہ نہ سمجھ سکے کہ اپنا سر پہلے پیش کریں یا اپنے وفادار خادم ڈرائیور کا-

کیا ان کی زبان حق ترجمان سے اس وقت بے اختیار یہ نہیں نکلا ہوگا کہ :ان ابی ووالدتی وعرضی..... بعرض محمد منکم وقاء۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج کے زمین و آسمان نے بھی چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود فدائیت رسول ﷺ کا یہ منظر دیکھ کر یہ کہہ دیا ہوگا کہ :''ما اشبه اليوم بالبارحة'' اور :

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خم و خم خانہ بامہر ونشان است

میرے یقین میں تو یوسف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے بڑی خوشی اور سب سے بڑا ناز اس پر ہوگا کہ وہ، اس کی جماعت، اس کا ماہنامہ اور اس کا جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، عامۃ المسلمین کی حمایت سے آج کے مایوس کن حالات میں بھی توہین رسالت کے قانون میں ترمیم اور اس سے بھی زیادہ خطرناک طریق کار میں تبدیلی کا کٹھن ترین مورچہ مکمل اور واضح طور پر سر کرتے ہوئے بارگاہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین میں پیش ہو کر بصد عز و ناز اور بہ ہزار مسرت و مباہات یہ عرض کیا ہوگا کہ :

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ھنوز

تاریخ کی دہرائی :

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے سب کو یاد ہوگا کہ یوسف العصر شیخ بنوری قدس سرہ بانی جامعہ ھذا نے بھی اس وقت ہسپتال میں جامِ شہادت نوش فرمایا جب کہ امت مسلمہ کی صد سالہ قربانیوں کا میٹھا پھل اور شراب طہور کا بھرا پیالہ انہوں نے اس صورت میں عامۃ المسلمین کو پلایا تھا کہ پاکستان کی بھری اسمبلی میں کذاب دجال اور مرتد مرزائے قادیانی کی امت مرتدہ کو واضح اور صاف الفاظ میں کافر تسلیم کرا دینے کا ڈھنڈورا چار دانگ عالم میں پٹوا دیا تھا، والحمد للہ علی ذالک حمدا کثیرا کثیرا۔ اور یہی سنت اللہ ہے جس کی طرف ''اذا جاء نصر الله والفتح.....فسبح بحمد ربک'' میں اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

حضرت بنوریؒ کے شیخ معظم شیخ العالم حضرت علامہ محمد انورشاہ کشمیری قدس سرہ

کو سار قان ختم نبوت کے تعاقب میں جو ایمانی جذبہ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا فرمایا گیا تھا، مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے انکو ہی وصیت فرمائی تھی کہ قادیانیوں کے خلاف اس وقت جو مقدمہ بہاولپور میں چل رہا ہے (اور اسلام کی وکالت رب رحیم وکریم کے فضل وکرم سے دارالعلوم دیوبند کے اسی لائق فرزند کے حصہ میں آئی تھی) اگر اس کا مسلمانوں کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو دیوبند آکر میری قبر پر بہ آواز بلند مجھے مبارک باد پہنچادیں :

صنما چوں من بمیرم وگزر کنی بخاکم
زلحد فغاں بر آید کہ خوش آمدیدی نگار

یہ ہے دیوبندیت کی اصلی تصویر جسے دور حاضر کے عقل پرست معتزلہ اور حیات انبیأ کرام علیہم وعلی آلہم واصحابہم الصلوات والسلام کے منکرین. دیوبندیت کی آڑ میں مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لا فازھم اللہ تعالی۔

تاجِ ختمِ نبوت کا سنگین مورچہ :

اسلامی تاریخ سے واقف طالب علم جانتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں اسلام کے تمام غزوات وسرایا میں شہدأ اسلام کی کل تعداد کم وبیش ۲۵۹ (دوسوانسٹھ) سے زیادہ نہیں، لیکن ختم نبوت کے تحفظ کیلئے مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تقریباً بارہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان جام شہادت نوش فرما کر کامیاب ہوئے۔

بہر حال اس مورچہ کی سنگینی جتنی زیادہ ہے، دفاع کے لحاظ سے مسلمانوں کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہے، خوش نصیب ہے ہر وہ مجاہد جو جس محاذ پر بھی اسلام کے دفاع میں جان ومال، آل واولاد اور عزت وآبرو کی قربانی دے رہا ہے۔ مگر ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنا اس لئے بھی مشکل ترین ہو رہا ہے کہ غلبہ اسلام کے بعد جو عالم اسباب میں خلفأ راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں ظاہر ہوا، دشمن نے پینترا بدلا اور منافقین کی ڈالی ہوئی بنیاد، مسجد ضرار کی صورت پر مخالفت کا طریقہ اپنانا شروع کر دیا، کھلے مقابلہ سے عاجز آگئے،

اور "من وراء جدار" لڑنے لگے، اس دام ہمرنگ سے بچ کر نکلنا آسان نہیں تھا، دوست دشمن کا امتیاز مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔

اس ناکارہ سے اس عظیم شہیدؒ نے اس وقت سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا جب کہ آپ کا مستقل قیام ماموں کانجن فیصل آباد میں تھا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن علیہ ما علیہ کا خوب خوب تعاقب فرمارہے تھے، شیخ بنوری قدس سرہ کی عقابی نظر آپ پر پڑی تو اپنے پاس ہی بلالیا "بینات" کی ذمہ داری جیسا کہ اس عظیم شہید نے خود بینات میں لکھا ہے، شیخ نے اپنی زندگی میں ہی آپ کے سپرد کردی تھی اور بینات شاہد عدل ہے کہ آپ نے بفضل اللہ وکرمہ اپنے شیخؒ کے حسن ظن کو پوری طرح سچا کر دکھایا: فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

یاد پڑتا ہے کہ بینات ہی کے ایک مضمون کی ابتدا جو متعدد فتنوں کی یلغار کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا، آپ نے اس درد انگیز انقلابی شعر سے فرمائی تھی:

صرف نغمہ ہی نہیں لے بھی بدلنی ہوگی
باغبانوں نے "سنا ہے" کہ چمن بیچ دیا

گلستان پاکستان کے باغبانوں نے چمن بیچ دینے کا دھندہ تو علی فرق المراتب باقی ہی رہنے دیا ہے۔ اسلئے کہ بعض اخباری بیانات کے مطابق یہ قرضے اب کھربوں تک پہنچ گئے ہیں، خدا دشمن کو توفیق نہ دے، ورنہ اسے جب بھی موقع ملا، ملک کے ایک ایک فرد کو جہاں جہاں چاہے گا بیچ دے گا، اور اسی لئے وہ اب بھی جدھر چاہتا ہے ملک کا رخ ادھر پھیر دیتا ہے۔

سوچنا یہ ہے کہ اس عظیم الشان دوہری شہادت پانے والے سعید الملک کے ساتھیوں، بزرگوں اور شریک کار دوستوں نے آپ کا یہ اہم ترین مشورہ کہاں تک قبول کیا؟ کیا انہوں نے نغمہ اور لے دونوں کو بدلنے پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے؟ نتائج کی زبان تو اس کے جواب میں خاموش ہی معلوم ہوتی ہے، کیا خدا نا کردہ حضرت شہیدؒ یہ حسرت قبر تک تو ساتھ نہیں لے گئے؟

خدا کرے کہ امت مسلمہ کے حکمران، رعایا کے بر آوردہ، اور قائدین اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، مار آستین قسم کے دشمنوں کو اپنے پہلو میں جگہ نہ دیں، خدائے قہار وجبار کے واضح اعلان ”لاتتخذوا بطانة من دونكم“ کے مطابق کسی غیر مسلم کو کسی جگہ بھی اپنا بھیدی بنانے کے جرم عظیم سے توبۂ نصوح فرمالیں، تو امت کو ہر ششماہی پر موجودہ نادیدنی نہ دیکھنی پڑے- اگر راعی اور رعیت احکام خداوندی سے کھلی بغاوت کے باوجود بھی نصرت الٰہیہ کی امید رکھیں!! تو یہ ایک معمہ ہے جو نہ سمجھنے کا ہے اور نہ سمجھانے کا- اس عظیم پریشانی میں ان اشارات سے زیادہ کہنا بہت مشکل ہے- درحقیقت علمأ لدھیانہ نے جس دشمن اسلام پر پہلا تیر پھینکا تھا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس پر بھرپور وار کر کے اسے چاروں شانے چت کردیا- نعم السلف ونعم الخلف فجزاهم الله احسن الجزاء-

............☆............

...... شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک مانگنے والا تھا، گھر گھر صدائیں لگا رہا تھا، دروازے کھٹکھٹا رہا تھا کہ ”کوئی پیسہ دے اللہ کے نام پر“ مانگتے مانگتے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا، اس نے مسجد کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اور کہا کہ کچھ اللہ کے نام پر۔ کسی نے کہا میاں! یہ گھر نہیں ہے، یہ مسجد ہے، کسی گھر پر جا کر مانگو، فقیر کہنے لگا کہ یہ کس بخیل کا گھر ہے جو کسی فقیر کو خیرات نہیں دیتا؟ کہا بھائی ایسا نہ کہو! یہ تو احکم الحاکمین کا، سخیوں کے سخی کا، اور غنیوں کے غنی کا گھر ہے، رب العالمین کا گھر ہے، اللہ کا گھر ہے، کہا اللہ کا گھر ہے؟ کہا ہاں! کہا اچھا، میں اللہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں؟ کہا ہاں! اس نے اپنا کشکول، جو اس کے پاس تھا، اس کو پھینک دیا، کہنے لگا، جب اللہ کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں تو پھر کسی اور سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر اور سے مانگنے کی کیا حاجت ہے۔ ہم لوگ اللہ کے گھر پر حاضری دیتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے وہاں ہر ایک کو اللہ سے مانگتا ہوا دیکھتے ہیں، جس سے مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ سب فقیر ہیں، مانگنے والے ہیں، دینے والا صرف ایک ہے۔ تو کیوں نہ اسی سے مانگنا شروع کردیں۔......

فتنوں کا تعاقب

مولانا زاہد الراشدی۔ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مختلف حضرات کو اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ایسے ایسے خصوصی ذوق عطا فرمائے تھے اور انفرادی خصوصیات سے نوازا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کا ذوق اور خصوصیت آگے چل کر امت میں دینی محنت کے مستقل شعبہ کی حیثیت اختیار کر گئی، اور اللہ تعالیٰ نے انہی اذواق مبارکہ وطیبہ پر امت کے اجتماعی نظام کی بنیاد رکھ کر عظیم الشان طبقات کی عمارت کھڑی کر دی، بے لچک اور غیر متزلزل ایمان، یقین اور دینی غیرت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، ملی حمیت اور اجتماعی سیاست وتدبر میں حضرت عمر فاروقؓ، حیا وایثار میں حضرت عثمان غنیؓ، شجاعت وقضاء میں حضرت علی المرتضیٰؓ، تفقہ فی الدین میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، قرآن کریم کی تفسیر وتاویل میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، روایت حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ، فرائض ومیراث اور کتابت میں حضرت زید بن ثابتؓ، سنت نبوی ﷺ کی تفصیلات وجزئیات کی حفاظت واتباع میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، دینی احکام کے اسرار اور حکمتوں کی وضاحت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ، قرآن کریم کے حفظ وقرآت میں حضرت ابی بن کعبؓ، عسکری مہارت میں حضرت خالد بن ولیدؓ، سفارت کاری اور سیاست میں حضرت عمرو بن العاصؓ، تجارت میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، امانت میں

حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ، زہد و استغنا میں حضرت ابو ذر غفاریؓ، خطابت میں حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ اور شعر و شاعری میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے امتیازات و تخصصات پر ایک نظر ڈالیے اور پھر دیکھئے کہ امت مسلمہ کا کون سا شعبہ و طبقہ ہے جسے اپنے معاملات میں راہ نمائی اور پیروی کے لیے جناب نبی اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات میں سے کسی نہ کسی صاحب ذوق۔ اور ماہر فن شخصیت کی قیادت میسر نہیں ہے، مگر ان سب بزرگوں اور صحابہ کرامؓ کے اس عظیم قافلہ میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کا ذوق سب سے مختلف اور منفرد تھا جس کا اظہار وہ خود ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں کہ:

"کانوا یسئلونه عن الخیر وکنت اسأله عن الشر" —

یعنی دوسرے صحابہ کرامؓ جناب نبی اکرم ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تر سوالات امت میں پیدا ہونے والی ان خرابیوں اور فتنوں کے بارے میں کیا کرتے تھے اسی وجہ سے فتنوں کے بارے میں زیادہ روایات ان سے مروی ہیں، اور بعض روایات کے مطابق حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ جب کسی بزرگ سے کسی فتنے کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ جواب میں کہتے کہ: "حذیفہ سے پوچھو! وہ اسکے بارے میں زیادہ جانتے ہیں"۔ فتنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ان سے دوسرے مسلمانوں کو خبردار کرنا، معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر نظر رکھنا اور ان کی نشاندہی کر کے ان کے سدباب کے لئے کوشش کرنا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کا خصوصی ذوق بن گیا تھا۔ اس ذوق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے صرف ایک واقعہ پر نظر ڈال لیجئے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قرآن کریم کی ترتیب و تدوین، اس کے سرکاری نسخوں کی کتابت و تقسیم اور قریش کی لغت و قرأت کے علاوہ باقی لغات میں قرآن کی تلاوت و قرأت کی ممانعت کا جو عظیم الشان کام ہوا اور جس کی وجہ سے امت مسلمہ قرآن کریم کی تلاوت و قرأت کے حوالہ سے ایک بہت بڑے فتنے اور خلفشار سے محفوظ ہو گئی اسکے محرک یہی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ تھے، وہ ایک سفر میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، ان کے ساتھ والے خیمے میں دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز آئی، شور زیادہ بڑھا تو وہ خود وہاں گئے

دیکھا کہ دو افراد میں، جو عجمی تھے قرآن کریم کی قرأت پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت تلواریں نکلنے تک جا پہنچی، ان میں سے ایک صاحب تلاوت کر رہے تھے کہ دوسرے صاحب نے کسی لفظ پر ٹوک دیا اور کہا کہ تم یہ لفظ غلط پڑھ رہے ہو، میں نے فلاں صحابیؓ سے یہ آیت سیکھی ہے اور انہوں نے یہ لفظ دوسری طرح پڑھایا ہے، تلاوت کرنے والے صاحب نے کہا کہ نہیں تم غلط کہہ رہے ہو میں نے یہ آیت فلاں صحابیؓ سے پڑھی ہے اور انہوں نے یہ لفظ اسی طرح پڑھایا ہے جس طرح میں پڑھ رہا ہوں، چونکہ دونوں کے پاس دلیل مضبوط تھی اس لیے کوئی بھی اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹا اور جھگڑا بڑھ گیا، بات کچھ بھی نہیں تھی لفظ ایک ہی تھا، صرف قرأت اور لغت کا فرق تھا ایک صحابیؓ نے اسے ایک قرأت کے مطابق ادا کیا تھا اور دوسرے صحابیؓ نے دوسری لغت اور لہجے میں پڑھ دیا تھا جس سے لفظ کی ماہیت اور معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لیکن جھگڑنے والے دونوں اہل زبان نہیں تھے عجمی تھے اس لیے ان کے نزدیک یہ فرق بہت بڑا فرق بن گیا تھا، اور تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے انہیں تو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا مگر خطرہ کی بو سونگھ لی اور مدینہ منورہ حاضر ہونے پر امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کو اس صورت حال کی رپورٹ دے کرامت کو اس خطرے سے محفوظ کرنے کے لیے تدابیر اختیار کرنے کی رائے دی، جس پر حضرت عثمان بن عفانؓ نے حفاظت قرآن کریم کا یہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے اس ذوق پر امت میں ایسے علما کرام اور مجاہدین کے ایک مستقل طبقہ کی بنیاد رکھی گئی، جس نے فتنوں کی کرید، خرابیوں کی نشاندہی، خطرات سے خبرداری اور امت کے ایمان واعمال کی حفاظت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا اور کسی لالچ، خوف اور ملامت کی پرواہ کیے بغیر امت کے کسی بھی طبقہ میں پیدا ہونے والی خرابی اور فتنے کی نشاندہی بلکہ تعاقب کر کے حضرت حذیفہؓ کی جدوجہد کے تسلسل کو قائم رکھا، ان علمأ کی جدوجہد کی ایک جھلک مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" میں دیکھی جاسکتی ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں ہے اور اس میں ان مجاہد علما کی جدوجہد، کارناموں اور قربانیوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ موجود ہے، مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس اللہ سرہ العزیز کے تذکرہ سے قبل فتنوں کا تعاقب کرنے والے علما کرام کے تاریخی تسلسل اور پس منظر کا قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کرنے کی ضرورت اس لیے

پیش آئی ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت مولانا لدھیانویؒ کا تعلق بھی علما کرام کے اسی گروہ سے تھا بلکہ اس دور میں وہ اس طبقہ کے امام اور سر خیل تھے جنہوں نے نہ صرف خود فتنوں کے تعاقب اور نشاندہی کا مہتم بالشان کام زندگی کے آخری لمحے تک جاری رکھا بلکہ ہزاروں علماؑ اور کارکنوں کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ اور لاکھوں مسلمانوں کو مسلسل تحریروں کے ذریعے اس ذوق اور خدمت کے لیے تیار کرتے رہے۔

مجھے یاد نہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا نام میں نے پہلی بار ماہنامہ "بینات" میں پڑھا، یا "ترجمان اسلام" میں مگر یہ ضرور یاد ہے کہ ان کا پہلا مضمون جو پڑھا تھا وہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے کسی مضمون کے جواب میں تھا جس میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں میں چھپے ہوئے الحاد و زندقہ کی نشاندہی کرتے ہوئے علماؑ کرام کو اس سلسلہ میں خبردار کیا گیا تھا، ڈاکٹر فضل الرحمان ہمارے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا شہاب الدین مرحوم کے فرزند تھے جو فاضل دیوبند تھے اور چوبرجی لاہور میں قیام پذیر تھے، نیک دل عالم دین اور صالح بزرگ تھے مگر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کو گمراہی سے نہ بچا سکے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کی مگر توازن قائم نہ رہا اور شکاگو یونیورسٹی میں قیام کے دوران مستشرقین کے ہتھے چڑھ کر گمراہی کی اس انتہا تک جا پہنچے کہ پھر وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ انہیں نہ ملا، یہودی اور عیسائی مستشرقین کا تو مشن ہی یہ تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان جہاں اقتدار اور سلطنت سے محروم ہو کر سیاست معیشت، معاشرت، عسکریت، سائنس، ٹیکنالوجی، اور نظم و نسق میں مغربی اقوام کے دست نگر ہو گئے ہیں وہاں وہ عقیدہ و ایمان اور علوم و روایات کے شعبوں میں بھی اپنے ورثہ اور ماضی سے دست بردار ہو کر مغرب کی بالادستی کو قبول کر لیں، مگر قرآن و سنت کا قطعی طور پر محفوظ شدہ ذخیرہ اور ان کی تعبیر و تشریح میں فقہ و کلام اور سیرت و تاریخ پر ائمہ عظامؒ، مجتہدینؒ و محدثینؒ کا عظیم الشان لٹریچر اس راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا، اس لئے مسلمانوں کا اس ذخیرۂ علم و عمل سے رشتہ کاٹنا ضروری تھا اور اسی غرض سے فقہا کی تقلید کی حجیت و اہمیت سے انکار حتی کہ نئی نبوت تک کا کھڑاک رچانے کے لئے جتن کیے گئے، مگر "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" کے ناقابل شکست قلعے کی بلند و بالا دیواروں کے ساتھ ٹکرا کر سر پھوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور جب یہ دیکھا کہ فقہ

و تفسیر اور حدیث و تاریخ کے عظیم الشان ذخیرہ سے الگ کر کے صرف "قرآن کریم" ہی پر قناعت کے لیے (بالفرض اور خدانخواستہ) مسلمانون کو تیار کر لیا جائے تب بھی وہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے جو مسلمانوں کے عقیدہ وایمان اور اعمال صالحہ کے مضبوط حصار سے باہر نکالنے کے لیے مغرب نے طے کر رکھے ہیں، تو قرآن کریم کی "الہامی حیثیت" کو چیلنج کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا اور یہ کہا جانے لگا کہ قرآن کریم باہر سے "ڈکٹیٹ" ہونے والی وحی نہیں ہے بلکہ غور وفکر کی ایک خاص کیفیت میں خود جناب نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والا کلام ہے، جیسا کہ اس گروہ کے اصل سرخیل سر سید احمد خان نے صراحت کی ہے یا اگر قرآن کریم کی کوئی الہامی حیثیت ہے بھی تو اسکے احکام و قوانین صرف اس دور کے لئے خاص تھے، جب وہ نازل ہو رہا تھا، اس کے بعد کے ادوار کے لیے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے لکھا ہے کہ :

> "خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے لیکن خود قرآن مجید کا قانونی یا قانون نما حصہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ اس کا تعلق خاص حالات و کوائف سے ہے"۔
> (ماہنامہ "فکر و نظر" جلد ا شمارہ ۵ ص ۱۶)

مستشرقین کے اس فکری پروگرام کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے سر سید احمد خان سے ڈاکٹر فضل الرحمان تک بیسیوں دانش ور میدان میں آئے ہیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی اور چودھری غلام احمد پرویز بطور خاص قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہر ایک کا اسلوب جدا اور طریقہ واردات مختلف تھا مگر بنیادی مقصد سب کا ایک ہی رہا ہے کہ مسلمان معاشرہ کو اس کے علمی ماضی اور اجماعی تعامل کے تسلسل سے کسی نہ کسی طرح کاٹ دیا جائے تاکہ مغربی فلسفہ و تہذیب کے ساتھ اس کا رشتہ جوڑا جا سکے، مگر وہ اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے کہ قرآن و سنت اور ان کی اجماعی تعبیر و تشریح کے تحفظ و بقا اور مسلم معاشرہ میں ان کے عملی تسلسل کا انحصار صرف ظاہری اسباب پر نہیں ہے بلکہ ان ظاہری اسباب کے پیچھے "وانا له لحافظون" کا ایک "ریموٹ کنٹرول سسٹم" بھی موجود ہے جس کو عبور کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں سرکاری طور پر "ادارہ تحقیقات اسلامی" قائم

ہوا تو اس کی سربراہی کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا انتخاب کیا گیا جو مستشرقین کے ساتھ ساتھ ان مسلمان حکومتوں کے مقاصد واہداف سے بھی ہم آہنگ تھے جو موجودہ عالمی نظام میں مغرب کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کی سرپرستی میں آگے بڑھنا چاہتی ہیں، لیکن سیاست ومعاشرت اور معیشت وعدالت سمیت تمام شعبوں میں مروجہ عالمی نظام کے ""ایڈجسٹ" ہونے کے لیے قرآن وسنت کے صریح احکام اور امت کے چودہ سوسالہ اجماعی تعامل سے دست برداری ضروری ہے، جب کہ دوسری طرف دنیا کے ہر مسلمان ملک میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ عام مسلمانوں کی اکثریت اپنے علمی اور عملی ماضی کے ساتھ اعتقادی بلکہ جذباتی وابستگی رکھتی ہے اسلیے ان کے سامنے قرآن وسنت کے صریح احکام سے انکار ممکن نہیں ہے، اور اس طرح ان حکومتوں کی بھی یہ مجبوری بن چکی ہے کہ وہ مستشرقین اور ان کے پیروکار نام نہاد مسلمان دانشوروں کے دامن میں پناہ لیں تاکہ قرآن وسنت کا ٹائیٹل بھی قائم رہے اور دین کی نئی تعبیر وتشریح، اجتہاد نو اور فکری ارتقا کے خوشنما عنوانات کے ساتھ مغربی فلسفہ ومعاشرت کے احکام وقوانین اور روایات واقدار کو مسلم معاشرت کا حصہ بھی بنایا جاسکے، چنانچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن موصوف نے ادارہ تحقیقات اسلامی کی سربراہی سنبھالتے ہی اس مشن کا آغاز کردیا اور سرسید احمد خان سے غلام احمد پرویز تک اس کنبے کے جتنے دانش ور گزر چکے ہیں ان کے فکر وخیالات کو ایک نئے اور بظاہر علمی انداز میں سرکاری وسائل وذرائع کے سہارے پیش کرنا شروع کردیا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ان افکار پر ملک کے بہت سے علمانے قلم اٹھایا بلکہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی ان تحریفات پر ملک میں صدر ایوب خان کے خلاف عوامی سطح پر شدید غم وغصہ کا اظہار بھی کیا گیا، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو اس منصب سے الگ کردیا گیا اور وہ پھر اپنی مادر فکری وعلمی "شکاگو یونیورسٹی" کی پناہ میں واپس چلے گئے، مگر ان کے افکار کو جس صاحب قلم دانش ور اور محقق عالم دین نے پوری طرح بے نقاب کیا اور علم وتحقیق اور تجزیہ کے ذریعہ اس فکر کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیئے ان کا نام نامی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہے، جنہوں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں کو کھنگالا اور ملک کے دینی جرائد ورسائل کے ذریعہ اس الحاد اور زندقہ کو ملک کے اہل علم ودین کے سامنے آشکار کردیا، اسی وجہ سے حضرت مولانا سید محمد یوسف

بنوری رحمہ اللہ جیسی عبقری شخصیت کی نظر انتخاب ان پر پڑی اور ماموں کانجن کی ایک دینی درس گاہ میں طلبہ کو نبوی علوم کا درس دینے والا ایک مدرس اس "پارس" کو چھوتے ہی سونا بلکہ کندن بن گیا اور آج پورا ملک سوگواری کے عالم میں حیران و پریشان ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے دینی جدوجہد کے جن مختلف میدانوں کو اپنی جولان گاہ بنا رکھا تھا اور ہر شعبہ میں ان کی تگ و تاز کو قائدانہ حیثیت حاصل تھی ان میں سے کون سے شعبے میں ان کے خلا کو پر کیا جاسکے گا؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اپنے عظیم اسلاف کی طرح مختلف حیثیتوں کے جامع تھے، وہ ایک مدرس، عالم تھے جنہوں نے ساری زندگی درس و تدریس میں بسر کی اور ہزاروں تشنگان علوم کو فیض یاب کیا، وہ ایک عارف باللہ تھے جن کی صحبت میں بیٹھ کر ہزاروں مسترشدین نے اپنے دلوں کے زنگ کو دھویا، وہ وعظ و نصیحت اور اخلاق و آداب کی دنیا میں ایک عظیم رہبر تھے جن کی تحریر و تقریر کا بڑا حصہ پند و نصائح اور اخلاقی تربیت پر مشتمل ہوتا تھا، وہ ایک بلند پایہ مفتی اور فقیہ تھے جن سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے اپنے روزمرہ مسائل میں راہ نمائی حاصل کی، وہ ایک ممتاز صحافی اور قلم کار تھے جن کی تحریریں دینی جرائد و رسائل کے ساتھ ساتھ قومی اخبارات کے لیے بھی باعث زینت و افتخار ہوا کرتی تھیں، مگر میرے نزدیک ان کی سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت فتنوں کے تعاقب میں ہر وقت مصروف رہنے والے ایک مجاہد عالم کی تھی جنہوں نے آج کے دور میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کا پرچم مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور جو بلاشبہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مصداق تھے کہ:

"رجل آخذ بعنان فرسه خلف اعداء الله تعالىٰ يخيفهم ويخيفونه"—

فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت وہی شخص کر سکے گا جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف گھوڑے کی لگام تھامے ہر وقت برسرپیکار رہے گا، مولانا لدھیانوی شہیدؒ کا گھوڑا "علم" تھا اور ان کی "لگام" قلم تھا، جو ہر وقت ان کے ہاتھ میں رہی اور دین اور اہل دین کے ساتھ ساتھ امت کے اجماعی فہم و تعامل سے انحراف کی آواز لگانے والا کوئی شخص بھی ان کے وار سے بچ نہ سکا۔

قرآن کریم کی ''الہامی حیثیت'' اور ''دائمی احکام'' سے انکار کا مسئلہ پیدا ہو، حدیث وسنت کی حجیت سے انکار کی بات ہو، صحابہ کرام کے ایمان ودیانت اور ان کی عدالت ومعیاریت پر مختلف جہات سے کیے جانے والے حملے ہوں یا ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ سے انحراف کی تحریکات ہوں، ائمہ ومجتہدین کے اعتماد کو مجروح کرنے والی فکری نقب زنی ہو یا امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ اجماعی علمی وعملی تسلسل سے مسلمانوں کا ذہنی رشتہ منقطع کرنے کی کوشش ہو، مستشرقین کے زہر آلود افکار ونظریات سے پڑھے لکھے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا مرحلہ ہو یا عرف وتعامل کے نام پر بدعات ورواجات کو دین کا حصہ بنانے کی نامبارک مساعی ہوں، ہر محاذ پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ علم ودانش، جرأت اور قلم کے ہتھیاروں سے مسلح میدان میں کھڑے مختلف حریفوں کو بیک وقت للکارتے نظر آتے ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو میرے خیال میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس ''حذیفی محاذ'' پر کام کرنے والے علماؔ، دانش وروں اور اہل قلم کے لیے کم از کم برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش کے خطہ میں وہ گزشتہ ربع صدی کے دورانیہ میں فکری راہ نما اور امام کی حیثیت اختیار کرگئے تھے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی تصانیف میں ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' اور ''دورحاضر کے تجدد پسندوں کے افکار'' کو دیکھ کر ان کی اس جدوجہد کی جامعیت کا ایک حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ساتھ میری نیاز مندی بھی اسی حوالہ سے تھی، ان کے ساتھ بیسیوں اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا، متعدد نجی محافل میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی، اور براہ راست ملاقات ومشاورت کے بھی مختلف مراحل آئے، ان سے اکثر اوقات گفتگو کسی نہ کسی فتنہ کے حوالہ سے ہوتی، کبھی کسی نئی بات سے میں انہیں آگاہ کرتا تو وہ فکر مند ہو جاتے، اور کبھی ان کے علم میں کوئی نئی بات آتی تو ملاقات پر وہ مجھے ضرور آگاہ کرتے، بسا اوقات کسی نئے فتنے سے نمٹنے کی حکمت عملی اور طریق کار پر مشاورت بھی ہوتی اور وہ کسی مناسب مشورہ اور رائے پر نہ صرف خوش ہوتے بلکہ سراہتے اور داد بھی دیتے تھے، ایک بار کسی مسئلہ پر میں نے اپنا تجزیہ پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ پہلو میرے سامنے نہیں تھا اور تم نے اس مسئلہ پر جو رائے دی ہے وہ ''سونے کے ساتھ لکھنے کے

قابل ہے" ان کی شفقتیں اور محبت رہ رہ کر یاد آتی ہے اور دل سے کسک سی اٹھتی ہے مگر تقدیر کے فیصلوں کے آگے کوئی چارہ نہیں وہ "فمنهم من قضى نحبه" کا مصداق بن کر شہادت کو سینے سے لگائے سرخرو ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہو چکے ہیں اور ہم "ومنهم من ينتظر" کی تصویر بنے فتنوں کے اس تلاطم خیز سمندر میں حیرانی وپریشانی کے ساتھ ڈبکیاں کھا رہے ہیں کہ خدا جانے زندگی کے آخری سانس تک ایمان ویقین اور جہد وعمل کے اس ناقص اور کمزور سے تسلسل کو بھی برقرار رکھ پاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہمیں اہل حق کے اس سلسلۃ الذہب کے ساتھ استقامت وحوصلہ کے ساتھ آخر دم تک جڑے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

............☆............

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی صاحبزادیوں کے پاس تشریف لے جاتے، حسب معمول ایک رات ان کے یہاں گئے تو آپ کی آہٹ پاتے ہی انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے، اور دروازے کی طرف لپکیں، آپ نے خادمہ سے اس کا سبب دریافت کیا، اس نے بتایا کہ ان کے پاس شام کے کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا، مجبوراً انہوں نے مسور کی دال اور پیاز سے پیٹ بھرا ہے، ان کو گوارا نہ ہوا کہ آپ کو ان کے منہ کی بو محسوس ہو، یہ سن کر حضرت عمرؒ رو پڑے اور صاحبزادیوں سے فرمایا: بیٹی! تمہیں اس سے کیا نفع ہوگا؟ کہ تم رنگا رنگ کے کھانے کھاؤ اور تمہارے باپ کو پکڑ کر دوزخ میں لے جائیں"۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؒ واپس آگئے اور صاحبزادیوں کی روتے روتے چیخیں نکل گئیں۔......

............☆............

مرنے کے بعد نیک آدمی کو افسوس ہوگا کہ کاش اس نے دنیا میں، جو دارالعمل تھی، زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹ لی ہوتیں۔ اور بُرے آدمی کو افسوس ہوگا کہ کاش! وہ ان برائیوں سے باز آجاتا، افسوس کہ ان برائیوں کی تلافی کا موقع جاتا رہا، آدمی کو اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ غنیمت سمجھنا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ نے طاعات کی توفیق عطا فرما رکھی ہے تو زیادہ سے زیادہ سرمایہ آخرت جمع کرنا چاہئے، اور خدانخواستہ برائیوں میں مبتلا ہے تو اسے ہوش کے ناخن لینے چاہئیں، اور اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے سے باز آنا چاہئے، جو کچھ اب تک وہ کر چکا ہے اس کے تدارک وتلافی کی فکر کرنی چاہئے، کیونکہ آنکھیں بند ہوتے ہی موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا،

قادیانیت کی بیخ کنی

مولانا اللہ وسایا
دفتر ختم نبوت ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد:

اللہ رب العزت نے نبوت کی ابتدا سیدنا آدم علیہ السلام سے کی، اور اس کی انتہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر، اس عقیدہ کو ختم نبوت کا عقیدہ کہا جاتا ہے، خیر القرون سے لے کر اس دور تک ہر زمانہ میں مسلمان اس عقیدہ کی دل وجان سے حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔

ہندوستان میں انگریز کے کہنے پر مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عقیدہ پر شب خون مارا، چنانچہ تاریخ کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اکابرین امت نے اس مسئلہ کے تحفظ اور قادیانیت کے ابطال کے لیے سرفروشانہ جدوجہد کی ایک سنہری تاریخ رقم کی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی الف سے مولانا محمد یوسف بنوری کی یا تک "تحفظ ختم نبوت" کی ایک ایمان پرور، جہاد آفرین، حقائق افروز، سنہری اور قابل قدر وفخر تاریخ ہے۔ اس دور میں ہمارے مخدوم ومرشد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس تاریخ اور روایات کے امین اور اس قافلہ کے کامیاب فاتح جرنیل تھے۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۷۵ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت

سے وابستہ ہوئے اور فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ کام لیا جو ایک مستقل ادارے کے کرنے کا تھا۔

اس جماعت کی تشکیل کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۹۴۹ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے مل کر ایک غیر سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جو سیاست سے ہٹ کر صرف اور صرف دینی نقطہ نظر سے قادیانیت سے برسرپیکار ہو، اس جماعت کا نام "مجلس تحفظ ختم نبوت" رکھا گیا۔

۱۹۵۳ء میں قادیانی فتنہ کے خلاف عظیم الشان تحریک چلی، اس تحریک سے فراغت کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کا ۱۹۵۴ء میں باضابطہ انتخاب ہوا اور حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے امیر مقرر ہوئے، انکے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ یکے بعد دیگرے مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر رہے، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے وصال کے بعد شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت قبول کرنے کے لئے مقتدر شخصیات نے گزارش کی، ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں مدرس تھے اور دس دن "ماہنامہ بینات کراچی" کے لئے دیا کرتے تھے، مولانا لدھیانوی شہیدؒ سے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آپ مستقل کراچی آجائیں، حضرت لدھیانوی شہیدؒ اس کے لئے آمادہ نہ تھے، اب مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت قبول کرنے کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے بھی حضرت بنوریؒ سے استدعا کی تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ اگر میں مجلس کی امارت قبول کرلوں تو آپ مجلس کے مرکزی دفتر ملتان آجائیں گے؟ حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے عرض کیا "بسر و چشم"۔

۹ر اپریل ۱۹۷۴ء کو حضرت بنوریؒ نے مجلس کی امارت قبول کی، ۲۹ر مئی ۱۹۷۴ء کو چناب نگر (سابق ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر سانحہ پیش آیا، قادیانیوں کے خلاف بھرپور تحریک چلی جس کے نتیجہ میں ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، جب مبارک باد کے لئے حضرت لدھیانوی شہیدؒ اپنے مرشد و مربی

حضرت بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا: وعدہ یاد ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ یاد ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان تشریف لے آئے۔

آپؒ کا مجلس تحفظ ختم نبوت میں آنا گویا رحمت باری کا خصوصی فضل ہوا، آپؒ نے تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے کام کو جدید خطوط پر استوار کیا، بلا شبہ یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ تھا، اس پر جتنا آپ کو خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے، آپ کے اس تجدیدی کارنامہ کی مختصر روئیداد یہ ہے:

قادیانیوں کو دعوت اسلام:

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے بعد اب امت کا فرض بنتا تھا کہ قادیانیوں کو دعوت اسلام دی جائے، ختم نبوت کی حقانیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل نظریات کو ان پر آشکارا کیا جائے، آپ نے اس عنوان پر امت میں سب سے پہلے کام کیا، متعدد مضامین ورسائل لکھ کر امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا، الفضل اور دیگر قادیانی جرائد سے قادیانیوں کے پتہ جات تلاش کر کے ہزاروں قادیانیوں کو ان کے گھروں کے پتوں پر ڈاک سے لٹریچر ارسال کیا گیا اور اس موضوع پر نہایت خوبصورت رسالہ "قادیانیوں کو دعوت اسلام" کے عنوان سے لکھ کر قادیانیوں کے گھر گھر بھیجا گیا۔

مبلغین اور کارکنان ختم نبوت کے ذریعہ قادیانیوں کو دستی لٹریچر پہنچایا گیا، پورے ملک میں اللہ رب العزت کے فضل واحسان سے آپ کی یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی، اور یوں آپ کی کوشش سے امت مسلمہ نے ایک فرض وقرض کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا۔

شعبۂ نشر واشاعت:

آپ نے مجلس کے شعبہ نشر واشاعت کے تحت بیسیوں رسائل وکتب بلا شبہ لاکھوں کی تعداد میں شائع کر دیئے۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا ایک ملفوظ ہے کہ رد قادیانیت پر اتنا لکھا اور شائع کیا جائے کہ ایک مسلمان سو کر اٹھے تو اس کے سرہانے ختم نبوت کا لٹریچر موجود ہو، حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کی اس تڑپ نے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

کی شکل اختیار کی اور یوں آپ کے ذریعہ رد قادیانیت پر تحریری اتنا کام ہوا جتنا گزشتہ پچاس برس میں نہیں ہوا تھا، ہفت روزہ ختم نبوت کا اجرائ، لٹریچر کی کثرت، کتب ورسائل کی اشاعت، اشتہارات وہینڈبلوں کی تقسیم وترسیل نے ایک مستقل اشاعتی ادارے کے کام کی شکل اختیار کی، یہ سب حضرت مرحوم کی کوششوں کا نتیجہ اور مساعی جمیلہ کا ثمر ہے جو اس دور میں آپ کے ہاتھوں امت کو اللہ رب العزت نے نصیب کیا۔

آپؒ نے فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات رحمہ اللہ کی رہنمائی میں قادیانیت کا ڈیڑھ دوسال میں بھرپور مطالعہ کیا، انہیں دنوں آپ نے مختلف رسائل ترتیب دیئے، جن میں قادیانیوں کو دعوت اسلام، ربوہ سے تل ابیب تک، مراقی نبی، مرزائی اور تعمیر مسجد، مرزا کا اقرار اور قادیانیت علامہ اقبالؒ کی نظر میں، شامل ہیں، علاوہ ازیں ملتان دفتر میں قیام کے دوران شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف "خاتم النبیین" کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا جو ایک یادگار اور تاریخی کام ہے، جس کی افادیت اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

اسی زمانہ میں قادیانیوں سے ستر سوالات "اشد العذاب علی مسیلمۃ الفنجاب" مجموعہ رسائل مولانا سید مرتضی حسن چاندپوری، رئیس قادیان، مصنفہ مولانا محمد رفیق دلاوری، اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ، مصنفہ مولانا نور محمد اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" مصنفہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی شعبہ نشر واشاعت کی طرف سے آپ نے شائع کرائیں۔

غرض آپ کو جب سے حضرت بنوری رحمہ اللہ نے شعبہ نشر واشاعت کا سربراہ مقرر کیا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے چار چاند لگا دیئے، اس دوران تحفظ ختم نبوت اور دارالعلوم دیوبند کے عنوان پر آپ نے گراں قدر تحقیقی مقالہ تحریر کیا، جس کی ضخامت ڈیڑھ صد صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمات کی پیروی:

۱۹۷۴ء کی تحریک کے بعد جہاں کہیں قادیانیوں نے قانون کی خلاف ورزی کی اور انکے خلاف کیس دائر ہوا، وکلاء کی تیاری اور رہنمائی کیلئے قدرت نے آپؒ سے کام لیا، آپؒ کو اللہ تعالی نے ایسی جامعیت نصیب فرمائی تھی کہ بیک وقت ایک متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ

قادیانیت کے لٹریچر پر پوری گرفت رکھتے تھے، آپ نے سرگودھا، بہاول پور وغیرہ عدالتوں میں اس طرح خدمات سرانجام دیں کہ قادیانیت بلبلا اٹھی، اس دوران اللہ رب العزت نے کرم کیا کہ ۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت قادیانیوں کے خلاف منظم ہوئی، اس میں آپ نے بھر پور قائدانہ کردار ادا کیا۔

۲۶/ اپریل ۱۹۸۴ء کو جنرل محمد ضیأ الحق صاحب نے قادیانیوں کے خلاف امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کیا، قادیانیوں نے اس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں کیس دائر کردیا، تو اس کی پیروی کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اپنے گرامی قدر رفقأ حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر مدظلہ کے ہمراہ لاہور جاکر ڈیرہ لگالیا، دفتر ختم نبوت دہلی دروازہ لاہور مقدمہ کی پیروی کے لیے وقف ہوگیا، ردِقادیانیت اور قادیانیت کا تمام لٹریچر ملتان دفتر ختم نبوت سے لاہور منتقل کیا گیا، مگر مشکل یہ پیش آئی کہ تفاسیر واحادیث کی قدیم وجدید کتب کے بغیر اس مقدمہ کی پیروی ممکن نہ تھی، اللہ تعالی بہت جزائے خیر دے جامعہ اشرفیہ کے ارباب کو، کہ انہوں نے اپنی جامعہ کی لائبریری کے دروازے کھول دیئے، حضرت مرحوم اپنے رفقأ سمیت وہاں منتقل ہوگئے، وکلأ کے حوالہ جات کی فراہمی کے لیے فوٹو اسٹیٹ مشین منگوائی گئی۔

دن بھر عدالت میں مقدمہ کی کارروائی میں حصہ لیتے شام کو رات گئے تک حوالہ جات اور دلائل کی ترتیب وتخریج کا کام کرتے، آپ کی جامع شخصیت اور خداداد شہرت کو دیکھ کر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے وکلأ کے علاوہ سرکاری وکلأ بھی آپ کے پاس آئے، آپ ان کے ہر اشکال کا اس طرح جواب دیتے کہ وہ عش عش کر اٹھتے، یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ تمام تر وکلأ کی تیاری اور پورے کیس کی پیروی آپ کی محنت کی مرہون منت ہے۔ اللہ رب العزت نے کرم کیا، قادیانیت شکست کھاگئی اور آپ کی اخلاص بھری کاوشوں کو قدرت نے قبولیت سے نواز کر متفقہ طور پر پانچ جسٹس صاحبان نے امت محمدیہ ﷺ کے حق میں اور قادیانیوں کے خلاف فیصلہ دیا۔

قادیانیوں نے اسکے خلاف سپریم کورٹ شریعت اپیل بنچ میں اپیل دائر کی، وہاں سے بھی قادیانیوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس دوران افریقہ کے قادیانیوں (لاہوری گروپ)

نے جنوبی افریقہ جوہانسبرگ کی عدالت میں کیس دائر کردیا کہ ہمیں مسلمان سمجھا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے، رابطہ عالم اسلامی، پاکستان حکومت نے اپنے وکلاً، وعلماً بھیجے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا وفد بھی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی قیادت باسعادت میں وہاں پہنچا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر دن رات ایک کر کے اپنے آرام کو تج کر کے تمام وکلاً کی تیاری کا کام جتنا اللہ رب العزت نے آپ سے لیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، بڑے بڑے جغادری مہینوں کی جانگسل محنت سے اکتاکر ادھر ادھر ہو گئے لیکن آپ مسلسل اس کام کو تندہی سے کرتے رہے، دوبارہ آپ کو جانا پڑا، مہینوں مسلسل سماعت ہوئی، لیکن یہ ہائیکورٹ سے سپریم کورٹ تک آپ کی محنت کام آئی اور قادیانی جنوبی افریقہ کے سپریم کورٹ سے بھی اپنے کفروزندقہ پر مہر لگاکر واپس آگئے۔

اسی طرح پاکستان کے چاروں ہائیکورٹوں میں قادیانیوں نے کیس دائر کیے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ مارے مارے ان کورٹوں میں پھرتے رہے، صبر آزما مراحل سے گزرے، مقدمات کی ایسے احسن انداز میں پیروی کی، اور ایسے مستقل وجاندار بنیاد پر قادیانیت کے کفر کو آشکارا کیا کہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بہاول پور عدالت میں بیان کی یاد تازہ ہو گئی۔

قدرت نے آپ سے وہ کام لیا کہ اس پر قادیانیت کے چھکے چھوٹ گئے، ان تمام کیسوں کی اپیل سپریم کورٹ میں گئی، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رفقاً کی ٹیم لے کر سپریم کورٹ پہنچ گئے، آپ کے جانے سے راولپنڈی سپریم کورٹ علماً کرام کے اجتماع کا منظر پیش کرنے لگا، آپ نے وہاں بھی تمام وکلاً کو تیاری کرائی، اور پھر راجہ حق نواز ایڈوکیٹ جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی سپریم کورٹ میں نمائندگی کررہے تھے، ان سے عدالت نے کہا کہ آپ اپنا بیان تحریری طور پر عدالت میں داخل کریں، شرعی نقطہ نظر سے وضاحت کریں کہ امتناع قادیانیت آرڈی نینس میں قادیانیوں پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں وہ درست ہیں، راجہ صاحب نے اپنے موکل حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی طرف دیکھا انہوں نے حامی بھری، کراچی تشریف لائے، مختصر مدت میں "عدالت عظمیٰ کی خدمت میں" نامی مقالہ تحریر کیا، جو دلائل وبراہین کا ایسا خزینہ ہے کہ اسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی نہیں

بلکہ عالمی عدالت میں کوئی بین الاقوامی ماہر قانون خطاب کر رہا ہے اور اس کے دلائل کے سامنے فریق مخالف ندامت سے سر جھکائے کھڑا ہے، اور عدالت ان کے دلائل کے وزن سے کھنچی چلی جارہی ہے۔

ان فیصلہ کرنے والے پانچ سپریم کورٹ کے جج صاحبان میں سے ایک جج نے ریٹائرمنٹ کے بعد فرمایا کہ مولانا کے اس بیان نے ہماری اتنی رہنمائی کی کہ میں حیران رہ گیا، کہ جو بات وکلاء اس زور سے نہ سمجھا سکے، وہ ایک بوریہ نشین نے کس دلکش انداز میں باور کرادی؟

حق تعالیٰ کا کرم ہوا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی گرفت سے قادیانیت یہاں بھی جان نہ چھڑا سکی، بلکہ سپریم کورٹ سے بھی ان کو اپنے کفر پر مہر لگوانی پڑی۔ قادیانیوں نے سپریم کورٹ سے نظر ثانی کی استدعا کی، مولانا اس کی پیروی کے لئے پہنچے لیکن اللہ کی شان قدرت کے قربان جائیں کہ کفر ہار کر دم توڑ گیا، مولانا کامیاب وکامران ہوئے۔ چنانچہ قادیانی سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی اپنی درخواست کی پیروی کا حوصلہ نہ کرپائے اور ان کی یہ درخواست بھی قادیانیوں کے اسلام سے خارج ہونے کی طرح سپریم کورٹ سے خارج ہو گئی، یوں مولانا محمد یوسف لدھیانوی سول عدالتوں سے لے کر سپریم کورٹ تک اور پاکستان سے جنوبی افریقہ تک کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

بیرون ملک قادیانیت کا تعاقب:

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی سوانح حیات لکھنے کے لئے آپ سے استدعا کی آپ نے فرمایا کہ مولانا منظور احمد الحسینی، محترم عبدالرحمن یعقوب باوا بھی میرے ساتھ ہوں گے، آپ ان کے ویزے کا بھی انتظام فرمائیں، دارالعلوم ہولکمب بری انگلینڈ میں آپ مہینہ بھر حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح مرتب کرتے رہے اور آپ کے دونوں خدام برطانیہ بھر میں تبلیغ کرتے رہے، اس دوران آپ کو بھی بعض اجتماعات میں جانا پڑا، قادیانیوں سے یہاں ایک مناظرہ بھی ہوا، یوں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ، اور شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے بعد تیسری آواز آپ کی تھی جو برطانیہ میں ختم نبوت کی رعد بن کر گونجی، اور قادیانیوں کے لئے بجلی

کی کڑک کا کام کر گئی، ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت آرڈی نینس کے بعد مرزا طاہر برطانیہ گیا، آپ اس کے تعاقب میں برطانیہ تشریف لے گئے، ختم نبوت کانفرنس کی داغ بیل پڑی اور آج تک تسلسل کے ساتھ برطانیہ میں منعقد ہو رہی ہے، آپ نے وہاں مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر کے لئے سوچ بچار کیا، حضرت الامیر مولانا خواجہ خان محمد صاحب سے اجازت و دعا لے کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ آپ نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا، اور اس مقصد کے لئے دبئی میں ایک ماہ کے لگ بھگ قیام کیا، پاکستان وافریقہ میں اہل خیر کو متوجہ کیا اور یوں ختم نبوت کا دفتر لندن میں قائم ہو گیا، جو آپ کا صدقہ جاریہ ہے۔

کراچی دفتر ختم نبوت :

کراچی میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کی سرپرستی، نگرانی ورہنمائی آپ نے کی، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ مجلس کے نائب امیر بنے آپ نے کراچی دفتر ختم نبوت و جامع مسجد باب الرحمت کی تعمیر کا کام اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کرایا، آپ کے رفقأ آپ کے متعین کردہ خطوط پر محنت کرتے رہے، یوں آپ کی شخصیت کی جامعیت سے اسلامیان کراچی نے لاکھوں کے صرفہ سے یہ عظیم الشان مسجد و دفتر بنادیا، کچھ عرصہ بعد آپ کراچی دفتر ختم نبوت میں بیٹھنے لگے تو، اس سے دفتر کی رونق بڑھی اور پورے کراچی میں اسے مرکزیت نصیب ہو گئی، یہ سب کام آپ کی ذات گرامی سے قدرت نے لئے۔

رجال کار کی تیاری :

آپ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے تعاقب کے لئے علمأ کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک نئی روح پھونکی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، دارالمبلغین ختم نبوت ملتان اور رد قادیانیت کورس چناب نگر سے فارغ ہونے والے ہزاروں علمأ وطلبأ آپ کے شاگرد ہیں، بلاشبہ اس وقت پاکستان اور بیرونی دنیا میں ختم نبوت کے عنوان پر کام کرنے والی تمام نئی ٹیم بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کی شاگرد ہے، ان میں کا ایک ایک فرد ہزاروں قادیانیوں پر بھاری ہے، اکیلے مولانا منظور احمد الحسینی کو دیکھئے جن کی تمام تر تیاری آپ کی نظر

کرم کی مرہون منت ہے، اس وقت پورے یورپ میں سرگرم عمل ہیں، ان کے وجود سے قادیانیت خائف ہے، یہ سب مولانا مرحوم کی باقیات الصالحات ہیں، مولانا مرحوم رد قادیانیت کے عنوان پر اتنی بڑی جماعت تیار کر کے گئے ہیں جو انشاءاللہ آئندہ نصف صدی تک قادیانیت کے تعاقب کے لئے کافی ہیں، اس وقت انٹرنیٹ پر تمام تر انگریزی مواد آپ کے قلم کا شاہکار ہے۔

آپ نے قادیانی عقائد اور نظریات کے خدوخال واضح کرنے کے لئے "تحفۂ قادیانیت" کے نام پر تین ضخیم جلدوں میں کتاب تحریر فرمائی اس کی چوتھی جلد زیر ترتیب ہے، آپ کی گراں قدر کتاب تحفہ قادیانیت کے کئی ابواب کا انگلش، عربی، سندھی، پشتو اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ان میں سے کئی ابواب انٹرنیٹ پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

غرض آپ کی ذات گرامی سے قدرت حق نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وہ کام لیا جس کی اس وقت پوری دنیا میں نظیر نہیں پیش کی جا سکتی، آپ تحریر و تقریر کے دھنی تھے، اور اس وقت قادیانیت کے خلاف کام کرنے والی ٹیم میں آپ کی ذات گرامی کو اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔

متعلقین جانتے ہیں کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب ایک مجاہد فی سبیل اللہ بزرگ اور ممتاز دینی رہنما ہیں، آپ کی قیادت وسیادت پر اس وقت اہل علم متفق و متحد ہیں، آپ بیان نہیں فرماتے، برطانیہ میں ایک موقع پر کسی نے عرض کیا، راقم الحروف بھی اس موقع پر موجود تھا کہ حضرت آپ تقریر نہیں فرماتے؟ آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ میری زبان مولانا محمد یوسف لدھیانوی ہیں، جس نے مجھے سننا ہے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تحریر و تقریر سنے اور پڑھے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۷۴ء کے اواخر سے لے کر تادم واپسیں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت وسیادت فرماتے رہے، اس دوران عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے جو ترقی کی وہ آپ کی گراں قدر خدمات کے اظہار کا ایک روشن باب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہید کو اعلیٰ مراتب سے نوازیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔

بلاشبہ اس محاذ پر آپ سے قدرت حق نے وہ کام لیا جس پر آپ کی ذات کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

اکابر کی نشانی

مولانا قاری محمد اجمل خان اکبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی تمنائے شہادت رب کائنات نے پوری فرمائی۔ دورہ افغانستان کے بعد شہادت کی تڑپ زیادہ بڑھ گئی تھی، کہ خاک و خون میں تڑپتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کروں!

بالآخر ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کو بقیۃ السلف، استاذ العلماء، محدث زمان، فقیہ دوراں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو کراچی میں شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دنیائے فانی سے ہر شخص اور ہر متنفس نے جانا اور بالآخر موت سے ہمکنار ہونا ہے، خلاق عالم نے ہر ایک کیلئے دنیا سے جانے کا وقت مقرر فرمایا ہے۔ یوں اگرچہ ہر انسان کیلئے موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن انسانوں میں کس قدر تفاوت درجات و فرق مراتب ہے کہ کسی انسان کی موت پر ایک آنکھ رونے والی نہیں ہوتی، اور کسی کی وفات پر احباب و اقرباء کا ایک محدود حلقہ یا ایک قریہ اور بستی کے مکین آنسو بہا لیتے ہیں، لیکن کچھ باکمال ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی رحلت سے پورا ملک، بلکہ عالم اسلام نڈھال ہو جاتا ہے، جن کی مفارقت سے ہر دل اندوہگیں اور ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے، اور جن کی فرقت سے دینی، علمی اور فقہی مجالس بے رونق ہو جاتی ہیں، ان مقتدر ہستیوں میں سے ہمارے مخدوم صاحب کمال و فقید المثال اور نابغۂ روزگار حضرت

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تھے، آپ کا دنیا سے جانا ایک فرد یا ایک شخص کا جانا نہیں ہے بلکہ اس دور میں صحیح طور پر "موت العالم موت العالم،، کا مصداق ہے۔

آپ دورِ حاضر کے ان نامور محققین میں سے تھے جن پر نہ صرف بر صغیر بلکہ عالم اسلام بجاطور پر فخر کر سکتا ہے۔ مولانا مرحوم کے محامد و محاسن اور مناقب و کمالات کا اس مضمون میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور سمتوں کا احاطہ کرنے کیلئے ایک مستقل کتاب کی وسعت درکار ہے۔

حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں سب سے نمایاں پہلو سنت نبویؐ کا التزام تھا۔

احقر کو بھی مولانا مرحوم کے ساتھ حرمین شریفین، بنگلہ دیش اور متعدد بار برطانیہ کے اسفار کا موقع ملا آپ کے خادم خاص مولانا مفتی جمیل خاں صاحب مدظلہ بھی شریک سفر ہوتے تھے۔ مولانا میں بے پناہ خوبیاں دیکھیں، آپ باکمال انسان تھے۔

آپ میں عشق رسالت مآب ﷺ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ذکر مصطفی ﷺ سے آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم صحیح معنوں میں اپنے اکابر کی نشانی تھے۔ اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ ہر فتنہ کے لئے سدِ سکندری ثابت ہوئے۔ عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے لئے آپ نے اپنے اکابر اور عہدِ حاضر کے غزالی ورازی حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور قائد تحریک ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باغیان ختم نبوت کا اندرون وبیرون ملک تعاقب کیا۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف خاتم النبیین کا ترجمہ فرمایا۔ حضرت مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے قادیانیت کیخلاف بیسیوں رسائل تحریر فرمائے، اس وقت قادیانیت کے خلاف پڑھے جانے والے لٹریچر میں سب سے زیادہ مواد حضرت لدھیانویؒ کا تحریر کردہ ہے۔ تحفہ قادیانیت تین جلدوں میں تحریر فرما کر جہاں قادیانیت کے دجل و فریب کو چاک فرمایا، وہاں قادیانیوں کو راہ ہدایت پر آنے کی دعوت بھی دی۔ اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جو ایمان کی اساس اور بنیاد ہے۔ برطانیہ، افریقہ، انڈونیشیا، اور دیگر ممالک کے تبلیغی دورے فرمائے اور لاکھوں لوگوں کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت سے روشناس فرمایا، چناب نگر میں مبلغین ختم نبوت کی ایک بڑی تعداد کو قادیانیت کے خلاف دلائل

سے مسلح فرمایا کرتے تھے۔ تحریر و تصنیف کے میدان میں آپ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے جانشین ثابت ہوئے، آپ کی تحریریں اور تقریریں کچھ کتابی شکل میں مرتب ہو چکی ہیں اور مزید زیر ترتیب ہیں۔

آپ کے سب سے گراں قدر علمی شاہکار "اختلاف امت اور صراط مستقیم" نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم کی روشنی دکھائی۔ اور بلا شبہ لاکھوں افراد نے اس کو پڑھ اپنے عقائد و نظریات کا قبلہ درست کیا۔ عہد نبوت کے ماہ و سال سیرت النبی ﷺ اور سیرت اصحابؓ آپ کا ایک عظیم تحریری کارنامہ ہے۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل (۹) جلدوں پر مشتمل کتاب ہے جس میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں مہیا فرمایا ہے۔ مولانا مرحوم کی تحریریں جہاں تشنگان علم کی پیاس بجھائیں گی، وہاں ان کے ذریعہ آپؒ کی ذات ہمیشہ زندہ جاوید نظر آئے گی۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسّع مدخله واجعله من ورثة جنةالنعيم ونورمرقده واجعل قبره روضة من رياض الجنة–آمين۔

............☆............

......ہمارے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ رمضان میں عمرہ کیلئے، اور دوسری مرتبہ حج کے موقع پر، اور پھر فرماتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کیوں جاتا ہوں، نہ طواف کر سکتا ہوں، نہ کوئی اور عمل کر سکتا ہوں، بس بیٹھا بیت اللہ کو دیکھتا رہتا ہوں، حضرتؒ کو گھٹنوں میں تکلیف رہتی تھی اس لئے زیادہ طواف اور عمرے نہیں کر پاتے تھے، اور کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہم بیٹری چارج کرنے کے لئے جاتے ہیں، یہ بیٹری کون سی تھی؟ دل کی، روحانیت کی، ایمان و یقین کی اور تعلق مع اللہ کی۔ بیت اللہ شریف تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے، اور رحمت خداوندی کی تقسیم کا مرکز ہے، روزانہ ایک سو بیس رحمتیں بیت اللہ پر نازل ہوتی ہیں، اور دنیا میں جتنی رحمتیں جتنی برکتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں، وہ بیت اللہ پر اترتی ہیں اور پھر وہاں سے پورے عالم میں تقسیم ہوتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں کا مرکز بنایا ہے۔......

انتخاب یوسفؒ

مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہیدِ ناموس رسالت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ میرے شفیق استاد، محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ امیر مجلس تحفظ ختم نبوت اور بانی و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی دریافت ہیں جنہوں نے اس قیمتی جوہر اور آبدار موتی کو زاویہ گمنامی سے نکال کر آسمان رفعت تک پہنچایا اور مزید تابناک بنادیا۔

حضرت بنوریؒ کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا ملی اور وہ مہر منیر بن کر عالم اسلام میں چمکنے لگے۔ مولانا موصوف قلم کے شہسوار تھے، ان کی تحریر کی خوبی اور قلم کی روانی ہی نے حضرت بنوریؒ کو متاثر کیا، اور انہوں نے اپنے پاس بلا کر اپنی نگرانی میں انہیں ماہنامہ ''بینات'' اور اس شعبہ کی تصنیف و تالیف کا نگران بنادیا، چنانچہ ملک کا مشہور دینی ماہنامہ ''بینات'' آپ ہی کی نگرانی میں ایک عرصہ تک اسلام کی خدمت کرتا رہا، اسلام کے خلاف ہر الحادی فتنہ سے وہ نبرد آزما رہے اور اپنی تیغ قلم سے اسلام کا دفاع اور دشمنان اسلام کا تعاقب کرتے رہے۔ خصوصاً اسلام کے سب سے اہم عقیدہ ختم نبوت کی، جو پورے دین کی اساس ہے، حفاظت اور جھوٹی نبوت (قادیانی فتنہ) کا تعاقب ان کا موضوع زندگی بن گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں ان سے خوب کام لیا، میرے خیال میں موجودہ دور میں ختم نبوت کے محاذ پر تحریری میدان میں ان کا ہم پلہ اور کوئی عالم نہیں ہے۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہمہ صفت موصوف ایک عالم باعمل تھے۔ "بینات" کے اس خصوصی نمبر میں مختلف شعبوں میں ان کی خدمات پر اہل قلم روشنی ڈالیں گے۔ بندہ قلم کے میدان میں بالکل کمزور بلکہ نااہل ہے، اس لئے اہل قلم ہی صحیح طور پر ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ راقم الحروف صرف ان کی ایک خوبی کا ذکر کرنا چاہتا ہے جو میرے نزدیک تمام خوبیوں پر غالب ہے وہ ہے "حسد اور معاصرت" کی بیماری سے پاک ہونا۔ ان کا سینہ حسد اور کینہ سے بالکل پاک تھا۔ حسد انسانوں کی وہ بیماری ہے جس میں بنی آدم مبتلا ہوئے اور اسی حسد کی بیماری کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ مشہور مقولہ ہے "المعاصرة قنطرة المنافرة"۔

سلف میں بڑے بڑے لوگ اس مرض کا شکار رہے ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے شیخ حضرت بنوریؒ سے مسلم شریف جلد اول پڑھتے ہوئے جب امام مسلم کے، امام بخاریؒ کے متعلق الفاظ بعض "منتحل الحدیث" آئے تو حضرت بنوریؒ نے اس پر ایک تقریر فرمائی کہ میں بڑی مدت تک پریشان رہا اور سوچ بچار کرتا رہا کہ اتنے بڑے محدث اور بزرگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ مدت بعد سمجھ میں آیا کہ شیطان ان بزرگوں سے، کوئی بڑا قبیح گناہ، یعنی شراب نوشی، زنا وغیرہ تو کرا نہیں سکتا۔ اور وہ حضرات ساری زندگی دین کی خدمت میں گزار دیتے ہیں، تو شیطان ان سے یہ (معاصرت والا) گناہ سرزد کرا دیتا ہے، تاکہ قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے فخر سے سربلند نہ کر سکیں اور معاصرت کے قصور کی وجہ سے وہ اس روز خدا تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہوں۔

معاصرت کی بیماری سے اگر کوئی محفوظ ہے تو میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی ولایت یہی ہے۔ اس لحاظ سے راقم الحروف مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید کو وقت کا ولیٔ کامل سمجھتا ہے، بندۂ ناچیز بھی چونکہ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرتا ہے اور کسی حد تک حضرت شہیدؒ سے معاصرت کی نسبت رہی ہے، لیکن مولانا موصوف جہاں بھی میرا ذکر کرتے انتہائی احترام کے ساتھ عموماً "مخدوم ومکرم" کے خطاب سے ذکر کرتے۔ حالانکہ

بندہ ناچیز ان کا استاد تھا نہ ہی پیر و مرشد- بندہ انٹر نیشنل ختم نبوت موومنٹ کا مرکزی جنرل سیکریٹری ہے، جب کہ مولانا موصوف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور ترجمان تھے، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی حریف سمجھی جاتی ہیں- لیکن اس کے باوجود میری کتاب ''رد قادیانیت کے زریں اصول'' پر مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے جو تقریظ لکھی تھی وہ ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے ایک ہم عصر کیلئے کس وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے- تقریظ کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں :

> ''میرے مخدوم و مکرم جناب مولانا منظور احمد چنیوٹی دامت برکاتہم نے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنالیا اور ''لکل فرعون موسیٰ'' کے مطابق انہوں نے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا- زیر نظر کتاب مولانا زید مجدہم کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اہل علم کو املاً کرائے تھے، بعد میں ان کو کیسٹ سے اتار لیا گیا- راقم الحروف نے اس کتاب کو (جو دارالعلوم دیوبند نے راقم الحروف کو بھیجی تھی) حرفاً حرفاً پڑھا اور جناب مصنف کیلئے دل سے دعائیں نکلیں اللہ تعالیٰ ان کو سعادتیں اور برکتیں نصیب فرمائے- آمین''

مولانا کی یہ خوبی ان کی سب خوبیوں پر غالب ہے جو اکثر لوگوں کی نظر میں نہیں ہو گی- بہت کم لوگ معاصرت کے مرض سے محفوظ ہوتے ہیں یہی ان کی ولایت اور عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے- اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصاً شہید اسلام حضرت مولانا لدھیانویؒ کے متعلقین و منتسبین کو اس بیماری سے محفوظ رکھے، اور حضرت مولانا موصوف کے درجات بلند سے بلند فرمادیں- اور اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمادیں- آمین- مولانا کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا بظاہر بہت مشکل ہے اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل پیدا فرماکر اس کمی کو پورا فرمادیں- آمین-

نابغۂ روزگار

مولانا ضیاء القاسمی، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈھونڈھ ان کو چراغِ رخِ زیبا لے کر!

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید عصر حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ ایک ہی وقت میں مفسر، محدث، فقیہہ، مصنف، سیرت نگار، دینی افکار و نظریات کے عظیم مبلغ، مجاہد اور شیخ وقت تھے، انہوں نے پوری زندگی دین کی سربلندی، اور سرفرازی کیلئے صرف کی، جس میدان میں اترے، سکے جمادیے، ان کی تحریر میں بے پناہ تاثیر اور تقریر میں علم کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔

انہیں قلم وزبان پر قابو تھا۔ پوری دنیا ان کی علمی سخاوتوں سے بہرہ ور تھی، انہیں علم و عمل کا پاکیزہ پیکر اور خوشبودار گلدستہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

یوں تو وہ ہر میدان کے شاہسوار تھے مگر دین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور تحریکوں کے خلاف ننگی تلوار، غیرت وحمیت کی برہان اور جلال الٰہی کا مظہر تھے۔ ان کا یہی وصف انہیں اپنے ہم عصر علما اور شخصیات سے نمایاں کرتا ہے۔ نہ علما کی کمی ہے نہ ہی اساتذۂ تفسیر و حدیث عنقا ہوئے ہیں، فقاہت و ثقاہت کی تصویریں بھی ایک سے ایک بڑھ کر منصۂ شہود پر نظر آئیں گی۔ خانقاہیں بھی ذکر و فکر کی روایتی آوازوں سے گونجتی نظر آئیں گی،

مسند درس وتدریس پر علمی موشگافیوں کے فلسفے بھی نظر آئیں گے- فقہ وحدیث کے مشکل مباحث اور باریک مسائل پر گھنٹوں گفتگو کرنے والے بھی نظر آئیں گے، مگر مسجد ومدرسہ، منبرو محراب سے خدا اور رسولؐ کے دشمنوں کو، اہل حق کی آواز میں للکارنے والا عالم جلیل، ابو حنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کا صحیح وارث اس وقت یہی نظر آئے گا، جس کی آواز سے دین حنیف کے چمن میں بہار آئے گی-

۱۴ سو سال سے اسلام پر فتنے اور فتنہ گر حملہ آور ہیں، فتنہ پرور مادی وسائل اور دولت وثروت کے خزانوں سے مالا مال ہیں، انہیں مضمحل کرنے کے لئے، انہیں توڑنے کے لئے، انہیں راہ راست دکھانے کے لئے، ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے، ان کے قلعوں میں شگاف ڈالنے کیلئے اور انکی اونچی دیواروں کو گرانے کے لئے ہر دور میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایسے بہادر، جری، نہ بکنے والے، نہ دبنے والے علما کی ضرورت رہی ہے، جنہوں نے اپنے کردار و عمل سے باطل کو پسپا کیا اور حق کا بول بالا کیا- مولانا لدھیانویؒ دیوبند کی اس سنہری سلسلہ کی کڑی تھے جنہوں نے اندھیروں کو روشنی اور اور گمراہوں کو ہدایت کا نور عطا کیا- یہ تاریخ کا تسلسل ہے اس نے ایسے بہادر فرزندان اسلام کی داستانوں کو اپنے دامن میں محفوظ کیا جو آنے والی نسلوں کیلئے مینارہ نور وہدایت ثابت ہوں گی- تجزیہ نگاروں کو اس بات کا تجزیہ کرنا چاہئے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے بعد اسلام کے بہی خواہ کیوں سوگوار ہیں؟ کیا علما، صلحا، عابد وزاہد، مدرسین ومشائخ، دنیا میں، یا پاکستان میں نہیں ہیں؟ یا ان کی رہنمائی کیلئے تمام گوشے یکسر خالی ہو گئے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں! انہیں غم اور فکر اس بات کی ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ان کیلئے ایک مجاہدانہ کردار تھا جو ختم ہو گیا، جو انہیں باطل کی ریشہ دوانیوں کے خلاف سینہ سپر رکھتا تھا، وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، جن کے وجود سے، جن کی ہیبت سے باطل کے ایوانوں میں دراڑیں پڑتی تھیں وہ نہ رہا، اب انہیں اس محاذ پر کون رہنمائی دے گا؟ جہاد کیلئے کون جذبوں کو پروان چڑھائے گا؟ کون بڑا ہو کر دین کیلئے چھوٹے کے ہاتھ پر بیعت کرے گا؟ کون قادیانیوں کا پوری دنیا میں تعاقب کرے گا؟ کون منکرین حدیث کے ریت کے

گھروندوں کو برباد کرے گا؟ کون اصحاب رسول ﷺ، ازواج مطہراتؓ، اور اہل بیتؓ کے دشمنوں کو دلیل اور برہان سے صحابہؓ کے قدموں میں جھکائے گا؟ کون اپنے اسلاف کی قربانیوں کے نقشے دکھائے گا؟ یہی کردار تھا، یہی کام تھا، یہی رہنمائی تھی جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے شاگردوں، پیروکاروں، مریدوں اور نیاز مندوں کو عطا کرتے تھے، اب جب کہ ہر طرف سناٹا ہے، علما، صلحاً، واعظ، لیڈر، خطبا، عزیمت کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے رخصت پر عمل پیرا ہیں، جو اظہار حق اور کلمہ حق کو دیوانے کی بڑ اور حماقت قرار دے رہے ہیں، اس اداس اور گھمبیر ماحول میں مولانا لدھیانوی شہیدؒ کا وجود ایک روشن ستارہ تھا جو نہ رہا- دکھ صرف اس بات کا نہیں کہ ایک عالم، ایک فقیہہ، ایک عابد شب زندہ دار نہ رہا، بلکہ غم اس بات کا ہے کہ اب اہل حق کا کوئی حدی خواں نہ رہا جو اپنی آواز سے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک دے گا، جو دیوانوں کو جذبہ جہاد سے سرشار کر کے قرون اولیٰ کی فضاؤں کو خوشبو سے مالامال کر دے گا-

آیئے ہم مل کر عہد کریں کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے حق کیلئے جئیں گے اور حق کیلئے مریں گے اور حق کی سربلندی کیلئے جدوجہد جاری رکھیں گے-اس سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی روح کو سکون ملے گا، یہی ان کا راستہ ہے اور یہی ان کا مشن ہے-

............☆............

......ایک موقع پر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے شکایت کی کہ میری اولاد نے مجھے بھلادیا، وہ دوسروں کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن میرا تذکرہ نہیں کرتے، اور آپ نے بھی یہ تذکرہ کم ہی سنا ہوگا۔ اسی لئے میں نے آج اپنے جد امجد کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ جب بھی کسی نبی کا نام لو تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک، ان نبیوں میں سے کسی نبی کا بھی نام لو، تو ان نبیوں کے ناموں کے ساتھ یہ کہو...... (علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام) ہمارے نبی ﷺ پر اور ان پر سلام ہو۔ اور اگر ہمارے نبی اکرم ﷺ کا نام لیا جائے تو پھر تو علیٰ نبینا کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، پھر تو اپنے نبی کا نام ہی ذکر کیا جا رہا ہوگا۔ کبھی کسی نبی کا نام بغیر علیہ السلام کے نہ لو۔ اور کبھی کسی نبی کا نام لو...... تو اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو نہ بھولو۔ ”علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام“ کہو۔ ہمارے نبی ﷺ پر اور ان پر سلام ہو۔......



حرمین شریفین کی یادیں

مولانا قاری محمد طاہرؒ مدینہ منورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلکِ دیوبند کے وہ اکابر علماً حقانی جو دماغ اور دل دونوں کے جامع ہیں، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ ان میں سے باغ وبہار شخصیت کے حامل ایک ممتاز عالم حقانی تھے، بلکہ حضرت موصوف فِرَقِ ضالہ اور مذاہبِ باطنہ کے مقابلہ میں ڈٹ جانے اور سینہ سپر ہو جانے کی شان کے حامل تھے، نہ صرف یہ بلکہ اس سے بھی آگے آپ ایک ایسی صفت سے متصف تھے جو آج کی دنیا میں بہت کمیاب ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ کا مخالف موقف جتنا بھی زیادہ اشتعال انگیز اور سنگین ہوتا، اس کی تردید وتغلیط میں حضرت موصوف اتنا ہی سنجیدہ اور متین لہجہ اختیار فرماتے، پورے تحمل ووقار کے ساتھ انتہائی مدلل، شستہ اور شگفتہ انداز میں اپنا نقطہ نظر بیان فرماتے، تشدد وعصبیت کے راستے سے نہیں بلکہ صرف اور صرف قوتِ استدلال کی انتہائی گرمجوشی کے ساتھ آپ ہمیشہ حق بات کی طرف دعوت دیتے، ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور فرقہ وارانہ عصبیت سے کوسوں دور آپ صلح وآشتی، امن واخوت کے پیکر اور انتہائی مرنجان ومرنج شخصیت کے مالک تھے، حضرت اقدس مغفور ومرحوم کے چہرۂ اقدس پر مسکنت وتواضع، فنائیت وملاطفت اور معصومیت کا ایک خاص نور صاف جھلکتا اور برستا ہوا محسوس ہوتا تھا، مگر دہشت گردی کے عفریت کی شرمناک درندگی نے ١٣ر صفر ١٤٢١ھ کو اتنی پیاری، مثالی اور

محبوب ترین قیمتی شخصیت کو بھی ہم سے چھین لیا، اور حضرت اقدس کو بربریت کا نشانہ بنا کر انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا گیا- اناللہ وانا الیہ راجعون- اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور پوری قوم وملت کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل کے ساتھ ساتھ حضرت شہید کے مشن کی آبیاری کی توفیق سے سرفراز فرمائیں- آمین

حضرت اقدس کی فنائیت وتواضع اور چھوٹوں کی عزت وحوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حرمین شریفین کی حاضری کے موقع پر مدینہ منورہ تشریف لاتے، انتہائی شفقت فرماتے ہوئے ناچیز کے پاس بذات خود صفِ اول میں تشریف لاکر ہر بار احقر کو معزز ومفتخر فرماتے اور جب ناچیز یہ عرض کرتا کہ بحمد اللہ مواجہہ شریف پر بوقت حاضری یہ ناچیز باقاعدگی سے آنجناب کا سلام عرض کرتا ہے تو حضرت کا نورانی چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا اور یوں محسوس ہوتا جیسے اس وقت حضرت کو دنیا بھر سے قیمتی کوئی دولت ہاتھ آگئی ہے، اور پھر خوب خوب دعاؤں سے نوازتے-

وفات سے ڈیڑھ سال قبل ایک مرتبہ صف اول میں آپ تشریف فرما تھے، میں حاضر ہوا اور دورانِ گفتگو احقر نے علم قرآات پر تمنا عمادی کے اعتراضات وشبہات کے دفاع کی بابت اپنی تازہ تالیف "دفاع قرآآت" کے چند سرسری مضامین گوش گزار کرتے ہوئے عرض کیا کہ تمنا عمادی نے بقول جوزجانی حضرت امام حمزہ (قاری ششم) کے استاذ قرات حضرت اعمش کو شیعہ اور رافضی قرار دیا ہے، احقر نے عرض کیا کہ رفض صرف بہ معنی ولایت علیؓ کے ہے، اس کے علاوہ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کے جواب میں لسان المیزان سے حافظ ابن حجرؒ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ "اہل کوفہ کی بابت شامی جوزجانی جیسے متعصب خارجی کی، اور اہل شام کی بابت ابن خراش جیسے غالی شیعہ کی جرح قطعاً ناقابل اعتبار ہے"- حضرت اقدس نے اس پر بے حد خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے استفسار فرمایا کہ آپ کی یہ کتاب کب منظر عام پر آرہی ہے؟

سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے احقر نے عرض کیا کہ تمنا عمادی نے جہاں حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے امام حمزہ کی قرأت پر کئی حضرات محدثین وائمہ کی جرحیں نقل کی ہیں، وہاں صرف امام سفیان ثوریؒ کی تعدیل بھی نقل کی ہے، مگر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "ابن حجر تک قراۃ حمزہ کی صفائی وتوثیق کی بابت سفیان ثوریؒ کی گواہی کن راویوں کے ذریعہ پہنچی؟ ابن حجرؒ کو

سفیان ثوریؒ تک اپنا سلسلۂ اسناد لکھنا چاہئے تھا“-احقر نے تحقیقی جوابات کے علاوہ اس کا یہ الزامی جواب بھی دیا ہے کہ امام حمزہ کے متعلق اقوالِ جرح نقل کرتے ہوئے تو آپ کو یہ سلسلۂ اسناد یاد نہ آیا بلکہ یہ اقوالِ جرح تو بے دھڑک آپ نے ابن حجرؒ سے تسلیم کرلیے، مگر جب سفیان ثوریؒ کی تعدیل و توثیق حمزہ کا مرحلہ آیا تو آپ کو فوراً سلسلۂ اسناد یاد آگیا، یہ متضاد پالیسی نا قابل فہم ہے-

کتاب کا تعارف کراتے ہوئے احقر نے مزید عرضِ خدمت کیا کہ تمنا عمادی نے ”حدیث سبعۃ احرف“ کو موضوع کوفی بتایا ہے، تواترِ حدیث کے علاوہ احقر نے اس کا یہ الزامی جواب بھی دیا ہے کہ کوفے کی جس میٹنگ میں سبعۃ احرف والی وضعی حدیث بنی آپ کو اپنی متصل سند اُسی میٹنگ تک لکھنی چاہئے تھی، جب کہ آپ اوروں سے ہر ہر بات کی سند کا، حتی کہ ابن حجرؒ جیسے حافظ الدنیا سے بھی ان کی نقل کردہ بات کی سند کا مطالبہ کرتے ہیں-

نیز تمنا عمادی لکھتا ہے کہ ”قرات صرف موالیٔ اعجام کی تحریک کی گھڑت ہیں اور ایک ہزار برس کے بعد تمنا عمادی کو فتنہ موالیٔ اعجام کا پردہ چاک کرنے کی توفیق ملی ہے، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! خود یہ تمنا عمادی تو آزاد عرب میں سے ہوگا؟

احقر نے عرض کیا کہ حضرت! ”دفاع قرأت میں نے اس غرض سے تالیف کی ہے کہ آخرت میں حضرات قرأسبعہ کی سفارش کا شرف حاصل ہو جائے، حضرت اقدس شہید قدس سرہ نے اس پر احقر کا ہاتھ پکڑ کر اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ بس! قاری صاحب! آخرت میں میری سفارش تو آپ ہی کردینا! فیا سبحان اللہ! کیا مقام تھا آپ کی عاجزی، فنائیت اور فکرِ آخرت کا کہ ایک ناکارہ خورد سے بھی اخروی سفارش کی امید وابستہ فرمائے ہوئے تھے-

تمنا عمادی پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ اس شخص نے بہت سے حضرات کے نفسِ وجود کا بھی انکار کردیا ہے، مثلاً حضرت نواس بن سمعان صحابی رسول رضی اللہ عنہ، جن سے حجیت حدیث والی حدیث منقول ہے، یہ شخص ان کا سرے سے کوئی وجود ہی تسلیم نہیں کرتا، راقم نے عرض کیا کہ اسی طرح اس شخص نے اپنی کتاب میں امام عاصم کے تابعی اُستاد حضرت زر بن حبیش اور ان کے تابعی رفیق حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ کی شخصیات کا بھی سرے سے انکار کیا ہے-

رمضان المبارک میں مدینہ منورہ کی آخری حاضری کے موقع پر احقر نے عرض کیا کہ

مَیں آنجناب کی کوئی خدمت بجا نہ لاسکا، فرمایا: آپ نے اپنی تالیف ''فضائل حفاظ القرآن'' کا تحفہ پیش کیا ہے اس سے بڑی کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

اس واقعہ سے قرآن پاک کے ساتھ حضرت اقدس کے خصوصی تعلقِ خاطر اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی و قدر دانی اور ان کی تشجیع و تحسین کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ماہ رمضان المبارک میں احقر کے پاس مسجدِ نبوی شریف کی صفِ اول میں تشریف فرما تھے، نماز تہجد کے متعلق سلسلۂ گفتگو چل نکلا، چونکہ حضرت اقدس نے اپنے کریمانہ اخلاق اور انتہائی شفقت و محبت سے ناچیز کو بہت بے تکلف بنایا ہوا تھا، اس لئے بے باکی سے ناچیز آپ کے سامنے لب کشائی کر لیا کرتا تھا، اور حضرت بھی اس بے تکلف گفتگو سے خوب محظوظ و مسرور ہوا کرتے، احقر نے بسلسلۂ فضائل تہجد کچھ باتیں عرض کیں، ان باتوں پر حضرت اقدس ''سبحان اللہ! سبحان اللہ!'' فرماتے رہے، ان میں سے بطور نمونہ چند باتیں یہ ہیں:

۱:.... جو شخص نماز تہجد کا عادی ہو جائے اور کبھی اس کی آنکھ نہ کھل سکے تو خود نماز تہجد ہی اس کی نصرت و اعانت کرنے کے لئے آجاتی ہے، چنانچہ ابو اسید کا بیان ہے کہ ایک رات میں صبح صادق کے قریب تک اپنے مقررہ ورد سے غافل سویا رہا، صبح صادق ہونے لگی، تو میں نے انا للہ پڑھی، اس رات کو نماز تہجد میں میری سورہ بقرہ پڑھنے کی باری تھی، صبح صادق کے قریب میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک گائے مجھے جگانے کے لئے اپنے سینگوں سے مجھے مار رہی ہے۔ بقرہ بہ معنی گائے ہے۔

۲:.... حضرت ابو الزناد تابعی جو مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، بیان فرماتے ہیں کہ جب میں سحری کے وقت گھر سے مسجد نبوی شریف جانے کے لئے نکلتا تو مدینہ منورہ کے جس گھر سے بھی میرا گزر ہوتا اس سے قاریٔ قرآن کی تلاوت کی آواز سنائی دے رہی ہوتی۔

۳:.... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص رات کو اٹھ کر مسواک کرے اور پھر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور بغور اس کی تلاوت سننے لگتا ہے پھر وہ فرشتہ اس قاری کے قریب ہو جاتا ہے اور اپنا مبارک منہ اس قاری کے منہ مبارک پر رکھ دیتا ہے تو جو لفظ بھی اس قاری کے منہ سے نکلتا ہے فرشتے کے باطن میں داخل ہو جاتا ہے لہذا قرآن کے لئے اپنے مونہوں کو

صاف ستھرا رکھا کرو۔

۴ :.... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث منقول ہے کہ جو رات کو بیدار ہو کر چوتھا اور تیسرا کلمہ پڑھنے کے بعد یوں کہے "اللّٰھم اغفرلی" یا کوئی اور دعا کرے تو اس کی وہ دعا قبول ہو گی، پھر اگر وہ وضو کر کے نماز تہجد بھی پڑھ لے تو وہ نماز تہجد بھی مقبول ہو گی۔

۵ :.... حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مومن کا شرف، قیام اللیل ہے اور اس کی عزت لوگوں سے بے نیازی ہے۔

۶ :.... ابو زید عجلی کا قول ہے کہ اگر یہ تین چیزیں نہ ہوتیں: روزے میں دوپہر کی گرمی کی پیاس، سردی کی رات کی درازی، تہجد میں تلاوتِ قرآن کی لذت، تو مجھے انسان ہونے کی خوشی ہی نہ ہوتی۔

۷ :.... ابن المنکدر تابعیؒ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں صرف تین لذتیں ہیں: ایک نماز تہجد، دوسری دوستوں کی ملاقات، تیسری نماز باجماعت۔

۸ :.... ابو سلیمان دارانی کا فرمان ہے کہ جو لذت شب بیداروں کو شب بیداری میں نصیب ہوتی ہے اس کے مقابلے میں لہو ولعب والے لوگوں کی لذت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، اور اگر شب بیداری کا لطف نہ ہوتا تو میں دنیا میں رہنے ہی کو پسند نہ کرتا۔

۹ :.... سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ مجھے صرف ایک گناہ کی شامت کی وجہ سے پانچ مہینے تک نماز تہجد کی توفیق میسر نہ آئی۔

۱۰ :.... بعض صلحاؒ کا ارشاد ہے کہ اگر جنت والے اس جیسے لطف اور مزے میں ہوں گے جو ہمیں رات کو نماز تہجد میں نصیب ہوتا ہے تب تو واقعی وہ مزیدار عیش میں ہوں گے۔

کافی دیر تک اسی نوع کی باتیں یہ ناچیز فضائل تہجد کی بابت حضرت اقدس کے سامنے بیان کرتا رہا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اظہار مسرت کے ذریعہ بے حد حوصلہ افزائی فرماتے رہے، اب میں سوچتا ہوں کہ ایسی قیمتی باتوں کے حقیقی قدردان روزبروز کمیاب ہوتے جارہے ہیں، اللہ رب العزت ہر مسلمان بالخصوص حفاظ کرام کو باقاعدگی سے نماز تہجد کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین۔

مجھے تو بالخصوص قدم قدم پر جو خصوصی وصف حضرت اقدس کا یاد آتا ہے وہ آپ کی فنائیت، تواضع اور منکسر المزاجی ہے، اس کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، احقر نے جب سے مدینہ پاک کی ہجرت اختیار کی ہے، مدینہ منورہ میں قیام پذیر مختلف ممالک کے حفاظ و قرأ، روایت حفص یا دیگر روایات و قرأت کے مطابق قرآن پاک سنا کر بالخصوص سند متصل بالحضرۃ النبویہ علیہ ﷺ کا مجھ سے مطالبہ کرتے تھے، ان حضرات کے اصرار پر ناچیز نے بروایت حفص عربی میں ایک سند مرتب کر کے طبع کرائی ہوئی ہے، ایک موقع پر احقر نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میں آنجناب کے صاحبزادے کو ایک سند ساتھ دیدیتا ہوں، اس پر بلحاظ عربیت آپ بعد میں نظر فرما کر اصلاح فرمادیں، ارشاد فرمایا کہ ایسے نہیں بلکہ یہ سند میرے نام پُر کر کے دیدیں، ناچیز نے حصول ادعیہ و رضا قلبی کا ذریعہ اپنے لئے باعث اعزاز تصور کرتے ہوئے حسب ارشاد اعزازی سند پر کر کے پیش خدمت کر دی۔

حضرت اقدس شہید اسلام رحمہ اللہ کی مزید ایک خصوصیت بطور خاص یہ نظر آئی کہ قرآن مجید کی تلاوت و سماعت اور اس کے علوم مخصوصہ: تجوید و قرأت سے بھی آپ کو عشق کے درجہ میں بہت والہانہ اور گہرا دلی ربط و علاقہ حاصل تھا، اس کی مثال میں بطور نمونہ صرف حسب ذیل چھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

۱:.... ایک بار رمضان المبارک میں نماز تراویح کے بعد احقر مسجد نبوی شریف میں نوافل کے بعد برفع الصوت ۲۴واں پارہ تلاوت کر رہا تھا، حضرت اقدس نے اپنے ایک مسترشد سمیت اقتدا کی، ناچیز نے دوگانے میں صرف یہی ایک پارہ تلاوت کیا، سلام پھیرنے کے بعد ناچیز کے ایک عربی مقتدی نے کہا کہ آج آپ نے دوگانے میں خلاف معمول کم مقدار میں تلاوت کی ہے، اس پر حضرت اقدس نے اپنے ان ساتھی سے فرمایا کہ چلو بھائی قاری صاحب کے مقتدی تو اس کو کم محسوس کرتے ہیں اور ہم زیادہ کا تحمل نہیں کر سکتے، بس اتنا ہی کافی ہے، واضح رہے کہ اس وقت حضرت علیل تھے جس کے مد نظر اتنی مقدار بھی بہت زیادہ تھی، مگر قرآنی عشق کے نتیجے میں حضرت والا نے اس کو قطعاً محسوس نہ فرمایا۔

۲:.... اخیر عمر کے چند رمضانوں میں حضرت اقدس نماز تراویح بطور خاص طویل القرأت قرأ کرام کی اقتدا میں ادا کرتے رہے، حضرت قاری عبد اللہ صاحب، خلف الرشید

حضرت اقدس شیخنا ووالدنا مجدد القرائت قاری رحیم بخش صاحب قدس سرہ، کئی سال تک غالباً دس پارے یومیہ حضرت کو تراویح میں سناتے رہے، شنید ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب مدظلہ حضرت اقدس کو اسی طرز پر نماز تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے ہیں۔

۳ :.... سلسلہ پانی پت کے شیخین حضرت اقدس امام الوقت حضرت اقدس مولانا المقری القاری فتح محمد صاحب (۱۳۲۲ھ-۱۴۰۷ھ) اور مجدد المقرائت حضرت اقدس مولانا المقری القاری رحیم بخش صاحب (۱۳۴۱ھ- ۱۴۰۲ھ) سے حضرت والا کو والہانہ عقیدت ومحبت تھی، اور پھر مدۃ العمر پورے سلسلہ پانی پت پر بھی برابر آپ کی خصوصی عنایتیں اور شفقتیں مبذول ومنعطف رہیں۔

۴ :.... آخری ملاقات میں ناچیز سے ارشاد فرمایا کہ قاری صاحب! مجھے حدیثیں تو یاد رہتی ہیں مگر قرآن پاک بھولتا جارہا ہے، صرف امام کو لقمہ تو دے لیتا ہوں مگر ویسے یاد نہیں، اس کا کیا علاج ہے؟ احقر نے عرض کیا حضرت! لقمہ دینا تو زیادہ یاد ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب تک سامع کو قاری سے زیادہ یاد نہ ہو اسکو لقمہ دے نہیں سکتا۔ ویسے حسب ارشاد قرآن کریم کی مزید پختگی کا طریقہ کار حضرات اساتذہ کرام کی تعلیمات کی روشنی میں اذاتکرر تقرر کا ہے۔ کہ حسب فرصت واستطاعت روزانہ کیلئے کچھ مقدار مقرر کرلی جائے اس کو سورۂ فاتحہ کے معیار کے مطابق یاد کر کے کسی کو سنادیا جائے اور پھر جہاں جہاں غلطی آئے ان مقامات کو اگلے پچھلے دودو تین تین کلمات شامل کر کے بیس بیس یا تیس تیس مرتبہ اس طرح دہرالیا جائے کہ پھر مدۃ العمر دوبارہ ان غلطیوں کے صدور کا قطعاً احتمال وامکان نہ رہے۔

۵ :.......... ایک مرتبہ ناچیز سے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب! غنہ اور اخفاء میں کیا فرق ہے؟ ناچیز نے عرض کیا کہ غنہ تو خیشوم کا ایک عام عمل ہے جو صرف ناک میں آواز لے جاکر ایک الف کے برابر اس کے بڑھانے کا نام ہے، لیکن اخفاء اصل مخرج کے ایک خاص عمل سے عبارت ہے کہ نون کی ادائیگی میں اصل مخرج کنارۂ زبان اور تالو زبان کے دخل کو کمزور کر کے اسکی ادائیگی کا زیادہ تر تعلق خیشوم (ناک کے بانسے) سے کردیا جائے۔ اس خاص عمل کے بعد اسی نہج پر نون کی ادائیگی کو برقرار رکھتے ہوئے ایک الف کے برابر آگے آواز کو مزید

بڑھانا یہ غنہ ہے۔(اسی طرح میم کے اخفا کے معنی ہیں کہ میم کی ادائیگی میں اصل مخرج شفتین میں ہونٹوں کے دخل کو قدرے کمزور کر کے اسکی ادائیگی کا تعلق خیشوم سے کر دیا جائے پھر اسی خاص نہج پر میم کی ادائیگی کو برقرار رکھتے ہوئے ایک الف کے بقدر آگے آواز کو بڑھانا، یہ غنہ ہے) حضرت کے صاحبزادے عزیز حافظ محمد یحییٰ جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے ان سے ارشاد فرمایا کہ سن لو! یہ بات خوب یاد رکھنے کے قابل ہے۔اس واقعہ سے حضرت کے تجویدی ذوق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۶ :............ آخری ملاقات میں فرمایا کہ عزیز حافظ محمد یحییٰ کو بھی تبرکاً اعزازی سند دیدی جائے۔ناچیز نے یہ خیال کر کے کہ حضرت کے فرمان میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ہے، نیز سلسلۂ سند میں محض شمولیت بھی برکات سلسلہ کے حصول کا ایک قوی ذریعہ وباعث ہے، تعمیل ارشاد میں عزیز سلمہ کو بھی سند واجازت دیدی۔

ایک دفعہ مدینہ شریف کی حاضری کے موقع پر احقر سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتیں قلب میں ڈالی ہیں جو میں آپ کو بتاتا ہوں، ایک یہ کہ صحابہ کرامؓ کو تو روافض نے مطعون قرار دیدیا، ائمہ کرام کا غیر مقلدین نے صفایا کر دیا، مگر احادیث پر منکرین حدیث نے ہاتھ صاف کر دیا۔اب دین اسلام میں دم خم ہی کیا باقی رہ گیا جس کے بل بوتے پر ہم یہود و نصاریٰ کو یہ کہہ سکیں کہ ہمارا دین اسلام قطعاً محفوظ و سالم و غیر محرف ہے اور تمہاری یہوذیت و نصرانیت یکسر محرف ہو کر رہ گئی ہے۔دوسری یہ کہ جن ائمہ ورجال حدیث نے سلسلہ بسلسلہ نقل کر کے ہم تک حدیث پہنچائی ہے انہوں نے ہی قرآن بھی تو نقل فرمایا ہے جو ہمارے پاس موجود ہے، اور جو سلسلہ بسلسلہ نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔اگر ان حضرات نے۔ معاذاللہ۔احادیث غلط پہنچائی ہیں تو قرآن کریم کے بارے میں بھی کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ کہ انہوں نے قرآن کریم ہم تک صحیح اور درست طریقے سے پہنچایا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی سند متواتر تو مستقلاً موجود ہے لہذا اسکی محفوظیت میں کوئی شک نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ حقاً قرآن کریم تو قطعاً محفوظ ہے مگر قرآن کریم کی اس متواتر سند میں جو قرا کرامؒ آرہے ہیں، وہ ان محدثین کی نقل کردہ احادیث کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں جو آپ لوگوں کے گمان کے مطابق معاذاللہ غلط ہیں تو جو لوگ (تمہارے زعم کے مطابق) ایک غلط چیز (حدیث) کو صحیح

اور درست تسلیم کرتے ہیں وہ دوسری صحیح نقل کردہ چیز (قرآن) کے بارے میں بھی غلطی کے مرتکب ہوسکتے ہیں، تو اب قرآنی سند کی صحت کی بھی کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے ؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح قرآن کریم سلسلہ بسلسلہ محفوظ چلا آتا ہے بعینہ اسی طرح حدیث شریف بھی سلسلہ بسلسلہ نقل ہوتے ہوئے قطعاً محفوظ وسالم طریقے سے ہم تک پہنچی ہے سبحان اللہ! کیسے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم الحروف نے عرض کیا حضرت! یہاں سعودیہ میں غیر مقلدین بالخصوص جامعہ کے طلبا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں کافی کچھ نازیبا کلمات کہتے ہیں اور امام صاحب کی بدگوئی کرتے ہیں۔ فرمایا جس طرح اللہ پاک نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے رفع درجات وازدیاد حسنات کیلئے شیعوں کو انکی بدگوئی اور ان پر سب و شتم کیلئے مقرر فرمایا ہوا ہے (جس میں خود شیعوں کے اپنے کرتوتوں ہی کا دخل ہے) اس طرح غیر مقلدین کو (انکے اعمال فاضحہ کی شامت کی وجہ سے) امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بلندی مراتب وزیادتی حسنات کیلئے ان پر مسلط فرمایا ہوا ہے۔ حضرت کی اس بات کا وزن اس وقت میری نظر میں بہت بڑھ گیا جبکہ میں نے بعینہ یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات عالیہ میں دیکھی، وہ آپ حضرات بھی ملاحظہ فرمایئے!

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا گیا کہ کئی لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بھی بدگوئی کرتے ہیں فرمایا تمہیں اس سے تعجب ہورہا ہے ؟ درحقیقت بات یہ ہے کہ ان حضرات کے عمل کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ ان حضرات کا اجر منقطع نہ فرمائیں (اسی لئے انکی بدگوئی کا سلسلہ جاری ہے تاکہ بدگوئی کرنے والوں کی نیکیاں ان حضرات کو ملتی رہیں۔ اگر ان بدگوئی کرنے والوں کی نیکیاں نہیں ہیں تو تاقیامت برابر ان حضرات کو درجات و مراتب کی رفعت وبلندی حاصل ہوتی رہے)۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر

سب وشتم کرتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے ظاہری عمل کے انقطاع کے باوصف اس ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اجر وثواب میں بدستور اضافہ فرمارہے ہیں۔ یہ دونوں روایات علامہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ کی کتاب تبیین کذب المفتری علی ابی الحسن الاشعری کے ص ۴۲۳ / ۴۲۴ پر موجود ہیں۔

ایک دفعہ کینیڈا کے ایک شخص نے غیر مقلدین کی جانب سے اپنے یہاں ”استوا علی العرش،، کی چلائی ہوئی بحث کا تذکرہ کیا کہ حق تعالیٰ شانہ، عرش پر مستوی ہیں ہر جگہ اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنے علم کے لحاظ سے موجود ہیں، اس پر حضرت شہیدؒ نے کافی ارشادات بیان فرمائے۔ مثلاً یہ کہ کما یلیق بشانہ، اللہ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اور قرآن کریم میں ارشاد ہے ”ونحن اقرب الیه من حبل الورید“ کہ ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

اسی سلسلۂ گفتگو میں ناچیز نے عرض کیا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی کرسی کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ سب آسمانوں اور زمینوں پر محیط، واسع اور حاوی ہے۔ جیسا کہ آیت الکرسی میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وسع کرسیه السمٰوت والارض کہ اسکی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے۔ اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جتنا صحرائے اعظم بمقابلہ اس چھوٹے سے چھلے کے جو اس صحرا میں پڑا ہو، تو اس لحاظ سے عرش پر استوا بطریق اولیٰ جملہ سماوات وارضین کو شامل وواسع ہوگا۔ پھر اگر بقول غیر مقلدین، اللہ تعالیٰ صرف اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہیں تو کیا اپنے ارادے کے اعتبار سے ہر جگہ موجود نہیں ؟ اپنی قدرت کے لحاظ سے موجود نہیں ؟ اپنے سمع اور اپنی بصر کے اعتبار سے موجود نہیں ؟ یقیناً موجود ہیں۔ جب تمام صفات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہیں تو اس کے بعد اپنی ذات کے لحاظ سے موجود نہ ہونے کے کیا معنی باقی رہ گئے ؟

ایک مرتبہ احقر کی فرمائش پر بہ معیت حضرت مفتی محمد جمیل خان صاحب مدظلہ حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے ناچیز کے ایک سعودی تلمیذ کی گاڑی پر مکہ معظمہ کا سفر فرمایا۔ گاڑی کچھ زیادہ اونچے درجے کی نہ تھی بار بار قدرے خرابی کی وجہ سے آواز سی نکلتی۔ تو مزاحاً فرمایا قاری صاحب کی تو گاڑی بھی تسبیح وذکر کرتی ہے۔ احقر یہ عرض کرتے

کرتے ادبار ک گیا کہ اس وقت تسبیح وذکر کی امام الوقت شخصیت تو آنجناب کی ہے۔اس سفر کے دوران ناچیز نے عرض کیا حضرت! لبیک کا معنی میں یوں کرتا ہوں : ”اے اللہ! میں آپ کی دعوت وپکار پر آپ کے معظم گھر پر آپ کی جناب عالی سے مانگنے کیلئے اپنی جھولی پھیلائے ہوئے حاضر ہو گیا ہوں، فرمایا عاشقانہ انداز سے یہ معنی خوب ہیں۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ قاری صاحب! اس دفعہ تو احقر ”بیس مردان حق“ کیلئے استاذ العلماً حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی تحریر کر کے دے کر آیا ہے۔ان حالات میں ایک خاص واقعہ یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مولاناؒ بورے والا میں حاجی محمد شریف صاحب ملتانی کے بعض اعزہ کے ہاں مہمان تھے ،روانگی سے قبل آپ کے ایک عقید تمند کا شدت سے اصرار ہوا کہ ناشتہ میرے غریب خانے پر کیا جائے۔ حضرت والا نظام سفر بنا چکے تھے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہ ہوئے، بالآخر اس کے اصرار پر فرمایا کہ آپ تھوڑی سی کوئی چیز لاری اڈے پر بھجوادیں میں کھالوں گا، وہ صاحب خوشی خوشی گھر سے کچھ حلوہ بنوالائے، حضرت والا نے ایک جگہ بیٹھ کر تناول فرمایا اور برتن واپس کر دیئے۔ حضرت کا خادم ہمراہ تھا، وہ اس خلاف معمول عمل پر حیران تھا کہ حضرت نے آج مجھے پوچھا تک نہیں۔اتنے میں روانگی کا وقت ہو گیا، حضرت والا عازم سفر ہو گئے۔ میزبان گھر پہنچے ،باقی ماندہ حلوہ چکھا تو افسوس و ندامت میں ڈوب گئے کہ وہ سخت کھاری اور کڑوا تھا، ہوا یہ کہ خاتون خانہ نے غلطی سے پسی ہوئی چینی کی بجائے نمک ڈال دیا تھا۔ عجلت میں کسی نے چکھا نہیں اور پلیٹ حضرت والا تک پہنچ گئی۔ حضرت پہلے لقمے پر ہی کمال فراست سے اصل حقیقت سمجھ گئے اور صاحب خانہ کو شرمندگی سے بچانے کی خاطر کھاری بلکہ کڑوا حلوہ خود ہی ختم فرمادیا۔

(بیس مردان حق ۲/۳۱۔۳۲)

اس واقعہ سے خیر العلماً حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خیر الاوصاف والاخلاق اور آپکی بلند ظرفی و چشم پوشی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آخری ایام حیات میں حضرت اقدس شہید اسلام رحمتہ اللہ علیہ نے متعدد کتب روضہ اقدس پر پیش فرما کر ازراہ شفقت احقر کو عنایت فرمائیں۔بطور نمونہ صرف دو کتب کا یہاں ذکر کرتا ہوں :

۱: .... انفرادی واجتماعی زندگی کے بارے میں
آنحضرت ﷺ کے فرمودات:
۲: .... حضرت مدظلہ (آہ! رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم سے مواجہ شریف پر پیش کر کے حضرت قاری صاحب کی خدمت پیش کی گئی۔ محمد جمیل خان ۸ رمضان ۲۰ھ
۳: .... معارف ترمذی: از حضرت کامل پوری رحمتہ اللہ علیہ
بہار گاہ رسالت مآب ﷺ روضۂ اقدس جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ زادہا اللہ تعالیٰ شرفا رحمتاً وعظمتاً و کرامتاً
ھدیہ از مولف:
سعید الرحمان ۲۶/فروری ۲۰۰۰ء
حضرت قاری طاہر صاحب کی خدمت اقدس میں....
محمد جمیل خان ۲۲/ذی الحجہ ۲۰ھ

(یعنی شہادت مبارکہ سے صرف ڈیڑھ ماہ قبل حضرت اقدسؒ کی جانب سے یہ مثالی کتاب ناچیز کو ہدیۃً وصول ہوئی۔ رحمت اللہ رحمتہ وواسعتہ)

حضرت اقدس شہیدؒ نے احقر پر جو بے پایاں عنایات فرمائی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے راقم کو اپنے سلسلہ میں داخل فرما کر اجازت وخلافت سے نوازا، اس موقع پر حضرت نے جو تحریر عنایت فرمائی وہ تبرکاً درج ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

الحمد اللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی امابعد!

برادر مکرم و محترم الشیخ العالم القاری المقری جناب مولانا محمد طاہر رحیمی زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ بے ساختہ جی میں آیا کہ آپ کو اجازت وخلافت اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ کی جانب سے دیدوں۔

امید ہے کہ آپ اپنے ان اکابر کے سلسلہ کو جاری فرمائیں گے اور یہ ہم دونوں کیلئے صدقہ جاریہ ہوگا اور ان اکابر کے ساتھ وابستگی کا ذریعہ ہوگا۔ یہ ناکارہ نااہل ہے اس لیے میں اپنے اکابر کے سلسلہ کو قائم رکھنے کیلئے آنجناب کو اس کیلئے منتخب کرتا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کا نام پوچھنا چاہے تو دریغ نہ فرمائیں اور اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں مشائخ کرام کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھیں۔ والسلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ
۵/۹/۱۴۱۸ھ
مدینہ منورہ،،

............☆............

......۱۹۷۰ء کے انتخابات میں، جو یحییٰ خان نے کروائے تھے، بھٹو صاحب میدان میں تھے، ہماری جمعیت علمائے اسلام نے بہت آدمی کھڑے کر دیئے اور چن چن کر بزرگ کھڑے کر دیئے، خدا کا غضب حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم (سجادہ نشین کندیاں شریف) کو کھڑا کر دیا گیا، ابھی گوجرانوالہ سے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر تشریف لائے تھے، وہ قصہ سنا رہے تھے کہ مولانا عبدالواحد صاحب کو کھڑا کر دیا گیا اور یہ (شیخ الحدیث اور دوسرے حضرات) لوگوں کو یہ کہنے کے لئے نکلے کہ بھائی ان کو ووٹ دو۔ اسی طرح ہمارے علاقے میں شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب ہیں، یہاں کبھی کبھی تشریف لاتے ہیں، ان کا بیان بھی یہاں ہوا ہے، ان کو کھڑا کیا گیا تھا، اور یہ فقیر پر تقصیر ان کے لئے کھیتوں میں پھرتا رہا۔ میں کسی کے کام کے لئے کبھی نہیں اٹھ کے گیا، یہ میری کمزوری ہے، لیکن پتہ نہیں وہ کیا آفت آگئی تھی، اس وقت میں نے کہا تھا، جب کہ ابھی الیکشن شروع نہیں ہوا تھا، تمام اکابر اولیاء اللہ، بزرگان دین، خانقاہوں والے، مسجدوں والے، مدرسوں والے اور چوٹی کے بزرگ یہ جو میدان میں آگئے ہیں مجھے خیر نہیں نظر آتی، اس لئے کہ غالباً ایک مرتبہ پھر حق تعالیٰ شانہ قوم پر اتمام حجت کر دینا چاہتے ہیں اور حجت پوری کرنے کے بعد پھر پکڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، مجھے کسی خطرناک عذاب کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا، یعنی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آفت آرہی ہے۔......

خیر المدارس سے افغانستان تک

قاری سعید الرحمن، جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موت التقی حیاة لا انقطاع لها

کم مات قوم وهم فی الناس احیاء

ترجمہ: "تقویٰ پر موت ایسی حیات جاوداں ہے کہ جسے کبھی فنا نہیں، بہت سے لوگوں پر اگرچہ ظاہری طور پر موت واقع ہو چکی ہے مگر وہ لوگوں کے دلوں میں اب بھی زندہ ہیں۔"

جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرمِ نفس، تواضع، حلم، مجسمۂ ورع و تقویٰ، مخزن علم و عمل، پیر وصدق و صفا، سراپائے وقار و تمکنت، خفیف الجسم اور لطیف الروح، کن کن الفاظ سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو یاد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قحط الرجال کے دور میں ان میں بے شمار صفات و فضیلتیں جمع فرمادی تھیں۔

حضرتؒ کے مخلص اور خاص متعلقین میں سے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب کا حکم تھا کہ میں بھی چند سطور حضرتؒ کے بارے میں تحریر کروں، چونکہ دوران تعلیم میں اور حضرتؒ خیر المدارس میں اکٹھے پڑھتے رہے ہیں، اس دور کی یادیں وابستہ ہیں اور جب حضرت سے ملاقات ہوتی اس دور کو یاد کرتے، اور پھر زندگی کے آخری دور میں سفر افغانستان میں مصاحبت رہی، اس لئے ان سطور کا عنوان بھی یہ مناسب سمجھا۔

غالباً ۱۹۴۸ء کا زمانہ تھا کہ میں اپنے والد بزرگوار شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمٰن

صاحب کامل پوریؒ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوریؒ اور استاذ محترم مولانا عبدالجلیل صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں خیر المدارس میں تقریباً چار سال تک زیر تعلیم رہا، خیر المدارس غالباً پاکستان میں بننے والے مدارس میں پہلا مدرسہ تھا، پنجاب کا یہ علاقہ تو دینی مدارس سے بالکل خالی تھا، تقسیم ملک کی وجہ سے مدارس دینیہ اور اسلامی مراکز ہندوستان میں رہ گئے تھے، اور جو طلبہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم ڈابھیل وغیرہ کی طرف رخ کرتے، ان کو علمی تشنگی بجھانے کے لئے پاکستان کے مدارس کا رخ کرنا پڑا، جن میں سرفہرست خیر المدارس تھا، کیا عجیب زمانہ تھا، عبقری شخصیات اس دور میں مسند درس و تدریس پر فائز تھیں، اس دور میں طلبہ کو حصول علم کا جو شوق وذوق تھا وہ آج ناپید ہے، ہمارے استاذ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فرمایا کرتے کہ ایک وقت آئے گا کہ تم اپنے اس وقت کو بعد میں آنے والے وقت کے اعتبار سے خیر القرون پاؤ گے، علم سے لگن، مطالعہ سے رغبت، حفظ و تکرار میں انہماک، فکر و تدبر، اور اساتذہ کے ادب واحترام کا ایک خاص ذوق تھا جو چھوٹے بڑے سب طلبہ میں پایا جاتا، اساتذہ کی شفقت، طلبہ سے بے پناہ لگاؤ اور شاگردوں کی علمی واخلاقی تربیت اس دور کے معلمین کی خاص صفات تھیں۔

خیر المدارس کے اس دور کی فضا عجیب روحانی وعلمی تھی، اس میں جہاں حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص، للّٰہیت، نظم وضبط، اہتمام وانصرام اور آپؒ کی مقناطیسی شخصیت کا دخل تھا، وہاں دیگر اکابر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوریؒ، عارف باللہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ، (مالک کتب خانہ صدیقیہ ملتان) جیسی مغتنم شخصیات اور بابرکت اصحاب علم کا وجود تھا، خیر المدارس کو اس دور میں وہ مرکزیت حاصل تھی جو اس وقت شاید ملک میں کسی اور دینی ادارہ کو حاصل نہ تھی، میں تو کہا کرتا ہوں کہ "خیر المدارس" کی خدمات وسط پنجاب کیلئے خاص طور پر عرصہ دراز تک یاد رکھی جائیں گی، تقسیم ملک کے وقت ان علاقوں میں شرک وبدعت، جہالت، دین سے ناواقفیت، اور اہل حق علماء دیوبند سے تنفر ایک عام چیز تھی، حق کی پہچان ناپید ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے تقسیم ملک کے بعد ان علاقوں کو علم کے نور سے منور کرنے کا تکوینی طور پر ان مدارس اور خصوصی طور پر خیر المدارس سے کام

لیا، اس دور میں خیر المدارس کے اساتذہ جہاں اپنے علمی مقام کے اعتبار سے یکتا تھے وہاں طلبہ بھی علم و عمل اور درس و تدریس سے لگاؤ رکھنے والے تھے، اساتذہ کی قدر و منزلت سے واقف اور محنتی تھے، اس لئے اس دور کے طلبہ نے بعد میں علم و عمل کے میدان میں امتیازی مقام حاصل کئے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ خیر المدارس کے اس دور کے طلبہ میں سے تھے جنہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی و تندہی سے تعلیم حاصل کی، ہر اعتبار سے امتیازی حیثیت کے مالک رہے، میں اور مولانا شہیدؒ ان چند سالوں میں شریک درس رہے، مطالعہ، تکرار اور اسباق میں یکجا رہے، یہ وہ دور تھا کہ طلبہ میں کرکٹ ہاکی وغیرہ کی بیماریاں پیدا نہیں ہوئی تھیں، ہر وقت محنت و لگن، ایک دوسرے سے علم میں مسابقت، اور امتحان میں اعلیٰ معیار پر کامیابی طلبہ کا مشن ہوتا، میرا اور مولانا شہیدؒ کا یہی مسابقانہ مقابلہ آپس میں تعلق اور بے تکلفی کا باعث تھا، اس زمانہ میں اصل امتحانی نمبر ۵۰ ہوتے اور ۵۱-۵۲ خصوصی نمبر شمار ہوتے، اگر ہم دونوں میں سے کوئی کسی ایک کتاب میں امتیازی نمبر حاصل کرتا تو دوسری کتاب میں دوسرا اس پوزیشن پر آنے کے لئے کوشاں رہتا، اس سے باہمی مطالعہ و تکرار اور محنت کا ایک خاص جذبہ نمودار ہوتا، اکثر ان حالات میں ہماری طبیعتوں میں توافق و توارد ہوتا۔

شہادت سے چند ماہ قبل میں نے والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کے افادات ترمذی "معارف ترمذی" کے نام سے مرتب کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا، تو بوساطت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب پیش لفظ لکھنے کا عرض کیا، تو حضرت مولاناؒ نے باوجود شدید مصروفیات کے اپنے "دست مبارک" سے تقریظ تحریر فرمائی، اس میں آپ نے لکھا:

> "میرے مکرم و محترم جناب قاری سعید الرحمٰن میرے رفیق درس رہے ہیں جس سال ان کے والد ماجد رحمہ اللہ خیر المدارس سے ٹنڈوالہ یار گئے وہ خیر المدارس ہی میں رہے اور اسی سال میں نے خیر المدارس میں داخلہ لیا، اس لئے مختصر المعانی کی جماعت میں وہ رفیق درس تھے، وہ بلا کے ذہین اور ذکی تھے، ہم دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ مطالعہ کے دوران جو مقام سمجھ میں نہ

آئے ہم اکٹھے بیٹھ کر اس پر غور کیا کریں، اللہ تعالیٰ کی شان جہاں پر میرا نشان لگا ہوا ہوتا وہیں پر ان کا نشان لگا ہوتا تھا، اور پھر جب ہم اکٹھے بیٹھ کر تکرار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ مقام حل ہو جاتا۔"

شہادت سے چند روز قبل ہم نے اکٹھے افغانستان کا دورہ کیا جس میں راقم اور حضرتؒ کے علاوہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، مولانا نذیر احمد تونسوی صاحب، مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب، قاری عتیق الرحمٰن، قاری محمد ابراہیم وغیرہ حضرات ہمراہ تھے، وفد کے روح رواں مفتی محمد جمیل صاحب تھے، سفر افغانستان سے واپسی کے چار دن بعد حضرتؒ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، دوران طالب علمی کے علاوہ بھی آپ سے قرب رہا۔

رفیقِ درس ہونے کی وجہ سے بڑی بے تکلفی کا سلوک رہا، افغانستان کے سفر میں فرمایا: "وہ واقعہ یاد ہے کہ ایک بار ہم دونوں خیر المدارس میں امتحان دے رہے تھے کہ کسی نے امتحان گاہ میں پرچہ پھینکا اور ہم دونوں نے اس کو ہاتھ بھی نہ لگایا، اور فرمایا کہ میں نے تو اس کو کہا کہ یہ خیانت اور بد دیانتی ہے"۔ سبحان اللہ، جو شخص دوران طالب علمی امانت ودیانت کا خیال رکھتا ہو وہ آنے والے دور میں کس قدر ان امور کا لحاظ رکھنے والا ہوگا؟ آج کے دور کے طلبہ کے لئے کیا بہترین سبق وموعظت ہے، کہ علم کے حصول میں یہ بلند کردار رکھنا چاہئے۔

اس سفر افغانستان میں کئی دن مصاحبت رہی، صبح شام اکٹھے اور بعض اوقات ایک کمرہ میں قیام ہوتا، بسا اوقات پرانی بے تکلفیاں اور یادیں تازہ فرماتے۔

قندھار میں مہمان خانہ میں راقم الحروف حضرت شہیدؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب ایک کمرہ میں مقیم تھے، مولانا شہیدؒ مسلسل ایک کتاب کا مطالعہ فرمارہے تھے، میں نے پوچھا کون سی کتاب ہے جو اس قدر غور سے مطالعہ فرمارہے ہیں، فرمایا علامہ فضل اللہ تورپشتی کی فارسی کتاب "المعتمد فی المعتقد" ہے جو عقائد میں ایک نایاب اور معتمد علیہ کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ کرنا ہے، کتاب میں ایک لفظ کے بارے میں فرمایا کہ اس کو آپ بھی دیکھیں یہ کیا ہے؟ میں نے غور سے دیکھنے کے بعد عرض کیا کہ میرے خیال میں یہ لفظ ایسا ہے اور اسکے معنی غالباً یہ ہیں، فرمانے لگے میرا بھی یہی خیال ہے، فرمانے لگے: میرا اور آپ کا توارد طالب علمی کے دور سے چلا آرہا ہے، یہ کتاب شاید مولاناؒ کی ان کتابوں میں سے آخری

تھی جو آپ کے زیر مطالعہ تھی اور جس کا آپ ترجمہ فرمارہے تھے۔

حضرت شہیدؒ کے ساتھ حج پر بارہا اکٹھے جانے کا موقع ملا، انابت الی اللہ کی خاص کیفیت ہوتی، باوجود ہجوم واژدھام اور مشکلات سفر کے بشاشت چہرہ پر نمایاں رہتی، اس بات کا خاص طور پر ذکر فرماتے کہ اس زمانۂ ضعف میں وہ احکام بھی مرتب ہونے چاہئیں جس سے یسر وسہولت سے ادائیگی حج کا فریضہ انجام دیا جاسکے، میں عرض کرتا کہ حضرت الاستاذ بنوریؒ بھی آخر میں یہی فرماتے کہ اب ضعفاً کیلئے مستحبات وسنن پر عمل کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ مناسک کی کتابوں سے وہ احکام اخذ کئے جائیں جس سے بآسانی حج مکمل ہوجائے۔

ایک بار جناب مولانا مزمل حسین کپاڈیا صاحب کے گھر میں منیٰ سے واپسی پر قیام تھا، ایک خاص دعا باربار آپ کی زبان سے ادا ہوئی، اللھم لک الحمد ولک الشکر۔

سفر افغانستان میں مشاہدہ ہوا، باوجود تھکاوٹ اور ضعف کے سب سے پہلے تہجد کے لئے اٹھتے، اذکار واوراد میں مشغولیت رہتی، معمولات میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

سفر افغانستان میں طبیعت انتہائی ہشاش بشاش رہتی، احباب سے بے تکلفی کی فضا رہتی، قاری محمد ابراہیم جو رشتہ میں میرے بھانجے اور میرے اور حضرتؒ کے استاذ مولانا عبدالجلیل صاحب کے بھتیجے ہیں، اپنی دلچسپ طبیعت اور حضرتؒ سے بے تکلفی کی وجہ سے ان سے اور قاری عتیق الرحمٰن صاحب سے انتہائی محبت کا سلوک فرماتے، قاری محمد ابراہیم صاحب حضرتؒ کو لطائف سناتے جس سے حضرت بے حد محظوظ ہوتے، دوران سفر گاڑی میں ان کو اپنے پاس بٹھاتے، اور فرماتے کچھ سناؤ۔

مولانا مفتی محمد جمیل صاحب اگر کہیں کسی کام کیلئے گئے ہوتے تو فرماتے اپنے امیر المومنین کا پتہ کرو، کہ سفر میں امیر ضروری ہے، مجاہدین نے اگلے مورچوں پر جانے کا پروگرام بنایا، حضرتؒ نے بخوشی قبول فرمایا، دشوار گزار راستے عبور کر کے اگلے مورچوں میں پہنچ کر عملی جہاد میں شمولیت کا شرف بھی حاصل کیا، اور اپنے ہاتھ سے فائر بھی کئے، رب کریم نے قسمت میں شہادت لکھی تھی اس لئے اس سے قبل جہاد کے ان مراحل سے گزرنا بھی میسر فرمادیا، حضرتؒ جیسے بزرگوں کے جذبات اور عملی اقدامات سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ طالبان کو جلد فتح حاصل ہوگی، جس کا آغاز گزشتہ دنوں ہوچکا ہے، طالقان، تخار، بدخشان وغیرہ کی

فتوحات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ہی کرم نوازیوں کا حصہ ہے۔

مولاناؒ کی زبان سے ہر وقت طالبان کی مکمل فتح کی دعائیں نکلتیں، حضرت مولاناؒ کو افغانستان میں امن وامان اور وہاں کے عدالتی نظام سے خاص دلچسپی تھی، بارہا اس کا ذکر ہوتا کہ اس دور میں طالبان کا ایسے شورش زدہ ملک میں جنگ وفساد، ڈاکہ زنی، چوری وغیرہ جرائم کی بیخ کنی کرنا طالبان کا بڑا کارنامہ ہے، اور یہ دراصل اسلامی قوانین پر عمل کا نتیجہ ہے، قندھار میں سپریم کورٹ کے نائب چیف جسٹس مولانا شہاب الدین دلاور صاحب (جو کچھ عرصہ پاکستان میں افغانستان امارت اسلامیہ کے سفیر بھی رہے ہیں) کے دفتر میں جانے کا موقع ملا، اور ان سے افغانستان کے موجودہ عدالتی نظام پر گفتگو کا موقع بھی میسر آیا، انہوں نے تفصیل سے بتلایا کہ کس طرح ضلعی عدالتوں سے سپریم کورٹ تک یہ نظام قائم ہے، زیادہ سے زیادہ دوماہ تک یہ سارا معاملہ بخوبی طے ہوجاتا ہے، ضلع سے لے کر سپریم کورٹ تک کے مراحل کیلئے سالہا سال نہیں، صرف چند ماہ کا مختصر عرصہ لگتا، موجودہ دور میں انصاف وعدل کے حصول کے لئے کتنا آسان، بہترین اور کم خرچ نظام ہے، یہ بھی انہوں نے بتلایا کہ نظام عدل خالص اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اقلیتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک ہے، حالیہ بہت سے فیصلوں کا انہوں نے ذکر کیا جس میں اقلیتوں کے حق میں فیصلے دئے گئے، افغانستان میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اس بارے میں مکمل حقوق دیئے گئے ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں بھی انصاف کو دہلیز تک پہنچانے کے دعوے کئے گئے، مگر وہ انصاف اور دور ہوتا گیا، ہاں البتہ یہاں وکلاً کی فیسوں میں ضرور اضافہ ہوا۔

مولانا شہاب الدین دلاور نے لائن میں رکھی ہوئی کتابوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی کے نسخے ہیں، جو مفتی نظام الدین شامزئی صاحب نے حکومت افغانستان کے لئے بطور ہدیہ بھیجی ہیں، اب سپریم کورٹ کی طرف سے ہر ضلعی عدالت کو ایک ایک نسخہ بھیجا جارہا ہے تاکہ ضلعی عدالتوں کے ججوں کو فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کرنے میں سہولت رہے۔ یاد رہے کہ دنیائے اسلام کے بیشتر علاقوں میں ایک ہزار سال سے زیادہ فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہیں، خلافت عباسیہ میں حضرت قاضی ابو یوسفؒ سے لے کر خلافت عثمانیہ ترکیہ اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت تک کا زمانہ اس پر شاہد ہے۔ مگر آج کل

سلفیوں کو یہ فقہ سمجھ میں نہیں آتی، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بغض میں سب ائمہ کے بارے میں جو گستاخانہ کلمات ان کی زبان سے نکل رہے ہیں نہ معلوم اس کا انجام کیا ہوگا؟ حال ہی میں ایک سلفی صاحب کا خط شائع ہوا ہے جو سعودی عرب میں رہتے ہیں، انہوں نے اپنے ہم مسلک سلفی کے نام خط میں یہاں تک گستاخانہ الفاظ لکھے ہیں کہ: ”فقہ ایسی مکروہ اور ناپاک شئے ہے کہ اس پر پیشاب کرنے سے پیشاب مزید ناپاک ہو جائے“۔

نعوذباللہ! پھر یہ سلفی قرآنی آیت ”لیتفقهوا فی الدین“ اور حدیث رسول ﷺ ”من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین“ میں لفظ فقہ سے کیا سلوک کریں گے؟ افسوس ہے کہ چند عرب ممالک کی دولت مسلمانوں کے اجتماعی خیر کے کاموں میں صرف ہونے کی بجائے اس ”سلفیت“ پر خرچ ہو رہی ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے تو ان کو بغض و عداوت ہے کیا امام شافعیؒ جن کی فقہ پر اہل مصر، امام مالکؒ جن کی فقہ پر لیبیا، الجزائر، تیونس اور امام احمد بن حنبلؒ جن کی فقہ پر سعودی عرب وغیرہ کے لوگ عمل کر رہے ہیں ان کے بارے میں ان سلفیوں کا کیا خیال ہے؟ کیا ان ائمہ کی فقہ بھی اس قابل ہے جس کا ذکر اس ”سلفی“ نے کیا ہے؟

کابل میں جمعہ کی نماز پل خشتی کی جامع مسجد میں ادا کرنے کا موقع ملا، دیکھا کہ فارسی میں ایک عالم علمی انداز سے وعظ فرما رہے ہیں اور اسلام کے اہم مسائل پر گفتگو فرما رہے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ افغانستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ملا ثاقب ہیں، ان کی علمیت کا اندازہ ان کے فی البدیہہ خطبے سے ہو رہا تھا۔

ان ہی دنوں پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ کا بیان اخبار میں شائع ہوا تھا کہ خمینی میں نبوت کی بو محسوس ہوتی تھی، جس نظام عدل میں دین کی تعلیم نہ ہو، وہاں کے ججوں سے اسی قسم کی ”جہالت“ کی باتوں کا تصور کیا جا سکے گا۔ حضرتؒ نے افغانستان میں ان عدالتی کارروائیوں کی تفصیل سن کر انتہائی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ”کاش ہمارا ملک بھی انگریز کے پیچیدہ نظام قانون سے چھٹکارا حاصل کر کے اسلام کے اس سادہ اور موثر قانون کو اپنالے تو عوام کا بھی بھلا ہوگا اور حکومت کا بھی، مگر ہم تو ابھی تک انگریز کی غلامی سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوئے، اور ابھی تک اسی تصور پر قائم ہیں کہ فقہ ”ملوکیت“ کی پیداوار ہے ان کو یہ اندازہ نہیں کہ ائمہ مجتہدین کا کردار اس دور کے حکام کے ساتھ کیا تھا، امام ابو حنیفہؒ نے کس

طرح استغناً سے قضاء عدل کے منصب کو رد فرمایا، امام مالکؒ نے کس طرح بعض فقہی مسائل پر وقت کے خلفاً کے ساتھ مقابلہ کیا، امام احمد بن حنبلؒ کی عزیمت واستقامت کی داستان تاریخ میں رقم ہے، کہ فتنہ خلق قرآن میں کس طرح بااختیار خلفا نے ان کو پابند سلاسل کیا، سزائیں دیں مگر امام احمد بن حنبلؒ کے قدم نہ ڈگمگائے، کیا یہ ائمہ جن کی فقہ پر (جو قرآن وسنت سے مستنبط ہے) کروڑوں مسلمان عمل پیرا ہیں یہ ائمہ ملوکیت کا مقابلہ کرتے تھے، یا ان کے زیر اثر رہ کر فقہ مرتب کرتے تھے؟ دراصل انگریز کے نظام قانون میں ان کو یہی سکھلایا جاتا ہے، تاکہ یہ فقہ کے قریب بھی نہ بھٹک سکیں۔

اس قانون اسلامی کا نتیجہ ہے کہ افغانستان عدل وانصاف، امن وامان کا گہوارہ ہے، اور انگریز کے قانون میں سوائے ظلم وناانصافی کے کچھ بھی نہیں، علماً نے حکومت افغانستان کو یہ پیش کش کی کہ ججوں کی تربیت کے سلسلہ میں پاکستان کے علماً اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ملا عمر امیر المومنین سے بڑے اچھے اور بے تکلفی کے ماحول میں ملاقات رہی، میں اور مفتی محمد جمیل خان صاحب امیر المومنین کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، میں نے وفد کی ترجمانی پشتو زبان میں کی، اور پاکستان کے علماً وعوام کے جذبات واحساسات کا اظہار کیا، کہ امیر المومنین کی سربراہی میں امارت اسلامیہ افغانستان جس طرح پوری امت مسلمہ کی ترجمانی کررہی ہے وہ پورے عالم اسلام کی طرف سے خراج تحسین کی مستحق ہے، اس امر کو بھی واضح کیا گیا کہ اس دور میں عالم کفر کی بھرپور مخالفت کے باوجود افغانستان کا اس طرح استقامت، عزیمت اور دینی غیرت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹ جانا ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے، اقتصادی پابندیاں اور سیاسی مخالفین افغانستان کے موقف کو تبدیل نہ کرسکیں۔

اس کا بھی میں نے ذکر کیا کہ کچھ عرصہ قبل افغانستان کے صدر ملا ربانی پاکستان تشریف لائے تھے تو علماً نے ایک وفد کی شکل میں ملاقات کی، میں نے ان سے عرض کیا کہ افغانستان کی حکومت کا یہ کارنامہ بھی یادگار ہے کہ انہوں نے لفظ "ملا" کو دوبارہ زندہ کردیا ہے، انگریز نے اس لفظ کو بدنام کرکے حقارت کا نشان بنادیا تھا مگر اب ملا دوبارہ عزت کے مفہوم سے یاد کیا جاتا ہے۔امیر المومنین اس پر خوب مسکرائے۔

دوران گفتگو حضرت شہیدؒ امیر المومنین کے سامنے تشریف فرما تھے، حضرتؒ کی نگاہ مسلسل امیر المومنین کے چہرہ پر مرکوز تھی، اور انتہائی محبت و تعجب اور والہانہ جذبات سے دیکھ رہے تھے کہ یہ شخص جو بظاہر سیدھا سادہ ہے کس طرح آج عالم کفر کے مقابلہ میں چٹان کی طرح ڈٹا ہوا ہے۔

ملاقات کے بعد میں نے تفنناً عرض کیا حضرت! آج آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پشتو اسلامی زبان ہے، اور پشتو زبان بولنے والی قوم کس طرح دین حق کے لئے قربانی دے رہی ہے؟ میں نے عرض کیا مشہور تو یہ ہے کہ پشتو بڑی مشکل زبان ہے مگر ہمارے اور آپ کے استاذ مولانا عبد الجلیل صاحب کامل پوری مدظلہ (ایک بار ہم بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے ہمارے استادوں میں کون حیات ہیں؟ پھر خود فرمایا مولانا عبد الجلیل صاحب، حیات ہیں) کی مجلس میں ذکر ہوا کہ پشتو بڑی مشکل زبان ہے، مولانا نے بیساختہ فرمایا کہ ہمارے ہاں تو چھوٹے چھوٹے بچے بولتے ہیں، حضرت شہیدؒ اپنے استاذ کی اس بات پر بہت محظوظ ہوئے، حضرت شہیدؒ کو اپنے اساتذہ سے بڑی محبت و عقیدت تھی، مفتی محمد جمیل صاحب کے ہمراہ جب ہمارے گاؤں تشریف لاتے تو اپنے استاذ مولانا عبد الجلیل صاحب کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے اور پرانی یادوں کا تذکرہ فرماتے۔

سفرِ افغانستان میں اپنے اکابر کے تذکرے روزانہ رہے، ایک بار فرمایا کہ مجھے حضرت مدنیؒ سے خاص تعلق ہے میں نے ایک صاحب کا مقولہ ذکر کیا کہ پاکستان کے بارے میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کی کرامتوں کا مقابلہ ہے، اگر پاکستان میں کوئی خیر و برکت ظاہر ہوتی اور مسلمانوں کے عروج و ترقی کا اظہار ہوتا تو حضرت تھانویؒ کی کرامت غالب ہوتی اور اگر معاملہ مختلف ہوتا تو حضرت مدنیؒ کی کرامت غالب نظر آتی، حضرت شہیدؒ نے فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے اپنے اپنے نقطہ نظر تھے۔

حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی ذوق عطا فرمایا تھا اور دقیق مسائل کو جس سہل اور عام فہم انداز میں حل فرماتے اس کا اظہار آپ کی مایۂ ناز کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ سے بخوبی عیاں ہے، یہ کتاب بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کا باعث بنی، رد قادیانیت تو آپؒ کا خاص موضوع تھا، اس دور کے مسیلمہ کذاب مرزا قادیانی کے دعاوی باطلہ کا جس طرح

آپ نے تعاقب فرمایاوہ جہاں حب رسول ﷺ کی غماز ہے وہاں آپ کی دقت نظر اور شان تحقیق کو اجاگر کرنے والی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب تصانیف کو حضرت مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

کچھ عرصہ ہوا راولپنڈی ہمارے ہاں جامعہ اسلامیہ آپ کی تشریف آوری ہوئی، بعد مغرب بیان کی درخواست کی گئی، میں نے بعد نماز مغرب یہ دعا کی "اللهم اعنا علىٰ ذكرك وشكرك وحسن عبادتک"۔ یہ وہ دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہیتے صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کو بتلائی تھی، حضرتؒ نے فی البدیہہ اس دعا پر بیان فرمایا، اور ذکر و شکر کی اہمیت پر تقریر فرمائی۔

برمنگھم میں ہر سال ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور حضرتؒ تشریف لے جاتے، اور کانفرنس سے قبل باوجود ضعف وبیماری کے برطانیہ کے مختلف شہروں کے اجتماعات میں شرکت فرماکر عام مسلمانوں کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیتے، کانفرنس میں ہر مقرر وخطیب اپنے جوہر خطابت سے مجمع کو گرماتا، مگر حضرتؒ کی تقریر موضوع کی مناسبت سے ختم نبوت اور رد قادیانیت پر ہوتی، اور انداز ایسا ہوتا جیسے استاذ کسی شاگرد کو سبق پڑھا رہا ہو، مرزا قادیانی کے ہفوات کا ذکر ہوتا اور دلائل سے اس کے دعاوی کا بطلان ظاہر فرماتے۔

ایک بار حضرت مولاناؒ تقریر فرمارہے تھے پورا مجمع سراپا سکوت تھا، اور غور سے خطاب سن رہا تھا، کسی ناواقف شخص نے آواز دیدی کہ کافی وقت ہوچکا ہے حضرت نے بغیر اظہار ناراضگی کے فوراً تقریر ختم فرمادی، عام مقررین کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہوتی ہے، مگر مولاناؒ کا ہر لمحہ رضائے الٰہی کے لئے وقف تھا، سبحان اللہ! یہ ادا آج کہاں دیکھنے میں آسکتی ہے؟

حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن اوصاف وفضائل سے نوازا تھا ان میں حقیقت پسندی، آپس میں اہل حق کا جوڑ، اتحاد اور امت مسلمہ کے کاز کیلئے مشترکہ جدوجہد اور محنت وغیرہ امور کی طرف مولاناؒ کی خاص توجہ تھی، اور آخر میں تو ان معاملات کی طرف اپنے احباب کو متوجہ فرماتے، افغانستان میں حرکۃ الجہاد الاسلامی کے امیر مولانا سیف اللہ اختر صاحب سے قندھار میں ملاقات ہوئی، قندھار میں ان دنوں امیر المومنین نے افغانستان میں جہادی تنظیموں اور ان سے منسلک کمانڈروں کو بلایا ہوا تھا، مولانا سیف اللہ اختر صاحب نے کابل میں اپنے معسکر میں آنے کی دعوت دی، ان کو کابل آنے میں تاخیر ہوئی، روانگی سے ایک دن قبل وہ پہنچے، اور

قندھار میں دی ہوئی دعوت کو دہرایا، وفد کے دوسرے حضرات جیش محمد ﷺ کے معسکر میں گئے ہوئے تھے، راقم، ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب اور حضرت شہیدؒ موجود تھے، مولاناؒ سے میں نے عرض کیا کہ مولانا سیف اللہ اختر صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، معسکر میں جانے کا فرمارہے ہیں، حضرت مولاناؒ بغیر حیل وحجت کے تیار ہوگئے، حضرت ڈاکٹر صاحب تھکے ہوئے تھے، عذر فرمانے لگے، لیکن جب ہم دونوں جانے لگے تو فرمانے لگے کہ میں اکیلا یہاں کیا کروں گا؟ لہٰذا وہ بھی تیار ہوگئے۔

راستہ میں حضرت مولانا نے مجھے فرمایا کہ مولانا سیف اللہ اختر صاحب سے جہادی تنظیموں کے درمیان اتحاد کی بات چلاؤ، کہ یہ ساری تنظیمیں متحدہ ہونگی تو اس سے قوت میں اضافہ ہوگا، چنانچہ میں نے مولانا سیف اللہ اختر صاحب سے اپنے پرانے تعلقات کی بناپر گفتگو کی جس پر مولانا نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لئے جوان کا فرمان ہوگا میں اس پر تیار ہوں، چنانچہ یہ بات جب میں نے حضرتؒ سے ذکر کی تو فرمایا کہ بات تو معقول ہے۔

حضرتؒ کی ایک خاص عادت دیکھی کہ دعا خاموشی سے فرماتے، احباب اگر دعا کیلئے درخواست فرماتے تو خاموشی سے "ادعوا ربکم تضرعا وخفیه" پر عمل پیرا ہوتے۔

حضرتؒ کو تو شہادت کی تمنا تھی، اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ عالی پر سرفراز فرمایا، لیکن اس عظیم سانحہ سے پاکستان کی جو بدنامی ہوئی اس نے پورے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا، ایسا شخص جس نے آج تک کسی کو کبھی برا نہ کہا ہو اس کو دن دہاڑے شہید کر دینا سفاکیت کی انتہا ہے۔

ہندوستان اور دیگر ملکوں کے رسائل میں اس واقعہ شہادت پر جو ردعمل سامنے آیا ہے، وہ سب کے لئے باعث شرم ہے، مجھے اپنے برادر مکرم مرحوم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کے ہمراہ ۱۹۸۸ء میں ڈابھیل جانے کا موقع ملا، اس دور کے جامعہ دارالعلوم ڈابھیل کے مہتمم مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ کا مقولہ آج بھی کان میں گونج رہا ہے، فرمایا کہ ہندوستان میں اگر مسلمان شہید ہوتا ہے تو ہندو اور غیر مسلم قوموں سے مقابلہ میں شہید ہوتا ہے، لیکن افسوس تو پاکستان کے مسلمانوں پر ہے کہ آپس میں قتل وغارت گری کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق بن رہے ہیں، فرماتے کہ غیر مسلموں کے سامنے پاکستان کے لوگوں کے

طرز عمل کا جواب ہمارے پاس نہیں ہوتا۔

حضرت مرحوم کی شہادت در رحلت علم و تقویٰ، درس و تدریس، حسن ادا، تواضع، وقار اور کمالات کی رحلت ہے، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اعلیٰ علیین میں بلند مقامات سے سرفراز فرمائے، اور امت مسلمہ کی دستگیری فرمائے۔ آمین

............☆............

......"محفل میلاد" کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابو سعید مظفر اور ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں:

(۱)......بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔ (۲)......علماً و صلحا کا اجتماع۔

(۳)......اور ختم محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مورخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل و ثقہ۔ واللہ اعلم۔

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی، علامہ فاکہانیؒ اور ان کے رفقاً نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے "بدعت سیئہ" قرار دیا۔ اور دیگر علماً نے ان کی ہم نوائی کی، اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا۔ پھر جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف "علماً و صلحاً کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (ﷺ) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ "اسلام کا شعار" کہلاتا ہے۔ اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقان رسولؐ" کہلاتے ہیں، اور جو لوگ اس نوایجاد شعار اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو دشمنان رسولؐ تصور کیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسولؐ تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کون سا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنادیا۔

عظیم علمی شخصیت

مولانا محمد نافع محمدی شریف، جھنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی حیات وسوانح پر ماہنامہ "بینات" کی اشاعت خاص کے لئے کوئی مفصل مضمون لکھنے کی ہمت تو نہیں کہ اب مجھ پر ضعف غالب آگیا، اور حضرت شہیدؒ سے قربت وتعارف بھی محض مکاتبت، ان کی تصنیفات، مضامین اور علمی مقالات کے مطالعہ کی حد تک تھا، بہر حال حضرتؒ نے راقم کی کتابوں پر جو تبصرے فرمائے یا اس سلسلہ میں ان سے خط وکتابت ہوئی وہ پیش خدمت ہے۔

حضرت شہیدؒ نہایت عظیم علمی شخصیت تھے، وہ صاحب علم تھے اور ارباب علم کے قدردان بھی، چنانچہ جو کتاب اور تحریر ان کے معیار پر اترتی اس کی خوب قدردانی اور عزت افزائی فرماتے جبکہ ملاحدہ اور زنادقہ کی اسلام کش تحریروں پر گرفت اور تعاقب کا بھی حق ادا فرماتے، چنانچہ راقم الحروف کی کتاب "رحماءُ بینھم" حصہ سوم اور "مسئلہ اقرباءُ نوازی" شائع ہوئیں اور "بینات" میں تبصرہ کے لئے بھیجی گئیں تو حضرتؒ نے اس موقع پر ان کی رسید کا جو خط ارسال فرمایا وہ درج ذیل ہے:

"محترم ومعظم (مولانا محمد نافع)، زیدت معالیھم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"رحماءُ بینھم" اور "مسئلہ اقربا نوازی" کا ایک ایک نسخہ موصول ہوا، اول الذکر کو تو ایک ہی دن میں ختم کر کے دم لیا، دوسری کا دو تہائی پڑھ چکا ہوں، حق تعالیٰ شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے بڑی متانت واعتدال کے ساتھ لکھا ہے، جس میں نہ کسی کی دل آزاری ہے، نہ مسلک اہل حق سے انحراف، اور سب سے بنیادی نکتہ جس پر نظر مرکوز رہی ہے قبائلی تعصب سے اس معاشرے کا پاک ہونا، یہ ہر جگہ نمایاں ہے، فجزاکم اللہ احسن الجزاءً۔

قاضی ابو بکر بن العربی کو بعض لوگوں نے نواصب میں شمار کیا ہے، اگرچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ان سے استشہاد کرنا کافی ضمانت ہے، تاہم بہتر ہوتا کہ ان کے حوالوں کے ساتھ تائیدی حوالے بھی نقل کر دئے جائیں۔

آپ کی کتابیں کیا کراچی میں دستیاب ہیں؟ ہیں تو کہاں سے ملیں گی؟ دعوات صالحہ کی درخواست ہے، تبصرے کے بارے میں حکم کی تعمیل ہو گی، ان شاء اللہ۔ والسلام محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۰۱/۸/۲۴ھ

مولانا مرحوم نے حسب وعدہ ان دونوں کتابوں پر رمضان شوال ۱۴۰۱ھ کے بینات میں نہایت جاندار و قیع اور پر مغز تبصرہ فرمایا، جو درج ذیل ہے:

"رحماءُ بینھم حصہ سوم:

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عموماً اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مکتب فکر نے دو متخالف اور متخاصم گروہوں میں بانٹ رکھا ہے، اس مکتب فکر کی تعلیم یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل بیت نبوی (علیٰ صاحبہا وآلہ الصلوٰۃ والسلام) کے دشمن تھے، اور حضرات خلفائے راشدینؓ،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خون کے پیاسے تھے، جب کہ یہ نظریہ ”دو دونی پانچ“ کی طرح غلط ہے، عقل و منطق کی رو سے بھی، حقائق وواقعات کے اعتبار سے بھی، اور قرآن وسنت کی شہادت کے لحاظ سے بھی، اس لئے مدت سے خیال تھا کہ جو حضرات اہل بیت سے محبت کا دم بھرتے اور صحابۂ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ سے بغض وعناد رکھتے ہیں انہی کے لٹریچر سے ان اکابرؓ کی باہمی الفت ومحبت کے شواہد تلاش کئے جائیں، حق تعالیٰ شانہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی زیر نظر تالیف اسی خیال کا حسین مظہر ہے۔

مولانا نے اس تالیف کو صدیقی، فاروقی، عثمانی تین حصوں پر تقسیم کیا ہے، اور ہر حصہ (جو الگ الگ جلدوں میں ہے) پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، زیر نظر حصۂ عثمانی کے پہلے باب میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خاندانی ونسبی تعلق کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں دونوں خاندانوں کے سات رشتے ذکر کئے گئے ہیں، دوسرے باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور انہیں بجان ودل خلیفہ تسلیم کرنے کا ذکر ہے، تیسرے باب میں حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کے اخلاف امجاد (رضی اللہ عنہم) کی زبان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب مذکور ہیں، چوتھے باب میں چھ عنوان ہیں:

۱:..... امورِ خلافت میں حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ سے تعاون۔

۲:..... عثمانی خلافت میں ہاشمی حضرات کے عہدے اور مناصب۔

۳:..... ہاشمی حضرات کا عثمانی عدالت سے رجوع کرنا۔

۴:..... حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہاشمی حضرات کا اعزاز

واکرام۔

۵ :.... عثمانی خلافت میں ہاشمی حضرات کا جہاد و غزوات میں شریک ہونا۔

۶ :.... ہاشمیوں کے لئے عثمانی عطیات۔

پانچویں باب میں محاصرۂ عثمانی کے دوران کے وہ واقعات مذکور ہیں، جن سے دونوں حضرات کے باہمی تعلق کا اظہار ہوتا ہے، قرآن کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ''رحماءُ بینهم'' (آپس میں شفیق) فرمایاہے، اور یہ پوری کتاب جو فریقین کی کتابوں کے حوالوں سے مرصع ہے، گویااس ارشاد الٰہی کی ایمان افروز تفسیر ہے، اس لئے اس کا نام بھی بہت حسین اور اسم بامسمی ہے، حضرت مؤلف کا اسلوب سہل اور سادہ، کلام مناظرانہ نہیں بلکہ محققانہ ہے۔

مسئلہ اقرباءٗ نوازی :

زیر نظر کتاب، حضرت مصنف کی کتاب ''رحماءُ بینهم'' کا حصہ سوم کا تتمہ ہے، دور قدیم وجدید کے باطل پرستوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ناروااعتراضات کئے ہیں، ان میں سے بدترین اعتراض آپ پر خویش پروری اور اقربا نوازی کا الزام ہے، جن لوگوں نے یہ اعتراض تصنیف کیاان کا مقصدان مفسد بلوائیوں کی کارگزاری کو برحق ثابت کرنا تھا جنہوں نے خلیفۂ مظلوم کے خونِ ناحق میں اپنے ہاتھ رنگین کرکے اپنے لئے دوزخ کا اور امت کے لئے فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔

جناب مصنف نے اس کتاب کو بھی (اصل کتاب کی طرح) ابتدائی تمہیدات کے بعد پانچ ابواب پر تقسیم کیاہے اور ہر باب کا عنوان ''بحث'' تجویز کیاہے۔

پہلی بحث میں انہوں نے عثمانی خلافت کے امراء، والیوں اور

منصب داروں کی فہرست پیش کر کے بتایا ہے کہ ان میں صرف پانچ چھ آدمی ایسے ہیں جن کو حضرت عثمانؓ کے اقارب میں شمار کیا جاتا ہے، اور جن کا نام لے کر حضرت عثمانؓ پر اقربا پروری کی تہمت دھری جاتی ہے، بارہ سالہ طویل و عریض حکومت میں منصب داروں کی جو تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، اگر اس میں پانچ چھ نام خلیفہ کے اہل خاندان کے بھی آجائیں تو کیا دنیا کا کوئی عقلمند اس کو خویش پروری کہہ سکتا ہے؟ جب کہ دوسرے خاندانوں کا حصہ کسی طرح کم نہیں۔

دوسری بحث میں ان پانچ چھ اشخاص کو تاریخ کی میزان میں تول کر دکھایا گیا ہے کہ آیا ان حضرات کو حضرت عثمانؓ نے جس منصب کے لئے منتخب کیا وہ اس کے اہل بھی ثابت ہوئے یا نہیں؟ (واضح رہے کہ ان میں پانچ حضرات صحابیؓ ہیں، اور مروان بن حکمؒ وفات نبوی ﷺ کے وقت ہشت سالہ تھے، مگر لقاء و رویت ثابت نہیں۔)

تیسری بحث میں یہ بتایا ہے کہ اہل قرابت اور قرابت کا تصور ہی بعد کے ذہن کی پیداوار ہے، آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں دیکھا یہ جاتا تھا کہ کس کام کے لئے کون موزوں ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ جس شخص کو منتخب کیا جارہا ہے وہ کہیں خلیفہ کا اہل قرابت تو نہیں؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت میں آپ ﷺ کے متعدد اہل قرابت کو عہدے دئے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے اہل قرابت کو عہدے نہیں دیتے تھے، حالانکہ ان کے عہد میں بھی دئے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ راشد ہونا تو فریقین کو مسلم ہے، انہوں نے بھی اپنے اہل قرابت کو خدمات پر مامور فرمایا، پس اگر یہ چیز موجب اعتراض ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہی کیوں ہے؟ لگانے والوں کو اقربا نوازی کا الزام ان تمام حضرات پر لگا کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر لینا چاہئے۔

چوتھی بحث میں ''اقربا کے لئے مالی عطیات'' کے الزام کا تجزیہ کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ کذب خالص اور صریح بہتان ہے، بیت المال میں حضرت عثمانؓ کا کوئی ایسا تصرف ثابت نہیں۔

پانچویں اور آخری بحث میں بتایا گیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ، سلف صالحین اور بزرگانِ دین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت و حکومت کو ان تمام شوائب سے مبرا سمجھتے تھے، جو اُن کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔

یہ کتاب (اپنی اصل کی طرح) بڑے متین اور ٹھوس دلائل سے آراستہ ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ مصنف کا قلم رافضی غلو کا بھی تریاق ہے اور ناصبی غلو کا بھی۔ واللہ الموفق۔''

اس تبصرہ کی اشاعت کے بعد حضرت شہیدؒ نے اپنے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر نہ صرف بینات کا وہ شمارہ ارسال فرمایا بلکہ اطلاعی والانامہ بھی ان الفاظ میں لکھا:

''حضرت مخدوم و مکرم (مولانا محمد نافع)، زیدت مکارمہم،
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب کی دونوں کتابوں کا تعارف رمضان و شوال ۱۴۰۱ھ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے، وہ پرچے بھجوا رہا ہوں، حق تعالیٰ شانہ جناب کے علوم و معارف میں برکت فرمائے، شیعوں کی ایک کتاب ''مناظرہ بغداد'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، کتاب کیا چھوٹا سا رسالہ ہے، مگر بڑا گندا، جناب کی نظر سے گزرا ہوگا، کوئی صاحب مثبت انداز میں اس کا جواب لکھ دیں تو بہت اچھا ہو۔ دعوات صالحہ کا خواستگار ہوں۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۸/۱۱/۱۴۰۱ھ

اسی طرح راقم الحروف نے اپنی ایک اور تصنیف ''بنات اربعہ'' تبصرہ کے لئے

بھیجی، اس موقع پر حضرتؒ کی خدمت میں جو خط لکھا تھا وہ درج ذیل ہے :

"باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

"صاحب العز والافتخار حضرت مولانا لدھیانوی صاحب زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی!

تسلیمات مسنونہ کے بعد معروض ہے کہ کتاب "بنات اربعہؓ" کے دو عدد نسخے جناب کی خدمت میں "بینات" میں تبصرہ کیلئے ۲۴ر مارچ ۱۹۸۵ء مطابق ۲ر رجب ۱۴۰۵ھ کو ارسال کئے تھے، امید قوی ہے کہ آنجناب نے ازراہ کرم نوازی تعارف شائع فرمایا ہوگا۔

چونکہ "بینات" یہاں نہیں آتا اسلئے عرض ہے جس پرچہ میں "بنات اربعہ" پر تبصرہ کیا گیا ہو اس کی ایک کاپی برائے نوازش میرے نام ارسال فرمادیں اور پرچہ کی قیمت بیان فرمادیں اسکے عوض ٹکٹ ڈاک اتنی مقدار ارسال کردئے جائیں گے، گزارش منظور فرماویں مہربانی ہوگی، حضرت محترم مولانا مفتی احمد الرحمان صاحب کی خدمت میں ہدیہ سلام عرض ہے۔

نوٹ : کتاب ہذا ایک شیعہ مبلغ خادم حسین وزیر آبادی کی کتاب "الاصول فی توحد بنت الرسول" کے جواب مین بندہ نے مرتب کی ہے، لیکن اس کا نام نہیں ذکر کیا، مزید اس کتاب کے متعلق لائق مشورہ اور قابل اصلاح کوئی چیز ہو تو اس سے بلا تکلف مطلع فرماویں آئندہ طبع میں اس کا تدارک ان شاٗ اللہ کردیا جائے گا۔ جواب کے لئے لفافہ ڈاک پیش خدمت ہے۔

والسلام مع طلب الدعاٗ

ناچیز دعاجو محمد نافع عفا اللہ عنہ "

اس موقع پر حضرتؒ غالباً اپنی شدید مصروفیت کے باعث کتاب کی رسید کی اطلاع تو نہیں دے سکے، البتہ ازراہ عنایت فوراً ماہنامہ بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ کے شمارہ میں اس

پر نہایت معتدل و متین تبصرہ فرما کر میری ہمت افزائی فرمائی، حضرتؒ نے اس موقع پر جس خوبصورتی سے کتاب کا نچوڑ پیش فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی ذیل میں نقل کردیا جائے:

''بنات اربعہ : یعنی چار صاحبزادیاں :

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت و عقیدت جزو ایمان ہے، لیکن ''اہل بیت'' کون ہیں؟ ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ ''اہل بیت'' کا مفہوم صرف چار افراد تک محدود ہے، یعنی ایک صاحبزادی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) ایک داماد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) اور دو نواسے (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) اس نظریہ کا نتیجہ یہ ہے کہ :

الف :.... ازواج مطہرات جن کو قرآن کریم میں ''یا اھل البیت'' سے خطاب کر کے ان کی کامل تطہیر کا وعدہ کیا گیا ہے، قرآنی تصریح کے علی الرغم انہیں اہل بیت کے مفہوم سے خارج کردیا گیا، اور ان کو کسی احترام کا مستحق نہیں سمجھا گیا، حالانکہ قرآن کریم میں ان کو ''امہات المومنین'' قرار دے کر تمام اہل ایمان کے لئے حد درجہ لائق احترام قرار دیا گیا ہے۔

ب :.... قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد صاحبزادیوں کی صراحت کی گئی ہے، ''یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک'' الآیۃ'' لیکن اس گروہ نے قرآن کریم کے صریح اعلان کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باقی تین بہنوں کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ ڈالا، اور انہیں کسی عزت و احترام کا مستحق نہیں سمجھا۔

ج :.... قرآن کریم نے اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً مہاجرین وانصار کے فضائل و مناقب بیان فرمائے اور ان کی پیروی کو شرط ایمان و نجات قرار

دیا "والذین اتبعوھم باحسان" لیکن اس گروہ نے ایک داماد (حضرت علیؓ) اور ان کے دوچار رفقاؒ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے باقی خویش واقارب، مہاجرین وانصار اور پوری جماعت صحابہؓ کو (نعوذ باللہ) ظالم وخائن اور منافق وبے ایمان قرار دے کر ان سے برأت کا اظہار کردیا- اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حب اہل بیت کے پردے میں آنحضرت ﷺ کے اہل بیت، آپؐ کے خویش واقارب، آپؐ کے اعوان وانصار، اور آپؐ کے رفقا ومصاحبین کے ساتھ دشمنی کا یہ مظاہرہ آنحضرت ﷺ کے لئے کس قدر تکلیف دہ اور ایذا رساں ہوگا؟ اور آنحضرت ﷺ حب اہل بیت کے ان بر خود غلط دعویداروں سے کس قدر بیزار ہوں گے، جنہوں نے نہ آپؐ کی بیویوں کو معاف کیا، نہ بیٹیوں کو چھوڑا، اور نہ آپؐ کے خویش واقارب اور رفقاؒ ومصاحبین کا کوئی لحاظ کیا، زیر نظر کتاب اسی گروہ کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے، جس میں قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور فریقین کے اکابر کی تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں: حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن، نیز ان چاروں کے حالات وسوانح مستند مآخذ سے جمع کئے گئے ہیں، اور ہر صاحبزادی کے بارے میں فریق مخالف کے شبہات واوہام کو دلائل کی روشنی میں رفع کیا گیا ہے، اس موضوع پر رسائل تو متعدد لکھے گئے ہیں، لیکن یہ کتاب اپنی متانت وجامعیت کے لحاظ سے منفرد ہے"۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت اہل حق اکابر علماؒ اور ارباب تحقیق کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے مشن کو باقی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین

استاذ کا

خراجِ عقیدت

مولانا عبد اللطیف: بہاولنگر

شہید ناموس رسالتؐ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے اساتذہ میں سے کوئی بھی اس وقت بقید حیات نہیں، جو موصوفؒ کے زمانہ طالب علمی کے حالات کو سپرد قرطاس کرے، اس لئے مجبوراً مجھے ہی آپ کے زمانہ تعلیمی کے حالات لکھنے پڑے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شوال ۱۳۶۸ھ میں جامعہ قاسم العلوم میں بحیثیت ایک طالب علم کے داخل ہوئے، اس وقت حضرت مولانا فقیر اللہؒ، (تلمیذ خاص حضرت شیخ الہندؒ) شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا محمد عبد اللہؒ، قاری لطف اللہ شہیدؒ اور احقر جامعہ قاسم العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ جب مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے اسباق تقسیم کئے گئے تو ترجمہ قرآن پاک اور مختصر المعانی حضرت مولانا محمد عبد اللہؒ کے پاس اور فقہ حنفی کی معتبر کتاب "ہدایہ اولین" جناب قاری لطف اللہ شہیدؒ کے پاس اور اصول فقہ کی معروف کتاب "نور الانوار" احقر کے پاس تھی، تعلیمی سال کے اختتام پر کتب مذکورہ نصاب مجوزہ تک پہنچیں، اور شعبان ۱۳۶۹ھ میں امتحان ہوا، امتحان کے بعد حضرتؒ تعطیلات گزارنے کے لئے اپنے گھر چلے گئے، اور بعد از تعطیلات آپ نے خیر المدارس میں داخلہ لے لیا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نہایت توجہ اور انہماک سے اسباق سنتے اور روزانہ تمام اسباق ازبر یاد سناتے، ان کے رفقاً کی اکثر سرزنش ہوتی، لیکن انہوں نے کبھی بھی سبق کی وجہ سے ڈانٹ نہیں کھائی، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ذہانت وفطانت کا عظیم نمونہ تھے، ہر وقت کتب

کے مطالعہ اور تکرار میں مصروف رہتے، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، اور کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے، تعلیمی اوقات کے علاوہ ان کے رفقا درس کھیل میں مصروف ہوتے مگر موصوف اپنا سبق یاد کرنے بیٹھ جاتے، مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے دوران تعلیم کسی استاذ سے کبھی جھڑک کھائی ہو۔

۱۹؍ مارچ ۱۹۹۵ء کو مولانا جلیل احمد اخون بہاولنگر کی ہمشیرہ محترمہ کے نکاح مسنون کی تقریب میں شرکت کے لئے بہاول نگر تشریف لائے، تو ان کو ملنے کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیر والی، مولانا مسعود قاسم قاسمی نائب مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیر والی اور احقر بہاول نگر گئے، میں کسی کام کے لئے باہر نکلا تو میری عدم موجودگی میں حضرت مہتمم صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے ذکر کیا کہ آپ کے استاذ آج کل بہت پریشان ہیں، جنات نے ان کے لڑکے صدیق کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ بعد میں مولاناؒ مجھے ملے اور اظہار افسوس کیا اور فرمایا کہ استاذ جی آپ اس آسیب زدہ مکان کو چھوڑ کر نیا مکان تعمیر کروالیں، میں نے عرض کیا کہ میں مکان کہاں تبدیل کروں؟ نہ تو مدرسہ میں اتنی گنجائش ہے کہ مجھے نیا مکان بنوادے اور نہ مجھ میں اتنی بساط ہے کہ میں اپنا مکان تعمیر کرلوں، حضرتؒ نے فرمایا آپ مکان بنانا شروع کریں، اللہ تعالیٰ مطلوبہ رقم کا بندوبست فرمادیں گے۔ چنانچہ مولاناؒ نے کراچی جاکر ایک لاکھ روپے کا چیک بذریعہ رجسٹری میرے نام بھیجا، ابھی وہ رقم خرچ بھی نہیں ہوئی تھی کہ مولانا شہیدؒ نے دوسرا چیک مالیتی ایک لاکھ روپے اور بھیج دیا اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کے قریب رقم جامعہ نے بھی تعمیر مکان پر خرچ کی۔ اور ۱۹۹۶ء میں مولاناؒ بذات خود مکان وجامعہ دیکھنے تشریف لائے اور اپنی رائے کا اظہار صفحہ قرطاس پر فرمایا جو آخر میں درج ہے۔

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کے چندے کے سلسلہ میں رمضان شریف میں حاضر ہوتے تو حضرت جمعہ کے موقع پر بھرپور تائید فرماتے، مسجد فلاح نصیر آباد میں جمعہ کے موقع پر عموماً مخیر حضرات تشریف لاتے جس کی وجہ سے چندہ کیلئے آنے والوں کا جم غفیر ہو جاتا جس کی وجہ سے جامعہ کے چندے پر اثر پڑتا تو حضرت مولاناؒ نے اس کا سدباب کرتے ہوئے رمضان شریف کا دوسرا جمعہ قاسم العلوم فقیر والی کے لئے مخصوص فرمادیا، اگر حضرت عم ، ر تشـ ..

لے گئے ہوتے تو آپ کے بعد مسجد کے ارباب حل وعقد بھی جامعہ قاسم العلوم فقیروالی کے لیے ناکارہ کو چندہ کی اجازت دے دیتے، یوں موصوف اپنی مادر علمی کی زندگی بھر مالی سرپرستی فرماتے رہے۔

۲ر فروری ۱۹۹۳ء کو حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خاں کا تار موصول ہوا کہ آپ اور آپ کی اہلیہ کی عمرہ کی ٹکٹ اوکے ہوگئی ہے جہاز کی روانگی ۷ر فروری ۱۹۹۳ء کو کراچی سے ہوگی۔احقر اور اہلیہ دونوں کراچی چلے گئے، جب کہ ویزہ میں مشکلات کی وجہ سے کراچی میں چند دن حضرت کے گھر قیام کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت والا نے ہماری مہمان نوازی کی انتہا کردی اور تمام گھر والوں نے ہمارے ساتھ نہایت ادب واحترام کا معاملہ کیا۔ یکم رمضان المبارک کو ہم مکہ مکرمہ پہنچے، نماز عشا اور اعمال عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے رہائشی مکان پر جارہے تھے کہ "باب عبدالعزیز" سے باہر حضرت مولاناؒ، اور حضرت مفتی جمیل خان صاحب سے ملاقات ہوگئی، حضرت مولاناؒ احقر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جوش محبت میں گلے لگالیا، کافی دیر تک بعض مسائل عمرہ پر گفتگو فرماتے رہے، اور اپنا رہائشی مکان دکھلانے کے لئے ساتھ لے گئے، اور جب بھی ملتے، فرماتے آپ میرے لیے دعا کریں، اساتذہ کا احترام ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر ۱۸ر شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۶ر مارچ ۱۹۹۰ء جامعہ ھذا میں تشریف لائے اور جامعہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد!

آج ۱۰ شعبان ۱۴۱۰ھ کو جامعہ قاسم العلوم فقیروالی میں حاضری کا اتفاق ہوا، یہ ناکارہ اس مادر علمی کا قدیم طالب علم ہے ۱۳۶۸ھ میں یہاں ایک سال رہ چکا ہے اور گزشتہ چالیس سال کے عرصہ میں جامعہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور قدیم مدرسہ پہچاننا دشوار ہوگیا ہے، حق تعالیٰ اس کو

ظاہری ومالی ترقیات سے نوازیں اور اساتذہ کرام اور کارکنان جامعہ کو مزید حسن اخلاق اور حسن انتظام کی دولت سے مالامال فرمائے، حضرت اقدس مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہ العالی اس ناکارہ کے استاذ محترم ہیں حق تعالیٰ شانہ ان کا سایہ دراز فرمائیں اور ان کی برکات جامعہ کو بیش از بیش نصیب فرمائیں- آمین"- محمد یوسف عفااللہ عنہ

اس کے بعد ۱۸ر رجب ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۹ر نومبر ۱۹۹۶ء کو حضرت مولاناؒ دوبارہ جامعہ میں تشریف لائے اور جامعہ کا معائنہ فرمایا اور میرے بیٹے کی وفات کی تعزیت فرمائی اور وہ مکان بھی دیکھا جو ان کے خصوصی تعاون سے تکمیل پذیر ہوا تھا- اس موقع پر اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا:

"ناکارہ محمد یوسف لدھیانوی ولد چوہدری اللہ بخش چک نمبر ۳۴۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان، حال مقیم کراچی، بندہ اس چشمۂ فیض کا جس کو قاسم العلوم کہتے ہیں ادنیٰ طالب علم ہے اور بطور مادر علمی کے شکرانہ کی دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس ادارہ کے مہتمم اور جملہ ارکان واساتذہ، معاونین اور تمام طلبہ کرام کے حسن نیت، حسن عمل واخلاص کو قبول فرمائے اور حسن جزاء سے نوازے اور ان حضرات کی حسن کارکردگی کو اکابر کے لیے صدقہ جاریہ بنادیں اور اس ناکارہ کو بھی ان حضرات کے ساتھ ملحق فرمادیں- آمین

محمد یوسف عفااللہ عنہ"

۱۴

میرے اُستاذ و مُرشد

مولانا محمد اسلم گوجرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی استاذی مرشدی ووسیلتی فی یومی و غدی حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت کا سن بقول حضرت اقدس ۱۹۳۱ء بمطابق ۱۳۵۱ھ ہے۔ حضرت اقدس لدھیانوی اپنی والدہ ماجدہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت صالحہ، پرہیز گار، نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت اقدس لدھیانوی کے والدماجد الحاج چوہدری اللہ بخش اپنے والدین کی واحد نرینہ اولاد تھے، آپ کے پیدا ہونے سے قبل ہی آپ کے والد انتقال کر گئے تھے، جبکہ والدہ شیر خوارگی میں داغ مفارقت دے گئیں۔ حضرت شہیدؒ کے والد ماجد جناب چوہدری اللہ بخش اعلیٰ کردار و عمل کے انسان، اور اپنی نوعیت کی منفرد شخصیت تھے۔ نہایت عاقل و مدبر بزرگ تھے، بڑے ذاکر و شاغل، شب زندہ دار اور قرآن مجید کی تلاوت کے عاشق تھے، آپؒ دس پارے روزانہ تلاوت فرماتے، آخری عمر میں تلاوت گویا روح کی غذا بن گئی تھی، تہجد کے وقت رات کے سناٹے میں ذکر بالجہر فرماتے تو پوری مسجد گونج گونج جاتی۔ بیعت و اصلاح کا تعلق سر تاج اولیأ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے تھا۔ دینی مطالعہ بہت تھا۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ اور فوائد عثمانیہ ہمیشہ زیر مطالعہ رہتے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ و تعلیمات بہت پڑھتے تھے۔ ابتداءً ملک میں دینی مجلات کی بہتات نہ تھی غالباً تین رسالے مشہور تھے: ایک ہفت روزہ خدام الدین

اور دو ماہنامے ایک ''الصدیق'' اپنے وقت کا نہایت موقر رسالہ، جو ملتان سے حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان کی زیر ادارت نکلتا تھا، اور دوسرا مولوی مسافر خانہ کراچی سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ پر مشتمل ''الابقا'' تھا یہ تینوں مجلات آپ کے زیر مطالعہ رہتے۔ میں نے عزیز واقارب کے ساتھ صلہ رحمی' میل جول' انکی خوشی غمی میں شریک ہونا، انکے ساتھ ہمدردی و غمگساری وغیرہ، جتنی حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ کے والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم میں دیکھی اتنی کہیں نہ دیکھی، بہت زیادہ مہمان نواز اور غریب پرور تھے۔ عقل ودانش، قوت فیصلہ میں امتیازی شان رکھتے تھے، مقامی اور دور دور سے لاینحل پنچایتی فیصلے آپ کے پاس آتے جنہیں آپ اپنی خداداد فہم وفراست سے ایسا حل کرتے کہ فریقین نہ صرف مطمئن ہو جاتے بلکہ خوش خوش واپس جاتے۔

دورِ طفولیت :

حضرت اقدس کا دور طفولیت آزادانہ ماحول میں نہیں، بلکہ والد ماجد کی سخت نگرانی میں بہت صاف ستھرا گزرا، سنت الہیہ بھی یہی ہے کہ اپنے مقبولین و مقربین کی شاہراہ حیات میں قدم قدم پر حفاظت کی جاتی ہے کہ :''فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی''۔
آپؒ حد درجہ ذہین وفطین اور ذکی تھے، علم کا شوق فطرت میں ودیعت تھا، نیکی اور صلاح فطرت ثانیہ تھی، بڑوں کا ادب اور جذبہ خدمت گزاری شروع سے تھا۔

دینی تعلیم کا آغاز اور تکمیل :

حضرت اقدسؒ کو اوائل عمر میں ہی حصول علم کیلئے مدرسہ میں داخل کرادیا گیا اولاً آپ نے لدھیانہ (آبائی ضلع) کے مختلف مدارس دینیہ میں فارسی اور ابتدائی عربی کتب پڑھیں، تقسیم ملک کے بعد جہانیاں ملتان اور فقیر والی بہاولنگر کے مدارس میں متوسطات پڑھیں، مذکورہ بالا مدارس کے مشہور اساتذہ میں ولی کامل، متبع سنت، درویش صفت حضرت مولانا امداد اللہ حصاروی۔ ورع وتقویٰ کے امام اور نمونہ سلف حضرت اقدس مولانا عبداللہ رائے پوری۔ مجاہد اسلام مولانا قاری لطف اللہ رائے پوری شہید۔ جنید وقت، عالم ربانی حضرت اقدس مولانا غلام اللہ فاضل دیوبند مفتی وخطیب اعظم جہانیاں رحمہم اللہ، کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر

ہیں۔متوسطات کی اعلیٰ تعلیم کیلئے آپؒ نے پاکستان کے دارالعلوم دیوبند یعنی جامعہ خیر المدارس ملتان میں ۱۳۷۲ھ میں داخلہ لیا۔ہدایہ اولین سے دورۂ حدیث شریف اور دورۂ حدیث کے بعد درجہ تکمیل تک تمام کتابیں جامعہ خیر المدارس ملتان میں ہی پڑھیں، ۱۳۷۵ھ میں سند فراغ حاصل کی، جامعہ خیر المدارس ملتان میں علم ومعرفت کے امام، وقت کے جنید وولی۔رازی و غزالی اساتذہ کرام آپ کو نصیب ہوئے، مثلاً اُستاذ العلمأ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا خیر محمد نوراللہ مرقدہ بانی ومہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان، وخلیفہ اجل حضرت اقدس تھانوی قدس اللہ سرہ۔قدوۃ الصالحین، ولی کامل حضرت اقدس مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمہ اللہ، رازی وقت، غزالی دوران، جامع معقول و منقول حضرت علامہ مولانا محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث خیر المدارس۔فقیہ عصر، بوذرِدوران، فقرودرویشی کے امام حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ ڈیروی صدر مفتی جامعہ خیر المدارس۔ ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ مولانا جمال الدین رحمہم اللہ تعالیٰ۔دن رات کا مشغلہ بس تحصیل علم تھا، آپ فنافی العلم والکتاب تھے۔نئی نئی کتابیں، ان کی شروح وحواشی خریدنے کا عشق تھا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کی چھٹی کے وقت دیگر طلبأ آرام اور نیند میں مصروف ہو جاتے لیکن میں شہر کے کتب خانوں میں چلا جاتا، نئی کتابوں کی تلاش وحرص میں کتب خانوں کو خوب کھنگالتا، جو کتاب پسند آجاتی خرید لیتا، پیسے نہ ہوتے تو کسی شریکِ درس ساتھی کو آکر بتلادیتا کہ فلاں کتاب دستیاب ہے، جاکر خرید لو۔ آپؒ ساری ساری رات مطالعہ میں گزار دیتے، زمانہ طالب علمی میں ہی علوم وفنون کی تمام درسی کتابوں پر عبور حاصل تھا، جیساکہ آئندہ صفحات میں آپ کے تدریسی دور کے ضمن میں آئے گا۔طالب علمی کا دور عموماً عملی آزادی کا دور ہوتا ہے، لیکن حضرتؒ اس دور میں بھی دوسرے طلبأ سے بالکل مختلف تھے، رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ راسخ فی العمل بھی تھے، نماز ہمیشہ باجماعت ادا کرتے۔ قرآن شریف کی تلاوت اوراد عیہ ماثورہ کو حرزجان رکھتے۔مدرسہ کی شعبان و رمضان کی تعطیلات پر گھر آتے تو فوراً اپنا کمرہ مخصوص کر لیتے، صفائی وغیرہ کا انتظام کر کے کتابیں میز پر یاالماری میں سجاتے۔فرش پر چٹائی بچھاتے اور پورا مدرسہ کا ماحول جماتے، رمضان شریف میں تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے، رمضان شریف میں دس دس قرآن ختم کرنا تو عام سا معمول تھا، غرض یہ کہ زمانہ طالب علمی ہی سے حضرت اقدس نہ صرف بحر علم کے خواص تھے، بلکہ عمل

کے بھی شہ سوار تھے، اسی انہماک علم کی وجہ سے آپ حضرت اقدس مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ کے منظورِ نظر اور حضرت کے اخص شاگردوں میں شامل ہوئے۔ ذالك فضل الله يو تيه من يشاء۔

تدریسی دور :

حضرت اقدسؒ کے تدریسی دور کا تذکرہ کرنے سے پہلے حضرت کا ایک اصول زندگی تحریر کرتا ہوں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو خود بڑا بننے کی بجائے خود کو بڑوں کے سپرد کردینا چاہیے، اس میں دین ودنیا دونوں کی راحت ہے، اور آدمی کسی مشکل یا پریشانی کا شکار نہیں ہوتا، حضرت نے پوری زندگی اس اصول پر بھرپور عمل کیا، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا نظام حیات دو بڑوں کے ہاتھوں میں دیا ہوا ہے، میرے دنیوی معاملات حضرت والد صاحب کے سپرد ہیں جبکہ دینی معاملات حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ کے، چنانچہ حضرت اقدس مولانا خیر محمد قدس سرہ کی حیات تک تمام دینی معاملات انکے سپرد رہے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت اقدس بنوری قدس سرہ کو اپنا بڑا مان لیا۔ چنانچہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد حضرت لدھیانوی حضرت اقدس مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ کے حکم سے قصبہ روشن والا ضلع فیصل آباد کے مدرسہ (جو شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے برادر اکبر کا قائم کردہ تھا) میں تدریس کیلئے تشریف لے گئے وہاں دو سال تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ احیاء العلوم نے آپ کے دور تدریس میں بڑی شہرت پائی اور پنجاب کے وسطانی مدارس میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا۔ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں حضرت اقدسؒ کا تدریسی دور گیارہ سال پر مشتمل ہے، مدرسہ ھذا میں آپ کو مشکوۃ شریف تک علوم وفنون کی تمام درسی کتابوں کے پڑھانے کا موقع میسر آیا۔

طریقۂ تدریس :

مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں علم وفن کی درسی متداول اور غیر متداول تمام کتابیں حضرت اقدس نے پڑھائیں اور پڑھانے کا حق ادا کیا۔ بغیر مطالعہ کے اسباق پڑھانے کا قطعاً

معمول نہ تھا، طلباً سے باقاعدہ سبق سنتے۔ ہفتہ بھر کے آموختہ کو سنتے۔ عبارت کی صحت کا بہت اہتمام تھا، ترجمہ کی ضرورت محسوس فرماتے تو ترجمہ بھی کرتے ورنہ سبق کی تقریر ایسی ذھن نشین۔ سہل الحصول، مختصر، جامع اور مطلب خیز فرماتے کہ غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا۔ مشکل اور پیچیدہ مقام اور سبق سے پہلے بتلائے بغیر سمجھانے اور ذھن نشین کروانے کے بعد فرماتے یہ ہے وہ مسئلہ جو معرکۃ الآراً، دقیق اور مشکل سمجھا جاتا ہے، طلباً کیلئے بھی اگلے سبق کا مطالعہ ضروری تھا، جس میں عبارت کی تصحیح، صرفی نحوی قواعد کا لحاظ رکھنا، ترجمہ اور مطلب بیان کرنا شامل ہوتا۔ سالانہ امتحان کے موقع پر دریافت فرماتے کہ کون سی کتاب کے کون سے حصہ کو دہرانے کی ضرورت ہے؟ بتانے پر رات گئے تک خود امتحان کی تیاری کراتے۔ تعلیم میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہ فرماتے بلکہ سخت مؤاخذہ فرماتے، ایک بار ششماہی امتحان حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رائے پوری مدیر جامعہ رشیدیہ ساہیوال، نے لیا، شومیٔ قسمت کہ تیسیر المنطق میں طلباً کے نمبرات کم آئے، حضرت اقدس بعد نماز عشأ تشریف لائے، آتے ہی خوب برسے، اس وقت آپکا غیظ و غضب قابل دید تھا، فرمایا تمہیں پڑھانا اور دماغ کھپانا بے سود ہے، بس آئندہ تمہیں نہیں پڑھاؤں گا، بہت نام روشن کردیا تم نے، طلباً نے بہت لجاجت سے باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت ہم نے سوالات کے جوابات ٹھیک دیئے ہیں اور بہت اچھا سنایا ہے مگر حضرت مان کر ہی نہ دیئے، بلکہ فرمایا کہ اچھا مولانا نے یونہی نمبر کم دے دیئے، مزید غضبناک ہوگئے دوسرے ہی روز نہایت جوش سے تیسیر المنطق دوبارہ پڑھانی شروع کی اور مکمل دوبارہ پڑھادی۔ حضرتؒ تمام کتابوں کو نصاب کے مطابق مکمل کرانے کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ سالانہ امتحان کے موقع پر اول۔ دوم۔ سوم پوزیشن لینے والے طلباً کو خصوصی شاباش کے ساتھ کتابیں انعام میں دینے کا معمول تھا۔ حضرت اقدس تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباً کی اخلاقی تربیت پر بطور خاص نگاہ رکھتے، کبھی کبھی طلباً کے کمروں اور سامان وغیرہ کا اچانک معائنہ فرماتے اور قابل اصلاح امور کی سختی سے اصلاح فرماتے۔

زہد و قناعت :

حضرت اقدسؒ ہر شعبۂ حیات میں دنیا اور دنیا کی آلائشوں سے دور رہتے، زہد و قناعت

میں آپ نمونہ اسلاف تھے، دنیا کی عظمت و محبت کسی بھی انداز سے آپ کو متأثر نہ کر سکی، لباس وپوشاک، خورد ونوش، اور رہن سہن میں ہمیشہ سادگی و قناعت کو اپنایا، تکلفات سے قطعاً مبرا تھے۔ ہر کام شریعت اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے۔ اخلاص وللٰہیت کا مجسمہ تھے، مدرسہ احیأ العلوم میں مدرس مقرر ہوئے تو مشاہرہ (ماہوار تنخواہ) صرف ۷۵ روپے تھی، اسی قلیل تنخواہ پر اکتفا فرمایا، کبھی قلت تنخواہ کا شکوہ نہیں کیا، جب تک رہائشی مکانات مدرسہ میں تعمیر نہیں ہوئے مدرسہ سے متصل ایک بلڈنگ کے بالاخانہ میں، جو صرف چھوٹے سے ایک کمرے اور مشکل سے دو تین چارپائیوں کے صحن پر مشتمل تھا۔ اور اس میں بجلی پانی کا نام تک نہ تھا۔ کافی مدت اسی میں گزر اوقات کیا۔ گھر کا سامان کیا تھا؟ کپڑوں کیلئے ایک چھوٹا سا ٹرنک، دوعدد چارپائیاں، کھانے پینے کے چند ضروری برتن۔ پانی کیلئے دو تین گھڑے، جو خدام بعد نماز عصر دور ایک ہینڈ پمپ سے بھر کر اوپر پہنچاتے۔ ایک بار نماز فجر کے بعد اچانک ہمارے کمرہ میں تشریف لائے، ٹھنڈا میٹھا موسم تھا، یہ ناکارہ کمرہ میں نماز فجر کے بعد سو رہا تھا، نہایت پیار بھرے انداز میں آہستہ آہستہ اپنی مبارک ہتھیلی سے اس ناکارہ کے گالوں کو سہلانے لگے، اچانک نیند سے بیدار ہوا تو حضرت اقدس کو سامنے کھڑا پا کر ہڑبڑا گیا، نہایت شفقت سے فرمایا کہ "نماز فجر کے بعد سویا نہیں کرتے، یہ تلاوت کا وقت ہے" بندہ خاموشی سے اٹھ کر کمرہ سے باہر چلا گیا۔ بعض مرتبہ کئی کئی ماہ تنخواہ نہ ملی تب بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ ایک بار شعبان، رمضان کی تعطیلات کے بعد شوال میں مدرسہ آئے غالباً دو ماہ کی تنخواہ ڈیڑھ صد روپے یک مشت ملی۔ پچاس روپے اپنے گزارہ کیلئے رکھ کر باقی سو روپے میں سے پچاس روپے بنام مولانا حکیم محمد حسین صاحب اور پچاس روپے بنام چوہدری عبدالباری منی آرڈر کر دیئے۔ منی آرڈروں کے کوپن میں یہ عبارت تحریر فرمائی: "سو روپے ضرورت سے زائد تھے، لہذا پچاس پچاس روپے ارسال خدمت ہیں، اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر لیجئے" منی آرڈر چونکہ میرے ذریعہ ڈاک خانہ بھیجے تھے اس لئے یہ واقعہ میرے علم میں آیا، اس سے حضرت اقدس کی صلہ رحمی اور زہد کا وصف اتم ظاہر ہوتا ہے۔

صحافت و تحریر کا آغاز:

حضرت اقدسؒ نے تحریر کا آغاز مدرسہ احیأ العلوم ماموں کانجن کے زمانہ تدریس میں

ہی اپنے ایک وقیع مضمون سے کیا، یہ مضمون دار العلوم دیوبند انڈیا کے ماہانہ مجلّہ دار العلوم دیوبند میں شائع ہوا، اہل حق کے حلقہ میں اس مضمون کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی، دوسرا مضمون آپ نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صدر ادارہ تحقیقات اسلامی کے رد میں لکھا جو ماہنامہ بینات میں شائع ہوا۔

وعظ وبیان :

"منبر و محراب" آنحضرت ﷺ کی حقیقی وراثت ہے "امام وخطیب" رسول اللہ ﷺ کا نائب ووارث ہے حضرت لدھیانوی قدس سرہ کی خدمات دینیہ اس عہدۂ جلیلہ کے لحاظ سے بھی عظیم الشان ہیں، آپ نے نائب ووارث رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے اپنے مواعظ حسنہ اور خطبات کے ذریعہ عوام الناس کے سینوں کو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت وعشق سے منور کردیا، ہزاروں گم گشتہ راہوں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا، شریعت مطہرہ کی عظمت ان کے دلوں میں پیدا کی، بے شمار لوگوں کو اللہ کا مقرب اور ولی بنادیا آپ کا طریقہ وعظ ونصیحت نہایت مؤثر اور دل نشین ہوتا۔

اصلاح وارشاد :

دین قیم کا ایک اہم شعبہ تہذیب اخلاق تزکیہ نفوس اور سلوک واحسان ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت جن اعلیٰ مقاصد کے لئے ہوئی ان مقاصد اربع میں "ویزکیھم" بھی شامل ہے جس سے مراد ہی تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفوس ہے، حدیث جبریلؑ میں اس کو "احسان" سے تعبیر فرمایا گیا ہے، بعد کی اصطلاح کے مطابق اسی شعبہ دین کو تصوف وطریقت کہا جانے لگا۔ سلوک و احسان۔ تزکیہ نفس اور تصوف وطریقت کا تعلق باطن سے ہے، جبکہ شریعت کا تعلق ظاہر سے۔ ظاہر شریعت سے مزین اور باطن تزکیہ واحسان کی دولت سے معمور ہو تو انسان، انسان کامل اور مومن حقیقی بنتا ہے، شریعت سے لاپرواہی اور طریقت سے بے نیازی موجب خسران دینی و اخروی ہے۔ علمأ ربانی اولیأ حقانی نے ہر دور میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں شریعت وطریقت کی حفاظت کا ہمیشہ التزام کیا ہے، تہذیب اخلاق، تزکیہ نفوس کیلئے اولیأ اللہ اور مصلحین ہر زمانہ میں امت کی اصلاح وارشاد میں مصروف عمل رہے، جنہوں نے دین سے برگشتہ سلاطین وارباب حکومت اور عوام الناس کو اپنے نفوس قدسیہ سے اہل دل بنانے، صراط مستقیم پر گامزن کرنے، شریعت مطہرہ کا پابند بنانے میں بڑے بڑے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے، امت مسلمہ

کسی دور میں بھی ایسے عارفین کاملین سے محروم نہیں رہی، سابق ادوار کی طرح دور حاضر میں بھی اللہ کے فضل سے یہ مقدس گروہ مصروف عمل ہے (اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا) ہمارے حضرت اقدس لدھیانوی نور اللہ مرقدہ بلاشک وشبہ اپنے دور کے عارف باللہ کامل رہبر شریعت اور برحق مرشد عالم تھے، آپ کو وقت کے تین عظیم المرتبت شیوخ سے بیعت وارادت کی سعادت حاصل تھی، اول عارف باللہ قطب عالم واستاذ العلماً حضرت اقدس مولانا ومرشدنا خیر محمد قدس سرہ بانی ومہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان وخلیفہ اجل حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ، دوم برکۃ العصر، قطب الاقطاب اور محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا ومرشدنا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہ۔ سوم عارف باللہ، ماہر رموز طریقت، شیخ المشائخ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ۔ خلافت واجازت آپ کو ثانی وثالث الذکر دو مشائخ عظام سے ملی۔ گویا تصوف وطریقت میں ہمارے حضرت لدھیانوی مجمع البحرین تھے، دین کے دوسرے شعبوں کی طرح تصوف وطریقت کے شعبہ میں بھی حضرت لدھیانوی کی خدمات گرانقدر ہیں، ایک خلق خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا، آپ کے مریدین ومتوسلین کا حلقہ بہت وسیع ہے، آپ کے خلفاً کی تعداد ماشاء اللہ پچاس کے قریب ہے، آپ کے اصلاح وارشاد کا طریقہ بہت مفید ومؤثر تھا، سلوک واحسان کے سلسلہ میں آپ کی تعلیم وتربیت کے امتیازی پہلو یہ تھے :

۱ :.... آپ اپنے مریدین ومتوسلین میں شریعت کی عظمت واتباع کا جذبہ پیدا کرتے جو طریقت کیلئے بہت ضروری ہے۔

۲ :.... محبت الٰہیہ اور عشق رسول ﷺ سے دلوں کو معمور کرتے '

۳ :.... دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلوں میں بٹھاتے '

۴ :.... اتباع سنت کو ہر چیز پر فوقیت دیتے۔

۵ :.... حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی رعایت کا بہت التزام کراتے۔

۶ :.... قضاً نمازوں ۔روزوں اور دیگر فرائض کے جلد ادا کرنے کا بہت اہتمام کراتے۔

۷ :.... باطنی رذائل کے ازالہ کی طرف بہت توجہ دیتے۔

۸ :..... آپس میں لڑائی جھگڑا، باہمی تو تکار اور طعن و تشنیع سے بچنے کی بطور خاص تلقین فرماتے۔

۹ :..... عبادت کے ساتھ صفائی معاملات کو ازبس ضروری سمجھتے۔

۱۰ :..... اذکار و وظائف کی پابندی تلاوت قرآن مجید موقع بموقع مسنون دعاؤں کے پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے۔ شیخ سے رابطہ اور اتباع و اطلاع کو احسانی و سلو کی ترقی کیلئے اشد ضروری سمجھتے "تلك عشرہ كاملة"

قرآن کریم سے شغف :

حضرت اقدس لدھیانویؒ کو اوائل عمر ہی سے تلاوت قرآن پاک کا بے حد شوق تھا آپ قرآن کے عاشق تھے، زمانہ طالب علمی میں رمضان شریف میں دس دس پندرہ پندرہ قرآن پاک ختم کرنے کا معمول تھا، رمضان مبارک میں ضروری مطالعہ کے سوا تمام اوقات کو تلاوت قرآن کریم سے مزین رکھتے۔ آپ نے شروع عمر میں قرآن مجید حفظ نہیں کیا، بلکہ ماموں کانجن کے زمانہ تدریس میں حفظ قرآن سے مشرف ہوئے، آپ کے حفظ قرآن کی تقریب اس طرح ہوئی کہ آپ کے فرزند اکبر صاحبزادہ محمد سعید سلمہ ربہ نے قاعدہ نورانی کے بعد جب حفظ شروع کیا تو آپ معمولاً صاحبزادہ گرامی کا سبق اور آموختہ سنتے، جب عزیز حافظ محمد سعید ان سپاروں سے آگے بڑھے جو حضرت کو پہلے سے حفظ تھے آپ نے بھی عزیز محمد سعید کے ساتھ ساتھ حفظ کرنا شروع کر دیا، تاآنکہ جس دن صاحبزادہ محمد سعید صاحب کے ختم کی آمین ہوئی آپ بھی اس روز ماشاء اللہ مکمل حافظ قرآن ہو گئے 'الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً لما یحب ربنا و یرضیٰ۔ باپ بیٹے نے اکٹھے حافظ قرآن ہونے کی خوشی میں اساتذہ و طلباء کی دعوت کا انتظام کیا۔ یاد رہے کہ آپ اس وقت مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں شعبہ کتب کے مدرس تھے، آپ کے حفظ قرآن سے بظاہر فرائض تدریس میں کمی اور طلباء کے نقصان کی وجہ سے مہتمم مدرسہ اور دیگر ارباب حل وعقد کو شکایت کا موقع مل سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا خیر محمد بانی و مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان سے (جو مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے) خط لکھ کر حفظ قرآن کی اجازت طلب کی، حضرت اقدسؒ نے دو شرطوں کے ساتھ اجازت

مرحمت فرمادی، ایک یہ کہ طلبا کی تعلیم کا حرج نہ ہو اور مہتمم مدرسہ کو اعتراض نہ ہو۔ دوم یہ کہ ذھن ودماغ پر بوجھ نہ پڑے، آپ نے ان دونوں شرطوں کو پورا کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب سے اجازت مانگی توانہوں نے بخوشی اجازت دے دی کہ انشاءاللہ آپ کی دیانت وامانت کے پیش نظر، ہمیں یقین ہے کہ طلباء کا تعلیمی نقصان بھی نہ ہوگا۔ دوسری شرط جس کا تعلق آپ کی اپنی ذات سے تھا اس بارے میں آپ کو اطمینان کلی تھا کہ دماغ پر بوجھ نہ ہوگا قرآن کریم کا حفظ جاری رکھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے بھی ہمکنار فرمادیا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاءِ وله الحمد اولاً وآخراً۔

معمولات رمضان:

حضرت اقدس نے حافظ قرآن ہونے کے بعد ہمیشہ تراویح میں قرآن سنایا، قرآن کا دور ہمیشہ صاحبزادہ محمد سعید کے ساتھ کیا، رمضان المبارک میں معمول تھا کہ تراویح کا پارہ اولاً تہجد میں پڑھتے، تہجد سے فارغ ہوکر سحری نوش فرماتے۔ نماز فجر ادا فرماتے، پھر نماز کے بعد درس قرآن دیتے درس کے بعد اشراق کے نوافل ادا کرتے، پھر آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتے، تقریباً دس بجے بیدار ہوتے مسواک کے ساتھ وضو فرماتے، چاشت کے نوافل ادا کرتے، نوافل کے بعد صاحبزادہ محمد سعید کے ساتھ دور شروع کرتے نماز ظہر سے تھوڑی دیر پہلے دور ختم کرتے، قیلولہ فرماتے، ظہر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتے، وضو فرماتے، ظہر کی سنتیں ادا کرتے، پھر نماز ظہر کی امامت فرماتے، نماز ظہر کے بعد متصلاً محمد سعید صاحب کے ساتھ دوبارہ دور شروع فرماتے، جو نماز عصر تک جاری رہتا عصر کی اذان ہونے پر جدید وضو کرتے عصر کی سنتیں ادا کرتے، نماز عصر کی امامت کراتے، نماز عصر کے بعد درس حدیث دیتے، درس حدیث سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کیلئے عمومی مجلس فرماتے، پھر مجلس برخاست کرتے، اور اپنی نگرانی میں ہم خدام سے بادام وغیرہ اور مکھن کی چٹنی اور افطاری تیار کرواتے، اس دوران ہم خدام کو خوش کلامی اور مزاح سے نوازتے رہتے افطاری اور نماز مغرب سے فارغ ہوکر اوابین میں پورے دن کا دور کردہ پارہ سناتے، صاحبزادہ محمد سعید سامع کے علاوہ آپ کے والد ماجد جناب چوہدری اللہ بخش اور راقم کے والد ماجد مولانا حکیم محمد حسین صرف دو مقتدی ہوتے، عشأ سے کچھ دیر پہلے نوافل اوابین سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے، اتنے میں عشأ کی اذان

ہو جاتی، نیا وضو فرماتے، سنتیں پڑھتے، پھر نماز عشأ اور تراویح پڑھاتے، پورا رمضان تراویح سمیت نماز پنجگانہ کی جماعت خود کراتے، تراویح سے فراغت پر گرم دودھ نوش فرماتے اور خواص کے ساتھ تھوڑی دیر مجلس آرائی کے بعد سونے کیلئے تشریف لے جاتے، کراچی منتقل ہونے سے قبل برسہابرس آبائی گاؤں میں ہمیشہ اسی معمول کے ساتھ رمضان شریف گزارا کرتے۔

شمائل و اخلاق :

حضرت اقدسؒ بہت ہی نفیس الطبع، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج تھے، ہر ایک سے خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے، اکابر کا انتہائی ادب و تعظیم اور اصاغر سے بہت شفقت فرماتے، ہر شخص یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ مجھ سے ہی تعلق و پیار ہے۔ طبیعت انتہائی بے ضرر تھی، کبھی کسی کا برا نہیں سوچا، کسی کے درپے آزار نہیں رہے، عفو و درگزر کرنا شیوہ تھا، کسی کی ایذا رسانی پر کبھی شکوہ نہ کرتے، بلکہ ایذار سانوں سے ہمیشہ حسن سلوک اور مروت کا معاملہ فرماتے، زندگی بھر کسی سے انتقام نہیں لیا۔بچوں سے بہت پیار کرتے قابل اصلاح بات پر حسب موقع سختی اور نرمی سے تنبیہ فرماتے، خلاف شریعت باتوں پر سخت نکیر فرماتے اور اصلاح کی کوشش فرماتے، خاموشی اور چشم پوشی قطعاً روانہ رکھتے، کسی کے عیب و نقص کو کبھی نہ اچھالتے بلکہ انتہائی پردہ پوشی فرماتے۔ کسی کی خوبی، نیکی اور احسان پر بہت خوش ہوتے اور دعاؤں کے انبار لگا دیتے، اعزہ و اقارب سے حسن سلوک فرماتے، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا مرقع تھے، حسن باطن کے ساتھ حسن ظاہر میں بھی محبوب تھے۔ بہت حسین، خوبصورت، شان دلربائی رکھتے تھے، فنافی العلم تھے، ورع و تقویٰ کے مجسمہ تھے۔ خوف و خشیت، رجوع و انابت الی اللہ، احکام شریعت کی عظمت و توقیر، اسلاف پر اعتماد اور ان کے ساتھ حسن عقیدت مثالی تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء اللہ، بزرگان دین، علمأ۔ صلحأ اور اتقیأ کے ادب و احترام کو انتہائی ملحوظ خاطر رکھتے۔ اپنے اساتذہ و مشائخ اور بڑوں کے ساتھ حسن عقیدت و احترام اعلیٰ درجہ کا تھا، غیر معقول اور ناشائستہ باتوں سے طبعاً نفرت تھی۔ نگاہ کی بہت حفاظت فرماتے غیر محرم پر کبھی نگاہ نہیں ڈالی بازار میں اور راہ چلتے وقت روئے

انور کو رومال سے ڈھانپنے کا معمول تھا گفتگو نہایت شیریں، علمی، مفید اور سنجیدہ فرماتے۔ لاشعوری میں بھی فحش اور غیر شائستہ بات نہیں کی۔ مجلس میں میر مجلس ہوتے، گفتگو سے مجلس کو گل و گلزار بنا دیتے۔ زاہد عن الدنیا اور راغب فی الآخرہ تھے۔ فتوحات کو سنبھال کر نہ رکھتے بلکہ احباب اور حاجت مندوں پر بے دریغ خرچ کر ڈالتے۔ سیر چشم کشادہ دست۔ فراخ دل از حد تھے، خطیر خطیر رقوم ضرور تمندوں کو دیتے۔ نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے، وضو کے ساتھ مسواک کا ہمیشہ التزام فرماتے، نماز نہایت اطمینان اور خشوع و خضوع سے پڑھتے اسلاف و اکابر سے محبت و عقیدت اور ان پر اعتماد و یقین تصور سے بھی بالا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ احرام کی حالت میں باب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر غلاف کعبہ پکڑ کر سر پر قرآن مجید رکھ کر قسم کھا سکتا ہوں کہ ہمارے اسلاف و اکابر برحق تھے۔ دین کو جو انہوں نے سمجھا وہی صحیح اور حق ہے، انہی کی اتباع و پیروی میں فلاح و نجات ہے۔ اسلاف سے سر مو انحراف کو بھی سم قاتل گردانتے۔ آپ کی تمام تر تصانیف کا محور اسلاف کی عظمت و اتباع ہی ہے، آپ کی تحریرات کو پڑھ کر ایمان و یقین میں جلا، پختگی اور تصلب کے ساتھ ساتھ اسلاف پر اعتقاد و اعتماد بڑھ جاتا ہے، اور ہر قسم کے شکوک و شبہات، ریب و تردد دور ہو جاتا، یہی چیز ایمان کی سلامتی کا عروۃ الوثقیٰ ہے۔

آپ لباس سادہ مگر صاف ستھرا پہنتے اکثر و بیشتر سفید لباس زیب تن فرماتے۔ زندگی کے آخری دور میں سر مبارک پر پگڑی باندھنے کا معمول تھا، لیکن حضر و گھر میں پانچ کلی ٹوپی استعمال فرماتے، جو سر مبارک پر خوب سجتی۔ صاف گورا رنگ، سفید ریش مبارک کے ساتھ جب سفید لباس زیب تن فرماتے اور سر مبارک پر سفید پگڑی سجاتے تو "حسن یوسف" دوبالا ہو جاتا۔ طبیعت میں خشکی نہیں تھی، بہت خوش طبع تھے مزاح کا عنصر طبیعت میں غالب تھا۔ آپ کی مجلس میں کبھی اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی، دل چاہتا کہ حضرت بولتے اور موتی رولتے رہیں۔ دوران گفتگو لطائف بیان فرماتے خود بھی ہنستے دوسروں کو بھی ہنساتے، جب تبسم فرماتے تو بہت ہی خوبصورت لگتے، پہلی ہی مجلس اور ملاقات میں آپ کی محبت اور کشش ملنے والے کو اپنا گرویدہ اور اسیر بنا ڈالتی اللہ تعالیٰ نے آپ کو شان محبوبیت سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

خوشگوار یادیں

مولانا محمد اسحاق مدنی، دبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی - رحمۃ اللہ علیہ - کی شہادت اور سانحہ ارتحال ایک ایسا ہولناک سانحہ ہے جسے نہ لفظوں میں بیان کرنا ممکن ہے، اور نہ یہ بھلائے بھلایا جاسکتا ہے - ایک ایسا وجود جو سراپا خیر اور مجسم فیض رساں تھا، اس سے اچانک اور یکدم ہمیشہ کیلئے محروم ہو جانا جس قدر صدمے اور افسوس کا باعث ہو سکتا ہے اس کا اظہار و بیان لفظوں میں کوئی کس طرح کر سکتا ہے؟ جو ہستی صبح سے شام اور شام سے صبح تک فیض رسانی میں مصروف ہو، اور فیض رسانی بھی ہمہ جہت اور لگاتار، پھول برساتی اور معارف بکھیرتی زبان، بہار آفریں قلم، نورانی شکل و شباہت، سادگی اور پروقار چال ڈھال، تعلیم و تدریس، وعظ و تذکیر، مجالس تزکیہ و تطہیر، صدق و اخلاص، لگاتار محنت و مشقت، اپنے اکابر و اسلاف سے سچے تعلق اور والہانہ عشق کے تذکروں اور خالق و مالک کے حضور اپنی پر سوز دعاؤں، التجاؤں، اور آقا و مولا امام الانبیأ و رسل، خاتم الانبیأ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا عشق، اور آپ کی خاتم المرسلینی کی حفاظت کے مشن کی پاسداری اور جنون کی حد تک اس سے لگاؤ وغیرہ وغیرہ آپؒ کی حیات طیبہ کے وہ عظیم الشان اور امتیازی پہلو تھے کہ ان کے پیش نظر کسی دل دردمند کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آپ کو بھلا سکے، اور خداوند قدوس کی توفیق و عنایت سے اپنے علم و قلم اور فیض و اثر کے جو مقدس اور پاکیزہ نقوش، روشن آثار و نشانات آپؒ چھوڑ گئے، وہ رہتی دنیا تک پائندہ و تابندہ رہیں گے -

حضرتؒ کے دبئی کے قیام کی کچھ یادیں :

کوئی پندرہ سولہ سال قبل حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بعض رفقا حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، محترم مولانا منظور احمد الحسینی اور دوسرے رفقاً پر مشتمل ایک معزز و مکرم وفد کے ہمراہ متحدہ عرب امارات کے ایک خاصے طویل دورے پر دبئی تشریف لائے، ہم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ استقبال کیلئے ائرپورٹ پر حاضر ہوئے، شنید تھی کہ اس وفد میں میرے محبوب استاذ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لارہے ہیں، راقم آثم کو چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ کے علاوہ ایک خاص قسم کا قلبی لگاؤ بھی تھا اس لئے مجھے ان کی زیارت وملاقات کا خاص طور پر زیادہ شوق تھا، لیکن معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض عوارض کی بنا پر اس وفد میں تشریف نہیں لا سکے، سو ہم نے ان حضرات کا استقبال کیا اور ان کو خاص اعزاز واکرام کے ساتھ اپنے ہاں لائے، اور خیرات وبرکات بھری مجلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"وسواس خناس" کی تشریح :

چونکہ وفد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے تحصیل فنڈ اور خاص کر لندن میں مرزائیوں کے تعاقب کیلئے ایک مستقل مرکز قائم کرنے کی غرض سے مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لئے آیا تھا، اس لئے ہم نے یہاں پر مختلف پروگرام ترتیب دئے، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی بعض ذمہ داریوں اور ضروری مصروفیات کی بنا پر جلد ہی واپس تشریف لے گئے، لیکن وفد کے بقیہ ارکان حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت وسربراہی میں تقریباً ایک ماہ تک یہیں رہے، راقم آثم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ پچیس سال سے یہاں متحدہ عرب امارات میں دعوت وارشاد کے سلسلہ میں اپنی ٹوٹی پھوٹی خدمات انجام دے رہا ہے، اور اس سلسلہ میں دوسرے مختلف پروگراموں کے علاوہ یہاں کی مختلف بڑی بڑی اور مرکزی مسجدوں میں راقم کے حلقہ ہائے دروس مستقل طور پر ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ دروس قرآن وتفسیر کے حلقے ہوتے ہیں، اور کچھ دروس

حدیث وسیرت کے، اور یہ سلسلہ گزشتہ پچیس سال سے الحمد للہ لگاتار جاری ہے اور بحمد اللہ خاصہ مقبول و موثر بھی ہے، جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا انعام واحسان ہے، ورنہ مجھ جیسا کم سواد، کوتاہ فہم، اور علم و عمل کے اعتبار سے ناقص و کمزور شخص اس قابل کہاں؟ :

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ سب تیری مہربانی ہے

سوانہی دروس میں سے میرا ایک درس دیرہ دبئی میں واقع ایک مشہور و معروف اور مرکزی جامع مسجد میں ہوتا ہے جو کہ مسجد ''الغزیر'' کے نام سے موسوم ہے، اور اردو بولنے والے انڈیا اور پاکستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے معروف مرکز کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں راقم آثم کا حلقۂ تفسیر جو پچیس سال قبل شروع ہوا تھا اور اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاری وساری ہے، والحمد للہ علیٰ ذالک، اس میں تفسیر قرآن کا اختتام ہونے والا تھا، ہم نے ان حضرات کی تشریف آوری کے پیش نظر انہی دنوں اس کی اختتامی تقریب کا پروگرام بنایا، چنانچہ پروگرام کے مطابق رات عشا کی نماز کے بعد یہ تقریب شروع ہوئی، جس میں مختلف علماو مشائخ، اور عرب و عجم کی چیدہ چیدہ شخصیات کے علاوہ عوام کی ایک بھاری تعداد بھی موجود تھی، حسب پروگرام کچھ دوسرے علما کرام کے مختصر بیانات کے بعد راقم آثم نے سورۃ الناس کا درس دیا، جو کہ اس حلقے کا آخری درس تھا، اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا خطاب شروع ہوا، جو اس مبارک اور پروقار تقریب کا خصوصی اور مرکزی خطاب تھا، آپؒ نے اپنے خطاب کا آغاز اس طرح فرمایا کہ :

''ابھی حضرت مولانا صاحب (یعنی راقم) نے ''الوسواس الخناس'' کی تفسیر و تشریح آپ حضرات کے سامنے فرمائی، اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس دور کا سب سے بڑا ''وسواس خناس'' مرزا غلام احمد قادیانی دجال تھا، جس نے انگریز کے اشارے پر جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، اور پھر انگریزی حکومت کی سرپرستی اور اسی کی پشت پناہی کے زور پر اس کفر کو اس نے پھیلایا، جس کی تردید اور اس کے مقابلے کے لئے علمأ حقانی

سر بکف میدان جہاد میں اترے اور انہوں نے جان ومال کی بے مثال قربانیاں پیش کیں، اور لگاتار ایک صدی تک اس فتنہ کی سر کوبی کیلئے اور اس کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی غرض سے انہوں نے طرح طرح کی قربانیاں پیش کیں، یہاں تک کہ حکومت پاکستان کو ماننا پڑا اور بالآخر یہ قانون بنانا اور پاس کرنا پڑا کہ مرزائی غیر مسلم اقلیت ہیں۔“

اس طرح حضرتؒ نے کوئی ایک گھنٹہ تک مفصل اور ایمان افروز خطاب فرمایا، اور یہ خطاب گویا کہ اس تقریب کا خلاصہ اور اس کی اصل روح اور جان تھی، اس کے علاوہ مہینے بھر کی اس مدت کے دوران دوسری مختلف ریاستوں میں بھی حضرتؒ کے اور آپؒ کے ساتھیوں کے مختلف ایمان افروز اور روح پرور پروگرام اور خطاب ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

”قانون کا سہارا“ ایک خاص اصطلاح :

اسی دوران ”قانون کا سہارا“ کے نام سے ہمارے یہاں ایک خاص اصطلاح بھی مشہور ہوگئی، جو ہم اپنی خاص مجلسوں میں استعمال کر کے بطور خاص محظوظ ہوتے۔ اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے جس سے اس کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ یہاں پر حکومت پاکستان کی نمائندگی کرنے والا ایک خاص سرکاری ادارہ ہے، ہم نے چاہا اور پروگرام بنایا کہ اس کے ذمہ داروں سے بھی حضرتؒ کی ملاقات اور تبادلۂ خیالات کیلئے ایک نشست ہو جائے، چنانچہ ان سے رابطہ کر کے اس ادارہ کے سربراہ سے ملاقات کیلئے وقت طے کر لیا گیا اور ۸۵، ۸۶ کے اس دور میں اس ادارہ کے سربراہ ایک ایسے صاحب تھے جو ایک ریٹائرڈ فوجی افسر تھے، ایسے حضرات کے بارہ میں عام تأثر اور تجربہ یہی ہوتا ہے کہ یہ دین کے بارہ میں لاابالی اور اس سے نابلد ہوتے ہیں، اور ان کا عمومی انداز یہی ہوتا ہے کہ یہ سب مولویوں کی باتیں اور انہی کے جھگڑے ہیں، ہمیں ان سے کیا لگی، ہم نے تو اپنی نوکری کرنی ہے اور بس! چنانچہ اس پاکستانی ادارے کے اس وقت کے وہ فوجی آفیسر بھی ایسے ہی نکلے، اس مجلس میں ہم تین افراد تھے، ایک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے وہ

۱۵

آفیسر صاحب، اور تیسرا یہ بندۂ ناچیز، میری دائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تشریف فرما تھے، بائیں جانب وہ صاحب، اور درمیان میں راقم آثم! آغاز گفتگو میں بندہ نے حضرت مولانا کا تعارف کراتے ہوئے ان صاحب سے عرض کیا کہ یہ پاکستان کے نامور عالم دین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی ہیں جو روزنامہ جنگ میں ہر جمعہ کے روز ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے مقبول ترین کالم میں لکھتے ہیں اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما ہیں، حکومت پاکستان نے جب مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو انہوں نے اپنے آقا انگریز بہادر کے ملک میں جاکر وہاں اپنا نیا مرکز قائم کرلیا، اور اس کا نام انہوں نے ''اسلام آباد'' رکھا، اور وہاں سے وہ ڈش وغیرہ جیسے جدید وسائل وذرائع سے اپنا کفر دنیا میں پھیلا رہے ہیں اور کتنے ہی سادہ لوح ایسے ہیں جو ''اسلام آباد'' کے نام سے دھوکے میں پڑتے ہیں کہ یہ نشریات اس اسلام آباد سے نشر ہورہی ہیں جو کہ پاکستان کا دارالحکومت ہے، سو اس طرح مرزائیوں کا اپنے اس مرکز کا یہ نام رکھنا گویا ایک مستقل چیلنج اور اعلان بغاوت ہے، اور ایک متوازی پاکستان کے وجود کا اعلان کرنا ہے، ایسی صورت میں آپ حضرات کا فرض بنتا تھا اور بنتا ہے جو کہ سرکاری ملازم اور سرکار کے نمائندے ہیں کہ آپ قادیانیوں کی اس جسارت کا نوٹس لیتے، کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ وہ اپنے مرکز کا قادیانی آباد وغیرہ جیسا کوئی اور نام رکھتے، مگر آپ حضرات نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا مگر ان علمأ کرام نے ان کا تعاقب کیا، اور اسی سلسلہ میں ابھی لندن میں ختم نبوت کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دیگر مختلف نامی گرامی علما کرام کے علاوہ حضرت مولانا نے بھی شرکت فرمائی، اور اب وہاں سے واپس پاکستان جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لئے یہاں رکے ہیں، بندہ یہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اس پر وہ ''آفیسر صاحب'' میری بات کاٹتے ہوئے بیچ میں بولے کہ: ''صاحب! جب مرزائی اقلیت میں ہیں تو پھر ہم ان کے مقابلے میں قانون کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟ اس پر حضرت لدھیانویؒ یکدم جلال میں آگئے، چہرے پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، لیکن اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی معروف متانت وسنجید گی سے کام لیتے ہوئے اپنی سیٹ سے آگے ہو کر ان صاحب سے مخاطب ہوئے اور ان سے سوال کیا ''کیا مطلب قانون کے سہارے کا؟'' تو ان صاحب نے کہا ''مطلب یہ ہے کہ ہم

لوگ اکثریت میں ہیں اور وہ اقلیت میں، تو ہم نے ان کے خلاف قانون کا سہارا لیتے ہوئے ایک آرڈی نینس ان کے خلاف پاس کرایا، ایسا کیوں ہے؟ ہم فیلڈ میں ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں مولانا مرحوم نے ان سے فرمایا اچھا یہ بتایئے کہ ملک میں چور تھوڑے ہیں یا وہ لوگ جن کی چوری ہوتی ہے؟ اس پر ان صاحب نے کہا کہ چور تھوڑے ہیں۔ مولانا نے پوچھا کہ اچھا تو پھر آپ لوگ چوروں کے خلاف قانون کیوں بناتے ہیں؟ اس کے جواب میں وہ صاحب ہکے بکے رہ گئے، ان کی بولتی بند ہو گئی، اور وہ ایسے خاموش اور مہربلب ہو کر رہ گئے جیسے کوئی گدھا کسی سخت کیچڑ میں پھنس کر رہ جائے، نہ آگے جانے کا نہ پیچھے ہٹنے کا، پھر مولانا مرحوم نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم فیلڈ میں اترنے اور آمنے سامنے مقابلہ کرنے سے نہ کبھی گھبرائے ہیں نہ گھبرائیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے۔ لیکن قانون تو ہمیشہ چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کے لئے بنتا ہے جو کہ تعداد میں اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے جرائم کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کو قانون کے آہنی شکنجوں میں کسا جائے تاکہ وہ پر امن معاشرہ کیلئے فساد و بگاڑ کا سبب نہ بنیں۔ تو اس کے بعد ”قانون کا سہارا لینا“ ہماری ایک خاص اصطلاح بن گئی جس کو ہم لوگ جگہ جگہ استعمال کرتے تھے اور اب تک کرتے ہیں اور حسب ضرورت اس کا یہ سارا پس منظر بھی بیان کرتے ہیں جس سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی خوش نصیبی اور ایک درسِ عبرت:

بہر کیف حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے اب ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے، اور ایک بھرپور اور مثمر و نفع بخش زندگی گزار کر رخصت ہوئے، ہمیں افسوس اور صدمہ اگر ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ دنیا ان کے فیوض و برکات سے محروم ہو گئی اور ان کے انتقال سے ایک ایسا مہیب اور ہولناک خلا ہو گیا ہے جو نظر بظاہر پورا ہوتا نظر نہیں آتا، ورنہ جہاں تک مرحوم کی موت کا تعلق ہے وہ تو ایک قابلِ رشک موت ہے کہ ایک طرف تو آپ اپنے علم و فضل کے انمٹ نقوش اور ہمیشہ باقی رہنے والے خزانے چھوڑ گئے، جو رہتی دنیا تک ان کی یادِ دلشاد اور ان کے اجر و ثواب کا ذریعہ بنتے رہیں گے اور دوسری طرف آپؒ اپنے صدق

واخلاص کی بنا پر شہادت کی اس موت سے سرفراز ہوئے جو سب سے بڑی سعادت اور مومن صادق کی حقیقی تمنا ہوتی ہے، حالانکہ آپؒ جیسی شخصیت جو قلم و قرطاس کی دھنی، مکتب و مدرسہ کی زینت، وعظ وارشاد اور محراب و منبر کیلئے وقف رہنے والی، اور تزکیہ نفوس پر توجہ مرکوز رکھنے والی خالص علمی دینی اور قلمی شخصیت ہو، اس کے لئے عموماً شہادت کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں، لیکن جب نیت سچی اور ارادے درست ہوں تو رب رحمٰن جو کہ اپنی رحمتوں کے خزانے لٹانے کیلئے بہانہ نہیں مانگتا بلکہ محض بہانے ڈھونڈتا ہے، وہ یونہی نواز دیتا ہے، چنانچہ حضرت نبیٔ معصوم علیہ الصلوۃ والسلام سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ: جو کوئی سچے دل سے شہادت کی طلب اور تڑپ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کے مرتبہ ومقام سے سرفراز فرمادیتا ہے، اگرچہ اس کی موت اس کے بستر ہی پر کیوں نہ ہوئی ہو، (مات شهيدا وان مات على فراشه) پھر آپؒ کی شہادت کی یہ موت بھی ایسی صورت میں نصیب ہوئی جب کہ آپؒ پاک صاف اور باوضو ہو کر اپنے دفتر تشریف لے جارہے تھے، جہاں آپؒ کا قلم آپؒ کے انتظار میں تھا، اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی کسی نیک کام کی انجام دہی کے دوران مرجاتا ہے، اس کا اجر وثواب اس کو قیامت تک ملتا رہتا ہے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ایسے میں انسان چونکہ کار سرکار میں مصروف ہوتا ہے اس لئے وہ ایسے اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان تاثیر اور قوت ہے، ایمان ویقین اور صدق واخلاص کی دولت کی- اللهم زدنا منه وثبتنا عليه ووكرمك يا ارحم الراحمين-

مایوسی کی ضرورت نہیں!

رہ گئی یہ بات کہ آپؒ کے سانحہ ارتحال سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ نظر بظاہر پورا ہونا بہت مشکل ہے یہ بات اپنی جگہ صحیح اور درست ہے، اس میں کسی اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن خدائے رحمٰن کی قدرت اور اس کی رحمت وعنایت کو دیکھتے ہوئے یہ بھی کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں، کہ اس قادر مطلق کی رحمت وعنایت لا محدود ہے، اس کی شان ''یداہ مبسوطتان'' کی مثال ہے، ایک ایک لمحہ اور لحظہ میں اسکے جو خزانے تقسیم ہوتے

ہیں ان کا احصاءً وشمار بھی کسی کے بس اور امکان میں نہیں، ذرہ کو آفتاب بناتے ہوئے اس کو کچھ دیر نہیں لگتی، اگر ماضی قریب ہی پر ایک عابرانہ نظر ڈال لی جائے تو حوصلہ بڑھانے اور ڈھارس بندھانے والی کتنی ہی جلی اور نمایاں صورتیں سامنے آتی ہیں، ماضی قریب میں ہمارے اکابر میں سے کتنی ہی ایسی بڑی شخصیات اس جہان رنگ وبو سے او جھل ہو گئیں جو کہ اپنے اپنے مقام پر ''کان امۃ'' کا مصداق تھیں، اور ان کے انتقال سے ایسا لگتا تھا کہ ان کے انتقال سے پیدا ہونے والے گھٹاٹوپ اندھیرے شاید کبھی نہ چھٹ سکیں، لیکن دنیا نے دیکھا اور کھلی آنکھوں دیکھا کہ قدرت نے نہ صرف یہ کہ اپنی رحمت وعنایت سے ان خلاؤں کو پر فرمادیا، بلکہ اس ضمن میں کئی ایسی مثالیں بھی دنیا کے سامنے آئیں کہ خلف اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر سلف سے بھی کئی اعتبار سے آگے بڑھ گئے، اس کی تازہ مثال امیر المجاہدین حضرت مولانا مسعود اظہر کی ہے، قدرت نے ان کو کیسی کیسی صلاحیتوں سے نوازا، اور کن کن حالات سے گزار کر کہاں سے کہاں پہنچایا، اور ایسا اور اس حد تک کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، کئی سالوں تک کی طویل قید وبند، اور ایک نہایت ہی غلیظ اور نجس دشمن کی قید وبند سے موصوف جس معجزانہ طور پر رہا ہوئے اور جس اعزاز واکرام کے ساتھ رہا کر کے دشمن نے خصوصی جہاز میں لے جا کر افغانستان کی اسلامی سرزمین پر اتارا، اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا دعویٰ اور گھمنڈ رکھنے والی کفر وشرک کی علم بردار اس حکومت کو اپنا وزیر خارجہ بھی مولانا موصوف کی اردل میں افغانستان میں بھیجنا پڑا، پوری تاریخ میں کوئی نظیر ومثال نہیں مل سکتی، اس سارے عمل کو قدرت کی ایک خاص عنایت اور اسلام کے ایک معجزے کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

سو حضرت لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال سے مایوس ہونے، دل توڑنے اور ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ پاک کی طرف مزید از مزید صدق واخلاص سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، وہ اپنے فضل وکرم سے اس خلأ کو کس طرح اور

کس ذریعے سے پر فرماتا ہے اس کا علم اس وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

اللهم فخذ بنواصينا الىٰ مافيه حبك ورضاك بكل حال من الاحوال وفى كل موطن من المواطن يا ارحم الراحمين ويا اكرم الاكرمين ويا من بيده ملكوت كل شئ وهو يجير ولايجار عليه۔

............☆............

...... حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بے وطن لوگوں کو (جو اپنے اپنے علاقوں سے اپنی ضرورتوں کے لئے دارالخلافہ میں آئے ہوئے تھے) جمع کیا اور ان کو خطبہ دیا، اس میں فرمایا:

"لوگو! اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جاؤ، کیونکہ جب تم میرے پاس ہوتے ہو تو میں تمہیں بھول جاتا ہوں اور جب تم اپنی اپنی جگہ ہو تو مجھے خوب یاد رہتے ہو، دیکھو! میں نے کچھ لوگوں کو تم پر حاکم مقرر کیا ہے، میں یہ نہیں کہوں گا کہ وہ تم میں کے بہترین آدمی ہیں، ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بروں سے اچھے ہیں، اگر کسی شخص پر اس کا حاکم ظلم ڈھاتا ہے تو میں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اسے میری طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے (اطلاع ملنے پر اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی) اور جس پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا (یونہی آیا ہوا ہے اسے اپنی جگہ واپس جانا چاہئے) آئندہ میں اسے یہاں نہ دیکھوں۔

دیکھو! میں نے اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے اس مال کو ممنوع قرار دے رکھا ہے، اب اگر تم کو دینے میں بھی بخل کروں تو پھر میں پرلے درجہ کا کنجوس ٹھہرا، بخدا! اگر میں کسی سنت کو بلند نہ کر سکوں یا حق وانصاف کی راہ پر نہ چل سکوں تو میں ایک گھڑی بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا"۔......

علومِ اکابر کے شارح

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا مقام و مرتبہ اور ان کی قدر و منزلت جس قدر میرے دل میں ہے، میں اپنی کمزوری و بیماری کی وجہ سے اسے احاطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہوں، تاہم چند عقیدت کے پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "العلماء ورثة الانبیاء" (علما انبیاً کے وارث ہیں) لہذا کسی صحیح عالم کو پہچاننے کا معیار یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت اور ایک ایک ادا کا حامل ہے یا نہیں، کیونکہ صحیح وارث وہی کہلاتا ہے جو اپنے مورث کی جائیداد میں سے ہر ایک چیز، دوکان، مکان، روپیہ، پیسہ، تجارت حتی کہ سوئی دھاگہ کا بھی وارث اور حصہ دار ہو، اس لئے صحیح معنی میں عالم دین وہی کہلائے گا جو آنحضرت ﷺ کے عادات وفضائل اور شمائل وخصائل کا حامل ہو، اس میں آپ ﷺ کا سا تقوی، علم و عمل، دعوت و تبلیغ، احقاق حق، ابطال باطل، جرأت وہمت، خدا خوفی، صبر و قناعت، تسلیم ورضا، ایثار و توکل اور زہد وتقشف کی جھلک نظر آئے، غرض اس کی چوبیس گھنٹے کی زندگی اسوہ نبویؐ کی آئینہ دار ہو، جس کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے سے اسوہ نبوی کی ادائیں جھلکتی ہوں، وہی اصل وارث نبوی کہلائے گا، ورنہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دو ایک چیزوں اور اداؤں میں متبع سنت نظر آتے ہیں، وہ صحیح وارث نبوی کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے، میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو وراثت نبوی میں سے ایسا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی کوئی ادا ایسی نہیں تھی جو آپؒ میں نہ پائی جاتی ہو، تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں، البتہ چند ایک بنیادی باتیں عرض کروں گا، مثلاً:

عام طور پر علما میں نا تجربہ کاری، کم علمی اور جذبہ نصح و خیر خواہی کی کمی کی بنا پر عجب وغرور اور پندار کا مرض ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ انکے پاس کوئی دہریہ اور لادین آجائے اور وہ دین، ارباب دین، قرآن وسنت اور خدا اور رسول کی ذات کو نشانۂ تنقید بنائے تو بجائے اسے مطمئن کرنے کے اس سے گھبرا جاتے ہیں اور بدحواسی کے عالم میں اسے دھتکار دیتے ہیں، کہتے ہیں یہاں سے اٹھ کر چلا جا، نعوذ باللہ خدا کے بارے میں ایسا کہتا ہے ویسا کہتا ہے؟ ظاہر ہے اس کو اشکال ہے چاہے اس کا ذہن کسی نے خراب کیا ہے یا ہو گیا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے اشکالات دور کریں اگر ہم ہی اس کا اشکال رفع نہ کریں گے تو وہ کہاں جائے گا؟ مگر ان غیر تربیت یافتہ لوگوں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔

ہمارے والد صاحب (حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ جتنا کوئی زیادہ گناہگار ہو، اتنا بڑا روحانی بیمار ہے، اس کو اپنے گلے سے لگاؤ کیونکہ جس طرح شدید بیمار کو عام وارڈ میں رکھنے کی بجائے خصوصی نگہداشت کے وارڈ میں رکھ کر اس پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اسی طرح شدید روحانی بیمار کو بھی عام بیماروں کی طرح دور کرنے کی بجائے قریب کر کے خصوصی توجہ دینے اور گلے لگانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا ایمان بچ جائے۔

اس پر ہمارے والد صاحب عجیب جملہ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا اور فرمایا: "اذهبا الى فرعون انه طغى" یعنی فرعون کو ایمان کی دعوت و تبلیغ کرو کیونکہ وہ سرکش ہے، اور اس سے بڑا سرکش کون ہو سکتا تھا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑا مبلغ بھی کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اللہ کے جلیل القدر نبی ہیں، لیکن انداز اور سلیقۂ تبلیغ سکھلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں فرماتے ہیں: "فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى" کہ اس سے بات میں نرمی اختیار کرنا ہے کہ شاید وہ ڈر جائے اور نصیحت قبول کر لے۔ لیکن آج مزاج بھی بدل گئے ہیں کہ جب کسی

گناہگار کو مخاطب کیا جاتا ہے تو اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے شاید اس لئے کہ ان کی تربیت نہیں ہوئی، اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں غرور و تکبر آگیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو غرور و تکبر نہیں بلکہ عاجزی پسند ہے، تو علما صحیح معنی میں انبیا کے وارث تب ہی کہلائیں گے جب ان میں انبیا کی سی شفقت و نرمی اور تواضع ہو۔ اصولاً کسی کا وارث وہی کہلائے گا جو اس کے نسب سے ہو، اور اس کا رشتہ دار ہو مگر علما کو انبیا کا وارث قرار دیا گیا محض علم و فضل اور اخلاق و شمائل کے اعتبار سے، یہ کتنا بڑا مقام ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ غالباً شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ علما انبیا کے وارث ہیں اس لئے تمام علما حکما سید ہیں، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عالم دین میرا وارث ہے اور وارث تو رشتہ دار ہی بنے گا، تو گویا آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ عالم دین میرا بیٹا بن گیا تو کتنا اونچا مقام اور اعزاز ملا ہے اس عالم دین کو؟ تو جس درجہ کا پیغمبر ﷺ کی اداؤں پر عمل کرے گا اسی درجہ کا وارث ہوگا۔

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کو یہ جذبہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ایسے روحانی بیماروں پر خوب سے خوب توجہ دیتے اور ان کے ایک ایک اعتراض کا سکون واطمینان سے جواب دیتے اور نہایت اپنائیت سے اس کو فکر آخرت کی طرف متوجہ کرتے، چنانچہ ان کی کتابوں خصوصاً "آپ کے مسائل اور ان کا حل" اور "تحفہ قادیانیت" میں اس کے بیسیوں شاہکار موجود ہیں، انہیں مریض سے نہیں مرض سے نفرت تھی اور دیکھا گیا کہ سینکڑوں ایسے لادین جو اسلام اور اہل اسلام پر اعتراض کرتے ان کے حلقہ میں آکر پکے دین دار بن گئے۔

سچ ہے کہ "اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله" اللہ تعالیٰ ان علماء ربانی کو علوم لدنی عطا کرتے ہیں ان کو علم کا نور مل جاتا ہے، یہ حضرات ایسی ایسی باتیں بتلاتے ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملیں گی، نہایت متانت، سنجیدگی، سادگی اور دھیمے انداز میں چھوٹے چھوٹے فقروں میں ایسے حقائق و معارف اور نکات بیان کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو یہ وصف عطا فرمایا تھا۔ میں صحیح مسلم اور بخاری کے سبق میں طلبا کو کہا کرتا ہوں کہ خدا کے لئے تکبر سے بچو اور عاجزی اختیار کرو اور جب کوئی سائل آئے تو اس سے میٹھا بول بولو اور نرم گفتاری کو اپناؤ دیکھو کتنی غنیمت ہے کہ اس فتنہ کے دور میں آپ

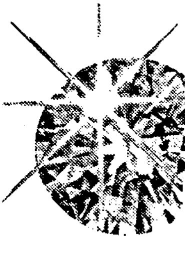
سے کوئی دین کی بات پوچھنے آیا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو گی؟

ہاں اگر اس وسعت قلبی کے ساتھ جواب نہیں دے سکتے تو صاف صاف کہہ دو کہ مجھے جواب نہیں آتا گھبرانے اور تکبر کرنے کی ضرورت نہیں یا اس سے کہہ دو کہ آپ کل تشریف لائیے میں کتاب سے دیکھ کر آپ کو بتلاؤں گا کوئی تکلف نہ کیا کرو۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات و کمالات سے نوازا تھا، ان کا ایک خاص امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ ہر وقت متبسم رہتے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی محبوب ادا اور سنت ہے باوجودیکہ آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے ہوتے مگر ٹوٹے دلوں کی خاطر مسکرا کر ان کے غموں کو کافور کر دیتے، ٹھیک اسی طرح ہم نے حضرت مولاناؒ کو جب بھی دیکھا مسکراتے دیکھا۔

آپؒ جب بیان فرماتے مسکراتے رہتے اور اس نرم اور دھیمے لہجے میں بیان فرماتے کہ دلوں کو موہ لیتے، آپ میں تواضع ہی تواضع تھی، کبر و غرور نام کو نہیں تھا، حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم میں جو پختگی عطا فرمائی تھی وہ میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی، بلاشبہ آپ متصرف فی العلم کے درجہ پر فائز تھے، آپ محض ناقل نہیں تھے، آپ ان علما میں سے تھے کہ جو بات سنی اور پڑھی وہی آگے نقل نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر تصرف کر کے اپنی طرف سے ایسے عام فہم الفاظ لا کر سادہ اور سہل انداز میں اس کی ایسی تعبیر فرماتے جو کتابوں میں نہیں ملتی، بلاشبہ میں نے حضرت شہیدؒ کو متصرف فی العلم پایا۔

مولانا میں جو صفت میں نے دیکھی کہ کتنا گنہگار آئے ہر وقت مسکراہٹ اور ایسے انداز میں بات کرنا کہ اس کے دل میں اتر جائے جو اصل عالم دین کی شان ہونی چاہئے، اللہ نے مولانا کو یہ کمال عطا فرمایا تھا، باقی مولانا کو علمی میدان میں تقریر کے میدان میں، تحریر کے میدان میں، تدریس کے میدان میں، جتنے شعبے ہیں ہر ایک میں اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا تھا، ہر درجے میں کمال! تدریس، تحریر و تقریر، بلکہ میں تو حیران ہوتا تھا کہ یہ علوم معارف ان کو کہاں سے عطا ہوئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت شہید کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمینؑ



خزانۂ خوبی

مولانا حافظ عبد الرشید ارشد، لاہور

ملک کے نامور، محدث، مصنف، مفتی، شیخ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو ختم نبوت کے دفتر میں جاتے ہوئے بھرے بازار میں شہید کردیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وصیت تھی کہ مجھے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے قدموں میں دفن کیا جائے وہاں جگہ نہ تھی لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ آپ کی افتتاح کردہ (جس کا گزشتہ سال افتتاح ہوا تھا) مسجد خاتم النبین پوسٹ آفس سوسائٹی۔ گلشن اقبال میں دفن کیا جائے۔ ہم مسجد خاتم النبین پہنچے تو وہاں مسجد کی جانب شمال متصل ہی دو قبریں بنائی گئیں تھیں چنانچہ پہلے حضرت مولانا کے خادم وڈرائیور کو دفنایا گیا۔ مولانا کی نعش مسجد میں رکھ دی گئی تھی کہ بیٹی نے بہاولنگر سے ایک بجے کی پرواز سے آنا تھا۔ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کرلی جائے، خیال تھا کہ اپنے محبوب و مخدوم دوست کا ماتھا چوموں گا لیکن کراچی میں نعش کی چارپائیاں ایسے بنائی جاتی ہے کہ اوپر بلندی پر چار پانچ سلاخیں لگی ہوتی ہیں کہ منہ اندر لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ مجبوراً متبسم چہرے اور سرخ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر اس کو چوما گویا سرخ رو ہو کر رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے۔ گولی یا خنجر لگتا ہے تو اس کے درد سے چہرے پر درد و کرب کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن "شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن" شہید مرحوم تو اللہ تعالیٰ سے شہادت کی موت کی رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں کسی نے پرچہ لکھ کر سوال پوچھا کہ اگر آپ پر حملہ ہوا تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ اس پر آپ نے بڑے

اطمینان اور وقار سے فرمایا کہ : "اللہ کی مشیت پر راضی رہ کر کوئی مزاحمت نہیں کروں گا اور اللہ کی رضا پر راضی رہ کر اس کو قبول کروں گا اس لئے جس کا قصد و عزم ہی ایسا تھا اس کے، چہرے پر کرب کے آثار کیوں ہوتے ؟ داڑھی اللہ کے راستے میں شہادت کے لہو سے رنگین ہوگئی تھی اور چہرے پر تبسم تھا :

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

ہم آخری دفعہ اپنے محبوب دوست کی زیارت کر کے واپس اپنی جگہ آگئے۔ تھوڑی دیر بعد تدفین عمل میں آئی اور اس خزانہ خوبی کو مٹی کے حوالے کر کے ہاتھ جھاڑ کر واپس آگئے۔

مولانا محمد یوسف شہید یوں تو ہمیشہ ہی شہادت کی دعا کرتے ہوں گے لیکن افغانستان جا کر امیر المومنین ملا عمر مدظلہ سے مصافحہ و معانقہ کر کے اور ایک جگہ کلاشنکوف کے فائر کر کے شہادت کے لئے بے تاب ہو گئے اور اب اکثر آپ کی زبان و قلب پر شہادت کا جذبہ مچلنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا جلد قبول فرمائی اور یوں کسی مفسد یا دہشت گرد کے ہاتھوں شہادت کی راہ لی اور اسکے پیچھے کسی غیر مسلم طاقت یا طاقتوں کا ہاتھ ہے بہر حال شہید نے اپنے مقصد کو پالیا :

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یوں ہماری رفاقت و دوستی، مودت و محبت اور حضرت مولانا شہید کی اس ناچیز پر شفقت و پیار کا اڑتالیس سال پر محیط دور ختم ہو گیا۔

نیک اور متشرع ڈرائیور عبدالرحمٰن شہید ۳ فٹ کے فاصلے پر اپنی آخری نیند "نم کنومتہ العروس" کا مصداق سو گیا اب تا روز حشر دونوں کا ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا حشر نشر اکٹھا ہو گا اور جنت میں بھی اکٹھے جائیں گے۔ خادم گو بہت نیک و پارسا تھا لیکن یہ سونے پر سہاگہ والی بات ہوئی : "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" اے ایمان داروں کی جماعت ! خشیت الٰہی پیدا کرو اور نیک لوگوں کے ساتھ رہو۔

حضرت شہید اور احقر نے سن انیس سو ترپن (۱۹۵۳ء) میں مدرسہ عربی خیر المدارس (اب جامعہ خیر المدارس) میں دورہ حدیث شریف اکٹھے کیا تھا۔ میں ان دنوں شہید کو دیکھتا تھا کہ

باقاعدہ ہر کتاب کے سبق میں سب سے پہلے موجود ہوتے تھے۔اور سوائے چند دنوں کے کبھی سبق کا ناغہ نہیں کیا اور یہ غالباً وہ دن تھے جب آپ کی رخصتی ہوئی تھی، دو تین دن کے لئے رخصت پر گئے تھے، لیکن غالباً ہفتہ عشرہ لگ گیا اور ضابطہ کے مطابق مزید رخصت کے لئے حضرت مہتمم صاحب کو بذریعہ خط درخواست دی تھی، چونکہ ذوق ابتدا سے علمی تھا لہذا بڑے علمی انداز میں یہ درخواست لکھی تھی، جس سے ایک لطیفہ سرزد ہو گیا کہ چونکہ خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب پہلے حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت حافظ محمد صالح رائے پوری نکودری(م: ۱۹۲۳ء) کے بیعت ہوئے تھے اور میرے والد مرحوم بھی حضرت حافظ صاحبؒ سے بیعت تھے، اس ناتے حضرتؒ میرا خاصا لحاظ فرمایا کرتے اور میں اپنے فرصت کے اوقات میں دفتر اہتمام میں جا کر بیٹھ جاتا، جس دن حضرت شہید کا یہ خط آیا، میں حضرت مہتمم صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ مہتمم صاحب نے خط پڑھ کر میری طرف بڑھا دیا اور کہا کہ اپنے دوست کا خط پڑھو۔میں بہت دیر بعد تک کبھی کبھی آپ کو آپ کا یہ خط یاد کرایا کرتا تھا، آپ مسکرا کر فرماتے کہ کب تک مجھے یہ یاد دلاتے رہو گے، پندرہ بیس سال سے آپ راکٹ کی رفتار سے چلے اور میں نے مؤدبانہ انداز اختیار کر لیا، ورنہ :"چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد!" والا معاملہ تھا۔

شہید ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس باقاعدہ لکھا کرتے تھے۔میں جمعہ تقریباً ہمیشہ مسجد سراجاں میں مولانا محمد علی جالندھریؒ کے ہاں پڑھتا تھا، وہ تحریک کے دن تھے اور مولانا کی تقریروں کا شباب تھا، پنجابی میں اکثر تقریر کرتے، اور فہیم و ذہین اور ان پڑھ یکساں مستفید ہوتے، مجلس احرار اسلام کے سب لیڈروں کی یہ خصوصیت تھی کہ اونچے درجے کے نہیں اول درجے کے خطیب تھے اور عوام کو بات سمجھانے کا ملکہ راسخہ رکھتے تھے ، مولانا جالندھریؒ میں بھی یہ خوبی اتم درجہ کی تھی، شہید بھی مولانا کی تقریریں سننے جاتے، یہ ہمارا مشترکہ میدان تھا کہ مولانا جالندھریؒ کی تقریر سنیں۔میرا وجدان کہتا ہے کہ ختم نبوت کا لاگ آپ کو یہیں سے لگا، گو غیر شعوری طور پر ہو لیکن یہ لگ گیا تھا۔۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی دورہ حدیث میں شریک طلبا روزانہ جلوس میں شریک ہوتے تھے۔

جام وہ دے دل سے جس کو لاگ ہو
جام وہ دے عقل میری آگ ہو

اور یہ جام پھر دوآتشہ سہ آتشہ ہو گیا اور اب تو ایسا ہو گیا تھا کہ آپ کے پاس جام جہاں نما تھا ملت پر ہر آمدہ فتنہ کا شہید کو شدید احساس ہو تا تھا اور اس پر قلم برداشتہ لکھتے تھے۔

میرا تعلق خاطر شہید سے انہی دنوں کا ہے، ورنہ دورے کے دوچار ساتھیوں کے علاوہ شاید اب مجھے یہ بھی علم نہیں کہ کون کہاں ہے؟ اور کیا کرتا ہے؟

حضرت شہیدؒ جیسا کہ عرض کیا ابتدا ہی سے ذہین وذکی اور بہت متقی تھے۔ ذہین وذکی تو بہت ہوتے ہیں لیکن ان کی ذہانت وذکاوت ان کو کٹے پتنگ کی طرح اڑا کر لے جاتی ہے، اصل چیز صلاح و تقویٰ اور سلف صالحین پر اعتماد ہے۔ اگر تقویٰ، اساتذہ کا ادب اور علم پر عمل شامل حال ہو تو نہ صرف ادارے، جامعات بلکہ ملک وملت اور جہان اس پر فخر کرتا ہے۔ شہید ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ میں نے "بیس بڑے مسلمان" کے تیسرے ایڈیشن میں مرتب کتاب کے عنوان کا اضافہ کیا تو اس میں لکھا کہ: مولانا محمد یوسف مدیر "بینات" کراچی میرے دورہ کے ساتھی تھے ان دنوں بھی ان کی علمی و عملی بلندی کو رشک بھری نظروں سے دیکھتا تھا اور آج بھی

(بیس بڑے مسلمان ص ح)۔

دیکھنے میں بہت سادہ پہناوا یا لباس بھی سادا، چنانچہ ان دنوں عام طور پر لمبا کرتہ اور تہبند باندھا کرتے تھے، اور چال ڈھال بھی کوئی ایسی امتیازی نہ تھی بظاہر دیکھنے والے کو ایسے معلوم دیتے تھے جیسے کسی دہقان کے لڑکے نے طالب علم کا روپ دھار لیا ہے اور ویسے یہ بات حقیقت بھی تھی کہ آپ کے والد ماجد چوہدری اللہ بخش اپنے گاؤں کے زمیندار تھے اور زمینداره کرتے تھے، لیکن یہی طالب علم جب دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو اس کی سند پر اساتذہ نے جو الفاظ لکھے ان کو پڑھنے کے بعد احساس ہو تا تھا کہ گودڑی میں لعل چھپا ہوا ہے۔

آپ کو وقت کا ضیاع پسند نہیں تھا، کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے، جب سے (۱۹۷۸ء) "آپ کے مسائل اور ان کا حل" آپ نے جنگ میں لکھنا شروع کیا تو خاصا وقت ان خطوط کے جواب میں لگ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ "بینات" میں ملکی وملی فتنوں کے متعلق بڑے محکم اور مدلل انداز میں ان کا رد کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ ملک کے علمی حلقے ان کے ایسے مضامین کو بڑے غور سے پڑھتے تھے۔

اہلحدیث حضرات میں ایک خاصا بڑا معتدل نام حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ

بھوجیانی کا ہے، بر صغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی علمی رسالہ ایسا ہو جو ان کی نظر سے نہ گزرتا ہو بلکہ غیر ملکی فارسی و عربی جرائد بھی منگواتے تھے اور ان کی ذاتی لائبریری جو آج کل ایک وقف ادارہ ہے اس میں بر صغیر کے تمام اہم علمی پرچوں کی تقریباً مکمل فائلیں موجود ہیں۔ موصوف، مولانا محمد یوسف شہیدؒ کے مضامینِ "بینات" اور آپ کے قلم کے، جو فتنوں کے تعاقب میں نہایت روانی سے چلتا تھا، بہت معتقد تھے چونکہ ان کے ساتھ میرے نیاز مندانہ مراسم تھے لہٰذا انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ جب کبھی لاہور تشریف لائیں تو میری ان سے ملاقات کرائیے۔ حضرت شہید کا ان دنوں معمول تھا کہ اگر لاہور کسی کام کے لئے تشریف لاتے تو مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ ضرور قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ تشریف آوری پر میں نے کہا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، فوراً فرمایا کہ چلو ابھی چلتے ہیں، اب یہ مجھے یاد نہیں کہ ہم تانگے پر شیش محل روڈ گئے یا رکشہ پر، بہر حال ملاقات ہوئی اور دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، مولانا عطاء اللہ حنیف کے خیال میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ خاصی پختہ عمر کے ہوں گے اور ساتھ یہ بھی کہ آج کل کے علماء کی طرح۔ جن میں ایک میں بھی تھا کہ ان دنوں اچکن میں جکڑا رہتا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ شوخ و شنگ لباس میں ہوں گے، عینک چہرے پر لگی ہوگی، چھڑی ہاتھ میں ہوگی اور گھڑی بھی، شلوار اچکن پہنے ہوں گے۔ لیکن جب ملاقات ہوئی تو ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ جیسے سیدھے سادے وہ خود تھے، ایسے ہی مولانا محمد یوسف تھے اور پھر جوان، لیکن جوانی کی کوئی علامت چہرے پر ہویدا نہ تھی، لیکن سادگی کے ساتھ خوش خلقی اور خوش گفتاری بھی ایسی کہ "مرنہ جائے کون" فرمایا! میری طرح جاٹ لگتے ہیں اور مولانا محمد یوسف ذات کے اعتبار سے بھی واقعی جاٹ تھے۔ لیکن ان کی مراد سادگی تھی۔

ہمارے ناظم جامعہ رشیدیہ ساہی وال کا خیال ہوا کہ دارالعلوم دیوبند پر ایک عمدہ نمبر شائع کیا جائے اور مرحوم نے تین چار صد صفحات ہونے پر زور دیا کہ اب اسے شائع کر دیا جائے لیکن راقم ٹالتا رہا کہ اب جب نمبر نکالنا ہے تو پھر دارالعلوم کے شان شایان نکالا جائے، چنانچہ تقریباً آٹھ صد صفحات پر مشتمل یہ نمبر شائع ہوا۔ مولانا شہیدؒ ان دنوں مجلس ختم نبوت میں آچکے تھے، چنانچہ میں نے درخواست کی کہ دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت پر خدمات پر آپ مضمون

لکھیں، آپ بالکل آخری دنوں میں لاہور تشریف لائے اور مکتبہ رشیدیہ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر ایک دو دن میں بڑے سائز پر ۵۳ صفحات کا ایک مضمون "قلم برداشتہ" لکھا۔ گویہ ایک مستند باحوالہ مضمون ہے، اور شہیدؒ نے لکھتے ہوئے حوالے بقید صفحات وکتابیات دیئے، لیکن لکھتے گئے اور کاتب کو دیتے گئے کسی لفظ کو کاٹا، نہ نظر ثانی کی۔ یہ آپ کے علمی استحضار کی بڑی دلیل ہے بعد میں یہ مضمون عام کتابی سائز کے دوصد صفحات کی کتاب کی شکل میں چھپا۔ میرے سامنے یہ سب کچھ ہوا اور میں حیران تھا کہ میرے عزیز دوست میں لکھنے کی کس قدر صلاحیت ہے؟ اسی طرح ماہنامہ "الخیر" کے مدیر جناب مولانا محمد ازہر صاحب رقم طراز ہیں کہ:

"ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ایک ہی نشست میں فل اسکیپ کے اسی صفحات قلم برداشتہ تحریر فرمائے ایک صاحب نے مولانا مرحوم کی علمی استعداد و مقام کا امتحان لینے کے لئے ایک مسئلہ پر پانچ سوالات تحریر کئے جواباً مولانا نے ہر سوال کے جواب میں سو صفحات لکھے اور یوں پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک علمی خزینہ منظر عام پر آگیا۔"

یہ مزید حیرانی اور استعجاب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو غیر معمولی استعداد سے نوازا تھا۔ میرے سامنے اس وقت بڑے بلند پایہ حضرات کے خطوط ہیں یا پھر ان کی کتب کے مسودات کے عکس ہیں۔ جگہ جگہ لفظ لکھ کر کاٹے گئے ہیں اور فقرات کی نشست وبرخاست کو نظر ثانی میں ادھیڑا بکھیڑا گیا ہے۔ لیکن شہیدؒ کے قلم کی خوبی، قوت اخذ واستنباط اور تحریر کے وقت ذہنی یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ لکھتے جاتے مگر کانٹ چھانٹ نہ کرتے تھے، یہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

یہاں لاہور میں مولانا کے ایک عزیز چودھری یوسف علی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ رہتے ہیں۔ مولانا جب لاہور تشریف لاتے مفتی محمد جمیل خاں ساتھ ہوتے اور آتے ہی چودھری صاحب اپنی گاڑی مفتی محمد جمیل خاں کے حوالے کردیتے، چودھری صاحب کے دادا اور مولانا کے دادا غالباً سگے بھائی تھے۔ چودھری صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں سب لوگ مولانا کے والد مرحوم کو ملاں کہاں کرتے تھے اور وہی کچھ پڑھے لکھے اور مسائل دینہ سے واقف تھے اور اس "ملاں" نے اپنے لڑکے محمد یوسف کو دینی مدرسہ میں داخل کیا اور اس نے دینی علوم

پڑھ لکھ کر نہ صرف خاندان کا بلکہ ملک وملت کا نام اونچا کر دیا کہ جس نے بھی مولانا کی صحبت سے چندے فائدہ اٹھایا اس کا دین سدھر گیا:

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب، ایک کلیم سر بکف

پہلے ہی دن سے مولانا شہیدؒ کا یہ معمول تھا کہ جب لاہور تشریف لاتے تو مکتبہ رشیدیہ ضرور قدم رنجہ فرماتے ایک دفعہ تشریف لائے میں مکتبہ پر حاضر نہ تھا میرے دو دوست نذیر جاوید اور میر مرحوم بیٹھے تھے، ثانی الذکر نے مولانا کو سادہ کپڑوں میں دیکھ کر مذاق سے کوئی بات کہی، جس طرح ہمارے معاشرے کا چلن ہو چکا ہے کہ ایک تو ہر داڑھی والے کو "مولوی" سمجھتے ہیں چاہے اسے کلمہ بھی صحیح نہ آتا ہو اور دوسرا اس سے مذاق کرنا معمول بن چکا ہے، یہ کوئی بیس پچیس برس قبل کی بات ہے، مولانا کو کہیں جانے کی کوئی جلدی نہ تھی، میرا انتظار فرماتے اس کو سمجھانے لگے اور ایک گھنٹہ تک اسی افہام تفہیم سے گفتگو فرمائی کہ اس کا یہ حال تھا: "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" عام مجلس میں کوئی آپ سے بات کرتا تو اس کی ایسی تسلی کراتے کہ وہ آپ کا معترف ہو جاتا۔ میں نہ آیا اور مولانا انتظار کر کے چلے گئے، بعد میں مجھ سے ملاقات پر ان صاحب نے کہا کہ میں آپ کے دوست کو یونہی عام سا مولوی سمجھ کر چھیڑ بیٹھا، مگر انہوں نے مجھے چھٹی کا دودھ یاد کرادیا، میرا خیال ہے کہ اگر میری دوبارہ ان سے ملاقات ہو گئی تو وہ مجھے داڑھی بھی رکھادیں گے اور مجھے نمازی بھی بنادیں گے۔

ہم اکٹھے پڑھے اور اس کے بعد پچاسوں ملاقاتیں ہوئیں لیکن میں نے مولانا شہیدؒ کی تقریر نہیں سنی تھی۔ میں یہاں لاہور سنت نگر میں مونگیا اسٹریٹ کی جامع مسجدؓ میں جمعہ سے قبل کچھ تقریر کرتا تھا، ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ۷۳ء / ۷۴ء میں مولانا جمعہ کو لاہور تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ آج تقریر آپ کریں، اور میں نے پہلی دفعہ موصوف کی تقریر سنی۔ آدھ گھنٹہ کی تقریر تھی۔ سامعین کی قلت وکثرت کے علی الرغم آپ نے ایسی تقریر کی کہ جس کا لفظ لفظ اثر لئے ہوئے تھا، مجھ پر مولانا کی متقیانہ زندگی کا اثر پہلے ہی تھا اس تقریر کے بعد دو چند ہو گیا اور میں نے دل میں کہا کہ اگر قیامت میں میرا اعمال نامہ کھولا گیا تو حشر معلوم باری تعالیٰ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ تیرے نیک بندے محمد یوسفؒ کے ساتھ پڑھا ہے،

میں نے اس تقریر کے بعد یہ سوچا کہ کسی بڑے ہال یا مسجد میں منتخب افراد کو بلا کر ہر ماہ درس قرآن یا درس حدیث یا کسی بھی موضوع پر موصوف کی تقریر ہو جایا کرے، تاکہ عوام کے عقائد کی اور دینی وروحانی اصلاح ہو، لیکن میری یہ سوچ، سوچ ہی رہی اور اس پر عمل درآمد نہ کر سکا، اور مکروہات دنیا میں ایسا پھنسا رہا کہ باربار سوچ کے باوجود اس پر عمل نہ کر سکا، بات وہی ہے کہ ''اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے'' انسان کی تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔ جب لاہور سے روزنامہ ''جنگ'' جاری ہوا تو دوبارہ یہ سوچ گہری ہوئی لیکن اپنی بے عملی سے اس کو روبہ عمل نہ لاسکا۔ مولانا شہیدؒ کی تقریر جن لوگوں نے سنی ہے وہ جانتے ہیں کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' والا معاملہ تھا، یا علامہ اقبال کی زبان میں:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

راقم نے کم از کم سیکڑوں مقرروں واعظوں اور خطیبوں کی تقریریں سنی ہیں، ان میں اچھے موثر اور عمدہ تقریر کرنے والے بھی تھے، اور ہیں، لیکن مولانا شہیدؒ کی یہ خصوصیت بہت نمایاں تھی کہ پوری تقریر کے دوران آپ کے چہرے پر تبسم رہتا تھا، مولانا بے شک بڑے عالم اور زاہد تھے اور علمأ زہاد کی خشکی اور پبوست مشہور ہے اور پھر ہمارے ہاں ایسے ایسے علمأ خطبأ ہیں جو اکثر ایسے مواقع پر جبہ وقبہ اور دستار باندھ کر رعب یا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی حیثیت تقریر سے پہلے ہی سامعین کو اپنی طرف متوجہ کرلے، ایسے زاہد وعابد لوگوں کے متعلق کسی کا شعر مشہور ہے:

طے می شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
مابے خبراں منتظر شمع و چراغیم

یعنی برق کی ایک ہی چمک سے یہ راستہ طے ہو جاتا ہے۔ ہم بے سمجھ لوگ شمع اور چراغ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ یا:

شیخ جی آپ کے آتے ہی ہوا دیر خراب
قصد کعبہ کا نہ کیجئے بہ ایں یمن قدوم

برادر عزیز ظفر حجازی نے بتایا کہ میں ساتویں جماعت میں کمالیہ پڑھتا تھا کہ ایک استاد

نے مجھے غلام احمد پرویز کی کتاب "سلیم کے نام" دی، مولانا محمد یوسفؒ ان دنوں ماموں کانجن میں پڑھاتے تھے اور کمالیہ ایک دینی مدرسہ کا امتحان لینے آئے، میں اکثر فارغ اوقات اس دینی مدرسہ میں گزارتا تھا۔ مولانا نے جب یہ کتاب میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہا یہ مجھے پڑھنے کے لئے دے دو، میں نے بخوشی مولانا کو دے دی۔ اس کتاب میں اکثر پیرایہ بیان یہ تھا کہ :

"سلیم تم نے دیکھا کہ ہم فلاں جگہ تھے کہ ایک غریب آدمی کا لڑکا علاج کے بغیر مر گیا والدین اتنے غریب تھے کہ دوائی لینے کی سکت نہ تھی اور ساتھ والی مسجد میں عمدہ قالین بچھائے جا رہے تھے۔ سلیم تم نے دیکھا کہ فلاں آدمی حج کر کے آیا تو منوں پھولوں کے ہار اس کے گلے میں ڈالے گئے جو پھر پاؤں کے نیچے مسلے گئے، جبکہ اس کے پڑوسی نان شبینہ کو ترس رہے تھے۔ سلیم تم نے دیکھا کہ مالدار لوگ زکوٰۃ غریبوں میں تقسیم کر کے انہیں بھکاری بنا رہے تھے، جبکہ شہر کی سڑکیں ٹوٹی ہوئی تھیں"۔

مولانا دوسرے وقت میں آئے اور کہا کہ اس بچے کو لاؤ جس سے میں نے کتاب لی تھی، میں وہیں ادھر ادھر تھا- دوسری طرف میرے استاد نے جب وہ کتاب میرے پاس نہ دیکھی تو پوچھا وہ کتاب کیا ہوئی؟ میں نے بتایا ایک مولوی صاحب کو دے دی اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے نئی کتاب دے دی۔ ظفر صاحب کہتے ہیں کہ جب میں مولانا محمد یوسفؒ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ بیٹا! اس کتاب میں دیندار طبقے اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے، کیا پرویز صاحب کو جیم خانہ کلب کے اس لاکھوں کے جوئے کا پتہ نہیں، جو وہاں امراء مل کر کھیلتے ہیں؟ اور کیا اس شراب کی قیمت کا کبھی اندازہ لگایا جو ساری رات وہاں پی جاتی ہے؟ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے- اور پھر شہر کی سڑکیں لوگوں کی زکوٰۃ سے کیوں بنائی جائیں؟ وہ تو انہی کا حق ہے جن کو دی جاتی ہے- شہر کی سڑکیں اس ٹیکس سے کیوں نہیں بنائی جاتیں جو لوگوں سے مختلف شکلوں میں لیا جاتا ہے؟ اور پھر انہیں دنوں آپ نے "کوہستان" اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں ٹیکس اور زکوٰۃ کا فرق بتایا گیا تھا، اور مجھے سمجھایا کہ سب باتیں عوام کو اس انداز میں اس لئے بتائی جاتی ہیں کہ ان کے اندر شعائر دین کی عظمت نہ رہے۔

ادھر چند سالوں سے آپ پر درود شریف کی ترویج کا داعیہ بہت شدید تھا درود شریف کی

ایک بہت بابرکت اور عمدہ کتاب "ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول" جو مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی ترتیب دادہ ہے، جس میں تقریباً دو صد درود شریف جمع کئے گئے ہیں۔ مولانا شہیدؒ نے پہلے اس کو ٹائپ پر شائع کرایا پھر ساتھ ترجمہ کر کے اسے سات منزلوں میں تقسیم کیا، خود بھی اس کی ایک منزل روزانہ پڑھتے تھے اور اپنے متوسلین کو بھی کہتے تھے کہ ہر روز ایک منزل پڑھا کرو۔ کئی سال سے آپ کہہ رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ اس کی اور اس کے اردو ترجمہ کی اپنے ہاتھ سے کتابت کر دیں تو کتاب مزید جاذب ہو جائے۔ لیکن شاہ صاحب اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہ کر سکے، ہاں یہ فرمایا کرتے کہ اس کے لئے تو کراچی کا سفر کرنا چاہئے اور وہاں کچھ دن یکسوئی سے صرف کر کے اس کو مکمل کیا جائے۔ درود شریف جاذب رحمت الٰہی ہے اور ہمارے تمام مشائخ اپنے متوسلین کو کم از کم ایک تسبیح درود شریف کی، ایک استغفار کی اور ایک تیسرے کلمہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح دوازدہ تسبیح اسم ذات اور نفی واثبات کی ترغیب دیتے ہیں یہ تو کم از کم ہے، پھر مرید کی استعداد دیکھ کر زیادہ کی تلقین کرتے ہیں اور اس میں مرید کے اوقات، اسکے دماغ کا قوی ہونا یہ سب کچھ دیکھا جاتا ہے۔

چند سالوں سے مولانا شہید سنن نبویؐ کے اتباع پر، خصوصاً شکل وصورت، لباس اور نکاح میں سادگی و کفایت شعاری پر بہت زور دیتے تھے، جو شخص بھی ملتا تھا اس کو منت وزاری یا کبھی سخت لہجے میں اس کے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہتے تھے کہ اپنا چہرہ سنت رسول ﷺ سے سجاؤ، کچھ عرصے سے اب لاہور ہر ماہ کے پہلے اتوار کو جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور بعد نماز عصر وعظ فرماتے تھے۔ جس میں سب سے زیادہ تین چار چیزوں پر زور دیتے تھے کہ سنن نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر زیادہ سے زیادہ عمل کرو، شادی بیاہ پر زیادہ خرچہ نہ کرو، خود اپنی بیٹیوں کا نکاح جس سادگی سے کیا، وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نکاح پڑھانے پر یہ شرط لگاتے تھے کہ نکاح ایک تو مسجد میں ہو اور دوسرا (دولہا) متشرع ہو، یعنی اس کی داڑھی ہو، بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ شرط کیوں؟ ان سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ شرط غیر ضروری ہے تو پھر یہی کیوں ضروری ہے یا تھا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہی نکاح پڑھائیں، ہر گلی کے موڑ پر یا اکثر مساجد میں بورڈ لگا ہوتا ہے کہ نکاح خواں، رجسٹرار نکاح اور ساتھ نام لکھا ہوتا ہے، نکاح ہی پڑھانا ہے، جہاں سے مرضی آئے پڑھالو۔ تیسری بات جس پر مولانا بہت زور دیتے تھے وہ تھی

حقوق العباد غیبت سے پرہیز، اور والدین کی فرمانبرداری - اور کہتے تھے کہ ہر نماز کے بعد تین دفعہ سورۃ اخلاص تین دفعہ دورد شریف پڑھ کر یہ دعا مانگا کرو:

"رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا": یعنی اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جس طرح کہ بچپن میں انہوں نے مجھے پالا۔

آپ کی زیر سرپرستی "اقرأ روضتہ الاطفال کے پچاسوں مدارس چل رہے تھے جن میں ساڑھے تین سال کا بچہ /بچی لے کر، اس کو سولہ سال کی عمر تک حفظ قرآن اور انگلش میڈیم میٹرک کروائی جاتی ہے اور دینی اسلامی استعداد اتنی پیدا کر دی جاتی ہے کہ زندگی بھر کام آسکے۔ اقرأ کے طلبا کو انعام دینے کے لئے ۲۳ اپریل کو سالانہ تقریب ہوئی جو فیروز پور روڈ چونگی امر سدھو کی شاخ سیدنا سعیدؓ بن زید کے وسیع گراؤنڈ میں ہوئی، ہر سال "اقرأ" والوں کی جانب سے علمی روحانی شخصیات کو شیلڈ دی جاتی ہیں۔ اس سال حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ اور حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر مدظلہ کو دی گئیں اور حضرت مولانا کو یہ شیلڈ دینے کے لئے مولانا محمد یوسف شہیدؒ اپنے احباب سمیت گوجرانوالہ گئے، ایک طرف یہ کام تھا دوسری طرف تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور رد مرزائیت پر کام، اور پہلے دن سے یعنی فراغت تعلیم کے بعد ذرا نہیں بیٹھے، دین کو اوڑھنا بچھونا بنایا، کام کرنے میں بہت مستعد اور ان تھک تھے، مسجد "الفلاح" کراچی میں خانقاہ بھی قائم کر رکھی تھی اور درس حدیث و قرآن بھی - آہ! ایک شخص کے جانے سے کتنی محفلیں سونی ہو گئیں۔ لیکن اللہ کا اپنا ایک نظام ہے اس نے اپنے ایک بندے سے کئی جماعتوں جتنا کام لیا اور جب وقت آیا تو اپنے پاس بلا لیا اور صحیح معنوں میں سرخرو کر کے بلایا۔

............☆............

...... آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایران کے دو سپاہی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور شاہ ایران نے انہیں بھیجا تھا۔ آپ کو پکڑنے کے لیے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہیں۔ مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا ناس ہو جائے...... یہی الفاظ ہیں۔ تمہارا ناس ہو جائے...... تم نے اپنی یہ شکل کیوں بگاڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے، شاہ ایران نے ہمیں اس کا حکم فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا "لیکن میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ مونچھیں کٹواؤں اور داڑھی بڑھاؤں۔"......

مُحافظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مولانا محمد اعظم طارق: قائد سپاہ صحابہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمہ صفت موصوف گوناگوں خوبیوں کا مرقع، اہل حق کے دل کا سرور اور آنکھوں کے نور حضرت لدھیانوی شہید کی شخصیت و کردار، کارناموں اور خدمات دینیہ کا چند اوراق پر نقشہ کھینچنا اور ان کا احاطہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے، حضرت حکیم العصر لدھیانوی رحمہ اللہ صرف میدان تصنیف و تالیف، تصوف و تدریس کے شہسوار ہی نہ تھے بلکہ آپ نے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، جہادی اور تعلیمی دنیا میں ایسے یادگار نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک حاملین قرآن وسنت کی راہنمائی کرتے رہیں گے، حضرت والاؒ کی دیگر خدمات جلیلہ پر تو حضرت کے خلفاؒ اور ہم عصر علماؒ کرام گلشن یوسفی سے خوشہ چینی کرنے والے ہی قلم اٹھائیں گے، مجھے خصوصیت سے آپ کے جس محبوب ترین مشغلہ اور دینی غیرت وحمیت سے لبریز پرجوش، ولولہ انگیز معرکہ کا تذکرہ کرنا ہے وہ ہے "ناموس صحابہؓ" کے تحفظ کے لئے آپؒ کی یادگار خدمات۔

چونکہ ناموس صحابہؓ کا عنوان داستان اسلام کا مقدمہ اور کتاب شریعت کا عنوان ہے اس لئے کیونکر ممکن تھا کہ آپ اس حساس عنوان سے چشم پوشی یا پہلو تہی اختیار کر لیتے، چنانچہ آپؒ نے سینکڑوں مواقع پر مقام صحابہ اور خصوصاً خلفاؒ راشدین وازواج مطہرات واہل بیت عظام کی اسلام میں حیثیت و عظمت کو اجاگر فرمایا اور گستاخان صحابہؓ، تبرا باز گروہ کی خوب خوب خبر لی، اس

سلسلہ میں آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف "شیعہ سنی اختلاف" تبرائی ٹولہ کیلئے پیغام موت ثابت ہوئی ہے، یہی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں عظیم محدث و مفکر استاذ العلماءؒ مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے فرمایا تھا کہ رافضیت جس طرح آج تک "تحفہ اثنا عشریہ" کا جواب نہیں لکھ سکی ہے اسی طرح اس کتاب کا بھی صدیوں تک بلکہ قیامت تک جواب پیش نہیں کر سکے گی۔

دراصل اصحابؓ رسولؐ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کے بعد پوری کائنات پر فضیلت حاصل ہے، اور انکا انتخاب بھی براہ راست رب العالمین نے فرمایا ہے اور انہیں غلبہ اسلام کے مشن کی تکمیل کا ذریعہ بنا کر بعثت نبویؐ کے مقاصد کو پورا کیا گیا، یہی وہ مقدس جماعت ہے جسے امام الانبیاءؑ فخر الاولین والآخرین جیسی شخصیت استاذ و مربی سالار و قائد کی شکل میں نصیب ہوئی اور قرآن کریم جیسی کتاب کو لسان نبوت سے سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہوا، یہی وہ کائنات کا قیمتی سرمایہ ہیں جنہیں میدان بدر میں کھڑا کر کے نبی رحمت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا تھا:

"اللہم ان تہلک ہذہ العصابۃ لاتعبد ابداً۔"

ترجمہ: "اے اللہ اگر میری یہ پونجی میدان جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں کٹ گئی تو پھر قیامت تک تیری چوکھٹ پر جھکنے والا کوئی نہ ہوگا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی وہ واحد راستہ اور پل ہیں جو امت کو نبوت کے ساتھ ملانے کا کام دیتا ہے، تبھی تو قرآن کریم نے اعلان فرمایا: "آمنوا کما آمن الناس اور اسی سورۂ بقرہ میں آگے چل کر مزید فرمایا گیا: "فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا" یعنی اگر صحابہ کرامؓ جیسا ایمان لاؤ گے اور ان کی اقتداء کرو گے تب ہی ہدایت یافتہ کہلانے کے مستحق ٹھہرو گے اور انکی راہ سے انحراف سوائے شقاق ونفاق، ضلالت و گمراہی کے کچھ نہیں ہے، حضرات صحابہ کرامؓ اربوں کھربوں انسانوں میں سے اس لحاظ سے معزز اور امتیازی شان کے حامل ہیں کہ انہیں اس دنیا میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے ساتھ ساتھ "واعدلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا" کی شہادتیں بھی نصیب ہوئیں، اور قرآن کریم نے انہیں: "مومنون حقا....، ھم المفلحون....، ھم المھتدون....، ھم الراشدون....، ھم الفائزون اور اولئک حزب اللہ" کے تمغے دیئے کہ جنہیں دنیا کی

کوئی طاقت ان سے نہیں چھین سکتی۔

اصحاب رسولؐ سے محبت وعقیدت جزو ایمان ہے اس لئے کہ اس سلسلۃ الذھب کی وساطت سے امت کو قرآن وسنت کی دولت نصیب ہوئی ہے، اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس مقدس طبقہ کے بارے میں اعتماد کے شیشہ پر بال آجائے تو پورا دین ناقابل اعتماد ہو کر رہ جائے گا۔

دشمنانِ اسلام نے جب دیکھا کہ میدان جنگ میں اب لشکر اسلام کی تاب لانے اور مجاہدین کے جوتوں کی نوک سے اپنا تاج وتخت بچانے کی کوئی صورت نہیں نکل رہی تو انہوں نے عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سبا کے دیئے ہوئے اسباق کو پھر سے دہرانا شروع کر دیا اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے اور انہیں افتراق وانتشار کے ذریعہ پسپا کرنے کی سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

اس یہودی چربہ نے گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے وجود پر جو کاری زخم لگائے اور ملت اسلامیہ کو جن عظیم صدمات سے دوچار کیا تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اگر اسلام کی تعلیمات ازل تک راہنمائی کرنے والی نہ ہوتیں اور اس آخری شریعت کی حفاظت کا ذمہ خود ذات قدیر وبصیر نے نہ لیا ہوتا تو نہ جانے کب سے سبائی فتنہ اور اس جیسے اسلام دشمن طبقے، دین کا حلیہ بگاڑنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے۔

بات ابن سبا کی آئی تو اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کے پورے خط وخال اور تفصیلی حالات اور ناپاک عزائم سے آگہی جس قدر خود مجھے حضرت حکیم العصر لدھیانوی شہیدؒ کی تصنیف لاجواب "شیعہ سنی اختلافات" سے ہوئی کسی اور کتاب سے یہ معلومات میسر نہیں آئیں۔

حضرت شہید رحمہ اللہ نے اس دشمن صحابہؓ انسان کی تفصیلات کو اس انداز میں جمع فرما کر امت کے سامنے رکھ دیا کہ اب کوئی معمولی فہم وفراست اور واجبی سی تعلیم رکھنے والا فرد بھی سبائیت کے خط وخال سمجھنے میں دقت محسوس نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن سبا کی تمام تر تگ وتاز اور جدوجہد کا مقصد حضرات صحابہ کرامؓ کی عظمت وتقدس کی شفاف چادر کو داغدار کرنا تھا، کہیں اس شخص نے حضرت علیؓ کی حمایت کا دم بھر کر

خلفاء راشدینؓ کو حق خلافت کا غاصب ٹھہرایا تو کہیں خود ساختہ امامت منصوص من اللہ کے عقیدہ سے انحراف کے باعث اصحاب ثلاثہ اور جمیع صحابہ کرامؓ کو مرتد تک قرار دینے سے بھی عار محسوس نہ کی، پھر اس کے کفر نے مزید ترقی کی تو "ویمدھم فی طغیانھم یعمھون" کا مصداق بن کر حضرت علیؓ کی الوہیت کا راگ الاپنے لگ گیا۔ بعض روایات کے مطابق جب حضرت علیؓ کو محبت اہل بیت کے نام پر شرک کے علمبردار اس خبیث الفطرت کی خباثتوں کا علم ہوا تو آپ نے اسے بلا کر ہر طرح سمجھایا اور اپنی عبدیت وبندگی کو شواہد سے بیان فرما کر اسے شرک سے روکا، مگر جب وہ باز نہ آیا تو اسے آگ میں جلانے کا حکم دے دیا، تاکہ الوہیت علیؓ کے دعوے داروں کے لئے اسلامی سزا کا انداز سب کے سامنے آجائے۔

حیرت کی بات ہے کہ جس فتنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ شدت کے ساتھ کچلتے ہیں اور بار بار جس سے بیزاری کا اظہار فرماتے رہے آج وہی فتنہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کرام کے مقدس عنوان اور نام کو استعمال کر کے امت مسلمہ کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضرات صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت کی عظمت کو گھٹانا اور ازواج مطہراتؓ کی پاکدامنی کو اپنے منہ کی غلاظت سے ناپاک کرنا چاہتا ہے، مگر وہ نہیں جانتا کہ ایک طرف تو "مقام صحابیت" اتنا ارفع واعلیٰ ہے کہ اس کے سامنے چاند، سورج اور تاروں کی بلندیاں بھی ہیچ ہیں، لہذا "چاند پر تھوکنا اپنے منہ پر جھیلنا" کے مصداق ہے۔

دوسری طرف ناموس صحابہؓ کے علمبردار اور مداح صحابہؓ کی جماعت اور زیادہ جوش وجذبہ کے ساتھ آگے بڑھ کر عظمت صحابہؓ کے نعرے بھی بلند کرتی ہے اور اپنے خون سے صحابہ کرامؓ کی الفتوں کا قصیدہ لکھتی ہے۔

میرے مرشد ومربی میرے شیخ ومقتدیٰ حضرت لدھیانوی شہیدؒ اس کارواں کے سالار اور میر کارواں تھے جس نے دنیا بھر میں اصحاب رسول ﷺ وازواج مطہراتؓ کی عظمتوں کے گن گائے اور دشمنوں کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ خود دشمنوں کے بدنما چہروں سے نقاب اٹھا کر امت مسلمہ کو ان کی حقیقتوں سے آگاہ کر دیا، حضرت شہید نے اپنی تحقیق وتصنیف کے ذریعہ "سبائیت" کے تابوت میں جو کیل ٹھونکے ہیں ان شاء اللہ العزیز وہ رہتی دنیا تک سبائیت کی سازشوں کو دفن کرنے کا باعث بنیں

گے۔

حضرت شہید کا سینہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرح حب صحابہؓ واہل بیتؓ سے اس قدر لبریز تھا کہ اگر کسی گوشہ سے کوئی ایک حرف اس مقدس جماعت کے خلاف پڑھنے یا سننے میں آتا تو آپ کا اشہب قلم سرپٹ دوڑتا اور میدان تحقیق و تاریخ سے ایسے ایسے گوہر نایاب اور بحر دلائل سے وہ انمول موتی لاکر تحریر میں سمو دیتا کہ جن کی تابانی اور حسن لاثانی سے دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی ناموس کا تحفظ اصل میں اسلام کا تحفظ ہے اس لئے کہ آپ نے کسی بھی موقع و مرحلہ پر اصحاب رسولؐ کی عظمت و رفعت کے تذکرہ کے بغیر بات کرنا مناسب نہیں جانا، گویا کہ وہ زبانِ حال سے یہ فرما رہے ہوتے تھے کہ :

اسلام کی عظمت کے مینارے ہیں صحابہؓ
گر چاند محمدؐ تو ستارے ہیں صحابہؓ
ہم یہ شوق سے کہتے ہیں کہ ہمارے ہیں صحابہؓ
واللہ ہمیں جان سے پیارے ہیں صحابہؓ

اور پھر اس آخری مصرعہ کو تو حضرتؒ نے صرف زبان قلم سے ہی نہیں بلکہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر ثابت کر دیا کہ :

مقامِ نبیؐ تو مقام نبیؐ ہے
صحابہؓ کی خاطر بھی ہم جان دیں گے
ہتھیلی پہ سر کو لیے پھر رہے ہیں
امانت ہے ان کی بصد شان دیں گے

یہ چند سطور منتشر ذہن کے ساتھ دوران سفر حضرت والاؒ کی خدمت میں ہدیہ عقیدت کے طور پر تحریر کی ہیں ورنہ آپؒ نے عشق صحابہؓ سے سرشار ہو کر اس میدان میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان کا تذکرہ تو کئی ماہ تک لکھنے کا عرصہ اور ہزاروں صفحات کا دامن مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حشر صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ اور جملہ صالحینؒ کے ساتھ فرمائے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

تصنیفی خدمات

مولانا سعید احمد جلال پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم و مرشد العلماً، حضرت بنوری قدس سرہ کے ''ہم نام و ہم کام'' اکابر علماً دیوبند اور مسلک حق کے وکیل و ترجمان، اسلامی اقدار کے محافظ و نگران، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے سخن دان، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے جانشین، سرمایہ اہل سنت سیدی وسندی حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے جس مقبولیت و محبوبیت سے نوازا تھا، زمانہ قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی، اپنے اور پرائے سب ہی آپ کی عظمت کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن خصوصیات و مزایا اور اوصاف و کمالات سے سرفراز فرمایا تھا کسی ایک شخصیت میں ان سب کا پایا جانا کسی کرامت سے کم نہیں، لیکن :

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

آپ کا تبحر علمی، حزم واحتیاط، عجز وانکسار، اعتدال ومیانہ روی، نمود ونمائش سے نفرت، خمول وگوشہ نشینی، تقویٰ وطہارت، زہد وتقشف، خدا خوفی اور محاسبہ آخرت کا استحضار، ایسے اوصاف تھے جو ہر شخص کو قائل وگھائل کرتے تھے۔ جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیر خواہی اور دل سوزی کا جذبہ تھا اور قارئین

اس کا اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، اسی طرح آپ کے وعظ وبیان میں اس سے کہیں زیادہ سوز وگداز اور خلق خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہوتا۔

آپ جہاں بیک وقت ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے مدیر، صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کے شعبہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے نگران اعلیٰ، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے محبوب ومقبول اور مایہ ناز محقق، استاذ حدیث، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور روح رواں، روزانہ سینکڑوں اصلاحی اور فقہی مسائل وخطوط کا جواب لکھنے والے، ہزاروں مریدین ومتوسلین کے مصلح ومربی، سینکڑوں مدارس کے سرپرست، اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر مہتمم تھے، وہاں روزانہ اور ماہانہ سینکڑوں اصلاحی مجالس سے بیان فرماتے اور اندرون وبیرون ملک اسفار پر تشریف لے جاتے تھے، مگر بایں ہمہ جب آپ کی تصنیف وتالیف، مباحثہ، مناظرہ، تردید باطل اور احقاق حق کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ایسی مصروف ترین اور عدیم الفرصت شخصیت یہ سارے کام کب اور کیسے سرانجام دے لیتی ہوگی؟

الغرض حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی علمی رفعت، ان کا مرتبہ ومقام اور تصنیف وتالیف کے میدان میں علمی اور تحقیقی کام اور ہمہ جہت خدمات مجھ ایسے مجہول مطلق کے احاطۂ ادراک سے کہیں بلند ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت کو جہاں دوسرے بے شمار کمالات عطا فرمائے تھے ان میں ایک تصنیف وتالیف کا شعبہ تھا، ذیل میں حضرت کی تصنیفات کا مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے:

تحفۂ قادیانیت:

قرآن کریم اور احادیث متواترہ کی بنا پر امت مسلمہ کا قطعی اور متواتر عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین یعنی اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائیگا، اور یہ کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ومرتد اور دجال وکذاب ہے۔

مگر اسلامی تاریخ میں بہت سے طالع آزماؤں نے نبوت ورسالت اور مسیحیت

ومہدویت کے دعوے کر کے خلق خدا کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی۔

گزشتہ صدی میں انگریزوں نے اپنے زر خرید غلام ابن غلام، غلام احمد قادیانی سے اس قسم کے دعاوی کرائے اور امت کو ایک کرب واذیت میں مبتلا کر کے شادیانے بجائے۔ دوسری جانب انگریز کے اس خود کاشتہ پودے نے مہدویت، مسیحیت اور نبوت کے بلند وبانگ دعوے کئے اور ابلہ فریبی کے لئے قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص کی تحریف کی، انبیأ کرام، صحابہؓ اور سلف صالحین کی توہین وتذلیل اور علما امت کو مغلظات سے نوازا، بالآخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو نہایت ذلت سے وبائی ہیضہ کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلا گیا۔

مرزا قادیانی کے دجل وتلبیس کو نمایاں کرنے کے لئے جہاں بہت سے اکابرین امت نے کتب، رسائل اور مقالات تحریر فرمائے وہاں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کے قلم حق رقم نے تردید قادیانیت میں نہایت تجدیدی کارنامہ انجام دیا، چنانچہ مرزائے قادیان کے دجل وفریب کو آشکارا کرنے کے لئے آپ نے جہاں بے شمار مناظرے اور مباحثے فرمائے وہاں آپ نے اتمام حجت کے لئے مختلف اوقات اور ضرورتوں کے پیش نظر بیسیوں مقالات ومضامین اور رسائل وکتب بھی تصنیف فرمائیں۔

حضرت اقدس حکیم العصر کا انداز بیان اور طرز استدلال اس قدر موثر ومسکت ہوتا کہ کٹر سے کٹر قادیانی اس کو مانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دلوں کا پھیرنا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر وقتی طور پر بڑے سے بڑا قادیانی مربی بھی قادیانی مذہب کی تغلیط وتکذیب کے سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت اقدس حکیم العصر کے اس عنوان پر لکھے گئے تمام رسائل وکتب کو یکجا کر کے انہیں ”تحفہ قادیانیت“ کے نام سے شائع کرنے کا عزم کر لیا گیا، چنانچہ اس سلسلہ کی تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، جب کہ اس سلسلہ کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ ”گفٹ فار قادیانیز“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، تحفہ قادیانیت جلد اول میں حضرتؒ کے درج ذیل ۲۴ رسائل شامل ہیں:

عقیدہ ختم نبوت، کلمہ طیبہ کی توہین، عدالت عظمیٰ کی خدمت میں، قادیانیوں کو دعوت اسلام، ظفر اللہ کو دعوت اسلام، مرزا طاہر کے جواب میں، مرزا طاہر پر آخری اتمام

حجت، ضمیمہ دو دلچسپ مباہلے، قادیانی فیصلہ، شناخت، نزول عیسیٰ علیہ السلام، المہدی والمسیح، قادیانی اقرار، قادیانی تحریریں، قادیانی زلزلہ، مرزا قادیانی مراق سے نبوت تک، قادیانی جنازہ، قادیانی مردہ، قادیانی ذبیحہ، قادیانی اور تعمیر مسجد، غدار پاکستان ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، گالیاں کون دیتا ہے؟، قادیانیوں اور دوسرے کافروں میں فرق- یہ جلد مجموعی اعتبار سے ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے-

تحفہ قادیانیت جلد دوم :

اس جلد میں درج ذیل مضامین ومقالات ہیں :

دارالعلوم دیوبند اور عقیدہ ختم نبوت، مسئلہ ختم نبوت اور حضرت نانوتویؒ، فتنہ قادیانیت اور پیام اقبال، ربوہ سے تل ابیب تک حصہ اول، ربوہ سے تل ابیب تک جواب الجواب حصہ دوم، قادیانی جماعت کے امام مرزا طاہر احمد کے چیلنج کا جواب، مرزا قادیانی کے وجوہ ارتداد، مجازی نبوت کا تار عنکبوت، معرکہ لاہور و قادیان- اس جلد کے ۴۶۵ صفحات ہیں-

تحفہ قادیانیت جلد سوم :

عام طور پر قادیانی مسلمانوں کو الجھانے کیلئے یہ بحث چھیڑتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے، بلکہ وہ وفات پاگئے ہیں، اس کے لئے وہ تحریف قرآن کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اس جلد میں مجدد تردید قادیانیت حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے قرآن وسنت اور چودہ صدیوں کے مجددین اور دورِ حاضر کے اکابر علما امت کی تصریحات سے حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کو نہایت شاندار انداز سے ثابت فرمایا ہے اس کے علاوہ اس جلد میں درج ذیل مضامین بھی ہیں :

۱ :..... مرزا غلام احمد قادیانی کا مقدمہ اہل عقل وانصاف کی عدالت میں-

۲ :..... نزول عیسیٰ علیہ السلام چند تنقیحات وتوضیحات-

۳ :..... ترجمہ مقدمہ عقیدۃ الاسلام-

۴ :..... مہدی آخری الزمان اور فرقہ مہدویہ-

تحفہ قادیانیت: جلد چہارم:.....زیر ترتیب ہے جس کے تقریباً تین سو صفحات کمپوز ہو گئے ہیں اور مزید کام جاری ہے، ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آجائے گی۔

اختلاف امت اور صراط مستقیم: حصہ اول:

عام مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ خاصی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے کہ مختلف فرقوں میں سے صحیح راستہ پر کون ہے؟ موجودہ دور میں چونکہ ہر ایک فرقہ کا دعویٰ ہے کہ وہی صراط مستقیم پر ہے اور ارشاد نبویؐ "ما انا علیه واصحابی" کا مصداق بھی صرف وہی ہے اور باقی سب غیر ناجی ہیں۔ اس لئے ایک عام آدمی اور معمولی پڑھے لکھے مسلمان کے لئے حق وباطل کی پہچان کرنا مشکل ہو گئی تھی، اس کتاب میں حضرت حکیم العصر قدس سرہ سے اس طرح کے ایک الجھاؤ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے نہایت اعتدال اور حزم واحتیاط سے اس کا جواب دے کر قرآن وسنت اور اکابرین امت کی تحقیق وتصریح کی روشنی میں صراط مستقیم کی ٹھیک نشاندہی کرتے ہوئے مشہور فرقوں کے اختلافات کو اس معیار پر جانچنے کا پیمانہ عطا فرمایا ہے جس سے ایک متوسط عقل وفہم کے منصف شخص کے لئے حق کی تلاش میں صحیح وغلط کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت نہیں رہ جاتی۔

یہ کتاب ابتدائی طور پر ماہنامہ بینات کراچی کی اشاعت خاص کی شکل میں شائع ہوئی تھی جسے بارگاہ الٰہی سے اس قدر مقبولیت سے نوازا گیا کہ اسے معاصر واکابر کے علاوہ عام انصاف پسند حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔

یہ حضرت حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کا خلوص واخلاص تھا کہ جس نے بھی اس کو تعصب کی عینک اتار کر پڑھا وہ اس کے مندرجات سے اتفاق اور حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا، ہزاروں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اس کو پڑھ کر اپنے نظریات واعتقادات کی اصلاح کی، بلاشبہ یہ کتاب دنیا کی ان کتابوں میں سے ہے جسے اسلامی دنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کے لاکھوں نسخے شائع ہوئے، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اردو زبان میں لکھی گئی عقائد کی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی

جانے والی کتاب ہے- کتاب کا انداز ایسا انوکھا، دل چسپ، خیر خواہانہ اور دل پر اثر کرنے والا ہے کہ اس کا ایک ایک حرف دل میں اترتا جاتا ہے، قوت استدلال اور انداز بیان ایسا شاندار ہے کہ مخالف سے مخالف اس کو پڑھ کر اس سے اختلاف نہیں کر سکتا-

پونے تین صد صفحات کی اس کتاب میں مشہور فرقوں شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور مودودی اختلافات کو نہایت سلیقہ سے بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں کون حق و صواب پر ہے؟ اور کون غلطی اور خطا پر ہے؟ اس کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر ''ڈاڑھی'' کا مسئلہ'' شامل ہے جس کو پڑھ کر لاکھوں مسلمانوں نے اپنے چہروں کو سنت نبوی ﷺ سے مزین کیا ہے-

اختلاف امت اور صراط مستقیم: حصہ دوم:

تشدد و تعصب کا ناس ہو کہ اس نے ہر جگہ اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں جو جہاں ہے وہ اسے ہی حق و صواب اور ہدایت و صداقت سمجھتا ہے- اور معمولی معمولی باتوں کو اچھال کر اسے کفر و اسلام کا نام دیا جاتا ہے، کچھ یہی کیفیت ہمارے ہاں فروعی مسائل کے اختلاف میں بھی پائی جاتی ہے-

کوئی شخص اگر نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، زکوۃ نہیں دیتا، یا خدانخواستہ شعائر اسلام کی توہین و تضحیک کرتا ہے تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا، لیکن اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے مگر رفع یدین نہیں کرتا یا آمین زور سے نہیں کہتا اور امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا تو اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی، یا اگر کوئی شخص اپنی سمجھ بوجھ پر تقیہ کرنے کی بجائے اکابر و اساطین امت امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی فہم و فراست کو معیار بنا کر ان پر اعتماد کرتا ہے تو اسے کافر و مشرک باور کرایا جاتا ہے-

حالانکہ یہ فروعی اختلاف ہے، مگر اصول کو چھوڑ کر فروع کو سر پر اٹھایا جاتا ہے اور اس فروعی اختلاف کو ہوا دی جاتی ہے، جس سے ایک سیدھا سادا مسلمان پریشان ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات دین اور اہل دین سے بدظن ہو جاتا ہے، پیش نظر کتاب میں حضرت شہید رحمہ اللہ نے اس فروعی اختلاف کی حقیقت و حیثیت اور مرتبہ و مقام کو نہایت شاندار

انداز سے بیان فرماکر ان مشہور فروعی مسائل میں مسلک حنفی کو نہایت محقق و مدلل انداز میں پیش فرمایا ہے۔

اس حصہ میں مولف موصوف نے فروعی مسائل میں مسلک اعتدال کی نشاندہی کرتے ہوئے مشہور فروعی مسائل : فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، اذان، افراد اقامت، تکبیرات عیدین، سجدہ سہو، مسائل وتر، نماز جنازہ اور جمعہ فی القری وغیرہ مسائل میں احناف کے موقف کی مدلل تشریح فرمائی ہے جب کہ اس کے آخر میں بیس تراویح کے مسئلہ کو نہایت شاندار انداز سے بیان فرمایا ہے۔

دنیا کی حقیقت (جلد اول) :

حضرت اقدس محدث العصر حضرت بنوری قدس سرہ کی خواہش اور چاہت تھی کہ ماہنامہ ''بینات'' میں چار مستقل سلسلے شروع کیے جائیں : ایک قرآن کریم کی تفسیر کا اور دوسرا احادیث پاک کے ترجمہ و تشریح کا اور تیسرا فقہی مسائل کا، اور چوتھا سلف صالحین کے حالات وواقعات کا، تاکہ امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے، اور ماہنامہ ''بینات'' روایتی رسائل وجرائد سے ہٹ کر ایک خالص دینی، علمی اور معیاری رسالہ ثابت ہو۔ اس سے عوام وخواص اور نوجوان نسل کی علمی، فکری اور مذہبی تربیت ہو، اور ہر مسلمان گھرانے میں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ، علوم نبوت اور فقہ و فتاویٰ اور اکابر سلف صالحین اور ان کے کارناموں کے چرچے ہوں، اور انہیں کوئی دین دشمن اور خدا بیزار تحریک اور ملحد و بے دین شعبدہ باز چکمہ نہ دے سکے۔

ان کی خواہش تھی کہ حدیث پاک کے سلسلہ میں ترمذی شریف کا ''ابواب الزہد'' بہت جامع اور بے نظیر ہے، اسے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ شروع کریں، مگر حضرت اقدسؒ اس نازک ذمہ داری سے گھبراتے تھے، اس لیے کہ ارشادات نبوت کی ترجمانی بڑی نازک ذمہ داری ہے، کسی حدیث کی تشریح خدانخواستہ منشائے نبوی ﷺ کے خلاف ہو گئی تو ''فلیتبوأ مقعدہ من النار'' کا اندیشہ ہے۔

دوسرے کمال فروتنی اور کسر نفسی کے پیش نظر حضرت حکیم العصرؒ اپنے آپ کو

زہد کے موضوع پر کچھ لکھنے کا اہل نہیں سمجھتے تھے، مگر بالآخر حضرت بوریؒ کے اصرار پر آپ نے اس پر لکھنے کا وعدہ فرمالیا۔بات آئی گئی ہو گئی۔

حضرت بوری قدس سرہ کے وصال کے بعد جب ایفائے عہد کا خیال دامن گیر ہوا تو برکۃ العصر حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے سارا پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ پورا قصہ بیان کیا اور حضرتؒ سے اپنے اس احساس کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ یہ ذمہ داری کسی اور کے سپرد فرمادی جائے، اور مجھے حکماً اس سے روک دیا جائے، مگر حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس درخواست کو قبول نہیں فرمایا، اور حکم فرمایا کہ آپ یہ سلسلہ شروع فرمادیں۔

حضرت اقدس بوری قدس سرہ کی خواہش، حکم اور اصرار اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے فرمان پر مرشد العلما حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے توکلاً علی اللہ یہ سلسلہ شروع فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد اور ان نفوس قدسیہ کے اعتماد و تفویض نے وہ اثر دکھایا کہ یہ سلسلہ بحمد اللہ چلتا ہی چلا گیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے خوب قبول فرمایا، عوام وخواص اور اہل تحقیق علما کرام میں اسے جس قدر مقبولیت نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں۔

پیش نظر کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جس کے مضامین کو ''بینات'' کی فائلوں سے جمع کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا گیا ہے، یہ جلد ترمذی شریف کے چار ابواب: ابواب الزہد، ابواب صفۃ القیامۃ، ابواب صفۃ الجنۃ اور ابواب صفۃ جہنم، یعنی دنیا کی حقیقت، قیامت کے احوال اور جنت و جہنم کے مناظر کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل ہے۔

امام ترمذیؒ کا ارشاد ہے کہ:

''جس شخص کے گھر میں میری کتاب ترمذی شریف ہو وہ یوں سمجھے جیسے حضور ﷺ اس کے گھر میں موجود ہیں اور میں براہ راست آپ ﷺ سے استفادہ کر رہا ہوں''۔

ٹھیک یہی تصور یہاں بھی ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو وہ مندرجہ مسائل میں جب چاہے براہِ راست ارشادات نبوتؐ سے راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔ کتاب ۵۴۸

صفحات پر مشتمل ہے۔

دنیا کی حقیقت جلد دوم :

پیش نظر کتاب ترمذی شریف کے ترجمہ و تشریح کے سلسلہ کی دوسری جلد ہے، جس میں کھانے پینے، صلہ رحمی اور علاج معالجہ کے آداب واحکام کو نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، یہ حصہ ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، تیسری جلد زیر ترتیب ہے، یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ حضرت اقدس جام شہادت نوش فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہم سے رخصت ہو گئے اور ہمیں یتیم کر گئے۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل :

۵/ مئی ۱۹۷۸ء کو وحی کے پہلے لفظ ''اقرأ'' کے نام سے روزنامہ جنگ کراچی میں اسلامی صفحہ اقرأ کا آغاز کیا گیا تو روز اول سے ہی اس کی سرپرستی حکیم العصر مرشد العلماً حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے قبول فرمائی، اور اس میں دوسرے سلسلوں کے ساتھ ساتھ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے عوام کے دینی مسائل میں راہ نمائی کا مبارک سلسلہ بھی شروع کیا۔

حضرت اقدس کے خلوص واخلاص، تقویٰ وطہارت، علم وفضل، فقاہت وحذاقت اور جذبہ نصح وخیر خواہی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت نے خوب رنگ دکھلایا اور یہ سلسلہ بہت ہی جلد مقبول ومحبوب خلائق قرار پایا، بلا مبالغہ جنگ کے اسلامی صفحہ اور خصوصاً ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کی وجہ سے روزنامہ جنگ کے جمعہ کے دن کی اشاعت میں خوب اضافہ ہوا اور اس کے ذریعہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی، بدعات ورسومات سے جان چھوٹی اور اس سے کہیں زیادہ لوگوں میں دینی انقلاب آیا، بے پردگی، بے دینی، بے غیرتی، ٹی وی، وی سی آر سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، عوام کو اپنی دہلیز پر دین مہیا ہونے لگا، وہ لوگ جو روایتی شرم وحیأ کی وجہ سے کسی دار الافتا کا رخ نہیں کر سکتے تھے یا ایسی بے سہارا خواتین اور مظلوم افراد جو ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور دینی حکم معلوم کر کے ظالم کو ظلم سے روکنے کا یارا نہیں رکھتے تھے وہ اس صفحہ کے ذریعہ

اپنی مظلومیت کی داستان سنانے کی پوزیشن میں آگئے اور انہیں ظالم کے ظلم کو طشت ازبام کرنے کا موقع میسر آگیا- بحمد اللہ یہ سلسلہ بغیر کسی تعطل کے آج تک جاری ہے-

قارئین کا شدید اصرار تھا کہ اس علمی اور فقہی ذخیرہ کو جو نہایت سہل اور عام فہم زبان میں ہے، جس سے ہزاروں اور لاکھوں زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا ہے، اسے مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا جائے تاکہ اس خزانہ عامرہ سے رہتی دنیا تک کے مسلمان مستفید ہو سکیں- چنانچہ رفتہ رفتہ قارئین کے ساتھ ساتھ معاصرین واکابرین نے بھی اس پر زور دیا اور توجہ دلائی، بلکہ تقاضا کیا کہ اس انوکھے اور نئے انداز کے فقہی ذخیرہ کو کتابی شکل میں مدون کیا جائے، ان حضرات کا اخلاص رنگ لایا اور توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کر دیا گیا- اور بحمد اللہ اب تک اس سلسلہ کی نو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور دسویں جلد زیر ترتیب ہے جب کہ ان جلدوں کی اشاعت کے بعد شائع ہونے والے مسائل اس سے علاوہ ہیں- مزید وہ مسائل جو ان شائع شدہ نو جلدوں میں سے کسی ایک جلد کے ابواب کی مناسبت سے اس میں درج ہونے کے منتظر ہیں وہ اس کے سوا ہیں، چار ہزار صفحات پر مشتمل اس فقہی انسائیکلو پیڈیا میں مہد سے لے کر لحد تک پیش آنے والے انسانی زندگی کے ہر ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے- اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ جتنا مسئلہ معلوم کیا گیا ہے نہایت جچے تلے الفاظ میں اس کا شافی وکافی جواب دیا گیا ہے، اگر کہیں ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ سائل کو صرف مسئلہ بتلانے سے اس کی الجھن دور نہیں ہوگی تو اسے نہایت مفید مشورہ سے بھی نوازا گیا ہے- خلاصہ یہ کہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" حضرت حکیم العصرؒ کے دوسرے کارناموں کی طرح ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے-

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ:

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا گیا ہے، حدیث وسیر اور تاریخ ورجال کی کتابوں میں ان کے عدل وانصاف، خشیت وللّٰہیت، زہد وتقویٰ، فہم وفراست اور قضا وسیاست کے بے شمار واقعات محفوظ ہیں، اگر ان منتشر کلیوں کو مرتب کیا جائے تو ایک بیش قیمت گلدستہ تیار ہو سکتا ہے-

آپؒ کی سیرت پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں ''سیرت ابن جوزی'' معروف و مشہور ہے، اور غالباً اس موضوع پر سب سے پہلی اور نہایت نادر و متبرک کتاب امام مالکؒ کے شاگرد، امام وفقیہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم مالکی مصری متوفی ۲۱۴ھ کی تالیف ہے۔

مصنف امامؒ نے وہ تمام حالات، جو انہوں نے اپنے قابل اعتماد اساتذہ سے سنے تھے ان کو سیرت عمر بن عبدالعزیز کے نام سے مرتب کیا۔ اس کتاب کی جلالت قدر کا اندازہ امام نوویؒ کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے:

> ''ابن عبدالحکم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے جو آپؒ کی سیرت جمیلہ اور حسن طریقت پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں وہ نفائس ہیں جن کے علم و عمل سے کوئی آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا''۔ (تہذیب الاسماء واللغات ص ۱۷ اج ۲)

الغرض ابن حکم کی یہ جلیل القدر کتاب نادر مخطوطوں کی شکل میں دنیا کے خال خال کتب خانوں کی زینت تھی۔ مشرق وسطیٰ کے محقق شیخ احمد عبید رحمہ اللہ کی عرق ریزی اور جانفشانی سے پہلی بار ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوئی۔

متعدد اکابر اور معاصر علماً نے حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ سے فرمائش کی کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا جائے تاکہ عوام و خواص اس سے استفادہ کر کے حضرت امیر المومنین خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کے آئینہ صافی کو سامنے رکھ کر اپنے کاکل و گیسو کو سنوار سکیں۔ اور حکام کو معلوم ہو جائے کہ ایک خلیفہ اور حاکم وقت کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا اور اس شان سے کیا کہ ترجمہ کا حق ادا کردیا۔

عربی سے اردو میں منتقل کی گئی اس کتاب کو پڑھنے سے ذرہ برابر بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے یا مستقل تصنیف ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے انداز بیان اور تحریر کی سلاست و شستگی نے اس میں ایسا رس گھولا ہے کہ قاری اسے پڑھتا ہے تو پڑھتا چلا

جاتا ہے- اسے شروع کرتا ہے تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں کرتا- ایک سو بانوے صفحات کی اس کتاب میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی حیات کے ہزاروں کمالات ایک سو بانوے عنوانات پر تقسیم کر کے بیان کئے گئے ہیں-

رسائل یوسفی :

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو تکوینی طور پر علماً دیوبند اور مسلک حق کا ترجمان اور مناد نامزد فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپؒ ہر فتنے کے مقابلہ میں سینہ سپر نظر آتے ہیں، فتنہ قادیانیت ہویا انکار حدیث، تجدد پسندی کا فتنہ ہویا الحاد کا، آپ ہر ایک کے دانت کھٹے کرتے نظر آتے ہیں- زیر نظر مجموعہ بھی تردید باطل کے اسی سلسلہ کی کڑی ہے جو آپ کے مندرجہ ذیل اہم، وقیع اور علمی رسائل پر مشتمل ہے-

۱ :.... ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر :

اس رسالہ میں شیعہ مصنف حافظ فرمان علی کے ترجمہ قرآن میں کی گئی تحریفات کا جائزہ لیا گیا ہے اور نشاندہی کی گئی ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان کی تحریفات کی مثالیں دے کر امت کو اس منکر قرآن فرقہ کی حیثیت سے آگاہ کیا گیا ہے-

۲ :.... انکار حدیث کیوں ؟ :

غلام احمد پرویز کے فلسفہ انکار حدیث کے خلاف قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ انکار حدیث دراصل انکار قرآن ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ انکار حدیث کرتے ہیں ان کا دین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے کہ انکار حدیث درحقیقت انکار دین ہے اگر حدیث ناقابل اعتماد ہے تو قرآن کیونکر قابل اعتماد ہو سکتا ہے ؟

۳ :.... انتباہ المومنین :

''انتباہ المومنین'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا فارسی رسالہ ہے جس میں ایک شیعہ نے مشکوۃ شریف کی ایک حدیث کے حوالہ سے جناب مولانا الٰہی بخش صاحب پر اعتراض کیا اور اس حدیث کا مصداق معلوم کرنا چاہا غالباً اعتراض یہ تھا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر صحابہؓ سے یہ

توقع نہیں تھی کہ وہ ان کو خلیفہ بنائیں گے، مولانا الٰہی بخش صاحب نے یہ سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں بھیج دیا، پیش نظر رسالہ حضرت نانوتویؒ کی جانب سے اس سوال کا جواب ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے نہایت مسکت وشافی اور دندان شکن جواب دے کر حدیث کی وضاحت فرمائی۔ حضرت شہیدؒ نے اس عجیب وغریب علمی رسالہ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام رکھا "ایک شیعی مغالطہ کا حل" یہ رسالہ حسن ظاہری کے ساتھ حسن معنوی سے معمور ہے، اور عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

۴ :.... عورت کی سربراہی :

بے نظیر حکومت کے دور میں جناب کوثر نیازی صاحب نے عورت کی حکمرانی کے جواز اور پارٹی سربراہ کی نمک خواری کے بدلہ میں اپنی تمام "علمی" توانائیاں صرف کیں تو حضرت شہیدؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا بھرپور تعاقب کیا اور ثابت کیا کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے۔ اسکے ضمیمہ کے طور پر عورت ومرد کا رتبہ کے عنوان سے حضرت ہی کا ایک نفیس مقالہ بھی شامل ہے۔

۵ :.... کیا ذکری مسلمان ہیں ؟

ذکری فرقہ جس کے افراد بلوچستان اور کراچی میں پائے جاتے ہیں اور وہ ملا محمد اٹکی کو نبی مانتے ہیں، مگر بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے ہیں۔ چونکہ سیدھے سادے مسلمانوں کو ان کے عقائد کے بارہ میں کوئی خاص آگاہی نہیں تھی اور انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اس رسالہ میں اس فرقہ کے عقائد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ رسالہ اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے بہترین راہ نما اور نفیس ہتھیار ہے۔

۶ :.... تنقید اور حق تنقید :

مودودی صاحب اپنے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے، اس رسالہ میں حضرت حکیم العصر شہیدؒ نے "تنقید اور حق تنقید" کے عنوان سے ان کے اس غلط عقیدہ کی

دلائل سے تشریح کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ تنقید کی کیا حدود ہیں؟

مجموعی اعتبار سے یہ کتاب ۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ان اہم اور وقیع رسائل کا مجموعہ ہے۔

شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم:

حضرت اقدس حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ تصنیف فرمائی تو اس میں شیعہ سنی اختلاف کے عنوان کے تحت بعض شیعہ عقائد کی نشاندہی فرمائی، جو غالباً شیعہ برادری کے لئے خفت کا باعث ہو سکتے تھے، اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو منظر عام پر لایا جائے، اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک شیعہ عالم جناب سید محمد محسن اجتہادی صاحب نے حضرت حکیم العصرؒ کو ایک طویل ترین مکتوب لکھ کر اس پر احتجاج کیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جو جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں، وہ آپ کے خود ساختہ ہیں، شیعہ مکتبہ فکر کے یہ عقائد نہیں۔

حضرت حکیم العصر شہیدؒ نے نہایت متانت و سنجیدگی سے جناب سید اجتہادی کا خط پڑھا، اور اس کا جواب لکھا کہ:

> ”آنجناب تو ان عقائد سے انکار فرماتے ہیں مگر یہ عقائد آپ کے اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں، آپ خود ہی یہ فیصلہ فرماویں کہ آپ سچ فرماتے ہیں؟ یا آپ کے اکابر کی تصنیفات کو سچا سمجھا جائے؟“

پانچ سو اڑسٹھ صفحات کی اس ضخیم کتاب میں ”عقیدہ امامت، صحابہ کرامؓ“، شیعہ اور قرآن“ اور ”حدیث اصحابی کالنجوم“ پر مدلل و محقق بحث کی گئی ہے۔

کمال یہ ہے کہ اس کتاب میں شیعہ کتابوں کے حوالوں کے اصل فوٹو اسٹیٹ شامل کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کو آج ۱۵ سال ہونے کو آئے ہیں مگر الحمد للہ آج تک پھر کسی شیعہ کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کی ”تحفہ اثنا عشریہ“ کو ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے مگر شیعہ اس

کے جواب سے قاصر ہیں، ٹھیک اسی طرح اس کتاب کے جواب سے بھی ملت جعفریہ عاجز و قاصر ہے، اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک رہے گی۔

اصلاحی مواعظ :

حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے مقبول عام سلسلہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے فقہی ترتیب پر مدون ہو جانے کے بعد عوام کا مطالبہ تھا کہ آپ کے مواعظ و خطبات کو بھی کتابی شکل میں مرتب کیا جائے، کیونکہ جس طرح آپؒ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیر خواہی اور دل سوزی کا جذبہ ہے، اسی طرح آپ کے وعظ و بیان میں اس سے کہیں زیادہ خلق خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہے، اس لئے آپ کے مواعظ حد درجہ مفید، نافع اور اصلاحی ہوتے ہیں، انہیں ضرور شائع ہونا چاہئے، چنانچہ ان کی خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا محمد طیب لدھیانوی سلمہ نے اس کام کا بیڑہ اٹھالیا اور اس سلسلہ کی پہلی جلد منظر عام پر آچکی ہے۔

پیش نظر جلد میں آپؒ کے دس مواعظ شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب میں جو مواعظ شامل کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

مقصد حیات، محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے، اعتکاف، فضائل و مسائل، حقوق اللہ، اور ذکر اللہ کی فضیلت، توبہ کیسے کریں؟ حسد کی بیماری اور اس کا علاج، دنیا کی محبت کے برے اثرات، صبر کے درجات، غیبت ایک اخلاقی برائی، لیلۃ القدر کی برکات، عظمت قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات۔

تین سو بہتر (۳۷۲) صفحات کی یہ کتاب انسان کی اخلاقی زندگی بدلنے میں کسی اکسیر سے کم نہیں، مواعظ کی مزید جلدیں زیر ترتیب ہیں۔

شخصیات و تأثرات :

ماہنامہ ''بینات'' کراچی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا ترجمان اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کا جاری فرمودہ ہے، اس کا اداریہ ''بصائر و عبر'' کے عنوان سے تاحیات محدث العصر حضرت بنوریؒ کے قلم فیض رساں سے

نکلتا رہا، حضرت بنوری قدس سرہ کی وفات کے بعد یہ بھاری ذمہ داری حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے کاندھوں پر ڈالی گئی بلکہ خود حضرت بنوریؒ نے اپنی حیات کے آخری سفر پر جاتے ہوئے یہ کہہ کر کہ ”آئندہ آپ خود ہی اداریہ لکھ لیا کریں“ یہ امانت حضرت شہیدؒ کے حوالہ فرمادی تھی، حضرت نے اسے نہ صرف نبھایا بلکہ نبھانے کا خوب حق ادا فرمایا۔

پیش نظر کتاب میں شامل اکابر علمائے امت اور شخصیات کے بارے میں تاثرات دراصل حضرت لدھیانوی قدس سرہ کے قلم سے نکلے ہوئے بصائر و عبر ہیں جنہیں کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا گیا، یہ کتاب چونکہ حضرتؒ کی زندگی میں شائع ہوئی تھی، اس لئے اس کا تعارف بھی حضرتؒ نے خود کرایا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا تحریر فرمودہ تعارف یہاں درج کر دیا جائے :

”۱ :.... ماہنامہ بینات کراچی کا اداریہ ”بصائر و عبر“ میرے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے تھے، جو ”بینات“ کے ماتھے کا حسین جھومر ہوا کرتا تھا، حضرتؒ کے وصال (۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ) کے بعد ”بصائر و عبر“ کی خانہ پری اس ناکارہ، کم فہم و کم سواد کے ذمہ کر دی گئی۔ پیش نظر مجموعہ میں شامل ”شخصیات و تاثرات“ دور ثانی کے ”بصائر و عبر“ ہیں۔

۲ :.... البتہ دو شخصیات اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک میرے والد ماجدؒ کہ ان کا تذکرہ ہفت روزہ ”لولاک“، فیصل آباد میں شائع ہوا تھا، دوسرے سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کہ ان پر ”بصائر و عبر“ کا مختصر سا اداریہ میرے حضرت بنوریؒ نے تحریر فرما کر اس ناکارہ کو تکمیل و اضافے کا حکم فرمایا تھا، کیونکہ حضرتؒ غالباً حرمین شریفین کے لئے پابہ رکاب تھے، چنانچہ اس ناکارہ نے ”مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری“ کر کے اس کو پھیلایا، اور وہ حضرتؒ کے نام سے شائع ہوا (حضرتؒ کے ”بصائر و عبر“ کا جو مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہوا ہے یہ

پورا مضمون اس میں بھی موجود ہے) اس ناکارہ نے بطور تبرک اس کو زیر نظر مجموعہ میں شامل کرلیا، تاکہ اس کا آغاز میرے شیخ مرشدؒ کے حسین ''ذکر خیر'' سے ہو، اور اس کی بسم اللہ میرے حضرت بوریؒ کی پاکیزہ تحریر سے ہو، اور ان بزرگوں کی برکت سے یہ مجموعہ عنداللہ شرف قبول حاصل کرے، (اس مضمون کا ڈیڑھ صفحہ میرے حضرت بوریؒ کے قلم سے ہے، اس سے آگے اس کوتاہ قلم کی پیوندکاری ہے-)

۳ :.... ''شخصیات و تاثرات'' میں تاریخی ترتیب ملحوظ ہے، اور حضرت ''سیدی ومرشدی'' سے اس مجموعہ کے آغاز کی ایک مناسبت یہ بھی ہوگئی کہ تاریخی لحاظ سے بھی ''سیدی ومرشدی'' کا ذکر خیر سب سے مقدم تھا-

۴ :.... یہ تمام ''تاثرات'' ان بزرگوں کی وفات پر معرض تحریر میں آئے، البتہ حضرت مخدوم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی پر جو شذرہ ''شاہ فیصل ایوارڈ'' کے سلسلہ میں لکھا گیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے-

۵ :.... میرے حضرت بوریؒ پر متعدد مضامین اس کوتاہ فہم کے قلم سے نکلے تھے، پیش نظر مجموعہ میں ان سب کو یکجا کردیا گیا-

۶ :.... اس ''بزم تاثرات'' میں شریک شخصیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، بس اسے راقم الحروف کے شخصی تاثرات کی حیثیت سے پڑھا جائے، یہ ان بزرگوں کا سوانحی خاکہ بھی نہیں، نہ ان کے اوصاف وکمالات کا پورا مرقع، نہ ان کے عنداللہ مرتبہ کا معیار- ولا ازکی علی اللہ احدا-

ناظرین کرام سے التجا ہے کہ اگر کوئی کام کی بات نظر پڑے تو ناکارہ مولف کو دعائے خیر سے ممنون فرمائیں، اور کوئی لغزش وکوتاہی نظر آئے تو "من ستر علی اخیه المسلم ستر الله عوراته یوم القیمة" پر عمل فرمائیں-

۷ :.... جی چاہتا تھا کہ کچھ اور شخصیات بھی اس ''بزمِ حسین'' میں شریک ہوتیں، مؤلف اس کوتاہی پر نادم ہے، توفیقِ الٰہی دستگیری فرمائے تو خیال ہے کہ ایک اور محفلِ حسن آراستہ کروں، اور اپنی محترم شخصیات کو دعوتِ شرکت دوں-وماذلک علی اللہ بعزیز-

۸ :.... یااللہ! آپ کے چند بندوں کا یہ تذکرہ آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کررہا ہوں، اے کریم! آپ ان کے ظاہر وباطن اور انکے مبدأ ومآل سے پوری طرح واقف ہیں، یااللہ! اگر کسی بات کے نقل کرنے میں فروگزاشت یا کسی جذبہ کے اظہار میں افراط و تفریط ہوئی ہو تو اپنے لطف بے پایاں سے اس کو معاف فرما، اور اپنے ''ستر جمیل'' سے اس کے عیوب کی ستاری فرما''- (شخصیات وتأثرات ص ۴)

اس ۴۱۲ صفحات کی کتاب میں ۵۴ بزرگوں کا نہایت دلآویز اور حسین پیرائے میں تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب کا ایک ایک حرف آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے-

شخصیات وتأثرات : جلد دوم :

زیر ترتیب ہے جو تقریباً چار صد صفحات پر مشتمل ہے، اور جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور ان کی تصنیفات کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، شیخ بن بازؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ اور مولانا احمد رضا بجنوریؒ جیسے ۴۴ اکابر، علماً، صلحاً اور شخصیات کا تذکرہ ہے-

اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کرنا ہر مسلمان کے لئے باعث برکت وفضیلت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ہے- سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس وقت قصائد بیان فرمائے جب کفارِ قریش کے

بڑے بڑے نامور شعراء (نعوذ باللہ) نبی اکرم ﷺ کی ہجو (مذمت) کر کے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے تھے، جس وقت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی تعریف فرماتے تو نبی اکرم ﷺ خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے دعا فرماتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے، وہ اس پر کھڑے ہو کر ان قریش کی مذمت میں اشعار پڑھتے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی بد گوئی کی تھی، اور آنحضرت ﷺ فرماتے تھے:

"روح القدس (جبرئیل امین) علیہ السلام حسان بن ثابتؓ کے ساتھ رہتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دفاع کرتے ہیں"۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کفار کی ہجو (مذمت) کی پس خود بھی دل ٹھنڈا کیا اور دوسروں کا بھی دل ٹھنڈا کر دیا"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کو بھی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی جو انہوں نے اسلام قبول کرتے ہوئے عرض کیا تھا، خاص کر اس قصیدے کے اس شعر کو:

وکن لی شفیعاً یوم لا ذوشفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

ترجمہ: "میرے لئے اس دن سفارشی بن جایئے جس دن کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کے کام نہیں آئے گا"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحبؒ کی دیگر علمی خدمات کے علاوہ آپ کے قصیدہ "اطیب النغم" کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی جو انہوں نے "قصیدہ بائیہ" حضرت سواد بن قاربؓ اور "قصیدہ ہمزیہ" حضرت حسان بن ثابتؓ کے تتبع میں تحریر فرمایا اور پھر فارسی میں اس کی تشریح بھی فرمائی۔ فارسی میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کے استفادہ سے

محروم تھے، اس لئے حضرت اقدس رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ان قصیدوں اور ان کی فارسی شرح کا ترجمہ و تشریح فرمائی، نیز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بھی شامل کر کے اس کا بھی ترجمہ فرما کر اردو میں ایک بہترین ذخیرہ پیش کیا-

آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالے کا عکس بھی شامل کر دیا تاکہ اہل علم براہ راست اس سے استفادہ کر سکیں-

اصل فارسی رسالہ مع ترجمہ و تشریح، مجموعی طور پر ۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا ایک ایک لفظ عقیدت و محبت نبوی ﷺ کا شاہکار ہے-

رجم کی شرعی حیثیت:

قرآن و سنت کی واضح نصوص اور اکابر علمائے امت کی تصریحات کی رو سے جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زناکاری کا ارتکاب کرے، اسے سنگسار کیا جائے، اور یہ حد شرعی ہے، اس پر چودہ صدیوں کے اکابرین امت اور حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، مگر شومئی قسمت کہ کچھ پڑھے لکھے جاہل اس کے شرعی حد ہونے سے انکاری ہیں چنانچہ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور اسکی روحانی ذریت بھی اس کے حد شرعی ہونے سے منکر ہیں، کچھ یہی فلسفہ جناب امین احسن اصلاحی اور فتنہ انکار حدیث سے متاثر بعض ججوں کا بھی تھا- چنانچہ ۱۹۸۱ء میں اس وقت کی وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا تھا کہ:

> ”حدود آرڈی نینس مجریہ ۱۹۷۹ء کے تحت زنا کے جرم میں رجم (سنگسار) کر کے ہلاک کرنے کی سزا اسلامی احکام کے خلاف ہے“-

اس پر مرشد العلماء حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے ماہنامہ ”بینات“ میں ان بے دین عناصر اور منکر حدیث ججوں کا تعاقب کرتے ہوئے قرآن و سنت کے حوالہ سے نہایت زوردار انداز سے یہ ثابت کیا کہ رجم شرعی حد ہے- پیش نظر کتاب میں حضرتؒ کے اس سلسلہ کے تمام مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے-

حسن اتفاق کہ حضرتؒ کی اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد تکوینی طور پر

حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا اور وفاقی شرعی عدالت میں ایسے راسخ فی العلم علمائ کا اثر و نفوذ ہوا کہ پھر اسی عدالت نے رجم کے حد شرعی ہونے کا فیصلہ دیا، فالحمد للہ علی ذالک۔

حسن یوسف :

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرت اقدس محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد ماہنامہ بینات کراچی کی ادارت مرشد العلما حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کے سپرد کردی گئی، تو ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ سے آپؒ باقاعدہ ماہنامہ "بینات" کے "بصائر و عبر" تحریر فرمانے لگے- اور یہ سلسلہ تادم واپسیں جاری رہا، آپؒ کی ان تحریروں اور مقالات و مضامین کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بااخلاص قارئین، احباب و معاصرین اور حضرات اکابر کی خواہش بلکہ اصرار کے درجہ میں بار بار ان کا یہ مطالبہ سامنے آیا کہ ان مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے-

پیش نظر کتاب آپ کے انہیں مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں نفاذ شریعت، شعائر اسلام کا تحفظ اور دینی مدارس و مساجد کے عنوان پر لکھے گئے تمام مضامین کو یکجا کیا گیا ہے، پانچ سو صفحات کی یہ کتاب حکام، عدلیہ اور انتظامیہ کے لئے تازیانہ عبرت اور امت مسلمہ کیلئے بہترین راہ نما ہے-

خاتم النبیین ﷺ :

عقیدہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور عقیدہ ختم نبوت کا باغی اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے امت مسلمہ کو گمراہ کرنے اور ان کو دامن رحمت ﷺ سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانے کیلئے دعویٰ نبوت کیا تو امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ تڑپ کر رہ گئے- انہوں نے آخری دنوں میں بستر مرگ پر "خاتم النبیین" فارسی زبان میں لکھی، ان کی خواہش تھی کہ اسے اپنے خاص مصارف سے طبع کرا کر کشمیر اور ان ممالک میں تقسیم کریں جن میں فارسی زبان مروج ہے، مگر چونکہ ہمارے ملک کی زبان اردو ہے، فارسی کا ذوق عوام میں کیا علما میں بھی قریب قریب

ناپید ہے، اس لئے اس کے ترجمہ کی ضرورت تقریباً نصف صدی سے محسوس کی جارہی تھی مگر یہ مشکل و کٹھن کام ہر ایک کے بس کا نہیں تھا- حضرت بوری قدس سرہ نے حضرت حکیم العصر قدس سرہ کو اس کا حکم فرمایا تو آپ نے اس کی ذمہ داری قبول فرمالی اور ترجمہ کرنا شروع کردیا اور بلاشبہ آپ نے ترجمہ کا حق ادا فرمادیا- علوم انوریؒ اور عقیدہ ختم نبوت کو اس سلیقہ سے بیان فرمایا کہ قادیانی ذریت کے تمام اوہام باطلہ کا تارپود بکھیر کر رکھ دیا- یہ اپنی نوعیت کی وہ کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف محنت و مشقت اور خلوص و اخلاص کا آئینہ دار ہے- یہی وہ کتاب ہے جس کے ترجمہ پر حضرت بوری قدس سرہ نے حضرت حکیم العصر قدس سرہ کو "اپنا ہم کام و ہم نام" فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ : حضرت کشمیریؒ کی کتاب کے ترجمہ نگار کے لئے دس صفات کا حامل ہونا ضروری ہے اور چونکہ وہ تمام کی تمام صفات حضرت مولانا لدھیانوی میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے وہی اس کے ترجمہ کے اہل تھے- چنانچہ حضرت بوریؒ "علوم انوری" کے حقائق و معارف کی تہہ تک پہنچنے اور ان کی ترجمانی کے لئے جن دس امور کی ضرورت تھی انہیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "زبان فارسی ہو یا اردو، علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے، ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آسکتے تھے، اس کے لئے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی :
>
> ۱ :.... عام فہم شستہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے-
>
> ۲ :.... مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اشارات و لطائف کو خوبی سمجھتا ہو-
>
> ۳ :.... حضرت امام العصر رحمہ اللہ کے طرز تحریر سے مناسبت رکھتا ہو، اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو-
>
> ۴ :.... قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو-
>
> ۵ :.... علمی دقائق کی تشریح پر اردو میں قادر ہو، اور قلمی افادات

سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

۶ :..... تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکتا ہو۔

۷ :..... حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور و خوض سے اکتا نہ جائے۔

۸ :..... محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

۹ :..... اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حبّ جاہ و ثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰ :..... عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو، اور معانی و بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبان قلم پر آگئے، ''عشرہ کاملہ'' کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتا ہے، مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا، میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق و دق صحرا میں قدم رکھوں، اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ ''نفحۃ العنبر'' میں ۴۵ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ ''خاتم النبیین'' ملاحظہ کیا جائے۔

الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمّد یوسف لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس

''عشرۃ کاملۃ'' سے متصف تھے، باکمال تھے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اِس ترجمہ و تشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ بر آ ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے- اللہ تعالیٰ بارگاہِ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لیے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی شفاعتِ مقبولہ کا ذریعہ بنائے، آمین-''

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کیلئے یہ کتاب کسی صاعقہ آسمانی سے کم نہیں-

عصر حاضر حدیث نبوی ﷺ کے آئینہ میں :

قربِ قیامت میں لوگوں کی دینی، دنیاوی، مالی اور اخلاقی حالت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایک چیز کی نشاندہی فرمائی ہے، اس وقت لوگوں کی کیا روش ہوگی؟ کیسے کیسے فتنے رونما ہوں گے؟ بے حیائی اور بے دینی کا کیا عالم ہوگا؟ عورتوں اور مال کے فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ یہ تمام تفصیلات احادیث مبارکہ سے اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں، گویا یہ احادیث مبارکہ کا آئینہ صافی ہے جس میں ہر آدمی اپنے اور دورِ حاضر کے حالات و معاملات کا بغور جائزہ لے سکتا ہے-

عہد نبوت کے ماہ و سال :

شیخ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ کے معاصر اور ان کے ہم پلہ عظیم بزرگ اور بلند قامت علمی شخصیت کے حامل تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کے سال سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک ۲۳ سالہ دورِ نبوت قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت کے تمام حالات و واقعات کو سن وار عربی میں مرتب فرمایا، اور اس کا نام رکھا ''بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ''- چنانچہ اس کا تعارف کراتے ہوئے حضرت شہیدؒ نے عرض مترجم میں لکھا تھا:

''الشیخ العلامہ مولانا مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ (ٹھٹھوی) الامام الحجۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ہم عصر اور خطۂ سندھ

کے گویا دوسرے شاہ ولی اللہ تھے، علومِ اسلامیہ، تفسیر وحدیث، فقہ واصول، کلام وتصوف، سیر وتاریخ اور شعر وادب میں اپنے دور کے امام تھے، اور علم وفضل، خشیت وانابت اور زہد وتقویٰ میں نادرۂ روزگار، عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد، احیائے سنت، ترویج شریعت اور ردِ بدعت میں صرف ہوا۔

تصنیف وتالیف میں مخدوم مرحوم کو قدم راسخ وید طولیٰ حاصل تھا، اوقات میں برکت اور قلم میں روانی تھی، عربی، فارسی اور سندھی تینوں زبانیں بلا تکلف لکھتے اور بولتے تھے، علومِ اسلامیہ کا کوئی شعبہ اور وقت کا کوئی اہم مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس پر موصوف نے قلم نہ اٹھایا ہو، مگر سرعتِ قلم اور موضوع کے تنوع کے باوصف کیا مجال ہے کہ کوئی تصنیف، متانت وثقاہت کے بلند معیار سے ذرا بھی نیچے اُتر آئے۔''

مرشد العلما حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے آنحضرت ﷺ کے سن وسال کے حالات وحوادث کے تذکرہ کو سعادت سمجھتے ہوئے اس کا نہایت شستہ اور سلیس ترجمہ فرمایا ہے اور اس کا نام رکھا: ''عہد نبوت کے ماہ وسال'' یہ کتاب بلا مبالغہ ہر وقت سینہ سے لگائے رکھنے کے قابل ہے۔ یہ حسین دستاویز ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

دورِ حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار:

دین اسلام چونکہ نبی آخر الزمان ﷺ کا لایا ہوا ہے، اس لئے جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی ایسے ہی یہ دین ومذہب بھی قیامت تک ٹھیک اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آنحضرت ﷺ نے اسے امت تک پہنچایا تھا، مگر دین دشمن افراد اور قوتوں کی روزِ اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح اسے مسخ کرکے اس کی شکل بگاڑ دی جائے اور اس میں من مانی تحریفات کرکے امت کو اس سے برگشتہ کردیا جائے۔

ابتدا میں اگرچہ یہ نامسعود کوششیں یہود ونصاریٰ کرتے رہے، مگر انہوں نے

جب اس میدان میں ناکامی کا منہ دیکھا تو اپنے زر خرید غلاموں کو اس کام میں لگادیا، چنانچہ اسلام کا نام لینے والے ان اسلام دشمنوں نے اسلامی ریسرچ و تحقیق کے عنوان سے اس شجرہ طیبہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی، اور نت نئے انداز سے اس پر تابڑ توڑ حملے کئے، کچھ ''مخلصین'' اور ''مصلحین'' سے اسلام کی یہ مظلومیت دیکھی نہ گئی چنانچہ انہوں نے نہایت معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے دین ومذہب کے ان مسائل اور اصول وقوانین میں (جن کو جاہلیت جدیدہ کے علم برداروں نے غلط پروپیگنڈا کرکے بدنماد کھانے کی کوشش کی تھی) اصلاح وترمیم کا مشورہ دینا شروع کیا، اور بالفعل ان پر کتروبیونت کی مشق ناز شروع کردی۔

پیش نظر کتاب میں مرشد العلما حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے ایسے ہی حضرات کا تعاقب فرمایاہے جو اصول دین کے بارہ میں افراط وتفریط کے مرتکب ہوئے، ان میں سے بعض افراد تو واقعی مخلص ہوں گے لیکن بعض تو خالص بددین اور اسلام دشمن تھے۔

چنانچہ اس کتاب میں دین الٰہی کے موجد ڈاکٹر فضل الرحمن کے ملحدانہ افکار، عمر احمد عثمانی کی تحریفات، ڈاکٹر یوسف گورایہ کے اجتہادات، ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار، مولانا محمد حنیف ندوی کا مصالحتی فارمولا، وقار انبالوی کے اسلام اور علماً اسلام کو بدنام کرنے کے بھونڈے انداز اور جناب مولانا اللہ یار خان چکڑالوی کے جدید انکشافات کو قرآن وسنت، عقل ودانش اور تحقیق وریسرچ کی کسوٹی پر پرکھ کر امت کی ٹھیک ٹھیک راہ نمائی کی گئی ہے، پانچ صد چھیاسٹھ صفحات کی یہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہے۔ یہ کتاب پریس گئی ہوئی تھی کہ مولف سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور آپؒ کی شہادت کے تیرہ دن بعد جب یہ منظر عام پر آئی تو اس کا مصنف اس دنیا میں نہیں تھا۔

دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اصول:

بساط ارضی میں جہاں قدرت الٰہیہ کے مظاہر، نمونے اور آثار وشاہکار ایسے نظر آتے ہیں جن کی حکمت وفلسفہ انسانی عقل وفہم اور ادراک میں آسکتے ہیں، وہاں اسکی قدرت

کے بے شمار ایسے گوشے بھی ہیں جو انسانی عقل و فہم سے ماوراء اور ادراک و شعور سے بلند و بالا ہیں۔ ایسے معاملات میں سپر ڈال کر صرف اور صرف "آمنا بہ" کے اقرار کے بغیر چارہ نہیں، ان امور کو تکوینیات کہا جاتا ہے اور تکوینیات انسانی عقل و خرد کی پہنچ سے نہایت اونچے درجے کی چیز ہے، اس میں بحث و تمحیص اور کھود کرید سے جادہ مستقیمہ سے بھٹک جانے کا خطرہ اور اندیشہ رہتا ہے، ہاں البتہ بعض اوقات محض اپنے فضل و احسان سے اللہ تعالیٰ ان امور کی حکمت اور فلسفہ سے پردہ اٹھا کر اپنے بندوں کو ان کی درماندگی اور عجز و نقص کا احساس دلاتے ہیں۔

یوں تو اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اس کی ایک مثال پیش نظر حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی قدس سرہ کی وہ کتاب ہے جو انہوں نے تبلیغ کے مشہور عام چھ بنیادی اصول یعنی تبلیغ کے چھ نمبروں پر لکھی اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے انہیں مُبرھن فرمایا۔ حضرت جیؒ نے اسے اپنی حیات مستعار میں کس جوش، جذبہ، ذوق، شوق، محنت و لگن اور دیدہ ریزی سے مرتب فرمایا ہوگا؟ اس کا اندازہ انہیں حضرات کو ہو سکتا ہے جنہوں نے حضرت جیؒ کو دیکھا یا سنا ہوگا، مگر اس قدر ارمانوں کے بعد تصنیف کردہ کتاب گوشہ گمنامی میں چلی گئی اور ایک عرصہ تک اس کی کسی کو بھنک تک نہ پڑ سکی، ایک عرصہ کے بعد حضرت جیؒ کے پوتے جناب مولانا سعد صاحب زید حیاتہ کو حضرت جیؒ کی ذاتی کتابوں میں سے وہ مسودہ دستیاب ہوا اور طے کیا گیا کہ اسے اردو ترجمہ کر کے افادہ عام کیلئے شائع کیا جائے، مختلف اکابر علماً اور اہل قلم سے رابطہ کیا گیا، بعض حضرات نے ترجمہ سے معذرت کی تو بعض نے حامی بھر لی، مگر تکمیل کسی سے بھی نہ ہو سکی، اسی اثناً میں مرشد العلماً حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے رابطہ کیا گیا تو حضرتؒ نے نہ صرف اس خدمت کو قبول فرمایا بلکہ اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس پر کام شروع کر دیا، اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کے ترجمہ کے املا سے فارغ ہو گئے۔ تب اس کا راز کھلا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؒ اول کے کام کی تکمیل یوسف ثانیؒ کے حصہ میں رکھی تھی اور اسی لئے یہ ساری رکاوٹیں اور موانعات پیش آئے اور کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی۔

کتاب کا مسودہ کرم خوردہ تھا، متن میں اغلاط تھیں، حوالہ جات ناکافی اور نامکمل

تھے، احادیث کے متن خلط ملط تھے، جن کتابوں کے حوالے تھے وہ تقریباً اب نایاب و ناپید ہیں، یوں مطابع کے اختلاف اور صفحات کے تفاوت کی بنا پر کتاب میں درج احادیث کا متن مراجع سے ملانا ایک مشکل کام تھا مگر حضرت اقدس حکیم العصر نے نہایت عرق ریزی اور شوق وذوق سے یہ کام کیا، بلاشبہ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو حدیث سے عشق اور اکابر کے علوم سے وارفتگی کی حد تک تعلق خاطر ہو، یوں یہ پونے چار صد صفحات کی کتاب نہایت خوبصورت انداز میں تیار ہو گئی، افسوس کہ حضرت اقدس باوجود شدید خواہش کے اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں نہ دیکھ سکے۔

حضرت شہیدؒ نے اس کتاب میں درج نامکمل احادیث کی تکمیل فرمائی، ہر حدیث کا حوالہ دیا، جہاں متعدد احادیث کے متن خلط ملط تھے ان کو الگ الگ کیا، قدیم مراجع کو جدید مراجع کے ساتھ ملا کر جدید کتابوں کے حوالے دیئے، جہاں ضرورت تھی وہاں اضافے فرمائے، جن کتب احادیث میں حدیث کے نمبرات تھے ان احادیث کے حدیث نمبر لگوائے، یوں یہ ایک لاجواب تحقیقی دستاویز تیار ہو گئی۔

ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت ہر مسلمان کے ایمان و عقیدہ کا جزٔ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا محبوب ترین عمل، لذیذ ترین عبادت اور ذات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت و عقیدت کا بہترین ذریعہ اور حصول شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفیس ترین واسطہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے علمأ امت اور اکابرؒ کی یہ کوشش، خواہش، آرزو اور تمنا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل وبرکات پر مشتمل مجموعہ مرتب کر کے امت کو اس محبوب عمل کی طرف متوجہ اور اپنی نجات وشفاعت کا وسیلہ اور سامان کیا جائے، چنانچہ حافظ شمس الدین سخاویؒ نے "قول بدیع" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے فضائل وبرکات کا خلاصہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے یہ دولتیں میسر آتی ہیں: درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت بھیجتے ہیں، خطاؤں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس سے اعمال بڑھتے اور پاکیزہ ہوتے ہیں، درجے بلند ہوتے ہیں، گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے، درود شریف اپنے پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک قیراط کا اجر لکھا جاتا ہے (ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے) اس کا اجر کامل ترین پیمانے سے تولا جاتا ہے، جو شخص اپنا تمام تر وظیفہ درود شریف پڑھنے کو بنالے اس کے دنیاو آخرت کے تمام امور کی کفایت ہو جاتی ہے، خطائیں محو کر دی جاتی ہیں، درود شریف پڑھنا غلاموں کے آزاد کرنے سے افضل ہے، اس کے ذریعہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات ملتی ہے....

اسی طرح شہید راہ وفا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بھی ایک عرصہ سے آرزو، تمنا، خواہش اور کوشش تھی کہ درود شریف پر ایک رسالہ تالیف کریں اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی تک رسائی کا ذریعہ بنائیں لیکن دوسرے اکابر کے رسائل وکتب کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر نئی تالیف سے شرم دامن گیر تھی۔

لیکن حق تعالیٰ شانہ کے لطف وعنایت کے قربان جایئے کہ اس مولائے کریم نے غیب سے حضرتؒ کی دستگیری فرمائی، اور آپ کی اس دیرینہ آرزو کے بر آنے کی شکل پیدا فرمادی، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ہالا ضلع حیدر آباد (سندھ) سے حضرتؒ کے دوست ڈاکٹر قاضی محمد شوکت علی قریشی زید لطفہ، نے شیخ مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی رسالہ "ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ" کا نسخہ بھجوایا اور اسے اردو میں منتقل کرنے کی درخواست کی، یہ حضرتؒ کے دیرینہ حسین خواب کی تعبیر تھی، اس لئے اسے لطیفہ غیبی سمجھ کر فوراً وعدہ کر لیا اور چند دنوں میں اس رسالہ کا ترجمہ مکمل فرمادیا- اصل رسالہ ۶۲ صفحات کا تھا، جس کے صفحہ ۵۶ سے ۶۲ تک کی چند سطریں کرم خوردہ تھیں، اسی طرح آخری ضمیمہ میں حضرت مصنفؒ درود شریف کے چالیس الفاظ لکھ رہے تھے، نمبر ۳۴ تک صفحہ ۶۲ میں آئے، آگے نمبر ۳۵ کی عبارت شروع تھی کہ صفحہ ختم ہو گیا، اور اس سے اگلے

صفحات ندارد، مصنفؒ کی عبارت بھی نامکمل رہی، اور درود شریف کے چالیس صیغہ بھی پورے نہ ہوئے، اس لئے جہاں تک حضرت مولف کی عبارت تھی وہاں تک حضرت شہیدؒ نے ترجمہ کر کے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

تراجم کے بارے میں حضرت شہیدؒ کا ذوق یہ تھا کہ اکابر کی کتب ورسائل کے صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ مصنف کا اصل (عربی یا فارسی) متن بھی ساتھ دیا جائے، اس لیے آخر میں اصلی رسالہ کا عکس بھی شامل کتاب کر دیا گیا۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں درود شریف کے وہ الفاظ جمع کئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، صحابہؓ اور تابعینؒ سے اور دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس جمع وتدوین سے مقصود درود شریف کے الفاظ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا ہے جس کو مسلمان بھائی پڑھا کریں، اور درود شریف کے فضائل وبرکات سے مالا مال ہوں، اس مقصد کے پیش نظر حضرتؒ نے درود شریف کے ان تمام صیغوں کو (بغیر ترجمہ کے، اور بغیر حوالہ روایت کے) مناجات مقبول کی طرز پر جمع کر کے، الگ شائع کر دیا ہے، اور ان کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور اس کو مناجات ہی کی تقطیع پر شائع کیا گیا، اور اپنے احباب ومتعلقین کو پابند کیا گیا کہ روزانہ اس کی ایک منزل کا معمول بنائیں۔

اصل کے عکس سمیت کل دو سو چھپن صفحات کی یہ کتاب عشق ومحبت نبوت کا سرچشمہ اور شفاعت نبویؐ کا نفیس ترین مجموعہ کسی طرح اکابر علماً امت کی تصنیفات سے کم نہیں۔

قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ:

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اکابر علما دیوبند سے عموماً اور مشائخ اربعہ سے خصوصاً عشق کے درجہ میں محبت تھی، ان کے حالاتِ زندگی اور حیات وسوانح کا کوئی تذکرہ کرتا تو حضرت کی عشق ومحبت کی کیفیت دیدنی ہوتی، یوں محسوس ہوتا کہ ان کے ذکر خیر کی حلاوت ومٹھاس کو آپ محسوس فرما کر اس سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

کچھ یہی کیفیت حضرت شہیدؒ کی اپنے اور عالم اسلام کے شیخ قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کے تذکرہ پر ہوتی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی رحلت کے بعد ان کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہ نے حضرت شیخ الحدیث کی سوانح کی ترتیب کی فرمائش کی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ انگلینڈ میں مولانا متالا صاحب کے مدرسہ میں فروکش ہوگئے، اور کئی مہینے لگا کر آپؒ نے اپنے شیخ کی حیات وسوانح مرتب فرمائی۔

کتاب کیا ہے، حضرت شیخ کی سوانح پر ایک لاجواب انسائیکلو پیڈیا ہے، کتاب کی تعریف کرنا ''مادح خورشید مداح خود است'' کا مصداق ہے، اس لیے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے مقدمۂ کتاب کے ضروری اقتباسات یہاں درج کردیئے جائیں:

> ''حق تعالیٰ شانہ کے خاص مقبول ومحبوب بندوں کی سیرت وسوانح کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے۔
>
> اولاً:... ان کے احوال وسوانح ان کی صحبت کا بدل ہیں اور جو لمحات ان کے مذاکرہ میں گزریں وہ گویا ان کی صحبت وہم نشینی میں گزرتے ہیں، جس طرح کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ اس کی صحبت کے قائم مقام ہے، اور اس سے مصنف کے قلبی جذبات واحساسات قاری کی طرف شعوری وغیر شعوری طور پر منتقل ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے صاحب سیرت کی قلبی کیفیات قاری کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔
>
> ثانیاً:.... حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ ان اکابر کے شامل حال ہوتی ہے، اس لئے ان کا ذکر خیر رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہے، چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہے: "عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة" صالحین کے ذکر خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے''۔
>
> راز اس کا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہوتا ہے، اس لئے

عنایت خداوندی ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہو جاتی ہے جو تعلق و محبت سے کسی مقبول و محبوب بندے کا ذکر بالخیر کرتے ہیں- "هم القوم لا يشقى بهم جليسهم"-

ثالثاً : .... ان کے صبر و استقامت، اخلاص و للٰہیت، ریاضت و مجاہدہ، عزیمت و توکل کے حالات وواقعات، شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں ہیں، جن کی روشنی سے انسانیت کے گم گشتہ قافلے راہ پاتے ہیں، ان کا نقش پا آئندہ نسلوں کے لئے جادۂ منزل بن جاتا ہے، اور قافلہ انسانیت، ان کی پامال راہ پر چل کر فلاح و کامرانی کی منزل پالیتا ہے....

حضرت الشیخ الامام الحافظ الحجۃ مولانا محمد زکریا کاندھلی مہاجر مدنی قدس سرہ ہمارے اس آخری دور میں شریعت و طریقت کے امام، علما و مشائخ کے مرجع و مقتدا، سر حلقہ عشاق اور قطب الاقطاب تھے، عنایت ازلیہ نے ان کے وجود باجود میں اوصاف و کمالات کی ایسی جامعیت کبریٰ ودیعت فرمائی تھی جس سے ہر صدی میں خاص خاص افراد ہی مشرف ہوتے ہیں، اور اسی جامعیت کی بنا پر وہ اپنے معاصرین سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں، ان کی عظیم شخصیت اپنے اندر ظاہری و باطنی کمالات کے بہت سے متنوع پہلو رکھتی ہے، اور وہ ہر کمال میں ایسے فردِ یگانہ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے کمالات میں کلیدی وصف اور سب سے غالب پہلو کون سا ہے؟ :

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حالات بعض محبین و مخلصین نے آپ کی حیات مبارکہ میں بھی قلم بند کر لیئے تھے، اور خود حضرتؒ نے بھی اپنی آپ بیتی سات حصوں میں لکھوائی، آپؒ کے وصال کے بعد متعدد رسالوں نے آپؒ پر خصوصی نمبر شائع کیے، جن میں "الفرقان لکھنؤ" کا

خصوصی شمارہ بہت ہی جاندار اور شاندار تھا تاہم ایک ایسی سوانح کی ضرورت تھی، جس سے آپ کی جامع شخصیت کا سراپا بیک نظر سامنے آجائے اور وہ بعد والوں کے لئے مشعل راہ ہو....

راقم الحروف کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ اسے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ ایسی نابغہ اور جامع کمالات ہستی کے بارے میں کچھ لکھنے کا اتفاق ہوگا؟

میرے مخدوم و معظم، میرے ہم نام اور ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے محب و محبوب خلیفہ ارشد حضرت مولانا محمد یوسف متالا زیدت مکارمہم نے حضرت کے وصال کے بعد "حضرت شیخ اور ان کے خلفا" کے موضوع پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے لئے خلفا کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیج دیا اور جوابات کی ترتیب کا حکم اس ناکارہ کے نام صادر فرمایا، ان کے حکم سے سرتابی کی گنجائش نہ تھی تو کلاً علی اللہ کام کی بسم اللہ کردی....

جن عنوانات پر لکھنے کا ارادہ تھا، اور جن کا خاکہ تیار ہوچکا تھا، بعض ناگزیر وجوہ سے ان میں سے بہت سے عنوانات حذف کردینا پڑے اور جو عنوانات زیر قلم آئے وہ بھی بے حد تشنہ رہے، ہمارے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "ناقص کا ہر کام ناقص ہوتا ہے"۔ حضرتؒ کا یہ فقرہ ناکارہ مولف اور اس کی تالیف پر ہر لحاظ سے صادق آتا ہے، ناچیز مولف کو کتاب کے بیشتر حصوں پر نظر ثانی اور اصلاح وترمیم کا بھی موقع نہیں ملا....

حضرت شیخ کی سوانح کے دس باب ہیں، پہلے دو میں حضرت والا کا سلسلۂ نسب اور خاندان عالی، ولادت باسعادت اور تعلیم وتربیت، تیسرے میں درس وتدریس، چوتھے میں تصنیف وتالیف، پانچویں میں نظام الاوقات اور معمولات، چھٹے میں خدا داد اوصاف وکمالات،

ساتویں اور آٹھویں میں مدارس و تبلیغ کی سرپرستی، ملفوظات اور سالکین کے نام تربیتی خطوط کے اقتباسات، نویں میں جدید فتنوں کا تعاقب اور دسویں میں حضرت شیخ اکابرؒ کی نظر میں ''تلک عشرۃ کاملۃ''۔

چھ سو چھیالیس صفحات پر مشتمل حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات و سوانح کا ایک ایک لفظ عقیدت و محبت کا مظہر اور حقانیت اسلام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حجۃ الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا فضل و کمال اور علم و تحقیق کسی تعارف کا محتاج نہیں، حضرتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کے بارہ میں ایک کتاب مستطاب تالیف فرمائی، کتاب چونکہ عربی میں تھی اس لئے اردو دان طبقہ اس کے نفحات سے مستفید نہیں ہو سکتا تھا، اس ضرورت کے پیش نظر حضرت شہیدؒ نے اس کو اردو کے نہایت حسین و جمیل قالب میں ڈھالا تو حضرت بنوریؒ جیسی عبقری شخصیت بھی اس پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکی، چنانچہ اس کتاب کے تعارف میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے تبرکاً میں حضرت بنوریؒ کی تحریر کو نقل کرتا ہوں:

> ''عبادات میں فریضۂ حج بیت اللہ الحرام ایک عجیب و غریب عبادت ہے، حج کیا ہے؟ بارگاہ قدس کی تجلیات کا ایک روح پرور نظارہ ہے، ایک مومن قانت اپنی استعداد کے مطابق اس مرکز تجلیات سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے، اس منبع انوار کے جلوؤں سے نور ایمانی پاتا ہے اور اس سرچشمۂ فیض سے غذائے روحانی کا سامان مہیا کرتا ہے، غسل کر کے اور لباسِ مرگ پہن کر رضائے محبوب پر مر مٹنے کا عہد (احرام) باندھ لیتا ہے اور پھر عاشقانہ و والہانہ انداز میں نعرۂ توحید بلند کرتا ہے، کبھی محویت کے عالم میں بادہ پیمائی، صحرا نوردی، اور آبلہ پائی کے ذریعہ دل مضطر کا سکون ڈھونڈتا ہے، اور کبھی دیوانہ اور تلاش محبوب میں دیار

محبوب کے چکر پر چکر لگاتا ہے، صفا، مروہ، منیٰ کے مراحل طے کر کے وادیٔ عرفات پہنچ جاتا ہے، جہاں حق تعالیٰ کی رحمت کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، اور اپنے ظرف واستعداد کے مطابق سیرابی حاصل کرتا ہے۔ مزدلفہ و منیٰ میں نفس و شیطان کے مقابلہ کے تمام مراحل طے کر کے اور نفحات الٰہیہ سے سرشار ہو کر دیار محبوب کے آخری دیدار سے سرفراز رہتا ہے، اور دنیا و عقبیٰ کی سعادتوں سے مالامال ہو کر وطن پہنچ جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج، جو فرضیت حج کے بعد ادا فرمایا، مدینہ طیبہ سے کیا، کس تاریخ کو روانہ ہوئے؟ کب ذوالحلیفہ پہنچے؟ احرام کب اور کیسے باندھا؟ منازل سفر کیسے طے فرمائیں؟ راستے کی ایک ایک منزل پر کیا کیا واقعات پیش آئے اور کیا کیا ہدایات فرمائیں؟ مرکز تجلیات الٰہی، بیت اللہ، کب پہنچے اور کس انداز میں پہنچے؟ طواف کیسے کیا؟ صفا و مروہ کی سعی کیسے فرمائی؟ منیٰ کو روانگی کب ہوئی، اور کس شان سے ہوئی؟ منیٰ سے عرفات کب اور کیسے پہنچے؟ وقوف عرفات کب سے کب تک رہا، کیا کیا پڑھا؟ کیا کیا مانگا؟ اور کیسے مانگا؟ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کیا کیا بشارتیں ہوئیں؟ عرفات سے مزدلفہ کا سفر کیسے ہوا؟ وہاں کب پہنچے؟ نمازیں کیسے پڑھیں؟ رات کیسے گزاری؟ وہاں کیا کچھ مانگا؟ کیسے وقوف فرمایا؟ منیٰ کے لئے کب روانگی ہوئی؟ رمی جمرات کیسے کی؟ حج کی قربانی کیسے کی؟ کتنے جانور ذبح کئے؟ اور کیسے کئے؟ ان راتوں کو اور لمحوں کو کیسے ذکر اللہ میں گزارا؟ وہاں امت کو کیا کیا وصیتیں فرمائیں؟ منیٰ سے کب روانگی ہوئی؟ محصب کس وقت پہنچے؟ وہاں کتنا ٹھہرے؟ بیت اللہ کا آخری دیدار اور آخری الوداعی طواف کیسے کیا؟ مدینہ طیبہ واپسی کب ہوئی؟ سفر عشق کے یہ تمام مراحل کتنے عرصے میں طے ہوئے؟ اور حیات مقدسہ کے کتنے ایام باقی

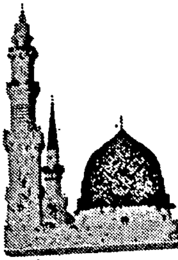
تھے؟ حج کے علاوہ عمرے کتنے کئے؟ اور ان تمام اسفار میں کیا کیا واقعات پیش آئے اور کن کن مسائل کی گرہ کشائی فرمائی؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات کیلئے دور حاضر کے سب سے بڑے محدث، عالم، شیخ الحدیث حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب صدیقی، کاندھلوی ثم المدنی، دامت برکاتہم، کی کتاب "حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ کیجئے جو اپنے موضوع پر جامع ترین کتاب ہے-

یہ کتاب عربی زبان میں تھی، جس سے علما ہی مستفید ہو سکتے تھے، حق تعالیٰ برادر محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی -مدیر ماہنامہ "بینات" نیو ٹاؤن کراچی- کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کا اردو ترجمہ کر کے عام مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ اس خوان یغماً سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، اور عربی نہ جاننے والے، دینی علوم سے ناواقف حضرات بھی خوشہ چینی کر سکیں، جس قلم سے علمی نفحات ماہنامہ "بینات" وغیرہ میں مشتاقان دین کے دماغوں کو معطر فرماتے رہتے ہیں، اس کے ترجمہ کے بارے میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں-

"مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"-

تین سو پینتیس (۳۳۵) صفحات کے اس حسین گلدستہ میں حجۃ الوداع کی تفصیلات کے علاوہ عمرہ حدیبیہ، عمرۃ القضاً، عمرہ جعرانہ اور دوسرے بیشتر متفرق امور کا بسط و تفصیل سے بیان ہے-



عاشق رسول ﷺ

مولانا ظفر احمد قادری ۔ لاہور

آہ دریغا کہ علم و عمل، فضل و کمال، ایمان و معرفت، اور زہد وورع کا مہر تاباں غروب ہوگیا، جس کی ضیاپاشیوں سے نصف صدی تک ایک عالم منور ہوتا رہا، آہ! وہ چشمہ علم و حکمت اور منبع رشد وہدایت خشک ہوگیا، جس سے ایک دنیا سیراب ہوتی تھی، واآسفا! وہ گنج گرانمایہ ہم سے جدا ہوگیا، جو ساری عمر اپنی تقریر و تحریر سے حقائق ایمانی، دقائق حدیث، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کے موتی لٹاتا رہا یعنی حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ہزاروں لاکھوں دلوں کو سوگوار و حزین چھوڑ کر راہی عالم بقا ہوئے، ابھی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے عظیم سانحہ کا غم بالکل تازہ تھا کہ شہید ملت حکیم العصر کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا:

درایں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم
جہانے را جگر خون شد ہمیں تنہا نہ من گریم

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ دین کے مبلغ وداعی، اور عظیم اسکالر ہونے کے ساتھ ایک سچے عاشق رسول ﷺ بھی تھے جب سرکار دوعالم ﷺ کا نام پاک آپ کی زبان پر آتا، آپ پر عجیب وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی، چہرہ مبارک اشک بار ہوجاتا، آپ کا وجود عجز و نیاز اور محبت و عقیدت کے پیکر میں ڈھل جاتا۔ اسی عشق رسول ﷺ کی بدولت دورِ حاضر کے بڑے بڑے اکابرؒ کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ قرآن وحدیث کے بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ

ایک خدا رسیدہ صاحب نسبت ولی کامل بھی تھے، ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات جلیلہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

آپ معاصر واکابر کے محبوب و معتمد تھے، چنانچہ حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ نے آپؒ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی قدس سرہ نے بھی آپؒ کو اس دولت سے نوازا تھا۔ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے آپ کے بارے میں فرمایا: ''میرا اہم نام وہم کام ہے''۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مجاہد فی سبیل اللہ، بزرگ اور ممتاز راہنما نے آپ کے بارے میں فرمایا: ''میری زبان مولانا محمد یوسف صاحب ہیں جس نے مجھے سننا ہو وہ حضرت مولانا کی تقریر سنے''۔

حضرت اقدس ۱۹۷۴ء سے لے کر شہادت عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز ہونے تک تقریر و تحریر سے مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت وسیادت فرماتے رہے۔ آپ کے دور میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے جو ترقی کی وہ آپ کی گرانقدر خدمات کے اظہار کا روشن باب ہے۔

آپ ہمہ وقت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف پڑھتے رہتے، زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ فرماتے، یعنی کوئی لمحہ ایسا نہ ہو تاکہ ذکر الٰہی آپ کی زبان پر نہ ہو۔ اور کثرت درود شریف کے مبارک عمل کو امت مسلمہ میں باقی رکھنے اور جاری رکھنے کے لئے آپ لکھتے ہیں:

> ''ایک مدت سے اس ناکارہ کی آرزو تھی کہ درود شریف پر ایک رسالہ تصنیف کروں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ تک رسائی کا ذریعہ بناؤں، لیکن اس خیال سے شرم آتی تھی کہ اس موضوع پر اکابرؒ کے بہترین رسائل موجود ہیں خصوصاً حافظ سخاویؒ کا رسالہ ''قول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع'' ﷺ ..... اور ہمارے شیخ برکۃ العصر، قطب العالم حضرت الحاج الحافظ الحجۃ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا رسالہ ''فضائل درود شریف'' اپنے موضوع پر عدیم النظیر ہیں''۔

آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم العصرؒ کی تمنا پوری فرمادی کہ آپ کو الشیخ العلامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کا درود شریف پر فارسی رسالہ ملا جس کو آپ نے ترجمہ و فوائد کے ساتھ مزین و مرتب فرماکر امت مرحومہ کیلئے بہت ہی بہترین اور مبارک وظیفہ کے طور پر تیار فرماکر لاکھوں بندگان خدا کو درود و سلام پڑھنے کا موقع مہیا فرمایا اور امت پر احسان فرمایا، اس مبارک مجموعہ کا نام ''ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ'' ہے۔اس رسالہ کے ابتدائیہ میں حضرت لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

> ''اس مبارک رسالہ میں بکھرے ہوئے موتی، درود شریف، اکٹھے ایک مجموعہ میں کردیئے.... تاکہ ایک چھوٹا سائز تیار ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ احباب کی فرمائش پر میں نے ہر درود شریف کا ترجمہ الگ نمبر لگا کر شائع کیا ہے۔''

یہ چھوٹا سا درود شریف کا نفیس ترین مجموعہ تیار فرمایا مگر اس کے ساتھ ہی احباب کی خواہش کا پاس کرتے ہوئے اسے مناجات مقبول کی طرح سات منزلوں پر تقسیم فرمایا چنانچہ حضرت نے لکھا :

> ''بعض احباب کی فرمائش تھی کہ حزب الاعظم اور مناجات مقبول کی طرح اس کی سات منزلیں بنادی جائیں۔''

یہ مبارک وظیفہ مناجات مقبول مع ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ تیار فرمایا جو عام بازار سے مل رہا ہے اور اکثر احباب نے اس مبارک مجموعہ کو حرز جان بنا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اور اپنی رضا اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائیں۔

آپؒ کے برادر زادے حافظ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی لکھتے ہیں کہ : ''گھر سے دفتر کی طرف جاتے ہوئے اور آتے وقت تک تقریباً ایک لاکھ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

آخری وقت بھی آپ کے بیٹے مولوی محمد یحییٰ صاحب جو ان کے ساتھ کار میں موجود تھے، اور ساتھ ہی زخمی بھی ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت اقدسؒ کی زبان پر آخری سانس کے وقت ''اللھم صل علی محمد'' تک کے الفاظ سنے تھے، اس طرح اس مرد قلندر نے

آخر تک ختم نبوت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہادیا:
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اتباع سنت:

حضرت اقدس حکیم العصر سنت نبوی ﷺ پر سختی سے کاربند رہتے تھے۔ گویا کہ حضرت اقدس کو سنت نبوی ﷺ سے عشق تھا، اور ایسا عشق کہ سنت پر عمل کے علاوہ کوئی عمل پسند ہی نہیں تھا، سنت نبوی ﷺ کی تاثیر اور مٹھاس حضرت اقدس کے ریشہ ریشہ میں رچ بس چلی تھی۔ حضرت اقدس ''اطیعوا الله واطیعوا الرسول'' کا زندہ جاوید مصداق تھے۔ حضرت اقدس شکل وصورت، خوراک وپوشاک، اکل وشرب میں معمولات نبوی ﷺ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اگر کسی کی شکل اسلامی نہ ہوتی اسے ضرور تنبیہ فرماتے تھے۔

ایک یادگار ملاقات:

۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۵/ مارچ ۲۰۰۰ کو حضرت اقدس اپنے معمول کے مطابق ماہانہ پروگرام پر جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے، میرے خصوصی احباب میں جناب صوفی ملک غضنفر علی صاحب، حافظ محمد ریاض صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب مدظلہ اور بھائی عتیق انور حضرت مولانا شبیر احمد مدظلہ سے واہگہ باڈر کا پروگرام طے کر رکھا تھا۔ حضرت اقدس نے جامعہ اشرفیہ میں آدھا گھنٹہ تک آخرت پر یقین، جنت اور دوزخ کے بارے میں بیان فرمایا، پھر واہگہ تشریف لائے۔

لاہور کے احباب نے ہمیں روانہ فرمایا ملک غضنفر صاحب، حافظ ریاض صاحب اور بندہ ساتھ تھے۔ واہگہ آکر حضرت اقدسؒ بہت خوش ہوئے۔ مسجد اور کتب خانہ دیکھا، بندہ نے آپؒ کا وہ مضمون جو ''مسئلہ حیات النبی ﷺ'' پر تھا اور کئی قسطوں میں ''بینات'' میں شائع ہوا تھا، اسے بینات سے نکال کر الگ کتاب کی صورت میں جمع کر رکھا تھا، دکھایا، اسے دیکھ کر حضرتؒ بہت خوش ہوئے، بندہ کے عرض کرنے پر فرمایا ان شاء اللہ! اب جلدی اس کتاب کو مکمل کرنا ہے۔ پھر ناشتہ کیا۔ نماز مغرب کیلئے وضو کیا، میں نے خوشبو پیش کی تو فرمایا

نہیں! اور جیب سے بہترین خوشبو نکال کر ہمیں بھی لگائی، میں نے عرض کیا نماز مغرب تو آپ کے پیچھے پڑھنی ہے، ہنس کر مصلے پر تشریف لے گئے۔ سورہ العصر اور سورۂ کوثر سے امامت فرمائی، پھر کتب خانہ دیکھا۔ بینات کی جلدیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ناشتہ کے بعد بارڈر پر تشریف لے گئے اور پھر ''کرنکے'' میں تقسیم اسناد کا جلسہ تھا اصل میں وہیں جانا تھا۔ تیاری فرمائی، بارڈر کا علاقہ تھا، نہ کوئی باڈی گارڈ، نہ کوئی ہتھیار! لیکن ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر ذکر اور خدا کی ذات پر مکمل توکل، البتہ راقم ساتھ تھا۔ ''کرنکے پہنچے، چائے وغیرہ کچھ بھی نہیں نوش فرمائی۔ واہگہ سے کرنکے ایک گھنٹہ کا سفر تھا یہ سفر سارا علمی معلومات اور مسائل حج پر پورا ہوا۔

جلسۂ دستاربندی میں دستاربندی فرمائی۔ آدھا گھنٹہ بیان ہوا، فضائل قرآن پر علماً، حفاظ کی ذمہ داری اور تکبر سے اجتناب پر بیان تھا، حضرت ابو عبد اللہ اندلسیؒ کا واقعہ بیان فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے مرتد ہوئے، سور چرائے اور پھر توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، سارا واقعہ سنایا اور نصیحتیں فرمائیں، کسی نے عرض کیا یہاں لوگ مرزائیوں سے میل جول، میل ملاقات رکھتے ہیں، رشتہ داریاں بھی ہیں۔ فرمایا، مرزائی پکے کافر ہیں جو انہیں مسلمان سمجھے، یا مسلمان مانے وہ بھی بارڈر کے پار والے سکھوں سے بدتر کافر ہے۔

لاہور واپسی پر بندہ ظفر احمد واہگہ کیلئے روانہ ہوا تو حضرت اقدس سینہ سے لگا کر دیر تک پیار کرتے رہے، دعائیں دیں اور لاہور کو رخصت ہوئے۔

۱۸ر مئی کو خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

قافلۂ حق کے سالار

مولانا محمد افضل خان، سوات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے میری اس سے قبل چنداں کوئی شناسائی نہیں تھی، اتفاق کی بات ہے کہ حضرت شہیدؒ کے سفر افغانستان کے موقع پر راقم الحروف بھی افغانستان میں تھا، ارض جہاد افغانستان میں حضرت سے ملاقات ہوئی تو بلا مبالغہ پہلی ملاقات ہی میں آپؒ کی جبینِ ناز پر کرامت و شرافت اور تقویٰ وطہارت کے آثار نمایاں طور پر محسوس و معلوم ہوئے تو راقم کو ان سے دلی محبت اور قلبی تعلق و عقیدت پیدا ہوگئی، اس پر میں نے عرض کیا کہ بحمد اللہ مجھے سلسلہ قادریہ میں اپنے شیخ سے اجازت و خلافت حاصل ہے، مگر میں آنجناب سے تبرکاً بیعت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدسؒ نے کمال عجز و فروتنی سے اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاکر فرمایا: ''میں آپ سے بیعت کرتا ہوں'' اس پر میں خاموش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے حضرت شیخ شہیدؒ کو کہ آپ نے اسی سفر کی ایک دوسری نشست میں میری درخواست قبول فرماتے ہوئے مجھے فرمایا: ''میں آپ کو اپنی طرف سے اجازت و خلافت دیتا ہوں، اور آپ میری طرف سے خلیفہ مجاز ہیں۔'' بلاشبہ:

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ھذا من فضل ربی۔

میری حضرت اقدس شہیدؒ سے بہت ہی مختصر ملاقات رہی ہے، یعنی اسی سفر افغانستان میں ہفتہ بھر رفاقت رہی ہے، میں نے حضرتؒ کو ہر وقت ذاکر و شاغل پایا، آپ بہت ہی کم گو تھے، بلاشبہ آپؒ ہمارے قافلہ علماً حق کے سالار تھے۔ میں نے حضرت اقدسؒ سے عرض کیا کہ حضرت! اب میں جب بھی کراچی آیا تو قدم بوسی کے لئے مسجد فلاح ضرور حاضر ہوں گا۔ اس پر حضرت بہت ہی خوش ہوئے اور مجھے گلے لگایا اور میری پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ ضرور۔ ضرور۔۔ وھذا ایضاً من فضل ربی۔

اس سفر میں حضرتؒ کے صاحبزادے برادر عزیز مولانا محمد طیب سے بھی بات چیت ہوئی، حضرتؒ کی اولاد پر بھی حضرت کی شخصیت کے اثرات نمایاں ہیں۔ حضرت شہیدؒ کراچی بلکہ پاکستان بھر کی ان شخصیتوں میں سے تھے جن کی اس دور میں مثال ملنا مشکل ہے۔

حضرت اقدس ہمارے ملک کے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے اکابر علما اور عامۃ المسلمین کا سرمایہ تھے، حضرت کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بظاہر پر ہونا مشکل ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! حضرت والاؒ کی شہادت کو انکے لئے اور ان کے خاندان کیلئے اور امت مسلمہ کیلئے عزت و عظمت کا سبب بنا۔ آمین۔ حضرت کے قاتلوں، اور ان قاتلوں کو مشورہ دینے والوں اور حضرت کی شہادت پر خوش ہونے والوں کو دنیا و آخرت میں سامان عبرت بنا۔ آمین ثم آمین ولا ارضیٰ بآمین حتی اضم الیه الف الف آمیناً۔

وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعینؐ۔

مجموعہ محاسن

مولانا مرغوب احمد لاجپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کے مشہور و معروف بزرگ، شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے خلیفہ مجاز، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث، تحریک ختم نبوت کے نائب امیر، بے مثال صاحب علم اور متعدد کتابوں کے مصنف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کو کراچی میں شہید کردیا- اناللہ وانا الیہ راجعون :

شہادت کی دعاؤں نے اثر دکھلادیا اپنا
بالآخر راہ حق میں خون تک بکھرادیا اپنا

حضرت مولاناؒ کا وجود اس دور میں امت مسلمہ کیلئے ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھا جن سے دین اسلام کی حفاظت کا قابل قدر کام لیا جارہا تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو عالمانہ وقار و متانت، خلق خدا کے ساتھ شفقت و محبت، علوم ظاہری وباطنی میں شان کمال عطا فرمائی تھی-

خداوند قدوس نے آپ سے دین کے مختلف شعبوں میں قابل قدر بلکہ قابل رشک کام لیا، درس وتدریس، دعوت و تبلیغ، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف کے ساتھ بیعت وتزکیہ نفس کے طبیب کی حیثیت سے بھی آپ بلند مقام پر فائز تھے-

فرق باطلہ کی تردید، اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے دانستہ اور نادانستہ خلافِ اسلام لکھے گئے رسائل و مضامین کے پُر مغز، تحقیقی، مسکت اور علمی جوابات دینے میں تو انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

وسعتِ مطالعہ، علم کی پختگی، اکابر واسلاف کے اعتماد اور قبولیت عامہ کے باوجود آپ میں بے مثال تواضع، عبدیت، کسر نفسی پائی جاتی تھی تحریروں میں ''ناکارہ'' کا لفظ بہت کثرت سے استعمال فرماتے۔

علوم ظاہری کیلئے آپ نے حضرت مولانا عبد اللہ رائے پوری، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری، حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب ڈیروی، حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے، تو حق تعالیٰ نے علوم باطنی کیلئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ جیسے مشائخ عصر سے اکتساب فیض کا موقع عنایت فرمایا۔

حضرت مولاناؒ کی اس خداداد قابلیت وصلاحیت کو بہت پہلے سے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی نظر انتخاب نے بھانپ لیا اور اس ''ہیرے'' کی جوہری کی طرح قدر کی، اور اپنے قریب بلاکر تربیت فرمائی اور مدرسہ کی خدمت کے ساتھ اپنے مقبول وشہرت یافتہ ماہنامہ ''بینات'' کی ادارت کی ذمہ داری بھی سپرد فرمائی۔ شہید مرحومؒ نے آخری سانس تک اس کی خدمت کی، اور بلا مبالغہ حضرت مرحومؒ کا اداریہ ''بینات'' کی جان شمار کیا جاتا تھا، افسوس حضرتؒ کی شہادت سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

تواضع وکسر نفسی :

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے انہیں (اپنے تمام کمالات کے باوصف) اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آتا ہے، یہی عبدیت وفنائیت کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں :

"تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں"۔

حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے اسی معراج کمال پر فائز فرمایا تھا، آپ انتہائی تواضع کے حامل تھے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ ناکارہ آنحضرت خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ کا ادنیٰ ترین اور نالائق ترین امتی ہے اور اپنی روسیاہی و نالائقی میں پوری امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام) میں شاید سب سے بڑھ کر ہے"۔ (مرزا طاہر کے جواب میں ص ۵)

اپنی تالیف "حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور ان کے خلفاً کرام" میں تحریر فرماتے ہیں:

"(اللہ تعالیٰ نے) حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے اس روسیاہ کا تعلق استوار کر دیا، ورنہ میری نالائقی و گندگی اور روسیاہی تو حضرتؒ کے منتسبین میں شمار کئے جانے سے بھی مانع تھی اور ہے"۔ (ج ۱ ص ۳۱)

امید و خوف:

ایمان نام ہے امید و خوف کا (الایمان بین الرجاء والخوف)، حضرت مولاناؒ نے اپنے متعلق ایسے ایسے الفاظ تحریر فرمائے ہیں، کہ جس سے صرف ناامیدی کا شائبہ پیدا ہو سکتا ہے، لیکن جب کسی مایوسی کے شکار نے آپ سے کوئی سوال کیا تو اُسے رحمت و اُمید سے معمور فرماتے، چنانچہ ایک صاحب نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح کے متعلق لکھا کہ اس کتاب کو پڑھ کر میرا تو یہ حال ہے کہ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے کہ کیا ہم بھی انسان ہیں؟ اور ایک مایوسی چھا جاتی ہے، حضرت مولاناؒ اسے جواباً تحریر فرماتے ہیں:

"ایک تأثر تو یہ ہے جو آپ نے لکھا ہے، اور ایک اور تأثر ہے جو بے حد امید افزا اور راحت بخش ہے، وہ یہ کہ اگرچہ ہم اس لائق بھی نہ تھے کہ انسانوں میں شمار ہوتے مگر مالک کا کس قدر احسان عظیم اور کیسی عنایت

ورحمت ہے کہ ہمیں اپنے ایسے مقبول بندوں سے وابستہ فرمادیا ہے، اور جب انہوں نے یہ عنایت بغیر کسی استحقاق کے فرمائی ہے تو ان کی رحمت وعنایت سے امید ہے کہ اس نسبت کی لاج رکھیں گے اور ہمیں ان مقبولان الٰہی کی معیت نصیب فرمائیں گے، ان شاٗ اللہ ثم ان شاٗ اللہ:

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

(آپ کے مسائل ص ۳۸۰، ج ۷)

شرم وحیاٗ:

حدیث پاک میں حیا کو پورا دین فرمایا گیا اور ایک حدیث میں حیاٗ کو "خير كله" فرمایا گیا، جیسا کہ فیض القدیر میں ہے کہ: "الحيا هو الدين كله" اور "الحياء خير كله" (۵۶۷ ج ۳، رقم الحدیث ۳۸۶۲، ۳۸۶۳- اور "الحياء من الايمان" (فیض القدیر رقم الحدیث ۳۸۵۹) تو مشہور ہی ہے- حضرت مولاناؒ کی طبیعت میں کیسی حیا تھی؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک خاتون نے اخبار جنگ (۲ر ستمبر ۱۹۹۴ء) میں ایک مضمون لکھا کہ عورت خلع لے سکتی ہے اور عدالت بھی شوہر کی رضامندیؐ کے بغیر خلع دے سکتی ہے، ظاہر ہے یہ نظریہ محترمہ کا اپنا اجتہاد ہے، فقہاٗ امت اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ خلع ایک ایسا معاملہ (عقد) ہے جو فریقین (میاں بیوی) کی رضامندی پر موقوف ہے، خاتون کے اس مضمون کی تردید میں حضرت مولاناؒ کو مجبوراً لکھنا پڑا، موصوف مضمون کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایک نامحرم خاتون کا نام لیتے ہوئے بھی طبعی طور پر شرم وحیا مانع آتی ہے چہ جائیکہ ایک خاتون کی تردید میں قلم اٹھایا جائے، اگر محترمہ نے یہ مضمون اپنے والد، بھائی یا شوہر کے نام سے شائع کردیا ہوتا تو اس کی تردید میں یہ طبعی حجاب مانع نہ ہوتا"۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۴۳۰، ج ۵)

اکابرؒ کی اتباع :

مشائخ کی اتباع میں اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں آدمی کی حفاظت بھی ہے اور عافیت بھی۔ خصوصاً اس دور پر فتن میں طریقہ اسلام سے انحراف نہ صرف یہ کہ مضر ہے بلکہ خواص و عوام کے اعتماد کو بھی اٹھا دیتا ہے، حضرت مولاناؒ اکابرؒ کی اتباع کے متعلق کتنی عمدہ بات تحریر فرماتے ہیں :

> "اصاغر کا کام اکابرؒ کی اتباع و تقلید اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہے، نہ کہ ان کی اصلاح! یہ ناکارہ اپنے اکابر کا کمترین نام لیوا ہے، اور اپنے اکابرؒ کو ارباب قوت قدسیہ سمجھتا ہے، دوسرے لوگ برسوں کی جھک مارنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچیں گے میرے یہ اکابرؒ اپنی فراست اور قوتِ قدسیہ کی برکت سے پہلے دن اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے۔"

(بینات ص ۴۶ محرم ۱۴۱۶ھ)

سلف کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق :

علم کی ترقی کے اسباب میں مطالعہ اہم سبب ہے مگر کتابوں میں مطالعہ کیلئے کون سی کتب کا انتخاب کیا جانا چاہئے ؟ اپنے اساتذہ کی نصائح میں یہ متعدد مرتبہ سنا کہ اسلاف و اہل اللہ کی کتابوں کو حرز جان بنالو اس لئے کہ مصنف کے اخلاص و نظریات کا قاری قدرتی اثر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ علما، عوام کیلئے یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنے والے مصنفین کی تالیفات کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے، حضرت مولاناؒ مطالعہ کے باب میں اپنا ذوق بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں :

> "اس ناکارہ کو اکابر سلف کی کتابوں سے اکتاہٹ نہیں ہوتی، نہ ان کے مطالعہ سے سیری ہوتی ہے لیکن ہمارے جدید محققین کے اسلوب و انداز سے ایسی وحشت ہوتی ہے کہ ان کی کتابوں کے چند صفحے دیکھنا بھی اس ناکارہ کیلئے اچھا خاصا مجاہدہ ہے"۔

(بینات ص ۳۱، محرم ۱۴۱۶ھ)

فرق باطلہ کی تردید :

اہل سنت والجماعت کے خلاف جو بھی فرقے اٹھے اور انہوں نے اپنے باطل و غلط

نظریات کی اشاعت وترویج میں اشتہارات، رسائل وکتب کی شکل میں جتنا لکھا، حضرتؒ نے اپنی خداداد صلاحیت اور تحریری پرکشش قابلیت سے نرالے اور تحقیقی انداز میں ان کا خوب اور کامیاب تعاقب کیا، مولاناؒ اپنے اس ذوق کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

"یہ ناکارہ زندگی بھر ملحدین ومارقین سے نبرد آزما رہا، اور اس کا ہمیشہ یہ ذوق رہا:

تیغ براں بہر از زندیق باش
اے مسلماں پیرو صدیق باش

لیکن اپنوں کی لڑائی میں "دخل در معقول" سے یہ ناکارہ ہمیشہ کتراتا رہا"۔ (بینات ص ۳۲ محرم ۱۴۱۶ھ)

حضرتؒ کا خواب اور مولانا متالا کی تعبیر:

حضرتؒ نے اپنے پیر ومرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی ایک تفصیلی سوانح حیات مرتب فرمائی، جس کی ضخامت چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کے دیباچہ کی تحریر کے وقت نماز فجر اور اشراق سے فراغت پر آرام کے درمیان حضرت شیخؒ کی زیارت منامی نصیب ہوئی، خواب کی کیفیت خود حضرتؒ کی زبانی سنیئے:

"سر پر عمامہ، ہاتھ میں عصا، ریش مبارک کے زیادہ بال سیاہ، جوانوں کی طرح بڑی تیزی سے چل رہے ہیں، نماز کا وقت قریب ہے، نماز کے بعد میں غسل کیلئے چلا گیا، مجھے خیال ہوا کہ حضرتؒ جانے کی تیاری میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ میرے غسل سے فارغ ہونے سے پہلے تشریف لے جائیں، میں نے وہیں سے پکار کر کہا کہ حضرت! تشریف نہ لے جایئے، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں، حضرتؒ کی آواز میرے کانوں میں آئی، "بہت اچھا"۔ غسل کرتے ہوئے سوچتا ہوں کہ حضرتؒ تو وصال فرما چکے ہیں، اور آپؒ کو جنت البقیع میں دفن کیا جا چکا ہے، آپ کیسے تشریف لے آئے؟ خیال

آیا کہ یہ بات حضرتؒ سے ہی پوچھ لینی چاہئے، چنانچہ غسل سے جلدی جلدی فارغ ہو کر آیا تو دیکھا کہ حضرتؒ ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں، میں معانقہ کیلئے بے ساختہ حضرتؒ سے لپٹ گیا، اور فرط محبت سے رخسار مبارک اور پیشانی مبارک کو اس طرح چومنے لگا جیسے معصوم بچوں کو پیار سے چومتے ہیں، حضرت کی حیات مبارکہ میں اس ناکارہ پر آپ کے رعب وہیبت کا ایسا غلبہ تھا کہ سلام اور مزاج پرسی کے وقت بھی زبان گنگ ہو جاتی تھی، مجھے حیرت تھی کہ آج انس و محبت کی ایسی کیفیت غالب ہے کہ رعب وہیبت کا نام ونشان نہیں، میں نے نہایت بے تکلفی سے عرض کیا کہ حضرت! آپ وہی ہیں جن کو ہم جنت البقیع میں دفن کر آئے تھے؟ فرمایا، ہاں! وہی ہوں، عرض کیا کہ حضرت! حیات فی القبر تو اپنا عقیدہ ہے، مگر آپ دنیا میں دوبارہ کیسے تشریف لے آئے؟ فرمایا، حکومت مصر کی مدد سے آیا ہوں، اس کے بعد حضرتؒ قبر کی کیفیات بیان فرمانے لگے ہی تھے کہ یکا یک آنکھ کھل گئی''۔

(حضرت شیخ الحدیثؒ اور ان کے خلفائے کرام ص ۲۹)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا دامت برکاتہم، جنہیں حق تعالیٰ شانہ نے گوناگوں صفات و کمالات کے ساتھ تعبیر رؤیا میں بھی ملکہ عطا فرمایا ہے، اس خواب کی تعبیر میں فرمایا یہ خواب تمہاری کتاب کی پسندیدگی کی علامت ہے، اور ''حکومت مصر'' سے اشارہ میری طرف ہو سکتا ہے، حضرتؒ نے نام کی مناسبت سے مزاحاً مجھے ''شاہ مصر'' فرمایا، چونکہ میں تمہارے لئے اس کتاب کی تالیف اور اس کی وجہ سے خواب میں حضرتؒ کی زیارت کا سبب بنا ہوں، اس لئے فرمایا کہ حکومت مصر کی مدد سے آیا ہوں۔'' (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام ص ۳۰) (حضرت شہیدؒ نے یہ کتاب مولانا متالا صاحب مدظلہ کی درخواست و تحریک پر تالیف فرمائی تھی)۔

اپنے فتویٰ کے متعلق گزارش:

فتاویٰ نویسی جس قدر عظیم منصب ہے اس میں احتیاط از حد ضروری ہے، آداب

افتا میں مستقل ایک عنوان یہ بھی ہے کہ: ''فتویٰ دینے میں احتیاط'' (دیکھئے مقدمہ مرغوب الفتاویٰ)، حضرت مولانا اپنے فتاویٰ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کتنے عجیب انداز سے تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہ ناکارہ اپنے محدود علم کے مطابق مسائل حزم واحتیاط سے لکھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر قلت علم اور قلت فہم کی بنا پر کبھی جواب میں غلطی یا لغزش کا ہو جانا غیر متوقع نہیں، اس لئے اہل علم سے بار بار التجا کرتا ہے کہ کسی مسئلہ میں لغزش ہو جائے تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔''
> (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۲۹ ج ۳)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''جو باتیں اس ناکارہ نے گزارش کی ہیں اگر اہل علم اور اہل فتویٰ ان کو غلط قرار دیں تو اس ناکارہ کو ان سے رجوع کر لینے میں کوئی عار نہیں ہوگی۔''
> (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۳۱)

چند تحریری نمونے

راقم الحروف کو متعدد مرتبہ حضرتؒ کی زیارت کا موقع نصیب ہوا، چند مواقع مواعظ و مجالس میں شرکت کے بھی ملے، مگر حضرتؒ کی زیادہ صحبت ان کی تحریرات ومضامین کے مطالعہ کے وقت رہی اور یہ غائبانہ صحبت حضرتؒ کی محبت وعقیدت میں اضافہ ہی کرتی رہی، کئی مرتبہ تنہائی میں حضرت کی تالیفات ہاتھ میں ہوتی اور بے اختیار زبان سبحان اللہ! اللہ اکبر! کا نعرہ بلند کر دیتی، ایسا بھی ہوا مولاناؒ کے دنداں شکن جوابات کے عجیب جملے پڑھ کر ہنسی آجاتی۔ تو دوسری طرف ان کی درد بھری مخلصانہ سطریں آنکھوں سے آنسو بہا دیتیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اقتباسات ناظرین کی خدمت میں پیش کروں۔

پردے کے متعلق جناب عمر عثمانی پر، پُرلطف تنقید:

جناب عمر احمد عثمانی، صاحب اعلاء السنن، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے لڑکے تھے۔ انہوں نے پردے کے متعلق اپنے ذاتی خیال سے لکھا کہ:

"شرعی پردے کے متعلق قرآن مجید نے عام مسلمان خواتین کو یہ ہدایات دی ہیں : ۱- اپنی نظریں نیچی رکھیں، ۲- بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں، ۳- گھر سے باہر نکلیں تو جلباب (اوڑھنی) اوڑھ لیا کریں۔"

پھر نتیجہ نکالتے ہیں کہ :

"عورتوں کو چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے عہد مبارکہ میں عورتیں اپنے چہروں کو کھول کر خود بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور آپ ﷺ نے کبھی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا"۔

حضرت مولاناؒ نے جناب عمر احمد صاحب کے اس ذاتی اظہار خیال کا تفصیل سے جواب دیا ہے۔(دیکھئے آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۴۷ ج ۷) آخر میں تحریر فرماتے ہیں :

"موجودہ دور کے روشن خیال حضرات جن کی ترجمانی جناب عمر احمد عثمانی کررہے ہیں خدانخواستہ جنت میں تشریف لے گئے تو یہ شاید وہاں بھی "حورانِ بہشتی" میں آزادی کی مغربی تحریک چلائیں گے اور جس طرح آج مولویوں کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے یہ وہاں حق تعالیٰ شانہ کے خلاف احتجاج کریں گے کہ ان مظلوموں کو "مقصورات فی الخیام" کیوں رکھا ہے ؟ انہیں آزادانہ گھومنے پھرنے اور اجنبی مردوں سے کھلنے ملنے کی آزادی ہونی چاہئے"۔ (ص ۲۴۶ ج ۷)

مودودی صاحب کے متعلق :

مودودی صاحب کے کمالات واوصاف میں سب سے نمایاں وصف ان کی تحریری قابلیت سمجھی جاتی ہے، مولانا مرحومؒ مودودی صاحب کے اس وصف کے متعلق لکھتے ہیں :

"مولانا مودودی کی تمام ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کا کھلے دل

سے اعتراف کرتے ہوئے مجھے موصوف سے بہت سی باتوں میں اختلاف ہے..... اول مولانا کے قلم کی کاٹ اور شوخی ان کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے مگر اس ناکارہ کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی شاید یہی ہے ان کا قلم مومن وکافر دونوں کے خلاف یکساں کاٹ کرتا ہے.... جب وہ تہذیب جدید اور الحاد وزندقہ کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث گفتگو کررہا ہے، اور دوسرے ہی لحہ جب وہ اہل حق کے خلاف خامہ فرسائی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے مسٹر پرویز یاغلام احمد قادیانی کا قلم چھین لیا ہے۔"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۰۸ ج۱)

حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تربیت یافتہ جماعت ہے کہ حق تعالیٰ نے انکے متعلق "رضی اللہ عنہم ورضواعنہ" کا جملہ ارشاد فرمادیا، اس جماعت کے متعلق مولانا مودودی صاحب کے قلم سے جو جملے نکلے ہیں ان پر مولانا مرحومؒ نے تحریر فرمایا:

"صحابہ کرامؓ کے بارے میں مولانا مودودی کے قلم سے جو کچھ نکلا اور جس کی صحت پر ان کو اصرار ہے میں اسے خالص رفض وتشیع سمجھتا ہوں، اور مولانا کی ان تحریروں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ جس طرح بارگاہ نبوت کے ادب ناشناس ہیں اسی طرح مقام صحابیت کی رفعتوں سے بھی ناآشنا ہیں"۔

(حوالہ بالا ص ۱۱۱)

علم فقہ کے متعلق مولانا مودودی صاحب کا ایک اقتباس نقل کرکے رقم طراز ہیں:

"اکابر امتؒ کے بارے میں، میں مولانا کی یہ تحریر پڑھتا ہوں تو مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ مولانا یہ عبارت لکھتے وقت غنودگی کی حالت میں تھے یا وہ خارجیوں کی طرح اسلاف امت کو واقعۃً خارج از اسلام ہی سمجھتے ہیں۔"

(صراط مستقیم ص ۱۳۳ ج۱)

مولانا مودودی صاحب کا نظریہ قرآن کریم کی چار بنیادی اصطلاحیں: "الٰہ، رب، دین، عبادت" علمأ امت سے مخفی نہیں، مولانا مرحومؒ مولانا مودودی صاحب کے اس نظریہ کو نقل فرما کر لکھتے ہیں:

"ممکن ہے مولانا کے نیاز مندوں کے نزدیک ان کی یہ تحقیق ایک لائق قدر علمی انکشاف کہلانے کی مستحق ہو مگر میں اسے قرآن کریم کے حق میں گستاخی اور امت اسلامیہ کے حق میں سوٴ ظن بلکہ تہمت سمجھنے پر مجبور ہوں.... خدانخواستہ مولانا مودودی عالم وجود میں قدم نہ رکھتے اور قرآن کریم کی ان چار اصطلاحوں کی گرہ نہ کھولتے تو کوئی بندہٴ خدا، خدا کی بات ہی نہ سمجھ پاتا.... مجھے مولانا کا پاس ادب ملحوظ نہ ہوتا تو میں اس نظریہ کو خالص جہل بلکہ جنون سے تعبیر کرتا۔"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۴۹ ج ۱)

حاضر وناظر:

حاضر وناظر کے متعلق بحث کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعض لوگ نہ صرف آنحضرت ﷺ کے بارے میں بلکہ تمام اولیأ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے ہیں، مجھے ان حضرات کی سخاوت پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کتنی فیاضی سے اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوق میں تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔"

(صراط مستقیم ص ۴۳ ج ۱)

راقم الحروف مولانا مرحومؒ کے ایسے بکثرت اقتباسات نقل کرنا چاہتا تھا مگر اس مختصر مضمون میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مجسمۂ محبت

مولانا عبد الملک عتیق : امریکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ، کہ جن کے نام کے ساتھ ہمیشہ دامت برکاتہم یا مد ظلہم لکھا کرتا تھا، آج انہیں شہید اور نور اللہ مرقدہ لکھتے ہوئے قلم بار بار رک رہا ہے، عجیب بے یقینی کی کیفیت ہے اور بار بار ذہن پر بوجھ ڈال کر سوچتا ہوں کہ واقعتاً میرے کانوں نے یہ خبر سنی ہے؟ یا خواب ہی ہے؟ اعصاب واعضا پر سکتہ کی سی کیفیت ہے، آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں اور دل کی یہ حالت ہے کہ سوچتا ہوں کہ کاش حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ ہی ہماری بھی شہادت ہو جاتی، اب تو جینے کا مزہ ہی ختم ہو گیا ہے-اس پر مزید یہ کہ ایسی جگہ پر ہوں کہ جہاں تسلی دینے والا بھی کوئی نہیں اور اپنی قسمت پر رونا آتا ہے کہ کاش تجہیز و تکفین کی سعادت ہی حاصل کر لیتا، بالآخر اپنی طبیعت کو سنبھالنے اور اپنے آپ کو تسلی دینے کی خاطر سوچا کہ حضرت رحمہ اللہ کی احقر پر جو بے پناہ شفقتیں تھیں، ان کو لکھنا شروع کر دوں، شاید کسی قدر سکون قلب ہو جائے:

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

راقم نے حضرت رحمہ اللہ کی سب سے پہلے زیارت اپنے والد ماجد قاری نسیم الدین صاحب مد ظلہم کے ساتھ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں کی تھی، اس

وقت احقر حفظ قرآن کریم کا طالب علم تھا- حضرت رحمہ اللہ کا ایک کشادہ سا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف الماریوں میں کتابیں سجی تھیں، جہاں حضرت رحمہ اللہ نیچے سر جھکائے بیٹھے لکھنے میں مصروف تھے- راقم کو والد صاحب نے حضرت رحمہ اللہ کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ دیکھنا ابھی ہم اس کمرہ کے باہر کھڑے ہوں گے- سامنے ایک بزرگ مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی بیٹھے ہوں گے یہ بہت مصروف آدمی ہیں ہم نے صرف باہر سے سلام کرنا ہے، یہی بات چل رہی تھی کہ حضرتؒ کا کمرہ آگیا اور ہم باہر کھڑے ہوگئے، ایک منٹ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے سر اوپر اٹھایا اور ہم دونوں نے کمرہ کے باہر سے سلام کیا اور حضرتؒ نے قلم رکھ کر دونوں ہاتھوں کے اشارہ سے سلام کا جواب مرحمت فرمایا-

لیکن اس واقعہ کے بعد ایسا ہوگیا کہ بارہا احقر نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا کہ "ابو! ان خوبصورت بزرگ کے پاس پھر چلیں"- چنانچہ دوسری ملاقات کے لئے حضرتؒ کی مسجد فلاح میں حاضری دی اور ملاقات کی-

اس کے بعد حضرتؒ کے احوال اور باتیں دوسرے لوگوں سے سنتا رہا اور دل میں بڑی عظمت قائم ہوتی گئی، کہ یہ بہت بڑے بزرگ ہیں، پھر جب حضرتؒ کی علمی تصانیف دیکھیں تو اس عظمت میں مزید اضافہ ہوگیا-

پھر تو بارہا ایسے مواقع آئے کہ حضرتؒ کی مسجد فلاح میں نماز پڑھتا اور ملاقات کرتا، کبھی کبھی حضرتؒ پیار بھی فرماتے-

احقر کی دوسری تفصیلی ملاقات اس وقت ہوئی جب احقر درس نظامی کے پانچویں سال میں تھا، جمعہ کی نماز اپنی مسجد میں پڑھ کر والد صاحب کے ساتھ حضرتؒ کے گھر حاضری ہوئی، اس وقت حضرتؒ کے پاس مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم اور ایک دو اور قریبی عزیز موجود تھے، ہم جب کمرہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرتؒ اپنے گھر میں تشریف لے گئے تھے، ہم نے مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم سے سلام کلام کیا، اتنے میں حضرتؒ اندر سے تشریف لے آئے، حضرت والد صاحب نے حضرتؒ سے سلام و معانقہ کیا- احقر نے جب حضرتؒ سے مصافحہ کیا تو والد صاحب نے عرض کیا کہ

حضرت یہ خادم زادہ ہے اور درجہ خامسہ میں پڑھتا ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔اتنا کہنا تھا کہ حضرتؒ خوشی سے جھوم اٹھے اور احقر کو سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر خوب دعائیں دیں، اس کے بعد والد صاحب نے حضرتؒ سے جس سلسلہ میں حاضری ہوئی تھی، وہ بات کی اور اجازت طلب کی، حضرتؒ نے خوب زور سے فرمایا نہیں! نہیں! کھانا آرہا ہے کھانا کھا کے جانا! حضرت گھر سے کھانا لے کر آتے جاتے اور احقر کمرے کے دروازہ سے پکڑ پکڑ دستر خوان پر رکھتا جاتا، جتنی دفعہ حضرت سے کھانا لیا حضرت نے خوب مسکرا، مسکرا کر شاباش دی، اور پھر اپنے سامنے بٹھا کر ہر ہر چیز ڈال کر دی اور فرمایا: ”خوب کھاؤ“۔

اسی سال احقر کے مرشد اول حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ کا انتقال ہوا اور مخدوم العلما حضرت اقدس سیّد نفیس شاہ صاحب مد ظلہم سے رجوع کیا، حضرت شاہ صاحب مد ظلہم کا قیام چونکہ لاہور میں ہے اور احقر کا گھر کراچی میں تھا، اس لئے جس طرح سے فیض حاصل کرنا چاہئے تھا وہ صورت ممکن نہ تھی اس کے ازالہ کی خاطر احقر کا معمول رہا کہ شعبان کی تعطیلات حضرت اقدس شاہ صاحب مد ظلہم کے پاس گزارتا تھا اور اگر اس دوران حضرت شاہ صاحب مد ظلہم کا کہیں سفر ہوتا تو احقر اس میں شریک رہتا، چنانچہ اگلے سال شعبان میں حضرت شاہ صاحب مد ظلہم نے حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے سلسلے میں ساہیوال کا سفر فرمایا، اس میں حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کی بھی تشریف آوری ہوئی، اس ملاقات میں حضرت اقدس شاہ صاحب مد ظلہم نے حضرتؒ سے راقم الحروف کے بارے میں فرمایا کہ ان کا نام عبدالملک العتیق ہے اور یہ کراچی کے ہیں، قاری نسیم الدین صاحب کے بیٹے ہیں، یہ آپ کے پاس کبھی کبھی اصلاحی سوالات کے سلسلہ میں حاضر ہوا کریں گے، حضرتؒ نے فرمایا ”اوہ ہو! یہ تو ہمارے گھر کے بالکل قریب رہتے ہیں، جب چاہیں جس وقت چاہیں آجائیں میں تو حاضر ہوں“۔

کچھ ہی دنوں کے بعد انہی اصلاحی سوالات کے متعلق حضرتؒ سے بذریعہ خط اجازت طلب کی کہ خط بھی لکھ لیا کروں؟ تو حضرتؒ نے بڑا ہی عجیب پر محبت جواب عنایت فرمایا کہ ”میں آپ کی ہر خدمت کے لئے تیار ہوں“۔

حضرتؒ کی اسی شفقت و محبت کے پیش نظر متعدد بار خطوط لکھے، کبھی تو خوب ہی جواب مرحمت فرمایا اور کبھی فرمایا کہ بھائی! اپنے حضرت شاہ صاحب مد ظلہم سے پوچھ لو، کہ تصوف کی اصطلاحات کی بہترین تشریح وہی جانتے ہیں، ہاں اگر کوئی شرعی مسئلہ ہو تو پوچھ لو۔

اس اصلاحی سلسلہ کو برقرار رکھتے ہوئے حضرتؒ کی اصلاحی مجلس جو جمعرات بعد نماز عصر ہوا کرتی تھی اس میں حاضر ہوا کرتا اور بعض اوقات حضرتؒ دونوں ہاتھوں سے (جو حضرت رحمہ اللہ کا خاص انداز تھا) پیار بھی فرماتے، جس کی سارے ہفتہ خوشی رہتی، چونکہ ہمارے تمام گھر والے بھی حضرتؒ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے گھر آکر بھی خوب مزے لے لے کر اس مجلس کا ذکر ہوتا رہتا۔

جب حضرتؒ پر فالج کا حملہ ہوا، کچھ احقر کو بھی حضرتؒ کی خدمت کا موقع ملا۔ اسی طبیعت کی ناسازی اور مصروفیت کی وجہ سے حضرتؒ کی مسجد فلاح میں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو حضرتؒ کی موجودگی میں اور عدم موجودگی میں پنج وقتہ نمازیں پڑھائے، اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور حضرتؒ کی اجازت سے یہ خدمت احقر کے سپرد ہوئی، اور اس میں حضرتؒ کی خدمت کا جو موقع ملا، اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے، حضرتؒ کی وسعت ظرف کا کیا کہنا! کہ مجھ جیسے نالائق کی بھی اتنی پاسداری اور رعایت فرماتے کہ احقر شرم سے پانی پانی ہو جاتا۔

اعتکاف کے دوران یا اس کے علاوہ جب کبھی حضرتؒ کے پاؤں دبانے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو بہ مشکل ایک آدھ منٹ مٹھیاں بھرنے دیتے اور پھر منع فرمادیتے کہ بھئی بس کرو تم تو ہمارے امام ہو، تم نہیں، پھر آس پاس بیٹھے ہوئے معتقدین آگے بڑھتے اور پاؤں دباتے، بارہا ایسا بھی ہوا کہ حضرتؒ کے ساتھ کہیں جانے کا اتفاق ہوا تو اس دوران بھی حضرتؒ احقر کا ایسا ہی خیال اور رعایت فرماتے۔

ایک بار احقر نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ نے اور حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مد ظلہم نے ''حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفائے کرام'' سے متعلق کتاب تو ترتیب دے دی ہے مگر آپ نے اپنے حالات درج نہیں فرمائے؟ ہم آپ کے حالات کہاں

سے حاصل کریں ؟اس پر فرمایا کہ :''اس کتاب میں جن بزرگوں کے حالات درج ہیں وہی کافی ہیں، ہمارے حالات کا کیا کرنا ؟ پھر فرمایا کہ اس وقت بھی (جب کہ کتاب ترتیب دی جارہی تھی)اوراب بھی بعض دوست اصرار کرتے ہیں کہ تو اپنے حالات کیوں نہیں لکھتا ؟ میں کہتا ہوں کہ دل ہی نہیں چاہتا''-یا فرمایا کہ ضرورت ہی نہیں-

ایک مجلس میں فرمایا کہ جب میں ساہیوال سے مدرسہ بوری ٹاؤن آیا تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بوریؒ نے ہدایہ رابع اور مشکوٰۃ شریف جلد ثانی پڑھانے کے لئے دی، اور کچھ سال بعد بینات کی ادارت کی ذمہ داری بھی آگئی، مزید حالات بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ بس حضرت بوریؒ سے دل مل گئے تھے، اس پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت! دل بھی مل گئے تھے اور نام بھی، یہ سن کر حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں یہ بھی صحیح ہے-

حضرتؒ کے درس حدیث کے بعد مسائل کا سلسلہ بھی چلتا تھا چنانچہ لوگ اپنے اپنے مسائل لکھ کر حضرتؒ کے پاس بھیجتے، حضرتؒ تو درس میں مشغول ہوتے، احقر ان مسائل کو ترتیب دے کر حضرتؒ کو دیتا اور حضرتؒ ان مسائل کا جواب مرحمت فرماتے، کبھی کبھی ان مسائل میں ایسے بھی آجاتے جو تحقیق طلب ہوتے حضرتؒ ان کا تحقیقی جواب مرحمت فرمادیتے، لیکن حضرتؒ کی تواضع اور احتیاط کا یہ عالم ہوتا کہ مسئلہ بتاتے ہوئے فرماتے : ممکن ہے کہ میری تحقیق میں کوئی کمی ہو- اور پھر احقر کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ بھی مفتی ہیں ان سے بھی پوچھ لینا، احقر کا افتاءٔ سے کیا تعلق ؟بلکہ علم کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں، حضرتؒ کی ایسی شفقتوں کو یاد کر کے بس صبر کے سوااور کوئی چارہ ہی نہیں-

احقر کی رہائش چونکہ حضرتؒ کی رہائش کے برابر تھی، اس لئے حضرتؒ نے پڑوسی ہونے کا بھی خوب حق ادا کیا، گھر میں اگر کوئی چیز پکتی یا کوئی ہدیہ آتا تو حضرتؒ ضرور بھجواتے-

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جس سے حضرتؒ کی خاص شفقت واحساسات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ حضرتؒ کے گھر کا اور احقر کے گھر کا دودھ ایک ہی جگہ سے آتا، دودھ والا گھر

کے باہر دودھ رکھ کر چلا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہم نے دودھ اٹھانے میں تاخیر کی تو حضرتؒ نے اس خیال سے کہ کہیں دودھ پھٹ نہ جائے یا بلی وغیرہ اس کو خراب نہ کردے، خود دودھ اٹھا کر گھر لے جاتے اور بعد میں اپنے صاحبزادے مولوی محمد یحییٰ صاحب کے ہاتھ یا اپنے گھر والوں کے ذریعہ ہمارے گھر بھجوادیتے۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ راقم نے کسی کام سے حضرتؒ کے گھر دستک دی اور اتفاقاً دستک پر حضرتؒ ہی تشریف لائے، اس موقع پر نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، کے مصداق بامر مجبوری حضرتؒ سے وہ کام عرض کرنا پڑتا جس کیلئے دستک دی گئی تھی، مگر حضرتؒ اس پر ذرہ بھر بھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے بلکہ ازراہِ شفقت وہ کام خود انجام دیتے، یا اگر کوئی چیز درکار ہوتی تو بھی خود لاکر مرحمت فرماتے۔

راقم حضرت کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں، لیکن کبھی یاد نہیں پڑتا کہ حضرتؒ نے کوئی حکم فرمایا ہو، ہاں البتہ کبھی کسی مضمون یا کسی کتاب کی تصحیح، یا کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا ہوتی تو حکم فرماتے اور وہ بھی انتہائی شفقت و محبت سے عبارت ہوتا، اس پر احقر جو کچھ عرض کرتا اس کی تصویب فرماتے اور اس کام کرنے پر خوب شاباش عنایت فرماتے بلکہ کبھی کبھار تو اس پر انعام ملتا۔

حضرتؒ کی رفاقت کے دوران دو رمضان المبارک آئے، دونوں ماہ مبارک میں حضرتؒ کی طرف سے خوب روحانی ومادی تحائف نصیب ہوئے اور احقر کو اس میں یہ سعادت بھی حاصل رہی کہ حضرتؒ احقر سے ہی ان تحائف کی تقسیم کی ابتدا فرماتے۔

اس وقت احقر کے ذہن میں حضرتؒ کی شفقتوں کے بے شمار واقعات آرہے ہیں اور ہر ہر واقعہ پر دل بھر آتا ہے، مگر صفحات اجازت نہیں دیتے اس لیئے انہی کلمات پر اکتفاً کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرتؒ کے نقش قدم پر چلائے اور اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے، آمین

حیات و افکار

مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو پہلی بار میں نے اس وقت دیکھا جب وہ ماموں کانجن میں قیام پذیر تھے اور رسالہ بینات کی ادارت کے سلسلہ میں کراچی آتے رہتے تھے، پھر گاہ بگاہ علیک سلیک ہوجاتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ یہاں مدیر بینات کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے تھے۔ وہ رواں اور شستہ اردو لکھتے تھے، متعدد عربی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ جب میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں شعبہ تخصص فی الفقہ اور پھر شعبہ تخصص فی علم الحدیث میں تخصص کے طلبہ کے اشراف ونگرانی سے وابستہ ہوا تو دعا سلام اور مصافحہ ومعانقہ بھی ہونے لگا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ محنتی اور ذہین تھے، پڑھا بھی محنت سے تھا اور کام بھی لگن سے کرتے تھے، ہنس مکھ، ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی صحبت اور سرپرستی سے انہیں فائدہ پہنچا، اور انہوں نے بھی موصوف سے جی بھر کے فائدہ اٹھایا بڑے بننے کا گر ہی یہ ہے کہ آدمی کسی بڑے کی سرپرستی میں رہے اور اس کی رہنمائی میں کام کرتا رہے۔ ایک دن وہ خود بھی بڑا بن کر ہی رہے گا۔ اور یہی کچھ مولانا کے ساتھ ہوا، انہیں جب یہاں کام کرنے کا موقع ہاتھ آیا تو ان کی صلاحیت واستعداد کے جوہر کھلتے گئے۔ مولانا لدھیانویؒ کی سرشت میں فطرت سے دو باتیں ودیعت کی گئی تھیں، ان میں ایک طلب اور دوسری تڑپ تھی، وہ جو کام کرتے دل کی لگن

اور دین کی تڑپ اور اخلاص سے کرتے تھے، جس نے انہیں کندن بنادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعتدال و توازن کی نعمت سے سر فراز کیا تھا اور اس نے انہیں ہر طبقہ میں مقبول و محترم بنادیا تھا۔ موصوف نے تصوف کی وادی میں قدم رکھا تو ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ اور امام طریقیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ، دونوں سے خلافت ملی، اس سے ان کی زندگی میں تنوع آیا اور اب وہ ایک مرشد کی حیثیت سے مشہور و معروف اور مقبول و ہر دلعزیز ہوگئے۔ مولانا لدھیانویؒ نے جب سے اخبار جنگ میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے لکھنا شروع کیا تو انہیں مفتی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور ان کی شہرت براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ تک پہنچ گئی، اسی طرح انہیں پاکستان میں عوام وعلماً کے طبقہ میں بھی خوب خوب شہرت ملی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نماز بہت ہی اچھی اور عمدہ پڑھتے تھے، ان کی نماز کی کیفیت دیدنی ہوتی۔ وقت کا زیاں ان کے یہاں تھا ہی نہیں۔ وہ ہر وقت کام میں لگے رہتے تھے۔ لکھتے، پڑھتے، پڑھاتے یا مقالے اور کتابیں لکھتے رہے یا پھر ترجمہ کرتے، لوگوں کو ہدایت کرتے، ان کی رہنمائی اور اصلاح کرتے یا پھر یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا قلم دین کی سربلندی، خلق خدا کی اصلاح اور فتنوں، قادیانیت، شیعیت، اور بدعت وغیرہ کی بیخ کنی اور تردید میں تادم واپسیں سرگرم عمل رہا، ان کی تالیفات میں گوناگوں موضوعات کا تنوع اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے، ان کی تالیفات میں "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" بہت عمدہ تصنیف اور قابل قدر کارنامہ ہے۔ موصوف نے جب مجھے یہ کتاب بھیجی اس پر مندرجہ ذیل دعائیہ کلمات تحریر فرمائے تھے:

"ہدیہ بخدمت عالی جناب ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی، زیدت معالیہم۔

از مولف

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

(۳،۲،۱۴۱۴ھ)

یہ اپنے موضوع پر ایسی شاہکار تصنیف ہے جس کا اسلامی اردو ادب میں جواب نہیں، اس کی عظمت کا اندازہ میرے بڑے بھائی اور وقت کے نامور محقق مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے کیا جاسکتا ہے، کہ یہ کتاب جب مجھے اور انہیں ملی اور مولانا نعمانیؒ نے

اسے پڑھااور ان سے میری اس کتاب کے متعلق گفتگو ہوئی تو فرمایا:

"شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بعد سے اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی"۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایسے خوش نصیب علمأ وصوفیہ میں سے ہیں کہ:

۱:..... جن سے جید علمأ نے کسب فیض کیا۔

۲:..... عوام نے بھی فائدہ اٹھایا،

۳:..... منتہی طلبہ نے بھی پڑھا۔

۴:..... بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں۔

۵:..... نیک اولاد چھوڑی۔

۶:..... بہت بڑی تعداد میں مرید چھوڑے۔

۷:..... سلسلہ طریقیت میں خلفأ کی کثیر تعداد موجود ہے۔ جن سے عوام وخواص کے دلوں میں ان کی یاد تازہ رہے گی۔

۸:..... مجلس ختم نبوت کی آبیاری کی، یہ سب ان کے عظیم کارنامے ہیں۔

۹:..... یہی نہیں وہ اپنانام شہیدوں کی فہرست میں رقم کرا گئے۔

۱۰:..... خلق خدا میں ان کے مقبول اور خدا رسیدہ بزرگ ہونے کی شہادت ان کی نماز جنازہ میں عوام وخواص کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو شاذ ونادر ہی کہیں نظر آتا ہے، مولانا کی شہادت پر رہ رہ کر ذہن میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا وہ شعر، جو حضرت مرزا صاحبؒ کی لوح مزار پر کندہ ہے، ابھرتا ہے اور مولانا لدھیانویؒ کے مزار پر صادق آتا ہے، اور وہ خوب ہے:

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

ہر اعتبار سے فائق

مولانا مفتی محمد صدیق، مظفرگڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الشهيد لايجد الم القتل الا لما يجد احدكم الم القرصة-". (مشكوة ص ۳۴۳)

مشہور بات ہے کہ کئی قسم کی رفاقتیں اور معیتیں بہت عزیز ہوتی ہیں چنانچہ حج کی رفاقت، سفر کی رفاقت اور طالب علمی کا ساتھ وغیرہ بہت ہی زیادہ عزیز اور بے تکلفی ہوتی ہے۔اور اس کے اثرات دیر تک رہتے ہیں۔

شہید اسلام مولانا لدھیانوی مرحوم میرے طالب علمی کے ساتھی تھے، جامعہ خیر المدارس ملتان میں صرف دو سال مجھے ان کی رفاقت حاصل رہی، ایک سال دورہ حدیث شریف کا اور ایک سال درجہ تکمیل کا، اس کے بعد وہ کمالیہ یا ماموں کانجن مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور میں ایک سال بعد تک بھی خیر المدارس میں زیر تعلیم رہا۔

شہید مرحوم "جامعۃ الخیر کے" قدیم طالب علم تھے جب کہ میں نووارد تھا، اس لئے ان پر جامعہ کی خیر کا رنگ غالب تھا اور دورہ حدیث شریف کی پوری جماعت میں بہ ہمہ وجوہ وہی نمایاں تھے، اساتذہ کرام سے والہانہ محبت جامعہ کے قوانین کی پابندی ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔

شہید مرحوم کے علمی، عملی تحقیقی ذوق نے مجھے بہت متأثر کیا اور یہ واقعہ ہے کہ جماعتی شرکا میں سے حضرت مرحوم ہی نے میرے اندر درس و تدریس کا شوق پیدا کیا امید

قوی ہے کہ یہ بھی ان کی حسنات میں لکھا جائے گا۔

ایک دن دوران سبق "علحدة" کا لفظ آیا، سبق کے اختتام پر شہید مرحوم نے حضرت الاستاذ مولانا خیر محمدؒ سے پوچھا کہ یہ کیا لفظ ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی شفقت اور متانت سے جواب دیا کہ یہ لفظ جار مجرور ہے علی جار اور حدة مجرور ہے اور عدة کے وزن پر مثال واوی کا مصدر ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ "علحدة" کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ پھر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے شہید مرحوم کو اس سوال کرنے پر خوب داد دی اور ہم نے دیکھا کہ حضرت کے چہرہ انور پر مخصوص قسم کی مسرت کی چمک تھی اور فرمایا کہ ماشاءاللہ منتہی ہو کر مبتدیوں والے سوال سے آپ کو قطعاً عار محسوس نہیں ہوئی اور یہی طالب علم کا اچھا وصف ہے۔

تکمیل کے سال ہم چند ساتھیوں کے دماغ پر "مولوی فاضل" کے امتحان کا بھوت سوار ہوا، چونکہ "جامعۃ الخیر" خیر المدارس ملتان کا مزاج اس کے بالکل ہی خلاف تھا اس لئے ہم نے اپنا یہ ارادہ مدرسہ کے طلبا اور اساتذہ کرام سے پوشیدہ رکھا (اگرچہ یہ پوشیدہ نہ رہ سکا) خصوصاً استاذ المرحوم حضرت کاشمیریؒ اپنے مخصوص انداز میں اس کو مولوی "پاگل" فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے شہید مرحوم کو بھی امتحان میں شرکت کی دعوت دی، چونکہ اس کی لیڈر شپ میرے ہاتھ میں تھی، اس لئے میں نے ان کے آگے اس امتحان کے چند ظاہری فوائد گنوائے اور ان کو آمادہ کرنا چاہا، لیکن ان کی طبیعت میں کچھ اور ہی اوصاف تھے اس لئے انہوں نے ہماری دعوت مسترد کر دی۔

مجھے یہ تو یقین ہو چلا تھا کہ شہید مرحوم اس راہ میں قطعاً ہمارا ساتھ نہیں دیں گے، لیکن ازراہ تفنن و خوش طبعی، ایک دن میں نے مصنوعی سنجیدگی اور متانت اختیار کی اور ان کو چھیڑا کہ اس امتحان کے تمام مصارف (فیس وغیرہ) حتی کہ دوران امتحان خوراک کا خرچ بھی میں برداشت کروں گا، آپ صرف امتحان میں ہمارے ساتھ شرکت کر لیں، اس بات پر شہیدؒ جذبات میں آگئے اور ان پر ایک جلالی کیفیت طاری ہو گئی، میں نے بھی خطرہ محسوس کیا

کہ بات بگڑ نہ جائے، اس لئے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی-بعد میں ان کو میں نے اس گفتگو کی حقیقت پر مطلع کر دیا تو وہ مطمئن ہو گئے، غالبًا "بینات" کے کسی شمارہ میں میرا نام لئے بغیر مرحوم نے یہ کہانی درج فرمائی ہے-

مدت مدید کے بعد بھی شہید مرحوم کی وہ جلالی کیفیت میرے خزینہ خیال سے محو نہیں ہوئی اور اس وقت بھی وہ پورا نقشہ دماغ میں گھوم رہا ہے اور قلم کی حرکت میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے.... اف.... رواں آنسوؤں نے مزید الجھاؤ پیدا کر دیا ہے-اللھم نور قبرہ وبرد مضجعہ-

ہمارے دورۂ حدیث کا یہ سال ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک کا سال تھا، تمام پنجاب میں عموماً اور دینی مدارس میں خصوصاً ایک ہیجانی کیفیت تھی، اس لئے "جامعۃ الخیر" (خیر المدارس) کے اساتذہ کرام کے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ سالانہ امتحان کے امتحانی سوالات جامعہ کے اساتذہ کرام ہی مرتب فرمائیں اور امتحانات کو سابقہ دستور سے مقدم کر دیا جائے- چنانچہ اسی فیصلہ پر عمل کیا گیا اور جس وقت سالانہ امتحان کے نتائج سنوائے گئے تو دورہ شریف کی پوری جماعت میں شہید مرحوم "مقدم" (اول) رہے، اور میں "تالی" (دوم) رہا، اور حق تقدم واقعتًا انہی کو حاصل تھا-

ایک دفعہ لاہور کے ایک سفر سے واپسی پر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں صرف انہیں کی ملاقات کی غرض سے حاضری ہوئی، شہید مرحوم اس وقت "ماہنامہ بینات" کراچی کیلئے جزوی وقت دیا کرتے تھے.... اس ملاقات میں راقم کے مشاغل پر گفتگو ہوتی رہی تو انہوں نے مجھے ارشاد فرمایا کہ کراچی میں میرے ساتھ تحریری کام میں تعاون کرو، لیکن:

"ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ"

والا معاملہ ہی رہا-

کراچی میں دو تین مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی، اور ان کو کتابوں میں گھرا دیکھ کر رشک کرتا رہا اور ایک عزیز ترین ساتھی ہونے کے ناطے دل کو خوشی اور سرور بھی حاصل ہوتا رہا:

گل وبلبل کی طرح مجھے نسبت ہے تجھ سے
لیتے ہیں میرا نام بھی تیرے نام کے ساتھ

اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله.....واجعله لنا شافعاً ومشفعاً۔

...........☆...........

یہاں کے ارباب حل وعقد نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص نہیں وہ پاکستان میں اسلام کو نہیں آنے دیں گے۔ ہرگز نہیں آنے دیں گے۔ کبھی نہیں آنے دیں گے۔ یہ لوگ اسلام کا نام صرف اس لئے لیتے ہیں کہ اس کے بغیر مسلمان ملک میں کرسی اقتدار پر قابض رہنا ممکن نہیں۔ اگر ان کو اطمینان ہو کہ اسلام سے کھلی بغاوت کرنے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے کے بعد بھی وہ برسر اقتدار رہ سکتے ہیں تو انہیں اسلام کے نام سے بھی کوئی دلچسپی نہ ہوگی، اگر یہ لوگ اسلام کے مخلص ووفادار ہوتے تو چالیس سال تک اس ملک خداداد کو اسلام کی نعمت سے محروم نہ رکھتے۔ امام الاولیاً حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ ونور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ "ایک سال کے لئے ملک کا نظم ونسق مکمل طور پر میرے حوالے کردو، میں تمہیں اسلام نافذ کر کے دکھادوں گا"۔ یہ بات آج بھی بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے۔ اگر جنرل محمد ضیأ الحق، جناب محمد خان جونیجو اور ان کے اعوان وانصار نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص ہیں، مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے معاشرے میں اسلام کیسے نافذ کردیا جائے، تو وہ مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تجربہ کرلیں۔ ایک سال کے لئے اقتدار کسی عالم ربانی کے حوالہ کردیں۔ انشأ اللہ اسلام مکمل طور پر نافذ ہو جائے گا، اور ایک سال کے بعد آپ کی امانت (اقتدار) آپ کے حوالے کردی جائے گی۔.....

علوم و عرفان کے امام

نثار احمد خان فتحی ؛ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق تعالیٰ شانہ اپنے سچے اور پاکیزہ ترین دین اسلام کی خدمت، حفاظت اور پاسبانی کے لئے ہر دور اور ہر صدی میں ایسے مردان حق آگاہ پیدا فرماتے ہیں جو اپنے سوز دروں اور خون جگر سے گلشن دین کی آبیاری کرتے ہیں اور اسے ہمیشہ تر و تازہ، سرسبز اور شاداب رکھتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی اسی زمرۂ مردان حق آگاہ میں شامل تھے، وہ ایسے وقت شہید ہوئے جب صاحبان علم اور عوام الناس ان کے علم و فقہ کے محتاج تھے، اہل دانش کو ان کے فہم و تدبر کی ضرورت تھی، اہل سیاست ان کی قیادت کے حاجت مند تھے، وہ لشکر اسلام کے اس جرنیل کی طرح تھے جو دین کے ہر ہر محاذ پر ہر ہر معرکہ اور ہر ہر مورچہ پر جاکر دشمنان دین کے حملے پسپا کرتا ہے اور وہیں داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہو جاتا ہے۔

آنکھیں اشکبار ہیں کہ اسلام کے اس بہادر سپاہی کو کہاں کہاں تلاش کریں؟ دل مضطرب ہے کہ علم و دانش کے اس گوہر بے بہا کے بغیر کیسے آرام پائے؟ عقل پوچھتی ہے کہ گلشن بشری کے اس گل رعنا کو کہاں ڈھونڈا جائے؟ لیکن غیب کا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اس قید خانہ عنصری میں صرف اسی وقت تک کے لئے روحوں کو مقید رکھا جاتا ہے جب تک وہ اپنی تربیت نہ حاصل کرلیں، پس اگر اس پاک اوصاف اور پاکیزہ سرشت ہستی نے جس کا نام ”مولانا محمد

یوسف لدھیانوی" تھا، تکمیل روح اور تزکیہ و تصفیہ کے سارے مدارج طے کر لئے تھے تو اس "وقت مقررہ" پر اس کا اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا لازمی تھا۔

بلاشبہ شہادت کی موت شہید کے حق میں اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی ساری لذتیں اور نعمتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں، تاہم اس کی جدائی سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس پر رنج و غم اور حسرت و قلق کا ہونا ایک فطری امر ہے، خصوصاً اگر رخصت ہونے والے کا وجود دنیا کے لئے باعث رحمت ہو اور ان کی ذات سے دینی خدمات بھی وابستہ ہوں تو اس کا صدمہ ان کے والستگان کے لئے محرومی اور یتیمی کا موجب بن جاتا ہے۔

بہ حیثیت فقیہ :

حضرت شہیدؒ کی فقہی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہی نہیں بلکہ ممنون ہے، اخبار جنگ میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے پچھلے بائیس (۲۲) برس سے ایک سلسلہ چل رہا تھا جس میں عوام و خواص، مرد و عورت کو پیش آنے والے دینی مسائل کا حل بتایا جاتا اور دینی سوالات کے جوابات دیئے جاتے تھے، یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ نہ صرف ملک بلکہ بیرون ملک کے اہل اسلام بھی اس سے مستفید ہونے لگے۔ میری ایک عزیزہ انگلینڈ سے آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون کون سی کتابیں ہیں؟ اور تمہیں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو کس سے رجوع کرتی ہو؟ وہ کہنے لگیں کہ پہلے تو ہمیں اس سلسلے میں بڑی پریشانی تھی لیکن اب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" نامی کتاب کئی جلدوں میں ہم نے خریدی ہے اور ہمارے اکثر مسائل ان میں مل جاتے ہیں۔ ایک فقیہ کی اس سے بڑی دینی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دین کے بارے میں پیدا ہونے والے شکوک کا ازالہ کرے۔ سوالوں کا شافی جواب دے اور روزمرہ کی زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتائے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ نے ایک کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" تصنیف کی، جس میں ایک شخص کے جواب میں اختلافی مسائل مثلاً حاضر و ناظر، علم غیب، مختار کل، زیارت قبور، فاتحہ خوانی، گیارہویں شریف، مودودی صاحب کے افکار، اور سنی، شیعہ، بریلوی اور وہابی فرقوں کے عقائد کے متعلق نہایت شائستہ زبان اور شگفتہ انداز میں قرآن و سنت کی بہترین

ترجمانی کی ہے- دیوبندی، بریلوی اختلاف جو ایک صدی سے چلا آرہا ہے اور جس پر سینکڑوں مناظرے اور ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور بریلوی علما نے اپنی کتابوں میں علما دیوبند کے متعلق انتہائی گندی، غلیظ اور ناشائستہ زبان اختیار کی اور نام لے لے کر کفر کے فتوے لگائے اور ان کو بددین اور بدمذہب اور مردود کہہ کر پکارا اور اب بھی پکارتے ہیں- اس اختلاف کے بارے میں حضرت شہیدؒ کی شرافت، شائستگی، میانہ روی اور کشادہ دلی ملاحظہ فرمایئے- اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں:

"تیسرا اختلاف جس کے بارے میں آپ نے میری رائے طلب کی ہے وہ "دیوبندی اور بریلوی اختلاف" ہے اور آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے؟ محترم میرے لئے تو دیوبندی بریلوی اختلاف کا لفظ ہی موجب حیرت ہے، آپ سن چکے ہیں کہ شیعہ سنی اختلاف تو صحابہ کرامؓ کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلہ پر پیدا ہوا، اور حنفی وہابی اختلاف ائمہ ھدیٰ کی پیروی کرنے نہ کرنے پر ظہور میں آیا.... لیکن دیوبندی بریلوی اختلاف کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے، اسلئے کہ یہ دونوں فرقے فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پکے مقلد ہیں، عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کو امام اور مقتدا مانتے ہیں، تصوف و سلوک میں دونوں فرقے اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں بیعت کرتے اور بیعت لیتے ہیں، الغرض دونوں فریق اہل سنت والجماعت کے تمام اصول و فروع میں متفق ہیں، صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کی عظمت کے قائل ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مجدد الف ثانیؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تک کے سب اکابر کے عقیدت مند ہیں اور اکابر اولیاء اللہ کی کفش برداری کو سعادت دارین جانتے ہیں، اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلاف کی کوئی ٹھوس بنیاد نظر نہیں آتی، تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے، اس لئے میں کسی فریق کا نام لیے بغیر قرآن و سنت اور فقہ حنفی

کی تصریحات کی روشنی میں ان اختلافی مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں"۔

پھر آگے اختلافی مسائل مثلاً علم غیب، نور و بشر، حاضر و ناظر کے متعلق نہایت محققانہ اور شائستہ انداز میں اظہار خیال فرمایا ہے، یہاں میرا مقصد حضرت شہیدؒ کی کشادہ دلی، حلم و تحمل، اور امت محمدیہ پر شفقت اور امت کے مابین اختلاف و نزاع کو کم سے کم کر کے دکھانے کے جذبہ کی نشاندہی ہے، جب کہ اس مسئلہ پر دوسرے فریق نے اس اختلاف کو اتنا بڑھایا کہ کفر تک کے فتوے لگا دیئے اور آدھی سے زیادہ امت محمدیہ کو کافر بنا دیا۔

اسی طرح حضرت شہیدؒ نے ایک شیعہ مجتہد سید محمد محسن الاجتہادی صاحب کے ایک خط کے جواب میں اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" تصنیف فرمائی، ۵۱۷ صفحات کی اس کتاب میں کوئی بحث تشنہ اور لاجواب نہیں چھوڑی، اور سائل کے تمام سوالات اور شکوک و شبہات کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے۔ مگر مجال ہے کہ کوئی ایک لفظ ثقاہت کے معیار سے گرا ہوا ہو، رد قادیانیت پر آپ کی کتاب "تحفہ قادیانیت" ایک ایسا علمی اور فقہی شاہکار ہے کہ جس کی افادیت ہر زمانے میں رہے گی، اور صاحبان علم اور تردید قادیانیت کے مبلغین کی ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی۔

بہ حیثیت شیخ طریقت :

ایک کامل شیخ طریقت میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے اس کی فہرست تو بہت طویل ہے، لیکن جن چند بنیادی اوصاف کا ہونا لازمی شرائط میں سے ہے، ان میں سب سے پہلا وصف یہ ہے کہ وہ کسی صاحب سلسلہ بزرگ کی صحبت میں رہ کر اجازت بیعت حاصل کر چکا ہو، دوسری بنیادی بات یہ کہ شریعت و طریقت کے علم کا جامع ہو اور تیسری بنیادی بات یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی چنگاری اسکے دل میں سلگ چکی ہو۔

مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے یہ کافی ہے کیونکہ اصل فیض ہدایت تو خدا کی طرف سے آتا ہے شیخ تو صرف وسیلہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مرید کی عقیدت و خدمت اور شیخ کی اتباع کی بدولت ہدایت اور اپنی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے، حضرت مولاناؒ بچپن ہی سے

اکابرین مشائخ کی صحبت میں رہے اور بہت تھوڑے عرصے میں اپنی ثقاہت، للّٰہیت، اخلاص اور تفقہ فی الدین کی وجہ سے ان کے منظور نظر ہو گئے، اور شیخ الحدیث قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ سے مجاز بیعت ہو گئے۔

زندگی کے آخری پانچ برسوں میں ایک خلقت کثیر کا آپ کی طرف رجوع ہوا، کیا عوام اور کیا خواص! سب کے قلوب آپ کی طرف اس طرح کھنچے گئے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے، یہاں تک کہ آپ کی شہادت سے کچھ عرصے پہلے تمام اکابر علماً آپ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اور کسی عالم کا کسی بزرگ سے بیعت کرنا اس کے شیخ طریقت ہونے کی بین دلیل ہے۔

طریقت کے راستے میں سب سے بڑی چیز اپنی ذات کی، اپنے اوصاف کی اور اپنے کمالات کی نفی ہوتی ہے، تواضع، کسر نفسی، اور اپنے کچھ نہ ہونے کا احساس، سلوک کے بڑے بڑے مقامات طے کرا دیتا ہے، "من تواضع للہ رفعہ اللہ" حضرت مولانا شہیدؒ میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ راقم الحروف نے حضرت شہیدؒ سے بذریعہ خط ایک سوال زیارت قبور اولیاء اللہ اور ان کے ایصال ثواب کے ضمن میں پوچھا جو حسب ذیل ہے:

> "کعبہ شریف کی نیاز کے اونٹ کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ اولیاً اللہ کے مزارات پر اگر نذر ونیاز سے مراد وہاں کے فقرآ پر صدقہ ہو اور ایصال ثواب صاحب مزار کو ہو تو یہ جائز ہے؟
>
> بے شک ربط شیخ اور فیضان شیخ کے حصول کا یہ بہت بڑا ذریعہ ہے، اور سلاسل مشائخ میں اس کا معمول رہا ہے، مگر افسوس کہ ہمارے سلسلے میں اس کا فقدان ہے، میں نے نہیں دیکھا، سنا یا پڑھا کہ کسی نے اپنے شیخ کے لئے صدقہ یا ایصال ثواب کیا ہو، نقد، کھانا یا کپڑا وغیرہ نہ گھر پر نہ مزار پر۔ اور نہ دوسرے اکابر اولیاء اللہ کی قبور کی زیارت کا اہتمام ہے جب کہ حدیث شریف میں تو عام مومنین کی قبور کی زیارت کی تاکید کی گئی ہے، اسی طرح اور بہت سے طریقت کے اعمال جن سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب میں مدد ملتی ہے اور بہ غرض علاج ہر سلسلے میں رائج ہیں، (بدعات کو چھوڑ کر) مگر

ہمارے سلسلے میں رائج نہیں، (ہو سکتا ہے ہمارے مشائخ کو تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے مشاغل اس کی اجازت نہ دیتے ہوں) نماز روزہ اور دوسرے فرائض وواجبات تو سالک اور غیر سالک دونوں میں مشترک ہیں اوراس بات پر سارے مشائخ متفق ہیں کہ خالی نماز روزے وغیرہ سے نفس کا تزکیہ اور وصول نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ باطنی اعمال مثلاً تصحیح نیت، توکل، ماسوا سے گریز، صبر و شکر، تسلیم ورضا اور دوسری ریاضت ومجاہدات جو اس راستے میں رائج ہیں، خصوصاً قلت طعام، کلام، منام اور اختلاط عوام وغیرہ مختصر یہ کہ مشائخ بھی ہیں، ان کے خلفاً کی لمبی لمبی فہرستیں ہیں، مریدین کی فوج کی فوج ہے مگر وہ روح نہیں، وہ آثار کسی میں نظر نہیں آتے جو مجاہدات اور تزکیہ نفس پر مرتب ہوتے ہیں، اِلّاماشاء اللہ، جب کہ دوسرے سلاسل مثلاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بہت سے اس زمانے کے بزرگوں میں وہ صفات دیکھی گئی ہیں جو اس طریق کے لوازم میں سے ہیں....

دوسری بات یہ کہ شیخ اور پیر طریقت کے لئے جن شرائط اور اوصاف کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ تمام کتب تصوف میں مرقوم ہے اور خاص طور پر "امداد السلوک" میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر یہ اوصاف شیخ میں نہ ہوں تو اس کا شیخ طریقت بننا حرام ہے، تو محترم یہ اوصاف آج کل کے مشائخ میں نہیں پائے جاتے، (آپ جیسے کچھ بزرگ یقیناً ان اوصاف کے حامل ہوں گے مگر میں اکثریت کی بات کر رہا ہوں)"۔

قارئین اس سوال کی تلخی کو دیکھیں پھر حضرت مولانا شہیدؒ کے مندرجہ ذیل شیریں جواب کو پڑھیں، یقیناً آپ کے دل پر حضرت شہیدؒ کی کسر نفسی، تواضع، حلم اور فنائیت کا نقش جم جائے گا، چنانچہ حضرت نے اس کے جواب میں لکھا:

"ربط شیخ بذریعہ ایصال ثواب اور بذریعہ زیارت قبور ضرور ہونا چاہئے، یہ کثیر النفع ہے، الحمد للہ اس ناکارہ کو فی الجملہ اس کا اہتمام رہتا ہے- امداد السلوک

کی شرط پر تو آج شاید ہی کوئی پورا اترے - یہ ناکارہ حلفاً اگر عرض کرے کہ اس شرط پر پورا نہیں اترتا تو حانث نہیں ہوگا، اس لئے یہ ناکارہ مشائخ حقہ کی طرف محول کرنا ضروری سمجھتا ہے، پہلے تو مطلقاً انکار کردیتا تھا کہ میں اہل نہیں ہوں لیکن میرے بعض بڑوں نے مجھے بہت ڈانٹا کہ تم حضرت شیخ کی اجازت کی توہین کرتے ہو، تب سے اپنی نااہلی کے باوجود بیعت لینے لگا اور اب تو بلاشبہ اور ڈھیٹ ہوگیا ہوں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے، جن میں پیر اور شیخ اس ناکارہ جیسے روسیاہ لوگ ہوں، بس وہی قصہ ہے جو تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایک ڈاکو کے پیر بننے کا لکھا ہے۔"

حضرت شہیدؒ کی فنائیت اور بے نفسی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

بہ حیثیت صاحب طرز ادیب :

انسان کی تحریر کی شگفتگی اور پژمردگی اس کی روح و قلب کی شگفتگی اور پژمردگی کی غماز ہوتی ہے جو کچھ دل میں ہوتا ہے اس کا اثر تحریر و تقریر میں ہوتا ہے۔

ماہنامہ بینات کی ادارت کے دوران "بصائر و عبر" کے تحت نثر کے جو جو جواہرات حضرت شہیدؒ نے بکھیرے ہیں ان کی ندرت بیان، برجستگی اور الفاظ کی شگفتگی اردو کے کسی بھی بڑے سے بڑے صاحب طرز ادیب کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے میں بہت اختصار کے ساتھ کچھ اقتباس حضرت شہید کی کتاب "شخصیات و تاثرات" سے پیش کرتا ہوں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی وفات پر اپنے تاثرات اس طرح پیش کرتے ہیں :

"آج کا دن پاکستان کی علمی اور دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گداز المیہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا، آج اقلیم علم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا حامی، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللّٰہی سلسلہ کا امین، قاسمی علوم و حکمت کا رازدان، انوری معارف و حقائق کا وارث، علم و معرفت کا بحر ذخار، اسرار شریعت کا نکتہ رس، شجرہ سیادت کا گل سرسبد، زکریا کا

لخت جگر، شیخ آدم بنوریؒ کی آنکھ کا تارا، حسینی خانوادہ کا چشم چراغ، دودمان نبوت کا چاند اور سیادت وقیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہو گیا، ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف البنوری الحسینی رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے موقع پر لکھتے ہیں :

"حق تعالیٰ شانہ کے لطف وکرم اور اسکی قدرت کاملہ کا تماشا دیکھئے کہ تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے کو اٹھاتے ہیں اور اسے عرب وعجم کا شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بنا دیتے ہیں، گنگوہ کے انصاری خاندان کے ایک فرد پر نظر عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بنادیا جاتا ہے، کشمیر کی سنگلاخ زمین سے کسی گمنام خاندان کے ایک فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ بنادیا جاتا ہے، گوجرانوالہ کے ایک دور افتادہ گاؤں سے ایک نو مسلم کو لاتے ہیں اور اسے ولایت کبری اور مقام صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ بنا دیتے ہیں، اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف قصبہ سے ایک فرد کو کھینچتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے عالم، حافظ، قاری، فقیہ، مفتی، محدث اور پھر قائد اختلاف سے لے کر وزیر اعلیٰ تک پہنچا دیتے ہیں"۔

میرے شیخ حضرت اقدس حافظ قاری فتح محمد مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی توصیف میں رقم طراز ہیں :

"ان کے بلا واسطہ اور بالواسطہ شاگردوں، مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں کی گنتی میں تھی مگر جس سے شناسائی ہو گئی وہ اگر بیس برس کے بعد بھی آکر ملاقات کرتا تو اس کی آواز سے فوراً اسے پہچان لیتے تھے، الغرض آپ کا خرق عادت حافظہ حق تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ اور منکرین حدیث کے شبہات کے خلاف برہان قاطع تھا، وہ لوگ جو محدثین

کے محیر العقول حافظے کے بارے میں شکوک وشبہات کے مریض ہیں انہیں اگر اپنے ہی دور کے اس عجوبۂ قدرت کی صحبت میسر آجاتی توان کے مرض تشکیک کا علاج ہو جاتا، حضرت قاری صاحب کا ذوق عبادت وعبدیت عقل وقیاس سے بالاتر تھا جسے ان کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے، اس ناکارہ کو اپنی زندگی میں جن خاصانِ خدا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ان میں دو بزرگوں کو میں نے "اعبد خلق للہ" پایا ان میں سے ایک حضرت قاری صاحب تھے"۔

حضرت مولانا ابو الحسن ندوی (علی میاں) کے نثری مرثیہ کا اقتباس سنیے! اس میں حضرت شہیدؒ نے مولانا ابو الحسن ندوی صاحب کی کتابوں کے حوالے جس طرح ان کے کارناموں میں سموئے ہیں وہ صنعت تلمیح کا بہترین نمونہ ہیں، حضرت لکھتے ہیں :

"حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں مسلسل اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے، وہ ہمیں کبھی امریکہ ولندن پہنچ کر "مغرب سے صاف صاف باتیں" کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی قاہرہ میں "اسمعی یا مصر" کی اذان دیتے ہیں اور کبھی "اسمعوھا من صریحۃ ایھا العرب" کے ذریعے عرب کے نمائندوں کو جھنجوڑتے ہیں، کبھی "دریائے کابل سے دریائے یرموک" تک پہنچ کر عالم اسلام کے رہنماؤں کو بیدار کرتے ہیں، کبھی انہیں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" کی کہانی سناتے ہیں، کبھی انکے سامنے "دعوت وعزیمت کی تاریخ" کھول کر رکھتے ہیں، کبھی انہیں "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں اور کبھی انہیں آج کے باطل نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر "کاروان مدینہ" (یہ سب حضرت ابو الحسن علی ندویؒ کی کتابوں کے نام ہیں) میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں، الغرض مولانا کی دعوت شرق وغرب، عرب وعجم اور افریقہ وایشیا کی سرحدوں سے بالاتر ہے"۔

مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ میں آپ کو حضرت شہیدؒ کے مزید نثری جواہر پارے دکھاتا

جو آپ کی کتاب "شخصیات و تاثرات" میں بھرے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور نیک بندوں کی وفات کا ایک المناک پہلو یہ بھی ہے کہ امت ان کے فیوض وبرکات سے محروم ہو جاتی ہے، ان کے دعائے نیم شب اور بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری۔ پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز و گداز اور اس کی اصلاح کی فکر اور لگن یہ سب نعمتیں ان کی ذات کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں اور اس نقصان کی کوئی تلافی ممکن نہیں، یا اللہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا کر کے ہمیں ان کا کوئی نعم البدل عطا فرما، آخر میں اس موقع کی مناسبت سے محمد علی جوہر مرحوم کے اشعار لکھتا ہوں جو انہوں نے اپنے ایک عزیز غلام حسین کی وفات پر کہے تھے (میں نے صرف نام میں تصرف کیا ہے):

تجھ کو مرنا نہ تھا ابھی یوسف
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے
ہم غریبوں سے بھی لئے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا
چند نعم البدل دیئے ہوتے
تھی شہادت کی کس قدر جلدی
کام کچھ اور بھی کئے ہوتے
خوب کٹتا بہشت کا رستہ
ساتھ ہم کو بھی گر لئے ہوتے

حضرت کی تربیت کا انداز

مفتی محمد نعیم میمن : حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چنا ہے پھول عزرائیل نے ایسا گلستاں سے
کہ جس سے ہو گیا سارا چمن ہی دشت وویرانہ

حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ، بلاشبہ اس زمانہ کے حکیم تھے، ناکارہ پر حضرت والاؒ کی شفقتیں اور عنایتیں بے انتہا ہی ہیں۔ اب حضرت والاؒ تو ہم میں نہیں رہے مگر حضرت کی پُر حکمت نصیحتیں اور موقع محل کے مناسب قیمتی باتیں، جو حضرت نے راقم کے اصلاحی خطوط کے جواب میں تحریر فرمائی تھیں وہ ایک حسین یادگار اور سرمایہ حیات ہے۔ جی چاہتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کے متعلقین بھی اس بیش بہا اور انمول سرمایہ سے مستفید ہوں۔ راقم تو عمل سے کورا ہے، کیا بعید ہے کہ کوئی بندہ خدا ان باتوں پر عمل کرکے اپنی زندگی سنوار لے، اور اس پر عمل کرکے حضرت کی ترقی درجات کا سبب بن جائے۔

ناکارہ کو "آپکے مسائل اور انکا حل" کالم پڑھنے کی وجہ سے بچپن ہی سے حضرتؒ سے قلبی لگاؤ تھا جسکی وجہ سے کبھی کبھی خط بھی لکھ دیتا تھا جس کا جواب حضرت والاؒ بڑے ہی شفقت بھرے انداز میں تحریر فرماتے تھے، پھر تبلیغ میں نکلنے کی برکت سے مدرسہ کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا تو حضرت والا سے تعلق اور بھی بڑھ گیا، یہاں تک کہ دارالعلوم کراچی سے دورہ

حدیث شریف کے بعد تخصص کیلئے حضرت اقدسؒ کے پاس محض اس نیت سے آیا کہ حضرت کی قیمتی صحبت نصیب ہوگی اور اپنی اصلاح کا موقع ملے گا۔ اور الحمد اللہ حضرت والاؒ کی قیمتی صحبت کی برکت سے اپنی کمی کوتاہی واضح طور پر نظر آنے لگی۔ اور اس کو دور کرنے کا شوق اور حضرت والاؒ کے معمولات دیکھ کر وقت کی قدر کا احساس پیدا ہوا۔

حضرت والا گیارہ بجے دفتر تشریف لاتے اور قریباً ڈھائی بجے تک دفتر میں تشریف فرما ہوتے، ان ساڑھے تین گھنٹوں میں ایک منٹ بھی حضرت والا کو ضائع کرتے نہیں دیکھا' کبھی تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے تو کبھی خطوط کے جوابات تحریر فرماتے' کبھی کسی ملنے والے سے بات چیت فرماتے تو کبھی فون پر مسائل کا جواب دیتے نظر آتے، دوپہر کے کھانے میں دس منٹ سے زیادہ وقت نہ لگاتے، الا یہ کہ کبھی کوئی مہمان وغیرہ آجاتے تو پھر تھوڑی سی تاخیر ہو جاتی، اس کے بعد تھوڑی سی دیر اتباعِ سنت میں قیلولہ فرماتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھ کر کچھ مطالعہ یا تصنیف کا کام کرتے، اس دوران چائے بھی نوش فرماتے اور پھر حدیث پاک کے درس کے لئے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن روانہ ہو جاتے۔

صرف ان معمولات کو دیکھنے کی برکت سے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ میری زندگی بھی ترتیب کے ساتھ گزرنی چاہئے لہذا حضرت والاؒ کی رہنمائی اور مشورہ سے اپنی زندگی کی ترتیب بنائی اور گاہ بگاہ مشورہ لیتا رہا جس کی وجہ سے الحمد اللہ دینی تربیت بھی ہوئی اور دنیاوی راحت بھی نصیب ہوئی۔ بس انہی قیمتی مشوروں' تجربہ کی باتوں اور پر حکمت نصیحتوں کو قارئین کی نظر کر رہا ہوں۔

حضرت والا رحمتہ اللہ علیہ معمولات کی پابندی سے بہت خوش ہوتے تھے اور معمولات میں سستی اور ناغہ کرنے سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے تھے حضرت والاؒ کی چار باتیں جو آپ ہر ایک سے ارشاد فرماتے تھے اور ان کی پابندی کی خصوصی تاکید فرماتے، یہ تھیں:
(۱) تکبیر اولیٰ کا اہتمام (۲) ایک پارہ قرآن کی روزانہ تلاوت (۳) مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول کی ایک ایک منزل (۴) تسبیحات ذکر کی پابندی۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ چار چیزیں میرے نزدیک فرض کا درجہ رکھتی ہیں، باقی جو کچھ پڑھو وہ نفل کا درجہ رکھتی ہیں، ناکارہ اکثر سوچتا تھا کہ حضرت والاؒ ان چار باتوں پر اتنا

زور کیوں دیتے ہیں؟ مگر رفتہ رفتہ وقت گزرنے اوران پر عمل کرنے کی برکت سے ایک بات مشاہدہ میں آئی کہ تکبیر اولیٰ کے اہتمام سے ہر کام کو ترتیب اوروقت پر کرنے کی عادت پڑتی ہے، جبکہ باقی تین باتوں پر عمل کرنے سے لہو ولعب اور لایعنی سے بچنے کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے، کیونکہ جب کسی آدمی کے ذمہ کوئی کام ہوتا ہے تو وہ اس کو پورا کرنے کی فکر کرتا ہے اور جب ذمہ میں کوئی کام نہ ہو تو اپنا وقت بے کار مشغلوں میں ضائع کرتا ہے، لہذا ہمارے حضرتؒ آدمی کو ان قیمتی مشغلوں میں بڑی حکمت کے ساتھ لگادیتے تھے اور پھر انکی ادائیگی پر زور دیتے اوران معمولات کے پورا ہونے پر خوشی کا اظہار فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے، اور دعائیں دیتے جبکہ معمولات میں ناغہ اور سستی کرنے پر ناگواری کا اظہار فرماتے، تنبیہ اور سرزنش فرماتے، لہٰذا جو شخص حضرتؒ کی ان باتوں پر اہتمام سے عمل کرتا، اسکی زندگی میں نکھار آجاتا اور اسکی زندگی قابل رشک بن جاتی تھی۔ ہمارے حضرت خود بھی تکبیر اولیٰ اور جماعت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

> ”میں تہجد میں جب اٹھتا ہوں تو روزانہ صلوٰۃ التسبیح اسی وقت پڑھ لیتا ہوں، پھر ذکر کا معمول پورا کرتا ہوں، پھر اگر وقت ہوتا ہے تو مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول کی منزل بھی پڑھ لیتا ہوں، اتنی دیر میں اذان فجر ہو جاتی ہے تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ کر مسجد میں آجاتا ہوں اور جماعت ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہوں۔“

اندازہ فرمائیں کہ اس پیرانہ سالی میں ان معمولات کا اہتمام! حتیٰ کہ آخری مرتبہ جب حیدر آباد تشریف لائے، تواس رات بھی تہجد کے وقت اٹھ کر صلوٰۃ التسبیح پڑھی، حالانکہ سفر میں تھے اور رات کو مسجد میں بیان بھی فرمایا تھا، اس کے باوجود اپنے معمولات میں ناغہ گوارہ نہیں فرمایا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے یہاں (دنیامیں) کام کرو، مجھے کام کرنے والے بندے چاہئیں۔

جب راقم حضرت والاؒ کے پاس اعتکاف کے لئے آیا تو حضرت سے پوچھا کہ میں کس طرح وقت گزاروں؟ فرمایا: ”بس تلاوت قرآن میں لگ جاؤ“۔ پھر ناکارہ نے دیکھا کہ حضرت کے پاس اعتکاف کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو دو دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے اور تین دن میں ایک قرآن

مجید ختم کرنے والے تو سینکڑوں تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے حضرتؒ کتنی حکمت وبصیرت کے ساتھ لوگوں کو فضول اور لایعنی مشاغل سے نکال کر قیمتی اور بامقصد مشاغل میں لگادیا کرتے تھے، اور یہ تو اصول ہے کہ جب آدمی بامقصد کام میں مشغول رہتا ہے تو زندگی پر کیف بن جاتی ہے۔ حضرت کے ایک مسترشد مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت کے بتائے ہوئے معمولات کی ایسی عادت پڑگئی ہے کہ اگر معمولات پورے نہ ہوں تو ایک بوجھ سا سر پر سوار رہتا ہے اور جب معمولات پورے ہو جاتے ہیں تو ایسی فرحت وخوشی محسوس ہوتی جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی حال حضرت کے اکثر متعلقین کا ہے۔

حضرت سے ناکارہ کا مستقل اصلاحی تعلق ۱۴۱۷ھ میں ہوا، جبکہ اس سے پہلے بھی گاہ بگاہ خط وکتابت کرلیتا۔

۱۴۱۳ھ میں میری ہمشیرہ کی شادی ہوئی اس موقع پر راقم ہمشیرہ کے لئے خصوصی نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا:

"السلام علیکم! اعتکاف میں تفصیلی خط لکھنے کا موقع نہیں بس اتنا لکھتا ہوں کہ (۱) فرائض شرعیہ کی پابندی کرو اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے (۲) جس گھر میں جارہی ہو، اسکو اپنا گھر سمجھو شوہر سے اور اس کے متعلقین سے ہمیشہ احترام سے پیش آؤ (۳) دو عادتوں سے ہمیشہ بچو، ایک تکبر دوسرے زبان کی تیزی، یہ دونوں مہلک ہیں اور خانگی زندگی کو برباد کردیتی ہیں (۴) اگر کسی کی جانب سے ظلم وزیادتی ہو تو اس کو رضائے الٰہی کے لئے برداشت کرو انشاء اللہ اس کا انجام بہت ہی اچھا ہوگا (۵) بہشتی زیور کا ہمیشہ مطالعہ کرو اور ان ہدایات کو حرزِ جان بناؤ قرآن کریم کی تلاوت اور مناجات مقبول کی ایک منزل اور تسبیحات کو اپنے اوپر لازم کرلو، سوائے عذر کے ان چیزوں میں ناغہ نہ ہو حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ حفظ وامان میں رکھیں۔
والسلام"

۱۴۱۳ھ میں راقم الحروف کو حج پر جانا تھا اس موقع پر حضرت نے جو قیمتی باتیں تحریر فرمائیں وہ درج ذیل ہیں، پھر اس خط کے آخر میں حضرت والاؒ نے جس والہانہ اور عاجزانہ

انداز میں دعا کی درخواست فرمائی، وہ حضرت کی تواضع اور فنائیت کی روشن دلیل ہے کہ ایک اتنا بڑا محقق، عالم ربانی اور قطب دوران ایک ادنیٰ طالب علم سے اس طرح دعا کی درخواست کرے، چنانچہ لکھا:

"برادرم سلمہ !السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کعبہ شریف پر پہلی نظر کے موقع پر جو دعا کی جائے اسکی قبولیت کی امید ہے، اکابر سے اس کا کوئی معمول منقول نہیں کہ کونسی دعا کی جائے ؟کوئی سی اچھی دعا مانگی جاسکتی ہے، مدینہ شریف میں موت کی تمنا مبارک ہے، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں اور جب وقت آئے ایمان کے ساتھ رخصت فرمائیں، مناسک حج کا اہتمام کیا جائے اور کسی عالم سے، جو مسائل حج سے واقف ہو، پوچھ پوچھ کر ارکان ادا کئے جائیں، وقت کو ضائع نہ کیا جائے، مکہ مکرمہ میں طواف کی کثرت کی جائے۔ تلاوت کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور کلمہ شریف کا ورد رکھا جائے کم سے کم ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف ضرور پڑھا جائے' مدینہ منورہ میں درود شریف کی کثرت کی جائے اور ذکر و دعا کا اہتمام کیا جائے، مسجد شریف میں جب بھی حاضری ہو (حرمین شریفین دونوں میں)اعتکاف کی نیت ضرور کرلی جائے، اور نہایت ادب وسکون اور احترام کے ساتھ وقت گزارا جائے، کسی سے لڑائی جھگڑا بحث مباحثہ ہرگز نہ کیا جائے، اگر کسی کی طرف سے کچھ تکلیف پہنچے اس سے بھی درگزر کیا جائے، اللہ تعالیٰ حج مبرور نصیب فرمائے- یہ ناکارہ بھی بہت ہی فقیر و محتاج ہے اس لئے اگر دعاؤں کی زکوٰۃ اس فقیر کو بھی عطا فرمائیں تو غایت کرم ہوگا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی سعادت نصیب فرمائے -اپنی رضا و محبت عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں اپنے محبوب و مقبول بندوں کی معیت نصیب فرمائیں۔"

مدرسہ کی تعلیم کے ابتدائی زمانے میں ایک دفعہ راقم نے یہ لکھا کہ بعض علماً تبلیغ میں نکلنے کو اہمیت دیتے ہیں اور بعض علماً اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح پر زور دیتے ہیں تو علماً میں یہ اختلاف کیوں ہے ؟اس کے جواب میں لکھا:

"تبلیغ میں نکلنا بھی اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کے لئے ہے
اس لئے دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں واللہ اعلم"

اسی زمانے میں ایک خط لکھا تھا کہ موجودہ زمانہ میں شادی کے اندر رسم ورواج بہت ہو چکے ہیں اگر کوئی شخص انہیں رسوم ورواج سے بچنے کی خاطر شادی نہ کرے تو کیسا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

"اگر آدمی کو اپنے نفس کی طرف سے اطمینان ہو کہ وہ شادی نہ کرنے کی صورت میں کسی گناہ میں مبتلا نہ ہوگا، اور شادی کرنے میں فتنوں کا اندیشہ ہو، تو شادی نہ کرنا بہتر ہے اور گناہ میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا افضل ہے، رسم ورواج وغیرہ سے جہاں تک ممکن ہو بچتا رہے واللہ اعلم۔"

جس طرح ہمارے اسلاف کو انگریزوں کے طور طریقے اور ان کی زبان کو اپنانے سے نفرت تھی اسی طرح ہمارے حضرت والاؒ کو بھی اردو زبان میں انگریزی کا استعمال بہت ہی ناگوار ہوتا تھا، اگر حدیث کا کوئی طالب علم اپنی سند پر دستخط کرانے کے لئے حضرت کے پاس آکر یوں کہتا کہ "حضرت سائن فرمادیجئے" تو سخت ناراض ہوتے اور بطور تادیب اس وقت اس کی سند پر دستخط نہ فرماتے اور فرماتے کہ مولوی بن گئے مگر ابھی تک اردو بولنا نہیں آئی، ایسا ہی ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا، تخصص کے سال میں ایک استفتا کے جواب میں میں نے ایک انگریزی لفظ "گفٹ" استعمال کرلیا، کیونکہ یہ اردو میں بھی مستعمل ہے، لیکن حضرت اقدسؒ نے اس پر خوب گرفت فرمائی اور سرزنش کی کہ مفتی کی ایک زبان ہوتی ہے، تم غیروں کی زبان کیوں استعمال کرتے ہو؟ اس سرزنش کے جواب میں جب بندہ نے معذرت نامہ لکھا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"مفتی کا خط اچھا ہونا چاہئے، الفاظ صاف ستھرے اور قانونی استعمال کئے جائیں، انگریزی الفاظ ہرگز استعمال نہ کئے جائیں، ان کے متبادل روزمرہ استعمال ہونے والے اردو کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔"

اس حکیمانہ سرزنش سے یہ بات دل میں اتر گئی کہ غیروں کی کوئی چیز استعمال نہ کرنی

چاہئے۔

ایک مرتبہ بندہ نے لکھاکہ "در دعائے خویش مارایاد دار" اس کے جواب میں حضرت نے بڑی جامع اور حکیمانہ دعادی کہ: "حق تعالیٰ فہم، سلیم، طبع مستقیم اور صلاح وفلاح مع علم وعمل نصیب فرمائے۔ آمین"۔

ایک دفعہ تخصص کی تعلیم کے دوران بندہ نے لکھاکہ فتاویٰ کی کتابوں کا مطالعہ تو ہو جاتا ہے، مگر جو باتیں پڑھی جاتی ہیں وہ یاد نہیں رہتیں لہذا یادر کھنے کے لئے کیا کیا جائے؟

"فرمایا: یاد رہنا شرط نہیں مناسبت شرط ہے آہستہ آہستہ مناسبت پیدا ہو جائے گی، بشرطیکہ علمی اشتغال منقطع نہ ہو سلسلہ قائم رہے۔"

ایک مرتبہ راقم نے لکھاکہ میں تدریس کے ساتھ تجارت بھی کرنا چاہتا ہوں، اس کے جواب میں لکھا:

"تین شعبے الگ الگ ہیں، (۱) اپنے ذاتی معمولات، اپنی اصلاح اور آخرت کی تیاری۔ (۲) علمی اشتغال، (۳) اور تجارت، اگر آپ تینوں شعبوں کو چلانا چاہتے ہیں تو تینوں کے لئے نظم الاوقات مرتب کرنا ہوگا"۔

دورانِ تخصص ایک مرتبہ بندہ نے لکھاکہ صرف مطالعہ سے اکتاہٹ ہونے لگی ہے کیا کروں؟ جواب تحریر فرمایاکہ: "استفتاً خود ایک تحقیقی کام ہے اکتاہٹ نہیں ہونی چاہئے، اسی سے استعداد بڑھے گی"۔

ایک بار میں نے عجب کے متعلق سوال کیا تو فرمایاکہ:

"عجب کے معنی خود پسندی کے ہیں یعنی اپنی جہالت کو اچھا سمجھنا، اور یہ چاہنا کہ لوگ مجھے اچھا سمجھ کر عزت کیا کریں اور اگر آدمی کی اپنی گندگیوں پر نظر ہو اور اس کے باوجود لوگ اعزاز واکرام کا معاملہ کریں تو یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا کرشمہ ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر میرے عیوب منکشف فرمادیتے تو لوگ مجھ سے کتوں سے زیادہ نفرت کیا کرتے، تو یہ عجب نہیں۔"

ایک بار راقم الحروف نے نماز میں دھیان پیدا کرنے کا علاج پوچھا تو فرمایاکہ:

"نماز شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا دھیان کر لیا جائے اور نماز شروع کرنے کے بعد کوشش کی جائے کہ دھیان قائم رہے، اگر کبھی خیال ہٹ جائے تو پھر دھیان کی تجدید کر لی جائے اگر دھیان سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے ان شاءاللہ تعالیٰ اس اہتمام سے نماز کا پورا ثواب مل جائے گا"۔

اسی طرح ایک بار نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ:

"نماز شروع کرنے سے ایک منٹ پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا استحضار کیا کریں اور تکبیر تحریمہ کے بعد سمجھیں کہ گویا آپ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گئے اور غیر اللہ سے دروازہ بند کر لیا، بس پھر اللہ کی طرف متوجہ رہیں اور اگر کبھی غفلت ہو جائے تو یاد آنے پر فوراً متوجہ ہو جائیں"۔

ایک مرتبہ بندہ نے لکھا کہ لوگ بہت اکرام فرماتے ہیں، لہذا دل میں کہیں تکبر نہ آجائے، اس کا کیا علاج کروں؟ اس پر فرمایا:

"لوگ جتنا احترام کریں، اتنا ہی آپ کے اندر انکسار پیدا ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے لوگوں سے ہمارے عیوب چھپا رکھے ہیں ورنہ لوگ ہم سے اتنی نفرت کرتے جیسا گندگی سے نفرت کی جاتی ہے"۔

ایک مرتبہ بندہ نے لکھا کہ درس قرآن کے لئے کون سی کتابوں کا مطالعہ کروں؟ فرمایا کہ:

"ہماری اردو تفاسیر میں سے بیان القرآن اور تفسیر عثمانی اور عربی تفاسیر میں سے ابن کثیر"۔

ایک مرتبہ میں نے اپنی باطنی بیماریوں کے بارے میں لکھا تو جواباً تحریر فرمایا کہ:

"اپنے عیوب پر نظر رہے اور آدمی ہر حال میں اپنے آپ کو ہیچ سمجھے، حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائیں، معمولات کی پابندی کرتے رہئے اور حق تعالیٰ شانہ سے گڑگڑا کر مانگتے رہئے، میرا اللہ اپنی رحمت کے دروازے

کھولنے والا ہے“۔

دوران تخصص ایک مرتبہ بندہ نے لکھا کہ حضرت جب آپ سفر وغیرہ پر تشریف لے جاتے ہیں تو دفتر سونا سونا لگتا ہے، اور پڑھائی میں بھی دل نہیں لگتا کیا کروں؟ اس پر فرمایا:

”جو چیز جس جگہ پڑی ہو، اگر وہاں سے اٹھالی جائے تو اس جگہ کا سونا سونا لگنا ایک فطری چیز ہے، اس میں میری کوئی تخصیص نہیں، البتہ آپ کی دلچسپی کا محور کام ہونا چاہئے“۔

ایک بار بندہ نے لکھا کہ حضرت آپ اپنے طویل افتا کے تجربہ سے ہمیں بھی مستفید فرمائیں؟ تو عجیب عاجزی وانکساری کا جواب تحریر فرمایا کہ:

”افتا کو تو میں جانتا نہیں تجربہ کیا ہوگا؟ آداب المفتی مولانا منیر احمد صاحب نے پڑھادی ہوگی، اس کے مطابق عمل کرو“۔

ایک بار میں نے لکھا کہ جب کسی مسئلہ کا حوالہ تلاش کے باوجود نہیں ملتا تو بہت جھنجھلاہٹ ہوتی ہے اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا:

”کسی دوسرے سے مشورہ کرلینا چاہئے کہ یہ مسئلہ کہاں ملے گا؟“

ایک مرتبہ راقم نے لکھا کہ حضرت کبھی کبھی تکبیر تحریمہ فوت ہوجاتی ہے کیا کروں؟

فرمایا: ”آپ نے جو لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوجاتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ پوری ہمت اور قوت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہوئے اس میں لگے رہیں گے تو ان شاٗ اللہ کسی نہ کسی دن توفیق ہو ہی جائے گی: کیونکہ ”من دق باب کریم انفتح“۔

ایک دفعہ میں نے لکھا کہ فضول گوئی کی عادت ہے یہ کیسے ختم ہو؟

فرمایا: ”آئندہ جو فضول بات کرو اس دن اس کو نوٹ کرلو اور پھر ہفتہ بھر کی اطلاع دو اس کو دیکھ کر علاج تجویز کروں گا“۔

ایک مرتبہ بندہ نے لکھا کہ چلتے پھرتے کیا وظیفہ ہونا چاہئے؟

فرمایا: ”درود شریف اور استغفار کی عادت ڈالو یہاں تک کہ جب بھی فرصت

ایک دفعہ بندہ نے لکھا کہ میں عملیات سیکھوں یا نہیں ؟

فرمایا : "مجھے عملیات سے مناسبت نہیں اس کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دیتا اور اچھا بھی نہیں سمجھتا-"

ایک دفعہ بندہ نے لکھا کہ وفاق المدارس کے تحت درجہ عالیہ کا امتحان دے دوں تاکہ وفاق المدارس کی سند مل جائے ؟ فرمایا :

"کیا وفاق کی سند کا کوئی نفع ہوگا ؟ دنیا میں یا آخرت میں ؟"-

احساس کمتری اور احساس برتری سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا :

"اس قسم کے خیالات غیر اختیاری طور پر آئیں تو مضر نہیں، مگر عملی طور پر تفوق اور بالاتری کا اہتمام نہ کیا جائے اور اس پر نظر رکھی جائے کہ یہاں کی بالاتری مطلوب نہیں بلکہ مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اگر وہ ہی حاصل نہ ہو تو سب لغو اور لایعنی ہے"-

ایک مرتبہ بندہ نے لکھا کہ لوگ بیان کرنے پر بہت اصرار کرتے ہیں میں کیا کروں ؟

فرمایا :

"اگر وہ حضرات مجبور کرتے ہیں تو بیان تو کر لیا کریں لیکن اس سلسلے میں بجائے دماغ سے کام لینے کے دل سے کام لیں اور حق تعالیٰ شانہ سے دعا و التجا کریں کہ یا اللہ محض اپنی رضا کے لئے اس کام کو کرنے کی توفیق عطا فرما، اور بعد میں یہ جستجو نہ رکھیں کہ بیان کا اثر ہوا یا نہیں، البتہ بیان کے بعد خوب استغفار کریں اور حق تعالیٰ سے درخواست کریں کہ یا اللہ میں نے تو چاہا تھا کہ صرف آپ کی رضا کے لئے بیان کروں، لیکن نفس و شیطان درمیان میں آجاتے ہیں مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حالت روبہ اصلاح ہو جائے گی"-

ایک بار بندہ نے اپنی نماز میں بے کیفی کی حالت لکھی، تو فرمایا :

"آپ نے نماز کی جو کیفیت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ میں یکسوئی نہیں، ذہن مشوش ہے، اس لئے آپ نماز شروع کرنے سے چند لمحے

پہلے یہ تصور کر لیا کریں کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور میرا ظاہر و باطن اللہ کو معلوم ہے، اس لئے نماز خواہ مختصر پڑھیں لیکن اللہ کو سامنے رکھ کر پڑھیں، ان شاء اللہ یہ کیفیت جاتی رہے گی"۔

رات کو جس وقت حضرت اقدس کی نماز جنازہ تھی، اس سے ایک رات قبل اسی وقت یعنی رات ساڑھے دس بجے بندہ نے حضرت والاؒ سے فون پر بات کی تھی اور حضرت کی وہ میٹھی میٹھی اور کانوں میں رس گھولنے والی پیاری آواز آج تک کانوں میں گونج رہی ہے، کیا خبر تھی کہ یہ مبارک آواز آج آخری مرتبہ کانوں کو سننے کو ملے گی اور آج کے بعد ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے۔اب تو بس بار بار یہ آیت زبان پر آتی ہے:

"تاللّٰہ تفتؤا تذکر یوسف"۔

جب کہ حضرت والاؒ زبانِ حال سے یوں فرماتے نظر آتے ہیں:

جب کبھی اہل وفا یاد کریں گے ہم کو
جانے کیا کیا میری روداد کے عنواں ہوں گے

............☆............

......ایک آدمی نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دائیں طرف سے سلام عرض کیا، آپؐ نے بائیں طرف منہ کر لیا۔ بائیں طرف حاضر ہوا تو آپ نے دائیں طرف منہ کر لیا۔ سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بعض لوگ آگ کی انگوٹھی پہن کر کے آجاتے ہیں۔ میری مجلس میں آجاتے ہیں۔ وہ سونے کی انگوٹھی جو پہنی تھی، اس کو آگ کی انگوٹھی فرما رہے تھے۔ انہوں نے نکالی اور نکال کر پھینک دی۔ پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ تو چلے گئے۔ تشریف لے گئے گھر۔ صحابہؓ نے ان سے کہا میاں تم نے یہ پھینک کیوں دی ہے، اس کو اٹھالیتے، عورت کو پہنا دیتے۔ عورتوں کو تو پہننا جائز ہے۔ فرمایا، آنحضرت ﷺ نے جس چیز کو ناگوار سمجھا ہے اور نفرت کا اظہار کیا ہے اس کو میں نہیں اٹھاتا۔......

حضور ﷺ کی معیت نصیب فرما۔ بھائی محض اس کے فضل سے ہی نجات ہوگی۔......

حضرت شہید رحمہ اللہ کا شمالی علاقہ جات میں روحانی فیض

مولانا قاری نثار احمد، گلگت

رب تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل وکرم سے اعلاً کلمۃ اللہ کے لئے زندگی قربان کرنے والوں کو بے بہا اور عظیم انعامات واعزازات سے نوازا ہے اور دین کی سربلندی کے لئے اس بندے کے ساتھ اپنے دیئے ہوئے مال وجان کا سودا کرنے والا فرمایا ہے- کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بقول حضرت تھانویؒ کے : "جب خاصان خدا کے سامنے یہ آیت پڑھی جاتی ہے تو شرمندگی سے ان کا سر جھک جاتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنی دی ہوئی جان اور اپنے دیئے ہوئے مال کا سودا فرماتے ہوئے بطور قیمت جنت عنایت فرماتے ہیں-

اعلا کلمۃ اللہ کیلئے رب تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ دشمن کے سامنے اتنے ڈٹ جاؤ کہ دشمن کی جان تک لے لو اور اتنے ڈٹ جاؤ کہ اگر اپنی جان دینی پڑ جائے تو بھی پرواہ نہ کرو، "فیقتلون ویقتلون" کے مصداق بن جاؤ- جو شخص اللہ کی راہ میں جان دیتا ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا : "انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں اس کا شعور نہیں"-

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہید کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے سات انعامات ہیں :

(۱)- اس کا خون گرتے ہی اس کی مغفرت کی جاتی ہے، (۲)- وہ

جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے، (۳)- اسے ایمان کا حلہ پہنایا جاتا ہے، (۴)- اسے عذاب قبر سے بچالیا جاتا ہے، (۵)- وہ قیامت کے خوف سے محفوظ رہتا ہے، (۶)- اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، (۷)- اور وہ اپنے عزیز واقارب میں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا"-

(احمد، طبرانی، الترغیب والترہیب)

یہاں تک کہ فخر کائنات سرور کونین ﷺ نے خود شہادت کی تمنا کی اور فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں"-

اسلام کی سربلندی اور سرفرازی اس جرأت مندانہ عمل پر رکھی گئی ہے- یہ اہل اللہ اور اہل حق کا تسلسل اور میراث ہے- اسی تسلسل اور ورثہ کو زندہ کرتے ہوئے سعادت عظمیٰ کی تمنا کرنے کے کچھ ہی دن بعد جام شہادت نوش کرنے والے ہمارے مشفق، مرشد ومربی، مرشد العلماءٔ محبوب المجاہدین، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سفیر و وکیل اور مرکزی نائب امیر، اقرأ روضۃ الاطفال کے مدیر، مسجد فلاح کے خطیب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے محبوب شاگرد و مرید، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے خلیفہ مجاز، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے نقطہ دان، خلیفہ مجاز، حضرت بنوریؒ کی مراد، معتمد خاص، ہم نام وہم کام اور "بینات" کے مدیر شہیر اور سیف مسلول، مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰن اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب رحمہم اللہ کے رفیق وہمدم، تردید مرزائیت کے قائد، رد رفض کے امام، پر فتن دور میں صراط مستقیم کا چراغ جلانے اور صراط مستقیم بتانے والے، تنقید اور حق تنقید لکھ کر بھٹکے دلوں کی راہ نمائی کرنے والے، مادیت میں ڈوبی دنیا کی راہ نمائی کرنے والے، سب کچھ سمجھنے والوں کے لئے دنیا کی حقیقت بتانے والے، عشق رسولؐ سے آشنا کرکے مریدوں کو مناجات مقبول کے ساتھ "ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول" ﷺ کا روزانہ معمول اور یہ نسخہ شفا دے کر درود کی برکات پھیلانے والے، مشکل سے مشکل وقت میں مسکرانے، وقت کے

گمراہوں، فتنہ پروروں، منکروں کو "بینات" کے ذریعہ للکارنے والے، شرعی سوالات اور دینی اشکالات کا مختصر ترین جملوں میں جامع مانع اور مسکت جواب دینے والے، چاروں سلسلوں میں کمال رکھنے والے، سلف کے مسلک و مشرب، فکر و نظر کے عملی نمونہ، ہر معاملہ اور مسئلہ میں نہایت اعتدال و توازن رکھنے والے، "انزلوا الناس علی منازلھم" اور "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کے ایسے عامل و ماہر کہ ہر ملنے والا، ہر دیکھنے والا، ہر سننے والا آپ کا فریفتہ و گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہر گونہ زخمی اور ہر گونہ بیمار کو مرہم شفا رکھنے اور مجرب نسخہ دینے والا، ہر دکھے دل کے ملجا و ماویٰ، رخسار پر ہاتھ پھیر کر یا پیار کی چپت لگا کر داڑھیاں بڑھانے کی کرامت رکھنے والا، حکیم العصر، فہیم الدہر، دین حق پھیلانے، رضاالٰہی کی طلب میں دشوار گزار، طویل ترین اور دور دراز اسفار کرنے والا، بطل حریت، سلوک و احسان کے میدان میں اعتماد وہمت کے مالک، افراط و تفریط سے دور، نہایت محتاط، متواضع، متوازن اور معتدل، فیض و توجہ اور دعاؤں میں ایسے فیاض، خصوصاً رمضان المبارک میں "کالریح المرسلہ" کے مصداق، مردم شناس، معبر، قیافہ دان، جلال و جمال کے حسین امتزاج، سفر میں خدام اور عزیزوں کے ساتھ نہایت ہنس مکھ رہنے والے، الہامی، شگفتہ اور دل ربا انشا پرداز، دشمن کے مقابلے میں تیغ براں، کسی کو دیکھا کہ یہ شہباز ہے تو قابو میں رکھنے کا نسخہ دیا، کسی کو دیکھا کہ جوان تیز اڑان کا مالک ہے تو پر کاٹ کر قابو میں رکھا، کسی کو دیکھا کہ نالائق و ناکارہ ہے اور ضرورت ہے کہ کچھ کام کا بنے، دونوں کان پکڑ کر سیدھا کیا، کچھ کو بچا ہوا کھانا، پانی اور پس خوردہ آئس کریم دے کر اپنا گرویدہ بنا کر سلیقہ اور آداب سے نوازا، غرض چن چن کر دیکھ دیکھ کر، پرکھ پرکھ کر نہایت جود و فراخدلی سے افراد سازی اور اصلاح فرماتے، اسلاف کے قافلے کے ساتھ جوڑتے، اپنا اعتماد عنایت فرما کر حوصلہ وہمت سے نوازتے، دعا کی درخواست کی جاتی تو فرماتے تھوک سے دعائیں دوں گا، واہ کیا عجیب دعا گو اپنے متعلقین کیلئے خصوصاً جملہ مسلمانوں کے لئے عموماً دعا کے مرکز تھے، نرم مزاجی کے سمندر، خلاف شرع و سنت کوئی عمل دیکھتے، ناموس رسالت و ناموس صحابہؓ پر کسی کو حملہ آور دیکھتے تو فوراً جلال کے پہاڑ بن کر مدافعت و تعاقب کر کے ٹھکانے لگا دیتے:

مشفق لکھوں شفیق لکھوں یا لکھوں صنم
جناب کے القاب میں حیراں ہے قلم

اِن اَن گنت وبے شمار صفات وکمالات کا حامل یہ بطل حریت، صاحب صفا بھی اپنی تمنا ودعا مستجاب سے اس سعادت عظمیٰ سے ہمکنار ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور ہمیں داغ مفارقت دے گیا!

موت صاحبدل جہاں را دلیل کلفت است
شمع چوں خاموش گردد داغ محفل میشود

حضرتؒ خون شہادت سے خضاب لگا کر ہمیں داغ مفارقت تو دے گئے مگر ہمیں ایک راہ، ایک سمت، ایک فکر، ایک سلیقۂ زندگی، درد انسانیت، فکر اصلاح، فتنوں کا تعاقب، مرزائیت ورافضیت کا مقابلۂ سلف کے بتائے ہوئے نہج پر جرأت واخلاص سے کام کرنے کا انداز، ملک میں قانون اسلام کے نفاذ کی تڑپ اور لگن دے کر گئے جو کہ ہر فتنے کا واحد علاج ہے:

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جس یہودی سازش سے آپؒ کے معصوم اور نورانی جسم پر ظالموں نے آتشیں گولیاں برسا کر، آپ کو اپنے خادم بھائی عبدالرحمٰن سمیت شہید کردیا اور آپ کے صاحبزادے، بھائی محمد یحیٰ کو لہولہان کیا گیا، یہ مسلمانان عالم کے لئے چیلنج ہے، ذریت یہود کا یہ ظلم اور زیادتی کوئی نئی نہیں بلکہ یہ ان کی قدیمی خصلت وجبلت ہے، حضرت کی شہادت پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک حادثہ اور غم ہے، ہم رب تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ ان شاءاللہ اس عظیم سانحہ کا بدلہ لے کر رہیں گے، رب تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے، آمین ثم آمین اس لئے کہ:

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی ابھی بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

ہمارے ملک میں کچھ عرصے سے اہل حق کا قتل عام ہو رہا ہے، کراچی ہی میں مولانا انیس الرحمٰن درخواستیؒ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ، لاہور میں مولانا

ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ، اسلام آباد میں مولانا محمد عبداللہؒ، فیصل آباد میں مولانا محمد مجاہد رحمہم اللہ جیسے اکابر کو شہید کر دیا گیا، شہادت کا اگرچہ اپنا ایک مقام ہے کہ :

کشتگاں خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

مگر ان عظیم قربانیوں کا کوئی نتیجہ اور ثمرہ ازبس ضروری ہے۔ حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ پیرانہ سال، بظاہر بیماریوں کے حملے، خصوصاً فالج کے سخت حملے کے باوجود دینی خدمات، اسفار، معمولات، اصلاحی بیانات، مسلسل ختم نبوت کی محبت، تعلیم و تدریس اور جمعہ کے خطاب کی پابندی وغیرہ کے علاوہ اقرأ کی اصلاح و تربیت پر توجہ، تصنیف و تالیف میں مصروف تھے۔

رب تعالیٰ سے ملاقات کا شوق اور دنیا سے بے رغبتی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک موقع پر فرمایا: میرے رب نے مجھے بڑے انعامات اور فضل و کرم سے نوازا ہے، کہ اب اس دنیا سے جانے کے لئے ہر وقت تیار ہوں، اب کوئی تمنا بھی نہیں رہی، اپنی تھوڑی سی جائداد تھی وہ بھی اہلیہ کے نام ہبہ کر دی ہے، تاکہ اپنے رب کے سامنے مسکین بن کر حاضر ہو جاؤں، کسی شئی کا جواب دینا نہ پڑے، کسی کے استفسار پر مسکرا کر فرمایا کہ گھر مسجد کا ہے میری وجہ سے ملا ہے، میں نہ ہوں گا تو وہ مسجد کا ہے، اپنی واسکٹ جو حضرت نے پہن رکھی تھی اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اہلیہ کی ملکیت ہے، عاریتاً استعمال کے لئے دی ہوئی ہے۔

حضرت اقدسؒ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ابو داؤد شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ مختصر تقریر فرماتے جو کہ نہایت جامع اور پر مغز ہوتی، عبارت پر خوب ٹوکتے تھے، جب مشاجرات صحابہؓ پر بحث فرماتے تو حضرت اقدسؒ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی، طلبا سے فرمایا کرتے یہ بہت مشکل مقام ہے، ایمان کے امتحان کا مقام ہے، نہایت احتیاط چاہئے، ایسی احتیاط سے نکلو جیسے بال گھی سے نکالا جاتا ہے ورنہ آدمی رافضی یا مودودی بن جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مریدین کے ہمراہ اعتکاف فرماتے۔ اعتکاف وہ بھی حضرت اقدسؒ کی نگرانی اور شفقت کے سائے میں، نور علی نور کا مظہر تھا، حضرت کے ایمان

افروز بیانات، یسین شریف کے ختم، ختم خواجگان، ذکر کی مجلسیں، ہر وقت تلاوت اور نوافل واذکار کا ماحول، پھر عمومی دستر خوان پر حضرت اقدس کے ساتھ سب کا شریک ہونا، ہر مرید کو حضرت اقدسؒ کی قربت کا عجیب شرف نصیب ہوتا تھا، اس پر لطف اور روح پرور ماحول اور لمحات کا مزہ اور چاشنی بیان کرنے کی نہیں، چکھنے کی چیز تھی۔ خصوصاً طاق راتوں میں حضرتؒ کے بیان میں کراچی شہر اور دور دراز کے لوگ تڑپ اور شوق سے حاضر ہوتے تھے، بعض اوقات لوگوں کے احوال اور مشکلات سنتے اور ایسے نصائح اور نسخے عنایت فرماتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ اب ایسا حکیم حاذق کہاں سے لائیں؟

ایک موقع پر ایک شخص آیا اور حضرتؒ سے کہا کہ حضرتؒ میرے پاس زکوٰۃ کی رقم ہے، آپ تقسیم فرمادیں، حضرتؒ نے نہایت ناپسند کرتے ہوئے فرمایا تم عصر کی نماز خود پڑھو گے یا تمہارے لئے میں پڑھوں گا؟ اس شخص نے کہا حضرتؒ میں خود پڑھوں گا، حضرت اقدسؒ نے فرمایا زکوٰۃ بھی تم پر فرض ہے تم خود ادا کرو، مسائل معلوم کرو میں کس لئے تمہاری زکوٰۃ ادا کروں؟۔

شمالی علاقہ جات آغا خانیوں اور عیسائی این جی اوز کی چراگاہ بنی ہوئی تھی، روافض اور آغا خانیوں کے تعلیمی وصحت کے نام اور دیگر ترقیاتی عنوان پر ادارے قائم کر کے ایک مساوی حکومت ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اپنا اثر دکھاتے رہے ہیں، حضرت اقدسؒ کو ان حالات کی خصوصی فکر تھی اور دعا فرماتے رہتے تھے، ایک مرتبہ اس ناکارہ نے آپؒ سے دعا کی درخواست کی تو فرمایا تمہارے لئے تو دعائیں تھوک سے کرتا ہوں۔

ہم لوگ "الازہر" اور "العصر" اسکولوں کے مقابلے میں حضرت اقدس سے شمالی علاقہ جات میں اقرأ کے قیام کی درخواست کرتے رہتے تھے، ہم لوگ لاہور کے سفر پر تھے، معلوم ہوا کہ حضرت اقدس لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں حاضر ہوئے اور حضرتؒ سے گلگت کی درخواست کی، حضرتؒ نے فرمایا اب تو آنا ہی پڑے گا مولانا مفتی جمیل صاحب مدظلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ انتظام کریں گے میرے سارے پروگرام ان کے ہاتھ میں ہیں۔

یکم ستمبر ۱۹۹۹ء کو حضرت اقدسؒ کے گلگت کا پروگرام بنایا گیا، گلگت، شیر قلعہ، دائن

اور یاسین کے اقرأ روضۃ الاطفال کی شاخوں کا افتتاح حضرت اقدسؒ کے ہاتھوں ہونا طے ہوا۔

گلگت رافضی اور آغا خانی سازشوں کی زد میں ہونے کے علاوہ سلوک و تصوف کے حوالے سے بالکل خالی خطہ تھا اسلئے حضرت اقدسؒ کی آمد پر مسلمانوں میں عید کا سا سماں نظر آنے لگا۔شاید یہاں کے فرشتوں اور جنات نے بھی جشن منایا ہوگا، ائرپورٹ پر سینکڑوں عوام اور علماً حاضر ہوئے، گاڑیوں کی طویل قطار میں حضرتؒ نے "اقرأ روضۃ الاطفال شاخ سیدنا عباسؓ" میں مختصر قیام فرمایا، حاضرین کو دعا دے کر رخصت فرمایا، حضرت اقدسؒ کے آرام کے بعد گلگت سے دائیں جانب تقریباً بیس میل کے پہاڑی سفر پر ایک خوبصورت اور حسین وادی نلتر کا پروگرام طے ہوا تھا، جس کا تقریباً ڈھائی گھنٹے کا فاصلہ بنتا ہے، وہاں حضرتؒ نے ایک مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔روڈ کچا، دشوار گزار اور پہاڑی تھا حضرت اقدسؒ سے پہلے ہی تفصیل عرض کر دی گئی تھی، مگر حضرت اقدسؒ تیار ہو گئے فوراً ہی نلتر روانگی ہوئی، پہاڑی اور مشکل سفر کے علاوہ درمیانی نومل کا علاقہ جس میں سو فیصد روافض رہتے ہیں، مخدوش بھی سمجھا جاتا تھا، مگر حضرت اقدسؒ نے کوئی پرواہ نہیں فرمائی، راستے میں اونچے پہاڑ، نالوں، آبشاروں اور قدرتی مناظر کو دیکھ کر حضرت اقدسؒ نے نہایت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔

نلتر کا موسم نہایت خوشگوار، ہر طرف سدابہار درخت، مقامی احباب کی نہایت محبت اور خلوص سے حضرتؒ بہت متأثر ہوئے، گاڑی سے اترتے ہی بارش کی خوبصورت رم جھم سے موسم خوشگوار ہو گیا، یوں لگتا تھا کہ جیسے قدرت حق کی جانب سے حضرت اقدسؒ کا استقبال ہو رہا ہے۔حضرت اقدسؒ بوندا باندی، اور علاقے کے دلکش منظر سے خوب محظوظ ہوئے اور فرمایا میرے مولا تیری کیا شان ہے؟ ان پہاڑوں میں بھی تو کیا کیا دکھلاتا اور کھلاتا ہے، نماز ظہر کے بعد حضرت اقدسؒ نے بر لب نالہ جو اپنے اندر آسمانی رنگ لئے بہہ رہا تھا، مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا، دعا فرمائی، مدرسہ کا نام مدرسہ سیدنا بلالؓ تجویز فرمایا، حضرتؒ نے حسب معمول نہایت ایمان افروز بیان فرمایا، لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور چیخیں نکل گئیں۔

مجمع کا بے حد اصرار، انتظار اور فریاد دیکھ کر حضرتؒ تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد الحمدللہ سینکڑوں افراد کو بیعت فرمایا، ابتدائی معمولات: نماز باجماعت کی پابندی، صبح شام تین تسبیحات، روزانہ ایک پارہ تلاوت، مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ کی

ایک ایک منزل کی تاکید فرمائی۔

اس علاقے میں قدیم سے رائج کچھ عملی بدعات تھیں جو حضرتؒ کی تشریف آوری کی برکت سے بالکل ختم ہوگئیں، اور سلسلۃ الذہب کے ایک مضبوط عروۃ الوثقیٰ سے لوگ مربوط ہوگئے۔

اسی دن سہ پہر کو گلگت واپسی کا پروگرام تھا، رات کو جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت کے مہتمم برادرم مولانا نذیر اللہ صاحب مدظلہ کی دعوت تھی، جس کے لئے موصوف نے تاکید فرمائی تھی، دوسری جانب مقامی حضرات کا بے حد اصرار تھا کہ رات یہاں گزاریں، حضرت اقدسؒ نے فرمایا ڈنڈے والے پیر کی دعوت ہے ہمیں ضرور جانا ہے"۔

جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت میں نماز مغرب کے بعد اساتذہ اور طلباً سے خطاب فرمایا، پندونصائح کے بعد آخر میں طلباً اور اساتذہ کو بیعت فرمایا۔

دوسرے روز بدھ کے دن صبح آٹھ بجے اقرأ روضۃ الاطفال شاخ سیدنا عباسؓ کی افتتاحی تقریب میں بیان اور دعا فرمائی۔

سفر کا اگلا مرحلہ طویل اور دشوار گزار تھا جس میں نلتر کے احباب حضرت مفتی جمیل احمد صاحب، جناب قاری فیض اللہ چترالی صاحب، جناب داؤد ڈار صاحب، جناب انوار بخش صاحب، تاج محمد صاحب، جناب قاری بشیر صاحب، جناب قاری محمود الحسن شاہ صاحب، مولانا قاری عتیق الرحمٰن صاحب راولپنڈی والے، حافظ شیر احمد صاحب، مولانا چراغ الدین صاحب اور راقم کے علاوہ کچھ مجاہد ساتھی بھی حضرتؒ کے ہمراہ تھے۔

راستے میں کلمتی کے مقام پر جو راقم کا آبائی گاؤں ہے راقم کے باغ میں کچھ دیر کے لئے حضرت ٹھہرے، ضلع غذر کے صدر مقام گاہکوچ میں مولانا مفتی شیر زمان صاحب نے ظہرانے کا انتظام فرمایا تھا، نماز ظہر مرکزی جامع مسجد گاہکوچ میں ادا کرنے کے بعد حضرت اقدسؒ نے بیان فرمایا، لوگوں کی درخواست پر اس علاقہ میں لوگوں کو بیعت فرمایا اور معمولات سے نوازا، لوگوں نے پہلی دفعہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کا اس طرح روح پرور منظر دیکھا۔

مغرب سے تھوڑی دیر پہلے تحصیل گوپس پہنچے، راجہ علی احمد جان صاحب کے ہاں قیام فرمایا، مقامی تحصیلدار بھائی طارق صاحب، ایک عالم کے بیٹے ہونے کے علاوہ مخلص نوجوان ہیں

، کھڑے ہو کر خدمت کرتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے-

اتنے طویل، سنگلاخ سفر کے بعد بھی حضرت اقدسؒ حسب معمول تہجد کے لئے اٹھے اور، فجر سے پہلے معمول کی تلاوت، مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ سے فارغ ہو چکے تھے-

نماز فجر کے بعد یاسین روانگی ہوئی، حضرت اقدسؒ نے یاسین شاخ میں بچوں کو بسم اللہ پڑھا کر تعلیم کا آغاز کیا- ظہرانے کا انتظام مولانا غفران احمد صاحب نے گلمتی میں فرمایا تھا، سہ پہر کو چائے وغیرہ کا انتظام گلاپور میں بھائی غلام قادر سابق وزیر ریاست پینسال کے ہاں تھا- حضرت اقدسؒ نے لوگوں کی تواضع پر خوب دعائیں فرمائیں، مسلسل پہاڑی اور کچے راستے پر، تھکا دینے والے سفر میں ہم نے حضرت اقدسؒ کو تنگ ہوتے نہیں دیکھا، نہایت خوش طبعی کا مظاہرہ فرماتے رہے، قاری شبیر صاحب کبھی کبھی اشعار سناتے، حضرت اقدسؒ فرمائش بھی فرماتے تھے-

حضرت کے ہر بیان سے پہلے قاری سید محمود الحسن شاہ صاحب تلاوت کلام پاک کے بعد کوئی حمد، نعت یا نظم سناتے، اس پر حضرتؒ بہت ہی زیادہ محظوظ ہوتے تھے- اور قاری صاحبؒ کو داد دیتے- دوران سفر نہایت ہی بے تکلف رہے، دوران سفر پہاڑوں کے وسط میں نہایت مشکل جگہ میں سیلاب کی وجہ سے روڈ بلاک اور سامنے کی آبادی بالکل ختم ہو چکی تھی- بہت ساری گاڑیاں کھڑی تھیں، حضرت اقدس کو دیکھتے ہی مقامی ٹھیکیدار الف خان، جو نہایت مخلص اور اہل علم کے قدردان ہیں، نے فور اًبلڈوزر وغیرہ تیز کر کے رکاوٹ ختم کر دی-

اس دوران حضرت گاڑی سے اتر کر عام مزدوروں کے ساتھ جو دامن کوہ میں چائے پکارہے تھے یا کوئی خشک روٹی کے ساتھ چائے پی رہا تھا، گھل مل گئے، ان کی حوصلہ افزائی کیلئے ان کے ہمراہ تھوڑی چائے بھی نوش فرمائی، دعوت و نصائح فرمائیں، ایک نوجوان حضرت اقدسؒ سے ملنے آیا بڑے ادب سے دونوں ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا، بندہ نے حضرت اقدسؒ سے اس کا تعارف کرایا کہ یہ نوجوان ہمارا عزیز ہے مگر آغا خانی ہے، حضرت اقدسؒ نے محبت سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے قریب کیا، بھینچا اور اسلام کی دعوت دی کہ مسلمان ہو جاؤ، آغا خانی نوجوان سر جھکائے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے لگا کہ میں مسلمان ہوں، حضرت اقدسؒ

نے نہایت بلیغ اور شگفتہ انداز میں توحید کا بیان فرمایا، اس موقع پر موجود دوسرے آغاخانی بھی غور سے آپ کی تبلیغ دعوت اور توحید کا پیغام سنتے رہے۔

اس پورے سفر میں حضرت اقدسؒ کی یہ کرامت بار بار دیکھنے میں آئی کہ حضرتؒ نے جس کسی کے گال پر بھی چپت لگاکر داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا، الحمد للہ اسے ڈاڑھی رکھنے کی توفیق ہوئی۔

حضرتؒ گلگت شہر پہنچے تبلیغی مرکز میں حضرتؒ کا بیان طے تھا، حضرتؒ نے حسب معمول ایمان افروز بیان فرمایا، لوگوں نے خوب نام لکھوائے اور تشکیلیں ہوئیں، حضرتؒ نے فرمایا ارادہ لکھوائے بغیر کوئی نہ جائے، خود نگرانی فرماتے رہے۔

بعد ازاں محمدی مسجد کشروٹ میں عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد اصلاحی بیان فرمایا، احباب کے اصرار پر حضرتؒ نے لوگوں کی کثیر تعداد کو بیعت فرمایا اور معمولات سے نوازا۔

دوسرے روز ناشتہ کے بعد جمعہ کی نماز تک کا وقت حضرت اقدسؒ نے اس ناکارہ کے غریب خانے میں گزارا، جمعۃ المبارک کا بیان حضرت اقدسؒ کا تفصیلی ہوا، مرکزی جامع مسجد بروقت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، حضرتؒ کے بیان نے سامعین کو مسحور کردیا۔

حضرت اقدسؒ دوران بیان اپنی پیاری مسکراہٹ سے ایسے نوازتے تھے جس کا لطف بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔

جمعہ حضرت اقدسؒ کے حکم پر مفتی جمیل خاں صاحب نے پڑھایا۔ نماز کے بعد حضرت نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو بیعت فرمایا، لمبی لمبی چادروں کو باندھ باندھ کر دور دور تک لے جایا گیا۔

جملہ بیعت کرنے والوں کو مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ ہدیے میں ارسال فرمانے کا اعلان فرمایا، جو بعد میں حضرت اقدسؒ نے ارسال فرمائیں، اور لوگوں میں تقسیم کی گئیں، اسی روز عصر کے بعد سابق تبلیغی مرکز کشروٹ میں جمعیت العلمائے اسلام کی طرف سے دعوت پر حضرتؒ نے بیان فرمایا، یہاں بھی بیان کے بعد بڑی تعداد میں لوگوں نے بیعت کی، بعد ازاں جامع مسجد سرکالونی کونوداس میں بعد نماز مغرب حضرتؒ نے بیان فرمایا۔

حضرت کا یہ بیان نہایت جلال آمیز اور پر رعب تھا، مقام صحابہ کرامؓ بیان فرماتے

ہوئے ارشاد فرمایا: ہمارے شاہ جی امیر شریعت حضرت عطاءُ اللہ شاہ صاحب بخاری نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر کسی کو ابو بکرؓ و عمرؓ پر شک گزرتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں یا نہیں؟ وہ میرے ساتھ روضہ اقدس پر چلے کرایہ اور سفر خرچ میرا، روضہ اقدس پر جاکر رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں گے کہ ابو بکر و عمرؓ تیرے ہیں یا نہیں؟ جواب آئے کہ ابو بکر و عمر میرے ہیں تو تمہیں ماننا پڑے گا، آئندہ کا اعتراض ختم ہونا چاہئے۔ حضرتؒ نے بھی اپنے اس بیان میں نہایت جلال سے فرمایا میں بھی آج گلگت کی سرزمین پر یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر کسی کو شک ہے کہ صدیقؓ و فاروقؓ رسول اللہ ﷺ کے ہیں یا نہیں؟ کرایہ اور سفر خرچ میرا، میرے ساتھ روضہ اقدس ﷺ چلیں، میں اپنی ولایت نہیں جتاتا مجھے اپنے رسول ﷺ پر ناز ہے، میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کروں گا صدیق و فاروق آپ کے ہیں یا نہیں؟ جواب اثبات میں نہ آئے تو مجھے جھوٹا کہنا ورنہ تمہیں صدیق و فاروق کو ماننا پڑے گا۔ لوگو! صحابہ کرامؓ پر زبان درازی سے باز رہو۔ بیان کے بعد لوگوں کی بڑی تعداد کو بیعت فرمایا۔

ہفتے کے روز علی الصبح حضرتؒ بذریعہ جہاز اسلام آباد روانہ ہوئے، حضرتؒ کا چار روزہ سفر وہ بھی صبح شام کا سفر اور بیان پر بیان۔ اور اتنے فیض اور اصلاحی کام سے نوازا، یہ آپ کی کرامت تھی، حضرت اقدسؒ نے نہایت مختصر سفر کے دوران مسلمانانِ گلگت میں ایسے نقش چھوڑے اور انہیں سلوک و تصوف کے حوالے سے ایسی راہ عنایت فرمائی کہ جس سے ہم محروم تھے۔ ایسے روحانی انقلاب سے نوازا بظاہر خشک، بنجر، پہاڑی علاقہ کی وجہ سے حالات کافی مشکل تھے مگر یہ حضرت اقدسؒ کی کرامت تھی کہ نہایت عمدہ اور پیارے ماحول میں دینی کام پھیلا۔

یہ حضرت اقدس ہی کی برکات ہیں کہ آج الحمد للہ شمالی علاقہ جات میں بیسیوں اقرأ روضۃ الاطفال کے اسکول اور مکاتب کا اجراء ہو چکا ہے اور مزید ان شاء اللہ جاری ہوں گے۔

چند یادیں چند باتیں

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳ر صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء جمعرات کی رات ناچیز حسب معمول عشاء کے وقت جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے تخصص فی الفقہ کے تعلیمی اوقات پورے کر کے سیدی ومرشدی قبلہ عم محترم حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا۔ عشاء کے بعد روزانہ چند احباب خدمت کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ میں نے بھی آپؒ کے سر مبارک پر تیل لگانا شروع کیا۔ آپؒ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے دعائیں دیتے رہے، اس دوران فرمانے لگے کہ اللہ کی عجیب حکمت ہے کہ مجھ پر اتنی سخت بیماری (فالج) کا حملہ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم کا معاملہ فرماتے ہوئے کسی قسم کی معذوری نہیں چھوڑی، ورنہ اس بیماری سے اکثر لوگ معذور ہو جاتے ہیں۔ میں الحمد للہ اپنے تمام کام مکمل طور پر کر لیتا ہوں۔ اس مختصر سے وقت میں اور بھی باتیں کیں لیکن اس وقت کسے معلوم تھا کہ یہ آپؒ کی ہم لوگوں کے ساتھ یہ آخری رات ہے؟ اور آج کے بعد خدمت کی یہ سعادت کی گھڑیاں نصیب نہ ہوں گی۔

آپ فجر کی نماز کے بعد گھر واپس آگئے۔ دوا استعمال فرمائی اور آرام کیلئے لیٹ گئے، چند لمحوں کے بعد ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۲۱ھ کا وہ سورج طلوع ہوا جس کی کرنیں پورے عالم کو رنج والم

کا پیغام سنانے والی تھیں-روشنی کی ان کرنوں میں ایک ایسی ڈراؤنی تاریکی تھی جو پوری کائنات کو تاریک اور سیاہ کرنے والی تھی- وہ سورج طلوع ہو چکا تھا جو میرے ابا جی جیسے روشن و منور سورج کو غروب کرنے والا تھا کسے معلوم تھا کہ آج وہ سورج جو پورے عالم کو منور کرتا تھا اپنی تمامتر خوبیوں اور برکات کو سمیٹ کر پورے عالم کو تاریک کرنے والا ہے ؟

واقعہ شہادت :

حضرت اقدس ابا جی نور اللہ مرقدہ حسب معمول نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے اور اشراق کے وقت بیدار ہوئے، نماز اشراق ادا کی اور مطالعہ میں مشغول ہو گئے-۵۰ : ۹ بجے غسل کیا، کپڑے پہنے اور دفتر جانے کی تیاری شروع کی- "یہ مرد قلندرؒ درویش صفت بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس ہو کر دفتر جانے کے لئے روانہ ہوئے، گاڑی پر سوار ہو کر چند فرلانگ پر واقع مارکیٹ میں پہنچے اور حسب معمول پھل خریدنے کی غرض سے ایک پھل فروش کے پاس رک گئے-اسی دوران موٹر سائیکل پر سوار دو ظالم آئے جنہوں نے حضرت اقدس ابا جی نور اللہ مرقدہ کے ڈرائیور پر فائر کیا جس سے اس نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی- فائر کی آواز سن کر حضرت اقدس نے فرمایا : کہ کیا ہوا؟ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت اقدس پر فائر کر دیا- حضرت اقدس کے لاڈلے فرزند حافظ محمد یحییٰ نے اپنے ابا جی کو بچانے کی غرض سے ان کے اوپر لیٹ جانا چاہا لیکن ظالموں کے فائر کی گولیاں حافظ یحییٰ صاحب کے جسم سے ہوتی ہوئی حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے جا لگیں اور حضرت اقدس جام شہادت نوش فرما کر سرخ رو ہو گئے-انا للہ وانا الیہ راجعون-

یہ کم نصیب بجائے ابا جی حضور کے ساتھ دفتر جانے کے کچھ دیر قبل مدرسہ پہنچ گیا تھا- فون پر تقریباً ۵۰ : ۱۰ بجے اطلاع ملی کہ حضرت اقدس کو شہید کر دیا گیا ہے- یہ سننا تھا کہ پاؤں سے زمین نکل گئی، ایسا لگا جیسے آسمان کی چھت سروں سے ہٹا لی گئی ہو، ایک سکتہ سا طاری ہو گیا جس سے یہ محسوس ہونے لگا کہ گویا نظام کائنات زیر وزبر ہو چکا ہے-لوگوں کے ہجوم سے بازار بھرے ہوئے تھے لیکن یوں محسوس ہو تا تھا جیسے کسی غیر آباد ویرانے یا جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہوں- حضرت کی شہادت کی اطلاع ملتے ہی لوگوں نے مسجد فلاح کا رخ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑکیں لوگوں کے ہجوم سے اس طرح پر ہو چکی تھیں کہ ہر گلی ماتم کدہ بن گئی تھی- ہر عقیدت

مند دیوانہ وار بھاگ رہا تھا کہ شاید خبر جھوٹی ہو- جن بازاروں میں خرید و فروخت کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں یکایک وہ سناٹے کا شکار ہو گئے، جو شخص جس کام میں تھا حضرت کی شہادت کا سنتے ہی بے قابو اور بے ساختہ ہو کر رہ گیا- گلیوں کو محبت و عقیدت کے آنسو بارش کی طرح سیراب کررہے تھے- ہر شخص پر یہ کیفیت طاری تھی کہ چہرے پر مایوسی اور ناامیدی کے آثار تھے اور یوں لگتا تھا کہ شاید اس سے زیادہ دکھی کوئی نہیں ہے، حضرت اقدس کی اچانک شہادت کی خبر نے نہ صرف اہل کراچی کے قلوب کو بلکہ پوری دنیا کے قلوب کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قیامت قائم ہو چکی ہے، ہر انسان کا دل دنیا کی زندگی سے متنفر ہو چکا ہے، محبت و شفقت اور رحم دلی کا سورج غروب ہو گیا، اور نفسا نفسی کا عالم تھا، ہر خاص و عام بے ساختہ اشک بار تھا، چہروں کے رنگ غم سے سیاہ ہو چکے تھے اور ہر شخص کہہ رہا تھا کہ میرا کیا بنے گا؟ مجھے آج کون تسلی دے گا، والد کی سی شفقت اور ماں جیسی محبت کہاں سے ملے گی؟ ہر شخص ابا جی کے ساتھ اپنے تعلق اور نسبت کا اظہار کر کے اپنی محرومی اور بد نصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا کہ اب یہ نسبت اور تعلق ٹوٹ گیا اور ایسا ٹوٹا کہ شاید اب کبھی بھی جڑ نہ سکے-

الغرض ابا جی نور اللہ مرقدہ کی ذات اقدس ہم سب کو رنجیدہ اور غمگین چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی اور منزل مقصود پر پہنچ چکی تھی- بعض مرنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کی مفارقت اور جدائی کا غم ان کے گھر والوں کو ہوتا ہے مگر بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جن کا غم ہر ایک انسان کو ہوتا ہے- یہ ان حضرات کے فیض اور تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے- ابا جیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا فیض اور تعلق پورے عالم کے انسانوں کے ساتھ تھا، ہر طبقے اور ہر شعبے کا آدمی ان سے مستفید ہو رہا تھا- محبت و عقیدت کی انتہا نہ تھی لیکن اللہ رب العزت کا قانون ہے کہ دنیا میں محبت کے رشتہ کو برقرار نہیں رکھا جاتا، محبت کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے، کبھی تو جدا ہو ہی جاتے ہیں- ابا جیؒ کے متعلق بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیغام اجل بھیجا، وہ چل دیئے گویا وہ پہلے سے ہی تیار بیٹھے تھے- خیر یہ اللہ کی مشیت تھی، یہ اللہ کے فیصلے ہیں جو غور و فکر کا ایک درس دیتے ہیں-

بعض شخصیتیں قافلہ ہستی کیلئے مینارۂ نور ہوتی ہیں، ان کے وجود سے علم و دانش، زہد و تقویٰ، اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار

قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ مستقبل میں اس کے پر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی- حضرت اقدس شہید رحمہ اللہ کا شمار انہی جامع الکمالات ہستیوں میں ہوتا تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل و متین، مدبر اور حکیم تھے، علم وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی شہادت عقل ودانش، حلم ووقار، تدبر وحکمت اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علما کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد تھیں-

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی ذات وہ جامع صفات ہستی تھی کہ جس میں علم و عمل، زہدو تقویٰ، مکارم اخلاق، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، حسن صورت اور حسن سیرت کی تمام جھلکیاں نمایاں نظر آتی تھیں- فرائض کی ادائیگی میں اس قدر پابندی کہ نماز کو تکبیر اولیٰ کے بغیر ادا کرنے کو معیوب سمجھتے تھے، اور اکثر یہی تلقین فرماتے تھے کہ تکبیر اولیٰ اور پہلی صف کی پابندی ضرور کرنی چاہئے- اپنے متعلقین کو بیعت کرنے سے قبل یہی تلقین ہوتی تھی کہ پہلے چالیس دن تکبیر اولیٰ سے نماز ادا کر کے آؤ پھر بیعت کروں گا- حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خود بھی یہی عادت شریفہ تھی کہ اذان کے فوراً بعد مسجد میں مصلے پر تشریف فرما ہوتے اور نماز کیلئے اقامت ہونے تک قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہتے- گویا حضرت والا تکبیر اولیٰ کے انتظار میں خود جلدی مسجد میں تشریف لے آتے تھے، اسی طرح اس کوتاہ فہم راقم نے بارہا دیکھا کہ اگر حضرت اقدس سفر میں ہوتے تو جہاں نماز کا وقت ہو جاتا وہیں گاڑی رکوا کر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے اور نماز کے بعد فرماتے: الحمد للہ نماز باجماعت نصیب ہوگئی، پھر فرماتے کہ فرض تو ادا کرنا ہی تھا لیکن اللہ کی توفیق سے احسن طریقہ سے ادا ہو گیا ہے- الحمد للہ!

حضرت اقدسؒ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے کاربند تھے گویا حضرت والا کو سنت نبوی ﷺ سے عشق تھا اور ایسا عشق کہ عمل مسنون کے علاوہ کوئی عمل پسند ہی نہ تھا، سنت نبوی ﷺ کی تاثیر اور مٹھاس حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کے ریشہ ریشہ میں رچ بس چکی تھی- "حضرتؒ" "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کا زندہ وجاوید مصداق تھے- حضرت اقدسؒ شکل وصورت ولباس وپوشاک، اکل وشرب اور معمولات میں سنت نبوی ﷺ کو بہت اہمیت دیتے تھے- اگر کسی شخص کی شکل شریعت کے مطابق نہ ہوتی تو حضرت اقدسؒ کی طبیعت پر سخت ۲۲

اثر پڑتا تھا- عمر کے آخری حصے میں تو ایسی طبیعت اور مزاج کے خوگر ہو گئے تھے کہ خلاف سنت عمل کو دیکھ کر بے حد دل برداشتہ ہو جاتے تھے- اور بھرے مجمع میں خلاف سنت عمل کے مرتکب کو تنبیہ فرماتے- اس ناچیز کو کچھ عرصہ مسلسل رفاقت و صحبت نصیب ہوئی اور حضرت والا کے اس مزاج گرامی کا بارہا تجربہ ہوا- ایک بار ایک مرید اپنے بیٹے کا نکاح پڑھوانے کیلئے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا، نکاح نامہ میں حق مہر چند ہزار ڈالر تحریر تھے، حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس تحریر پر پڑی تو فوراً چونک اٹھے اور فرمانے لگے بھئی! نکاح کسی اور سے جاکر پڑھوالو- میں تو مہر فاطمی کے مطابق ہی نکاح پڑھاتا ہوں- متعلقہ حضرات نے کچھ عذر ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت والا نے فرمایا کہ میں سوائے شرعی حق مہر کے اور کچھ نہیں جانتا- چنانچہ جب ان حضرات نے مہر فاطمی کے مطابق نکاح پر رضامندی ظاہر کی تو - حضرت والا نے بڑی خوشی سے نکاح پڑھادیا، بعد میں دولہا اور متعلقین حضرات کو سینہ سے لگا کر خوب پیار کیا اور فرمایا کہ شاید میری بات آپ کو بری لگی ہو گی؟ لیکن وہ حضرات بھی حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل سے بہت خوش تھے-

یہ حضرت اقدسؒ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت تھی کہ جب بھی کوئی ناپسندیدہ عمل کسی کی طرف سے دیکھتے تھے تو فوراً اس پر روک ٹوک فرماتے مگر تنبیہ کے بعد سے کہیں زیادہ پیار و محبت کا معاملہ فرماتے جس سے ان افراد کو قلبی راحت و سکون نصیب ہو جاتا تھا-

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اول تو ڈاڑھی منڈے سے معانقہ نہ فرماتے تھے اور اگر کبھی فرما بھی لیتے تھے تو اس شخص کے چہرہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے اور شفقت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے کہ بھئی! اب ڈاڑھی رکھ لو، اپنی شکل تو کم از کم سنت کے مطابق بنالو، اور اکثر ڈاڑھی منڈے کے چہرے پر ہلکی سی چپت بھی رسید کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اب تو اس کو نہیں منڈواؤ گے نا! یہ حضرت والا کی کرامت تھی کہ جس ڈاڑھی منڈے کے چہرے پر حضرت والا کا دست مبارک پھر جاتا یا ہلکی سی چپت لگ جاتی وہ ضرور ڈاڑھی رکھ لیتا- حضرت والا کے دست مبارک کی برکت سے سینکڑوں لوگوں نے ڈاڑھیاں رکھ کر اپنی شکل کو شریعت کے مطابق بنالیا تھا- قمیض کے کالر پر اکثر تنبیہ کرتے اور فرماتے کہ اپنی شکل و صورت اور لباس تو کم از کم سنت نبویؐ

کے مطابق بنالو، پتلون اور شرٹ کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے اپنی زندگی کے اکثر حصہ میں عمامہ پہنا ہے، چند سالوں سے جب سے حضرت والا پر فالج کا حملہ ہوا تھا، عمامہ کا بوجھ نہ سہار سکنے کی وجہ سے یہ معمول ترک ہو گیا تھا اور فرماتے تھے: "کہ کمزوری کی وجہ سے عمامہ پہننا برداشت نہیں ہوتا ورنہ جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ عمامہ پہنوں- یہ حضرت والا کے سنت نبوی ﷺ سے عشق کا ثمرہ تھا کہ حضرت کی مسجد میں بوڑھوں کے علاوہ اکثر نوجوان خواہ دینی طالب علم ہوں یا اسکول و کالج کے، سب نماز کے وقت عمامہ پہن کر مسجد میں آیا کرتے تھے، پوری مسجد میں ایسا لگتا تھا جیسے فرشتے نماز پڑھنے کیلئے جمع ہو چکے ہیں- یہ کیفیت عشرہ اعتکاف میں خصوصیت سے دوچند نظر آتی تھی۔

حضرت والا کے سنت نبوی ﷺ سے عشق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والا نے تقریباً ۱۵ سال تک باقاعدگی کے ساتھ لوکی کا سالن استعمال کیا، لوکی کے سالن کے علاوہ کچھ استعمال نہیں فرماتے تھے، یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ لوکی حضور ﷺ کی پسندیدہ سبزی تھی- اس سنت پر عمل کرنے کے لئے ایک عرصہ تک لوکی استعمال کیا، لیکن بعد میں ڈاکٹروں کے مشورہ پر اس کا استعمال ترک کر دیا، کیونکہ ڈاکٹروں نے کہا مسلسل لوکی استعمال کرنے کی وجہ سے جسم کی تاثیر حد سے زیادہ ٹھنڈی ہو گئی ہے، لہذا اب مزید استعمال نہ کریں- اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والا کے اندر کتنی استقامت اور سنت نبوی ﷺ سے عشق و محبت تھی؟

حضرت والا کا علمی اشتغال:

یہ تو طے شدہ ہے کہ جب بھی کسی نے کوئی مقام حاصل کیا ہے جب تک کسی نے اپنی تمام تر توجہات اور قوتیں اپنے مقصود پر صرف نہیں کر دیں اس وقت تک اسے کوئی مقام حاصل نہیں ہوا، حضرت والا کی فطرت میں خداوند کریم نے تحصیل علم کیلئے ہر طرح کی قربانی دینے کی خاصیت رکھی تھی- حضرت والا نے علم کی خاطر بچپن ہی سے قربانیاں دینا شروع کر دی تھیں، حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے اسی سال ۲۳/ شوال ۱۴۲۰ھ کو مدرسہ زکریا الخیریہ متصل جامع مسجد فلاح میں درجہ تخصص کے افتتاحی درس کے دوران فرمایا تھا کہ: "وقت کے ساتھ

ساتھ زمانہ اور اس کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں، ہمارے زمانہ میں چھٹیاں کم ہوتی تھیں اور پڑھائی زیادہ ہوتی تھی، مگر اب تعلیم کم اور چھٹیاں زیادہ ہوگئی ہیں ابھی شوال کا مہینہ ختم ہورہا ہے اور اب تک تمہاری پڑھائی شروع نہیں ہوئی، ایک سال میں تخصص کیسے کروگے؟ پھر مڑ گشت بھی کرنا ہوگا۔" پھر فرمایا کہ: "ہمارے زمانہ میں صرف تعلیم ہوا کرتی تھی اور کسی چیز کا خیال نہیں ہوا کرتا تھا، اب صرف تعلیم نہیں ہے باقی تمام چیزیں اور آرائشیں موجود ہیں، آج کل تو طالب علم کپڑے بھی بغیر استری کے نہیں پہنتے، ہمیں تو کپڑے دھونے کی فرصت نہیں ہوتی تھی، اب تو اچھے اچھے کھانے ملتے ہیں، ہمارے زمانہ میں ناشتہ کا پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ کیسے کرتے ہیں؟ سوکھے ٹکڑے اور چنے کھا کر بھوک دور کیا کرتے تھے۔"

اس پر حضرت والا نے اپنا ایک قصہ سنایا کہ: "ایک بار میرا جوتا گم ہوگیا، میں اس وقت جامعہ خیر المدارس میں پڑھا کرتا تھا، میں نے پورے تین ماہ تک جوتا نہیں پہنا، درس گاہ سے مسجد اور مسجد سے درسگاہ چلا جاتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جامعہ کا مشرقی گیٹ کس طرح ہے اور مغربی گیٹ کس طرح ہے، مجھے یہ بھی علم نہ ہوتا تھا کہ جامعہ کی چار دیواری کے باہر کیا ہورہا ہے، پھر فرمایا میں نے سراجی کا کوئی مستقل گھنٹہ نہیں پڑھا بلکہ جب کھانا لینے کیلئے مطعم جایا کرتا اس وقت قطار میں کھڑے، کھڑے مولانا حافظ فیض احمد صاحب ملتان والوں سے تکرار کرلیا کرتا تھا۔

حال ہی میں حضرت والا جب دورۂ افغانستان سے واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ حضرت سفر کیسا رہا؟ ابا جیؒ نے فرمایا الحمد للہ بہت اچھا رہا، لیکن مطالعہ کیلئے کتاب نہیں ملی، مجھے ابا جی کی یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک ہفتہ جہادی سفر کیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی مطالعہ کی حسرت باقی رہی ہے، حضرت والا کے زمانہ طالب علمی کے ایک دوست نے تعزیتی جلسہ میں فرمایا کہ حضرت اقدس کی زمانہ طالب علمی سے یہ عادت رہی ہے کہ ہر وقت کتاب بغل میں ہوتی تھی۔

حضرت اقدسؒ کے اخلاق وعادات:

اللہ کریم نے حضرت اقدس کو حسن ظاہر کے ساتھ ساتھ حسن باطن سے بھی مالا مال فرمایا تھا، حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کی دولت لازوال عنایت فرمائی تھی، جلال کے

ساتھ جمال بھی تھا، حضرت والا کے حسن خلق کا یہ عالم تھا کہ دور سے بظاہر چہرہ مبارک پر ہمیشہ جلال کی کیفیت نظر آتی تھی، بڑے بڑے حضرات بھی بات کرتے ہوئے حجاب محسوس کرتے، لیکن جب ایک بار ملاقات ہو جاتی تو ملاقات کرنے والے کا دل بے ساختہ حضرت کی طرف کھنچ جاتا تھا، اور بار بار ملاقات کرنے کا مشتاق ہوتا تھا، موصوف کی عادت شریفہ یہ رہی کہ عام بات چیت ہو یا وعظ و نصیحت کی مجلس مسکراتے ہوئے بات فرمایا کرتے تھے، حضرت اقدس کی بات میں اتنی تاثیر تھی کہ جب بھی کوئی آزردہ خاطر آپ کی مجلس میں آکر بیٹھتا جب تک وعظ و نصیحت کی مجلس میں رہتا تمام غم بھول جاتا، گویا آپ دکھی دلوں کا ملجا و ماویٰ تھے۔ لوگ اپنے دکھ مجمع عام میں اور تنہائی میں بھی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سنایا کرتے۔ حضرت والا دست شفقت کی ایسی ایک مرہم رکھتے کہ ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ دیتے۔ ہر چھوٹے بڑے کی بات غور سے سنتے اور اس کے مرتبہ کے لحاظ سے اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کبھی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے، اگر غیر ارادی طور پر کسی کی دل شکنی ہو بھی جاتی تو اس کا تدارک کسی نہ کسی صورت میں ضرور فرماتے۔ حضرت کی زندگی کے جس پہلو کو دیکھیں، جس عادت شریفہ کا تذکرہ شروع کریں ہزاروں باتیں ملتی جائیں گی، ہزاروں یادیں تازہ ہوتی جائیں گی لیکن تذکرۂ خیر بے اختتام نظر آتا ہے، اور سب باتیں یادیں بن کر رہ گئی ہیں اور حسرتیں باقی ہیں۔ ایسے ہی موقع پر شورش کاشمیریؒ نے اپنے جذبات کا اظہار یوں فرمایا:

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے افق پر مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں سوچتا ہوں، کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں سے زور بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امید کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے، عوام پہنچے

تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات و صفات کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے، بظاہر حضرت والا خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے لیکن روحانی اور جسمانی پاکیزگی اور نفاست کا مجسمہ تھے، علم و عمل کا ایک عظیم پہاڑ تھے، حق تعالیٰ شانہ ان کو رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگان گرامی مولانا محمد سعید اسعد، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد طیب لدھیانوی اور مولانا حافظ محمد یحییٰ لدھیانوی کو حضرت شہید اباجی کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار قیمہ کو قائم و دائم فرمائے۔ تمام اہل خانہ، متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہر لحاظ ان کی کفالت و معاونت فرمائے، آمین۔

حق بات یہ ہے کہ قحط الرجال کا زمانہ ہے برگزیدہ اور بزرگ ہستیاں یکے بعد دیگرے دار فانی سے کوچ کرتی چلی جارہی ہیں، علم و عمل کا خاطر خواہ حصہ دن بدن اٹھتا چلا جارہا ہے، اور تلچھٹ پیچھے رہتی جارہی ہے جیسے حدیث پاک میں ہے:

"یذهب الصالحون الاول فالاول وتبقیٰ حفالة کحفالة الشعیر او التمر لایبالیهم الله بالة"۔ (مشکاہ ص ۴۵۸)

ترجمہ: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتی ہیں"۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

"ان الله لایقبض بالعلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلما"۔ (مشکاہ ص ۳۳)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماً (ربانی) کو اٹھاتا رہے گا"۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے، علم صحیح اور عمل صالح۔ اور یہ دونوں چیزیں آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہیں، جس طرح انسانوں

کی جسمانی صحت نسل در نسل کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن کمزور ہوتی چلی جارہی ہے، انسانیت چلتی پھرتی لاشیں رہ گئی ہیں، اجل (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دستر خوان سے قیمتی قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے، بہت کم حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے شرف واخلاق کے امین ہوں۔

ان اکابرین کے سانحہ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت مسلمہ ان فیوض وبرکات سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے۔ان کی تنہائی ونیم شبی کی دعائیں، بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری، پوری امت کا غم اور درد دل ان کے ساتھ ہی رخصت ہوجاتا ہے اور اس نقصان کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔ غروب آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں قمقمے روشن کرلیں مگر آفتاب کی روشنی کی جو حرارت وبرکت ہے وہ نصیب نہیں ہوگی۔اہل اللہ روشن قندیل کی مانند ہوتے ہیں جو اندھیرے اور ظلمت کو دور کرتے ہیں، جیسے یکے بعد دیگرے قندیلیں بجھتی جائیں اور ایک بھی قندیل روشن نہ رہے تو ہر طرف اندھیرا چھا جائے گا ایسے ہی اللہ والے ایک ایک کرکے جارہے ہیں اور کائنات میں علوم نبوت کی قندیلیں ایک ایک کرکے بجھتی جارہی ہیں۔ دن بدن نورانیت کم ہوتی جارہی ہے، اب امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ جتنے بھی دین کے چراغ اس وقت موجود ہیں ان کی قدر کرلیں ان کا تحفظ کریں ان سے خوب روشنی حاصل کریں ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ
وابدلہ دارا خیرا من اھلہ

☆

......ایک بزرگ تھے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے لیے کیا لائے؟ انہوں نے سوچا، سوچ کر کہنے لگے کہ اور چیزیں تو میں کیا پیش کروں اتنا ہے کہ میں ایک اللہ کو مانتا تھا، توحید کا قائل ہوں۔ یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، بندہ کہے گا کہ آپ کی بارگاہ میں توحید پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "اما تذکر لیلۃ اللبن"۔ وہ دودھ والی رات یاد نہیں رہی، جس کی صبح لوگوں نے پوچھا کہ رات کیا بات ہوگئی؟ تو جواباً کہا کہ میں نے رات دودھ پیا تھا اس لیے پیٹ میں درد ہوگیا۔ فرمایا دودھ پینے سے درد ہوا کرتا ہے؟ اور اسی کو توحید کہتے ہیں؟......

میرا باس میرا محسن

ڈاکٹر شہیر الدین علوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ میں دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا لیکن آپ ﷺ نے کبھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟

راقم آثم یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی کی خدمت میں دس سال رہے اور اس سے ایک بار بھی غلطی نہ ہو کہ اس سے پوچھا جائے کہ یہ کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہ کیا؟ لیکن جب میں تقریباً دس سال حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متذکرہ بالا حدیث کی عملی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میں بغیر کسی اشتباہ کے عرض کرتا ہوں کہ کم وبیش اپنی دس سالہ ملازمت کے دوران حضرت علیہ الرحمۃ نے مجھ سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ یہ کیوں کیا؟ یا یہ کیوں نہ کیا؟ پھر میرا تو کام ہی لکھنے پڑھنے کا تھا، اس میں غلطیاں بھی ہوتی تھیں، اور پھر سست رفتاری تو میری عادت رہی ہے، مگر کبھی بھی حضرتؒ نے باز پرس نہ کی۔ ایک بار میں نے اپنی کوتاہیوں کے بوجھ سے اپنے ضمیر کو ہلکا کرنا چاہا اور اپنی کوتاہیاں حضرتؒ سے عرض کیں، خصوصاً ایک عظیم کوتاہی کہ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی دو جلدوں کا انگریزی ترجمہ میرے کہنے پر ایک صاحب کر چکے تھے اور میرے ذمہ اس کی ایڈیٹنگ یعنی تصحیح تھی، مگر میں فقط بیس تیس صفحات کر سکا تھا، جب کہ ترجمہ ہزار ڈیڑھ ہزار صفحات پر

مشتمل تھا، میں نے غالباً یہ بھی اقرار کیا کہ اگر میں روزانہ ایک صفحہ کی تصحیح کرتا تو بھی ہر مہینہ میں تیس صفحات ہو جاتے اور یوں دو جلدوں کے انگریزی ترجمہ والے دو مسودے اس طرح کسمپرسی میں نہ پڑے رہتے۔ میں اپنی معروضات پیش کرنے کے بعد ذہنی طور پر تیار تھا کہ حضرت والا کچھ نہ کچھ نصیحت فرمائیں گے، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب حضرتؒ نے برجستہ فرمایا: ”تیرے پاس کام بہت ہے، تو یہ کام کسی اور کے سپرد کردے“۔ چنانچہ میں نے یہ کام اپنے عزیز و محترم دوست ڈاکٹر سید الحسن رضوی صاحب کے سپرد کردیا۔ وہ مجھ سے زیادہ ”پرفیکشنٹ“ تھے، جس کو حضرت علیہ الرحمۃ اپنی زبان میں ”بہت باریک پیسنا“ فرماتے تھے۔ مگر ڈاکٹر رضوی صاحب بھی اپنی خانگی مجبوریوں کی وجہ سے دس بیس صفحات سے زیادہ کی ایڈیٹنگ نہ کرسکے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ میرے اور ڈاکٹر رضوی صاحب کے ایڈٹ کردہ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ انگریزی ڈرافٹ ترجمہ میں جوں کے توں موجود ہیں۔

یہ تذکرہ اس لئے آیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی حقانیت کی مثال آج کل کے اولیاً اللہ کی زندگی سے دینا مقصود تھی، اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں کہ جب ”نزول عیسیٰ“ کے انگریزی ترجمہ کی کاپی حضرتؒ کے خواہرزادہ اور داماد محترم بھائی عبداللطیف صاحب نے پیسٹ کردی تو مجھے ماضی کی روش کے مطابق حضرت کو اس کام کی تکمیل پر مٹھائی کھلانے کی عادت پوری کرنی تھی، جو میں حضرت والاؒ کے دوسرے انگریزی تراجم کی کاپی جڑنے کے مواقع پر کیا کرتا تھا۔ یہ خوشگوار فریضہ امروز فردا کی نظر ہوتا رہا حتی کہ کاتب تقدیر نے مجھ پر رحم کھا کر اس پیش آنے والے واقعہ سے دو دن قبل حضرتؒ کی خدمت میں پہنچادیا، یہ ۱۶ مئی ۲۰۰۰ء تھی یعنی صفر کی ۱۱ر تاریخ تھی۔

میں تبدیل شدہ حالات اور اپنے ضعف کی بنا پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دفتر ختم نبوت کم جاتا تھا، اور جب جاتا تو تھوڑے فاصلہ پر بیٹھ جاتا تھا، جب حضرتؒ کی نظر مجھ پر پڑتی، تو اکثر سینہ مبارک سے لگا کر خیریت پوچھتے، چنانچہ ۱۶ر مئی کو بھی جب مجھے قریب بیٹھے دیکھا تو قریب بلا کر گلے لگالیا، میں بے ساختہ رو دیا، حالانکہ پہلے گلے لگ کر کبھی رونا نہ آیا تھا، ان کے پوچھنے پر کہ کیا حال ہے؟ میں نے غمزدہ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا جی

اچھا ہوں، چونکہ میری ایسی ملاقاتیں دفتر میں کم ہوتی تھیں اور حضرت والا اپنے اعلیٰ وارفع تحریری کام میں جناب اطہر عظیم صاحب کو املا بولنے میں مشغول ہوتے تھے، اس لئے مجھے جو بھی عرض کرنا ہوتا تھا، وہ طوطے کی طرح پڑھ دیتا تھا، چنانچہ میں نے جلدی جلدی بولنا شروع کیا، دو ڈبے مٹھائی کے سامنے رکھے اور عرض کیا کہ نزول عیسیٰ انگریزی کی کاپی جڑنے کی خوشی میں یہ مٹھائی ہے، یہ ڈبہ آپ کا اور دوسرا ڈبہ دفتر والوں کے لئے "الهدايا مشتركه" ہے، حضرتؒ نے تبسم فرمایااور مٹھائی قبول فرمالی۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے اس مواد پر جلن کڑھن بہت رہتی ہے، جو انگریزی اخباروں میں دین، علماٗ اور مدارس کے خلاف چھپتا رہتا ہے، اس پر نہایت شفقت کے انداز میں فرمایا: نہ جلیں اور نہ کڑھیں، بلکہ اپنا کام کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ ان کے آخری الفاظ ہیں جو میں ان کی زبان مبارک سے سن رہا ہوں اور نہ یہ خبر تھی کہ یہ میرا ان سے آخری مصافحہ ہے! اس دن میں خلاف معمول ٹھہر گیا کہ نماز ظہر ختم نبوت کی مسجد ہی میں ادا کروں گا اور ایک بار مزید نماز کے بعد حضرتؒ بنوری ٹاؤن درس حدیث کے لئے روانہ ہوں گے، ملاقات و مصافحہ کرلوں گا، چنانچہ میں دوسرے کمرہ میں جاکر بیٹھ گیا، اطہر عظیم صاحب ایک پھل کے چند قتلے لائے کہ حضرت نے دئے ہیں، میں نے خوش ہوکر کھالئے، ظہر کی نماز میں بھی حضرت کا پھر دیدار کیا، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ میرے لئے ان کا آخری دیدار ہوگا۔

حضرت سے متذکرہ مصافحہ کے فوراً بعد میں اپنے عزیز و محترم دوست و سرپرست و ہمدم دیرینہ مولانا سعید احمد جلال پوری کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت کی جانب سے فلاں صاحب کے نام خط لکھ دیں، انہوں نے قلم برداشتہ حضرت کی طرف سے ایسا نفیس خط چند جملوں میں لکھا کہ میں نے عرض کیا کہ میں ایسا خط ستر سال میں نہ لکھ سکتا، انہوں نے جواب دیا کہ تو نے جو ایک دو روز پہلے مجوزہ اشارات لکھے تھے یہ انہیں کا ثمرہ ہے، انہوں نے خط پر جو حضرتؒ کے لیٹر پیڈ پر تھا حضرت کی مہر بھی ثبت کردی، میں نے حضرت کے خادم محمد اجمل صاحب سے کہا کہ آپ اس پر حضرت کے دستخط کروالیجئے گا، دوسرے دن غالباً دو بجے دوپہر کو انہوں نے حضرت کے مبارک دستخط کروالئے اور حضرت نے حسب

معمول تاریخ ۱۱-۲-۲۱ھ بھی لکھ دی تھی، سوائے قسام ازل کے کسی کو یہ نہ معلوم تھا کہ یہ میرے لئے آخری تحریر ہے، میرے اس محبوب بندہ کی اور بیس گھنٹے بعد اس کو میرے پاس آنا ہے، آگے اور کیا لکھوں؟ آپ سب جانتے ہیں، اس طرح وہ تعلق جو اس بندۂ حق رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۸۶ء میں شروع ہوا تھا وہ اچانک ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کو ختم ہو گیا، میں کاتب تقدیر کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے حال پر رحم فرمایا اور میرے مخدوم، سرپرست، مربی اور ذریعہ نجات سے آخری ملاقات کرادی، ایسے حضرات کے لیے غالباً یہ شعر کہا گیا ہے:

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

............☆............

......ہماری محبت کا محور آنحضرت ﷺ کی ذات، آپ کی سیرت وسوانح اور اسوۂ حسنہ ہونا چاہیے۔ اگر جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو اپنی شکل، شباہت، وضع قطع اور لباس پوشاک حضور ﷺ جیسی بناؤ۔ میرے بھائیو! داڑھیاں مونڈنا بند کردو۔ یہ گناہ کبیرہ ہے، اور گناہ کبیرہ کرنے والے کو حضور ﷺ کی معیت نصیب نہیں ہوگی، اور حضور ﷺ ایسے کسی شخص کے سلام کا جواب نہیں دیتے جو داڑھی مونڈتے ہیں، بلکہ اس سے اعراض فرما کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

کتنی محرومی کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہو اور آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب نہ دیں۔ دعویٰ ہے حضور ﷺ کی محبت کا مگر شکل ہے انگریزوں اور یہودیوں جیسی۔ آج کے بعد وعدہ کرو کہ ڈاڑھی نہیں کاٹیں گے، کالر نہیں لگائیں گے، اے اللہ محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں ہمیں پھر نہ کسی نیکی میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کسی برائی کے تدارک کی گنجائش ہے۔ الا من تغمده الله رحمة۔

اکابر کے کفش بردار

مولانا سید محمد عفان منصورپوری، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھتے جاتے ہیں اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

وہ شخصیت جس کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے صدق گوئی کے لئے اور جس کے قلم کو تعلیمات کتاب وسنت کی نشرواشاعت اور باطل کی سرکوبی کیلئے پیدا کیا، جس کے قلم نے حکمران وقت کو بھی متنبہ کرنے سے دریغ نہیں کیا، جس کے قلم کی جولانی اور اثرانگیزی نے اگر ایک طرف بے شمار افراد کی اصلاح کی تو دوسری طرف باطل طاقتوں خصوصاً مرزائی ٹولے کے بے بنیاد عقائد کو نیست ونابود کرنے میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا، جس کے قلم سے رد قادیانیت کے سلسلے میں نکلنے والے رسائل نے مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کی شخصیت صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک مایہ ناز عالم دین، ایک بلند پایہ محقق ومحدث، دین اسلام کا ایک عظیم محافظ، ایک باغیرت وباحمیت انسان، تحریر میں اپنی مثال آپ اور صاحب نسبت بزرگ ہونے کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں، جس نے حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ اور محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ جیسی

عبقری شخصیات کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر اپنی روح کو جلا بخشی۔

مگر افسوس ملت اسلامیہ کے اس گنجینہ علم وفن کو چند بدبختوں نے بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا کر دیا-انا للہ وانا الیہ راجعون-

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دست ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل میں ہی حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

حضرت مولاناؒ اور ان کے ڈرائیور کو تو شہادت کا وہ عظیم مرتبہ ملا جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی، مولانا مرحوم کی گرانقدر خدمات کا صلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب شہادت سے سرفراز فرما کر دے دیا جن کے جنتی اور منعم علیہ ہونے پر دنیا ہی میں مہر لگادی گئی ہے-دوسری جانب محروم القسمت قاتلوں نے امت کے اس مایہ ناز فرد کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ذلت ورسوائی کو خرید لیا اور اپنے جہنمی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اس دنیائے دنی کو چھوڑ کر تو سبھی کو جانا ہے مگر مولانا مرحوم کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

گزشتہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ کو جب محدث کبیر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ کا وصال ہوا تو ماہنامہ بینات میں مولانا مرحوم نے اپنے ادارتی مضمون میں لکھا تھا:

"موت کوئی اچنبھا چیز نہیں ہے کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے، یہ سنت بنی آدم ہے یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے، مگر بعض جانے والے کچھ اس شان سے جاتے ہیں کہ پورے عالم کو سوگوار کر جاتے ہیں، ان کے جانے پر زمین وآسمان روتے ہیں، ان کی موت سے صرف ان کا خاندان ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ دنیائے علم وعمل انکی موت پر نوحہ کرتی ہے، مجلس علم وادب ویران ہو جاتی ہے، ان کی موت سے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے، ان کے ذوق ومزاج، تقویٰ وتدین اور طہارت وپاکیزگی کے تذکرے دیر تک رہتے ہیں،

نظریں ان کی نظیر و مثال ڈھونڈتے عاجز آجاتی ہیں"۔

(بینات جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ)

شہید مرحوم کی لکھی ہوئی یہ تحریر آج خود ان کے اوپر حرف بحرف صادق آرہی ہے۔اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی رضا اور ضوان سے نوازے۔آمین

مولانا مرحوم اور دار العلوم دیوبند :

مولانا مرحوم کو دار العلوم دیوبند اور اس کے اکابرین سے والہانہ عقیدت و محبت تھی، آپ اکابر علمائے دیوبند کے حقیقی جانشین، ان کے علوم و معارف کے پاسبان اور ان کی روایات کے امین تھے، حق پر مضبوطی سے قائم رہنا اور باطل کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے رہنا آپ نے اکابرین دار العلوم ہی سے سیکھا تھا، قصر نبوت پر ڈاکہ زنی کرنے والے مرزائی ٹولے کے خلاف آپ کے نوک قلم سے نکلنے والے بے شمار مضامین، درجنوں وقیع رسائل اور کتابیں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں اسی سوز و تڑپ کا نتیجہ ہیں جو آپ کو حضرت بنوری علیہ الرحمہ سے وراثت میں ملی تھی۔

مجھے تو اس وقت مولانا مرحوم کی وہ یادگار تحریر ذکر کرنی ہے جو انہوں نے مادر علمی دار العلوم دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے لکھی ہے :

> "دار العلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ اس پر بہت سے حضرات بہت کچھ لکھیں گے، مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ تجدید احیاءِ دین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدد الف ثانیؒ، محدث دہلویؒ اور شہید بالاکوٹؒ جس امانت کے حامل تھے، دار العلوم اس وراثت و امانت کا حامل تھا، لوگ "مدرسہ عربی دیوبند" کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں، کوئی اسے علوم اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی جہاد حریت کی تربیت گاہ اسے قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت و عزیمت اور سلوک و تصوف کا مرکز سمجھتا ہے، لیکن میں حضرت حاجی صاحبؒ (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) کے لفظوں میں اسے

بقائے اسلام اور تحفظ دین کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

دوسرے لفظوں میں آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں، مجددین امت کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا دارالعلوم دیوبند اپنے دور کے لئے مجددین امت کی تربیت گاہ تھی، یہیں سے مجدد اسلام حکیم الامت تھانویؒ نکلے، اسی سے دعوت و تبلیغ کی تجدید کی تحریک ابھری، جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں، یہیں سے تحریک حریت کے داعی تیار ہوئے، یہیں سے فرق باطلہ کا توڑ کیا گیا، یہیں سے محدثین، مفسرین، فقہائ، اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی، مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغہ شخصیتیں تیار کیں، بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید واحیائ کے لئے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا۔ اس لئے دارالعلوم کو اگر تجدید اور احیائ دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو شاید یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا“۔

(الرشید، دارالعلوم نمبر ۶۶۷)

یہ ہیں مولانا مرحوم کے وہ الفاظ جن سے انہوں نے برصغیر ایشیائ کی عظیم دینی درسگاہ کو اپنا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

ہم نے اور ہم جیسے بہت سے طلبہ نے مولانا مرحوم کی زیارت نہیں کی تھی، مگر آپ کے مضامین پڑھ کر ایک قلبی ربط و تعلق پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند میں آپ کی اچانک وفات کی خبر پہنچی تو پوری فضا سوگوار ہوگئی، ہر طالب علم کے چہرے سے رنج والم کے آثار نمایاں ہوگئے، دارالحدیث تحتانی کے بابرکت ہال میں تمام حضرات اساتذہ کرام اور طلبہ جمع ہوئے، سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا گیا، کئی قرآن ختم کئے گئے اور مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعائیں کی گئیں، تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اجمالاً ذکر کیا، رد قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی بیش بہا خدمات کو سراہا۔ آخر میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث (ثانی)

دارالعلوم دیوبند نے مولانا مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اوصاف جمیلہ سے سامعین کو روشناس کرایا اور بلندی درجات کیلئے دعا کی۔

مولانا مرحوم اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ :

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے مولانا مرحوم کو عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی جو ان کی تحریروں سے ظاہر وباہر ہے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

”حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات واحسانات اس ناکارہ کے شامل حال ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط و تعلق نصیب فرمایا۔ فالحمد للہ ولہ الشکر۔ ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نور اللہ مرقدہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے :

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

چار بزرگوں سے اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی : حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت امام التبلیغ مولانا محمد یوسف الدھلوی نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ، اور حضرت سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ“۔ (شخصیات وتاثرات ص ۱۳۲-۱۳۳)

جنوری ۱۹۳۸ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے دور جدید کے نظریہ قومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :”موجودہ زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں“۔

اخبارات نے حضرت کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیا کہ وہ ”ملت از وطن کے قائل ہیں“ ڈاکٹر اقبال بھی اس اخباری مشاغبہ سے متاثر ہوگئے، اور حضرت کے بارے میں چند اشعار لکھ کر اخبارات میں شائع کرادئے، معاملہ نے طول پکڑ لیا بالآخر باہمی خط وکتابت

کے ذریعہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا اور ۲۸/ مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر اقبال کا اخبار ''احسان'' لاہور میں ایک تردیدی بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے حضرت کی شان میں کہے ہوئے اشعار کے واپس لینے کا اعلان کر دیا، ڈاکٹر صاحب کے تردیدی بیان کے بعد یہ مسئلہ سلجھ گیا اور بحث مکمل ہو گئی، اس اعلان کے تین ہفتہ بعد ڈاکٹر صاحب کا ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال ہو گیا، پھر اکتوبر میں ان کا آخری مجموعہ ''ارمغان حجاز'' کے نام سے شائع ہوا تو اس کے آخر میں یہ تین شعر بھی ''حسین احمد'' کے عنوان سے شامل کر دئے گئے جو بددیانتی کے سوا کچھ نہ تھا۔

۱۹۸۷ء میں جب مخالفین نے ان اشعار کو پھر اچھالنا شروع کیا تو مولانا مرحوم نے "ایں چه بوالعجبی است" کے عنوان سے ماہنامہ بینات میں ایک مفصل مضمون لکھا جس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

> ''ہم علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب جسٹس جاوید اقبال سے گزارش کریں گے کہ یہ خلاف دیانت کارروائی اور ''ارمغان حجاز'' کے لئے اس کے مرتبین کیلئے بلکہ خود ان کے والد گرامی قدر علامہ اقبال مرحوم کیلئے بھی نہایت ننگ وعار کی موجب ہے، ان کا فرض ہے کہ اس خیانت وبددیانتی اور اس ننگ وعار کے غلیظ دھبہ سے کتاب کو پاک کریں اور ان اشعار کے نیچے نوٹ لکھ دیں کہ حقیقت واقعہ معلوم ہونے کے بعد علامہ نے ان اشعار سے رجوع کر لیا تھا، اس سے نہ صرف پچاس سالہ خیانت وتہمت تراشی کے گناہ سے توبہ ہو جائے گی، بلکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی سنت ایک بار پھر زندہ کرنے والے ہوں گے، اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ظاہر ہے کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود رہے گی اس تہمت تراشی کا گناہ ان کے حصے میں آتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر کسی ناکردہ گناہ کا الزام عائد کرنا تہمت اور بہتان ہے، اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جیسے سرتاج اولیاً پر ایسی تہمت تراشی ایک مہلک زہر ہے۔ جناب جسٹس جاوید اقبال ان اشعار پر

ایسا نوٹ شائع کر کے آج بھی اس زہر کا تریاق مہیا کر سکتے ہیں لیکن کل جب آنکھیں بند ہوں گی تو اس کا کوئی تدارک وہ نہیں کر سکیں گے :

من نمی گویم کہ دربند زیاں یاسود باش
اے زفرصت بے خبر درہرچہ خواہی زود باش"

حضرت شہیدؒ اس کے بعد مضمون کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت مدنیؒ اپنے دور کے ولی کامل، بلکہ سر کردہ اولیاء اللہ تھے، پاکستان کی بنیاد ہی ان کی توہین اور گستاخی پر رکھی گئی، اور آج تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، کاش کوئی دانش مند ان کو فہمائش کرتا کہ آپ لوگ ایک مقبول بارگاہ الٰہی سے عداوت کر کے کب تک خدا تعالیٰ سے جنگ لڑتے رہیں گے۔"

راقم الحروف (حضرت لدھیانویؒ) نے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ :

"انہیں حضرت مدنیؒ سے غایت درجہ کی عقیدت وارادت تھی اور ان کے بے حد مداح تھے، ہمارے ملک پر جو آفات وبلیات کا متواتر نزول ہو رہا ہے اس کا باطنی سبب حضرت (بنوریؒ) کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت مدنی قدس سرہ کی بڑی توہین کی ہے اور انہیں ایذائیں پہنچائی ہیں، جب تک کہ اس جرم سے توبہ نہ کی جائے اور اس کی معافی بارگاہ قدس سے نہ مل جائے تب تک اصلاح احوال کی کوئی صورت نہیں۔" (بینات بنوری نمبر ۸۱۱)

ناکارہ راقم الحروف (حضرت لدھیانویؒ) کو حضرت مدنیؒ کے مرتبہ ومقام عالی کی معرفت کا دعویٰ نہیں کہ مقام نبوت کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مقام ولایت کو ولی کے سوا کوئی نہیں پہچانتا، "ولی را ولی می شناسد" مشہور مقولہ ہے، لیکن عمر جوں جوں ڈھلتی جارہی ہے، حضرت بنوریؒ کے مندرجہ بالا ارشاد پر یقین واذعان میں اضافہ ہوتا

جارہا ہے، میں یہاں کے ارباب حل و عقد، اہل فکر و دانش، اصحاب قلم، اور عوام و خواص کی خدمت میں نہایت اخلاص و دل سوزی سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مدنی ؒ کی توہین و بے ادبی کا بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں، خدارا یہ سلسلہ اب بند کر دیا جائے، جس شخص نے بھی اپنی زبان و قلم کو حضرت ؒ کی بے ادبی سے آلودہ کیا اس نے اپنی عاقبت بربادی کا سامان پیدا کیا، ابھی وقت ہے اس جرم عظیم سے پوری قوم توبہ کرے، اور وارثین اقبال کا فرض ہے کہ وہ حضرت مدنی ؒ کی خاطر نہیں تو کم از کم روح اقبال کی تسکین کے لئے اقبال کے متعلقہ اشعار کو ارمغان حجاز سے حذف کر دیں......

اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہیں تو کم سے کم ان پر نوٹ ہی لکھ دیں کہ اقبال نے وفات سے تین ہفتہ قبل ان سے رجوع کر لیا تھا۔ امید ہے میرے اس خیر خواہانہ پیغام پر ارباب حل و عقد بھی کان دھریں گے، ارباب خامہ و قرطاس بھی اور خداوندان عدل و انصاف بھی ورنہ "بر رسولاں بلاغ باشد و بس"۔

(متحدہ قومیت علماءِ اسلام کی نظر میں ص ۱۱۲-۱۱۳)

مولانا مرحوم کے اس مضمون کو معتقدین اقبال کی جانب سے نشانہ بنایا گیا اور طرح طرح کی خامیاں نکالی گئیں جو تفصیل طلب ہیں، مولانا نے سب کا دوبارہ تسلی بخش اور مسکت جواب دیا جس کا عنوان تھا "آئینہ جو دکھایا تو برا مان گئے"۔

ان اقتباسات کو جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے لیگیوں اور ڈاکٹر اقبال کے معتقدین کے سامنے بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا دفاع کیا، یہ ان کی حضرت مدنیؒ کے ساتھ سچی محبت اور بے لوث عقیدت کا آئینہ دار ہے۔

بیعت کے اثرات

مولانا حماد اللہ شاہ شیرازی کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامع العلوم والحکم، پیکر صدق ووفا، مجسم تواضع، میرے شیخ اور مربی کی شہادت ایسے وقت میں ہوئی کہ ابھی دنیا کو ان کی ضرورت تھی۔

شہید ختم نبوت حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ درس و تدریس کے شہسوار، مسند علم و عمل کے صدر نشین، خلوص واخلاص، زہد و تقویٰ کے پیکر، حسن صورت اور حسن سیرت کا مجسمہ تھے، حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن باطنی کے ساتھ ساتھ جمال ظاہری سے بھی خوب خوب نوازا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے چہرے پر بلا کی رعنائی اور کشش تھی، ہمارے حضرتؒ سے جو بھی ملنے آتا یہ تأثر لے کر اٹھتا کہ حضرت اقدس سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، آپ کی دل ربا مسکراہٹ ہر انسان کو اپنا دیوانہ اور گرویدہ بنا دیتی جس سے پریشان قلوب کو سکون اور پراگندہ خاطروں کو اطمینان حاصل ہوتا اور جی چاہتا کہ حضرت کی یہ مجلس ختم ہی نہ ہوتی اور اسی طرح ہم حضرت کی خدمت میں بیٹھے رہتے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے زمانہ طالب علمی میں ہمارا حضرت کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ تھا، بلکہ دل میں آپؒ کا ایک خوف اور رعب بیٹھا ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آٹھ سال میں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت اپنی مسند سے اٹھے ہوں یا کسی دوسرے دفتر میں گئے ہوں، حضرتؒ کا معمول تھا کہ صبح گھر سے تشریف لاتے آکر اپنی مسند

پر بیٹھ جاتے، صرف نماز ظہر کیلئے مسجد تشریف لے جاتے اور نماز سے فارغ ہوتے ہی دوبارہ اپنی جگہ آکر بیٹھ جاتے-اور عصر سے پہلے گھر تشریف لے جاتے-

طالب علمی کے دور میں گاہ بگاہ برادر محترم مولانا مفتی جمیل خان کے ساتھ حضرت کے دفتر میں چلا جاتا، جب بھی گیا ہمیشہ حضرت کو کچھ لکھتے یا مطالعہ کرتے پایا-اس لئے نہ تو حضرتؒ سے کبھی بات کرنے کی ہمت کر سکا اور نہ ہی ایسا موقع آیا-

آج سے تین سال قبل عمرے کا ارادہ ہوا، برادر محترم مفتی محمد جمیل خان سے تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں حضرتؒ کے ساتھ جارہا ہوں، ان شاء اللہ حرم میں ملاقات ہوگی-حرم میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق حکم صادر فرمایا کہ سامان لے کر فلاں جگہ پہنچ جاؤ، مفتی صاحب کے حکم سے سر تابی ممکن نہ تھی، لیکن ان کے اس حکم کے بعد ایک عجیب سی کیفیت ہوگئی، کیونکہ مفتی صاحب حضرت کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اور زندگی میں چونکہ کبھی حضرتؒ سے اتنا قرب نصیب نہیں ہوا تھا، اس لئے وہ حجاب عجیب سوہان روح پیدا کر رہا تھا، دوسری طرف زمانہ طالب علمی کا خوف اور رعب بھی دل میں تھا، اور یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ حضرت کے ساتھ رہنے میں شاید ان ادب و آداب کا پاس نہ کر سکوں جو کسی اللہ والے کے شایان شان ہو سکتے ہیں تو کہیں "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق نہ ہو جائے-اس کے علاوہ دور حاضر کے رسمی پیروں کے رکھ رکھاؤ اور بے جا تکلفات سے بھی طبعی تنفر اس کی راہ میں رکاوٹ تھا، مگر مرتا کیا نہ کرتا، سامان لے کر مطلوبہ جگہ حاضر ہو گیا، جب نماز مغرب کے بعد حضرت کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا، تو میرے دل میں حضرتؒ کے رعب و جلال کی جو تصویر اور سوچ و فکر زمانہ طالب علمی سے بنی ہوئی تھی، حضرت کو پہلی ہی مجلس میں اس کے بالکل برعکس پایا-نہ تو آپ میں پیروں والے طور طریقے دیکھے، نہ رسمی رکھ رکھاؤ اور نہ بے جا تکلفات، بلکہ بے تکلف گفتگو اور گفتگو میں بے انتہا اپنائیت! اور اس طرح کا ماحول جس طرح ایک گھر کے افراد کا ماحول ہوتا ہے-حضرت جس طرح اپنے صاحبزادوں سے گفتگو اور مزاح فرماتے اسی طرح مجھ سے بھی دل لگی فرماتے-حضرت کی شفقت کی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں حضرت کے کنبہ کا ایک فرد ہوں، حضرت کی بے پناہ محبت دیکھ کر یہ محسوس

ہوا اور یہ بات پختہ ہو گئی کہ جو باتیں اور صفات ہم نے اکابرین علمأ دیوبند اور علمأ امت کے بارے میں سن اور پڑھ رکھی تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ تمام صفات حضرت شہید رحمہ اللہ میں جمع فرمادی ہیں- اسلئے دل میں یہ بات آئی کہ عرصہ سے جس شخصیت کی تلاش میں تھا کہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دوں! وہ حضرت سے بہتر کون ہو سکتی ہے؟ حضرت کی سادگی، بے پناہ محبت، اپنائیت، تواضع، فنائیت، تقویٰ وطہارت اور زہد و عبادت کے باوجود نہ تو آپ میں دوسرے پیروں کے سے انداز اور نہ رسمی رکھ رکھاؤ تھا- یہی وہ خاص امتیازی اوصاف تھے جن کی وجہ سے میں حضرت کا گرویدہ ہو گیا، لیکن ایک ہلکا سا خوف پھر بھی دل میں تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حضرت کے معیار پر پورا نہ اتر سکوں؟

اپنی یہ تمام تر کیفیت برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان سے عرض کی، اور مشورہ طلب کیا، انہوں نے فرمایا: ”بیعت ہو جاؤ“ ان کے مشورہ کے بعد میں حرم میں گیا وہاں جا کر دعا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجا کی کہ اے اللہ صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما، اس کے ایک دو دن بعد ہی رات کو خواب دیکھا کہ حضرت اقدسؒ مجھے سورہ فاتحہ پڑھا رہے ہیں، ایک آیت پڑھ کر مجھے فرماتے ہیں کہ پڑھو پھر میں پڑھتا ہوں-

بیدار ہونے کے بعد میری کیفیت ہی بدل گئی اس کے اگلے دن نماز مغرب کے بعد میں حضرت سے بیعت ہو گیا، اس سفر میں بقیہ جتنے دن بھی حضرت کے ساتھ اور آپ کی صحبت میں گزرے ان کی چاشنی، لذت اور سرور کے بیان کے لئے زبان و قلم میں یارا نہیں-

بیعت کے بعد حضرتؒ کے ساتھ میل جول، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھے اور چلنے کا لطف و مزہ ہی کچھ اور ہو گیا- دل چاہتا کہ ہر وقت حضرتؒ کے ساتھ ہی رہوں، ہمارے کان ہوں اور حضرت کی باتیں سنتے ہی رہیں-

گزشتہ سال اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اور احسان کیا، وہ یہ کہ برطانیہ اور حرمین شریفین کا سفر حضرتؒ کی معیت میں ہوا، اور یہ میری خوش نصیبی! کہ اس سفر میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حضرت کی خدمت کا موقع دیا-

برطانیہ کے سفر میں فجر سے لے کر عشا تک ہر نماز کے بعد حضرت کا بیان سننے کا موقع ملا، لیکن ہر بیان دوسرے سے الگ اور مختلف ہوتا- کم وبیش تقریباً ۱۵ یوم کے بیانات

میں، میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ کبھی کسی پچھلے بیان کی کوئی بات دوسرے بیان میں فرمائی ہو، اس سے حضرت کی جامعیت، گہرائی و گیرائی اور تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرتؒ سے قرب کے بعد پتہ چلا کہ ہمارے شیخ صرف ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ آپ ایک تحریک اور اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، ایک طرف اپنی پوری زندگی ختم نبوت کیلئے وقف کی ہوئی ہے، کہ پوری دنیا میں ختم نبوت کے منکرین کا تعاقب کرتے رہے بلاشبہ پوری دنیا میں ختم نبوت کا کام آج ان کے فیض کا مرہون منت ہے، اس لئے کہ تردید قادیانیت کے موضوع پر پڑھا جانے والا مواد زیادہ تر ان کا تصنیف کردہ ہے۔ اور دوسری طرف عام فہم انداز میں پوری انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے محنت فرماتے رہے، اسی طرح جہاد کے میدان میں مجاہدین بھی ان کے مشوروں اور دعاؤں کے محتاج تھے، خلاصہ یہ کہ دین کی سربلندی کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں حضرت کی دعائیں، تائید وسرپرستی اور حصہ نہ ہو۔

اب وہ شخصیت کہاں سے لائیں جو ایسی بے شمار خوبیوں کی حامل ہو؟ اب وہ ہستی کہاں! جو زخمی قلوب اور دکھی انسانیت کو تسلی دے؟ اب وہ فرد کامل کہاں سے دستیاب ہوگا جس نے دنیا کے چپے چپے پر دیوبندیت کا علم بلند کیا ہے؟

ہمارے شیخ دنیا سے چلے گئے لیکن اس طرح کہ جس کی خود تمنا کی تھی اور آپ دنیا سے اس شان سے گئے اور دنیا نے دیکھا کہ جس شخصیت نے اپنی پوری زندگی گوشہ نشینی میں گزاری اور جس نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھا اس کے جنازے کی یہ کیفیت کہ پورا کراچی بلکہ پاکستان اسے سلامِ عقیدت پیش کرنے آیا، بلاشبہ ایسے ہی لوگ اپنے تقوے اور اخلاص وللٰہیت کی بنا پر لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ چلے گئے، انہوں نے انتہائی اونچا مرتبہ پالیا، لیکن ہم یتیم ہو گئے، بلکہ تمام دینی تحریکات یتیم ہو گئیں، ان کے چاہنے والے متوسلین اور مریدین یتیم ہو گئے، علماً اور طلباً یتیم ہو گئے کہ ان کا محسن چلا گیا، ان کا ظاہری اور باطنی سہارا ٹوٹ گیا۔ اور نصف صدی سے زائد عرصہ عظیم الشان دینی خدمات سرانجام دینے والا چمکتا دمکتا روشن ستارہ ماند

پڑ گیا، اور ہم سب کو چھوڑ کر اپنی ابدی آرام گاہ میں تشریف لے گیا:

افشائے رازِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

............☆............

......کیا یہ دین حق کا معجزہ نہیں ہے کہ دینی مدارس نے اپنوں کی سرد مہری اور غیروں کی ستم ظریفی کے باوجود بے بضاعتی، اور بے سروسامانی کے مایوس کن حالات میں بھی وراثت نبوی ﷺ کو محفوظ رکھا، یہی ان کا مشن ہے، اور اس میں وہ بتائید خداوندی کامیاب ہیں، اور جب تک اللہ تعالیٰ کو اس دین کا باقی رکھنا منظور ہے یہ دینی قلعے انشأ اللہ باقی رہیں گے۔ ولو کرہ الکافرون۔ اگر دینی مدارس کے ناقدین کو دین خداوندی سے ذرا بھی ہمدردی ہے، اور ان کے دل میں انصاف کی کوئی رمق باقی ہے تو انہیں دینی مدارس کی بدخواہی کا رویہ ترک کر دینا چاہئے، آخر دین کے اس آخری سہارے پر مسلسل یورش اور جارحیت سے ملک و ملت کے لئے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، انہیں کھلے دل سے مان لینا چاہئے کہ اس ملک میں دین کو باقی رہنا ہے، اور اس کے لئے دینی مدارس کا بقأ ایک فطری ضرورت ہے۔......

............☆............

......دینی مدارس پر پھبتیاں اڑانے والو! میرا معروضہ سن لو! اگر تم ان جدید تعلیمی اداروں کی اصلاح سے عاجز آچکے ہو تو ان اداروں کی زمام اختیار "مولویوں" کے حوالے کر کے دیکھ لو کہ وہ ان اداروں میں دینی خطوط پر نظام تعلیم جاری کریں۔ پھر "مولویوں" کی اعلیٰ ذہنی اور تعلیمی صلاحیتوں کا مشاہدہ کر لینا۔

کسی کو غلط فہمی نہ ہو، میں نصاب تعلیم کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہا بلکہ ان اداروں کے بگڑے ہوئے فرسودہ نظام تعلیم اور طریق تعلیم کی بات کر رہا ہوں۔ ان تعلیمی اداروں کا نصاب تعلیم بے شک جدید سے جدید اور اونچے سے اونچا رکھا جائے لیکن نظام تعلیم خالص دینی اور "مولویانہ" ہو تو ان اداروں کے صحیح سمت رواں دواں ہونے کی توقع ہو سکتی ہے، ورنہ یہ "بیمار صنعت" قوم کو دیوالیہ بنا دے گی، کیا ناخدایان قوم راقم کی ان گزارشات پر کان دھریں گے؟ اور قوم کو ان تعلیم گاہوں کے عذاب الیم سے نجات دلائیں گے؟......

تیغ مجاہد

قاری اسمٰعیل رشیدی ، شیفیلڈ برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم العصر، فقیہ الملت، مرشد العلماً اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا سانحہ شہادت امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے، کسی نے سچ کہا ہے :

”جب کسی عالم ربانی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا شگاف ہو جاتا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہو سکتا۔“

ٹھیک اسی طرح حضرت اقدس کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ قیامت تک پُر نہیں ہو سکے گا، دور حاضر میں حضرت اقدس کے فیض اور علوم وافادات سے لاکھوں انسانوں نے استفادہ کیا، لاکھوں زندگیوں میں آپ کے فیض صحبت سے انقلاب آیا اور بے شمار افراد نے آپؒ کی تصانیف سے اپنے عقائد وافکار کی اصلاح کی، خصوصاً آپ کے تحقیقی مضامین، اخباری کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“، اندرون وبیرون تبلیغی واصلاحی اسفار نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، غرض آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ دین اور خدمت دین کے لئے وقف تھا، آپ زندگی کے اس مرحلہ میں تھے کہ عمر مبارک ستر سال کے قریب تھی، فالج کے شدید حملہ سے صحت اور قوت بدن بے حد متاثر تھی، لیکن اس ضعف ذکمزوری کے باوصف ناموس رسالت کی حفاظت کے لئے بے چین رہتے،

دور دراز اور دشوار گزار اسفار کے لئے ہر وقت تیار اور پابہ رکاب رہتے تھے، آپ کی اس جرأت وہمت اور جوان ہمتی سے دشمنان اسلام سراسیمہ اور خوف زدہ رہتے تھے۔

آپ کی شخصیت وحدت میں انجمن کا مصداق تھی، آپ جہاں رد قادیانیت اور تردید رافضیت کے لئے صاعقہ آسمانی تھے وہاں آپ ہر باطل کے مقابلہ میں سدِ سکندری تھے، آپ بیک وقت تمام دینی، سیاسی، مذہبی اور جہادی تنظیموں کے سر پرست اور روح رواں تھے۔

اس ضعف وکمزوری اور بڑھاپے میں بھی ناموس رسالتؐ کے لئے جان کی قربانی دینا جہاں آپ کے عشق رسالت ﷺ کی علامت ونشانی ہے وہاں آپ نے اپنے پسماندگان اور آنے والی نسلوں کو یہ درس بھی دیا ہے کہ دشمنان اسلام کا دنیا کے گوشہ گوشہ میں تعاقب کیا جائے، اور اگر ضرورت ہو تو جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے، آپ کی تعلیمات رہتی دنیا تک انسانیت کیلئے روشن قندیل ثابت ہوں گی۔

اس ناکارہ آوارہ پر حضرت کی زمانہ طالب علمی ہی سے شفقتیں رہی ہیں، جس دور میں حضرت شہیدؒ ساہیوال سے دس دن کے لئے بینات کی تیاری کی غرض سے کراچی تشریف لاتے، بحمد اللہ ان دنوں حضرت کی قدم بوسی اور ٹوٹی پھوٹی خدمت کی سعادت میسر آتی رہی، یہ ان حضرات کی خدمت اور دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یورپ جیسی بے حس سرزمین میں بھی دین کے ساتھ وابستہ فرما رکھا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ انہی حضرات کی دعاؤں کے اثرات ہیں کہ آج امریکہ اور افریقہ کے جنگلات میں گلشن بنوریؒ کے جگہ جگہ پھول کھلے نظر آتے ہیں۔

فراغت کے بعد اگرچہ اس ناکارہ کا حضرت سے چنداں ربط نہیں رہا، اس لئے کہ ناکارہ نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا تھا، مگر ان کی رحلت کے بعد جب باقاعدہ حضرتؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا تو آپ کی شفقتیں مزید در مزید ہو گئیں، اس بار آخری سفر حج میں تو کچھ رنگ ہی اور تھا، ایک دن آپؒ مسجد نبویؐ سے اپنی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے تسبیح کی ایک دوکان کے پاس رکے اور فرمایا کہ فلاں تسبیح کا معلوم کرو، میں نے سعادت سمجھتے ہوئے اس تسبیح کا ایک درجن خرید کر پیش کیا، تو کسی قدر خفگی سے فرمایا میں اتنا ساری کیا کروں گا؟ میری تو موت کی تیاری ہے!

بس ایک دانہ چاہئے، مگر بہت ہی اصرار پر چار عدد تسبیحیں رکھ لیں اور باقی مجھے واپس فرمادیں۔

یوں تو حضرت شریعت کے ہر معاملہ میں حساس تھے مگر اسلامی وضع قطع اور شرعی شکل اور مسنون داڑھی کی خصوصی تاکید فرماتے، اور کہتے کہ داڑھی منڈوانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ یہ گناہ نماز، روزہ اور حج وزکوۃ کی ادائیگی کے وقت بھی برقرار رہتا ہے، چنانچہ اس سفر میں ایک دن آپؒ مسجد نبویؐ سے باہر تشریف لائے تو ایک صاحب جو پاکستانی تھے اور وضع قطع سے تعلیم یافتہ اور اچھے خاصے متمول معلوم ہوتے تھے، حضرت سے نہایت ادب اور اکرام سے ملے اور حضرت سے دعا کی درخواست کی، حضرت نے ان کو دیکھ کر رونا شروع کردیا، ہم سب حاضرین بھی رونے لگے اور وہ صاحب بھی رونے لگے، حضرت نے تھوڑی دیر بعد ان سے فرمایا بھائی آپ نے پوچھا نہیں کہ میں کیوں رویا ہوں؟ اس پر ان صاحب نے عرض کیا ارشاد فرمائیے آپ کیوں روئے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: بھائی میں نے جب تمہارے چہرے کو دیکھا تو مجھے اس لئے رونا آیا کہ آپ اس چہرے اور شکل کو لے کر حضور ﷺ کے دربار میں گئے ہوں گے؟ اس سے حضور ﷺ کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی؟ یہ سننا تھا کہ وہ شخص دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور روتے روتے کہنے لگا کہ حضرت! آئندہ کبھی بھی داڑھی نہیں منڈاؤں گا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے ان کے لئے دعا کی اور چل دیئے۔ دیکھئے حضرت کی ایک نگاہ توجہ نے اس خوش قسمت کو دائمی گناہ سے نجات دلادی۔ حضرت ہر سال جب ہماری مسجد میں تشریف لاتے تو جو آدمی نیا ہوتا اور اس کی پہلی مرتبہ حضرتؒ سے ملاقات ہوتی، حضرت انتہائی پیار اور شفقت سے اس سے داڑھی رکھنے کا ضرور وعدہ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی حسنات کو قبولیت سے نوازیں اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائیں، اور ان کی عظیم خدمات اور قربانیوں کو قبول فرمائیں اور ہم سب کو حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

جامع کمالات

عزت خان، برنلے، برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کو ہمارے محبوب اور محبوب خلائق حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہم سے جدا ہو گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون - حضرت اقدس جامع کمالات اور عبقری شخصیت کے مالک تھے، علم و عمل میں اپنے اکابر کی یادگار، اپنے دور کے بلند پایہ عالم دین، شیخ وقت، محدث، مفسر، مفتی، متکلم، مفکر، وکیل صحابہؓ، قائد تحریک ختم نبوت، عظیم مجاہد اور آخر میں شہادت کے عظیم مرتبہ سے فائز ہو کر تمام معاصرین سے سبقت لے گئے-

اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کو شرعی مسائل سمجھانے کا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا، غالباً ۱۹۸۶ء کا واقعہ ہے، حضرت اقدسؒ پہلی مرتبہ انگلینڈ تشریف لائے، ہم نے سنا کہ آج حضرتؒ کا بولٹن میں بیان ہے، میں انتہائی خوشی سے وہاں گیا، وہاں کوئی بڑی بلڈنگ تھی (غالباً گودام یا ویئر ہاؤس تھا) وہاں ہی حضرت اقدسؒ کی پہلی مرتبہ زیارت ہوئی، بیان کا موضوع رد قادیانیت تھا، اثنا بیان میں جب حضرت خاتم النبیین محمد عربی ﷺ کا نام نامی اور اسم گرامی آتا تو کچھ اس طرح پیار و محبت سے آپؐ نام لیتے کہ تمام سامعین اپنے دل میں اس کی محبت اور کشش محسوس فرماتے، مگر جب قادیانی لعین کا نام آتا تو لب و لہجہ تیز ہو جاتا اور آواز سے غیظ و غضب اور نفرت ٹپکنے لگتی-

اگرچہ احقر نے حضرت اقدسؒ کا زندگی میں یہ پہلا بیان سنا تھا مگر ایسی روحانی

کیفیت محسوس ہوئی کہ مجھ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا، میں آج تک دل میں اس بیان کی روحانی لذت محسوس کرتا ہوں۔

برطانیہ میں نعت پڑھنے والا اور احقر کا حقیقی بھائی محمد ہاشم خان عرصہ سے داڑھی رکھے ہوئے تھا مگر بہت چھوٹی سی۔ کئی بار احقر اور دوسرے احباب نے ان سے ڈاڑھی بڑھانے کی درخواست کی، سمجھایا اور خوب کوشش کی کہ: بندۂ خدا! داڑھی رکھنی ہے تو پوری رکھو، مگر "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق وہ اسکے لئے آمادہ نہ ہوئے، حسن اتفاق کہ ایک دفعہ احقر سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں بیماری کی وجہ سے نہ جاسکا، تو اپنے اسی بھائی محمد ہاشم خان صاحب سے درخواست کی کہ آپ کانفرنس میں تو جا ہی رہے ہیں ازراہ کرم حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی خدمت میں میرا سلام ضرور عرض کردیجئے گا، انہوں نے کہا بہت اچھا! لیکن جب وہ کانفرنس سے واپس آئے تو فرمانے لگے عجیب بات ہو گئی! میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگے میں سلام اور مصافحہ کیلئے حضرت اقدس کے قریب ہوا تو حضرت اقدسؒ نے قدرے جھک کر اپنا کان مبارک میرے قریب کردیا، میں قریب ہوا مصافحہ کیا اور آپ کا سلام عرض کیا، حضرتؒ نے میری داڑھی کو ہاتھ لگا کر فرمایا: "یہ کیا ہے؟" پھر فرمایا: "داڑھی بڑھاؤ اور داڑھی سنت کے مطابق رکھو"۔ اور کچھ دوسری باتیں بھی کیں.... حضرت نے کچھ اس طرح محبت و شفقت سے مجھے داڑھی بڑھانے کا فرمایا کہ اب میں نے پوری داڑھی رکھنے کا طے کر لیا ہے، وہ دن اور آج کا دن، بفضلہ تعالیٰ وہ صحیح شرعی پوری داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت اقدسؒ کی کتابوں سے احقر کی طرح بے شمار لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا، عقائد کی تفصیلات، گمراہ لوگوں کا رد، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید، مسائل کا حل وغیرہ کے علاوہ ہم حضرت اقدس کے مبارک قلم سے عجیب قسم کی ایمانی غیرت اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ہم لوگ ۳۱-۳۰ سالوں سے برطانیہ جیسے ٹھنڈے اور بے حس ملک میں رہتے ہیں مگر حضرت کی کتب، سال بھر کی ایک ملاقات، حضرت کی تشریف آوری، اور آپ کی گفتگو سے ہم اپنے اندر حرارت ایمانی محسوس کرتے تھے۔

شہر برنلے میں ہمارے ہاں مختلف اوقات میں حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان

صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مد ظلہم تشریف لا چکے تھے، مگر حضرت شہیدؒ کی تشریف آوری کی بہت کوشش کرتے، لیکن شومئی قسمت کہ ہر دفعہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ آجاتی اور حضرتؒ عین موقع پر تشریف نہ لا سکتے۔

مسلسل تین سال تک ہمارے ہاں برنلے میں اعلان ہوتا، اشتہار چھپ جاتے کہ حضرتؒ ہمارے ہاں تشریف لا رہے ہیں... لیکن آپؒ ہمیشہ نہ آسکتے، بالآخر یہ سعادت حق تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب مد ظلہم کے مقدر میں لکھی تھی کہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ تشریف لائے اور پھر بار بار ہم کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت کی تشریف آوری کے جو اثرات ہوتے وہ بیان کرنے سے باہر ہیں۔

ایک بار میں نے عرض کیا حضرت! میں نے آپ کی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" حرفاً حرفاً پوری پڑھی ہے بہت ہی خوب لکھی ہے اور لاجواب کتاب ہے اس پر حضرتؒ نے فرمایا:

"اس کتاب کو دیکھ کر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحبؒ نے مجھے ایک خط لکھا تھا کہ شیعہ حضرات سے ۱۰۰ سال تک "تحفہ اثنا عشریہ" کا جواب نہیں بن سکا تھا اور اب آئندہ ان شاء اللہ ایک سو سال تک وہ آپ کی اس کتاب کا جواب لکھنے کی کوشش میں سر پھوڑتے رہیں گے اور صبح قیامت تک وہ اس کا جواب نہیں دے سکیں گے"۔

ایک مرتبہ دوران سفر تھکاوٹ، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے لیٹے لیٹے احقر اور دوسرے احباب سے فرمایا کہ:

"ختم نبوت کے پرچار اور فتنہ قادیانیت کی تردید کے لئے جدھر چاہو لے جاؤ، جتنے شہروں میں چاہو بیان کروالو۔ اور جتنی جگہوں میں چاہو لے جاؤ۔ ہمارے اکابرؒ کو اطلاع تو ملتی ہوگی کہ پیچھے کوئی نالائق کوشش کر رہے ہیں"۔

میں نے یہ سن کر حضرتؒ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو آپ آبدیدہ ہوگئے تھے۔

حضرت اقدسؒ بہت ہی متواضع انسان تھے، آپؒ کے چہرہ مبارک پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی، تکالیف اور بیماری کے باوجود کبھی چہرے سے کمزوری اور تھکاوٹ کا احساس نہ ہونے دیتے۔ بہت ہی شفیق، مہربان، حلیم الطبع اور عظیم روحانی شخصیت کے مالک تھے۔

حضرتؒ بہت ہی مستجاب الدعوات تھے، چارلی شہر میں حضرت کا بیان ہوا، میں نے حضرت مفتی جمیل خان صاحب سے درخواست کی کہ حضرت اقدسؒ سے دعا کرانی ہے کیونکہ میرے دوست اور چارلی کے غازی مجاہد جناب عبدالبصیر صاحب کی والدہ ماجدہ، جو بہت ہی نیک خاتون ہیں، بہت سخت تکلیف اور بیماری میں مبتلا ہیں، حضرت اقدسؒ نے پانی پر دم کیا اور فرمایا کہ پانی اس خاتون کو پلایا کرو، اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی فرمائی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب پتہ چلا کہ بحمد اللہ حضرت کی دعا اور دم کے اثر سے اس خاتون کی تمام تکالیف ایک دم غائب ہوگئیں، اور بالکل تندرست ہوگئیں۔

حضرت اقدسؒ سے اللہ تعالیٰ نے تمام فرقہائے باطلہ کی سرکوبی کا کام لیا اور آپ نے ایسی ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو رہتی دنیا تک امت کی راہنمائی کرتی رہیں گی، جماعتوں کی جماعتیں بھی وہ کام نہیں کر سکتیں جو اکیلے حضرت اقدس نے سرانجام دیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے تمام اہل خانہ اور ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور آپؒ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

............☆............

......میرے بھائیو! صرف ایک قرآن کریم ہے، اس کی تعلیمات پر ہم عمل کریں گے تو یہ ہمارا سفارشی ہوگا۔ اور اگر ہم نے اس کو کنگال کر دیا۔ اس کو پس پشت ڈال دیا، اس کی قدر نہ کی اور رسول اللہ ﷺ نے ہم پر جو احسانات فرمائے، اور اپنے مقبول بندوں کی پیروی کا ہمیں حکم فرما کر کے گئے، اس کی ہم نے پرواہ نہ کی۔ تو پھر دیکھ لو کہ کیا ہوگا، خود سوچ لو۔ ایک لمحہ کے لیے ذرا سوچ لو کہ میری دنیا میں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی ہے اور میرے لیے چلنے کا حکم ہونے والا ہے۔ روزانہ ہوتا ہے ہمارے سامنے ایک محلے میں، دوسرے محلے میں۔......

سیدی و مرشدی

مولانا نعیم امجد سلیمی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء جمعرات کا دن عالم اسلام کو ایک المناک حادثہ اور جانگداز المیہ کی یاد دلاتا رہے گا اور مسلمانوں کو رلاتا رہے گا۔ کیونکہ اس دن دین اسلام کے ماہ درخشندہ، مسند ولایت کے صدر نشین، امام المجاہدین، مرشد العلماءؒ، سلوک و طریقت کے سجادہ نشین، عظیم مفکر، عجز و نیاز کے پیکر، سنت رسول کے عاشق، گلشن دین کے باغبان، شعائر اسلام کے محافظ، دین اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کے لئے شمشیر بے نیام، جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کے استاذ حدیث، متعدد دینی رسائل کے مدیر، چھوٹی بڑی سو سے زائد کتابوں کے مصنف، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، روزنامہ جنگ کراچی کے صفحہ اقرأ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے کالم نگار، جیش محمدؐ کے سرپرست، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کے مرید باصفا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت، مرشدی حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو انتہائی سفاکی اور درندگی کے ساتھ آپ کے باوفا ڈرائیور بھائی عبدالرحمٰنؒ سمیت شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون۔ان لله ما أخذ وله ما اعطیٰ و كل عنده باجل مسمیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز فرمایا اور ساتھ ہی آپ کی مقبولیت کو اس دنیا کے سامنے آپ کے جنازہ میں لاکھوں لوگوں کی شرکت کے ذریعہ ظاہر کردیا۔ کراچی کی تاریخ میں کسی جنازے میں اتنا بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا۔

مرشدی حضرت لدھیانوی شہیدؒ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے انہوں نے اپنے قلم کو "الدین النصیحة" کے تابع رکھا، صدر ہو یا وزیر اعظم، حکمران ہو یا محکوم، بدعتی ہو یا مشرک، صحابہؓ کا دشمن ہو یا رسول کا، منکر قرآن ہو یا منکر حدیث، تجدد پسند ہو یا ملحد و بے دین، اپنا ہو یا غیر، سب سے آپؒ کا معاملہ "الدین النصیحة" کے تحت تھا۔ اس بات کا اندازہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے بارے میں ہمارے حضرتؒ کے روزنامہ جنگ کے افتتاحیے اور مرحوم کے حادثہ میں اس فانی دنیا سے کوچ کر جانے پر ماہنامہ "بینات" کے اداریہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ دراصل میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی اس نیابت کو نبھا رہے تھے کہ ساری کی ساری امت جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والی بن جائے، اس کی خاطر آپ نے دشمنوں کے سنگریزے بھی برداشت کئے ہیں اور اپنوں کے طعنے بھی، لیکن آپؒ نے مسلک اعتدال کو کبھی نہیں چھوڑا، آپؒ نے اپنے معروف کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے ذریعہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو صراط مستقیم دکھایا، ہزاروں بے سکون گھر جنتِ نظیر بن گئے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی :

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ حقوق اللہ پر سختی سے پابند تھے، تکبیر اولیٰ کا خاص اہتمام فرماتے اور اپنے مریدین کو بھی اس پر پابندی کی تلقین فرماتے تھے بلکہ بیعت کے لئے یہ شرط لگاتے کہ پہلے تکبیر اولیٰ کا چلہ کرو پھر بیعت کروں گا، اگر کسی دن بغیر عذر شرعی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تو دوبارہ چلہ پورا کرو، اسی طرح دیگر فرائض کی بھی اپنے متعلقین کو پابندی کا حکم فرماتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر سختی سے عمل کرواتے تھے۔

حقوق العباد :

آپؒ حقوق العباد میں بھی بہت مستعد تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :"خیر کم لأھلکم وانا خیر کم لاھلی" پر بحسن وخوبی عمل کرنے والے تھے۔ بلاوجہ اپنے گھر کے کسی فرد کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرماتے تھے، خدام کے ساتھ تو ایسا مشفقانہ سلوک تھا کہ سب کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ دفتر کے رفقاً سے حتی الوسع خدمت نہیں لیتے تھے، سفر میں شریکِ سفر کا تو بہت ہی خیال کرتے تھے۔ چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ ایک قاری صاحب کی شکایت پہنچی، اسے بلایا اور غصہ سے ہلکی سی چپت لگادی، لیکن نماز ظہر کے فوراً بعد اسے بلاکر معذرت کی، یہ تھی ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان رفیع، اگر کوئی ضرورت مند آتا تو اس کی دادرسی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، کم از کم اس کے لئے دعا تو ضرور فرماتے۔

قرآن کریم سے عشق ومحبت :

حضرتؒ کو قرآن کریم سے بڑا شغف تھا، اکثر وبیشتر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور اپنے مریدین کو بھی کثرت تلاوت کی تلقین فرماتے، اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی کوئی قرآن کریم کے نام سے تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے، مدارس خصوصاً مکاتب قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت "اقرأ" کے سینکڑوں اداروں سمیت ہزاروں مکاتب قرآنیہ آپؒ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ : میرے گاؤں میں قرآن کریم پڑھانے کا انتظام نہیں ہے، کیا اس کی میرے اوپر ذمہ داری تو نہیں ؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :"ذمہ داری تو ہے، پھر گھر تشریف لے گئے ایک معتدبہ رقم لاکر میرے سپرد کرتے ہوئے فرمایا اس سے جگہ کا بندوبست کرو، حضرتؒ دو مرتبہ اس مدرسہ میں تشریف لے گئے اور بہت خوش ہوئے۔ آج بھی وہ مدرسہ دارالقرآن یوسفیہ کے نام سے پنجاب کے ایک دیہات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

اسی طرح اس سال حج سے قبل بندہ کے غریب خانہ پر بچیوں کے مدرسہ یوسفیہ میں میرے بچہ کے ختم قرآن اور خانقاہ زکریا عارفیہ یوسفیہ (ڈالمیا کراچی) کی افتتاحی تقریب میں، دورانِ وعظ فرمایا:

"میں بڑی عمر میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں اور الحمدللہ کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے اور اس وقت میری اولاد میں بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے نواسیاں اکثر حافظ ہیں۔ حاضرین مجمع سے فرمایا کہ میری ایک بات مانو وہ یہ کہ اپنے بچوں میں سے ایک بچے کو ضرور حافظ بنالو تاکہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہو جائے۔"

اس تقریب میں میرے والد (اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دیں) سمیت بہت سے مرد حضرات وخواتین نے حضرتؒ سے بیعت کا بھی شرف حاصل کیا۔

نیز فرمایا کہ اس مدرسہ میں اب بچیوں کے لئے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے لئے بڑی جگہ دے دیں اور آپ حضرات اس کے لئے کوشش بھی کریں کہ اسے بڑی جگہ لے کر دیں یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم سے تعلق کا اعلان تھا۔

عرصہ دراز سے آپؒ کا رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کا معمول تھا مگر گزشتہ کئی سالوں سے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین و متعلقین حضرات کے ساتھ مسجد "فلاح" میں اعتکاف فرماتے تھے۔ بندہ نے ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا کہ آپؒ ضعف کے باوجود مسجد کی اجتماعی تراویح میں قرآن سننے کے بعد اپنے صاحبزادے حافظ محمد یحییٰ سلمہ سے کھڑے ہو کر مزید تین پارے سنتے تھے اور آدھی رات کے بعد ایک اور قاری صاحب سے کئی پارے سنتے تھے۔ رمضان المبارک کے ابتدائی دنوں میں اپنے خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد عبداللہ مرحوم سے تراویح میں ۶، ۶ پارے روزانہ سنتے تھے۔ یہ صرف اور صرف قرآن کریم سے محبت ہی کا نتیجہ تھا۔

قادیانیت کا تعاقب:

یوں تو حضرت شہیدؒ ہر فتنہ کے لئے سد سکندری ثابت ہوئے، لیکن جو کام تنہا آپؒ سے اللہ تعالیٰ نے سارقین نبوت اور انگریز کے خود ساختہ شجرۂ خبیثہ یعنی قادیانیت کے خلاف لیا ہے اتنا

کام ایک مستقل جماعت کے کرنے کا تھا، آپؒ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں باقاعدہ طور پر محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی امارت کے دور میں کام شروع کیا۔ ۱۹۷۴ء کے آخر میں دفتر ختم نبوت ملتان تشریف لائے، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ کی رہنمائی میں قادیانیت کا باقاعدہ مطالعہ شروع فرمایا، کئی ایک رسائل: قادیانیوں کو دعوت اسلام، ربوہ سے تل ابیب تک، مرزائی اور تعمیر مسجد وغیرہ مرتب فرمائے۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف ''خاتم النبیین'' کا ترجمہ فرمایا اور کئی ایک دوسری نادر کتب کی اشاعت کا بندوبست فرمایا۔ حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم مرکزی امیر منتخب ہوئے اور حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ نائب امیر بنے، حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد حضرت شہیدؒ کو نائب امیر منتخب کیا گیا اور آپؒ اس عہدہ پر تادم شہادت فائز رہے۔ حضرت شہیدؒ نے بیسیوں رسائل قادیانیت کے خلاف تحریر فرمائے جو تحفہ قادیانیت کے نام سے تین جلدوں میں منظر عام پر آچکی ہیں اور چوتھی جلد زیر طبع ہے۔

اس وقت قادیانیت کے خلاف پڑھا جانے والا لٹریچر تقریباً ۸۰ فیصد حضرت شہیدؒ کا تحریر کردہ ہے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان، مسجد باب رحمت، دفتر کراچی، لندن کا دفتر اور چناب نگر کے مدرسہ و مسجد کی تعمیر میں آپؒ کا نمایاں کردار ہے۔ آپؒ نے برطانیہ، افریقہ، انڈونیشیا وغیرہ کئی ممالک کے تبلیغی دورے کئے اور لاکھوں لوگوں کو فتنہ قادیانیت کی دسیسہ کاریوں اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت سے روشناس کرایا، وفاقی شرعی عدالت، سپریم کورٹ اور دیگر کئی عدالتوں میں آپؒ کے ایمان افروز بیانات ہوئے۔ جنوبی افریقہ کی عدالتی کارروائی میں آپؒ برابر شریک رہے، ہر سال چناب نگر میں مبلغین ختم نبوت کی ایک بڑی تعداد کو قادیانیت کے خلاف دلائل حقہ سے لیس فرماتے رہے۔

راقم کا حضرتؒ سے تعلق:

شوال ۱۴۰۶ھ کی بات ہوگی کہ میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ سے جو میں نے بیعت کی تھی اس کی تجدید ہونی چاہئے، یوں تو یہ خیال کئی مرتبہ دل میں آیا لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اپنا ہاتھ کس کے ہاتھ میں دوں؟ ایک دن ہمت

کر کے سیدی و مرشدی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کے دفتر واقع جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پہنچ گیا، یوں تو میں ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ۴ سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا لیکن بد قسمتی سے حضرت شہیدؒ کے پاس زیادہ حاضری کا موقع نہ ملا، دو، تین بار شاید استاذ القراٗ حضرت مولانا قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سلام پہنچانے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت شہیدؒ کا نام تو میں نے کراچی آنے سے پہلے ہی بینات میں پڑھ رکھا تھا کیونکہ راقم الحروف (درجہ ثانیہ سے ہی بینات سمیت کئی رسالوں کا باقاعدہ خریدار تھا۔) احقر نے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی تو آپؒ نے شفقت فرماتے ہوئے شرف قبولیت بخشا۔ اس وقت میں اوقاف کی ایک مسجد میں امام و خطیب تھا باقی فارغ اوقات میں حضرتؒ کے پاس حاضری دینے لگا۔ ایک دن حضرتؒ نے پوچھا کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا فارغ ہوں۔ حضرتؒ نے مولانا سعید احمد جلالپوری (اللہ تعالیٰ ان کی عمر و علم میں برکت عطا فرمائے اور حضرت شہیدؒ کے مشن کو خوب احسن طریقہ سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے) سے مشورہ کے بعد "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کا کام میرے سپرد کر دیا۔ میں نے اس کو خدمت دین اور حکم شیخ سمجھ کر بسم اللہ کر دی۔ مرشدی حضرت شہیدؒ کے ساتھ راقم کو اللہ تعالیٰ نے کم و بیش پندرہ سال خدمت کا شرف بخشا، اس عرصہ میں کئی نشیب و فراز بھی آئے، لیکن حضرتؒ کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے استقامت عطا فرمائی۔ باوجودیکہ یہ ناکارہ ہمیشہ سے کوتاہ کام اور سست گام رہا لیکن پھر بھی حضرت شیخ شہیدؒ نے حسن ظن فرماتے ہوئے اس کوربا طن کو اپنے مجازین بیعت میں جگہ دی۔ چند سال قبل راقم الحروف کی اہلیہ نے بھی حضرتؒ سے بیعت کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی برکت سے اس ناکارہ کو اس سپرد کردہ عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور عمر بھر بزرگوں کے ساتھ جوڑے رکھے اور آخرت میں بھی ملحق بالصالحین فرمائے۔ (آمین)

میرے شیخ و مربی

محمد عتیق انور، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم سب نے سن رکھا ہے کہ ''موت العالم موت العالم'' اور پھر آج کے اس مادیت اور نفسا نفسی کے دور میں حکیم العصر، شیخ المشائخ، شہید اسلام، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جیسے مربی اور صاحب علم، جو دین کے ہر ہر شعبہ میں امامت کرتے ہوئے نظر آتے ہوں، ان کی شہادت امت کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے، اس سیاہ کار کو کچھ لکھنا لکھانا نہیں آتا مگر کسی شاعر کے بقول:

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا، تو مر جائے گا

اللہ رب العزت کی رحمت وعنایت تھی کہ اس نے اس نفسا نفسی کے دور میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جیسے استاد کو ایسا ہونہار تلمیذ عطا فرمایا جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی مراد بنا، جسے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی نے خلافت واجازت سے نوازا، تو پھر عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ نے بھی اسے اپنا جانشین نامزد کیا- یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ اللہ رب العزت انہیں اتحاد بین المسلمین کا ایسا داعی بنانا چاہتے تھے جو فتنہ قادیانیت، فتنہ گوہر شاہی، فتنہ انکارِ حدیث اور فتنہ رفض کی تردید اور دعوت و تبلیغ، تعلیم و تعلم، درس و تدریس، تالیف و تصنیف، سیاست و صحافت اور جہاد کی

اشاعت وترویج اور ہر ہر شعبہ حیات میں مدبرانہ انداز میں رہنمائی کے علاوہ عملی طور پر پہلی صف میں نظر آئیں۔

موجودہ دور کے منکرین ختم نبوت، رافضیوں اور بدعتیوں کے خلاف آپ زیادہ تر متفکر نظر آتے، آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں دفاع ختم نبوت کے ساتھ ساتھ قذاقان ختم نبوت کے خلاف اعلیٰ درجے کا جہاد کیا، آپ نے کلمہ طیبہ کے پہلے جز کے منکرین کے ساتھ ساتھ دوسرے جز کے منکرین کو امت مسلمہ کے لئے ناسور قرار دیا، اور فرمایا کہ مسلمان نہ جانے کیوں اپنے اندر چھپے منافق کو نہیں پہچانتا؟ اور ان سے اتنی نفرت نہیں رکھتا جتنا کہ ہونی چاہئے۔

کھلے کافروں سے زیادہ منافقین کی طرف توجہ:

یکم صفر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۶ مئی ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ ملتان ختم نبوت کانفرنس سے فارغ ہو کر خیر المدارس تشریف لے گئے، یہ حضرتؒ کا ملتان کا آخری سفر تھا۔ وہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ نے حضرتؒ کی خدمت میں نعت پیش کی، لوگ اچانک حضرتؒ کو دیکھ کر حیران بھی تھے اور بہت خوش بھی۔ اسی اثنا میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری بچی نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے، میری خواہش ہے کہ جواب آپ ہی دیں۔ سوال یہ ہے کہ: کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں، پہلے جز ''لا الہ الا اللہ'' کے منکر بے شمار ہیں، مگر دوسرے جز ''محمد رسول اللہ'' کے منکر چند ایک ہیں، جیسے قادیانی وغیرہ، جب کہ ہماری ساری محنت کلمے کے دوسرے جز کے منکرین کے خلاف ہوتی ہے، کھلے کافر یعنی منکرین توحید یا لا الہ الا اللہ کے خلاف اس قسم کی محنت کیوں نہیں؟ حضرت شہیدؒ بچی کی ذہانت پر بہت خوش ہوئے اور اُسے انعام بھی بھجوایا، اور اس کے سوال کے جواب میں فرمایا: اس لئے کہ ہم سب مسلمان جانتے ہیں کہ عیسائی، یہودی اور ہندو وغیرہ لا الہ الا اللہ کے منکر ہیں اور ہم ان سے نفرت بھی کرتے ہیں، مگر ''محمد رسول اللہ'' کے منکر ایک تو ہمارے اندر چھپے ہوئے ہیں، اور دوسرا اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلواتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہمیں جتنی نفرت ان سے ہونی چاہئے اتنا نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

حزم واحتیاط :

آپؒ کی تحریر میں اتنی پختگی اور علم میں اتنا رسوخ تھا کہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ آپ لکھتے جاتے اور کاتب کو دیتے جاتے کسی اصلاح وترمیم کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی، مگر محتاط اتنے کہ کوئی بات اکابر علماً کے ذوق ومزاج کے خلاف نہ فرماتے، تیزیٔ تحریر کا یہ عالم کہ اہل حق کی ہر دل عزیز کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' صرف ۷ یوم میں تصنیف فرمائی، مگر حزم واحتیاط اور اطمینان قلب کے پیشِ نظر اس پر نظر ثانی کے لیے چھ (۶) ماہ کا طویل عرصہ صرف کیا، آپ اپنے مشائخ کی خواہش وآرزو کا کتنا خیال رکھتے تھے ؟ اس کا اندازہ ''دنیا کی حقیقت'' کے چند صفحات کے مطالعہ سے ہی ہو جاتا ہے- اہل علم گواہ ہیں کہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے عوام کی رہنمائی کتنے واضح اور موثر انداز میں فرمائی-

دینی تحریکوں کی سرپرستی :

اکابر علمائے حق نے کبھی دین کے چھوٹے اور بڑے کام میں تعرض نہیں کیا بلکہ سرپرستی ہی فرمائی اور یہی شان حضرتؒ کی بھی تھی- حضرتؒ کو اتحاد امت کی بڑی فکر تھی اور علماً امت کے اتحاد کو اس کا نکتہ آغاز سمجھتے تھے- یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے ختم نبوت کے مشن سے خصوصی قلبی لگاؤ کے باوجود علما حق کے ہر نمایاں کام میں اپنا بھرپور اور موثر حصہ ڈالا- تبلیغی جماعت کی بھرپور تائید ونصرت فرمائی، اور حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ کو خلافت سے سرفراز فرمایا- سپاہ صحابہ کی مظلومیت کے دور میں کارکنوں کے سروں پر دست شفقت رکھا اور حضرت مولانا اعظم طارق مدظلہ کو جیل میں خلافت عطا فرماکر بزبان حال اعلان فرمایا کہ آپؒ کی شفقتیں، محبتیں اور دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور اگر بالفرض ان کے طریقہ کار میں کوئی خامی ہے تو اس کی اصلاح کی صورت بھی اختیار کرلی گئی ہے-

عملی سیاست سے تو آپ ہمیشہ کنارہ کش رہے لیکن نظریاتی طور پر جمعیت علما اسلام سے خاص تعلق تھا اور اسی تعلق خاطر کا اظہار تھا کہ آپ نے حضرت مولانا فضل الرحمن

مد ظلہ کو خلافت عطا فرمائی، اور اس طرح جمعیت علما اسلام کی سرپرستی بھی فرمائی۔
آپ تمام عمر قلمی و لسانی جہاد میں مصروف رہے، مگر عمر عزیز کے آخری حصہ میں عملی جہاد کے میدان میں بھی اترے، مجاہدین کو شفقتوں اور دعاؤں سے نوازا، حضرت مولانا مسعود اظہر صاحب مد ظلہ کو نہ صرف اپنی خلافت سے نوازا بلکہ جہاد کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت فرماکر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی سنت زندہ فرمائی۔ ان کی دعوت پر شہدا اور مجاہدین کی سرزمین افغانستان بھی تشریف لے گئے، خط اول پر تشریف لے جاکر جہاد میں عملاً شرکت فرمائی، (گو مختصر وقت کے لئے ہی سہی) آپؒ نے مختلف جہادی تنظیموں کو متحد کرنے کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔
اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اتحاد امت کے لیے کس طرح بے چین رہتے تھے اور آپؒ نے کس طرح علما کو ایک لڑی میں پرو رکھا تھا، آپؒ کی جامعیت، اثر اندازی اور مرکزیت و محبوبیت سے منافقین و مشرکین خوف محسوس کرنے لگے تھے اور شاید حضرتؒ کی شہادت بھی ان کے اس خوف کا نتیجہ ہو، لیکن :

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

معمولات کی پابندی :

مشائخ اربعہؒ .... حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کی اطاعت، عقیدت و محبت کا ثمرہ تھا کہ ہمہ وقت ضعف کے باوجود بھی ان کے تلقین فرمودہ معمولات کو چھوڑنا گوارا نہ فرماتے تھے، دیر تک مصروف رہنے کے باوجود اگر بارہ بجے رات بھی سوئے تو بغیر الارم اور بغیر کسی خادم کے اڑھائی، تین بجے اٹھ جاتے اور نماز تہجد کے بعد نماز فجر تک ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ روزانہ دفتر ختم نبوت میں تشریف لانا اور دن بھر تصنیف و تالیف میں مشغول رہنا، مریدین و متعلقین کے خطوط کے جواب، جامعہ علوم اسلامیہ میں تدریس، روزنامہ جنگ کے صفحہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے جوابات

لکھنا، عصر کے بعد مسجدِ فلاح میں مختصراً درسِ حدیث، ہفتے میں دو دن بعد نماز عشا بیان، ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار لاہور اور ہر ماہ کے تیسرے اتوار حیدر آباد میں بیان کے علاوہ اندرون وبیرون ملک اسفار اور اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کا اہتمام.... یہ سب اپنی جگہ بغیر تعطل سرانجام دیتے اور ساتھ ساتھ پانچ پارے قرآن مجید کی منزل، مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول ﷺ کی ایک ایک منزل کا پورا فرمانا گویا ان کی روحانی غذا تھی۔

حکمت ودانائی:

حضرتؒ انتہائی درویش صفت انسان تھے، انہوں نے موت سے پہلے موت کی تیاری کرر کھی تھی، چنانچہ آپ نے اپنے رب سے ملنے کی خواہش اور آرزو کی تو فوراً ہی قبول ہو گئی۔

ایک دفعہ جامعہ اشرفیہ، مسلم ٹاؤن لاہور میں حضرت مولانا عبید اللہ اشرفی اور حضرت مولانا فضل الرحیم مدظلہم کی درخواست پر حضرت اقدسؒ سے گزارش کی گئی کہ چند منٹ کے لئے یہاں جامعہ میں قائم ''معہد ام القریٰ'' (جو کمپیوٹر، انٹرنیٹ کا شعبہ ہے) میں تشریف لائیں اور برکت کی دعا فرمادیں، حضرتؒ بڑی شفقت سے وہاں تشریف لے گئے، وہاں ان حضرات نے، جو بڑی شدت سے آپ کے منتظر تھے، مدینہ منورہ کی کھجور سے تواضع فرمائی اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرتؒ سے کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی، اس پر حضرتؒ نے فرمایا ایک بات عرض کرتا ہوں:

> ''لوگ کہتے ہیں کہ موت آئے گی تو آنکھیں بند ہو جائیں گی، جب کہ میں سمجھتا ہوں کہ آنکھیں کھل جائیں گی، اس چھوٹے سے جہاں سے بہت بڑے جہاں میں منتقل ہو جائیں گے، یہاں سے پردہ ہو جائے گا وہاں سے پردہ اٹھ جائے گا، اور مومن اس کا مشتاق رہتا ہے، تیاری رکھتا ہے''۔

حضرتؒ کی تمام عمر اپنے مشائخ واکابر کی معیت میں گزری، وہ اکابر سے ملاقات اور تبلیغی وعلمی سفر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، جب اکابر سے ملاقات ہوتی تو ایک

مرید یا طالب علم کی حیثیت سے جاتے اور دیر تک باادب خاموش بیٹھے رہتے اور خیال رہتا کہ میں ان کی مصروفیات میں مخل تو نہیں ہو رہا، اجازت و رخصت کے وقت بڑی عاجزی سے دعا کی درخواست کرتے، عموماً فرماتے ”میں بہت سیاہ کار ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ ہر ایک مجھ سے افضل ہے“- ہر ایک سے عاجزی وانکساری سے ملتے اور اس کا اثر اس حد تک تھا کہ مسجد، مدرسہ سے نکلتے ہوئے یا داخل ہوتے ہوئے یا کہیں بھی سفید ریش نظر آجاتے تو چشم نم کے ساتھ معانقہ و مصافحہ کرتے اور اللہ کے حضور سفارش کی درخواست کرتے-

لاکھوں انسانوں کے مربی اور مرشد ہونے کے باوجود حضرتؒ نے اپنی بڑائی اور برتری کبھی ظاہر نہیں ہونے دی، آپ جب بھی، جہاں بھی اور جس محفل میں ہوتے اپنی کسر نفسی اور اپنی کمتری بیان کرتے-

ایک سفر میں حضرت کے مرید و مسترشد مولانا قاری شبیر احمد خان (نگران اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ) نے حضرتؒ کی خدمت میں ایک واقعہ نقل کیا کہ:

> ”میں بیعت ہونے سے قبل ایک مرتبہ حضرت اقدس پیر طریقت نفیس شاہ صاحب مدظلہم کے پاس بیٹھا تھا اور میں نے عرض کیا کہ بیعت اور اصلاحی تعلق قائم کرنے سے بہت خوف محسوس ہوتا ہے، کہ کسی کے آگے کیونکر اپنی سیاہ کاری بتلائیں گے، اور خدا کی نافرمانی کے ساتھ شیخ کی بھی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے-“
>
> اس پر حضرت شاہ صاحب مدظلہم نے تبسم کے ساتھ فرمایا: ”بھائی! یہ تو دنیا کی سب سے بے ضرر مخلوق ہے ان سے کیا ڈرنا....“- یہ سن کر حضرت شہیدؒ نے بھی تبسم فرمایا اور کہا کہ بالکل صحیح فرمایا-“ پھر فرمایا: اب میری بھی ایک بات سن لو:
>
> ”ان اللہ والوں کا عقیدہ ہے کہ ان سے بڑا سیاہ کار اور گناہ گار کوئی نہیں، کیونکہ ان کو اپنی کوتاہی اور لغزش پر اس قدر نظر ہوتی ہے کہ ان کو اپنے سے بڑا سیاہ کار کوئی نظر ہی نہیں آتا، مریدین پر بہت شفیق ہوتے ہیں اور ان کی کامیابی کیلئے ہر وقت دعا گو رہتے ہیں-“

آپؒ نہایت ہی نڈر، بے باک اور سنت نبویؐ پر عمل کرنے اور عمل کی ترغیب دینے والے تھے، آپ کے سامنے جب بھی کسی دنیاوی حکمران کے دبدبے کا ذکر ہوتا، اس کی شان وشوکت بیان کی جاتی تو فوراً اسے حرفِ غلط کی طرح ٹھکرا دیتے اور طریقِ نبویؐ پر چلنے کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ جو آدمی سنت نبویؐ پر عمل کرتا ہے اور دل میں خوفِ خدا رکھتا ہے اس سے زیادہ شان وشوکت والا کوئی نہیں۔

لاہور تشریف آوری پر ایک صاحب نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ کچھ حالات حاضرہ پر تبصرہ فرمائیں۔ جواباً فرمایا کہ مولوی تو کہتا ہی رہتا ہے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ کلنٹن آیا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں دیکھا اور مسکرا دیئے۔ ان صاحب نے دوبارہ کہا حضرت وہ آیا تھا اور بہت کچھ کہہ کر گیا ہے، اس پر حضرتؒ پھر مسکرا دیئے اور کہا کہ بھائی میں تو ایک دن قبل ہی حج کے سفر سے واپس آیا ہوں اور وہ نہ میرے سامنے آیا نہ ہی میرے سامنے گیا، وگرنہ یقین جانئے میں ضرور کچھ کہتا، اس پر ان صاحب نے تکرار جاری رکھی اور کہا کہ حضرت وہ جو کہہ گیا ہے اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوں گے آپ کچھ کریں، اس پر حضرتؒ بہت رنجیدہ ہو گئے اور فرمایا:

> ''نہ ہماری شکل سنت کے مطابق، نہ لباس سنت کے مطابق، جینے مرنے میں بھی ہم سنت کا مذاق اڑاتے ہیں، تو پھر اس کا خوف ہی ہو گا جس کو اللہ رب العزت نے آج تک غسل جنابت نصیب نہیں فرمایا، اور ایسے پر ایسے ہی مسلط ہوتے ہیں، فیصلہ کرنے والا اوپر بیٹھا ہے اور وہ ہمارے اعمال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اپنے آپ پر نظر کریں، ایسے آدمی سے کیا ڈرنا جس کو اللہ رب العزت نے ساری زندگی استنجا کرنے کی بھی توفیق نہ دی ہو؟:
>
> ہر قدم پر خوف کا اک نیا مرحلہ
> جب دلوں میں خوف خدا نہ رہا''۔

کوئی دنیاوی پریشانی یا مشکل کا ذکر کرتا اور دعا کی درخواست کرتا تو بڑی شفقت سے

فرماتے:

"دل سے دعا کرتا ہوں" اسکے بعد "میرا بھائی" کہہ کر مخاطب ہوتے، بڑی شفقت سے فرماتے "خلاف سنت کاموں سے توبہ کرو، شکل سنت کے مطابق بناؤ، تجارت، معیشت، شادی بیاہ اور دیگر معاملات میں صرف اللہ سے ڈرو اور سنت کے مطابق عمل کرو، یاد رکھو روز حشر نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ ان شاً اللہ! اللہ رب العزت آسانی پیدا فرمائیں گے، مشکلات دور ہوں گی اور غیر اللہ کی طرف سے تمام خوف و فتنہ سے محفوظ رہو گے"۔

اگر ہم سب چاہتے ہیں کہ ہم بھی ان کی طرح کامیاب ہو جائیں، تو حضرتؒ کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کریں، حضرتؒ کے معمولات کو پورا کریں اور کمی کوتاہی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ رب العزت ہمیں قیامت کے دن بھی حضرتؒ کے ساتھ اکٹھا فرمائیں اور ہماری (خصوصاً میری) سیاہ کاری پر پردہ ڈال دیں۔ آمین!

............☆............

......لادین قومیں پاکستان میں اسلام کے نفاذ سے خائف ہیں، اور وہ ہر قیمت پر اسے ناکام کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ کس قدر لائق شرم ہے یہ بات کہ ایک پارسی شخص پاکستان میں انسانی حقوق کمیٹی کا صدر بنا ہوا ہے۔ وہ نہایت جرأت و بے شرمی سے مسلمانوں کو اسلامی قانون سے بغاوت کا درس دیتا ہے اور ساتھ ہی "ہندوستان کے ترقی پسندانہ قانون" کے مطالعہ کی پاکستانی مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے۔ اس کی اور اس جیسے دوسرے نام نہاد قانون دانوں کی ساری زندگی انگریز کے قانون کفر کے مطابق فیصلے کرتے گزری ہے اور چونکہ ان کے دل و دماغ میں قانون کفر کی نجاست رچی ہوئی ہے اس لئے انہیں آج بھی ہندوستان کا قانون کفر عادلانہ نظر آرہا ہے، انہیں انسانی حقوق کی پامالی اگر نظر آتی ہے تو صرف قانون اسلام میں...... یہ مسلمانوں کی بے حمیتی اور بے غیرتی کا انتہائی نقطہ ہے کہ وہ ایک اسلامی ملک میں ایسے موذیوں سے خدا کی زمین کو پاک نہیں کر دیتے۔......

بھائی صاحب

بھائی عبدالستار، ملتان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میں حیران ہوں کہ اپنے بھائی صاحب کے حالات کہاں سے شروع کروں ؟ اور ان کے کون سے اوصاف وکمالات کو لکھوں ؟

آپ کی دو شادیاں تھیں، پہلی بیوی سے ایک بچہ اور ایک بچی ہے، اور دوسری شادی سے تین بچے اور تین بچیاں ہیں، جو سب کے سب شادی شدہ ہیں سوائے چھوٹے فرزند عزیز محمد یحیٰ سلمہ کے، جو ابھی زیر تعلیم ہے، اور بچوں میں سے ہر ایک آپ پر فدا ہوتا تھا، چھوٹے برخوردار نے تو عملی طور پر یہ مظاہرہ کر دکھایا کہ شہادت کے موقع پر یہی ساتھ تھا اور حضرت کے اوپر لیٹ گیا تاکہ گولی اسے لگے اور حضرت بچ جائیں، لیکن قدرت کے فیصلہ کو کون تبدیل کر سکتا ہے ؟ عزیز یحیٰ سلمہ کے جسم سے پار ہوتی ہوئی گولی حضرت کے جسم میں پیوست ہوگئی اور حضرت شہید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کریں اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

پچھلے سال کی بات ہے کہ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی سسرال جارہی تھی، حضرت اعتکاف میں تھے بچی ملنے کے لئے محراب کی جانب سے آئی، چونکہ وہ پہلی بار گھر سے جارہی تھی اس لئے بے کل ہوگئی اس پر آپ بھی آبدیدہ ہوگئے، محراب میں مجھے بھی بلا رکھا تھا، بعد میں

فرمانے لگے : ”بھائی یہ بچی میری جدائی برداشت نہیں کر سکتی“۔ اور سب سے بڑی بچی کا حال تو یہ ہے کہ حضرتؒ کی شہادت کو آٹھ ماہ ہو چکے ہیں لیکن وہ ابھی تک پوری طرح ہوش میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں کفالت فرمائے، غرض حضرتؒ کی شہادت نے آپ کے پورے خاندان کو کھوکھلا کر دیا، بقول ڈاکٹر پروفیسر محمد طیب لاہور : ”آپ سب کو یتیم کر گئے“۔

آپؒ نے ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم قصبہ جسووال میں حاصل کی۔ بعد میں ابتدائی کتب لدھیانہ میں شروع کیں، پاکستان بننے پر جہانیاں (ضلع ملتان) فقیر والی اور پھر دورہ حدیث خیر المدارس ملتان سے کیا، اور مولانا خیر محمدؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس کو بڑا کہا اس کی مان کر چلتے تھے، حضرتؒ کے کہنے پر روشن والا فیصل آباد میں تعلیم کا آغاز کیا، جہاں بڑی عمر کا ایک زمیندار چوہدری محمد طفیل طالب علم تھا، جس نے صرف نحو سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک آپ سے تعلیم حاصل کی، اس دوران کوئی دوسرا طالب علم ساتھ نہ تھا، ان صاحب نے آپ کو رہائش کے لئے مکان دے رکھا تھا، کیونکہ بچے آپ کے ساتھ تھے اور گزران کیلئے ۷۴ روپیہ آپ کو تنخواہ دیتا تھا۔

یہ جملہ معترضہ کہہ لیجئے کہ آپ نے کبھی تنخواہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کبھی تنخواہ کی رقم کو گنا، یہ آپ کی زندگی کا اصول تھا، بہر کیف ان صاحب کی تعلیم ختم ہوئی تو ساتھ ہی مدرسہ بھی ختم ہو گیا۔

اسکے بعد حضرتؒ کے پیر و مرشد نے آپ کی تقرری مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں کر دی، کیونکہ وہ مدرسہ بھی حضرت مولانا خیر محمدؒ کی زیر نگرانی چل رہا تھا، وہاں درجہ کتب کے دو استاد تھے ایک حضرت شہیدؒ دوسرے آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ہوشیار پوریؒ تھے جن سے آپ نے ابتدائی کتابیں جہانیاں منڈی میں پڑھی تھیں۔

ان حالات میں اس مدرسہ میں آپ کے لئے کام کرنا تو بہت آسان تھا لیکن کمی اس بات کی تھی کہ وہاں درجہ کتب کے طلباً بہت کم تھے اس کمی کو آپ نے اس طرح پورا کیا کہ عزیز و اقارب اور اپنے احباب و رفقاً حضرات کے ہاں مدرسہ کی تعطیلات میں تشریف لے جاتے جس کے ہاں دو تین بچے دیکھے ان میں سے ایک اللہ کے لئے مانگ لیا، بعض جگہ تو دو میں سے ایک کا بھی انتخاب کیا۔ اب الحمد للہ وہ تمام علماً، فضلاً، اور متقی صاحبان آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

یہ تو بہت سے حضرات کو علم ہو گا کہ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حافظ محمد سعید صاحب کے ساتھ حفظ کیا تھا، لیکن یہ بہت کم حضرات کو پتہ ہو گا کہ اس کے لئے آپ نے اپنے مرشد سے اجازت لی کہ صبح کو بچہ کو سبق یاد کرتے ہوئے اور شام کو چہل قدمی کرتے ہوئے، ان کا سبق سنتا ہوں اس پر مجھے بھی یاد ہو جاتا ہے کیا اس بات کی اجازت ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی حفظ کرلوں؟ جواباً ارشاد ہوا جس کا مفہوم یہ ہے کہ بہت ہی مبارک ہے لیکن مدرسہ کے کام میں حرج نہ ہو، یہ ہے تعلیم اشرفی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ آمین

فارسی زبان میں محاورہ ہے کہ "سگ باش برادرِ خورد نہ باش"۔ لیکن ہمارا معاملہ ایسا نہ تھا بلکہ اس سے الٹ تھا اپنی زیادتیوں اور انکی شفقتوں کے پیش نظر یہ سطور لکھتے ہوئے میری آنکھوں سے خود بخود آنسو جاری ہیں اگرچہ یہ ان کی کلفتوں کا تدارک نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بہت ہی خیر عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔ آمین۔ اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ سوائے فقیر والی کے آپ جہاں بھی گئے میں وہاں پہنچ جاتا تھا۔

یہ واقعہ میری موجودگی میں ماموں کانجن کا ہے کہ ایک نوجوان کئی دن سے چکر لگا رہا تھا اور اپنے مسئلہ کے حل کے لئے سرگرداں تھا، وہ مہتمم صاحب جناب حافظ حسام الدین سے کئی مرتبہ مل چکا تھا وہ چونکہ صرف حافظ تھے عالم نہ تھے وہ اس نوجوان کو مطمئن نہ کر سکے۔ اس نوجوان کی خلش نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج کے بارے میں تھی۔ مہتمم صاحب نے بڑے مولوی صاحب سے بات کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ نوجوان پڑھا لکھا ہے لدھیانوی صاحب کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ اس سے بات کریں، چنانچہ اس نوجوان کو کہہ دیا کہ آپ کل ظہر کے بعد تشریف لائیں دوسری طرف حضرتؒ کو بھی بتادیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہاں ہے وہ نوجوان؟ عرض کیا گیا آج تو چلا گیا ہے کل ظہر کے بعد آئے گا۔ آپ اسباق سے فارغ ہو کر بات کرلیں، فرمانے لگے دل خون کے آنسو روتا ہے کہ اب مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے تعدد ازواج سے متعلق اسلام دشمنوں کے غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہو رہے ہیں۔ دوسرے دن اس سے بات ہوئی، پہلے اس کا نام دریافت کیا شاید اس لئے پوچھا ہو گا کہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان بھی ہے یا کچھ اور بلا ہے، پھر اس سے تعلیم پوچھی اس نے کہا کہ بی اے کا طالب علم ہوں، یہ سن کر حضرت نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا بھائی تم پہلے نوجوان

ہو جو یہاں مسئلہ پوچھنے کے لئے تشریف لائے ہو، اس بات پر بہت مسرت ہے پتہ نہیں اس شہر میں سب عالم فاضل رہتے ہیں کہ کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑتی، آپ تو خدا کے فضل سے پڑھے لکھے ہیں آپ سے تو ہم بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ اور پھر فرمایا، بھائی اصل میں بات یہ ہے کہ :

۱ :..... نبی کریم ﷺ نے پچاس سال کی عمر تک ایک ہی زوجہ یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ زندگی گزاری جو بیوہ ہونے کے علاوہ چالیس سالہ تھیں حالانکہ انسان کی خواہشات کے عروج کا یہی زمانہ ہوتا ہے۔

۲ :..... آپ کو علم ہے کہ کفار مکہ کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس تین شرائط لے کر آیا تھا ان میں سے ایک یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ حسین و جمیل عورتوں کی خواہش رکھتے ہیں تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں لیکن کلمہ کی دعوت چھوڑ دیں، مگر آپ ﷺ کا جواب یہ تھا کہ یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں پھر بھی میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا اس میں تمہاری خلش کی نفی ہے، اس نے اقرار کیا کہ بالکل ٹھیک۔

۳ :..... آپ کو علم ہے کہ ایک نبی میں جنت کے چالیس آدمیوں کی قوت ہوتی ہے اور ایک جنتی نوجوان میں دنیا کے سو مردوں کی طاقت ہو گی اور دنیا میں ایک عام آدمی کو چار بیویوں کے نکاح کی اجازت ہے اس طرح آنحضرت ﷺ میں سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کی طاقت تھی مگر آپ ﷺ نے صرف چند بیویوں پر اکتفا کیا اور وہ بھی زندگی کے آخری مرحلہ میں! تو آپ ﷺ کی کتنی شادیاں ہونی چاہئیں ؟

۴ :... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ ﷺ کے تمام نکاح بیوگان سے ہوئے، کیا خواہشات کا بندہ ایسا کرتا ہے ؟

۵ :..... آپ جانتے ہیں کہ دین کا علم جو خواتین کے بارے میں ہے ایک باپ اپنی پیاری بیٹی کو بھی نہیں بتا سکتا، صرف بیوی اپنے خاوند سے پوچھ کر عورتوں کو بتا سکتی ہے، یہ فریضہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے ادا کیا (نوجوان سے متوجہ ہو کر بات سمجھ میں آرہی ہے ؟ جواب جی ہاں)

۶ :..... ام المومنین حضرت زینبؓ کے نکاح کی مصلحت تو خود قرآن پاک نے بیان

فرمائی ہے اور پھر اس پر خوب روشنی ڈالی۔

غرض آپ ﷺ کی ازواج مطہرات حضرت سودہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت جویریہؓ کے نکاح کا تذکرہ فرمایا اور وضاحت سے یہ بیان کیا کہ اس نسبت سے ان حضراتؓ کو کیا فائدہ پہنچا؟ اور کن کن کی دلداری کی، اور پوری امت کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟ کون کون سا قبیلہ اسلام کی طرف راغب ہوا اور بعض کے نکاح پر کتنے قیدی رہا ہوئے؟

جب یہ نمبر شمار چودہ پر پہنچا تو اس نوجوان نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضرت اب بس کریں اگر آپ مجھے انسان سمجھتے ہیں تو میں سمجھ چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے میری رہنمائی فرمائی ہے ورنہ کیا بعید تھا کہ اسلام دشمنوں کے غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر میرا ایمان ہی سلب ہو جاتا، یوں یہ مجلس نماز عصر سے پہلے شروع ہوئی اور نماز مغرب سے پہلے ہی اختتام کو پہنچی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت بھائی صاحبؒ کو یہ خاص ملکہ عطا فرمایا تھا کہ انسان کی سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو فرماتے اور ایسا جواب دیتے کہ آدمی لاجواب ہو جاتا۔

سپردگی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا سفر شروع کیا تو روشن والا ماموں کانجن، جامعہ رشیدیہ ساہیوال، وہاں سے دفتر ختم نبوت ملتان پھر مستقل کراچی دفتر ماہنامہ بینات، دفتر ختم نبوت یا جامع مسجد الفلاح نصیر آباد کہیں بھی اپنی مرضی سے نہیں گئے، جہاں بڑوں نے بٹھایا بیٹھ گئے، میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اب جو آپ نے رہائش اختیار کی ہے اس میں بھی آپ کی مرضی شامل نہیں ہے بلکہ لوگ کندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد خاتم النبیین لے کر گئے ہیں اور مستقل مزاجی کا عالم یہ ہے کہ اب وہاں سے صور اسرافیل ہی اٹھا سکے گی۔

حضرتؒ کی تحریر کی جامعیت کا اندازہ آپ اس جواب سے لگا سکتے ہیں جو انہوں نے "صراط مستقیم" کے محرک کے جواب میں لکھا تھا، میرے خیال میں پیش نظر تحریر کا یہ حصہ سائل کے پورے خط کا جواب ہے اور پوری امت کیلئے اس میں اصلاحی پہلو بھی ہے، چنانچہ آپؒ تحریر فرماتے ہیں:

"بحث و مباحثے سے انسان کی قوت عمل مفلوج ہو جاتی ہے اس

میں عام طور سے سمجھنے سمجھانے کا جذبہ مغلوب ہو جاتا ہے، اپنی اپنی بات منوانے کا جذبہ غالب آجاتا ہے خصوصاً جب کہ آدمی علوم شرعیہ سے پورے طور پر واقف نہ ہو، وہ حدود شرعیہ کی رعایت کرنے سے قاصر رہتا ہے، بسااوقات ایسا ہوگا کہ ایک چیز غلط اور ناحق ہوگی مگر وہ اسے حق ثابت کرنے کی کوشش کرے گا، بسااوقات اس بحث و مباحثے میں وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی عیب جوئی کرے گا، اور اس پر زبان طعن دراز کر کے اپنے نامہ اعمال سیاہ کرے گا، یہ ساری چیزیں مل کر اسے نہ صرف جذبہ عمل سے محروم کریں گی، بلکہ اس کی ذہنی ساخت میں قبول حق کی استعداد کم سے کم ہو جائے گی اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ صاحبان میں سے جس کو جس عالم دین پر اعتماد ہے اور وہ جس عالم دین کے بارے میں دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا ترس، محقق، عالم دین ہے اور محض رضائے الٰہی کی خاطر خدا تعالیٰ کا پیغام اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات لوگوں تک پہنچاتا ہے اس کے ارشاد کے مطابق عمل کرتے ہوئے کام میں لگا رہے، اور ان بحث و مباحثوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ذکر و تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن مجید اور دیگر خیر کے کاموں سے اپنے اوقات کو معمور رکھے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت شہیدؒ پوری کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" نہ بھی لکھتے تو امت کی راہ نمائی اور اختلاف و انشقاق سے بچنے کے لئے یہی ایک اقتباس کافی ووافی تھا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ سے اس مختصر حیات مستعار میں غیر معمولی کام لیا اور ایسے انوکھے اور اچھوتے طریقے سے کہ شاید اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی کے حصہ میں نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت بھائی صاحبؒ کی ان حسنات کو قبول فرمائے اور ہمیں اور ان کے تمام متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تدریس کا انداز

ڈاکٹر وسیم احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کو اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں کمال و رسوخ عطا فرمایا تھا، ذہن سازی اور رجال کار کی تیاری میں آپ کو خصوصی مہارت تھی۔ جس طرح تصنیف و تالیف میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ایسے ہی آپ کی تدریس بھی بے مثال تھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی خدمت میں حضرت کی اصلاح و تربیت کے انداز کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیم و تدریس کا انداز بھی پیش کردیا جائے چنانچہ ۲۱ شوال ۱۴۰۹ھ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو حضرتؒ نے پہلے دن جو ابوداؤد کا سبق پڑھایا، اسے جناب مولانا ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے قلم بند فرما کر محفوظ کرلیا تھا، وہ نذر ناظرین ہے:

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

حجیت حدیث کے تین طرق ہیں:

اول:.... قطعی امور یقینی اور متواتر ہیں۔ ان کا منکر کافر ہے، سنت کا حجت ہونا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وامابنعمة ربك فحدث" (والضحیٰ)
(ترجمہ: اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر)

یعنی جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجئے خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس

کاذکر "ووجدك ضالاً فهدیٰ" میں ہوا، اس کالوگوں میں پھیلانا اور کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے، شاید آپؐ کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ "فحدث" سے لیا گیا ہو۔

دوم :..... جو رسول اللہ ﷺ بیان فرماویں گے وہ سراپا ہدایت ہوگا۔

سوم :..... سورہ قیامہ میں ہے :"لاتحرك به لسانك لتعجل به" (القیامہ :۱٦)

فرمایا دو مشقتیں ساتھ ساتھ نہ اٹھایئے یعنی ایک سننے کی اور دوسرے پڑھنے کی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :"ان علینا جمعه وقرانه" (القیامہ :۱۱)

حضور ﷺ کے قلب اطہر میں جمع کر دینا اور پھر اسکو آپکی زبان مبارک سے پڑھوا دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا، اور آگے ارشاد ربانی ہے :"ثم ان علینا بیانه" (القیامہ :۱۱) (پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم الگ چیز ہے، اور اس کا بیان الگ چیز ہے۔ اسی بیان کا نام "حدیث" ہے، اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح بیان قرآن (یعنی حدیث) کا بھی ذمہ لیا۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بیان کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بات سمجھ میں نہ آسکے، اور اگر بات واضح ہو تو اسکی شرح کی ضرورت نہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ کیا اس بیان کی ضرورت صرف رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تھی ؟ اور بعد کی امت کو اسکی ضرورت نہیں ؟ اگر یہ بات ہے تو پھر بعد کی امت کا اپنے نبی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر بعد کی امت کا بھی وہی تعلق ہے جو صحابہ کرامؓ کو تھا تو جسطرح صحابہ کرامؓ کو آنحضرت ﷺ کی تشریح کی ضرورت تھی اسی طرح بعد والی امت بھی آپ ﷺ کی تشریح کی محتاج ہے، اب لازم ہوا کہ بیان (حدیث) کو باقی بھی رکھا جائے اور اسکی حفاظت بھی کی جائے۔

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا فرمایا اور حدیثیں محفوظ کر دی گئیں۔ قرآن پاک کا ایک ایک حرف قطعی ہے البتہ احادیث میں درجے ہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے ان کے منکر کا حکم مختلف ہوگا، مثلاً احادیث متواتر کا منکر کافر ہے۔ اور مشہور، صحیح، مقبول اور ضعیف حدیث کا منکر فاسق ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو حدیث کی درجہ بندی سے قطع نظر نفس حدیث کا منکر

کافر ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کریم آپ ﷺ کی احادیث اور آپ کی اطاعت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس کے لئے مجھے پانچ دفعہ قرآن پاک پڑھنا پڑا تب معلوم ہوا کہ تہائی قرآن اسی مسئلہ پر محیط ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی احادیث کی اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

۱:..... "ومارسلنامن رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ"۔(النسأ:۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔ (بیان القرآن)

اگر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت لازم نہیں جیسا کہ منکرین حدیث بکتے ہیں تو دین ہی ختم ہو جائیگا۔ جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا منکر ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد عزاسمہ ہے:

۲:..... "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ"۔ (النسأ:۵)

ترجمہ: جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، رسول ﷺ کی اطاعت تمام ایمانیات کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کو مانا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر، قرآن کو مانا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر، تمام غیبی حقائق مانے جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر۔ اگر حضور ﷺ کی بات قابل اعتماد نہیں، تو کوئی چیز بھی قابل اعتماد نہیں، امیر شریعت سید عطأ اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے تھے:

> "یہ تو میرے میاں (یعنی رسول اللہ ﷺ) کا کمال ہے کہ وہ فرمادیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ میرا کلام ہے۔ کیونکہ ایک ہی زبان مبارک سے دونوں کلام نکلے۔ لوگوں نے فرشتوں کو اترتے نہیں دیکھا صرف ادراک کیا۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک ہی سے قرآن پاک بھی نکلتا اور اسی زبان مبارک سے حدیث بھی نکلی"۔

یہاں تک توجیت حدیث کے دلائل، اور منکرین حدیث کی تردید تھی، اب چند آداب

(حدیث کے سلسلے میں) بیان ہوں گے- البتہ حجیتِ حدیث کے موضوع پر مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہیگا :

۱ :.... تدوین حدیث........... مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
۲ :.... فتنہ انکار حدیث......... مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ
۳ :.... انکار حدیث کیوں ؟ راقم الحروف کا مختصر سا رسالہ ہے

آداب :

اتنی بات تو معلوم ہونی چاہئے کہ علم جتنا دقیق ہوگا اسکے آداب بھی اتنے ہی دقیق اور نازک ہوں گے- علم حدیث اشرف العلوم ہے، تو اس کے حاصل کرنے کیلئے بھی اشرف انسانوں کو چنا جاتا ہے، اس لئے علم حدیث کے طالب علم کو اشرف الاخلاق ہونا چاہئے، کیونکہ جتنا اونچے اور بلند اخلاق کا مالک ہوگا اتنا ہی اس علم سے مستفیض ہوگا- اس لئے کہ جتنی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے اتنے ہی قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے، کھیر کو کوڑے سے اٹھائے ہوئے ٹھیکرے میں نہیں رکھتے، پس بازاری لوگوں کو علم حدیث کیسے دیں گے ؟ اس لئے اخلاق کا پاک ہونا اور عالی ہونا بڑا ضروری ہے-

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل تھے اور خیر المدارس ملتان کے بانی تھے، آداب حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ : بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طالب علمی میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں :

۱ :.... یا تو وہ حکومت کا کوئی کل پرزہ بن جاتا ہے (چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص حکمرانوں سے تعلق رکھے گا وہ خود کو ان کے فتنے سے نہیں بچا سکتا، جیسے انسان آگ سے کپڑوں کو نہیں بچا سکتا)

۲ :.... یا بازار میں لگا دیں گے (فوج میں لگا دیں گے، دوکان پر بٹھا دیں گے)
۳ :.... یا جوانی کی موت سے دوچار کر دیں گے-

جن لوگوں نے حدیث شریف کو اس کے آداب کا خیال رکھ کر سیکھا، اللہ تعالیٰ ان سے دین کا بڑا کام لیں گے- ورنہ ایک بزرگ کے بقول کہ : "سند کا مصلےٰ تو مل جائیگا لیکن علم میں

برکت اور قبولیت نہیں ہوگی“۔

لہذا پوری محنت اور جہد مسلسل کے ساتھ اس علم کو حاصل کیا جائے، روزانہ آٹھ دس گھنٹے پڑھتے رہنا کوئی معمولی مجاہدہ نہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث کی سند اسی وقت جاری ہوتی ہے جب حدیث استاد سے پڑھی ہو، فقط ”قرأت فلان حدیث“ پر یہ سند نہیں ملتی۔

اکابر کا اہتمام ہوتا تھا کہ ایک حدیث بھی ناغہ نہ ہو، دورہ حدیث کا مجاہدہ رجب تک چلے گا، اس مجاہدہ میں جو کامیاب ہوگا وہ سعادت مند طالب ہوگا۔

چھ (٦) چیزوں سے علم حاصل ہوتا ہے: ۱:.... ذکا، ۲:.... حرص (یعنی شوق)، ۳:.... سفر، ۴:.... محنت، ۵:.... صحبت استاد، ٦:.... زمانے کا لمبا ہونا۔ محض مطالعہ کا علم، خطرناک ہوتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحبؒ فرمایا کرتے: اپنے فہم کی اصلاح کراؤ۔ علم وہی ہے جو اکابر سے حاصل ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس علم شریف کے انوار و برکات عطا فرمادیں گے۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے:

بقدر مشقت بلندیاں تقسیم کی جاتی ہیں جو بلندیوں کا طالب ہو اس کو راتوں کو بیدار ہونا ہوگا۔ تم عزت کے طالب ہو اور رات کو سو بھی جاتے ہو، جو شخص موتیوں کا طلبگار ہو اسکو سمندر میں غوطہ لگانا ہوگا۔

برخوردار! آخری سال میں اتنی محنت کرنی پڑتی ہے کہ انسان پاگل ہو جائے، اوقات کی پابندی کی جائے، ایک حدیث بھی کسی کتاب کی ناغہ نہ ہو اور جتنی محنت بقدر تحمل کر سکو اسکا حق ادا کرو۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھو کہ حدیث شریف ناول یا افسانہ نہیں ہے۔ بلکہ سینۂ نبوت سے نکلے ہوئے وہ حقائق ہیں، جو صرف حضور اقدس ﷺ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور یہ وہ علوم ہیں جنکا واحد منبع حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے تو پھر ان علوم کا حق یہ ہے کہ ہماری گردنیں ان کے سامنے جھک جائیں، اور ان سے قلب منور ہو جائے اور بدن ان کے سانچے میں ڈھل جائے یعنی جو حدیث بھی پڑھیں اس پر عمل کریں۔ ایک بزرگ محدث کا ارشاد ہے:

"اے حدیث کے پڑھنے پڑھانے والو! حدیث کی زکوٰۃ
ادا کیا کرو، اور وہ یہ ہے کہ کم از کم سو (۱۰۰) حدیث میں سے ایک پر تو عمل
کرلو، اگر ایک پر بھی عمل نہیں کیا تو گویا تم نے حدیث پڑھی ہی نہیں"۔

احادیث پر عمل کرنے کی شکل یہ ہے کہ: وضو کی فضیلت کی حدیث پڑھی، ایک دن اس پر عمل کرو، تحیۃ المسجد کی حدیث پڑھی ایک مرتبہ تو اس پر عمل کرو، ایام بیض کے روزے کی حدیث پڑھی ایک مرتبہ تو اس پر عمل کرو، اور اگر عمل کا داعیہ دوران سبق بھی پیدا نہ ہوا تو پھر عمل کی توفیق کب ہوگی؟ ایک بات اور یاد رکھو، وہ یہ کہ علم کے ذرائع کا بھی ادب کیا جائے مثلاً استاد، کتابیں، کاغذ، قلم، حتیٰ کہ کاغذ کے پرزہ کا بھی احترام کرو۔

اساتذہ کے احترام کرنے والے بھی دیکھے اور اساتذہ کا مذاق اڑانے والے بھی بہت دیکھے۔ مگر جنکے دل میں استادوں کا احترام، عظمت اور محبت تھی، اللہ نے ان کو نوازا۔ اکابر اساتذہ میں سے ایک کا لڑکا اپنے باپ کا مذاق اڑاتا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے اسکو ذلیل ہوتے دیکھا۔

جتنا زیادہ ادب ہوگا اتنا ہی نوازے جاؤ گے، ورنہ علم کا نور مٹ جائیگا۔

ایک اور بات سنو! پہلے زمانے میں استاد استاد ہوتے تھے اور طالب علم طالب علم، قدرتی طور پر دونوں میں مرشد اور مرید کا رشتہ ہوتا تھا، سال ختم ہوتے ہوتے طلباً استاد کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔

لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ استاد اور طلباً کے درمیان وہ رشتہ باقی نہیں رہا، یا ٹوٹ چکا ہے، یا ٹوٹتا جا رہا ہے، اسکول اور کالجوں میں طلباً استاد کی پٹائی کرتے ہیں اور اب تو یہ ایڈز (AIDS) کی بیماری دینی مدارس میں بھی آ رہی ہے، اور اس میں طلبہ اور اساتذہ دونوں کا قصور ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں استاد کا زیادہ ہے، کیونکہ استاد اپنے اندر وہ کیفیت ہی پیدا نہیں کرتے جس سے طلبہ متأثر ہوں، پہلے زمانے میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بہت مقدس سمجھا جاتا تھا، خصوصاً علم حدیث کہ اسکو حاصل کرتے ہوئے طلبہ صاحب نسبت ہو جاتے تھے اس لئے کہ وہ علم کو اسکے آداب کے ساتھ حاصل کرتے تھے۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کے ذہن میں ہی نہیں ہوتا کہ ہمیں علوم نبوت پڑھانا اور علوم نبوت حاصل کرنا ہے اور اس کا حق ادا کرنا ہے۔ ان بے توجہیوں کا علاج کیا جانا چاہئیے۔

پرانے زمانے میں طلباء کو بیعت نہیں کیا جاتا تھا حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی، فرمایا: تعلیم سے فارغ ہو جاؤ پھر دیکھا جائیگا! تعلیم سے فارغ ہوئے تو حضرت گنگوہیؒ کے پیر (حضرت حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ) نے مکہ مکرمہ میں بیعت کیا اور چھ ماہ بعد خلافت دیدی۔

زمانے کا تغیر ہے، اب طلباء میں بے قاعدگی آگئی ہے، علم کی طرف یکسو نہیں رہے، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ طلباء کو بیعت کرنے لگے تھے، اس لئے اب موجودہ بزرگوں میں سے جو بھی نظر میں جچے اس سے بیعت کرلو اور اپنی اصلاح کرلو، ہمارے لئے موجودہ بزرگ بھی بہت غنیمت ہیں۔ طالب علموں کو بے قید اور شتر بے مہار نہیں ہونا چاہئے، اپنی زندگی کے فیصلے خود نہ کرو! بلکہ کسی کو اپنا بڑا بنالو!

حضرت خواجۂ دہلویؒ سلطان الہند بابا فرید الدین گنج شکرؒ پاک پٹن والوں کے خلیفہ تھے ان کے ملفوظات میں ہے کہ ایک بزرگ شاہ ابو الخیرؒ ایک دن جمعہ کی نماز کیلئے جانے لگے تو فرمایا کہ جامع مسجد کا راستہ کس طرف ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ۲۵ سال سے اس میں جمعہ پڑھ رہے ہیں اور پھر بھی اس مسجد کا راستہ پوچھتے ہیں؟ فرمایا! کسی کے کہنے پر چلنا چاہتا ہوں خود رائی نہیں چاہئے۔

خلاصہ آداب کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھتے ہوئے ان کو زبان تک محدود نہ رکھو بلکہ قلب تک ان کا اثر ہونا چاہئے اور اپنے وجود میں اسکے آثار ظاہر ہونے چاہئیں، ہماری نظر و فکر صحیح ہو جائے، ہمارے اخلاق و اعمال بھی صحیح ہو جائیں، بہت سے طلباء شروع سے آخر تک مدرسے میں رہے، مگر نہ صحیح فکر پیدا ہوئی اور نہ ذہن بدلا۔

ہم کہتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" (چلا ہمیں سیدھی راہ) ایک دفعہ دو دفعہ نہیں، روزانہ پانچ بار ایک ہی بات بار بار دہراتے ہیں، بڑی اہم بات ہے، یہ ہر وقت وظیفہ اور ورد زبان رہے، ہمارا دل و دماغ، سوچ و فکر چال ڈھال اخلاق و اعمال صراط مستقیم پر رہیں، اور یہی احادیث میں ہے، مگر لوگ احادیث پڑھ تو لیتے ہیں لیکن ان کی کوئی چیز بھی صراط مستقیم پر نہیں ہوتی۔

خیر المدارس ملتان سے ہم تین ساتھی دورہ حدیث سے فارغ ہوئے ایک مولانا غلام

رسول، دوسرے مشتاق صاحب اور تیسرا میں تھا، مولانا غلام رسول صاحب ساہیوال والے نے سال پورا کیا اور علامہ بنے۔ خیر المدارس میں ہر سال جلسہ دستار بندی ہوتا تھا ایک سال بعد دیکھا کہ مشتاق صاحب کی داڑھی کٹی ہوئی تھی، ذرہ اندازہ کریں کہ آٹھ نو سال کی صحبت بھی اثر انداز نہیں ہوئی۔

کچا رنگ آہستہ آہستہ اتر جاتا ہے پکا رنگ ایسا ہوتا ہے کہ اگر ابلتے پانی میں ڈالیں تو بھی رنگ نہیں جائیگا، بڑی حیرت کی بات ہے کہ نو سال بزرگوں سے پڑھتے رہے مگر علوم نبوت کا کوئی رنگ نہیں چڑھا۔

میری تو اس وقت داڑھی نہیں آئی تھی میں نے مشتاق صاحب سے پوچھا تو کہنے لگے داڑھی کوئی ضروری تھوڑی ہے ؟ میں نے کہا کہ انسان کے اعمال اسکی بنیاد کے تابع ہوتے ہیں پہلے نظریہ بدلتا ہے پھر اعمال بدلتے ہیں، ایسے کچے ذہن کے لوگ جب اسکول چلے جاتے ہیں اور لوگوں نے عیب لگانا شروع کیا تو قینچی لیکر داڑھی کاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔

بڑے صدمے سے عرض کر رہا ہوں یہاں پر نو سال میں اتنا کچا رنگ چڑھا کہ باہر کے ماحول میں دو تین ماہ میں بدل گئے کس کی شکایت کریں ؟ بغیر کسی بناوٹ کے صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علوم نبوت کو ہضم کرو یہ علوم تمھارے بدن کا جزو بن جائیں، اخلاق، سیرت اور کردار کا جزو بن جائیں۔ فرمایا کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر گھٹی (گلے) سے نیچے نہیں ہوگا۔ ملازمت کیلئے علوم نبوت نہ پڑھو، ایسا نہ ہو کہ قال اللہ اور قال الرسولؐ دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے۔

میرے دو دوست تھے مولانا محمد صدیق اور دوسرے صاحب کا نام بھی صدیق تھا مولانا محمد صدیق صاحب بڑے لائق فائق دورہ کی اکثر حدیثیں وہی پڑھتے تھے فارغ ہونے کے بعد کچھ اور کتابیں پڑھیں، انہوں نے ساتھ ساتھ مولوی فاضل کی تیاری بھی شروع کر دی کہنے لگے آپ بھی داخلہ بھیج دیں میں نے کہا میں غریب آدمی ہوں اسی روپے کہاں سے لاؤں ؟ وہ ہمیشہ کہتے اور میں یہی جواب دیتا، مولانا محمد صدیق صاحب نے کہا میں فیس دیدوں گا، میں نے کہا سنجیدگی سے یا مذاقاً ؟ کہنے لگے حلفیہ کہتا ہوں، میں نے کہا میرا جواب سنو! اگر یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام خط آجائے کہ بغیر امتحان کے اول درجہ میں پاس کر دیں گے، تو بھی میں

وہاں جانے کو اور قدم رکھنے کو اپنی توہین سمجھتا ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ کبھی ہوس پیدا نہیں ہوئی بڑی بڑی ڈگریوں والوں کو دیکھا، ظاہری شکل وصورت غیروں کی تھی اور علم میں تہی دست تھے۔

جن لوگوں کو اللہ نے علوم نبوت عطا فرمائے اور پھر دنیا والوں کو دیکھ کر اپنی حیثیت پر افسوس کیا انہوں نے علوم نبوت کی قدر نہیں کی، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے یہ سعادت بڑی نعمت ہے، ملائکہ طالب علم کی رضامندی کیلئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

کچھ مصنف کے بارے میں :

امام ابو داودؒ، کنیت : سلیمان نام : اشعث بن اسحاق، ولادت : سیستان ۲۰۲ھ معرب سجستان، ہرات کے قریب مشہور شہر ہے، وفات : ۲۷۵ھ بصرہ میں بروز جمعہ زیادہ حصہ زندگی کا بغداد میں گذرا آخری چار سال بصرہ میں گذرے۔

امام موصوف نے مختلف بلاد کا سفر کیا، عراق، خراسان، شام، الجزائر وغیرہ، انہوں نے بے شمار لوگوں سے حدیثیں حاصل کیں، ان کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے، امام بخاریؒ سے بہت سے شیوخ میں شریک ہیں، اساتذہ میں امام احمد بن حنبلؒ یحیٰ بن معینؒ وغیرہ شامل ہیں، حلقہ درس میں ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا شاگردوں میں امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ وغیرہ ہیں امام احمد بن حنبلؒ نے حدیث عتیرہ ان سے سنی تھی ان کا مسلک حنبلی ہے۔

تصنیفات :

لاتعداد ہیں سب سے مشہور سنن ابو داود ہے جسکو انہوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چن کر چار ہزار آٹھ سو احادیث سے مرتب کیا، چھ سو مراسیل ہیں۔

شروح :

اس کتاب کی شروح بہت ہیں، شرح بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمدؒ مشہور ہے امام ابو داودؒ کی ایک آستین کشادہ اور ایک آستین تنگ ہوتی تھی کشادہ آستین میں نوشتہ رکھتے اور دوسری آستین کو چوڑی رکھنے کی ضرورت نہ تھی، ان کے لئے یہ فقرہ بہت مشہور ہوا کہ اللہ نے حدیث کو ان کے لئے اس طرح نرم کردیا تھا جیسے داود علیہ السلام کیلئے لوہا، فرماتے تھے کہ صرف چار احادیث انسان کے دین کیلئے کافی ہیں :

۱:.... انما الاعمال بالنیات ۲:.... من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه ۳:.... لایکون المؤمن مؤمناً حتیٰ یرضیٰ لاخیه مایرضیٰ لنفسه ۴:.... الحلال بین والحرام بین۔

امام ابو داودؒ نے فرمایا کہ میں نے جو احادیث جمع کی ہیں ان پر تمام علما کا اعتماد ہے اور ایسی کوئی روایت نقل نہیں کی جس کو کسی نے بھی قبول نہ کیا ہو۔

ابو داود کی روایتوں کی ترتیب اور ان کی قسمیں :

۱ :.... اعلیٰ ترین روایات جن پر شیخین کا اتفاق ہو، اور وہ کتاب کا نصف ہے ۲ :.... وہ روایات جن کو شیخین میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے ۳ :.... صحیحین میں نہیں ہیں، لیکن سند جید اور وہ صحیح ہیں ۴ :.... سند صالح ہے دو سندوں سے منقول ہو، علماً نے اسکو قبول کیا ہے ۵ :.... اسناد میں ضعف لیکن امام ابو داودؒ اس پر خاموش ہیں ۶ :.... شدید ضعف پایا جاتا ہے اس پر امام ابو داودؒ کلام کرتے ہیں، مگر امام ترمذیؒ ہر روایت پر گفتگو کرتے ہیں اور راوی پر بھی کلام کرتے ہیں۔ صحت کے اعتبار سے یہ کتاب تیسرے یا چوتھے درجے میں ہے۔

صحت میں درجات :

۱ :.... بخاری، ۲ :.... مسلم، ۳ :.... ابو داود، ۴ :.... نسائی، ۵ :.... ترمذی، ۶ :.... ابن ماجہ۔ تدوین کے لحاظ سے یہ کتاب دورہ کی تین مرکزی کتابوں میں سے ایک ہے جن پر درس کا مدار ہے۔

تدلیس کے اعتبار سے :

۱ :.... ترمذی مقدم ہے ۲ :.... دوسرے درجے میں بخاری ۳ :.... تیسرے میں ابو داود۔

سند حدیث :

ہماری سند رسول اللہ ﷺ تک تین حصوں میں پہونچتی ہے، ایک حصہ ہم سے لیکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک، دوسرا حصہ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلویؒ سے لیکر مؤلفین صحہ ستہ تک، تیسرا حصہ سند کا ہر حدیث کی وہ سند جو رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے۔ مجھے (حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ) حدیث کی چار سندیں ملی ہیں :

ا:.... سند حدیث: حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (خیر المدارس ملتان) ۲:.... سند حدیث: مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) ۳:.... سند حدیث: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ (مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) ۴:.... سند حدیث: مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن)۔

۱۹۷۴ء کی ختم نبوت کی تحریک میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دار العلوم میں حاضر ہوا، مٹھائی منگوائی اور خود اپنے اصرار سے مجھے سند بھی عطا فرمائی، اس پر حضرت مفتی صاحبؒ کے دستخط موجود ہیں۔

۱۴۶۸ھ میں حج پر گیا حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہر سال جاتے تھے والد ماجد کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگؒ کے پاس لے گئے صفا مروہ کے درمیان ملنا تھا، وہ نہیں ملے واپسی پر آتے ہوئے فرمایا تیس سال پہلے ان سے دوستی ہوئی تھی، میں نے ان سے اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دیدی، میں نے عرض کیا کہ ہمیں تو نہیں ملی، بڑے ہنسے اور پھر مدینہ منورہ پہنچ کر عربی میں روضہ شریف کے سامنے یہ حدیث کی سند لکھ کر عطا فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ رمضان میں مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ میں فیصل آباد میں تشریف لائے تو حضرت شیخ الحدیثؒ سے اجازت کی تحریک ہوئی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے تمام علماً کو اجازت دی، حدیث مسلسلات کی اجازت بھی دی، اور دوسری احادیث کی اجازت بھی دی، بغیر مانگے سند ملی۔

میری سندوں کے واسطوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اول:

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

دوم :

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت شاہ عبدالغنیؒ

حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

سوم :

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

پاکستان، ہندوستان کی تمام سندیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تک پہنچتی ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ سے آگے کی سند کی تفصیل حسب ذیل ہے :

شیخ ابو طاہرؒ

شیخ حسن عجمیؒ

شیخ عیسیٰ مغربیؒ

شیخ شہاب الدین احمد ابن محمد غفاریؒ

بدرالدین حسن کرخیؒ

حافظ جلال الدین سیوطیؒ

شیخ محمد ابن مقبل مغربیؒ

شیخ صلاح الدین ابن ابی محمد المقدسیؒ
ابو الحسن فخر الدین علی ابن محمد ابن احمد ابن بخاریؒ
ابو الحفص طبر زد بغدادیؒ
ابراہیم ابن محمد کرخیؒ
اس سے آگے کی سند کتاب میں دیکھو۔
میرے (حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ) اور حضرت امام ابو داودؒ کے درمیان ۲۲ واسطے ہیں۔ کچھ حدیثیں ثلاثی ہیں اس طرح حضرت محمد ﷺ تک ۲۵ واسطے ہوئے۔

............☆............

...... سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو عنبہ خوانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

"لایزال الله یغرس فی الدین غرساً یستعملهم فی طاعته".

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا جن کو اپنی اطاعت میں استعمال فرمائے گا"۔

اس ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق یہ کہنا بجا ہوگا کہ گزشتہ صدی میں ہمارے دینی مدارس ہی ویرانہ ہند میں دین خداوندی کے باغبان رہے، انہوں نے دین کی آبیاری کی، اس کی سرسبزی و شادابی کو قائم رکھا، اس میں نئے نئے گل بوٹے لگائے، انہی کے دم سے علوم نبوت زندہ و تابندہ رہے، انہی کے طفیل قال اللہ و قال الرسول کی پاکیزہ صدائیں مشام جان کو معطر اور جذبات ایمان کو تازہ کرتی رہیں۔ انہی دینی مدارس کی برکت سے گلشن دین سدا بہار رہا۔ یہی وہ قلعے تھے جن سے دین کا دفاع ہوا۔ یہی وہ چھاؤنیاں تھیں جن میں پاسبانی دین وملت کی تربیت دی گئی۔ یہی وہ جزیرے تھے جو مغربیت کے طوفان بلاخیز میں دین اور اہل دین کا مأمن بنے رہے، اور جنہوں نے مادیت کے ایمان شکن تھپیڑوں میں ملت اسلامیہ کو ایمانی وروحانی غذا مہیا کی۔ بحمد اللہ! ہمارے دینی مدارس سینکڑوں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اب تک اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔......

جامع شخصیت

مولانا محمد اسماعیل
شجاع آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محقق العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، پروردگار عالم نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، بلاشبہ آپ اپنے زمانے کے رازیؒ وغزالیؒ تھے کہ فلسفہ کی گتھیاں سلجھاتے نظر آتے ہیں، آپ اس دور کے "جنید و شبلی" تھے کہ تصوف کے عقدے حل کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، آپ کا وجود علم و عمل کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، آپ کا ہر سانس، اور قلم کی ہر جنبش علم و عمل کی ترقی، اسلام کی سربلندی، عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت، ناموس رسالت کے تحفظ، عظمت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثقاہت، حجیت حدیث، کے بیان میں گزری۔

آپ امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بے تاب نظر آتے، اکیلے آپ نے اپنی حیات مستعار میں جماعتوں جتنا کام کیا، گویا آپ اپنی ذات میں انجمن تھے، یوں تو دین کے تمام شعبوں میں آپ مصروف عمل تھے لیکن عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ تعلق اتنا تھا کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، اوڑھنا، بچھونا گویا ختم نبوت تھی۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف اتنا لٹریچر چھوڑا کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے بھرپور استفادہ کرتی رہیں گی۔

زور استدلال:

پروردگار عالم نے حضرت لدھیانویؒ کو بات سمجھانے اور زور استدلال کی قوت سے وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، جھنگ صدر کے مولانا ریاض الحسن قادری نے بتلایا کہ ڈرگ روڈ کراچی

کے ایک قادیانی نے ایک مسلمان نوجوان کو ورغلایا اور اس کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسے قادیانی بنالیا، رمضان المبارک کے ماہ مقدس میں قادیانیت سے متاثر نوجوان کو حضرت لدھیانویؒ کی خدمت میں لایا گیا، حضرتؒ نے حسب عادت اس سے انتہائی شفقت و محبت سے گفتگو کی اور اس کے دل ودماغ میں ڈالے گئے شکوک و شبہات کا ازالہ فرمایا، اور آخر میں اسے چند نکات بتلائے کہ وہ اپنے قادیانی دوستوں کے سامنے پیش کر کے ان کے جوابات لے اور مجھے ان جوابات سے مطلع کرے، چنانچہ وہ نکات حسب ذیل ہیں :

۱ :..... تمام انبیاؑ کرام کے نام مفرد ہیں (یعنی حضرت آدم، نوح، شیث، ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام) کسی نبی کا نام مرکب نہیں، جب کہ مرزا قادیانی کا نام مرکب (غلام احمد) ہے۔ایسا کیوں ہے ؟

۲ :..... ہر نبی کی وحی اس کی قومی زبان میں نازل ہوتی رہی، جب کہ مرزا قادیانی کو مختلف زبانوں میں وحی والہام ہوئے۔

۳ :..... نبی کی پہلی وحی سے لے کر آخری وحی تک گرامر کی کوئی غلطی نہیں ہوئی، جب کہ مرزا قادیانی کی خرافات میں عربی اور اردو گرامر کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔

۴ :..... تمام انبیا کرام نے بیت اللہ شریف کا طواف (حج وعمرہ) ادا کیا، مرزا قادیانی اس سے محروم رہا۔

۵ :..... کسی نبی کا کوئی استاد نہیں ہوتا جب کہ مرزا غلام احمد نے فضل الٰہی، فضل احمد، گل علی شاہ (شیعہ) سے ظاہری علوم اور اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ سے طب پڑھی۔

(کتاب البریہ ص ۱۴۸ تا ۱۵۰)

۶ :..... کوئی نبی کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوا جب کہ مرزا قادیانی مختاری کے امتحان میں ناکام ہوا۔

۷ :..... نبی جہاں فوت ہوتا ہے اس کی تدفین اسی مقام پر عمل میں لائی جاتی ہے (جب کہ مرزا قادیانی کی موت لاہور کی احمدیہ بلڈنگ برانڈرتھ روڈ (نشتر روڈ) میں ہیضہ کی بیماری سے ہوئی، دونوں راستوں سے غلاظت جاری تھی، صرف گیارہ گھنٹے بیمار رہ کر واصل جہنم ہوا، اور اس کی میت کو خرد جال (ریل گاڑی مرزا قادیانی ریل گاڑی کو خرد جال سے تعبیر کیا

کرتا تھا) پر لاد کر قادیان لے جائی گئی، اور قادیان میں تدفین عمل میں لائی گئی، یعنی موت لاہور میں واقع ہوئی اور تدفین قادیان میں۔

وہ نوجوان یہ نکات نوٹ کر کے لے گیا اور قادیانی مربیوں سے گفتگو کی، مگر کوئی مربی اسے مطمئن نہ کر سکا، آئندہ جمعہ جو جمعۃ الوداع تھا، وہ حضرت لدھیانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، چنانچہ مسجد الفلاح کے نمازیوں اور سامعین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شام کو اس کے اعزاز میں عظیم الشان افطاری کا اہتمام کیا گیا۔

آپ میں خورد نوازی، بلکہ چھوٹوں کو بڑا بنانے، چھوٹوں کے کام کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہوئے انکی حوصلہ افزائی فرمانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خود علمی و عملی طور پر مصروف رہتے اور چھوٹوں کو مصروف رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

لاہور میں اصلاحی نشست :

کراچی میں تحریر کے ساتھ ساتھ تقاریر کا سلسلہ تو جاری تھا لیکن پاکستان کے دوسرے بڑے شہر لاہور کے باسی آپ کی نصائح اور ارشادات سے محروم تھے، آپ کے ہی، نیاز مند جناب عتیق انور اسامہ نے مولانا مفتی محمد جمیل خاں سے مل کر لاہور میں "اصلاحی خطاب" کے عنوان سے ماہانہ پروگرام کی صورت نکالی، اور اس طرح لاہور کے احباب کو استفادہ کا موقع ملنا شروع ہوا اور آپ کی شہادت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

ختم نبوت کے کام کی شان :

ایک مرتبہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمومی کے ارکان سے دفتر مرکزیہ ملتان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دین کے جتنے بھی شعبے ہیں سب ہی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، اور سب ہی مبارک ہیں، لیکن ختم نبوت کے تحفظ کی اپنی شان ہے، مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ایک بادشاہ امور مملکت چلانے کے لئے مختلف محکمے قائم کرتا ہے سب سے اہم ترین محکمہ وزیر اعظم کا ہے، اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے محکمے درجہ بدرجہ ہیں، لیکن جو قرب بادشاہ کے ساتھ درجہ چہارم کے ملازمین کو حاصل ہے (جو بادشاہ کے حفاظتی دستہ میں شامل ہیں وہ قرب وزیر اعظم کو بھی نہیں) فرمایا دین کے جتنے کام ہیں کوئی وزارت عظمیٰ کے

منصب پر فائز ہے اور کوئی سی وزارت پر اور کوئی وزارت اعلیٰ پر، لیکن جو قرب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ختم نبوت کے کارکنوں کو حاصل ہے وہ دین کے دوسرے شعبہ جات میں کام کرنے والوں کو بھی نہیں کیونکہ یہ براہ راست حفاظتی دستہ میں شامل ہیں۔

ایک مرتبہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ لدھیانویؒ ہواؤں میں اڑتا ہے، اور اسے ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا ہے، میرا ابتدائی دور بھی آپ لوگوں کی طرح ہے، جب میں مجلس میں آیا تو پندرہ دن ملتان اور پندرہ دن بینات کراچی کیلئے متعین ہوئے، اور وظیفہ ۲۵۰ روپے تھا، اسی میں خورد ونوش اور کرایہ کا بند وبست بھی کرتا، ایک دن حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کا مشاہرہ کتنا ہے؟ میں نے بتلایا تو پوچھا کہ کرایہ اور خورد ونوش؟ میں نے کہا کہ سب اسی سے پورا کرتا ہوں، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ وظیفہ میں اضافہ کیلئے حضرت بنوریؒ سے کیوں نہیں کہتے؟ میں نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے، غالباً حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ سے ذکر کیا ہوگا کہ شام کے وقت حضرت بنوریؒ تشریف لائے اور فرمایا مولوی صاحب! آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ میں نے بتلایا اور خورد ونوش اور سفر خرچ کا پوچھا تو بتلانے پر فرمایا کہ اس ماہ سے آپ کا وظیفہ ۲۰۰ اروپے ہوگا اور کھانا میرے گھر سے آجایا کرے گا اور کرایہ بھی میں ہی دیا کروں گا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے آج تک اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا کسی سے سوال نہیں کیا۔

مکہ مکرمہ عمارۃ المسفلہ شارع ابراہیم خلیل میں حضرت تشریف فرما تھے، راقم کے کچھ عزیز حج وعمرہ کیلئے گئے ہوئے تھے تو راقم انہیں لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے عزیزوں میں ایک صاحب جماعت المسلمین سے متاثر تھے، حضرت نے ان کے سوالات کے کھل کر جوابات ارشاد فرمائے، اثنائے گفتگو مدینہ طیبہ کے ایک بزرگ (جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کے متعلق فرمایا کہ انہیں اکثر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے، انہوں نے ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ دنیاوی زندگی میں تو آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ کوئی داڑھی منڈا آتا تو آپ ﷺ اس سے اعراض فرمالیتے تھے، قبر کی زندگی میں آپ کی عادت مبارکہ کیا ہے؟ تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی

داڑھی منڈوانے یا کتروانے والا آکر روضہ اطہر پر سلام عرض کرتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب نہیں دیتا- یہ واقعہ آپ نے اس درد سے سنایا کہ، کئی ایک حضرات کو داڑھی رکھنے کی توفیق نصیب ہوئی-

نومبر ۱۹۹۹ء میں بندہ نے اپنی بستی میں جامع مسجد ابوبکر صدیق کے سنگ بنیاد رکھنے کے لئے دعوت دی، تو حضرت تشریف لائے، چند احباب جمع ہوگئے بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحتیں ہی فرمادیں، چونکہ ہمارے علاقہ میں حیات و ممات کا مسئلہ زوروں پر ہے، مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے بتلایا، یا آپ پر منکشف ہوا کہ آپ نے حیات النبی ﷺ پر علمائے دیوبند کے مسلک کو مدلل و مبرہن فرمایا-

حضرت والا اپنے اکابرین کے مسلک اعتدال پر خود بھی عمل پیرا تھے اور دوسرے احباب سے بھی اس کا تقاضا فرماتے-

شادی، غمی میں سادگی اور قناعت کی ترغیب دیتے، قدرت نے انہیں وسعت قلبی سے سرفراز فرمایا تھا، لوگ عجیب و غریب سوالات لکھتے، بعض اوقات بے ہودہ سوالات ہونے کے باوجود بھی آپ بڑی وسعت و فراخی سے جوابات دیتے-

ایک مرتبہ فرمایا کہ کراچی کے کچھ احباب آئے اور بڑے عجیب فخریہ انداز میں بتلانے لگے کہ اس سال ہم نے دو اڑھائی لاکھ روپے تقسیم کئے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ بیس بائیس لاکھ تو میرے جیسے درویش کے ہاتھوں تقسیم ہوئے، اس میں بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر فرمایا یہ میرا یا آپ لوگوں کا کیا کمال ہے؟

اپنی حیات مستعار کے آخری مہینوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بہت جلدی میں ہیں، اور اپنے کام کو جلد از جلد نمٹانا چاہتے ہیں، تصنیف و تالیف کے لئے مستقل شعبہ، طباعت کے لئے مکتبہ لدھیانویؒ کا قیام اور تصوف کے سلسلہ میں جو امانت آپ کو اپنے مشائخ سے ملی تھی اسے جلد از جلد آگے پہنچانے اور باصلاحیت اور باہمت لوگوں کے سپرد کرنے میں جلدی فرمارہے تھے-

کئی ایک حضرات کو معروف طریقہ سے ہٹ کر خلافت سے سرفراز فرمایا، گویا آپ جلدی میں ہیں اور اپنا کام ختم کرنے کی فکر میں ہیں، کسی کو جیل میں خلافت نامہ بھجوارہے ہیں، اور

کسی کو میدان عرفات میں خلافت دی جارہی ہے، کسی کو اپنے گھر اور مسجد میں بلا کر خلافت سے نوازرہے ہیں اور کسی کے گھر اور دفتر میں جاکر اس نعمت عظمٰی سے نوازرہے ہیں۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس خلافت کے ذریعہ پوری جماعت کو ایک امیر کے ماتحت کرنا چاہتے ہیں تاکہ کفر کو ہر میدان میں شکست فاش سے دوچار کیا جاسکے، آپ نے مختلف دینی جماعتوں کے قائدین کو خلافت سے نوازا تو ان کے طرز فکر میں واضح فرق نظر آنے لگا، اللہ پاک آپ کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماکر آپ کے لئے صدقہ جاریہ فرمائیں۔ آمین

............☆............

......ان ظروف واحوال میں آنجناب (عزت مآب گورنر پنجاب) کا دینی مدارس کے طلبہ کے بارے میں ہتک آمیز تبصرہ کا شائع ہونا یقیناً دین اور اہل دین کی تحقیر اور دل آزاری کا موجب ہے "ہاتھ میں لوٹا پکڑادینا" اور "شلوار ٹخنوں سے اونچی کردینا" کے طنزیہ الفاظ سے ممکن ہے کہ کچھ لوگ محظوظ ہوئے ہوں لیکن اگر آپ غور فرمائیں گے تو صاف محسوس ہوگا کہ اس طنز ومزاح سے خود دین اور صاحب دین (ﷺ) کی تحقیر واہانت ہوئی ہے، جس سے ایک مسلمان کو سوبار پناہ مانگنی چاہئے اور آپ کا یہ ارشاد کہ "اس سے بہتر یہ ہے کہ ان کو جیل بھیج دیا جائے"، محترم! جب آنحضرت ﷺ ایک مسلمان کے لئے دنیا کو جیل فرما چکے ہیں تو دینی مدارس کے طلبہ کے حق میں آپ کا یہ فقرہ درحقیقت ان کے حق میں اس امر کی شہادت ہے کہ وہ واقعی فرمان نبویؐ کی تعمیل کررہے ہیں اور دنیا میں جیل کی سی زندگی گزاررہے ہیں۔ میں اس پر دینی مدارس کے طلبہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے، آپ کے صحابہ کرامؓ نے اور ان کے بعد ہمارے اکابر سلف نے جن مشکلات میں زندگی گزاری آج ہم اور ہمارے دینی مدارس کے طلبہ ان کا تصور بھی نہیں کرسکتے، اور آج دینی مدارس میں علماءٔ طلباءٔ کو جو سہولتیں اور راحتیں میسر ہیں پچھلے زمانوں میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔ بلاشبہ یہ ان اکابر کا کمال تھا اور ہمارا ضعف اور نقص ہے، لیکن میں باربار سوچتا ہوں کہ جب آنجناب موجودہ دور میں ان تمام سہولتوں اور راحتوں کے باوجود دینی مدارس کے طلبہ کی زندگی کو "جیل سے بدتر" قرار دیتے ہیں تو ہمارے اسلاف واکابر کے بارے میں آنجناب کیا رائے قائم فرمائیں گے؟ اور جب آج کے "مولوی" کی زندگی آپ کی نظر میں لائق تحقیر ہے تو ہمارے گزشتہ اسلاف واکابر کی زندگی آپ کی نظر میں کیسی ہوگی؟......



علم و عمل کی آبرو

سید محمد کفیل شاہ بخاری، ملتان

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے میں ۱۹۷۴ء میں متعارف ہوا۔ ان دنوں تحریک تحفظ ختم نبوت اپنے شباب پر تھی اور بڑی تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہی تھی۔ سب سے پہلے تو اپنے والد ماجد حافظ سید محمد وکیل شاہ صاحب بخاری سے آپ کا تذکرہ سنا جو کہ آپ کے حلقۂ احباب میں شامل تھے۔ پھر اپنے ماموں جان ابن امیر شریعتؒ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ذکر خیر ہوا۔ "بینات" میں آپ کی وقیع علمی تحریریں پڑھنے کو ملتیں جو دل و دماغ پر ایک خاص اثر چھوڑ تیں۔ پھر اخبارات میں گاہے گاہے آپ کے تنقیدی و تحقیقی مضامین بھی نظر سے گزرتے جو اکثر و بیشتر تجدد پسندوں یا ملحدین کے رد میں ہوتے انہیں پڑھ کر حوصلہ ہوتا کہ الحمد اللہ وہ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ (اکثر علماً کرام کے برعکس) جدید صحافتی زبان اور اس کے لب و لہجہ سے بخوبی آشنا ہوتے ہوئے نہایت سنجیدہ انداز میں ان کے ملحدانہ افکار و نظریات کی کاٹ کرتے ہیں۔ جی خوش ہوتا کہ کوئی تو ہے جو ان لبالسنۂ عصر کا جواب لکھتا ہے۔ حضرت سید عطاً المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ میرے مربی تھے۔ ان کی شفقت تھی کہ میں اپنے دل کی باتیں ان سے کر لیتا۔ حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ کی تحریروں کے حوالے سے جب بھی ان کے ساتھ تبادلہ خیال ہوتا تو وہ ہمیشہ حضرت کی تعریف فرماتے۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ :

"مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا اور میرا زمانہ طالب علمی ایک ہی

ہے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں ہم ایک ساتھ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبتوں اور شفقتوں سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس وقت لائق طالبعلم تھے۔ اور ان کا زیادہ وقت مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوتا۔ صحبت کتاب انہیں بہت عزیز تھی۔ وہ خاموش طبع تھے اور ان کی طبیعت شروع ہی سے مائل بہ تصوف تھی۔ اس لیے اکثر طلبا انہیں صوفی کہتے تھے۔ انہوں نے نہایت محنت اور ذوق و شوق سے تحصیل علم کی۔ وہ ایک مثالی طالب علم تھے اور آج وہ جو کچھ ہیں۔ اپنے مربی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس اللہ سرہ العزیز کی توجہات کا نتیجہ ہیں"۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تاثرات سن کر میرے دل میں ان کا احترام پہلے سے بھی سوا ہو گیا۔ صدر ضیا الحق مرحوم کے عہد میں جب روزنامہ جنگ لاہور میں پروفیسر وارث میر' ڈاکٹر یوسف گورایہ اور دیگر کئی لوگوں نے "تقلید اور اجتہاد" کے حوالے سے بعض مضمون لکھے جو تسلسل سے شائع ہوئے۔ ان مضامین نگاروں نے اجتہاد کا دروازہ جس طرح کھولنے کی خواہش کا ظہار کیا۔ وہ نہایت غلط تھا کہ پھر ہر ہما شما مجتہد بن کر اسلام میں اپنی رائے ٹھونسنا شروع کر دیتا۔ تب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید نے قسط وار ان کا جواب لکھا اور انہیں لاجواب کیا۔ ضیا الحق مرحوم کے عہد میں "تجدد پسندی اور اجتہاد" کے عنوان سے فکری گمراہی کا سیلاب جس قوت اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے اتنا ہی مضبوط بند باندھنے کی ضرورت تھی۔ جس کا احساس کر کے اس کا مداوا کرنے والوں میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سر فہرست تھے، انہوں نے قبل ازیں ایوب خان کے عہد اقتدار میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو بھی ٹوکا تھا اور اسکے پرویزی خیالات و عزائم کو طشت ازبام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کی خدمت کے لئے قبول کیا تھا۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا کہ انہیں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ کی صحبت اور تربیت میسر آئی، اور مولانا شہید نے جی بھر کر اپنے ان محسنوں سے کسب فیض کیا، وہ ان دونوں بزرگوں کے صحیح علمی و فکری وارث تھے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے انہوں نے تردید قادیانیت کے محاذ پر لازوال خدمات انجام دی ہیں۔اس موضوع پر ان کی تحریریں قاطع برہان کا درجہ رکھتی ہیں۔"تحفہ قادیانیت" خاص طور پر بے مثال کتاب ہے،انہوں نے بے پناہ لکھااور سب دین حق کی دعوت اور دفاع میں لکھاجو یقیناًان کے لئے صدقہ جاریہ ہے اور توشہ آخرت بھی۔

جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ کے انتقال(اکتوبر ۱۹۹۵ء) پر انہوں نے میرے نام جو تعزیتی خط لکھا۔اس کے لفظ لفظ سے خانوادۂ امیر شریعتؒ کے ساتھ ان کی بے پایاں محبت ٹپکتی ہے انہوں نے جن القاب سے مجھ عاجز کو مخاطب کیااس سے ان کی شخصیت کی عظمت نکھر کر سامنے آتی ہے،اور جس طرح انہوں نے اپنے عجزوانکسار کا اظہار کیا،اس سے ان کی للٰہیت اور محبت وخلوص دلوں کو مسخر کرتے ہیں،وہ چھوٹوں پر شفقت کرنے والے اور انہیں بڑا بنانے والے انسان تھے،اس خط کے بعد وہ خود بھی تعزیت کے لئے تشریف لائے۔پہلے چناب نگر میں ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاالمہیمن بخاری مدظلہ سے ملنے کے لئے مسجد احرار تشریف لائے اور پھر ملتان دار بنی ہاشم میں بھی۔

حضرت امیر شریعتؒ کے دوسرے فرزند حضرت مولانا سید عطاالمحسن بخاری رحمہ اللہ شدید بیمار تھے۔آپ کو معلوم ہواتو ملتان دار بنی ہاشم میں تیمارداری کے لئے مع احباب تشریف لائے۔سنت کے مطابق دل لگی فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے۔جاتے ہوئے فرمانے لگے میں توسادات کا خادم ہوں۔یہ آپ ہی کا فیض ہے کہ اس کام کے لئے قبول ہو گیا ہوں کہ ان کی تواضع تھی حضرت شاہ صاحبؒ نے انہیں دعا کے لئے فرمایاتوآپ نے فرمایا:"دعا آپ کریں میں آمین کہوں گا۔"آپ نے حضرت کی صحت یابی کے لئے دعا فرمائی اور نہایت خوبصورت ماحول میں رخصت ہوئے:

جہاں جہاں وہ گزرے،جہاں جہاں ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ ٹھہرے

۱۲نومبر۱۹۹۹ء کو حضرت سید عطاالمحسن بخاریؒ کاانتقال ہواتوکچھ عرصہ بعدآپ ملتان آئے اور تعزیت کیلئے ہمارے ہاں تشریف لائے۔بہت محبت کا اظہار فرمایااور حضرت شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش فرمایا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے عرض کیا کہ "حضرت آپ کا ایک رسالہ "کلمہ طیبہ" پر شائع ہوا تھا۔ جس میں آپ نے قادیانیوں کے کلمہ سے متعلق اظہار خیال فرمایا تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا ہے۔ میں نے وہ انگریزی ترجمہ آپ کی اجازت کے بغیر مجلس احرار اسلام کی طرف سے شائع کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ جلدی آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ فرمایا میں نے جو لکھا ہے وہ سب آپ کا ہے۔ میں خود بھی آپ کا اپنا ہوں، اجازت کی کیا ضرورت ہے جو چاہیں شائع کریں۔ یہ ان کی محبت و للہیت اور دین کے لئے اخلاص تھا جس کا اظہار وہ ہر جگہ فرماتے تھے۔

۶ فروری ۲۰۰۰ء کو آپ لاہور تشریف لائے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکز مسجد عائشہ میں کچھ دیر اصلاحی خطاب فرمایا۔ میں اپنے احباب سمیت یہ خطاب سننے حاضر ہوا، بعد میں عرض کیا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابر احرار رحمہم اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق و محبت مسلمہ ہے۔ آپ اور ہم ایک ہی مشن کے مبلغ اور سپاہی ہیں۔ مجلس احرار کا دفتر آپ کے بالکل ساتھ ہے حق ہمسائیگی استعمال کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ اپنے قیمتی وقت میں سے چند منٹ نکال کر دفتر احرار میں تشریف لے آئیں۔ آپ دعا فرمادیں گے تو خیر و برکت ہو جائے گی۔ ہماری یہ خواہش و آرزو ہے کہ جسطرح دنیا میں ہم اکٹھے ہیں، آخرت میں بھی تحفظ ختم نبوت کی برکت سے اپنے اکابر کے ساتھ اکٹھے ہوں۔ مجھے تھپکی دی، پیار کیا اور فرمایا "مجلس احرار اسلام کا خادم ہوں، احرار کے دفتر انشاء اللہ ضروری آؤں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ نماز عصر کے قریب آپ مع احباب تشریف لائے، دروازے پر امیر احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے آپ کا استقبال کیا حضرت مولانا زاہد الراشدی، محترم عبداللطیف خالد چیمہ، محترم میاں محمد اویس اور دیگر احرار رہنما اور کارکن بھی اس موقع پر موجود تھے۔ آپ گفتگو فرمارہے تھے گویا لبوں سے پھول جھڑ رہے تھے۔ فرمایا: میرا بچپن اور طالب علمی کا ابتدائی زمانہ لدھیانہ میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے ہاں گزرا، میں طبعاً احراری ہوں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صدر احرار تھے اور جلالی بزرگ تھے، بہت شجاع اور بہادر تھے، انہیں کے ہاں پہلی مرتبہ میں نے حضرت امیر شریعتؒ سے مصافحہ کیا تو انہوں نے میرا ماتھا چوما اور دعائیں بھی دیں۔ ان پر خلوص دعاؤں کا اثر آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اکابر احرار نے تحفظ ختم نبوت کے لئے بے پناہ جدوجہد کر کے بنیادی کردار ادا کیا، مال و جان

قربان کر کے ایک قافلہ حریت ترتیب دیا اور پھر اسے اس مقدس مشن پر گامزن کر دیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری قدس سرہ العزیز نے حضرت شاہ صاحبؒ کو امیر شریعت بنا کر تحفظ ختم نبوت کا مشن سونپا اور امیر شریعتؒ نے اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ یہ مجلس احرار اسلام کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ آج جہاں جہاں مرزائی موجود ہیں۔ وہاں وہاں انکا تعاقب و محاسبہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکابر احرار کی قبروں کو منور فرمائے اور انہیں اس خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)، ان دعائیہ جملوں کے بعد آپ محبتیں اور مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے ہم سے رخصت ہوئے۔

حضرت سے میری آخری ملاقات ان کی شہادت سے گیارہ روز قبل ۷ مئی ۲۰۰۰ء کو ملتان ہوائی اڈہ پر ہوئی، آپ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے بعد لاہور تشریف لے جا رہے تھے۔ میں انتظار گاہ میں داخل ہوا تو سامنے ایک سفید ریش بزرگ تشریف فرما تھے اور سر جھکائے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے، میں نے سرسری نظر ڈالی تھی، اسلئے فوراً پہچان نہ سکا اور ان کی عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ اچانک غور سے دیکھا تو وہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تھے اٹھا اور سلام کیا، مصافحہ کیا تو جب تک میں نے ہاتھ نہیں کھینچے، انہوں نے بھی نہیں چھوڑے۔ جو کہ سنت نبویؐ پر عمل تھا۔ مجھ پر آپ بہت ہی شفقت فرماتے۔ کتاب بند کر دی، متبسم چہرے اور گداز لب و لہجہ میں تمام ذاتی اور اجتماعی احوال دریافت فرمائے۔ مجلس احرار اسلام کی موجودہ قیادت اور عملی کام کے حوالے سے کچھ باتیں دریافت فرمائیں۔ میں نے عرض کیا: حضرت میں آپ کے مطالعہ میں بے جا مخل ہوا، معافی چاہتا ہوں۔ آپ معمول کے مطابق مطالعہ فرمائیں۔ فرمانے لگے بس! آپ مل گئے تو اب آپ سے باتیں کریں گے۔ مطالعہ تو پھر بھی ہو سکتا ہے۔ یوں لاہور تک اکٹھے سفر کیا۔

وہ شہادت کے آرزو مند تھے انہوں نے اپنی زبان و قلم، علم و شعور، اور اللہ کی عطا کی ہوئی تمام صلاحیتوں سے دین حق کی شہادت دی، ایک جان باقی رہ گئی تھی، سو وہ بھی تحفظ ختم نبوت پر قربان کر کے سرخرو ہو گئے اور شہادت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو گئے:

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

سفیر اسلام

مولانا حافظ مہر محمد میانوالی

گزشتہ کچھ سالوں سے پاکستان میں بھی جنونی کارروائیاں شروع ہو گئیں ہیں اور بڑی چیدہ چیدہ علمی، برگزیدہ ہستیوں کو خاک وخون میں تڑپایا گیا۔ مولانا محمد عبداللہ خطیب اسلام آباد کے بعد حضرت استاذیم شاہسوار قلم، عالمی مجلس ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو بھی ان کے گھر مسجد الفلاح نصیر آباد کراچی کے قریب سفاکوں نے جام شہادت پلادیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر کا حضرت سے تعلق ۱۹۶۶ء سے ہے۔ جب میں ترجمان اہلسنت پاسبان مسلک علمائے دیوبند ۵۰ سے زائد کتابوں کے مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ سے نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں دورہ حدیث شریف مکمل کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے کراچی آیا، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ نبوری ٹاؤن کے بانی و مہتمم، معارف السنن کے مصنف علم حدیث میں استاذ الکل، دیوبند کے مایہ ناز سپوت اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علمی وارث وجانشین علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی سند نہ ہونے کے باوجود.... کہ اسوقت نصرۃ العلوم داخل وفاق نہ تھا....، محض نگاہ شفقت سے امتحان لے کر تخصص فی علوم الحدیث کے دوسالہ کورس میں داخل فرمالیا تھا۔

اس وقت ہم نے ایک پکی عمر کے سیاہ ریش، سفید چہرے، ہلکے پھلکے وجود، درمیانی

قامت، سادہ لباس، گہری چمکیلی آنکھیں، شستہ باوقار گفتگو، فرق باطلہ کی تردید میں شمشیر قلم اور وسیع سرمایہ علم رکھنے والے عالم دین دیکھے، جو اپنے صاحبزادے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے پھرتے اس کی منزل اور سبق قرآن سنتے رہتے تھے، تعارف سے پتہ چلا کہ آپ کراچی کے سب سے بڑے علمی رسالہ ماہنامہ بینات کے ایڈیٹر ہیں۔ماموں کانجن کے مدرسہ احیا العلوم سے منتقل ہو کر اگرچہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں استاد حدیث ہیں۔اور انہوں نے سرکاری مجلہ فکرو نظر اسلام آباد کے ایڈیٹر مسٹر فضل الرحمٰن، فاضل آکسفورڈ یونیورسٹی امریکہ برانڈ کے الحادی مضامین کے رد میں لاجواب مضامین لکھے اور علمی خدمات بجالائی ہیں "قدر زر زرگر براند یابد اند جوہری" کے تحت دقیقہ شناس اور قدر دان وارث انبیا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ان کو بینات کی ادارت کے لئے مستقل بلالیا ہے۔اور وہ دس دن کے لئے بینات کی خدمت کرنے ہر ماہ تشریف لاتے ہیں۔

تخصص کے طلبہ کا ایک خاص شعبہ اور اہم کام یہ بھی تھا کہ علمی مضامین لکھیں اور بینات میں شائع ہوں۔راقم بھی ہر ماہ ایک دو مضمون لکھتا جو حضرتؒ کی اصلاح کے بعد بینات کے صفحات کی زینت بن جاتے اور ہم ایسے طالب علموں کی حوصلہ افزائی اور تربیت ہو جاتی۔حجیت حدیث، تدوین حدیث مقام فقہا، تردید منکرین حدیث، عقائد علمأ اہلسنت، فقہ حنفی کی ترقی اور خدمات دین جیسے مضامین ہمارا فکری محور بنے رہتے۔

احقر کے کئی مضامین پر حضرت نے اپنے نقاد سرخ قلم سے اصلاحی جملے لکھے اور اللھم زد فزد کی دعاؤں سے نوازا، اسی کا یہ اثر ہوا کہ جب آپ ۶۹ء میں حج وعمرہ کرنے تشریف لے گئے ۔تو تین ماہ کے لئے بطور معاون مدیر بینات کی خدمت احقر کے سپرد کر گئے اور فن تحریر میں پختگی نصیب ہوئی، حتی کہ جب راقم تاج کمپنی کراچی کی تصحیح کتب اور پروف ریڈنگ کی ملازمت چھوڑ کر پنجاب گیا تو شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے اپنے موقر جریدہ تعلیم القرآن کی ۷۲-۷۳-۷۴ء میں ادارت راقم کے سپرد کر دی اسی دور میں راقم کے تحفظ اہل سنت اور دفاع صحابہ کرامؓ میں کافی علمی مضامین شائع ہوئے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اندرون وبیرون ملک میں بہت بڑا علمی مقام عطا فرمایا، آپ کے مسائل اور ان کا حل، کا کالم روزنامہ جنگ میں باضابطہ ہر ہفتہ چھپنے لگا۔بینات کی

علمی آواز اگرچہ خواص تک پہنچتی تھی۔ مگر عام مسائل کے حل کی آواز نے ہر گھر کو شیطان اور بے دینی کے خلاف ”میدان جنگ“ بنادیا جس کی ۹ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ صرف مفتیوں کے لئے فتاویٰ عالمگیری۔ فتاویٰ ابن عابدین شامی اور بہشتی زیور کی طرح فقہ کا خزانہ ہی نہیں بلکہ حالات حاضرہ کے جدید مسائل کا حل اور مجتہدانہ بصیرت کا مرقع بھی ہے۔

علمائے دیوبند کے تمام علوم کا فکری محور اور موضوع فرق باطلہ کی تردید ہی رہا ہے۔ کمیونسٹ ہوں یا نیچری، رافضی ہوں یا قادیانی، الحادی ہوں یا مودودی، شرک وبدعت کے مریض ہوں یا مغربیت زدہ افکار واجتہاد کے اسیر سب کی اصلاح وتردید علمائے دیوبند ہی کے قلم خاراشگاف اور زبان شعلہ نوا کے مقدر میں آئی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب نبیرہ حضرت نانوتوی نوراللہ مرقدہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد سرفراز صفدر اور علامہ خالد محمود کی طرح قلمی جہاد میں اکابر سلف صالحین سے ورثہ میں ملی ہوئی دین کی خدمت واشاعت میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی تصانیف نے ہر باطل کے پرچم سرنگوں کردیئے، کوئی گمراہ آپ کی کسی کتاب ورسالہ کا جواب نہ لکھ سکا۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم نے اہل حق کی جولانگاہ کے لئے میدان بہت وسیع کردیا۔ الحادی فتنہ فضل الرحمٰن اور قادیانیت کا محاسبہ آپکا خاص مضمون تو تھا ہی، آخر میں آپ نے رافضیت کے لبادہ تقیہ کو بھی پارا پارا کردیا۔ شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم، سے ان کے ماتم کدوں متعہ خانوں اور سازشی محلات میں زلزلہ آگیا۔ بالآخر آپ کی عارضی زندگی شہید کی دائمی زندگی میں تبدیل ہوگئی۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعہ حضرت سے تازہ ملاقات مارچ ۲۰۰۰ء میں ختم نبوت کے جلسہ سکھر میں ہوئی اور احقر کو مذکورہ بالا کتاب مرحمت فرمائی، جبکہ احقر نے اپنی سب سے پہلی کتاب، عدالت حضرات صحابہ کرامؓ جو خلافت وملوکیت کے اصولی رد میں زمانہ طالب علمی میں لکھی گئی تھی اور حضرت بنوری اور علامہ افغانی جیسے اکابر علمائ کی مصدقہ ہے۔ دفتر ختم نبوت کراچی میں آکر ھدیہ دی اور دعائیں لیں۔ کیا پتہ تھا کہ دو ماہ بعد یہ آفتاب ہدایت ہمیں تاریکی میں چھوڑ جائیگا۔ آج تعزیت کی غرض سے کراچی آیا تو حضرت کے دفتر میں ہی بینات کے خصوصی ایڈیشن کے لئے یہ شکستہ الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ خدا ہر عالم دین کو ان جیسی خدمات بجالانے کی توفیق دے۔ اور شر وراعدا سے محفوظ رکھے۔ آمین

زندگی کا شاہ

حافظ عبدالرحمان، جہانیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم العصر، ولی کامل، مرشد العلماء، گلستان نبوی ﷺ کے درخشندہ آفتاب و مہتاب، چھوٹی بڑی ۱۰۰ سے زائد کتب کے مؤلف، ناموس رسالت کے محافظ اور میرے شفیق بزرگ سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ خلعت شہادت سے سرفراز ہوکر صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ پوری ملت کو سوگوار کر گئے۔

حضرت لدھیانویؒ کے عشق رسول ﷺ کی انتہا تھی کہ محبوب ﷺ کی ادا کے خلاف کوئی بات برداشت نہ ہوتی تھی فوراً چہرے مبارک پر غصے کے آثار نظر آتے، مگر شفیق اتنے کہ منہ پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر محبوب ﷺ کی سنت کو سجانے کا کہتے، جو وعدہ کر لیتا اسکی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اسے اپنا گرویدہ بنا لیتے اس طرح آپکی شفقت نے کئی انسانوں کو سنت نبویؐ سے مزین کر دیا۔

آپکی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ مگر عجیب بات ہے کہ آپؒ اس قدر بے خوف و خطر قلندرانہ زندگی گزار رہے تھے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور ظاہر کرنا عیب سمجھتے تھے۔ محافظ رکھنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی بالکل سادہ زندگی گزاری:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

حضرتؒ نے اپنے آپ کو جس قدر مٹایا اللہ تعالی نے آپ کو اس سے زیادہ بلند فرمایا۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، پاک و ہند اور یورپ وامریکہ تک آپؒ کی علمی وروحانی شخصیت کا شہرہ تھا، مگر دنیا سے اس قدر بے رغبتی تھی کہ اکثر فرمایا کرتے "یہ کپڑے بھی میری ملکیت نہیں ہیں۔ الحمد اللہ میں نے اپنے نام کی کوئی چیز نہیں رکھی"۔

ھیمشہ باوضو رہتے اور ذکر الہی میں مشغول رہتے روزانہ تین سپارے پڑھتے، تہجد میں ذکر الہی اس قدر کرتے ایسا محسوس ہوتا کہ فرشتے بھی آپکی آواز کے ساتھ آواز ملاکر لاالہ الااللہ، اور اللہ، اللہ کہہ رہے ہوں گے، سننے والے کو بڑا مزا آتا، پھر دعامیں اس قدر روتے کہ دیکھنے والے کو آپکی حالت زار پر ترس آنے لگتا۔ سفر و حضر میں اپنے معمولات میں کمی نہ آنے دیتے مثلاً اشراق، چاشت، اوابین، تہجد، صلوٰۃ التسبیح، مناجات مقبول اور درود شریف وغیرہ الغرض سنت کی پوری پابندی کرتے۔ دعا کے لئے جب بھی ہاتھ اٹھے اللہ تعالی نے کبھی خالی واپس نہیں لوٹائے۔

چند دن قبل شہادت کی دعا فرمائی جو بہت جلد قبول ہو گئی حضرتؒ نے تین دعائیں فرمائیں اور اللہ تعالی نے تینوں کو قبولیت کا درجہ عطا فرمایا، وہ دعائیں یہ تھیں!

۱:..... یااللہ مجھے شہادت نصیب ہو، مگر کافر کے ہاتھ سے، مسلمان کے ہاتھ سے نہیں تاکہ اسکی آخرت برباد نہ ہو۔

۲:..... یااللہ مجھے ایسی بیماری میں مبتلا نہ کرنا جس کی وجہ سے میں کسی کا محتاج ہو جاؤں اور میری وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

۳:..... میری تدفین جلد مکمل کرنا میرا خاندان بہت بڑا ہے اس کی وجہ سے مجھے زیادہ دیر انتظار میں نہ رکھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس پورے خاندان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگاہ کرم تھی چنانچہ حضرت کی طرح حضرت کا پورا گھرانہ ہی "خانہ ھمہ آفتاب است" کے مصداق ایک سے ایک ولی کامل تھا۔

حضرت شہیدؒ کے والد چوہدری اللہ بخش بڑے عابد و زاہد تھے اور قرآن پاک سے بڑی محبت رکھتے تھے اکثر وقت تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتے، اسی طرح، تہجد، اشراق اوابین

اور ذکر الٰہی آپکی روح کی غذا تھی۔ آپ علمأ اور حفاظ حضرات سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ جو بھی آپکے پاس عالم دین آتا آپؒ بڑی محبت سے پیش آتے اسکی خوب خدمت کرتے۔ آپؒ رمضان المبارک میں دس دس سپارے روزانہ نفلوں میں مختلف حفاظ کرام سے سنتے۔

حضرت کے بڑے بھائی جناب چوہدری عبدالباریؒ شریف النفس عاجزانہ زندگی گزارنے والے غریب وامیر دونوں کے مخلص دوست تھے، خدمت خلق ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ تدفین سے واپسی پر فرمایا جب میں بھائی صاحب کو قبر میں رکھ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا کہ آج میں علاقہ کی شرافت کو دفن کر رہا ہوں۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ میرے بھائی کتنی بڑی شخصیت تھے۔ میں تو انکو دنیادار ہی سمجھتا رہا۔ ان کا بھی یہ معمول تھا کہ روزانہ تہجد کے لئے اٹھتے ذکر واذکار کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اشراق تک تلاوت کرتے رہتے اس کے بعد مسجد سے باہر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جدامجد کے اخلاص کی وجہ سے ہمارے خاندان کو دین ودنیا دونوں عطاکی تھیں۔

حضرت کے دوسرے بھائی الحاج چوہدری عبدالغنی مدظلہ بھی دین دار ہیں اور ان کی اولاد بھی دین دار ہے۔ حضرت کے سب سے چھوٹے بھائی جناب چوہدری عبدالستار صاحب بڑے ہی عابد وزاہد بڑا دینی مطالعہ رکھتے ہیں ان کے چار صاحبزادے ہیں اور سب کے سب حافظ قاری اور عالم ہیں۔ جبکہ مولانا قاری محمد عطاء اللہ صاحب مدظلہ العالی حضرت شہیدؒ کے خلفأ میں سے ہیں، اسی طرح حضرت کی ہمشیرہ صاحبہؒ بھی بہت ہی نیک۔ صالحہ عابدہ، اور تہجد گزار خاتون تھیں۔

۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو حضرتؒ پر اچانک فالج کا شدید حملہ ہوا دو تین دن خاموش رہے۔ جب بولنا شروع کیا تو۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرتؒ سے پوچھا آپ کو کسی قسم کی پریشانی یا صدمہ تو نہیں؟ حضرتؒ نے بڑا ہی عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ: الحمد للہ مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں تو اپنے مالک وخالق سے کہتا ہوں کہ یا اللہ اگر تو نے مجھ ناکارہ سے مزید دین کا کام لینا ہے تو مجھے مکمل صحت عطاء فرمادے اگر میرا دنیا میں رہنا بے کار ہو تو مجھے جلد اپنے پاس بلالے۔ میں تیرے دیدار کے لئے بے تاب ہوں باقی تو مجھے جس حال میں بھی رکھے میں تیرا بندہ ہوں اور تیری رضا پر راضی ہوں۔

پچھلے سال ۱۷ مئی ۱۹۹۹ء میں ختم نبوت کانفرنس ملتان کے موقع پر حضرت گاؤں آئے اپنے والد ماجدؒ کی یاد میں بچیوں کا مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات چک نمبر ۳۳۵ ڈبلیو بی، زیر انتظام (چوہدری اللہ بخشؒ ٹرسٹ) قائم فرمایا جسکی افتتاحی تقریب میں حضرتؒ کے ساتھ حضرتؒ کے منظور نظر خلفاء حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر۔ مسند بخاری کے امین فقیہہ العصر و شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی صاحب اور دیگر علماًجو حضرت لدھیانوی شہیدؒ سے عقیدت رکھتے تھے گاؤں تشریف لائے۔ حضرت شہیدؒ کے خادم خاص سفر و حضر کے ہمسفر مولانا مفتی محمد جمیل خان (نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال کراچی) بھی تھے۔ حضرت شہیدؒ کے چھوٹے بھائی حاجی چوہدری عبدالغنی مدظلہ العالی، سب سے چھوٹے بھائی حاجی عبدالستار مدظلہ العالی اور والد ماجد چوہدری عبدالباری مرحومؒ کے جانشین اور میرے بڑے بھائی حافظ عبدالسلام نمبردار، استاذ القرا مولانا قاری محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی، خطیب جامع مسجد چک نمبر ۳۳۵ ڈبیلو، بی، مفتی محمد شفیع مدظلہ العالی، جہانیاں منڈی (خانیوال) میرے چھوٹے بھائی اور حضرت اقدس شہیدؒ کے سب سے چھوٹے داماد مولانا قاری حبیب الرحمٰن لدھیانوی مدظلہ العالی حضرتؒ کے چاروں صاحبزادگان، حافظ محمد سعید لدھیانوی، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی مدیر مکتبہ لدھیانوی کراچی، مولانا محمد طیب لدھیانوی، اور مولانا حافظ محمد یحییٰ لدھیانوی جانشین حضرت اقدس مولانا محمد یوسف شہیدؒ دامت برکاتہم العالی اور دیگر علماًکرام تشریف فرما تھے۔

اس موقع پر حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ نے جلسہ کے اختتامی بیان میں مدرسہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: میرے والد ماجد نے بچوں کا مدرسہ قائم فرمایا، مجھ ناکارہ نے اپنے والد ماجد کے گلشن میں ایک اور پودا لگا کر بچیوں کا مدرسہ قائم کیا جو کہ میرے والد ماجدؒ کی یادگار میں قائم کیا گیا ہے جسکی افتتاحی تقریب میں ہم سب شریک ہیں۔ میری تمام علاقہ والوں سے گزارش ہے کہ اپنی بچیوں کو قرآن پاک حفظ و ناظرہ اور دینی تعلیم کے لئے بھیجیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ ہر گاؤں میں ہر گھر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آئے، یہ بہت بڑی تجارت ہے۔

حضرت اقدس شہیدؒ نے فرمایا جس طرح میرے خاندان میں بیس پچیس حفاظ کرام ہیں

اگر بچیوں کا مدرسہ پہلے قائم کر دیا جاتا تو آج میرے خاندان اور گاؤں میں (حافظہ) بچیوں کی تعداد شاید اس سے بھی زیادہ ہوتی آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ مجھے یہ کام بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ الحمدللہ اس وقت میرے اس چھوٹے سے گاؤں میں (اسی ۸۰) کے قریب حفاظ کرام اور (سترہ ۱۷) کے قریب علمأ کرام موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ناکارہ بھی ہے۔ یہ میرے والد ماجد کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

............☆............

......آنجناب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بہت سے علمأ کے بچے دینی مدارس کے بجائے جدید تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تکوینی نظام ہے کہ وہ اپنے کارخانہ دین کے کارکنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین شخصیات کا مرہون منت نہیں، ہماری تاریخ میں بڑے بڑے اکابر گزرے ہیں لیکن آج ان کے اخلاف میں کوئی نابغہ شخصیت مشکل ہی سے نظر آئے گی، اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کا کام لینا منظور ہوا تو سکھوں کو مشرف بہ اسلام کر کے ان کی اولاد میں امام الاولیأ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی اقلیم کے تاجدار کھڑے کر دیئے، پس اگر کچھ علمأ ایسے ہیں جن کی اولاد اپنے اکابر و اسلاف کی وراثت سے روگردانی کر کے جدید تعلیم کے لئے یورپ و امریکہ کی خاک چھانتی پھرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمت خداوندی ان کو اپنے دین کی خدمت کے بلند و بالا منصب سے معزول کر کے ان کی جگہ کچھ دوسرے حضرات کو لانا چاہتی ہے۔ بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو دین مصطفویؐ کی خدمت میں لگا دیا گیا ہے۔ وہ اس اعزاز و انتخاب خداوندی پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے، اور بڑے ہی بد قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اس خدمت سے معزول اور برطرف کر دیا گیا ہے، اور وہ مکروہ چہرے والی لیلائے دنیا سے عشق لڑاتے پھر رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے صحیح فرمایا ہے:

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بہ خدمت بداشتت

منفرد شخصیت

حافظ عبد الرشید، حیدرآباد

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ سے محبت وعقیدت تو بہت پہلے سے تھی، اور تمام مسائل معلوم کرنے اور دعاؤں کی درخواست کیلئے خط وکتابت بھی تھی لیکن اصلاحی تعلق کی ابتدا ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء کے خط سے ہوئی جس میں حضرت اقدس نے غایت درجہ محبت وشفقت کا اظہار فرما کر بیعت فرمالیا اور پھر بعد میں بالمشافہ حاضری پر بیعت کیا، اس منظر کی حلاوت کا کس طرح ذکر کروں؟ بعد میں جتنا قرب ہوتا گیا محبت وشفقت اور سرپرستی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۲۱ شعبان ۱۴۲۰ھ کو خط کے ذریعہ یہ درخواست کی کہ حیدر آباد کیلئے ماہانہ پروگرام ہونا چاہئے۔

حضرت اقدس نے کمال شفقت کے ساتھ اس کو قبول فرمالیا اور فرمایا کہ حج کے بعد ترتیب بنالیں گے، پھر باقاعدہ یہ طے فرمادیا کہ ہر انگریزی مہینہ کے تیسرے اتوار کو حیدر آباد جایا کروں گا۔

۱۴/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰ اپریل ۲۰۰۰ء کی حاضری وملاقات کے موقع پر فرمایا کہ اس دفعہ ۳۰ اپریل کا پروگرام بنالیں، آئندہ ماہ سے ہر تیسرے اتوار کو پروگرام ہوا کرے گا، اسی ملاقات میں حیدر آباد میں ہفتہ واری مجلس ذکر کی تاکید فرمائی اور اسی وقت سے ہفتہ وار مجلس ذکر بحمد اللہ شروع کردی گئی۔

اعمال واوقات کی حفاظت :

۱ :.... آپؒ ہر نماز میں اذان سے قبل ورنہ اذان کے فوراً بعد مسجد میں تشریف لے آتے اور محراب میں مصلی پر تلاوت کلام میں مصروف رہتے، یہ آپ کا عام معمول تھا، آپ کا یہ معمول مبارک ائمہ مساجد اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کرنے کے خواہش مند حضرات کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔

۲ :.... آپؒ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے ۱۲ بجے سے پہلے مسجد میں آجاتے اور ۱۲ بجے بیان شروع فرمادیتے، تقریباً ایک بجے تک بیان ہوتا اس کے بعد سوالات کے جواب دئے جاتے، سوا ایک بجے پہلی اذان ہوتی، دس منٹ سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ، پھر دوسری اذان وخطبہ اور نماز ہوتی۔ اس میں جمعہ کے دن مسلمانوں کو پہلی اذان سے بھی پہلے مسجد بلانے کا حضرات علما کے لئے آسان نسخہ اور جمعہ کی جلد ادائیگی کا سبق ہے۔

۳ :.... آپ دین کا کام کرنے والے ہر انسان کو گلے لگاتے، اس سے خوش ہوتے، اور اس کو اپنا سمجھتے، اس کی سرپرستی کرتے۔ اس میں اہل دین اور علما کے لئے بہترین لائحہ عمل اور وسعت قلبی کا بہترین سبق ہے۔

۴ :.... نکاح پڑھانے کے لئے دولہا کے شرعی لباس، وضع قطع، صورت وسیرت کو دیکھ کر نکاح پڑھاتے ورنہ انکار فرمادیتے۔ اس میں نکاح خواں حضرات کے لئے سبق ہے کہ شریعت کی پاسداری کیسے کی جاتی ہے ؟

۵ :.... مہر فاطمی سے کم یا زیادہ پر نکاح نہ پڑھاتے یعنی مہر فاطمی پر اصرار فرماکر امت کو مہر فاطمی کی سنت پر لاتے۔

۶ :.... ہر مسلمان ومعتقد کو بڑے پیارے انداز میں ڈاڑھی پر آمادہ کرتے۔

۷ :.... انگریزی محاورات اور جملوں سے سخت نفرت کا اظہار فرماتے تھے۔

۸ :.... اپنے کام سے اتنی لگن وشغف کہ جنگ اخبار میں ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کیلئے شہادت باسعادت کے بعد تک کے کئی سال آگے کا کام کر گئے۔

۹ :.... شفقت والفت اور محبت ایسی فرماتے کہ آپ کی شفقت دیکھ کر ماں، باپ اور استاذ کی محبت بھول جاتی۔

۱۰:.... سفر و حضر میں تہجد کے وقت صلاۃ التسبیح کا اہتمام والتزام فرماتے۔

۱۱:.... فضول مجلس آرائی سے مکمل اجتناب فرماتے۔

۱۲:.... آپ کی مجلس میں بولنے سے زیادہ خاموش رہ کر آپ کے چہرے کو دیکھنے میں ایک عجیب حظ اور سرور ملتا تھا۔

۱۳:.... آپ ہر مرید سے یہ عہد لیتے: تکبیر اولیٰ کی پابندی کرنا، ۲-روزانہ مناجات مقبول ذریعۃ الوصول الی جناب الرسولؐ کی ایک ایک منزل پڑھنا، ۳- تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ اور حفاظ کیلئے تین پارے، حسب تلقین ذکر پر مداومت - شریعت وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنا، منہیات و محرمات سے مکمل اجتناب، فضولیات لغویات ورسومات سے احتراز کی تاکید کرنا، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی پر پرزور اصرار کرنا۔

خوف خدا، خشیت الٰہی اور انابت الی اللہ آپ کے چہرے سے عیاں ہوتی، گویا کہ آپ کی زندگی کا ہر عمل قرآنی الفاظ میں "ففروا الی الله "اور "یایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولاتموتن الا وانتم مسلمون" کا مصداق تھا، بالفاظ دیگر آپ قرآنی آیات کی عملی تفسیر نظر آتے تھے، جس میں بناوٹ و تصنع کچھ بھی نہیں تھا۔

ملفوظات:

ایک بار فرمایا: کہ مہمان تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱:.... جن سے ملنا یا بلانا پسند نہیں ہوتا چنانچہ اگر وہ آبھی جائیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ نہیں ہیں یا مصروف ہیں دوسرے الفاظ میں آپ ان سے ملنا نہیں چاہتے۔

۲:.... دوسری قسم ان کو بلایا تو نہیں جاتا لیکن وہ آجائیں تو چائے پانی کے بغیر نہیں جانے دیا جاتا، یعنی ضروری تواضع کی اور چلتا کیا۔

۳:.... تیسری قسم کے وہ ہوتے ہیں کہ ان کے بلانے میں فخر محسوس کیا جاتا ہے اگر آجائیں تو اپنے معمولات اور روزمرہ کے کام کاج بھی آگے پیچھے کرنا پڑیں تو خوشی کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج مسلمانوں کا اور مسجد میں آنے والوں کا بھی یہی حال ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مسجد میں آتے ہی نہیں ہیں، دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ آتے تو ہیں لیکن

جانے اور مسجد سے نکلنے کی پہلے سوچتے ہیں گھڑی دیکھ کر آتے ہیں اور گھڑی دیکھ کر دس پندرہ منٹ میں فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں ہم سب مسلمان اس وقت دوسری قسم میں چل رہے ہیں۔ اللہ تیسری قسم میں سے بنادے کہ اللہ کے گھر اور مسجد میں جی جان سے دل لگا کر عبادت کرنے والے بن جائیں۔ آمین

فرمایا: ..... کہ مرنے سے اور قبر سے ڈر لگتا ہے اور یہ گھاٹی آنی بھی ضرور ہے، اللہ رحم کا معاملہ فرمائے مگر ہمیں اس کی فکر نہیں ہے۔ آمین۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں فرمایا کہ میں ان سے راضی ہوں وہ مجھ سے راضی، اور راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا ہر کام اللہ کی مرضی اور حکم و منشا کے مطابق ہو، ہمارا ہر کام نبی ﷺ کی اطاعت کے مطابق ہو۔ سیرت وصورت، قول و فعل، عمل و کردار میں ہم سب اللہ کے حکم کو پورا کرنے والے ہوں۔ نبی ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہوں، اللہ ہم سب کو ایسا بنادے، آمین ثم آمین۔

......دینی مدارس کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والوں کو خود اپنا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے ایک لمحہ یہ سوچ لینا چاہئے کہ ان کی اس معرکہ آرائی کی تہہ میں دین دشمنی کا چور تو چھپا ہوا نہیں ہے؟ وہی دین جسے کافی عرصہ ہوا گھر سے، دوکان سے، بازار سے، عدالت سے، مقننہ سے، ایوان حکومت سے الغرض فرد و معاشرہ کی زندگی کے ہر گوشے سے نکالا جا چکا ہے، لیکن مسجد و مدرسہ اور خانقاہ و رباط میں اس کے "آثار قیمہ" کا کہیں کہیں سراغ مل جاتا ہے، کیا دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے ان کی نظر میں اس لئے تو نہیں کھٹکتے؟ کہ ان لوگوں نے تاریک حجروں، شکستہ مسجدوں اور خستہ حال مدرسوں میں دین کو کیوں پناہ دے رکھی ہے؟ کیا ان کے لئے یہ خیال تو بے چینی کا باعث نہیں بنا ہوا کہ وہی دین جو ہر میدان میں ہمارے جور و ستم سے چور ہو رہا ہے، ان لوگوں نے اپنی بے مائیگی، کسمپرسی، اور بدحالی کے باوجود اس "لب جاں دین" کی تیمارداری کا کام کیوں سنبھال رکھا ہے؟ ستم ظریفی کی حد ہے کہ آج صرف اس جرم پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جا رہا ہے کہ عربی مدارس کے علماً اور طلبہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کی غلطی کیوں کی ہے، یہ دنیاوی مشاغل پر کیوں نہیں لپکتے۔......

عظیم مذہبی اسکالر

پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد کراچی یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے اپنے پیغمبر اس دنیا میں بھیجے، سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو نبوت عطا فرمائی اور اعلان فرمادیا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں عطا کی جائے گی، چونکہ قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوت چلے گی، اسلئے آپ ﷺ کی امت کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسی ہمہ گیر شخصیات کو پیدا فرمایا جو اس امت کی ہر میدان میں رہنمائی فرمائیں۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "العلمأ ورثۃ الانبیأ""علمأ" انبیأ کے وارث ہیں، انہیں وارثین انبیاء جامع کمالات شخصیات میں سے ایک شخصیت کو تاریخ شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے نام سے سنہری حروف سے لکھے گی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ عظیم مفکر اسلام، عالمی مبلغ اور بلند پایہ مذہبی اسکالر تھے۔

آپؒ ان شخصیات میں سے تھے جو قافلہ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، جن کے وجود سے علم ودانش، یقین ومعرفت زھد و تقویٰ کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم دین تھے، بلکہ عظیم مدبر و حکیم، مجسمہ حلم و وقار خدا ترسی وللہیت کا بہترین نمونہ تھے، وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی روایات کے امین تھے۔آپؒ نے ملت اسلامیہ کے لئے وہ وقیع خدمات انجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ رہیں گی۔

آپؒ کو شروع ہی سے اچھے اساتذہ کی تلاش تھی، جہاں معلوم ہوا کہ ذی استعداد اور

صاحب نسبت اساتذہ موجود ہیں آپ نے وہاں پہنچنے کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کئی ایک مدارس میں تعلیم حاصل کی جن میں مدرسہ انوریہ لدھیانہ، مدرسہ رحمانیہ ملتان، قاسم العلوم فقیروالی، مدرسہ خیر المدارس ملتان شامل ہیں۔

آپؒ نے علم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم باطنی میں بھی کمال حاصل کیا، آپ بچپن سے ہی اس کے متلاشی تھے کہ درس نظامی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کی تعلیم بھی حاصل کی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کوشش کو شرف قبولیت بخشا، چنانچہ آپ نے باقاعدہ بیعت کا تعلق اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ (جو کہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی کے اجل خلفاء تھے) سے جوڑا اور سبقاً سبقاً منازل سلوک کو طے کیا، ان کی وفات کے بعد آپ نے قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تعلق قائم کیا تو حضرت نے جلد ہی خلعت خلافت سے نوازا، آپ کراچی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کی مجالس میں تشریف لے جانے لگے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب کو حضرت شیخ الحدیث کی خلافت کا علم ہوا تو آپ نے بھی مجازِ بیعت فرمایا، آپ چاروں سلسلوں میں مجاز بیعت تھے لیکن صرف سلسلہ چشتیہ ہی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی طرف سے بیعت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہزاروں لوگوں کو توبہ کی توفیق سے نوازا اس وقت اندرون و بیرون ملک آپ کے ۷۴ خلفاً اس خدمت میں مصروف رہ کر آپ کے اس مبارک سلسلہ کو پھیلانے کا ذریعہ اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

شہید اسلام حضرت مرحوم نے "مولانا محمد زکریاؒ اور ان کے خلفاء کرام جلد دوم سوم" کے مقدمہ میں اپنے شیخ مولانا محمد زکریاؒ کے بارے میں تحریر فرمایا تھا جو آج حرف بحرف حضرت موصوف پر صادق آرہا ہے:

> "پھر بعض حضرات ایسے ہیں جو صرف کسی ایک شعبہ کے کارکن ہیں اور بعض سے ایک سے زیادہ شعبوں میں کام لیا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات کو عنایت ازلیہ خدمات دینیہ کا قطب مدار بنادیتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی شخصیت میں ایسی محبوبیت و موزونیت، ایسی جامعیت و جاذبیت اور ایسی ایمانی وروحانی مقناطیسی قوت ودیعت فرمادیتے ہیں کہ اس دور کے مختلف

ازواق ومزاج کے اہل قلوب ورجال کار کشاں کشاں ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اس طرح ان کی شخصیت دینی خدمات کی تمام لائنوں کے رجال کار کے لئے نقطۂ ارتکاز اور مرکز ثقل کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے ،ان کی تاثیر صحبت اور تربیت وتوجہ سے دینی کام کے تمام شعبوں میں ایک نئی ارت اور نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور علم وعرفان کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگتا ہے اور خدام دین میں شوق وولولہ کی ایک نئی لہر پیدا ہو جاتی ہے''۔

علمی انہماک :

مولانا مرحوم میں دور طالب علمی ہی سے احساس ذمہ داری تھا آپ پڑھائی کے دوران کبھی اسباق کا ناغہ نہ فرماتے تھے۔اور اپنی متعلقہ کتب نہایت انہماک کے ساتھ مطالعہ فرماتے تھے چنانچہ آپ کے دورہ حدیث کے ساتھی مولانا عبدالرشید ارشد تحریر فرماتے ہیں :

''میں ان دنوں شہید کو دیکھتا تھا کہ باقاعدہ ہر کتاب کے سبق میں سب سے پہلے موجود ہوتے تھے اور سوائے چند دنوں کے کبھی ناغہ نہیں کیا اور غالباً وہ یہ دن تھے جب آپ کی رخصتی ہوئی تھی ،دو تین دن کے لئے گئے تھے لیکن غالباً ہفتہ عشرہ لگ گیا۔اور ضابطہ کے مطابق مزید رخصت کے لئے حضرت مہتمم صاحب کو بذریعہ خط درخواست دی تھی ،چونکہ ذوق ابتداًسے علمی تھا لہذا بڑے علمی انداز میں یہ درخواست لکھی تھی۔''

مشاہر علمائ کی نظر میں :

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آپ کی علمی قابلیت کا اعتراف اس طرح فرماتے ہیں

''گرامی نامہ مورخہ ۲۱ جمادی الآخرۃ کو مجھے طویل سفر کی وجہ سے تاخیر سے ملا ،پڑھ کر بہت مسرت ہوئی یہ کتاب کی پہلی رسید ہی نہیں سند بھی ہے۔میں آپ کی پسندیدگی کو قبولیت کی ایک علامت سمجھتا ہوں۔''

اسی طرح عالم اسلام کی معروف دینی درس گاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے

بانی اور علوم انور شاہ کشمیریؒ کے وارث محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جن کی علمیت کے اہل عجم ہی نہیں عرب بھی قائل تھے، وہ اس نابغہ روزگار شخصیت کے علوم ومعارف اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اردو ترجمہ "خاتم النبین" کے مقدمہ میں انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا دل ودماغ جس طرح علوم ومعارف سے بھرا ہوا تھا ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم وحقائق نکلیں گے۔ ہر شخص نہ اس کی تہ تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اسکے قبضہ میں آسکتے تھے اسکے لئے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی......۔"

یہاں دس اوصاف ذکر کرنے کے بعد حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

"الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس عشرہ کاملہ سے متصف تھے۔ باکمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے"۔

تصنیف وتالیف:

آپ نہ صرف بہترین مدرس ثابت ہوئے بلکہ آپ نے جب تحریر کے میدان میں قدم رکھا تو اہل قلم کو حیران کردیا۔ آپ کی تحریر کی ابتدا صدق جدید میں چھپنے والے ایک مضمون کے جواب سے ہوئی جو برصغیر کی شہرہ آفاق دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے دینی آرگن ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" میں دو قسطوں میں شائع ہوا تردید قادیانیت کے موضوع پر یہ آپ کا پہلا مضمون تھا، اسی سے آپ کی خبر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو ہوئی اس وقت آپ ماموں کانجن میں درس نظامی کی تدریس میں مشغول تھے۔ حضرت بنوریؒ اس تحریر سے بھانپ گئے کہ گدڑی میں لعل چھپے ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے مولانا لدھیانویؒ سے کراچی آنے کی درخواست کی، جس کی آپ نے حکم تصور کرتے ہوئے تعمیل فرمائی اور ماہنامہ بینات سے وابستہ ہوگئے اور کراچی آنے جانے لگے ۱۹۷۶ء میں آپ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے رکن رکین مقرر ہوئے اور مجلس مین گراں قدر خدمات انجام دیں اسی عرصہ میں آپ نے بیسیوں رسالے تحریر فرمائے

اور ساتھ ہی مختلف مضامین تردید قادیانیت کے موضوع پر آپ کے قلم سے نکلے، اس وقت آپ کی بے شمار مفید تصانیف منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

آپ نے جنگ اخبار میں غالباً ۱۹۷۸ء سے ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کے عنوان سے امت مسلمہ کی چوبیس گھنٹے کی زندگی میں رہنمائی شروع فرمائی، آپ کے جوابات اتنے آسان اور حکیمانہ ہوتے کہ ان سے عالم وعامی اور جدید تعلیم یافتہ تمام حضرات باسانی استفادہ کرتے تھے۔ اسی لئے اس سلسلہ سے امت مسلمہ کو بہت زیادہ فائدہ ہوا اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر ان مسائل کو کتابی شکل میں ابواب کے لحاظ سے نو جلدوں میں شائع کیا گیا ہے جو بہت بڑی دینی خدمت ہے اور بلاشبہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

............☆............

......فرعون وہامان ہوں یا ابو جہل وابو لہب، وہ آخرت کے سرے سے منکر تھے، اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یا حضرت سرور کونین ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس قدر تعجب خیز نہیں تھا جس قدر تعجب خیز ان حضرات کا طرز عمل ہے جو بزعم خود مسلمان کہلاتے ہیں اور ایمان بالآخرت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کے باوجود انبیائے کرام علیہم السلام کے وارثوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کو ملائیت کے طعنے دیتے ہیں، پاکستان کی پوری تاریخ میں ایسے منافقان سیاہ باطن دین اور اہل دین کے خلاف بر سر پیکار رہے ہیں، اور ”مولوی، ملا“ کہہ کر ان کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ ملائیت اور مولویت کے خلاف ان کا جارحانہ اقدام کبھی عقل ومنطق اور شرافت وشائستگی کی قید کا پابند نہیں رہا۔ سب سے پہلے پاکستان کے فرعون اول سکندر مرزا نے ملائیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا اور ملاؤں کو سونے کی کشتی میں بٹھا کر سمندر پار بھیج دینے کا اعلان فرمایا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ خود مکافات عمل کا نشانہ بن گیا اور قدرت نے اسے سونے کی کشتی میں نہیں بلکہ مال بردار جہاز میں لاد کر سمندر پار بھجوادیا، اور پھر جو کچھ اس کا انجام ہوا وہ سب کے لئے سامان عبرت ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے بے نظیر دور حکومت میں وقت کے فرعونوں کا ایک پورا ٹولہ دین اور اہل دین کا مذاق اڑانے کے مشن پر مامور تھا اور بولہبیان عصر حاضر کی ایک پوری جماعت وارثان مصطفیٰ ﷺ پر طنز وتشنیع کرنے اور آوازے کسنے میں مصروف تھی، قدرت کا انتقام دیکھئے کہ آج وہ خود ”رہین ستم ہائے روزگار“ ہیں اور غبارہ محمل بن کر اپنے زخم چاٹ رہے ہیں......

ہمارے حضرتؒ

مولانا قاری شبیر احمد، لاہور

ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی پاکیزہ زندگی اور علم و عمل کی ہمہ جہتی و اثر گیری پر بہت سے علمائے کرام اور اہل قلم حضرات نے مضامین تحریر کئے ہیں۔ ان قیمتی مضامین کے سامنے ان چند سطور کی کوئی اہمیت نہیں لیکن "جئنا ببضاعة مزجاة" کے مصداق اپنے قلبی تأثرات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہا ہوں:

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

حضرت کی لاہور آمد:

اپریل ۱۹۹۵ء میں لاہور میں اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا اور مجھ ناچیز کو اس کے انتظام کی سعادت حاصل ہوئی، ستمبر ۹۵ء میں لاہور میں اقرأ کی پہلی شاخ "سیدنا معاذ بن جبلؓ" میں آغازِ تعلیم کے موقع پر حضرت تشریف لائے اور اس کے بعد تاحیات وقتاً فوقتاً حضرت کی زیارت، نصائح اور ملفوظات سے اہلِ لاہور مشرف ہوتے رہے، بعض احباب، جن میں برادرم عتیق انور صاحب کا نام سرفہرست ہے، کے پُر خلوص اصرار پر حضرت نے ہر شمسی مہینہ کی پہلی اتوار کو "اصلاحی خطاب" کے عنوان سے جامعہ اشرفیہ (فیروز پور روڈ) میں نمازِ عصر کے بعد اصلاحی بیان کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بعد میں یہ مجلس مسجدِ شہدأ (مال روڈ) منتقل ہو گئی اور اب بھی حضرت اقدس کی جاری کردہ یہ مجلس یہیں منعقد ہوتی ہے جس میں حضرت

کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب دامت برکاتہم خطاب فرماتے ہیں۔

لاہور تشریف آوری کے موقع پر اور اسی طرح بعض اسفار میں بھی راقم کو حضرت کی خدمت و مصاحبت کا شرف حاصل رہتا تھا۔ اس دوران حضرت کی شخصیت کے جو پہلو بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے ان کا مختصر تذکرہ قارئین کی نذر ہے۔

شفقت و محبت :

ہم نے حضرت میں جو شفقت و محبت دیکھی وہ کہیں اور نظر نہیں آئی۔ جو بھی آپ سے ملتا آپ کی شفقت و محبت کی بنا پر آپ کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ آپ نصیحت بھی فرماتے تو آپ کے لب و لہجہ سے اس خاص کیفیت کا اظہار نمایاں ہوتا تھا۔ آپ کی خدمت میں آنے والا آپ کے مصافحہ و معانقہ سے اسی قدر مسرور ہوتا گویا اسے دونوں جہان مل گئے ہیں۔ آپ کی شہادت کے بعد ایک موقع پر "اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ" کے نائب امیر حضرت مفتی خالد محمود صاحب مدظلہ نے بڑی حسرت سے فرمایا:

"دنیا اہل اللہ سے خالی نہیں، بزرگ تو ہمیں اور بھی مل جائیں گے، لیکن حضرت کی شفقت و محبت اب کہاں ملے گی؟"۔

دینی غیرت و حمیت :

اپنی تمام تر خوش خلقی اور شفقت و محبت کے باوجود آپ دینی غیرت و حمیت سے اس طرح سرشار تھے کہ دینی اقدار کی پامالی پر "بلا خوف لومۃ لائم" برملا نکیر فرماتے اور پوری شدت کے ساتھ اپنی بیزاری کا اظہار فرمادیا کرتے تھے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ لاہور تشریف آوری کے ابتدائی ایام میں ایک مخلص ساتھی نے اپنے گھر پر حضرت کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ حضرت کے ہمراہ مفتی محمد جمیل خان مدظلہ، راقم اور دیگر احباب بھی تھے۔ ہم جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، حضرت کی نگاہیں آویزاں تصاویر پر پڑیں۔ چہرے کی کیفیات بدل گئیں۔ انتہائی غصہ کے عالم میں فرمایا: "ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتے جس میں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوتے ہوں"۔ اور فوراً واپسی کے لئے پلٹے۔ مفتی جمیل صاحب اور دیگر احباب نے بمشکل حضرت کو روکا۔ اس دوران تصاویر ہٹادی گئیں۔ صاحبِ خانہ نے آئندہ تصویر نہ لگانے کے وعدہ پر حضرت

سے تشریف رکھنے کی درخواست اور لجاجت کی۔ الحمد للہ انہوں نے وعدہ پورا کیا۔ آج ان کے چہرہ پر سنت نبوی کی بہار لہلہا رہی ہے اور ان کی زندگی میں نمایاں انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔

ایک زندہ کرامت :

جن حضرات کو حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا ہے وہ گواہ ہیں کہ حضرت داڑھی تراشنے یا منڈوانے کو انتہائی بُرا سمجھتے تھے اور ہر مجلس میں ہر موقع پر سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت کی زندہ کرامت یہ دیکھنے میں آئی کہ اگر حضرتؒ کسی داڑھی منڈے کے چہرے پر اپنے پیارے ہاتھ پھیر دیتے تو تھوڑے ہی دنوں میں سنت نبویؐ سے اس کا چہرہ مزین ہو جاتا تھا۔ میں بعض ایسے احباب سے بھی واقف ہوں جنہیں داڑھی نہ رکھنے کی ضد تھی لیکن حضرت کے دست مبارک کی مسیحائی نے ان کا علاج بھی کر دیا۔ ایسے مواقع پر بعض خدام مسکراتے ہوئے کہا کرتے تھے لو بھائی! اب ان کا بھی کام ہو گیا۔

عزم و حوصلہ :

یوں تو ہمارے تمام اکابر میں یہ بات پائی جاتی تھی کہ پیرانہ سالی و ضعف کے باوجود خدمت دین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے لیکن حضرت کے عزم و حوصلہ پر تو ہم حیران رہ جاتے تھے۔ بارہا دیکھا کہ مسلسل سفر اور مشغولیات کی بناء پر حضرت کے ہمرکاب احباب تھک جاتے تھے اور آرام کی طلب محسوس کرنے لگتے تھے لیکن اپنے "پیر" کے عزم جواں کو دیکھ کر دوبارہ حوصلہ پاتے اور کمر کس لیتے تھے۔

جب گلگت میں اقرأ کی شاخوں کا قیام عمل میں آیا تو دعا کے لئے حضرت بھی گلگت تشریف لے گئے۔ اقرأ کی ایک شاخ گلگت کے انتہائی سرے یٰسین میں بھی قائم ہوئی جس کے افتتاح کیلئے حضرت کو یٰسین بھی جانا تھا۔ جن حضرات نے اس راہ پر سفر کیا ہے وہ راہ کی دشواریوں سے خوب واقف ہیں، میری ذاتی خواہش تو یہی تھی کہ حضرت کو گلگت سے آگے سفر کی زحمت نہ دی جائے لیکن حضرت کے ذوق و شوق اور رغبت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفتی جمیل خان صاحب نے وہاں کا پروگرام ترتیب دے لیا۔

گلگت سے یٰسین تک کا دو طرفہ سفر آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تنگ اور ناہموار راستوں پر ہچکولے لیتی ہوئی جیپ! ایک جانب بلند و بالا پہاڑ جن سے بعض اوقات مٹی کے تودے

یا پتھر یلے ٹکڑے اچانک سڑک پر آجاتے تو دوسری جانب دریائے گلگت پوری قوت کے ساتھ رواں دواں۔ اگر سامنے سے گاڑی آجائے تو بمشکل کراسنگ ہو۔ بعض مقامات پر دو گاڑیاں تو درکنار ایک گاڑی کا بھی گزر بظاہر ناممکن۔ پھر کئی گھنٹوں کا مسلسل سفر۔ لیکن حضرت کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ اور گاہے، گاہے زبان سے باآوازِبلند شکر وحمد کے کلمات کا صدور! ہم خستہ حالوں کے حوصلے بھی بلند ہو جاتے تھے۔ حضرت کے فرحت وسکون سے معمور چہرے کو دیکھ کر ہم بھی پُر سکون ہو جاتے تھے۔

دورانِ سفر جہاں احباب نے فرمائش کی حضرت کا بیان ہوا اور حضرت نے اپنی عادت سے ہٹ کر عام بیعت بھی فرمائی اور معمولات تلقین کئے۔

اسی طرح جب حضرت لاہور تشریف لاتے تو مقررہ ماہانہ اصلاحی مجلس کے علاوہ اسی روز کسی مسجد یا مدرسہ میں ایک اور مجلس کا بھی اہتمام کر لیا جاتا تھا۔ حضرت بخوشی وہاں بھی تشریف لے جاتے اور بیان فرماتے۔ بعض اوقات دو سے زائد مقامات پر بھی جانا ہوتا، لیکن حضرت کے چہرے سے کبھی اکتاہٹ یا تکان کا اظہار نہ ہوتا۔ اگر کبھی خدام حضرت کے آرام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اضافی پروگرام نہ رکھتے تو حضرت تبسم کے ساتھ شکوہ فرماتے "اس دفعہ تو تم نے ہم سے کوئی کام ہی نہیں لیا!" حضرت نے لاہور میں اپنے خدام کو اجازت دے رکھی تھی کہ دین کی نسبت سے جہاں مناسب سمجھو پروگرام رکھ لیا کرو میں ضرور حاضر ہوں گا۔ حتیٰ کہ فرماتے: "دین کے لئے تم مجھے جہاں بھیجو گے میں تیار ہوں مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

امورِ ثلاثہ:

حضرت کے بیانات بلاشبہ "ان من البیان سحرا" کے مصداق ہوتے تھے۔ ہر ایک محسوس کرتا کہ خاص مجھ سے خطاب ہو رہا ہے۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ ہوتا تھا۔ آپ دیگر امور کے علاوہ درج ذیل تین باتوں کی انتہائی اہتمام کے ساتھ نصیحت فرمایا کرتے تھے:

☆ نماز ہمیشہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ (حضرت عموماً تکبیر اولیٰ کی جگہ تکبیر تحریمہ کے الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے۔)

☆ بلاناغہ تلاوتِ کلامِ پاک کا اہتمام فرمائیں،

☆ اپنی شکل وصورت (خصوصاً داڑھی) اور وضع قطع سنت کے مطابق بنائیں۔ حتیٰ کہ

میں نے دیکھا کہ حضرت چھوٹے بچوں کو بھی اگر کالروالی قمیص پہنے دیکھ لیتے تو والدین کو نصیحت فرماتے کہ بچوں کو بھی علماً و صلحاً کے لباس جیسا لباس پہنایا کریں۔ حضرت کے کس کس انداز کا تذکرہ ہو :

زفرق تابہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

............☆............

......دراصل امریکہ بہادر نہیں چاہتا کہ مسلمان ممالک میں اسلام نافذ ہو جائے، کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ اسلامی ممالک نے واقعۃً اسلام کو اپنالیا اور اس کے معاشی، سماجی، اور سیاسی اصولوں کو صدق دل کے ساتھ نافذ کر دیا تو "امریکن ازم" کا اسی طرح جنازہ نکل جائے گا جس طرح روس کے سوشلزم کا جنازہ بڑی دھوم سے نکل چکا ہے، امریکہ بہادر اسلامی ممالک کی بساط سیاست پر ایسے مہروں کو آگے بڑھانا چاہتا ہے جن کا ذہن اسلام سے باغی ہو اور وہ امریکہ کے زر خرید غلام ہوں، پی پی پی کی بے نظیر صاحبہ پر حال ہی کی امریکی یاترا میں یہ "امریکی الہام" نازل ہوا ہے کہ پاکستان کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے یہ نعرہ لگایا جائے کہ ہمیں فلاں قسم کا اسلام چاہئے، فلاں قسم کا نہیں، تاکہ اس نعرہ کے ذریعہ ان لوگوں کا راستہ روکا جاسکے جو پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی کوشش کر رہے ہیں۔

امریکہ بہادر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ پاکستان (اپنی نیم مردہ حالت کے باوجود) آج بھی عالم اسلام کی قیادت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اگر کبھی یہاں کے عوام انگڑائی لے کر خواب غفلت سے بیدار ہو گئے اور انہوں نے ملک میں اسلام کے کامل و مکمل نفاذ کی ٹھان لی تو تمام اسلامی ممالک اس کے نقش قدم کو اپنائیں گے، اس طرح اگر اسلام ایک نئی شکل میں ابھر آیا تو امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، ان حالات میں ان تمام حضرات کا فرض ہے، جن کے دل میں اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہے، کہ عام مسلمانوں کو ایسے سیاسی رہزنوں سے آگاہ کریں جو رہنماؤں کا روپ دھار کر مسلمانوں کے ووٹ کا استحصال کرتے ہیں اور پھر مسند اقتدار پر فائز ہو کر اسلام یا مسلمانوں کا بھلا سوچنے کے بجائے اپنے سفید آقاؤں کے اشارۂ چشم و ابرو کی تعمیل کرتے ہیں، آج پاکستان کا مسلمان پھر دوراہے پر کھڑا ہے، اسے فیصلہ کرنا ہے کہ اسے امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والوں پر اعتماد کرنا ہے یا ایسے لوگوں پر جو واقعۃً اسلام کے نفاذ میں مخلص بھی ہیں اور اس کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں؟......

۴۹

پیکرِ محبوبی

مولانا عزیز الرحمان رحمانی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج سے بیس اکیس برس پہلے کی بات ہے ایک دن دوپہر کے وقت والد ماجد حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہ نے مجھ سے فرمایا کہ مدرسہ سے "ماموں" کو بلا کر لاؤ، ہم ساتھ ہی کھانا کھائیں گے، میں بھاگا بھاگا گیا اور اپنے حقیقی ماموں جناب مولانا محمد ہوری مرحوم کو ان کے گھر سے بلا لایا، اور پھر اپنی کھیل کود میں مشغول ہو گیا، ادھر والد ماجد اس انتظار میں رہے کہ ماموں آئیں تو کھانا شروع کریں، جب کافی دیر ہو گئی تو والد ماجدؒ باہر تشریف لائے اور کسی قدر غصے سے فرمایا، "میاں! میں نے تم سے ماموں کو بلانے کا کہا تھا، اور تم یہاں کھیل رہے ہو؟"

میں نے عرض کیا ابا جی! ماموں جان تو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، میں ان کو کب کا بلا لایا تھا، حضرت والد ماجدؒ ہنس کر فرمانے لگے ارے میاں! میں نے تمہارے ماموں کا تھوڑی کہا تھا؟ ماموں سے میری مراد ہمارے مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی ماموں کانجن والے ہیں، جاؤ انہیں بلا لاؤ، میں دوڑا دوڑا گیا اور انہیں بلا لایا، اس دن مجھے معلوم ہوا کہ یہ ہیں میرے ابا جان اور ہم سب کے ماموں۔

آگے چل کر یہی "ماموں" ہمارے حضرت اقدس مولانا محمدؒ یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ، مرشد العلماءؒ، حکیم العصر، فقیہ الملت کے نام سے مشہور ہوئے، جن سے ہمیں

. دورۂ حدیث کے سال ابو داؤد شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، جن کے علوم وفیوض سے کراچی، بیرون کراچی، ملک اور بیرون ملک ہزاروں علما، صلحا اور مشائخ عظام بلکہ پوری دنیا نے استفادہ کیا۔

یہی تھے وہ ہمارے حضرت اقدس لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جو رمضان المبارک میں والد ماجدؒ کے ساتھ مل کر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دار الحدیث میں ایک دوسرے کو قرآن پاک سنایا کرتے تھے، یہی تھے وہ ہمارے حضرت ماموں جان جو بعد میں مسجد فلاح نصیر آباد میں ہزاروں متوسلین کے ساتھ معتکف ہوکر حضرت خاتم الانبیا ﷺ کی سنت اعتکاف کا احیاً کرتے ہوئے رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش میں رات رات بھر جاگ کر گزارتے۔

حضرت شہیدؒ کے ہاں پاکستان بھر میں اعتکاف کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا تھا، محتاط اندازے کے مطابق حضرتؒ کے ہاں پانچ سو معتکف ہوتے جن کے سحر وافطار کے تمام اخراجات حضرت اپنی جیب خاص سے پورا فرماتے تھے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے، ہر چھوٹے بڑے نے اس کا ذائقہ چکھنا ہے، ہر مرد وزن نے موت کے اس دروازے سے گزر کر بارگاہ رب العالمین تک پہنچنا ہے، نظام عالم ازل سے یہی چلا آرہا ہے، ہر انسان کی دنیا میں آمد اس کے جانے کی تمہید ہے، انبیا کرام علیہم السلام اس کائنات ہست وبود میں تشریف لائے، اپنی مقررہ زندگی کی تکمیل اور حصول رضاً الٰہی کے بعد عالم بالا کی طرف منتقل ہوگئے، اسی طرح صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، تابعینؒ، تبع تابعینؒ سے لے کر تمام اولیاً، صلحاً، نجباً، نقباً، علماً، فقہاً، اقطاب وابدال، اغواث، اوتاد، اخیار، متکلمین، محدثین اور مجددین بھی دنیا میں تشریف لائے اور اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لگائی گئی ڈیوٹیاں سرانجام دے کر خوش، خوش اپنے مالک حقیقی کے ہاں چلے گئے، موت یہ نہیں دیکھا کرتی کہ ان کے جانے سے کس کس کے دل پر کیا کیا گزرے گی؟ اور کہاں کہاں خنجر چلیں گے؟ وہ تو اللہ کے حکم کو پورا کرتی ہے۔

۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء صبح ساڑھے دس بجے کے قریب رشد وہدایت کا یہ آفتاب بھی غروب ہوگیا، اور اس شان سے غروب ہوا کہ زمانہ نے زبردست کروٹ بدلی اور انسانیت کا

پرچم سرنگوں ہوگیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے سوانح نگار اپنے اپنے انداز میں بہت کچھ لکھیں گے اور لکھا جاچکا ہوگا، ارباب قلم حضرت اقدس لدھیانویؒ کے علم و عمل، عقل و فہم، اور فضل و کمال پر اور ان کی زندگی کے حالات پر بہت کچھ لکھیں گے اور لکھا جاتا رہے گا، مجھے جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا، اور جس سے تاحال میں حیرت و استعجاب کا مجسمہ ہوں، وہ ہے حضرت شہیدؒ کی محبوبیت عند اللہ اور مقبولیت عامہ کا مقام!

اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت شہیدؒ کو جو بلند مقام عطا ہوا ہے، وہ بلاشبہ صحیح بخاری کی حدیث: "ثم یوضع له القبول" کے عین مصداق ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

"عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه تبارك وتعالیٰ اذا احب عبدا نادیٰ جبرئیل ان اللّٰه قد احب فلانا فاحبه فیحبه جبرئیل، ثم ینادی جبرئیل فی السماء ان اللّٰه قد احب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ویوضع له القبول فی اهل الارض"۔ (بخاری ص۱۱۱۵ ج۲)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلاکر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بن فلاں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، پس جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور اسکے لئے زمین میں مقبولیت عامہ رکھ دی جاتی ہے۔"

یہ روایت صحیح مسلم اور ترمذی شریف میں بھی ان ہی الفاظ سے مروی ہے البتہ اس میں یہ اضافہ ہے:

”واذا ابغض الله عبدا دعا جبرئيل فيقول انى ابغض فلانا فابغضه، قال فيبغضه جبرئيل، ثم ينادى فى اهل السماء ان الله يبغض فلاناً فابغضوه ثم توضع له البغضاء فى الارض“-(صحیح مسلم ص۳۳۱،ج۲-ترمذی ج۲ص۱۶۷)

ترجمہ: ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلاکر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بن فلاں کو ناپسند کرتا ہوں، تم بھی اس سے بغض رکھو، چنانچہ حضرت جبرئیلؑ بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں اور جبرئیلؑ آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتے ہیں اے آسمان والو! تم بھی اس کو مبغوض رکھو، چنانچہ پھر اس کے لئے زمین و آسمان میں نفرت رکھ دی جاتی ہے-“

اس حدیث کے ذیل میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

”قوله: اذا احب عبداً محبة الله للعبد ايصال الخير اليه بالتقرب والا ثابة، وكذامحبة الملائكة وذالك بالاستغفار والدعألهم ونحوهم، قوله: ”ويوضع له القبول فى الارض“ اى فى اهل الارض فى قلوب اهل الارض، ويعلم منه ان من كان مقبول القلوب هو محبوب الله عز وجل وقيل يوضع له القبول فى الارض عند الصالحين، ليس عند جميع الخلق، والذى يوضع له بعد موته اكثر منه فى حياته-“ (عمدة القارى ص۱۵۵ ج۱۲)

ترجمہ: ”جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت فرماتے ہیں تو اس کی طرف اپنی خیر کو متوجہ فرمادیتے ہیں، اور اسے اپنا قرب عطا فرماتے ہیں، اسی طرح جب ملائکہ کسی سے محبت فرماتے ہیں تو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اس کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، ارشاد نبوی: ”یوضع له

القبول“ کا معنی یہ ہے کہ زمین والوں کے دلوں میں اس کی مقبولیت رکھ دیتے ہیں اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو شخص لوگوں کے ہاں مقبول ہو وہ عند اللہ بھی محبوب ہو گا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ”یوضع لہ القبول“ کا معنی یہ ہے کہ وہ صلحا کے ہاں مقبول ہو گا، یہ ضروری نہیں کہ وہ عوام الناس میں بھی مقبول ہو، اور ایسے لوگوں کی مقبولیت زندگی میں بھی اگرچہ بہت ہوتی ہے لیکن مرنے کے بعد ان کی مقبولیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔“

اسی طرح بندے کی مقبولیت و محبوبیت عند اللہ کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے چنانچہ تفسیر ”معارف القرآن“ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ آیت کریمہ "سیجعل له الرحمٰن ودا" کے ذیل میں لکھتے ہیں :

”ہرم ابن حیان فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔“ (معارف القرآن ج۶ ص ۵۰۵)

زندگی میں تو ہمارے حضرتؒ مرجع عام و خاص اور اکابر علما و صلحا کے محبوب تھے ہی، مگر آپؒ نے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت اپنی محبوبیت کا جو نیا باب رقم فرمایا اس کی نظیر نہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیأ محبوب سبحانی کے جنازہ کا منظر جس طرح کتب تاریخ میں درج ہے، ہمارے حضرت کے جنازہ پر لوگوں کا غم واندوہ اس سے بدرجہا کہیں زیادہ تھا، اور مخلوق خدا حضرت شہید کے آخری دیدار کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے قرار و بے چین دیکھی گئی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے لے کر جیل روڈ کی چورنگی تک، جو تقریباً ڈیڑھ سے دو کلو میٹر کا فاصلہ ہے، ہر گلی کوچہ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے پر تھا، جمشید روڈ اور اسکے اطراف کی گلیاں لوگوں سے اٹی ہوئی تھیں، بلاشبہ یہ پورا علاقہ جنازہ گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔

حضرت شہیدؒ کے جنازہ میں ایسے ایسے افراد بھی شامل دیکھے گئے جنہوں نے شاید زندگی میں کبھی آپ کی زیارت بھی نہ کی ہوگی، اور بظاہر ان کا دین و مذہب سے کوئی گہرا تعلق بھی نہیں تھا، مگر ان کی برستی آنکھیں اور اشک بار دل ان کے عشق و محبت کی ترجمانی کر رہے تھے۔

حضرتؒ کی محبوبیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ کی شہادت کے موقع پر ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت حالات خراب کردیئے گئے، شرپسندوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، ٹریفک بند ہوگیا اور روڈوں پر آگ کے الاؤ اور پتھروں کی بارش تھی، اور جگہ جگہ پولیس تنگ کر رہی تھی، مگر دیوانے تھے کہ ہر خطرے اور رکاوٹ سے بے نیاز اپنے محبوب قائد اور بے تاج بادشاہ کے جنازہ میں شرکت کے لئے میلوں پیدل چل کر آئے اور پھر اسی طرح واپس بھی گئے، پھر ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے سے جنازہ کے انتظار میں صف آرا لاکھوں کے مجمع نے جس قدر خاموشی، نظم و ضبط، صبر و تحمل، سکون و وقار اور امن و اطمینان کا مظاہرہ کیا، بلاشبہ وہ حضرتؒ کی محبوبیت و مقبولیت کی علامت اور آپ کی کرامت ہے، شرکائے جنازہ میں سے ہر شخص غم سے نڈھال تھا، مگر اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کے تقدس کے سامنے سپر انداز تھا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا:

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ہمارے حضرتؒ کو اللہ رب العزت نے خواص و عوام، مریدین و متعلقین، علما و صلحا، اور اکابر و اصاغر میں یکساں مقبولیت عطا فرمائی تھی، جب کہ ارباب قلوب اور اہل بصیرت حضرات کی عقابی نگاہوں نے تو بہت پہلے ہی اس گوہر نایاب کو بھانپ لیا تھا، اسی لئے ہمارے حضرت گاہ گاہ فرماتے: ”اصاغر سے زیادہ میرے اکابر نے میری قدر افزائی فرمائی تھی۔“ اور کسی کی مقبولیت عامہ کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ وقت کے اکابر اولیأ اللہ اور صلحا کے ہاں محبوب و مقبول ہو، جیسا کہ علامہ عینیؒ: ”یوضع لہ القبول“ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ ”اس سے مراد "یوضع له القبول عند الصالحین" ہے یعنی صلحا کے ہاں وہ شخص مقبول ہو، ضروری نہیں کہ تمام مخلوق میں وہ مقبول ہو، بلکہ صرف صلحا کے ہاں مقبول ہونا ہی ”یوضع لہ القبول“ کی علامت ہے۔

(عمدۃ القاری ص ۱۵۵ ج ۲۵)

ہمارے حضرت شہیدؒ کے ساتھ بھی اپنے دور کے تمام اکابر اور اولیاُ اللہ کا معاملہ الفت و محبت کا رہا ہے اور حضرت شہیدؒ ان کے مقبول و محبوب رہے ہیں، جیسا کہ حضرت بنوریؒ کا حضرت شہیدؒ سے اخلاص و محبت، دلی لگاؤ، اور ان کا آپ کو حد درجہ اس کا اصرار کرنا کہ آپ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئیں، چنانچہ حضرت بنوریؒ جب تک حضرت شہیدؒ کو جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن لے کر نہیں آگئے اس وقت تک اس معاملے میں اصرار کرتے رہے، اور اپنے دور کے اپنے بزرگوں سے بھی وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں سفارش کرواتے

بہر حال حضرت شہیدؒ کی شہادت سے صرف حضرتؒ کے اہل خانہ، ان کے صاحبزادگان ہی متأثر نہیں ہوئے بلکہ عالم نوحہ کناں ہے کہ اسلام کا ایک ایک فرد یتیم ہو گیا اس لئے یہ سانحہ کسی فرد یا خاندان کا نہیں بلکہ امت مسلمہ کا صدمہ ہے جس پر ایک عالم کا عالم مضطرب ہے، اہل دل اور ارباب بصیرت بے چین ہیں، ہر شخص غم واندوہ سے دوچار ہے، لیکن اس غم واندوہ کے موقع پر حضرت شہیدؒ کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کے فرمان مبارکہ :

"العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون ولانقول الا بما یرضی ربنا- انا للہ وانا الیہ راجعون"-

کے مطابق ہم بھی وہی کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے اپنے صاحبزادے، حضرت ابراہیم کی وفات پر کہا تھا، اور اللہ کے ہاں خود کو صابرین کی فہرست میں شامل کرتے ہیں-

............☆............

......یہاں الحاد و معاصی اور فتنوں کی اس تمام تر یورش کے باوجود وطن عزیز میں کسی کو آنحضرت ﷺ کی شان رفیع میں کھل کر گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی تھی، اور قلوب اتنے مسخ نہیں ہوئے تھے کہ کوئی "راجپال" ایسی حرکت کرے اور کسی غازی علم الدین شہیدؒ کی غیرت ایمانی جنبش میں نہ آئے، لیکن صد حیف! کہ آج ہمیں یہ "روز سیاہ" بھی دیکھنا نصیب ہوا کہ دریدہ دہن گستاخ، آنحضرت ﷺ کے دامن عصمت کو نوچ رہے ہیں لیکن نہ "اسلامی حکومت" کا قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ کسی غیور مسلمان کا ہاتھ ایسے موذیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آگے بڑھتا ہے......

حضرت شہید کی

قرآنی خدمات

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی ۔ کراچی

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ان شخصیات میں سے تھے جنہوں نے اکابر علمائے دیوبند کے راستہ پر چلتے ہوئے اپنی زندگی علوم اسلامیہ کی متنوع خدمات کے لئے وقف کر دی تھی آپ نے بحیثیت مسلمان صحافی حتی المقدور حق صحافت ادا کیا، بحیثیت فقیہ عوام کی صحیح رہنمائی فرمائی بحیثیت مفسر عوام کی اصلاح کے لئے درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا اور بحیثیت عالم دین آخری سانس تک اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی مگر ملک وملت کی ناموس پر آنچ نہیں آنے دی۔

مولانا کو لکھنے کا شوق شروع ہی سے تھا، آپ کی اسی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ماہنامہ بینات کے لئے لکھنے کا حکم دیا جسکی آپ نے آخر تک تعمیل جاری رکھی آپ نے بے شمار تحقیقی مقالے تحریر فرمائے اور تقریباً ۴۵ مفصل کتابیں تصنیف فرمائیں اسی کے ساتھ عوام کی اصلاح اور تربیت کے لئے اکابر علمائے دیوبند کی طرز پر بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اس وقت آپ کے خلفا کی تعداد پچاس سے زائد ہے اور مریدین کی تعداد کا تو شمار ہی نہیں۔

ذاتی خصوصیات:

مولانا کا شمار عہد حاضر کے بڑے علماء میں ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے، اپنے متعلقین کا خصوصی خیال رکھتے اور ان کی ہر ممکن مدد فرماتے تھے۔ مذہبی معاملات میں مداہنت کو قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے، اسکے باوجود آپ کی انکساری اور رواداری کا عالم

یہ تھا کہ ایک معاصر عالم دین کے جواب کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا "ہاں بھائی وہ صحیح فرماتے ہیں میں نہ با قاعدہ مفتی ہوں اور نہ بے قاعدہ "اگر کوئی شخص آپ کے کسی فتویٰ کے مقابلہ میں اہل حق کے کسی دوسرے دار الافتا کا فتویٰ لاتا تو فرماتے بھائی میری تحریر کے بجائے آپ اس دوسرے فتویٰ پر عمل کریں۔

مولانا نے ستر سال کی عمر پائی اور زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی خدمت میں صرف کیا اور معمول کی خدمت بجالانے کے لئے جب گھر سے نکلے تو دشمنان دین نے پہلے سے طے شدہ پلان کے مطابق ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ ۱۸/ ۲۰۰۰ء کو صبح دس بجے آپ کو شہید کر دیا آپ کی شہادت سے آپ کے کاز کو نقصان پہنچانا مقصود تھا جس میں دشمن یقیناً ناکام رہا، آپ کے لگائے ہوئے چمنوں کی سیرابی کے لئے ایک کی جگہ پچاس مولانا محمد یوسف لدھیانوی سینہ سپر ہو گئے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک انشاءاللہ جاری و ساری رہے گا۔

قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ!

مولانا کو ابتداءً دیگر علوم بالخصوص فقہ، منطق اور حدیث سے شغف رہا لیکن آخر میں قرآن سے خصوصی شغف پیدا ہوا، چنانچہ:

"آپ اکثر تلاوت قرآن فرماتے تھے اور مریدین کو بھی کثرت تلاوت کی تلقین کرتے تھے، اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی قرآن کریم کے حوالہ سے کوئی تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے اور شریک ہوتے مکاتب قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اقرأ کے ہزاروں مکاتب قرآنیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں، آپؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں اور الحمد للہ کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے، فرمایا میری اولادوں، نواسوں، پوتوں میں سے اکثر حافظ ہیں، سامعین سے فرمایا آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنے کم از کم ایک بچے کو حافظ بنائیں تاکہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔

رمضان میں قرآن سے شغف کا یہ عالم تھا کہ اپنی مسجد میں آخری عمر تک کھڑے ہو کر تراویح پڑھتے، تراویح کے بعد اپنے صاحبزادے مولوی محمد یحییٰ سلمہ سے نوافل میں تین پارے سنتے پھر رات گئے دوسرے قاری صاحب سے قرآن سنتے تھے۔

مولانا کی پسندیدہ تفاسیر:

مولانا لدھیانویؒ کو قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن سے بھی خصوصی دلچسپی تھی آپ

نے اپنے ایک مقالہ میں چند پسندیدہ تفاسیر کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر "معارف القرآن" (آٹھ جلدیں) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی معاف القرآن (چھ جلدیں) شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی (ایک جلد) اور مولانا احمد سعید دھلویؒ کی تفسیر "کشف الرحمٰن" (دو جلدیں) کو مفید اور آسان تفسیر قرار دیتے ہوئے اہل علم اور عوام کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

تفسیر قرآن کے اصول وآداب:

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تفسیر قرآن کے حوالہ سے متقدمین کے اصولوں کی پابندی کے قائل تھے جیساکہ مولانا کے ایک مضمون سے واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں تفسیر کے معنی ہیں قرآن کے معانی کو بیان کرنا اور مراد خداوندی کی تعیین کرنا اور تاویل کے معنی ہیں قرآن کے الفاظ اور جملوں کو ان کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔

مزید لکھتے ہیں "قرآن کی تفسیر و تشریح ایک کٹھن کام ہے اور نہایت نازک ذمہ داری ہے، اس لئے کہ قرآن کریم حق تعالیٰ شانہ کا مقدس کلام ہے اور قرآن کی تفسیر در حقیقت حق تعالیٰ شانہ کی ترجمانی کا نام ہے جب ہم قرآن کریم کے کسی لفظ، کسی جملے یا کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو گویا ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اس طرح اپنے بیان کئے ہوئے مفہوم کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ظاہر ہے اس سلسلہ میں ذراسی لغزش اور سہل انگاری افتراً علی اللہ کا موجب ہوسکتی ہے اور افتراً علی اللہ سنگین جرم ہے"۔

ایک مفسر میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اس بارے میں مولانا بھی انہی پندرہ شرائط کے قائل ہیں جن کا عام علمأ نے ذکر کیا ہے مثلاً: (۱) علم لغت (۲) علم صرف (۳) علم نحو (۴) علم اشتقاق (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم قرأت (۹) علم اصول الدین (۱۰) علم اصول فقہ (۱۱) علم اسباب نزول (۱۲) علم ناسخ و منسوخ (۱۳) علم فقہ (۱۴) علم حدیث (۱۵) نور بصیرت (اور وہبی علم جو شخص ان علوم میں مہارت رکھتا ہو اسی کو قرآن کی تفسیر کی اجازت ہے۔ اور قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے چھ اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے قائل ہیں:

پہلا: یہ کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔

دوسرا: یہ کہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے قول، وفعل، ہدی وسیرت اور آپ کی سنت وطریقہ کو پیش نظر رکھے اس پر مولانا انور شاہ کشمیری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

اگر نور بصیرت کے ساتھ احادیث شریفہ پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ بہت سی احادیث میں قرآن کریم کی تعبیرات کی طرف لطیف اشارات پائے جاتے ہیں۔

تیسرا: اصول یہ بیان کیا ہے کہ تفسیر میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی تفسیری آراٗ سے استفادہ کرے، ان کے خلاف تفسیر نہ کرے کیونکہ صحابہ کرام مدرسہ نبوت کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اس لئے ایک مفسر کے لئے اس کو نظر انداز کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور اسی ضمن میں اکابر تابعینؒ کی تفسیر بھی آتی ہے جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی اس لئے مفسر پر لازم ہے کہ وہ صحابہؓ و تابعینؒ کی تفسیر کے خلاف نہ چلے۔

چوتھا: اصول یہ ہے کہ مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل حق کے عقائد واعمال اور اخلاق کا پابند ہو۔

پانچواں: اصول یہ ہے کہ اسی طرح ہر قسم کی بدعت وکجروی سے مفسر کے ذہن کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ اس کی تفسیر ناقابل اعتماد ہوگی۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کو اپنی بدعت کے رنگ میں ڈھالنا شروع کردے گا۔

چھٹا اصول: یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح مفسر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات وافکار سے خالی الذہن ہو کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس آیت میں قرآن کریم کی دعوت کیا ہے اور کن کن مسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے، خود اپنے خیالات وافکار قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اجتناب کرے۔ کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من قال فی القرآن برائیه فلیتبوا مقعده من النار وفی روایة،من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأمقعده من النار،

ترجمہ: جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے بغیر علم کے

قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے ایک اور حدیث میں ہے :"من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطأ-"
یعنی : جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اس نے اگر ٹھیک کیاتب بھی غلط کیا۔

یہ چھ اصول ہیں جنہیں تفسیر قرآن اور درس قرآن کے موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے خود مولانا لدھیانویؒ نے بھی اپنے درس قرآن میں انہی اصول کو پیش نظر رکھ کر درس دیا ہے۔

درس قرآن کریم کا تحقیقی تجزیہ!

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے جہاں عوام کی اصلاح کے لئے صحافتی زندگی سے وابستگی اختیار کی، وہیں امامت وخطابت کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا مولانا اپنی مسجد میں تقریباً ۲۲ سال سے درس قرآن دے رہے تھے، مولانا کے بعض معتقدین اس درس قرآن کو آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کرتے رہے -اس ریکارڈ کا کچھ حصہ دفتر ختم نبوت میں مولانا جلالپوری صاحب کے پاس محفوظ ہے اور کچھ حصہ ایک معتقد کے پاس محفوظ ہے یہ مکمل درس قرآن تین سو سے زائد آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے اسی آڈیو سے مولانا کے بیان کردہ " چھے اصول تفسیر" کی روشنی میں اس درس قرآن کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔

ترجمہ قرآن کی خصوصیات :درس قرآن میں تفسیر سے پہلے ترجمہ قرآن پیش کیاجاتا ہے،اسلئے پہلے ترجمہ کے بارے میں اپنا تجزیہ پیش کررہاہوں۔درس قرآن میں مولانا کااصول یہ تھا کہ پہلے چندآیات کی تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے، پھر سلیس اور بامحاورہ ترجمہ قرآن پیش کرتے، مولانا کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص مترجم کا ترجمہ پیش نظر نہیں ہوتا،بلکہ یہ مولانا کااپنا ترجمہ ہوتاہے، مولانا کے ترجمہ میں دوسری بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کے مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں ترجمہ کے بعد آیات کے ایک ایک حصہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دوبارہ ترجمہ سرسری انداز میں کرتے ہیں لیکن لغات القرآن کی طرف سامعین کو مکرر متوجہ کرتے ہیں اور مادہ کی وضاحت کے ساتھ مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔

درس قرآن کی خصوصیات : مولانا درس قرآن دیتے ہوئے نہ مشکل علمی مباحث کو

چھیڑتے ہیں اور نہ ہی ان کے درس میں غیر ضروری طوالت ہوتی ہے بلکہ اعتدال پایا جاتا ہے جو خصوصیات سامنے آئیں ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

(۱) یہ کہ درس قرآن میں آسمانی مذاہب اور آسمانی کتب کے ساتھ تقابلی مطالعہ نظر آتا ہے۔

(۲) پیش آنے والے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں مثلاً "ومصدقا لمابین یدیہ" پر اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن خود توریت کی تصدیق کرتا ہے لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ توریت کے احکامات کی اطاعت کریں؟ مولانا نے اس موقع پر ایجابی اور سلبی انداز میں بہت عمدہ جوابات دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصدقہ توریت زبور انجیل وہ تھی جو اس وقت نازل ہوئی تھی، جبکہ موجودہ تورات تو تحریف شدہ ہے دوسرے یہ کہ تصدیق کرنے کا مطلب اطاعت کو لازم نہیں کرتا۔

(۳) مولانا کے درس قرآن کی ایک خصوصیت ان کا تمثیلی انداز ہے مثلاً "جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شریعتوں کی منسوخی اور ناسخ ومنسوخ پر عمدہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے ایک طبیب حاذق مریض کی حالت کے پیش نظر ایک دوا تجویز کرتا ہے جب اس دوا کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے تو دوسری دوا دیتا ہے کبھی طبیب مریض کی حالت بدلنے پر دوا تبدیل کرتا ہے، انسان کا مزاج ہے وہ جس چیز کا عادی ہو جاتا ہے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا، مولانا عہد حاضر کی مثال دیتے ہیں جیسے آباؤ اجداد کی رسومات ہیں لوگ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔

(۴) درس دیتے ہوئے کتب سماوی سے بھی استشہاد پیش کرتے ہیں کہ تمام آسمانی کتب میں آپ کی آمد اور آپ پر قرآن کے نزول کا ذکر موجود ہے۔

(۵) عہد حاضر کے فکری انحرافات کا بھی رد فرماتے ہیں مثلاً ولا تتبع اھواء ھم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے "ھوی وھدیٰ" کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں آج اجتھاد نام ہے خواہش نفس کے مطابق شریعت کو ڈھالنے کا۔

تجویز: مقالہ کے آخر میں یہ تجویز پیش کرنا چاہوں گا کہ اس درس قرآن کو ایڈیٹ کرا کر بالخصوص تکرار کو حذف کر کے جلد سے جلد شائع کیا جائے اور جن حضرات کے پاس بقیہ ریکارڈ محفوظ ہو، وہ دفتر ختم نبوت کو ریکارڈ کی کاپی مہیا کر دیں۔

ملت اسلامیہ

یتیم ہوگئی

مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سراپا علم و عمل، پیکر خلوص واخلاص، مرشدِ امت، شیخ المشائخ، اسوۃ الصلحاءؒ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ دنیا سے کیا گئے کہ امت کو یتیم کر گئے!

حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ میرے استاذ تھے، مجھے حضرت کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، غالباً یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے، جب راقم الحروف ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں زیرِ تعلیم تھا، حضرت شہیدؒ سے عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقائد'' پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اکثر اوقات کتاب کی عبارت بھی راقم ہی پڑھا کرتا تھا، ہمارا سبق ظہر کی نماز کے بعد ہوا کرتا تھا، مدرسہ کی جانب سے ہر سبق کے لئے صرف ایک گھنٹہ بلکہ ایک گھنٹہ سے بھی کم وقت مقرر تھا، مگر حضرت شہیدؒ شوق تعلیم میں کسی وقت کے پابند نہ تھے بلکہ اپنے اور طالب علم کے فارغ وقت کو استعمال کرنے کی غرض سے ظہر کے بعد دیر تک ہمیں سبق پڑھاتے رہتے، پچھلا سبق سنتے، اشکالات حل فرماتے، آگے کا مطالعہ کراتے اور یوں ہمارا سبق تقریباً عصر تک چلا جاتا تھا۔

حضرت شہیدؒ کی شکل میں ہمارے سامنے علم کا بحر ذخار موجزن ہوتا، سچ تو یہ ہے کہ ہمیں تو صحیح معنی میں حضرتؒ کی علمی گہرائی کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو صرف تدریسی علم سے نہیں نوازا تھا بلکہ آپؒ علم لدنی، وہبی کا حسین مرقع تھے، آپؒ

کے سبق میں علوم روحانی اور ظاہری دونوں کی تقسیم ہوتی تھی، حضرت کا حافظ اتنا زبردست تھا کہ وہ گھنٹوں علمی مباحث فرماتے تھے مگر مجال ہے کہ ان کو کبھی کسی مسئلہ میں یا اس کی دلیل کے بیان میں تردد و نسیان ہوا ہو، ہم تھک جاتے تھے، مگر حضرتؒ کے بحر علوم کا کنارہ دکھائی نہ دیتا۔

حضرتؒ صرف استاذ ہی نہ تھے بلکہ وہ طلباؑ کی روحانی تربیت واصلاح پر خصوصی نگاہ رکھتے تھے، وہ مشفق باپ کی طرح طلباؑ کو ان کی کوتاہیوں پر ٹوکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے رعب و وقار سے نوازا تھا، کوئی ان سے آنکھ ملا کر بات کر سکتا اور نہ دیکھ سکتا تھا مگر جب ان سے کوئی ایک بار ملاقات کر لیتا یا وہ کسی سے مصافحہ فرماتے تو شفقت کی انتہا ہوتی تھی بلکہ:

نہ تنہا چشم محولذت دیدار ہوتی ہے
کہ تسکین دل وجان ان کی ہر گفتار ہوتی ہے

بعد میں محدث العصر حضرت اقدس علامہ مولانا محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ نے آپ کو کراچی بلالیا، اس لئے کہ تکوینی طور پر آپ سے عالمی اصلاح وتربیت کا کام لینا تھا، چونکہ حضرت بنوریؒ مردم شناس، قدردان اور ماہر جوہری تھے، اس لئے انہوں نے حضرت لدھیانویؒ کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیا تھا اور پھر وہی ہوا کہ حسن یوسفؑ کی طرح آپؒ کے باطنی حسن کی جلوہ نمائی ہوئی اور ایک دنیا نے ان کے حسن سے غازہ حاصل کیا۔ آپؒ نے مردہ قلوب کی مسیحائی کا کام کیا، بے راہ روں کو راہ دکھلائی، بے نمازوں کو نمازی، تہجد گزار، شریعت مخالفوں کو شریعت کا پابند بنادیا، گویا خاک کو اکسیر بنادیا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت شہیدؒ کا فیض ایک چشمہ صافی کی مانند تھا، جس سے بے شمار پیاسوں کو آب حیات ملا۔ حضرتؒ ہمہ تن مصروف اور کام ہی کام کرنے والے تھے، کبھی تصنیف وتالیف میں مصروف ہوتے تو کبھی مسائل بتاتے اور لکھتے ہوئے نظر آتے، کبھی تصوف وسلوک کی منازل طے کرارہے ہوتے تو کبھی درس وتدریس اور وعظ وبیان میں محو ہوتے، یہ سچ ہے جس پر بھی آپ کی نظر پڑ گئی وہ نکھر گیا۔

کراچی میں بھی حضرتؒ سے ہمیشہ نیاز مندی کا تعلق قائم رہا، یہ حضرتؒ کی انتہائی شفقت و مہربانی اور لطف و احسان تھا کہ جب راقم ۱۹۷۸ء میں تبلیغی جماعت میں سات چلوں کے لئے گیا، تو حضرتؒ سے اپنی مسجد میں درس قرآن کی درخواست کی، حضرتؒ نے کمال مہربانی سے اس عاجز کی درخواست منظور فرمالی، اور جمعہ کے دن جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں عصر کی نماز کے بعد مجلس ذکر سے فارغ ہو کر بنفس نفیس ٹیکسی میں بیٹھ کر میری مسجد میں درس کے لئے تشریف لاتے، نماز مغرب کے بعد درس دیتے، دعا فرماتے، مجلس ارشاد واصلاح قائم فرماتے، اور تشریف لے جاتے، یوں تھوڑے ہی دنوں میں حضرت کے ارادت مندوں کا بہت بڑا حلقہ بن گیا، حضرتؒ نے پورے نو دس ماہ تک بلاناغہ یہ درس دیا۔

اسی طرح راقم کو وہ وقت بھی خوب یاد ہے اور اس کا منظر بھی آج تک آنکھوں کے سامنے ہے، جب ہمارے دورۂ حدیث کے سال۔ ۱۹۷۵ء۔ میں حضرت اقدس بنوریؒ نماز عصر کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث کے سامنے باہر باغیچہ میں گھاس پر بیٹھ کر مجلس قائم فرماتے، اس میں کوئی نہ کوئی کتاب پڑھی جاتی، کبھی یہ کتاب حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا زبیر احمدؒ اور کبھی مفتی شاہد صاحب پڑھتے، لیکن اگر یہ دونوں حضرات نہ ہوتے تو قرعہ فال اس نامہ سیاہ کے نام نکلتا اور میں کتاب پڑھتا، عموماً امداد السلوک، اکمال الشیم وغیرہ پڑھی جاتیں، حضرت لدھیانویؒ بھی اس مجلس میں تشریف فرما ہوتے، مجلس ختم ہونے کے بعد بھی سلسلۂ گفتگو جاری رہتا، میں دیکھتا کہ دو حسین یوسف جو ظاہری باطنی حسن و جمال سے آراستہ تھے، آپس میں گہرے دوستوں اور بھائیوں کی طرح گفتگو فرماتے، حضرت بنوریؒ بعض دفعہ ایسے کھل جاتے اور پرانے وقت کے تذکرے چھیڑ دیتے کہ مجلس کشت زعفران بن جاتی اور ہم جیسے بے مایہ اور تہی دستوں کو بڑے نایاب گوہر و نکات، علمی لطائف، اور سبق آموز مواعظ ملتے۔ اس مجلس سے اکثر لوگ اٹھ کر چلے جاتے، بعد میں چند ایک افراد بیٹھ جاتے، یہ احقر بھی ان میں شریک رہتا، ہائے افسوس! ہائے قسمت کی ناکامی کہ پھر یوسف اول دنیا سے رخصت ہو گئے اور اب تو یوسف ثانی بھی شہید ہو کر حیات جاوداں پا گئے، اب نہ وہ محفل نہ شمع محفل، نگاہیں ترستی ہیں اور اب تو بس اپنی بے بسی پر آنسو بہا کر ہی دل کو ڈھارس دیدیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں ہماری بد قسمتی ہے بلکہ امت کی بد قسمتی ہے، کہیں تباہی کا وقت تو نہیں آرہا کہ جن لوگوں کے وجود سے اس دنیا کا وجود ہے، وہی رخصت ہوتے چلے جارہے ہیں، چراغ پہ چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں، تاریکیاں بڑھ رہی ہیں، ظلمتیں چھارہی ہیں، گناہوں کے طوفان آرہے ہیں، مگران پر رونے والی آنکھیں نہیں، ان کے سامنے توبہ واستغفار کے بند باندھنے والے نہیں، سوچتا ہوں کہ ہمارا کیا بنے گا؟ اس قوم کا اور اس امت کا کیا بنے گا؟ جن کی کشتی ہچکولے کھارہی ہے، ساحل دور ہے اور ناخدا کا پتہ نہیں؟ نامعلوم یہ کشتی کب ڈوبے، اللہ اپنے کرم سے حفاظت فرمادے۔

کراچی اس وقت ویران ہے بلکہ پورا ملک ویران ہے، پہلے کراچی میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ، حضرت مفتی ولی حسنؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میر ٹھیؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے حضرات تھے، ان کو دیکھ کر بڑا سہارا ملتا تھا، اب آخر میں ان سب کی جامع شخصیت حضرت اقدس لدھیانویؒ بھی شہادت پر فائز ہو کر زندہ جاوید ہو گئے، اللہ تعالیٰ اس امت مرحومہ پر رحم فرمائے۔

یہ حضرتؒ کا انفرادی مقام اور اختصاص وامتیاز تھا کہ آپ نے دور ایوب میں فتنۂ انکار حدیث کا مقابلہ فرمایا، تحفظ ختم نبوت کے کام کو سنبھالا، جدت پسندوں کا مقابلہ کیا، اسی طرح فتنۂ قومیت کا مقابلہ کیا، الغرض آپؒ ہر نئے اٹھنے والے فتنے کی سرکوبی کرتے رہے، آخر میں جہاد کے کام کی سرپرستی فرمائی، اور خود جان جانِ آفرین کے سپرد فرمادی، آپ نے فتنۂ انکار حدیث پر قلم اٹھایا تو وہ ایک تحقیقی مجموعہ مرتب ہو گیا، فتنۂ انکار ختم نبوت پر کام شروع کیا تو سب سے آگے نکل گئے، روزمرہ امت کو درپیش مسائل پر قلم اٹھایا تو دیکھتے ہی دیکھتے "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی نو جلدیں تیار ہو گئیں اور نامعلوم مزید کتنی اور تیار ہوں گی، تصوف واصلاح کے میدان میں قدم رکھا تو ہزاروں انسانوں کی زندگی سنور گئی، سینکڑوں مجالس ذکر قائم ہو گئیں، کتنوں کو سلوک واحسان کے مراتب عالیہ تک پہنچادیا، اس کے علاوہ خاموشی سے ہزاروں غرباء، مساکین، بیواؤں، بے سہارا افراد کی مدد فرماتے رہے، اعتکاف میں بیٹھے تو سینکڑوں پروانوں کا ہجوم ہو گیا، آپ خوبیوں اور کمالات کا ایک سمندر تھے، دنیا آپ کے گمنام گوشوں سے نقاب اٹھاتی رہے گی، آپ کی ثناخواں رہے گی اور ان شاءاللہ آپ کے فیض کا چشمہ جاری رہے گا۔

آپؒ کا انداز گفتگو محبت بھرا اور شیریں ہوتا، آپ جب بولتے تو دلوں کو موہ لیتے، خاکسارانہ وضع رکھتے تھے، رحم دل وسخی انسان تھے، آپ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے!
نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس، پاک دل، پاک ذات، پاک صفات تھے۔

مثال زیست سرِ راہ جلادی ہم نے
ایسی دنیا تو نہ تھی جیسی بنادی ہم نے

حضرتؒ بات کرتے تو گویا منہ سے پھول برس رہے ہیں، مرنج مرنجاں تھے، کسی کا دکھ درد دیکھتے تو اس کی مدد فرماتے اور : بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است کا مصداق تھے۔
اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو غریق رحمت فرماکر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

............☆............

......اسلام کی نظر میں "پردہ" عصمت وتقدس کی علامت ہے، اور بے پردگی وبرہنگی، فحاشی وبے حیائی کا نشان ہے۔ مغرب نے عورت کی عصمت وتقدس سے پردہ کی چادر نوچ کر نہ صرف صنف نازک کو ذلیل کیا بلکہ اس سے بڑھ کر انسانیت پر ظلم ڈھایا۔ عورت جب بے حجابانہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تو جبین حیا عرق آلود ہو جاتی ہے اور انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، اسی بنا پر حکیم انسانیت، محسن کائنات ﷺ نے فرمایا تھا: "میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا"۔ جس معاشرہ میں صنف نازک کے سر سے دوپٹہ اتر جائے ناممکن ہے کہ وہاں اسلامی نظام نافذ ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے سابق حکمرانوں نے "اسلام اسلام" کا ڈھول تو پیٹا مگر اس شیطانی جال (حدیث میں عورتوں کی بے حجابی کو شیطان کا جال فرمایا گیا ہے) کے پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا کبھی انہیں ملازمت دلانے کا جھانسہ دیا گیا، کبھی پردہ اسکرین پر انہیں خود نمائی اور جمال آرائی کے مواقع بہم پہنچائے گئے، اور کبھی کھیل کے میدان میں لاکر انہیں ہوسناک نظروں اور مریض ذہنوں کا کھلونا بنایا گیا۔ اب جب کہ جنرل ضیاء الحق ملک میں اسلامی نظام لانے کی مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں ان پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ آگے بڑھ کر شر وفساد اور فتنہ کے اس گندے اور بدترین سرچشمہ کو بند کردیں۔

نہ صرف ٹیلی ویژن اور ریڈیو اور سینماؤں سے خواتین کی شرم وحیا کی نیلامی ختم کردی جائے بلکہ عام بے حجابی اور مرد وزن کے اختلاط کی ناپاک فضا صاف کرنے کے لئے بھی موثر اقدام کیا جائے۔ عقل مسخ اور حس ماؤف ہو گئی ہو تو اور بات ہے ورنہ بے حجابی اور برہنگی کے اس طوفان میں ایک شریف آدمی کا بازار میں نکلنا بھی دوبھر ہو رہا ہے، کیا اس وبائے عام پر قابو پائے بغیر اس ملک میں اسلام آسکتا ہے؟......

ابا جی کی عنایتیں

صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی، امابعد!

یاللاسف! کہ اہل قلوب اور صالحین کے قافلے بڑی تیزی سے عقبیٰ کی طرف رواں دواں ہیں، ویرانہ دنیا کی تاریکی میں روز بروز شدت سے اضافہ ہو رہا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا منظر آنکھوں کے سامنے آرہا ہے:

"یذهب الصالحون الاول فالاول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر او التمر لایبالیهم اللّٰه بالة" (مشکوٰۃ ص ۴۵۸)

ترجمہ: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے، اور پیچھے انسانوں کی تلچھٹ رہ جائے گی، جیسے جو یا کھجور کی تلچھٹ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ بھی پرواہ (عزت و حرمت) نہیں ہوگی"۔

بیسویں صدی کے آخری سال میں گلستان اولیا کا ایک مہکتا پھول اپنی خوشبوئیں پھیلاتا ہوا اچانک مسل دیا گیا اور معرفت الٰہی کا چشمہ ناگاہ بند کر دیا گیا۔ میرے والد، میرے مرشد، سیدی و مولائی حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کو بھرے بازار میں گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیه راجعون۔ ان للّٰہ ما اخذ وله ما اعطیٰ

و کل شی عندہ باجل مسمیٰ۔ اللھم لاتحرمنا اجرہ و لاتفتنا بعدہ۔

حضرت والد ماجد مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کا وجود سامی سایہ رحمت وعاطفت اور چشمہ فیض تھا، جس سے نہ جانے کتنی مخلوق خدا سیراب ہوتی تھی، ان کی زندگی واقعۃً ایک عارف باللہ، مرد مومن، ولی کامل، عالم با عمل کی زندگی تھی، مبدأ فیاض نے ان کی فطرت میں بہت سے خصائص وکمالات ودیعت فرمائے تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت عارفی اور حضرت بنوری رحمہم اللہ کے فیض صحبت و تعلق نے ان کمالات کو جلا بخشی۔

درس و تدریس کا میدان ہو یا فقہ وحدیث کا، تفسیر و تحقیق کا موضوع ہو یا تصوف وسلوک کا، زہد و تقویٰ کی مسند ہو، یا تصنیف و تالیف کا شعبہ، گھریلو زندگی کا مرحلہ ہو یا جماعتی معاملات، آپؒ ہر جگہ امام نظر آتے تھے۔ حضرتؒ ایک محب صادق اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ غرض جس زاویہ سے حضرت پر نظر پڑی حضرتؒ کو سب میں امام پایا۔ اسی طرح جب میدان جہاد میں قدم رکھا تو دیکھتے ہی دیکھتے یہاں بھی وہ کمال حاصل کیا جس کی تمنا ہر مجاہد کو ہوتی ہے، اس کے باوجود آپؒ کی فنائیت و تواضع کا یہ حال تھا کہ اکثر فرمایا کرتے :

یہ تو ممکن تھا کہاں کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو آنحضرت ﷺ سے جو عشق ومحبت تھی وہ ناقابل بیان ہے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کا نام نامی آتا تو محبت وخوشی سے حضرتؒ کا چہرہ کھل جاتا، اور ایک دم چہرے پر بشاشت اور مسکراہٹ کی لہر دوڑ جاتی، آنکھوں سے عقیدت ومحبت کے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو جاتا، چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب، ایک عجیب وغریب منظر پیش کرتا، آنحضرت ﷺ کی محبت میں ڈوب کر آپ کا تذکرہ کیا کرتے تھے، بلکہ حضرتؒ اپنے ہر وعظ کے اول و آخر یا درمیان میں آنحضرت ﷺ کا ذکر جمیل ضرور فرماتے، چاہے اس وعظ کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہوتا۔

کئی بار اس بات کا تذکرہ جب حضرت سے کیا گیا تو حضرت معمول کے مطابق مسکرا دیتے اور زبان حال سے حضرت عارفیؒ کا وہ شعر پڑھ دیتے جو آپؒ اکثر اپنے وعظ میں پڑھا

کرتے تھے :

ذکر انؒ کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی!
بے خودی کیا چیز ہے وارفتگی ہوتی ہے کیا

ایک بار حضرتؒ اندرون سندھ سفر پر تشریف لے جارہے تھے، سفر لمبا تھا، چونکہ حضرت اباجانؒ کیسٹ نہیں سنا کرتے تھے اس لئے ڈرائیور بھائی عبدالرحمٰن شہیدؒ نے حضرت سے پوچھ کر ایک نعت کی کیسٹ لگادی جو طاہر جھنگوی کی آواز میں تھی، جب نعت خواں نے یہ شعر پڑھا :

یوسفؑ نوں جے ویکھیاتے انگلیاں ہن کٹیاں
آقاؐ دے عاشقاں نے جاناں وارسٹیاں

تو حضرتؒ نے بے اختیار اور والہانہ انداز میں نعرہ لگایا جو حضرتؒ کی عادت کے بالکل برخلاف تھا، شاید یہی عاشقانہ نعرہ مستانہ ہی اللہ تعالیٰ کو پسند آگیا کہ آقائے دوعالم ﷺ کے پروانوں میں شامل کر کے آپ کی جان کا نذرانہ بھی قبول کر لیا گیا۔

حضرتؒ کا ایک خاص انداز تھا کہ جب بھی آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک آتا تو نہایت محبت و عقیدت سے درود شریف پڑھتے اور "صلی اللہ علیہ وسلم" اتنے خوبصورت انداز میں پڑھتے کہ سننے والا بھی اس کی چاشنی اور لذت سے لطف اندوز ہوتا۔

اس محبت و عشق، اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے تعلق کے باوجود بارگاہ نبوت کے ادب و آداب اور خوف و خشیت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مواجہہ شریفہ پر حاضری سے گھبراتے اور فرماتے کہ میں اس قابل کہاں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہو سکوں، لہذا ہمیشہ اقدام عالیہ کی جانب سے ہی سلام عرض کرتے۔ فالج کے حملہ سے پہلے آپؒ ہمہ وقت اقدام عالیہ میں بیٹھے رہتے تھے۔

پہلی مرتبہ ۱۹۹۳ء میں جب راقم حضرتؒ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا اور حضرتؒ کو اقدام عالیہ کی جانب سے روضہ اقدس پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا تو اس موقع پر حضرت کے رونے کا جو انداز تھا شاید یہ ناکارہ اسے ساری عمر نہ بھول سکے گا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے حضرت ابھی بے ہوش ہو کر گر جائیں گے۔ جن لوگوں نے حضرتؒ کے ساتھ روضہ مقدسہ،

علی صاحبہا الف سلام، پر حاضری دی ہو گی شاید وہ اس کیفیت سے واقف ہوں گے۔

یہ تو امام الانبیاؑ خاتم النبیین علیہ ﷺ سے محبت کی ادنیٰ سی جھلک تھی، اس کے علاوہ دیگر انبیاؑ کرامؑ سے آپ کو جو عقیدت و محبت تھی وہ بھی آپ کی تحریروں، تقریروں اور گفتگو سے واضح ہوتی تھی، چنانچہ جب بھی مودودی صاحب کا تذکرہ ہوتا، تو بے چین ہو کر انبیاؑ کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے پر وعظ فرماتے، اور کبھی اپنی کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" سے اس بارے میں مضامین پڑھ کر سناتے۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جب حضرتؒ کے ساتھ برمنگھم ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا تو اس سفر میں شیفیلیڈ میں حضرت مولانا عبیدالرحمٰن صاحب زید مجدہ کے گھر قیام تھا، فجر کی نماز کے بعد حضرتؒ چہل قدمی کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت حضرتؒ راقم کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، چونکہ حضرت مولانا عبیدالرحمٰن صاحب کے گھر کے قریب ہی دو چرچ ہیں، جن میں سے ایک پر جو صلیب بنی ہوئی ہے اس پر ایک بت سولی پر لٹکا ہوا نظر آرہا تھا، حضرت رحمہ اللہ چلتے چلتے رک گئے اور کافی دیر تک اس کو دیکھتے رہے، پھر فرمانے لگے "عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہ سولی پر لٹکا ہوا شخص نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں،" یہ فرمانا تھا کہ آنکھیں بھر آئیں اور کافی دیر تک اسی کو دیکھتے رہے، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شہیدؒ عیسائیوں کی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام کی اس توہین پر بے حد شکستہ دل اور غمگین ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مردِ قلندر اپنے دل میں حضرات انبیاؑ کرام علیہم السلام کا کس قدر احترام و عظمت اور محبت رکھتا تھا۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضرتؒ کو جو قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ حضرتؒ کی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے، جب بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تذکرہ فرماتے تو ان حضرات کے مقام کو بیان فرما کر بڑا رشک فرماتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے درمیان فرماتے:

> "مجھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مظلوم کوئی نظر ہی نہیں آتا"۔

جب کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر خیر فرماتے تو بے حد ادب سے نام لیتے اور فرماتے:

"میری ماں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" یا "ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا"۔

اگر کسی وعظ یا درس قرآن کے درمیان واقعہ افک بیان فرماتے تو دیر تک روتے رہتے اور بیان کرتے کرتے خاموش ہو جاتے، اور اپنی طالب علمی کے زمانے کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کرتے:

"ایک دن ہمارے استاد صاحب نے ہر ایک طالب علم سے پوچھا کہ تمہاری کیا خواہش ہے؟ ہر طالب علم نے استاد کو اپنی اپنی خواہش بتلائی اور جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ مرنے کے بعد میری دو خواہشیں ہیں:

ا:.... بہترین سا ہدایہ کا نسخہ ہو اور میں خود صاحب ہدایہ سے ہدایہ پڑھوں۔

۲:.... اگر وہاں ادب کے خلاف نہ ہو تو میں اپنی ماں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کروں"۔

یہ زمانہ طالب علمی ہی کی محبت تھی کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا اتنا بڑا کام لیا۔ حضرتؒ کی شہادت کے بعد میرے بڑے بھائی جان مولانا محمد طیب لدھیانوی صاحب نے اپنے خواب میں حضرت سے ان دو خواہشوں کے بارے میں دریافت کیا: کہ ابا جان! آپ کی وہ دونوں خواہشیں پوری ہو گئیں؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: پہلی خواہش تو پوری ہو گئی اور میں نے ہدایہ پڑھ لی ہے، دوسری خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی مجھے ابھی دور سے زیارت کرائی گئی ہے، ابھی میں قریب سے زیارت کرنے جا رہا ہوں"۔

ان ہی محبتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت سے عصمت انبیاؑ علیہم السلام اور ناموس صحابہؓ کے عنوان سے تحریر کے میدان میں وہ کام لیا جو کسی چشم بینا سے مخفی نہیں، لیکن اس سب کے باوجود آپؒ نے اپنے آپ کو اتنا مٹایا کہ بار بار یہ تحریر فرماتے کہ اگر میری کوئی تحریر اسلاف کے خلاف ہو، یا راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہو تو وہ ناقابل التفات ہے بلکہ اکابر علماؒ کو چاہئے کہ وہ میری اصلاح کریں۔ چنانچہ اگر آپ کی کوئی بات قابل اشکال معلوم ہوتی یا اکابر کے مسلک سے بظاہر ہٹی ہوئی ہوتی تو اس سے رجوع فرمانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ہر ایک کے لئے قابل رشک ہیں، ان میں سب سے اہم نماز کی لذت ہے، ناتوانی اور معذوری کے باوجود نماز باجماعت اور صف اول اور تکبیر اولیٰ کا ایسا اہتمام فرماتے کہ جس کی مثال بڑے بڑے اہل علم حضرات میں بہت کمیاب ہے، حضرتؒ کو مہینوں تک بلکہ برسوں تک کبھی مسبوق دیکھنے کی نوبت نہیں آتی تھی بلکہ خود سنایا کرتے تھے کہ میں حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی :

"حضرت چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کا اہتمام نہیں ہوپاتا، دعا فرمادیجئے، جس پر حضرت نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ ساری عمر کی فکر کیوں نہیں، صرف چالیس دن کی فکر کیوں ہے؟ ساری عمر کی نیت کرلو، بس اس دن کے بعد میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی"۔

بلا مبالغہ اس ناکارہ کو بھی اپنی عمر میں صرف تین یا چار مرتبہ کے علاوہ کبھی یاد نہیں کہ حضرتؒ کو کبھی مسبوق دیکھا ہو، اور جب کبھی نماز میں حضرت لبا جانؒ کے برابر کھڑا ہوتا تو ایک خاص ٹھنڈک اور سکینت کا احساس ہوتا، اور حضرتؒ کی کیفیت وہی ہوتی جو حدیث شریف میں آئی ہے :

"ان احدکم اذاقام فی صلوته فانه یناجی ربه، وان ربه بینه وبین القبلة"۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳، کنز العمال حدیث ۱۹۹۴۳)

ترجمہ : "جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے راز و نیاز میں مشغول ہوتا ہے اور نمازی اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے"۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے :

"ان المصلی یناجی ربه فلینظر احدکم بمایناجی ربه"۔

(کنز العمال حدیث ١٩٦٧٤)

ترجمہ : "بے شک نمازی نماز میں اپنے رب سے مناجات میں مصروف ہوتا ہے، اسے سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے رب سے کیا مناجات پیش کررہا ہے"۔

نماز میں حضرت لبا جان رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ اس کو تو سینوں کے

بھید جاننے والا ہی جانتا ہے، تاہم دیکھنے والوں کو حضرتؒ کی نماز میں "فانما يناجى ربه" کی جھلک نظر آتی تھی۔

چنانچہ اوابین اور تہجد میں جب دو سجدوں کے درمیان استراحت فرماتے تو دل چاہتا کہ حضرتؒ سے کہہ دوں! اباجی! بس کیجئے! اب آپ تو تھک گئے ہوں گے لیکن حضرت رحمہ اللہ بزبان حال فرماتے:

القلب اعلم ياعذول بدائه
واحق منك بجفنه وبمائه
فومن احب لاعصينك فى الهوى
قسما به وبحسنه وبهائه

ترجمہ: "اے ملامت کرنے والے، دل اپنی بیماری کو زیادہ جانتا ہے اور وہ اپنی پلکوں اور آنسوؤں کا تم سے زیادہ مستحق ہے۔
پس میں اپنے محبوب کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں اپنے عشق کے معاملہ میں تمہاری مخالفت کروں گا، مجھے قسم ہے اس کی، اس کے حسن اور اس کے چہرہ کی رونق کی"۔

اور میں اپنے دل میں کہتا:

لاتعذل المشتاق فى اشواقه
حتىٰ يكون حشاك فى احشائه

ترجمہ: "اے ملامت کرنے والے، عاشق کو اس کے شوق عشق میں ملامت نہ کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے عشق کی اندرونی کیفیات تجھ میں منتقل ہو جائیں"۔

سحری کے وقت آپ خود بخود بغیر الارم کے بیدار ہو جاتے، سردی ہو یا گرمی بغیر کسی سستی کے اٹھ جاتے اور یوں محسوس ہوتا کہ کوئی زبردستی آپ کو اٹھا رہا ہے، یا آپؒ بہت جلدی میں ہیں اور انہیں کوئی بہت ضروری کام کرنا ہے، ایسا محسوس ہوتا جیسے پہلے سے ہی اس وقت کا انتظار تھا۔ سحری کے وقت بیدار ہونے کا آپ کا معمول اتنا پختہ تھا کہ کبھی ناغہ کرنا گوارا نہیں تھا۔

اخیر عمر میں فالج کے بعد روزانہ تہجد کے وقت صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا معمول تھا اور اس کے بعد اذان فجر تک دوازدہ تسبیح کا ذکر اس طرح فرماتے جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں، اکثر خود فرمایا کرتے:

”ذکر اتنی سریلی آواز میں کیا کرو کہ روح کو بھی وجد آجائے اور اس توجہ اور غور سے کرو کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی اور چیز دل و دماغ میں نہ ہو، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ذکر کے درمیان ہی صاحب نسبت ہو گئے“۔

اور دوران ذکر بڑے عاشقانہ اور عارفانہ انداز میں یہ اشعار پڑھتے:

ہمہ آہوانِ سحرا سر خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور کبھی پنجابی کا یہ شعر پڑھتے:

”تیرا اواس وسے وے توں جگ جیویں کدی موڑ مہار دکھ دیکھ میرا
نگری سُنج وسدی جے توں وچ نائیں میں دل فضلدی نظر دا گھت گھیرا
اونہاں دلاں دی شان بیان نائیں دوام جنہاں نوں شوق دھیان تیرا
پندھ عشق چلیندیاں عمر گیا اجے سوہنے دا سیدا دور ڈیرا

اور کبھی کہتے:

اک ادائے چارہ فرما، اک نگاہ دلنواز
اور اک آزردہ خاطر کی خوشی ہوتی ہے کیا

ذکر سے فراغت کے کچھ دیر بعد اذان فجر ہو جاتی، حضرتؒ فوراً سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد تشریف لے جاتے اور نماز فجر تک قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اتنا زیادہ اہتمام فرماتے کہ جب تک معمول پورا نہ ہو جاتا بے چین رہتے، فالج سے پہلے تک روزانہ ایک منزل پڑھنے کا معمول تھا اور ساتویں دن قرآن ختم فرماتے، البتہ فالج کے بعد روزانہ تین پاروں کا معمول اخیر تک رہا۔ فرمایا کرتے تھے:

”قرآن کریم کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا جتنا قرب حاصل ہوتا ہے کسی اور

ذکر سے نہیں، کیونکہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف کی تلاوت خود آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سنا ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے، لہٰذا تمام اذکار میں سب سے عالی ذکر تلاوت قرآن کریم ہے، اپنی نسبت عالی کی وجہ سے"۔

انہی صفات میں حضرت والد ماجدؒ کی ایک صفت شفقت کی تھی حضرتؒ باوجود اپنے رعب کے اتنے پیار سے ملتے کہ ملاقات کرنے والا دم بخود رہ جاتا۔

حضرت ابا جانؒ کی مسکراہٹ سے ہر وہ شخص واقف ہوگا جس نے آپؒ کی زیارت کی ہو کہ آپ کی مسکراہٹ آدمی کو گھائل کر دیتی تھی، جس سے ملتے اس کو اس طرح سینہ سے لگاتے جیسے اس سے بہت پرانا تعلق ہو، خواہ وہ پہلی مرتبہ ہی کیوں نہ مل رہا ہو، ہر ملنے والا آپ سے مل کر اپنائیت محسوس کرتا۔

حضرتؒ کے ایک مسترشد کا کہنا ہے کہ جب ان کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ والد کی شفقت و محبت کیسی ہوتی ہے؟ لیکن جب میں اپنے مرشد باصفا سے پہلی مرتبہ ملا اور انہوں نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا، مجھے بوسہ دیا تو میں یہ سمجھ گیا کہ والد کی محبت و شفقت اس سے زیادہ نہ ہوگی۔

راقم کا گمان ہے کہ اگر وہ قاتل جس نے حضرتؒ پر بے دردی سے فائر کیا کچھ دیر ٹھہر جاتا اور گاڑی کے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا تو یقیناً حضرتؒ خود گاڑی کا شیشہ اتارتے، اس سے مصافحہ کرتے، اس کو سینہ سے لگا کر شاید اس کو بوسہ بھی دیتے کیونکہ حضرتؒ کا یہی مشفقانہ معمول تھا، لیکن اس ظالم نے بہت جلدی کی اور خود بھی بڑی شفقت سے محروم ہو گیا، اور ہمیں بھی بہت ساری شفقتوں اور محبتوں سے محروم کر گیا، فیا اسفیٰ علیٰ یوسف!

راقم حضرتؒ کی شفقت کے موضوع کو شروع تو کر بیٹھا ہے لیکن کن الفاظ میں حضرتؒ کی شفقت بیان کرے؟ اور کیسے لکھے کہ حضرتؒ کی شفقت کیا تھی؟ اور حضرت کیسی محبت فرماتے تھے؟

اس ناکارہ کو بھی حضرتؒ نے اپنی شفقت و محبت سے محروم نہیں فرمایا، ہر نماز کے وقت صف اول میں اس سیاہ کار کا انتظار فرماتے اور جب دیر ہو جاتی تو بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے، کبھی

نماز کا وقت ہو جاتا اور یہ غافل صف اول میں نہ پہنچتا تو بدستور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف رہتے یہاں تک کہ دو ایک منٹ اوپر ہو جاتے، جب میں پہنچ جاتا تو گھڑی کی طرف دیکھتے، اپنے خاص انداز میں مسکراتے اور قرآن کریم بند کر کے نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

صبح کے وقت جب مجھے نیند سے بیدار کرنا ہوتا تو میرے رخسار پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور آہستہ آہستہ یحییٰ کی یا کا کسی قدر امالہ کر کے شفقت سے فرماتے: "یحیے!" جب میری آنکھ کھل جاتی تو فرماتے "اٹھ میرا العل! اب اٹھنے کا وقت ہو گیا"، یہ سن کر میں فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتا۔

آج آٹھ ماہ ہو چکے ہیں، میرے رخسار ترس گئے کہ وہی محبتوں اور شفقتوں والا ہاتھ پھر جگائے گا، میرے کان ترس گئے ہیں اور یہ آرزو کرتے ہیں کہ شاید آج پھر وہی آواز آئے "یحیے! اٹھ میرا العل"۔ لیکن خدا کی قسم یہ شفقت بھری آواز ابھی تک سننے کو نہیں ملی، اور سب جانتے ہیں کہ یہ آواز اب ہمیشہ کیلئے بند کر دی گئی ہے، لیکن پھر بھی میں ہر رات یہ امید لے کر سوتا ہوں کہ شاید صبح اٹھانے والا اسی شفقت و محبت کے ساتھ میٹھی میٹھی آواز میں اٹھائے گا، لیکن....!

حضرت ابا جانؒ کو جب کبھی بیدار کرنا ہوتا تو بندہ بھی اپنا داہنا ہاتھ حضرتؒ کے رخسار پر پھیر کر آہستہ سی آواز میں کہتا ابا جی! اٹھ جایئے اب اٹھنے کا وقت ہو گیا۔

حضرتؒ پر ۱۹۹۶ء میں جب فالج ہوا، اس وقت حضرتؒ کچھ بول نہیں سکتے تھے، حضرتؒ کو جس بستر پر لٹایا ہوا تھا یہ ناکارہ اسی پر حضرت کے برابر بیٹھا ہوا تھا، اپنا بایاں ہاتھ میرے گال پر پھیرتے رہے اور بڑی بے بسی کے انداز میں دیکھتے رہے، یہ منظر اکثر میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اس مرض میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان تین دن تک بند رہی، اور جب چوتھے دن ڈاکٹر ورزش کرانے کے لئے آیا اور اس نے کچھ سوالات کئے جس کے درست جوابات حضرتؒ نے رک رک کر "لکنت کے ساتھ" دیئے اور آخری سوال ڈاکٹر صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے کیا، اس وقت حضرت مولانا سعید احمد صاحب زید مجدہ، مفتی محمد جمیل خان مدظلہ، بڑے بھائی مولانا محمد طیب صاحب وغیرہ بھی موجود تھے، کہ: یہ کون ہے؟ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا اور مجھے سینہ سے لگایا اور زور سے رونے لگے اور روتے ہوئے لکنت کے ساتھ

فرمایا: ”یہ.... میرا... بیٹا... ہے“۔ بھلا اس محبت کو بھی فراموش کیا جاسکتا ہے؟
جب کبھی میں بیمار ہوتا، اس وقت حضرت لباجانؒ کے جو تأثرات اور چہرے پر فکر کے جو آثار ہوتے وہ آج بھی جب یاد آتے ہیں تو بے چین کر دیتے ہیں، ہر نماز سے واپسی پر سب سے پہلے میرا حال پوچھتے، مجھ پر دم کرتے اور سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے فرماتے: بیٹا! کچھ کھا، پی لیتے۔ جس پر بندہ کہتا ٹھیک ہے! لباجی! یہ سن کر فوراً ہمشیرہ سے کہتے کہ: یحییٰ کو کچھ کھانے پینے کو دو۔ اس طرح حضرتؒ کا خیال رکھنا اور محبتیں اور شفقتیں بہت یاد آتی ہیں۔
کئی سال پہلے کا واقعہ ہے جب کہ یہ نادان حفظ کرتا تھا، حضرتؒ نے ختم نبوت کانفرنس چناب نگر میں شرکت کے لئے فیصل آباد تشریف لے جانا تھا، گھر سے مغرب کی نماز پڑھ کر روانہ ہونا تھا، حضرتؒ نماز کے لئے تشریف لے گئے اور جب میں گھر سے نکلا تو سیڑھیوں میں گر گیا اور سر پر چوٹ لگ گئی جس سے بہت سا خون نکلا۔ حضرت لباجانؒ جب نماز پڑھ کر واپس تشریف لائے تو بہت ہی پریشان ہوئے، اور دوسری طرف ایئرپورٹ پہنچنے کا وقت بھی ہو گیا تھا، مگر بایں ہمہ حضرت مجھے پہلے اپنے ساتھ ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اگر ختم نبوت کانفرنس نہ ہوتی تو میں ہرگز سفر نہ کرتا، پھر اپنے مرید حافظ جاوید صاحب سے فرمایا اس کے سر پر ٹانکے لگوا کر گھر پہنچا دینا۔
۲۷ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ کو جب میں نے حضرت لباجانؒ کو پہلا اصلاحی خط لکھا، تو جو کچھ لکھنا تھا لکھ تو دیا لیکن اب اسے حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے وہ کاپی حضرتؒ کی نشست پر رکھ دی، جب حضرت شام کو دفتر سے گھر تشریف لائے تو میں فوراً کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کی آواز آئی یحییٰ! میں نے اپنی عادت کے مطابق جواب دیا جی لباجی! اور دوڑتا ہوا کمرے میں آیا، حضرت کے ہاتھ میں وہی ”بند“ کاپی تھی جو میری طرف بڑھا رہے تھے، چہرے پر خوشی کی وجہ سے سرخی پھیلی ہوئی تھی، اپنے خوبصورت انداز میں مسکرا رہے تھے اور فرما رہے تھے: ”ماشاء اللہ! ماشاء اللہ!“
میں نے جلدی سے کاپی وصول کی اور تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
حضرت لباجیؒ کے چہرے پر خوشی کے جو تأثرات تھے، ان کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔
حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کا انداز تربیت بڑا عجیب تھا، ذہنی خیالات کی اصلاح کا

انداز ہی منفرد تھا۔

میرے حفظ کے زمانے کا واقعہ ہے جب کہ میری عمر نو یا دس سال تھی کہ ایک دن میرے ہاتھ میں درود شریف کی ایک کتاب دیکھی اور فرمایا کہ: بیٹا! کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا! لباجی! اس میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت نصیب ہونے کا عمل لکھا ہوا ہے، وہ سیکھ رہا ہوں، میں بھی کروں گا۔ یہ سن کر بڑی نرمی سے میرے ہاتھ سے وہ کتاب لی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے درد سے فرمایا: ”بیٹا! ہمارے اعمال اور ہماری شکلیں ایسی ہیں کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا عمل کریں؟“ حضرت لباجانؒ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کافی دن تک میں اپنے بچکانہ ذہن میں یہ سوچتا رہا کہ لباجی تو بزرگ ہیں پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں جب کہ میں تو اتنے سارے نیک کام بھی نہیں کرتا جتنے لباجی کرتے ہیں۔ بس اس دن کے بعد سے آج تک یہی کیفیت ہے کہ مجھ جیسا روسیاہ اس کا اہل نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زیارت طیبہ کا شرف حاصل کرے۔ لیکن:

”شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا“

جب یہ ناکارہ اعدادیہ سال دوم میں آیا تو مغرب سے عشأ تک آپ مجھے ”گلستان و بوستان“ پڑھاتے اور شیخ سعدیؒ کے نصائح اور اشعار پڑھ پڑھ کر اکثر روتے اور یہ وقت اکثر روتے ہوئے گزر جاتا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس گریہ کا کچھ حصہ اس نااہل کو بھی نصیب ہو جاتا۔

حضرت لباجانؒ کی یہ شفقت بھی ہمیشہ یاد رہے گی کہ میری عمر غالباً اس وقت تین چار سال کی ہوگی، روزانہ جب بھی تہجد کے وقت بیدار ہوتے تو مجھے بھی اٹھادیتے (اور اس کا تذکرہ کبھی خوش ہو کر فرماتے کہ میں اس کو ایک آواز دیتا ہوں تو فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) اور مجھے دودھ کا گلاس دیتے اور کہتے اس کو پی لو، میں پینے لگتا تو حضرت لباجانؒ وہیں کھڑے رہتے، جب گلاس خالی ہو جاتا تو مجھ سے لے لیتے اور فرماتے کہ: سو جاؤ، میں پھر سو جاتا۔ ایک مرتبہ میں ملتان اپنے چچا جان عبدالستار صاحب زید مجدہ کے گھر گیا، وہ جب تہجد کے لئے اٹھے تو مجھے بھی بستر پر بیٹھا ہوا پایا، اس وقت انہوں نے دروازہ بجا کر والدہ محترمہ سے پوچھا کہ محمد یحییٰ کیوں جاگ رہا ہے؟ اس پر والدہ نے فرمایا کہ: اصل میں مولانا نے اس کو اس وقت دودھ پلانے کی گندی عادت ڈالی ہوئی ہے اس لئے اٹھا ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک زمانے تک چچا جان (جب بھی ان کے

گھر جانا ہوتا) مجھے تہجد کے وقت اٹھا کر دودھ کا گلاس پیش فرماتے۔

حضرت اباجانؒ کا یہ بڑا عجیب وغریب انداز تربیت تھا کہ مجھے سحری کے وقت میں اٹھنے کی عادت ڈالی، اگر میں اس پر عمل کرتا رہتا تو شاید بہت کچھ حاصل کر چکا ہوتا، لیکن افسوس ہے میری نااہلی پر! شاید مجھ جیسے بد خصلت پر ہی یہ شعر صادق آتا ہے اور میرے حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے:

اذا كانت الطباع طباع سوء
فلا ادب يفيد ولاالاديب

ترجمہ: "جب طبائع اور مزاج خراب ہوں تو کسی ادیب کا ادب سکھانا بیکار ہے"۔

جس کو حضرت شہید نور اللہ مرقدہ جیسے مربی والد اور مرشد کی تربیت اور توجہ سے کچھ حاصل نہ ہوا ہو اس کی "طباع سوء" میں کیا شک ہو سکتا ہے؟:

سیاہ بختان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بس اتنی امید تو پھر بھی ہے کہ جس طرح رات کو اگر میں کہیں سے آنے میں تاخیر کر دیتا تو حضرت اباجانؒ سونے سے پہلے میرا انتظار کرتے رہتے، اسی طرح روز قیامت بھی جب حضرت اباجان اپنے متعلقین و متوسلین کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اعلان فرمائیں گے تو شاید میرا بھی انتظار کر لیں۔

کیا بعید ہے کہ جس طرح اباجانؒ حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ، حضرت مولانا فقیر محمدؒ، وغیرہ کی خدمت میں مجھے لے جا کر کہتے تھے کہ "یہ میرا بیٹا محمد یحییٰ ہے، اسکے لئے دعا فرما دیجئے" اسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی یہ فرمائیں کہ "یہ میرا بیٹا محمد یحییٰ ہے، اس کی بھی شفاعت فرما دیجئے" مجھے یہ امید ہے کہ اگر انہوں نے یہ فرما دیا تو میری بھی نجات ہو جائے گی۔

یہ کچھ ٹوٹے پھوٹے واقعات تھے جو دو دن میں جمع کر سکا، حضرتؒ کی محبت و شفقت کے بہت سے ایسے واقعات بھی ہیں جن کا تعلق صرف اور صرف دل کی کیفیات سے ہوتا ہے اور وہ

نا قابل یقین ہوتی ہیں اور آدمی ان کیفیات کو قبر میں ہی لے جاتا ہے۔

دعا ہے کہ رب ذوالجلال اس تحریر کو میرے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے، اور دنیا و آخرت میں اپنے محبوب اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا ومولانا
محمد وآله واصحابه اجمعین

............☆............

......ایک عرصہ سے شور محشر برپا ہے کہ علماً تقاضائے وقت سے نابلد ہیں، انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے، زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، اور یہ ابھی تک بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اس ناکارہ کے خیال میں ایسا شور مچانے والے وعدۂ خداوندی: "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کی یہ ساری غوغا آرائیاں علماً کے خلاف نہیں بلکہ کارخانہ خداوندی کے خلاف ہیں اور علماً اس کارخانہ خداوندی کے محض سرکاری ملازم ہیں، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ تمام سرکاری ملازم غفلت و کوتاہی کے مرتکب ہوگئے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ نعوذباللہ۔

علمائے دین کے خلاف شور و غوغا مچانے والے حضرات کسی ایک چیز کا نام تولیں کہ دین کا فلاں تقاضا سامنے آیا، اور علماً نے اس میں غفلت سے کام لیا، اور وقت کے تقاضا کا چیلنج قبول نہیں کیا۔ ہاں! یہ کہنا صحیح ہے کہ لوگوں کی جو خواہشات منشائے الٰہی کے خلاف تھیں علماً نے ان کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ اقبال مرحوم کی دعوت پر لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور علامہ اقبال مرحوم کے مکان پر فروکش تھے، تاجروں کے ایک نمائندہ وفد نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ہماری قوم معیشت میں بہت پیچھے رہ گئی ہے اور زمانہ برق رفتاری سے ترقی کررہا ہے، اب علماً کو "اجتہاد" سے کام لینا چاہئے اور بینک کے سود کے جواز کا فتویٰ دینا چاہئے، ان کی مرصع تقریر سن کر حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی متانت سے فرمایا:

"بھائی اگر تم دوزخ میں جانا چاہتے ہو تو سیدھے چلے جاؤ، مولویوں کو پل کیوں بناتے ہو؟"۔......

کمالات کی تکمیل

حافظ عبد القیوم نعمانی

حضرت اقدس شہید اسلام مخدوم العلماءؒ والصلحاءؒ، شیخ الحدیث، حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ ایک شخص واحد کا نام نہیں بلکہ اسلام و ملت اسلامیہ کی ایک عظیم تحریک کا نام ہے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، حضرت والا کی شہادت انکے اوصاف و کمالات کی تکمیل معلوم ہوتی ہے جیسے ہی خبر ہوئی یوں محسوس ہوا جو کمی تھی پوری ہو گئی، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات عالیہ بلند فرمائے اور حضرت کے تمام متعلقین کو اچھے اقدام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت اقدس کی پوری زندگی اسلام کی ترجمانی، تحقیق تصانیف، تحریر و تقریر کے حوالے سے ایک عظیم دستاویز ہے، فقہی مسائل میں آپ کی مرتب کردہ ذخیرہ اگلے سو سال میں اہل ایمان کے لئے ایک مثالی دستاویز ہے۔

حضرت والا کی اتباع سنت کی شان نہایت نرالی تھی جو زندگی کے تمام شعبوں میں اہتمام اور التزام کے ساتھ حسین تر تھی لیکن آپ کے چہرۂ انور پر تبسم، میٹھی میٹھی مسکراہٹ، حضور انور علیہ کی ایک عظیم الشان عظمت تھی، حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی میت ہمارے ہاتھوں میں تقریباً چودہ گھنٹے رہی، تو زندگی کی سی چہرہ انور کا مل رہی۔ یوں محسوس ہوتا جیسے تبسم نبوی علیہ کا یہ پیکر نیند سے ابھی بیدار ہو گا، اور اپنے علمی کام شروع کر دے گا۔

یوں تو حضرت اقدس کی خدمات کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل ہے لیکن ختم نبوت کے

مسئلے پر آپ کی خدمات آپ کی اخروی زندگی کے لئے عظیم توشہ ہے، مرزائیت رہتی دنیا تک لرزہ براندام رہے گی۔ مسئلہ ختم نبوت اور تردید مرزائیت پر آپ کی تصانیف اور آپ کے شاگرد اور ترجمان ہزاروں کی تعداد میں قادیانی ذریت کے سامنے سدِ سکندری کی حیثیت ہیں۔

حضرت اقدسؒ اپنے اساتذہ کرام، بزرگان دین کی میراث کے صحیح وارث تھے۔ حضرت والاؒ کو جو خزانے وراثت میں حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت محدث العصر شیخ مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ سے ملے تھے اس وراثت کے حقوق کمال درجے پر ادا ہی نہیں فرمائے بلکہ اس وراثت کو اپنی عظیم بصیرت باطنی سے حقداروں کو تفویض فرمایا جس کا سلسلہ ان شاء اللہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ وہ علمی نقوش اور عملی کمالات آپ نے چھوڑے ہیں وہ صدقہ جاریہ کے طور پر پوری دنیا میں قیامت تک چلتے رہیں گے۔

حضرت اقدسؒ کے ساتھ ایک باوفا ساتھی شہید وفابر ادر مکرم عبدالرحمٰن شہید بھی وفا کی سند کے طور پر صدیقی و فاروقی سند حاصل کر کے حضرت اقدسؒ کے ساتھ دائمی بسیرا کر چکا ہے۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ جنت کے داخلے اور جنت کی موج میں بھی اسی طرح رہے گا۔ حضرت اقدسؒ کے صاحبزادگان ورثاء، متعلقین کو اللہ تعالیٰ اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائیں۔ حضرت اقدسؒ کے سفاک قاتلوں کو اللہ تعالیٰ بے نقاب فرمائے ان کے سرپرستوں اور سازشیوں کو عبرت ناک سزا دے۔

اے اللہ جن ظالموں نے ہم سے یہ نعمت عظمیٰ جدا کی ہے آپ ہی انکو جانتے ہیں ان سے دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں چھین لے۔ آمین

..................☆..................

......سرکاری تعلیم گاہوں میں آئے دن اساتذہ وطلبہ کے مطالبات کا ہنگامہ رہتا ہے، اگر دینی مدارس کو سرکاری سرپرستی میں دیدیا گیا تو ان اداروں میں مطالبات اور ہنگاموں کی ایک نئی روایت قائم ہوگی، جو نہ صرف حکومت کے لئے موجب تشویش ہوگی، بلکہ دینی مدارس کے علماؑ وطلباؑ کے شایان شان بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے دینی مدارس کو ماڈرن بنانا نہ حکومت کے لئے مفید ہوگا، نہ دینی مدارس کے علماؑ وطلبہ کے لئے۔ ان کے لئے بوریائے فقر ہی موزوں ہے، اور ان کو اسی حالت میں رہنا اور رکھنا چاہئے۔ واللہ الموفق......

حضرت شہیدؒ اور

تردیدِ آغاخانیت

قاری فیض اللہ چترالی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمدلله و سلام علیٰ عباده الذین اصطفی:

شہید اسلام حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات مجھے یاد پڑتا ہے ۱۹۸۳ء میں اس وقت ہوئی جب راقم نے آغاخانیوں کے خلاف ایک تقریر، جو ضلع چترال تحصیل موڑکیو کی مرکزی عیدگاہ میں کی تھی، اور اس کی وجہ سے ۱۶ ایم پی او کے تحت سینٹرل جیل میں تین ماہ تک قید تنہائی کاٹنے کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں جہاں راقم مدرس بھی تھا، ملاقات کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؒ نے بہت دیر تک سینے سے لگائے رکھا اور بہت سی دعاؤں سے نوازا، بعد ازاں دوسرے حال احوال کے علاوہ جیل کے حالات پوچھے اور نصیحت کے طور پر آغاخانیوں کے خلاف منظم انداز میں کام کرنے کا ارشاد فرمایا، اور پھر از خود آغاخانیوں کے خلاف ایک کتاب کی اشاعت کے لئے ایک صاحب خیر بزرگ کے نام ایک خط بھی تحریر فرمادیا۔ بس اس وقت سے آغاخانیوں کے بارے میں کتب کثیرہ کی اشاعت شروع ہوئی اور حضرت ہی کی توجہ اور دعاؤں سے ضلع چترال میں مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج ضلع چترال میں گیارہ سو پچاس مساجد اور ساڑھے تین سو مدارس تعمیر ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے، اور "الدال علی الخیر کفاعله" کے بموجب یقیناً یہ کام حضرتؒ کے لئے

صدقہ جاریہ ہے۔ یہ حضرت اقدسؒ کے صدقات جاریہ اور حسنات میں سے بطور مثال عرض ہے، ورنہ ایسے ہزاروں ادارے موجود ہیں جو حضرت کے تعاون اور ان کی توجہ کی وجہ سے موجود ہیں۔

حضرت شہیدؒ نے ہر فرقہ باطلہ کے خلاف نہ صرف قلم اٹھایا بلکہ اس کے سدباب کے لئے سرگرم عمل افراد کے ساتھ عملی اور مالی تعاون بھی فرمایا، ان فِرَقِ باطلہ میں سے ایک فرقہ آغاخانی بھی ہے۔ حضرت اقدس نے آغاخانیوں کے خلاف متعدد مضامین تحریر فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ اسماعیلی مذہب کی تاریخ اور اس مذہب سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے ایک کتاب تلاش بسیار کے بعد دریافت فرمائی اور اسے اپنے خرچ پر مکتبہ بینات کی طرف سے شائع فرمایا، اس کتاب کا نام "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" ہے۔ یہ کتاب نو سو صفحات پر مشتمل ہے جو بالکل نایاب تھی۔ آغاخانیوں نے ہر جگہ سے اس کتاب کو اٹھوادیا تھا تاکہ ان کی اصلیت سے کوئی بھی واقف نہ ہو سکے۔ حضرتؒ نے اس کتاب کو دریافت فرمایا اور شائع کر کے دو سو کتابیں پاکستان کی بڑی بڑی لائبریریوں اور اہم شخصیات کو مفت ارسال فرمائیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ نے آغاخانیوں کے عقائد پر مشتمل ایک استفتاء مرتب کیا اور اس پر دنیا بھر کے علماءِ کرام سے فتویٰ حاصل کیا، یہ فتویٰ حضرت اقدسؒ کی کوششوں سے کتابی شکل میں کئی بار شائع ہوا، جس کا انتظام حضرت اقدسؒ نے بذات خود فرمایا اور یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی۔ مزید یہ کہ حضرت شہیدؒ نے اس کتاب پر ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ بھی تحریر فرمایا جو کہ نہایت ہی جاندار، مدلل اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس میں آغاخانیوں کے سلسلہ امامت، جسے آغاخانی مذہب میں کلیدی حیثیت حاصل ہے، اس پر دقیق بحث فرمائی اور خود آغاخانیوں کی کتابوں کے حوالے سے ان کی امامت کے سلسلہ نسب کو مدلل طریقہ سے کئی جگہ منقطع اور مشکوک ثابت کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک آغاخانی مشنری اور لندن میں قائم آغاخانیوں کا اسٹڈی سینٹر اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

ذیل میں ہم حضرت کے تحریر کردہ دو اقتباس نقل کرتے ہیں جو آپ نے "اسمٰعیلیہ اور عقیدۂ امامت کا تعارف تاریخی نقطہ نظر سے" نامی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمائے:

"اسماعیلی مذہب پر کتابوں کی کمی کی شکایت قریباً ہر زمانہ میں رہی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب ایک باطنی تحریک ہے، وہ اپنی دعوت

خفیہ ذرائع سے پھیلانے کے قائل ہیں، یہ لوگ اپنی تحریک کا کھلا تعارف پسند نہیں کرتے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض حضرات نے بڑی محنت و جستجو سے باطنیوں کے حالت پر کتابیں لکھیں لیکن اس تحریک کے اکابر نے انہیں منظر عام سے غائب کرادیا۔

اس اخفا کی وجوہات کئی ایک ہوسکتی ہیں، ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ یہ باطنی دعوت "اہل بیت" کے نام پر پیش کی جاتی تھی مگر اہل بیت کے اکابر جو عام لوگوں کے سامنے موجود تھے ان کو اس دعوت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اگر علانیہ یہ دعوت پیش کی جاتی تو "ائمہ اہل بیت" اس کو فوراً جھٹلا دیتے، اس لئے باطنی تحریک کے داعیوں نے نہ صرف اپنی دعوت اور اس کی سرگرمیوں کو صیغہ راز میں رکھا بلکہ خود "ائمہ اہل بیت" کو بھی "مکتوم" اور "مستور" بنادیا، جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ امام کہاں ہیں جس کی تم دعوت دیتے ہو؟ تو کہہ دیا جاتا کہ بحکم الٰہی وہ کسی نامعلوم مقام پر چھپے ہوئے ہیں اور ان سے ملاقات کی کسی کو اجازت نہیں، ظاہر ہے کہ ایک ایسی دعوت جس کے مرکزی کردار بھی "پردۂ ستر" میں ہوں اس کو کھلے بندوں کیسے جاری رکھا جاسکتا تھا۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ باطنی داعیوں کے پاس کوئی مربوط اور مفصل نظام نہیں تھا، اس لئے جس داعی کی سمجھ میں جو بات آجاتی وہ کہہ دیتا، علانیہ دعوت کی صورت میں ان کے آپس میں اختلافات رونما ہوتے، اس لئے دعوت کا رخ ظاہر سے باطنی کی طرف کردیا گیا تاکہ داعیوں کے خود تراشیدہ "حقائق" منظر عام پر نہ آسکیں۔

اور اس سے بڑی وجہ اخفا کی یہ تھی کہ اسماعیلی دعوت میں جو باتیں بنیادی اصول کے طور پر پیش کی جاتی تھیں وہ ایک مسلمان کیلئے اتنی متوحش تھیں کہ بھلے زمانوں کے مسلمان ایسی باتوں کو کبھی برداشت ہی نہیں کرسکتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ باطنی اصول کہ اللہ تعالیٰ کا نور علیؓ میں حلول کر گیا ہے۔ اس لئے علیؓ خود اللہ ہے اور پھر یہی منصب الوہیت بعد میں دیگر ائمہ کی طرف منتقل

ہو تارہا، کون مسلمان ہو گا جو اس باطنی اسماعیلی عقیدہ کو سن کر آسانی سے ہضم کر جائے اور اس عقیدہ کو علانیہ طور پر پھیلانے کی اجازت دے۔ اس لئے اس دعوت کا، اس کے بنیادی اصولوں اور اس کے مرکزی کرداروں کا یہاں تک اخفا کیا کہ یہ تحریک ہی ایک باطنی تحریک کے نام سے مشہور ہو گئی......"

"......اسماعیلیوں کی سفاکی و بے رحمی کی ایک مثال ابن النابلسی شہیدؒ کے قتل کا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" (ص ۲۸۴ ج ۱۱) میں اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلا" میں کیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"امام ابو بکر محمد بن احمد بن سہل الرملی المعروف بہ "ابن النابلسی" اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے، عابد و زاہد اور صائم الدہر تھے، حدیث و فقہ میں امام تھے۔ فاطمیوں نے جب مصر پر غلبہ حاصل کیا تو اسماعیلی عقائد کو لوگوں پر بزور شمشیر مسلط کرنا چاہا، ابن النابلسی شہیدؒ ان کی اس حرکت سے نالاں تھے اور نہ صرف ان کے اس طرزِ عمل پر تنقید کرتے تھے بلکہ ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسماعیلی حکمران انہیں گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ وہ رملہ سے دمشق چلے گئے۔ وہاں کے گورنر نے ان کو گرفتار کر کے لکڑی کے پنجرے میں بند کر کے مصر بھیج دیا۔ یہ ۳۶۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابو تمیم معز فاطمی حکمران تھا، اور اس کا غلام امیر عساکر "جوہر" سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ ابن النابلسی شہیدؒ کو قائد جوہر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوہر نے پوچھا کہ تم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ ان میں سے ایک تیر روم کے نصرانیوں کے خلاف اور نو اسماعیلیوں کے خلاف استعمال کرے؟ ابن النابلسی شہیدؒ نے فرمایا: جناب آپ کو روایت غلط پہنچی ہے، میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا بلکہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ نو تیر تو تمہارے خلاف استعمال کرے اور دسواں تیر بھی نصرانیوں کے بجائے تم لوگوں پر برسائے، کیونکہ تم نے دین کو بدل ڈالا، خدا کے نیک بندوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور تم نور الوہیت کے مدعی بن بیٹھے۔

جوہر نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کی جائے (منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے) دوسرے دن ان کی پٹائی کا حکم دیا، تیسرے دن ایک یہودی کو حکم دیا کہ ان کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔ یہودی نے سر کی چوٹی سے ان کی کھال کھینچنا شروع کی، چہرے تک کھال اتاری گئی مگر انہوں نے اُف تک نہیں کی بلکہ صبر و سکون کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور قرآن کریم کی آیت: "و کان امر الله قدراً مقدورا" (الاحزاب: ۳۸) (اور ہے حکم اللہ کا مقدر ٹھہر چکا) کی تلاوت فرماتے رہے، یہاں تک کہ سینے کی کھال اتاری گئی اور ان کے صبر و استقامت کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی بالآخر کھال کھینچنے والے یہودی کو ان پر ترس آیا اور اس نے دل کی جگہ خنجر گھونپ کر ان کا قصہ تمام کر دیا۔ کھال اتارنے کے بعد اس میں بھوسہ بھر اگیا اور بھوسہ بھری کھال کو سولی پر لٹکایا گیا۔ رحمہ الله تعالیٰ۔" (سیر اعلام النبلاء ص ۱۴۸، ۱۴۹ ج ۱۶)

یہ اسماعیلیوں کی سفاکی و بربریت کی ایک مثال ہے جس کے پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسماعیلی خونخواروں کے ہاتھوں کتنے علماءِ حقانی نے جام شہادت نوش کا ہو گا؟"

بندہ حضرتؒ سے شروع ہی سے بہت بے تکلف تھا، لیکن ۱۹۹۲ء میں جب حضرت شہیدؒ سے مسجد نبویؐ میں بیعت کی سعادت حاصل ہوئی تو حضرت سے اپنی سابقہ بے تکلفی کے پیش نظر عرض کیا کہ حضرت میں تو ہر وقت آغاخانیوں کے پیچھے پڑا رہتا ہوں، آپ کے ارشاد فرمودہ معمولات پورے کرنا تو میرے لئے مشکل ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: "اسی تردیدِ آغاخانیت کے کام کو ڈبل کر لو، یہی تمہارا وظیفہ ہے"۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرتؒ کی اسی دعا اور نسبت کی وجہ سے آغاخانیوں کے خلاف اس مشن کو آج تک جاری رکھے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس مشن کو قبول فرمائے اور حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔

شفقتیں ہی شفقتیں

مولانا امان اللہ خالدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی:

حضرتؒ جب پہلی بار کراچی تشریف لائے تو راقم جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں درجہ ثالثہ کا طالب علم تھا۔ حضرتؒ کا قیام اساتذۂ کرام حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور حضرت مولانا عبداللہ کاکا خیل کے کمروں سے متصل ایک کمرے میں تھا۔ اس زمانہ میں حضرت کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد سعید صاحب بہت چھوٹے تھے۔ میرے والد صاحب حاجی شفیع اللہؒ، حضرت بنوریؒ کے خاص محب اور سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جب حضرت شہیدؒ کے بارے میں حضرت بنوریؒ نے طے فرمادیا کہ آپ جہاز پر آیا کریں تو اس وقت حضرت شہیدؒ کو ایئرپورٹ سے لانے لے جانے کی سعادت مجھے اس گاڑی پر نصیب ہوئی جسے میرے والد صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ کے لئے وقف فرمایا ہوا تھا۔ اس دوران حضرت شہیدؒ سے ملاقاتیں تو رہیں لیکن قربت حاصل نہ ہو سکی، اس کے باوجود حضرت شہیدؒ کے بارے میں میرے دل میں انتہائی محبت اور احترام کے جذبات تھے۔

۱۹۸۸ء میں جب والد صاحبؒ کی وراثت کے معاملہ میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہوئیں اور میں ان امور میں بہت پریشان ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! تو میری رہنمائی فرما، دعا کے بعد منجانب اللہ میرے دل میں حضرت شہیدؒ سے مشورہ کا خیال آیا اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ حضرتؒ بہت ہی محبت اور خندہ پیشانی سے ملے، میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور اس حوالے سے بعض پیچیدہ امور کا تذکرہ کیا جنہیں سننے کے بعد فرمایا کہ: "کل آؤ، میں سوچ کر بتاؤں گا"، اور میرا ٹیلی فون نمبر بھی لے لیا اور فرمایا کہ کسی استفسار کی ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں فون کرلوں گا، چنانچہ جب اگلے روز میں حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس والد صاحب کی امانت ہے اسے فوراً شریعت کے مطابق تقسیم کردو، تم اور لوگوں کو نہ دیکھو، چنانچہ حضرتؒ کے حکم پر میں نے ایسا ہی کیا اور ذہنی لحاظ سے مجھے اس سے بے انتہا سکون وراحت نصیب ہوئی۔

۱۹۹۲ء میں جب میں نے جامعہ رشیدیہ، پیر کالونی، کراچی سے بعض وجوہات کی بنا پر علیحدگی اختیار کی اور ایک پرانے بوسیدہ مکان میں جامعہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ کے قیام کا ارادہ کیا تو مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرتؒ کمالِ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں تشریف لائے اور بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، راقم سے فرمانے لگے کہ: "مولوی صاحب! آپ نے تو کمال ہی کردیا، لڑنا جھگڑنا علماً کے شایانِ شان نہیں، جو راستہ آپ نے اختیار کیا ہے انشاءاللہ اس میں خوب برکت ہوگی"، اس موقع پر حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ: "حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اعقل العلماً فرمایا کرتے تھے، اور مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کا مقولہ ہے کہ: "مدارس شراکت سے نہیں چلتے"، یہ نصائح فرمانے کے بعد حضرتؒ نے بہت طویل دعا فرمائی، بحمداللہ حضرتؒ کی دعاؤں کی برکت سے اس مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی تعلیم کے لئے قبول فرمالیا۔

۲۰۰۰ء میں مجھے حضرت کی معیت میں حج کی سعادت نصیب ہوئی، باوجودیکہ مجھے ڈاکٹروں نے عارضہ قلب کی وجہ سے سفر سے منع کیا ہوا تھا، لیکن میں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ یہ سفر میری زندگی کے چند یادگار اسفار میں سے ایک تھا۔ میں سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے اور ان کے بعد حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ سے بیعت ہوا اور ان حضرات کی خصوصی شفقتیں مجھے حاصل رہیں، حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کی وفات کے بعد حضرت بنوریؒ کی صحبت نصیب ہوئی لیکن حضرت بنوریؒ کا معمول چونکہ عام طور پر بیعت فرمانے کا نہیں تھا اس لئے حضرت بنوریؒ سے بیعت تو نہیں ہوا لیکن حضرت بنوریؒ کی صحبت میں خاصا وقت گزرا، خصوصاً شام کے اوقات میں اگر حضرت کو کہیں تشریف لے جانا ہوتا تھا تو یہ ناکارہ ہی حضرت کا ڈرائیور ہوتا، حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد میں

روحانی طور پر بالکل یتیم ہو گیا، نیز اتنے بڑے بڑے حضرات کی زیارت کرنے اور ان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اب کوئی نظر میں جچتا ہی نہیں تھا، مفتی محمد جمیل خان صاحب اور مولانا محمد عابد صاحب مدرس خیر المدارس ملتان اکثر مجھے اس بات پر ٹوکا کرتے تھے، اور مجھے متوجہ کرتے تھے کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدو۔ ان حضرات کے متوجہ کرنے پر میری نگاہ بار بار حضرت شہیدؒ پر جاتی تھی، اس سفر میں، میں نے مفتی محمد جمیل خان صاحب سے عرض کیا کہ میرے دل میں شدت سے حضرت شہیدؒ کی طرف میلان ہو رہا ہے، یہ سن کر مفتی صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے، مناسکِ حج کے دوران میدانِ عرفات میں غروب آفتاب سے قبل طویل دعا ہوئی جس میں مفتی جمیل صاحب نہ صرف خود زارو قطار روئے بلکہ پورے مجمع کو اس درجہ رلایا کہ بعد میں آنسو بھی خشک ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے، دعا کے بعد مفتی صاحب نے مجھے آواز دی کہ : "بھائی لیان اللہ! کہاں ہو؟ حضرت سے بیعت ہو جاؤ، اور لوگ بھی جو حضرت سے بیعت ہونا چاہیں وہ قریب آجائیں" یہ کہہ کر مفتی صاحب نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر بھرے مجمع میں حضرتؒ کی کرسی کے بالکل برابر بٹھادیا، حضرتؒ نے اپنا دست شفقت میرے کاندھے پر رکھا اور اس کے بعد میری ایک ہچکی سی نکلی اور بے اختیار آنسوؤں کی ایک لڑی آنکھوں سے جاری ہو گئی، اور میں نے اپنی چیخ اور آہ وزاری کو بہ مشکل دانتوں میں انگلی دے کر روکا، حضرتؒ نے مختصر سا بیان فرمایا اور پھر مجھے اپنی آغوش بیعت میں قبول فرمالیا، گو کہ ہم لوگ غروبِ آفتاب سے قبل کی دعا میں خاصا رو چکے تھے اور اب تو ہمارے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے لیکن حضرتؒ کے دستِ شفقت کے بعد اپنی نالائقیوں کے استحضار سے آنسو تھمتے ہی نہیں تھے، حتیٰ کہ جب حضرتؒ نے بیعت فرمانے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھائے تو جذبات میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔ اسی رات وقوفِ مزدلفہ میں بھی حضرتؒ سے بالکل متصل جگہ راقم کو عنایت فرمائی گئی، اگلے روز صبح پھر حضرتؒ کی معیت میں منیٰ کے لئے روانگی ہوئی، حضرتؒ وہیل چیئر پر تھے، میری علالت کی وجہ سے میرا سفری بیگ بھی مفتی جمیل صاحب اور بھائی عبدالرزاق نے سنبھالا ہوا تھا، مفتی صاحب حضرتؒ کی وہیل چیئر کو دھکیل رہے تھے اور میں بھی ساتھ تھا، تمام راستہ حضرتؒ بہت شگفتہ گفتگو فرماتے رہے جس کی وجہ سے اپنی شدید بیماریٔ قلب کے باوجود مجھے پیدل سفر کی مشقت کا احساس تک نہ ہوا۔ منیٰ کے قیام کے دوران میں نے حضرتؒ سے اپنی دل کی تکلیف کا ذکر کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، ٹھیک ہو جاؤ گے، مکہ مکرمہ آنے کے بعد حضرتؒ علیل ہو گئے جبکہ میں بھی شدید بیمار پڑ گیا اور مجھے بخار کے علاوہ بلڈ پریشر کی بھی

شکایت ہوگئی، حضرتؒ کا قیام عمارت کی نچلی منزل پر تھا اور حضرتؒ کے لئے زینہ چڑھنا ممکن نہ تھا، لیکن باوجود اپنی علالت کے حضرتؒ بار بار احباب سے میری خیریت دریافت فرماتے رہے۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر براستہ جدہ ایک اور عمرہ کی سعادت حضرتؒ کی معیت میں نصیب ہوئی، جدہ میں میری علالت کی وجہ سے حضرتؒ کے ساتھ میرا نظم بھی قاری رفیق صاحب کے مدرسہ میں طے ہوا، دورانِ قیام حضرتؒ صبح گیارہ بجے سے لے کر رات ساڑھے گیارہ بجے تک اپنی زیر ترجمہ کتاب "المعتمد فی المعتقد" کا ترجمہ مجھے املا کراتے رہے، اور اس درمیان وقتاً فوقتاً مجھ سے دریافت فرماتے رہے کہ میری طبیعت تو ٹھیک ہے، اور یہ کہ میں آرام کرلوں، میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ! یہ موقع پھر کہاں ملے گا؟ حضرتؒ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور املا جاری رکھا، اس سفر کے دوران حضرتؒ بار بار میری طبیعت اور دوا کا پوچھتے رہے اور میری صحت کا ایسا خیال فرمایا گویا میں ہی مخدوم ہوں، اسی دوران ایک مرتبہ میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرتؒ! میں موت سے نہیں ڈرتا بلکہ میں اس بات سے خائف ہوں کہ کہیں سوٗ خاتمہ نہ ہو، حضرتؒ نے بے پناہ شفقت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ: "انشاءاللہ حسن خاتمہ ہوگا اور تم ٹھیک بھی ہو جاؤ گے"۔

سفرِ حج سے کراچی واپسی پر راقم الحروف اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر نوشاد بیگ صاحب اور ڈاکٹر امجد صاحب کے مشورہ سے ڈاکٹر اسد اللہ کنڈی ماہر امراض قلب سے ملا، انہوں نے میری سفرِ حج سے قبل کی رپورٹیں دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں انجیو گرافی کے ساتھ ہی انجیو پلاسٹی بھی کرانا ہوگا، اور یہ ہسپتال میں ہوگا اور اس کے لئے انہوں نے مجھے پرچہ بھی جاری کر دیا، الحمد للہ! حضرتؒ کی بات پر مجھے اتنا یقین تھا کہ میں نے تمام ٹیسٹ کرانے سے انکار کر دیا، البتہ میرا ایک ای سی جی کروالیا گیا جس کی رپورٹ میں میری صحتیابی کی رفتار دیکھ کر ڈاکٹر اسد اللہ کنڈی اور ڈاکٹر امجد حیران رہ گئے کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے واقع ہوگئی؟ میرے معالج خصوصی ڈاکٹر سید محمد اسلم مجھ سے فرمانے لگے کہ: "مولانا! آپ کی موجودہ رپورٹ تو تعجب خیز ہے، اور یہ کسی معجون وغیرہ سے نہیں ہوا بلکہ کسی کی دعا ہی لگ گئی، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ اتنا بڑا فرق کیسے ہوا"، کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو لیکن میں تو اسے حضرتؒ کی کرامت اور تصرف ہی سے تعبیر کرتا ہوں۔

مئی کے لوائل میں حضرتؒ کی معیت میں افغانستان کا وہ یادگار سفر پیش آیا جس میں حضرتؒ کی زیر قیادت پاکستان کے ممتاز علماٗ کرام نے افغانستان کا دورہ کیا، راقم بھی اس سفر میں حضرتؒ کے

ہمرکاب تھا، اس سفر میں راقم کے ساتھ حضرتؒ کی جو شفقتیں رہیں ان کو یاد کرکے اب سوائے رونے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے، کراچی سے ہی مفتی محمد جمیل خان صاحب نے میری تشکیل حضرتؒ کے ساتھ بحیثیت خادم کے کردی تھی، اس لئے میں ہر موقع پر حضرتؒ کے ساتھ رہا، کوئٹہ سے قندھار کے سفر کے دوران حضرتؒ نے اپنے معمول کے مطابق گاڑی کی عقبی نشست پر داہنی جانب بیٹھنا پسند فرمایا، مئی کا مہینہ تھا اور اس روز شدت کی گرمی پڑرہی تھی، جس رخ پر حضرتؒ تشریف فرما تھے سورج کا رخ بھی اسی جانب تھا، اس پر طرہ یہ کہ گاڑی کا ایئرکنڈیشنر بھی کمزور تھا، دھوپ حضرتؒ کے چہرۂ مبارک اور جسدِ اطہر پر پڑرہی تھی؛ جب کہ دھوپ کا کچھ حصہ مجھ پر بھی پڑرہا تھا جو مجھے جھلسانے کے لئے کافی تھا، مجھے خیال ہوا کہ جب مجھے اتنی تکلیف ہورہی ہے تو حضرتؒ کو کتنی بے چینی اور تکلیف ہورہی ہوگی؟ یہ سوچ کر میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ میری نشست پر تشریف لے آئیں، میں اُس طرف بیٹھ جاتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا کیوں؟، میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ! آپ کی طرف دھوپ زیادہ ہے، حضرتؒ نے جواباً فرمایا کہ : "کیا تمہیں دھوپ نہیں لگے گی"، اور کوئٹہ سے قندھار تک حضرتؒ اسی طرح دھوپ برداشت کرتے رہے لیکن دائیں طرف بیٹھنے کی سنت کو ترک نہ فرمایا اور خدام کے اصرار کے باوجود خدام کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھا، نیز دورانِ سفر حضرتؒ کسی قسم کی راحت وآرام یا پانی وغیرہ کا مطالبہ نہیں کیا، اور گاڑی میں سفر کے دوران بار بار اپنے جسدِ اطہر کو سمیٹ رہے تھے تاکہ میں آرام سے بیٹھوں اور بار بار فرمارہے تھے کہ : "مولوی صاحب! آرام سے بیٹھو۔"

کابل میں ہمارا قیام آریانہ ہوٹل میں تھا، راقم الحروف حضرتؒ کے ساتھ بحیثیت خادم کمرے میں مقیم تھا، ایک مرتبہ راقم الحروف غلطی سے بیت الخلاء کے باہر جو سلیپر ہوتے ہیں ان کو پہن کر باہر چلا گیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بیت الخلاء میں کوئی ہے، تقریباً نصف گھنٹہ بعد جب میں واپس آیا تو حضرتؒ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ : "اچھا آپ باہر تھے"، اور یہ فرماکر حضرتؒ بہت تیزی سے طہارت خانے کی جانب لپکے، مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ حضرتؒ کو بہت شدید تقاضہ تھا لیکن چپلوں کی عدم موجودگی سے حضرتؒ نے یہ خیال فرمایا کہ میں اندر ہوں، بعد میں، میں نے حضرتؒ سے معذرت کی کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور آپ کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی، مجھے معاف کردیں، یہ سن کر حضرتؒ نے مسکراکر فرمایا کہ : "کوئی حرج نہیں"، شفقت واعلیٰ ظرفی کی یہ ایک ایسی نادر مثال ہے جو اس دور میں کمیاب ہے، ورنہ عام طور پر لوگ ایسے مواقع پر چاہے کتنے ہی صبر وضبط کا مظاہرہ کریں لیکن کوئی نہ

کوئی سخت بات کر ہی جاتے ہیں، لیکن حضرتؒ نے اس موقع پر اس سنت نبویؐ کی پیروی کا مظاہرہ فرمایا جس کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے حوالے سے کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا کرتے تھے۔

کابل شہر کے ایک سفر سے واپسی پر ایک مرتبہ مفتی محمد جمیل خان صاحب مجھے، صاحبزادہ مولوی محمد طیب صاحب، مفتی خالد محمود صاحب اور چند دیگر رفقاً کو محاذِ جنگ پر لے گئے، وہاں پر ہمیں دیر ہو گئی، اور اسی اثنا میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، میں نے مفتی جمیل صاحب سے عرض کیا کہ واپس چلیں، میں نے حضرت کو دوا کھلانی ہے، انہوں نے فرمایا کہ واپسی تو ممکن نہیں کیونکہ کابل میں رات کا کرفیو نافذ ہے، اور فاصلہ بھی بہت ہے، جبکہ ہمیں نامۂ شب (رات کے کوڈ ورڈ) کا بھی علم نہیں ہے، ہم جائیں گے بھی تو روک دیئے جائیں گے، پوری رات ہم نے وہاں محاذ کے دلفریب نظاروں کے درمیان رات کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، اندھیری رات میں پہرہ دینے کے اجر کی خوشی کے باوجود اس بات کا احساس رہا کہ حضرت کی دواؤں کی ترتیب کا آج میری وجہ سے ناغہ ہو گیا، خدانخواستہ حضرتؒ کو دوا وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو جائے، صبح فجر کی نماز کی ادائیگی کے ساتھ ہی ہم کابل روانہ ہوئے اور حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ندامت کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت! میں محاذِ جنگ پر چلا گیا تھا اور میری وجہ سے رات آپ کا دواؤں اور دودھ کا ناغہ ہو گیا، حضرتؒ نے یہ سن کر مسکرا کر فرمایا کہ: ”آرام سے نیند آ گئی تھی، کوئی حرج نہیں، اچھا ہوا کہ آپ نے رات اللہ کے راستے میں پہرہ دینے کی سعادت حاصل کی۔“

تمام دن کے تھکا دینے والے پروگراموں کے باوجود میں اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ حضرتؒ رات کو انتہائی خاموشی سے اٹھتے تھے کہ دوسرے رفقاً کو تکلیف نہ ہو، رات کو نصف شب کے بعد جب بھی میری آنکھ کھلتی تو میں دیکھتا کہ حضرتؒ نماز، دعا اور ذکر واذکار میں مشغول ہیں، ہاں! اگر فجر کی نماز کے لئے کسی ساتھی سے سستی ہوتی تو حضرتؒ کا لہجہ کسی قدر سخت سا ہو جاتا اور فرماتے: ”اٹھو! اٹھو!“، بس یہی سختی تھی جو میں نے حضرت میں دیکھی اور یہ بھی اتباعِ سنت کا اثر تھی۔

ایک روز دوپہر کے وقت میں نے دیکھا کہ حضرتؒ کو نیند نہیں آ رہی، میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت! کیا بات ہے؟ آپ کو نیند نہیں آ رہی؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ”کوئی بات نہیں، آپ آرام فرمائیں“، میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی نیند نہیں آ رہی، حضرتؒ نے کمالِ شفقت سے

دریافت فرمایا کہ: "آپ نے دوا کھالی ہے؟" میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کھالی ہے اور میری طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہے، حضرتؒ یہ سن کر مسکرائے جس سے میرے اندر حوصلہ پیدا ہوا اور میں حضرتؒ کے پاؤں اپنی گود میں لے کر دبانے لگا اور حضرتؒ نے دیوار سے پشت لگالی، حضرتؒ کے خوبصورت سے پیروں سے نورانیت سی چھلکتی دکھائی دیتی تھی، یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرتؒ کے قدم چوم لوں، میں نے حضرتؒ سے مسئلہ دریافت کیا کہ شیخ کے پاؤں چومے جاسکتے ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ جائز تو ہے لیکن مناسب نہیں ہے، اس میں شائبہ شرک ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت! میری خواہش ہے کہ کراچی میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہوں تاکہ اب تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے، حضرتؒ نے فرمایا کہ: "آپ جب چاہیں آجائیں"، اور پھر باربار یہ فرمانے لگے کہ: "آپ فکر نہ کیا کریں، آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے"۔

یوں تو حضرتؒ کی زندگی کے جن شب و روز کا میں نے مطالعہ کیا وہ سب کے سب نہایت ہی متاثر کن تھے، لیکن میرے لئے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سفر میں حد سے زیادہ بے تکلفی کے ماحول کے باوجود حضرتؒ نے کنایۃً بھی کسی کی غیبت کی، نہ سنی اور نہ کسی کی غیبت میں حصہ لیا۔

افغانستان سے واپسی پر میری طبیعت بہت ناساز تھی، کوئٹہ سے کراچی کے سفر میں جہاز میں جی متلانے کی شکایت بھی شروع ہو چکی تھی، کراچی ایئرپورٹ پر میرے چہرے کا تغیر دیکھ کر حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ: "آج آپ نے دوائی کھائی ہے؟ آپ کی دوائی کا بیگ کدھر ہے؟" یہ وہ آخری کلمات تھے جو میں نے حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے سنے، پھر آخری مصافحہ فرمایا اور بہت شفقت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی جسے میں آج تک نہیں بھلا پایا اور پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے۔

گھر آکر مجھے ہیضہ جیسی کیفیت ہو گئی اور متلی اور اسہال شروع ہو گئے، چوتھے روز طبیعت سنبھلنے پر میں نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دفتر ختم نبوت سے یہ روح فرسا خبر سننے کو ملی کہ اُس سراپا شفقت ہستی کو شہید کر دیا گیا ہے جسے دنیا حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے نام سے جانتی تھی۔ یوں بہت کم وقت میں ایک ولی اللہ کی صحبت کے چند روز میری زندگی کا سرمایہ بن گئے۔ حضرتؒ کی شہادت کے بعد اب نہ وہ کیفیتیں رہیں اور نہ ہی وہ شب و روز رہے، اور ہم پہلے کی طرح رند کے رند رہ گئے۔



ذ۔ک۔ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اباجی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ وقت اور معمولات کی اتنی پابندی فرماتے کہ طویل سے طویل سفر کر کے آتے، لیکن شب و روز کی مصروفیات پھر بھی انجام دیتے۔ ایک بار ختم نبوت کانفرنس (برمنگھم) سے صبح گیارہ بجے گھر واپس تشریف لائے، ظہر کے بعد درس حدیث کے لئے جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو راقمہ نے عرض کیا: اباجی آپ طویل سفر سے واپس آئے ہیں اور تھکے ہوئے بھی ہیں آرام فرمائیں اور سبق کے لئے نہ جائیں۔ فرمایا: "بیٹا! طالب علم انتظار کرتے ہوں گے۔"

شفقت کا یہ عالم تھا کہ اکثر میں رات کو اپنے اسباق کا مطالعہ کرتے کرتے سو جاتی تو کمرے میں تشریف لاتے، کتابیں ترتیب سے رکھ کر لائٹ بند کرتے، اکثر اس کا تذکرہ بھی فرماتے اور کہتے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اٹھا ہوں اور کتاب اس کے سینہ یا منہ پر نہ پڑی ہو، مجھے اٹھا کر رکھنی پڑتی ہے، اپنی شدید مصروفیت کے باوجود پڑھائی کے سلسلے میں جب میں ان سے کچھ پوچھتی تو انتہائی سہل اور دلکش انداز میں سمجھاتے کہ مشکل سے مشکل مقام بھی ازبر ہو جاتا۔

حضرت اباجی شہیدؒ کا خط بے حد نفیس تھا اور آپ خوبصورت لکھائی کو پسند فرماتے تھے، میرے استاذ محترم فرماتے تھے کہ میں نے بہت سے مفتی حضرات کے خط دیکھے ہیں، لیکن حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کے خط جیسا خوبصورت اور نفیس خط کسی کا نہیں

دیکھا، میرے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ بھی حضرت لباجی شہیدؒ کے خط کا بطور خاص تذکرہ فرماتے اور فرماتے ہوئے یہ جملہ دھراتے کہ: "مولانا کا خط لاجواب ہے"، ایک مرتبہ چھوٹے بھائی حافظ محمد یحییٰ سلمہ کے امتحانی پرچے دیکھ کر آئے، آکر بھائی کو نہایت شفقت کے انداز سے ڈانٹا کہ اتنے اچھے پرچے کر کے آیا ہے، لیکن لکھائی بے حد خراب ہے، اس کے بعد اولیٰ کے سہ ماہی امتحان میں جب بھائی پرچے دے کر آئے تو ایک پرچہ لاکر حضرت لباجی کو دکھایا، جس پر بھائی کے استاد محترم مولانا تحسین محمود صاحب بن مولانا سحبان محمودؒ کا تعریفی نوٹ درج تھا، اس نوٹ کو دیکھ کر لباجی بہت خوش ہوئے اور بھائی کو انعام دیا۔ بڑی ہمشیرہ محترمہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ دروازہ پر کوئی ضرورت مند آیا تو حضرت شہید رحمہ اللہ نے اس کو گھر کی بیٹھک میں بٹھادیا، کھانا کھلایا اور اس کی ضرورت کی رقم بھی مرحمت فرمائی، اگلے دن پھر ایک اور ضرورت مند آیا، حضرتؒ نے اس کو پانچ روپے دیئے اور فرمایا کہ تین روپے واپس کرو، ہمشیرہ صاحبہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت لباجی سے پوچھا کہ لباجی کل جو صاحب آئے تھے، آپ نے ان کو گھر میں بیٹھایا اور کھانا بھی کھلایا اور اس کی ضرورت بھی پوری کی، لیکن آج آنے والے سے پانچ میں سے تین روپے بھی واپس لے رہے ہیں، آخر کیوں؟ فرمایا: "بیٹا کل جو صاحب آئے تھے وہ سفید پوش تھے، وہ میرے پاس بھی اپنی مجبوری کے تحت آئے تھے نہ معلوم اپنی ضرورت کے اظہار کے لئے کتنی بار مرے ہوں گے؟ کیسی شرمندگی کے ساتھ آئے ہوں گے؟ اور آج آنے والے شخص نے تو گھر گھر جاکر مانگنا ہے، یہ اس کا کام ہے۔" اللہ اکبر! انزلوا الناس منازلھم کی حدیث پر کیسا عمل تھا؟

تواضع کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے جب تک میرے شیوخ یعنی حضرت بنوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت عارفیؒ زندہ رہے، میں اپنے آپ کو انسان بھی نہیں سمجھتا تھا اب ان کے جانے کے بعد کچھ کچھ انسانوں میں شمار کرنے لگا ہوں اور اکثر فرماتے تھے کہ: "اپنی نفی کرو اور نفی کی بھی نفی کرو۔" اپنے اکابرین کے لئے محبت اور ادب و عقیدت حضرت لباجی شہیدؒ پر ختم تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے پوتے مسجد میں تشریف لائے عذر کی وجہ سے گھر نہیں آسکتے تھے، حضرت لباجی ان سے ملنے کے لئے ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اپنے ہمعصر بزرگوں کا نام اتنے احترام اور ادب

۳۲

سے لیا کرتے تھے کہ سننے والا سمجھتا کہ شاید یہ اباجی کے اکابرین اور اساتذہ میں سے ہیں۔ حضرت اکثر میرے استاذ محترم حضرت مولانا نعمانیؒ کے لئے پھلوں کا ہدیہ بھجوانے کا اہتمام فرماتے، حرمین سے واپسی پر ان کے لئے نایاب کتب لے کر آتے۔ معمولات کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ شہادت سے دو سال پہلے حضرت اباجی شہیدؒ نے بہاولنگر کا پُر مشقت سفر فرمایا رات تقریباً ایک بجے راقمہ کے گھر تشریف آوری ہوئی، باجود اپنے ضعف اور تھکاوٹ کے تہجد میں معمولات پورے کئے اور فجر کی نماز باجماعت ادا فرمائی، سات یوم میں قرآن کریم کی سات منزلیں پڑھنے کا معمول تھا، ایک مرتبہ فرمایا کہ آج تو ایک پارے کی قضا بھی ہے (جو کہ گزشتہ یوم سفر اور انتہائی مصروفیت کی وجہ سے رہ گیا تھا) اور تحدیث نعمۃ کے طور پر فرماتے کہ الحمدللہ! میری کبھی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، فرماتے کہ جب عشأ کی نماز میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو میں نے فرض اسی حالت میں مکمل کئے اس کے بعد مجھے بے ہوشی ہوگئی، ہسپتال میں داخل ہوا صبح جب ہوش آیا تو احباب فجر کی تیاری کررہے تھے، میں نے اشارے سے جماعت کروانے کو کہا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے ابھی تک وتر نہیں پڑھے، اشارے سے جماعت کو موقوف کرنے کا کہا اور پہلے وتر ادا کئے اور پھر فجر کی جماعت بھی تکبیر اولیٰ سے ادا کی، الحمدللہ! اس بیماری کی حالت میں بھی میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہارے لئے جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دعا کرتا ہوں، ایک دفعہ میں نے حضرت اباجی شہیدؒ سے عرض کیا کہ اباجی مجھے کوئی تکلیف نہیں لیکن آپ کی دوری اور جدائی بہت تڑپاتی ہے، مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: "بیٹا تم دور ہو، لیکن دل سے تو تم ہی قریب ہو۔" جسمانی دوری ہے روحانی اور قلبی دوری نہیں، جس دن اباجی کو شہید کیا گیا، اسی دن بہاولپور کے سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ نے دوپہر کے وقت قیلولہ میں خواب دیکھا کہ زمین و آسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے اور دو مختلف رنگ و لباس کے فرشتے آسمان سے اتر رہے ہیں اور زمین سے کسی چھوٹے سے قد کی ہلکی سی میت کو اٹھائے ہوئے ہیں اور تمام فرشتے قطار در قطار کھڑے مرحبا، مرحبا کے نعروں سے اس کا استقبال کررہے ہیں، اسی حالت میں وہ دو فرشتے اس میت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے جارہے ہیں اور فرشتے اونچی آواز سے مرحبا مرحبا پکار رہے ہیں، بزرگ نے بیدار ہوکر اپنے احباب کو جمع کرکے کہا کہ: آج کسی بہت بڑے اللہ والے کو دنیا سے لے جایا گیا ہے، شام کو اطلاع ملی کہ حضرت کو شہید کردیا گیا۔ اس بزرگ نے ہمارے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے والد بہت

بڑے اللہ والے تھے اور پھر اپنا خواب بیان فرمایا اور یہ بھی کہ اللہ رب العزت نے تین دن تک مرحبا سے ان کا استقبال کیا ہے، یہ بزرگ حضرت مولانا شمس الزماں دامت برکاتہم ہیں جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ ایک دفعہ حضرت شدید بیمار ہوگئے جب ٹھیک ہوئے تو میں نے کہا لباجی آپ ہر سال بیمار ہو جاتے ہیں، فرمانے لگے کہ بیٹا میں ہر سال اپنے جسم کی زکوٰۃ دیتا ہوں، حضرت لباجانؒ کی شہادت سے پہلے جب میں کراچی آئی تو والدہ محترمہ سے کہا کہ بار بار سفر کی مشقت برداشت نہیں ہوتی، اس لئے اب ایک سال بعد ہی آؤں گی یہ بات جب امی جان نے لباجی سے کہی تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی مجھ سے تو سال کے درمیان ضرور مل کر جائے، چنانچہ بہاولنگر سے ۱۹/ مئی کو میری آمد طے تھی مگر حضرت لباجی اس کی پیشگی اطلاع کسی نے نہیں دی تھی، تاکہ انتظار کی مشقت نہ ہو، چنانچہ ۱۸/ مئی کو جب حضرت لباجان گھر سے دفتر روانہ ہو رہے تھے تو امی جان نے حضرت سے کہا کہ کل بیٹی آرہی ہے، اس پر بہت خوش خوش فرمانے لگے اچھا! ماشاء اللہ مجھے کیا خبر تھی کہ حضرتؒ کا انتظار میری اتنی زیادہ تاخیر برداشت نہ کر سکے گا، چنانچہ مجھے اطلاع دی گئی کہ حضرت لباجانؒ پر حملہ ہوا ہے اور شدید زخمی ہیں مجھے شہادت کی خبر نہیں دی گئی، جب کراچی ایئرپورٹ سے باہر آئی اور ہماری گاڑی حضرتؒ کی طرف روانہ ہوئی تو اس وقت میرے کانوں میں "انا للہ وانا الیہ راجعون" کی آواز آئی اور مجھے گویا یہ خبر دی جارہی تھی کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے لباجان کی شفقت سے محروم کر دیا گیا ہے، اور جس مسکراتے چہرے کو دیکھ کر تمہارے سفر کی تھکان اتر جاتی تھی اور جس کو دیکھ کر تم سارے غم بھول جاتی تھی وہ چہرہ خون میں لت پت کر دیا گیا ہے، جس سراپا محبت باپ کے سینہ پر تم سر رکھتی، وہ سینہ اب ایک گھوارے میں تمہارا انتظار کر رہا ہے، جب میں اپنے والد کی زیارت کے لئے پہنچی تو وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہونے کے باوجود میرا انتظار کر رہے تھے اور بالکل خاموش ہونے کے باوجود فرما رہے تھے کہ بیٹی تم مجھے دل بھر کر دیکھ لو ایک سال کا وقت مجھے بہت زیادہ لگ رہا تھا، اس لئے میں نے تمہیں بہت جلدی بلایا، لیکن! افسوس بیٹی! تمہیں اب میں شاید بہت عرصہ بعد دیکھ سکوں۔ میری آنکھوں کے آنسوؤں اور میرے والد محترم کے چہرے کی مسکراہٹ کچھ دیر تک خاموش انداز میں یہ باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھ سے کہہ دیا گیا کہ اب ہٹ جاؤ حضرت لباجیؒ کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرنے کا وقت آگیا اور پھر حضرتؒ کی تدفین کر دی گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔



حضرتِ اَقدس مولانا محمد یُوسف لُدھیانوی شہیدؒ کے قلم میں بَلا کی رَوانی، طُوفان کی تیزی اورتلوار کی کاٹ تھی۔ انہوں نے جِس مَوضُوع پر قلم اُٹھایا لکھنے کا حق اَدا کردیا۔ وُہ نہایت اَنوکھے اور اَچھُوتے اَنداز میں لکھتے اور دَلائل و بَراہین کے اَنبار لگا دیتے، اور فریقِ مُخالف کو چاروں شانے چت کرکے فتح و کامرانی کا جھنڈا لہرا دیتے۔

آپؒ کے قلم میں جہاں اعداءِ اسلام، دین بیزاروں اور بَاطِل پَرستوں کے لیے فولاد کی سی سختی اور ضربِ یَدُاللّٰہی کا اَثر تھا، وہاں اَحباب و اکابِر کے حق میں وہ اَبریشم سے زیادہ نرم و گُداز تھا۔

آئندہ صفحات میں حضرتؒ کے چند ایسے نادِر قلمی شاہکار پیش کئے جارہے ہیں، جو اِنشاءاللہ رہتی دُنیا تک اِنسانیت کی راہ نُمائی کرتے رہیں گے، ان میں سے "مدیرِ صِدق کی قادیانیت نوازی" حضرت شہیدؒ کا وہ پہلا قلمی شاہکار ہے جو ستمبر ۱۹۶۳ء اور جنوری ۱۹۶۴ء کے ماہنامہ "دارُالعُلوم دیوبند" کی دو قسطوں میں شائع ہوا، اور اس کے عِلاوہ کہیں شائع نہیں ہوا، اِسی طرح "عَدالتی بیان" حضرت شہیدؒ کا وہ مضمُون ہے جو اَب پہلی بار منصۂ شہُود پر آرَہا ہے، جب کہ دُوسرے مَضامین اگرچہ "حُسنِ یُوسف" میں شائع ہوچکے ہیں مگر اِن کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ان کے کچُھ اِقتباسات شاملِ اشاعت کئے جارہے ہیں۔

مُدیرِ صدق کی قادیانیت نوازی

حضرت شہید رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا للایمان و ما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا و مولانا محمد الذی ارشدنا الی الاحسان و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ الذین قادنا علی فہم معانی القرآن۔

اما بعد! مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی پاک و ہند کی ایک ممتاز شخصیت ہیں، اور اپنے گوناگوں اوصاف کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لیکن ''طائفہ ملعونہ قادیانیہ'' اور اس کے سربراہ مرزا آنجہانی کے حق میں مدت سے ان کی رائے بے جا حمایت کی حد تک نرم ہے۔ اس باب میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی حکمت، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا تفقہ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کا علم و فضل، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اخلاص، حافظ العصر مولانا السید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا تبحر علمی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تواضع، اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی معاملہ فہمی ان کے لئے قطعاً بے سود ہیں۔ وہ ان تمام حضرات (رحمۃ اللہ علیہم) کو اپنے وقت کا مقتدا اور اکابر ضرور تسلیم کریں گے لیکن جہاں تک ان حضرات کی تحقیق، استدلال یا استنباط کا تعلق ہے، مولانا موصوف جب تک اس کو خود اپنی تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ نہیں لیں گے، ہرگز تسلیم نہ کریں گے، اب اسے ان کی

بلند نظری کہئے یا کمزوری! ان کا اصل مرض جو ان کے تمام کمالات پر غالب آگیا ہے، یہی ہے کہ ان کے نزدیک تقلید کا لفظ بے معنیٰ ہے، ان کے ملاحظہ سے بیسیوں نصوص گزار دیجئے، پچاسوں اقوال پیش کردیجئے، لیکن ان کو ماننے کے لئے ان کا اپنا ''شرح صدر'' ضروری ہے۔ کسی مسئلہ میں ان سے ایک دفعہ انکار ہوجائے، تو آئندہ ''شرح صدر'' کی توقع بے کار ہوگی۔ اپنے ''شرح صدر'' کے خلاف ہمیں یاد نہیں کہ موصوف نے کبھی اپنے بڑوں کی بھی مانی ہو (جن کو وہ خود بھی پیر و مرشد کے بغیر یاد کرنا سوٴ ادب سمجھتے ہیں) چہ جائیکہ اپنے ہم مرتبہ یا کم مرتبہ کی انہوں نے سنی ہو، اور اسے لائق توجہ قرار دیا ہو، پھر اپنے تمام اکابر کے علی الرغم مرزائیت کی مفت وکالت اور بے جا حمایت میں وقتاً فوقتاً ان کے قلم سے ''صدق جدید'' کے صفحات پر جو نکات جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں ان کو پڑھ کر مشکل ہی سے آدمی اپنی ہنسی ضبط کرسکتا ہے، موصوف کو اس ''طائفہ'' کی حمایت اور نصرت میں قریب قریب وہی ''شرح صدر'' ہے جو اس ملعون جماعت کے رد اور تعاقب میں السید الامام مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری (نور اللہ مرقدہ) کو تھا، مولانا موصوف جب مرزائیت کی نصرت کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا جوش، ان کی نکتہ آفرینی اور ان کا طرز استدلال دیدہ باید کا مصداق ہوتا ہے، لطف یہ کہ بالکل فرضی اور وہمی مقدمات ملا کر مولانا جو نتیجہ نکالتے ہیں وہ ان کے نزدیک سو فیصد قطعی اور واقعی ہوتا ہے، اور نظر ثانی کی گنجائش، مولانا کے خیال میں اس میں نہیں ہوتی۔ بنظر انصاف دیکھئے مندرجہ ذیل عبارت کیا اسی نوعیت کی نہیں؟ مولانا رقم طراز ہیں:

> ''دعویٰ نبوت! متعارف اور مصطلح معنیٰ میں ہرگز یقین نہیں آتا کہ اسے کوئی معمولی عقل و علم کا شخص بھی زبان پر لاسکتا ہے، چہ جائیکہ مرزا صاحب سا ''فہیم و ذی ہوش''۔ سوا اس صورت کے کہ اس نے نبوت ہی کے کوئی مخصوص معنیٰ متعارف و متبادر مفہوم سے الگ اپنے ذہن میں رکھ لئے ہوں، اور جس طرح فارسی، اردو کے بے شمار شاعروں نے شراب، کفر، اسلام، صنم، بت وغیرہ کی مخصوص اصطلاحیں ان کے لغوی اور شرعی دونوں مفہوموں سے بالکل الگ گھڑلی ہیں، اس نے نبوت کا استعمال کسی خانہ ساز اصطلاحی معنیٰ میں شروع کردیا ہو، اور جب ایسا ہے تو انسان جس طرح ان

بے شمار شاعروں کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاتا ہے ایک نبی کے مقابلہ میں اور سہی۔''
(صدق جدید ۲/نومبر ۱۹۶۲ء)

غور فرمایا جائے! مولانا نے دانستہ یا نادانستہ اس چند سطری فقرہ میں کتنے مقدمات بلا دلیل، خلاف واقعہ اور محض فرضی اور وہمی، بطور اصول موضوعہ ذکر کر ڈالے۔

۱:...... مرزا صاحب آنجہانی معمولی عقل و علم کا شخص نہیں، بلکہ مولانا باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ فہم و ہوش کے غیر معمولی درجہ پر فائز تھا۔

۲:...... دعویٰ نبوت! متعارف اور مصطلح معنیٰ میں مولانا کو یقین نہیں آتا کہ ''کوئی معمولی عقل و علم کا شخص بھی زبان پر (لایا ہوگا) یا لاسکتا ہے''۔

۳:...... اسی مفروضہ کی بنیاد پر مولانا کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ''کسی بھی محال عقلی یا شرعی کا دعویٰ کوئی معمولی عقل و علم کا شخص زبان پر نہیں لاسکتا''۔

۴:...... ان فرضی مقدموں سے مولانا اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ''مرزا صاحب نے نبوت کا متبادر اور متعارف معنیٰ میں دعویٰ نہیں کیا''۔

۵:...... مولانا کے نزدیک مرزا صاحب نے ''نبوت کا استعمال کسی خانہ ساز اصطلاحی معنیٰ میں کیا ہے، جو اس نے شرعی مفہوم سے بالکل الگ گھڑ لیا ہے''۔

۶:...... مولانا کا دعویٰ ہے کہ بے شمار شاعر، شرعی الفاظ کو ان کے شرعی و لغوی دونوں مفہوموں سے ہٹا کر اپنے اصطلاحی معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں، لیکن ان سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا، بلکہ ''انسان ان بے شمار شاعروں کے مقابلے میں اپنے کو بے بس پاتا ہے''۔

۷:...... ان تمام مقدمات کو جوڑ کر مولانا کی تمنا ہے اور وہ مشورہ دیتے ہیں کہ لوگ جس طرح ان شاعروں کے مقابلہ میں بے بس ہیں ''ایک نبی کے مقابلے میں اور سہی''۔

کیا مولانا کی خدمت میں یہ التماس کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے نظریات کو عقل و علم اور فہم و ہوش ہی کی روشنی میں واقعات پر منطبق کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں؟

مرزا صاحب علم و عقل اور فہم و ہوش کی ترازو میں!

مولانا، مرزا صاحب کو غیر معمولی عقل و علم کا شخص اور فہیم و ذی ہوش کا لقب پوری سادگی کے ساتھ دیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی شخصی زندگی کا بالاستیعاب مطالعہ

کرنے، اس کی طفلی، شباب اور پیری کے واقعات اور احوال پر نظر غائر رکھنے، اس کے تمام معاملات پر غور کرنے، اوراس کی تحریرات کو بنظر صحیح دیکھ جانے کے بعد میرا خیال تھا کہ کوئی شخص بشرط عقل سلیم اس کو زیرک، دانا، عاقل، عالم، ذی فہم اور ہوش مند قرار نہیں دے سکتا، الا یہ کہ خود اسی کے حواس ماؤف ہوگئے ہوں۔ پہلی دفعہ مولانا کی تحریر پڑھ کر یہ جدید انکشاف ہوا کہ مرزا صاحب کے ثنا خوانوں اور اس کو فہیم اور ذی ہوش قرار دینے والوں میں مولانا دریا آبادی جیسے فہیم اور ذی علم لوگ بھی شامل ہیں :

سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مولانا کے ذہن میں فہیم اور ذی ہوش کا مفہوم کیا ہے؟ اور وہ کن بنیادوں پر مرزا صاحب کو فہیم اور ذی ہوش لکھ ڈالنے پر اپنے کو بے بس پاتے ہیں؟ :

کسے نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمہ را !

شواہدِ فہمِ مرزا !

مرزا صاحب جن کے نزدیک (بقول مرزا محمود) ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے، حتیٰ کہ (خاک بدہن گستاخ) محمد رسول اللہ (بآبائنا وامہاتنا) سے بھی بڑھ سکتا ہو، ان کے فہم و ہوش اور غیر معمولی عقل وعلم کا اندازہ لگانے میں مولانا دریا آبادی اب تک قاصر ہیں۔

جس کے نزدیک مسیح علیہ السلام کو ”کنجریوں سے میلان اور صحبت رہی ہو۔ ایک متقی انسان کی صفات سے وہ عاری ہوں“۔ ”زنا کار کسبیاں زنا کاری کا پلید عطر ان کے سر پر اور اپنے بالوں کو ان کے پاؤں پر ملتی ہوں“ مولانا دریا آبادی مصر ہیں کہ وہ ذی علم اور ہوشمند تھا۔

جو گستاخ، سیدنا مسیح علیہ السلام کے پورے خاندان کو بطور تعریض وتہکم ”پاک اور مطہر“ بتلاتا ہو، ان کی تین دادیوں اور نانیوں کو (العیاذ باللہ) ”زنا کار اور کسبی“ بتلاتے ہوئے شرم نہیں کرتا، اور زنا کار خانوادے سے آپ کے وجود کے ظہور پذیر ہونے کا انکشاف کرتا ہو، وہ مولانا کے نزدیک غیر معمولی عقلمند تھا۔

جو بدزبان، حضرت مسیح علیہ السلام کو شرابی، یوسف نجار کا بیٹا، ان کے قرآن میں ذکر کردہ معجزات کو مکروہ عمل، قابل نفرت اعجوبۂ نمایاں قرار دیتا ہو، اور ان کے معجزات کو مٹی کے

کھیل سے زیادہ وقعت نہ دیتا ہو، مولانا چند آزاد ذہنوں سے مرعوب ہوکر اسے ''فہیم اور ذی ہوش'' مانتے ہیں۔

جو''ہوشمند'' اعلان کرتا ہو کہ ''مسیح علیہ السلام ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں اتارنے سے قریب قریب ناکام رہے'' اور ''ان سے کوئی معجزہ نہ ہوا'' حیف ہے کہ وہ مولانا دریا آبادی کے نزدیک ''غیر معمولی عقل وعلم کا شخص'' تھا۔

جو فرعون صفت بار بار قسم کھا کھا کر مسیح علیہ السلام سے افضلیت کا دعویٰ رکھتا ہو، اور جو یہ اعتقاد نہ رکھے اسے ''مبتلائے وسوسۂ شیطانی'' قرار دیتا ہو، کون دانشمند اس کے حق میں مولانا دریا آبادی کا یہ خطاب تسلیم کرے گا کہ وہ فہم و ہوش اور عقل وعلم کا شخص تھا، جس غیر معمولی عقل وعلم کے شخص نے اپنی تصنیفات میں بار بار یہ لکھا ہو کہ: ''مریم بتول نے ایک مدت تک بے نکاح رہ کر اور حاملہ ہوجانے کے بعد بزرگان قوم کی ہدایت اور اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کرکے تعلیم تورات کی خلاف ورزی کی، بتول ہونے کے عہد کو توڑا، تعدد ازواج کی قبیح رسم ڈالی'' اس کو ''فہیم اور ذی ہوش'' تسلیم کرنا، اور پورے ''شرح صدر'' کے ساتھ تسلیم کرنا، مولانا دریا آبادی ہی کی ہمت ہے۔

جس بکنے والے نے یہ بکا کہ: ''مسیح علیہ السلام، مریم رضی اللہ عنہا کے بلا باپ اکلوتے بیٹے نہیں تھے، بلکہ مریم ان کے علاوہ چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کی بھی ماں تھیں، اور یہ سب مسیح علیہ السلام کی طرح مریم اور یوسف نجار دونوں کی اولاد تھی''۔ اور مسیح علیہ السلام ''تمام نبیوں سے بڑھ کر سخت زبان، زبان کی تلوار چلانے والے، اپنے کلام میں سخت اور آزردہ طریقہ استعمال کرنے والے تھے'' اور ''مسیح علیہ السلام کو اس کی ذات سے کوئی نسبت نہیں'' اور ''مسیح علیہ السلام سے اپنی تمام شانوں میں وہ بڑھ کر ہے'' اور ''مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر کام کرسکتا ہے''۔ مسیح علیہ السلام کے معجزات ''سامری کے گئوسالہ'' سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے اور ''وہ تمام نبیوں سے بزعم خود افضل ہے''۔ خود ہی انہی کے فیصلہ سے وہ یہ اعلان کرنے پر اپنے کو مجبور سمجھتا ہے، مولانا کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرکے بتلائیں کہ اس کے فہیم، ذی ہوش، غیر معمولی عقل وعلم کا اعلان کرنے والا خود بھی ان ہی اوصاف سے موصوف ہے؟

جس شخص نے صلحائے امت کی تکفیر کی ہو، ان کو سب وشتم کا نشانہ بنایا ہو، ان پر لعنت و

ملامت کا ایک طومار کھڑا کردیا ہو، جو داماد رسول اللہ ﷺ، سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ''مردہ علی'' (خاکش بدہن) اور ان کے مقابلہ میں اپنے کو ''زندہ علی'' کہتے ہوئے نہ شرمائے، جو ''صد حسین است در گریبانم'' کا نعرہ لگائے اور حیا نہ کرے، اپنی بیعت میں داخل نامۂ اعمال سیاہ کرنے والوں کو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے افضل بتلائے اور اس کی جبین غیرت عرق آلود نہ ہو، کیا عقلاء کے نزدیک اس کو فہیم اور ذی ہوش، صاحب عقل وعلم کہنے والا حق بجانب ہے؟ ہمارے مولانا دریا آبادی نے کمال سادگی سے مرزا صاحب کو غیر معمولی عقل وعلم کا شخص اور فہیم و ذی ہوش لکھ ڈالا۔ ذرا نہیں سوچا کہ اس کی زد میں کون کون آجائیں گے؟ اور ان کا یہ فقرہ کتنے اہل عقل، اہل علم، اصحاب فہم و دانش اور اصحاب بصیرت کے خلاف چیلنج ہے۔

مولانا کو معلوم ہوگا کہ ان کا یہی ممدوح جو ان کے دربار سے فہم اور ہوشمندی کا تمغہ حاصل کرتا ہے، ان کے شیخ الشیوخ، قطب الارشاد، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو شیطان، اعمیٰ، غول اغویٰ، شقی اور ملعون قرار دیتا ہے، اب یہ فیصلہ مولانا کی دیانت اور بصیرت پر چھوڑتا ہوں کہ ان دونوں میں فہیم کون تھا، اور بدفہم کون، صاحب عقل وعلم کون تھا، اور بے علم اور بے عقل کون؟

دریا آبادی صاحب جانتے ہوں گے کہ ان کے ممدوح کو جن جن صلحاء امت کے نام یاد تھے، اس نے ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر ان کی تکفیر، تضلیل، تفسیق اور تحمیق کی ہے، اس نے اکابر امت کی پوستین دری، اور اولیاء امت کی خون آشامی میں کوئی تکلف محسوس نہیں کیا، اس نے علماء وصلحاء کے سب وشتم کے موضوع پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں، اس نے پوری امت کو ''حرامزادہ'' کہا ہے۔ اس نے پوری ملت کو خنزیر، اور ملت کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو (جن میں دوسرے مسلمانوں کی طرح میری اور مولانا دریا آبادی کی ماں، بہنیں اور بیٹی بھی شامل ہیں) کتیوں اور کنجریوں کے لقب سے ملقب کیا ہے، میں مولانا سے خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، خدارا بتلائیں کہ بایں ہمہ اوصاف وہ کب تک مرزا صاحب کو ''سینے پر ہاتھ رکھ کر، ٹھنڈے دل کے ساتھ'' سراہتے جائیں گے:

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نزادے

مرزا صاحب کے خرافات کی فہرست طویل الذیل ہے، میں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں، اور مرزا صاحب کی جرأت علی اللہ، تعلّی، بے حیائی اور بے ہودہ گوئی اور انبیاءؑ علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، علماءِ امت کی مظلومیت کو نقل کرتے بھی قلم پر رعشہ طاری ہے، اس پر جب مولانا دریا آبادی کا فقرہ تصور میں آتا ہے تو دل پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔

ہائے اللہ! پوری امت، محمد رسول اللہ ﷺ کی امت، خیر امت، امت وسط کو پوری بے دردی کے ساتھ گمراہ، جہنمی، کافر، منافق، بے ایمان، حرام زادہ، خنزیر، کنجریوں کی اولاد کہا جائے، اور مولانا دریا آبادی بضد ہوں کہ کہنے والا بہرحال غیر معمولی ''عقل و علم کا شخص'' ہے اور ''فہیم اور ذی ہوش'' بھی۔ الیس منکم رجل رشید۔

وا اسفاہ! پوری امت کے علماءؒ، بدذات، یہودی خصلت، بے ایمان، نیم عیسائی، دجال کے ہمراہی، اسلام دشمن، شیطان، غول، گدھے، مشرک، بے حیا، بے شرم وغیرہ وغیرہ الفاظ سے (معاذ اللہ، استغفراللہ) یاد کئے جائیں، اسی شاتم امت کو فہیم اور ذی ہوش لکھنے پر چند روشن خیالوں سے مرعوب ہوکر مولانا مجبور ہوں۔

یا للعجب! اسی مرزا کی ''صدق'' کے صفحات میں دریا آبادی صاحب کے قلم سے مدح سرائی کی جاتی ہے، جس کے قلم نے انبیاءؑ کی عصمت میں شگاف ڈالا، امہات المؤمنینؓ کی عفت پر سیاہی پھینکی، صحابہؓ کے مقام پر حملہ کیا، علماءؒ وصلحاءؒ کی دستار کو چھیڑا اور پوری ملت، ملت اسلامیہ پر سنگ باری کی۔ کاش مولانا کا ''شرح صدر'' مرزا صاحب پر ''ترس'' کھانے اور ان کے انتصار کی بجائے، مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ، انبیاءؑ کرامؑ اور آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر ترس کھاتا، اور ان پر ظالم نے جو سوقیانہ حملے کئے، ان کا مقام، مولانا واضح کرتے، چند گریجویٹوں سے مرعوب ہونے کی بجائے وہ اہل اللہ سے مرعوب ہوتے، لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، کاش مولانا اب بھی غور فرمالیں کہ وہ کس سے توڑتے ہیں اور کس سے جوڑتے ہیں:

بقول دشمن پیان دوست بگستی
ببیں از کہ بریدی و با کہ پیوستی!

پھر جس کی طفلی کا عالم اس ''ہوش'' میں گزرا کہ ''روٹی پر راکھ'' کھا جانے کا کوئی مضائقہ ہے یا نہیں، اس کی تمیز سے وہ قریب قریب سن شعور میں بھی عاجز تھا، جو بچپن میں نہیں

بلکہ بیوی کا شوہر، اولاد کا باپ، طائفہ کا امام، بزعم خویش وقت کا مجدد اور ایک امت کی اصلاح کا مدعی ہونے کے باوصف فرنگی پاپوش کے دائیں بائیں کی تمیز نہ کر پاتا ہو، اور دائیں بائیں کی جو علامت اس کی بیوی نے لگادی تھی، اس کے علی الرغم وہ ان کو الٹا سیدھا پہننے پر مجبور ہو۔

حیف ہے کہ ہمارے مولانا دریا آبادی کی بارگاہ سے اسی کو فہیم اور ذی ہوش کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، جو بیچارہ اپنی افتاد طبع سے مجبور ہوکر "گڑ کی ڈلییں" اور بیماری کی لاچاری سے "مٹی کے ڈھیلے" ایک ہی جیب میں رکھنے کا عادی ہو، تعجب ہے کہ صدق جدید کی اصطلاح میں وہ غیر معمولی عقل کا شخص کہلاتا ہے۔

جس کی غفلت اسے گھڑی دیکھ کر وقت دریافت کرنے سے عاجز کردے، بالآخر ہندسے گن گن کر اسے وقت کا حساب لگانا پڑے، دریا آبادی صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ تھا بڑا ہوشمند، اور ذی عقل!

ہسٹریا اور مراق جس کے اوپر کے دھڑ کو، اور ذیابیطس اس کے نیچے کے دھڑ کو لازم ہو، جس کے بے ہوشی کے دورے دائم اور طویل ہوں، جسے کثرت بول کی وجہ سے سو سو دفعہ یومیہ پیشاب خانے کا رخ کرنا پڑے، اور نماز اس سے قل ھو اللہ کے ساتھ بھی نہ پڑھی جاسکے، سوچا جاسکتا ہے کہ اس کے حواس کس قدر ٹھکانے ہوں گے؟ اور وہ فہم و ہوش کے کس بلند مرتبہ پر فائز ہوگا؟

بہرحال مولانا کا یہ دعویٰ سراسر خلاف واقعہ ہے، اور ایک شخص کی حمایت میں نادانستہ بہت سے صلحأ سے وہ عناد اور ضد کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

۲:...... مولانا کا دعویٰ ہے کہ "نبوت کا دعویٰ متعارف اور مصطلح معنیٰ میں یقین نہیں آتا کہ کوئی بھی معمولی عقل و علم کا شخص زبان پر لاسکتا ہے" بار بار سوچتا ہوں کہ مولانا ایسا ذی علم اس یقین سے کیوں خالی ہے؟ تاریخ کا ابجد خواں بھی واقف ہے کہ ہر قرن اور صدی میں ایسے دجال اور مفتری ظاہر ہوتے رہے ہیں، جنہوں نے نبوت کے دعاوی سے اسلام کی بنیادوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی۔

سب جانتے ہیں کہ دعویٰ نبوت ہی کا فتنہ اسلام کے خلاف سب سے پہلا فتنہ ہے، جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ظاہر ہوا۔ کیا کسی کے بس میں ہے کہ وہ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی کے ناموں کو حدیث اور سیر کی کتابوں سے کھرچ دے؟ کیا دریا آبادی

صاحب ان متنبیان کذابین کے دعوئ نبوت میں تاویل کی ہمت کریں گے؟

اب سمجھ میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں...... بعض کور بختوں نے جو دعویٰ نبوت کیا اس میں تکوینی حکمت کیا تھی، گویا خاتم النبیین ؐ کی تفسیر جیسے قولاً کھول کھول کر بیان کی گئی تھی، عملاً بھی اس کو واضح کردیا گیا، بتلادیا گیا کہ آپ ؐ کی تشریف آوری کے بعد دعویٰ نبوت زبان پر لانے والے کس سلوک کے مستحق ہیں، اور آنحضرت ﷺ کے جاں نثاروں کو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے، اور تاکہ امت کو آسانی کے ساتھ اس فتنہ کا شکار نہ کیا جاسکے، صدق اللہ: ''لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ''۔

مسیلمہ اور اسود کے ساتھ جو معاملہ بارگاہ رسالت پناہ ﷺ کی طرف سے کیا گیا جب اس ''اسوۂ حسنہ'' کے باوجود گمراہ کرنے والے بدبخت گمراہ کرنے میں کامیاب ہورہے ہیں، خیر القرون کی یہ مثال لوگوں کی نظروں سے اگر اوجھل ہوتی تو نہیں کہا جاسکتا کہ امت کو کن کن فتنوں میں مبتلا کردیا جاتا۔

بہرحال مولانا کو یقین دلا دینا تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے، لیکن کم از کم وہ اس بے یقینی کی وجہ بتلائیں، کیا مولانا نہیں جانتے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلا لشکر اسی دعویٰ نبوت کو تہہ تیغ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، دور صدیقیؓ کا سب سے پہلا عظیم الشان کارنامہ یہی تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت رکھنے والے گروہ کی سرکوبی فرمائی، اور اس مہم میں اس رواداری اور بے بسی سے کام نہیں لیا، جس کا مولانا دریا آبادی چند روشن خیالوں سے دب کر علماءؒ کو مشورہ دیتے ہیں، بلکہ ایک ہزار اسّی صحابہؓ کو شہید کروادیا، جن میں کثرت قراءؒ قرآن کی تھی، اور خلافت صدیقی میں سب سے پہلے جو خوش خبری، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ملی وہ دعویٰ نبوت زبان پر لانے والے کے قتل کی تھی۔

ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے مولانا دریا آبادی سے اس دشواری کے حل کی درخواست کرلی جائے، کہ آنحضرت ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ تحقیق، مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے فرمائی تھی کہ وہ نبوت بالمعنیٰ المتبادر کے مدعی ہیں یا ''لفظ نبوت کا استعمال انہوں نے اپنے تراشیدہ معنیٰ میں کیا ہے''؟ یا یہ قانونی نکتہ دریا آبادی صاحب کو ان کے حیدرآبادی دوست کی جانب سے تلقین ہوا ہے؟

حیرت ہے کہ دریا آبادی صاحبِ علم و فضل، قرآن کے مفسر، اسلامی موضوعات پر درجنوں کتابوں کے مصنف ہوکر یہ یقین نہیں کر پاتے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کی سطح پر ایسے ائمۂ تلبیس بھی ہوئے ہیں جن کے دعویٰ نبوت نے ہزاروں بندگان خدا کو مبتلائے فتنہ کیا، گویا واقعہ کی واقعیت خود مولانا دریا آبادی کے یقین کے تابع ہے، اگر کسی بدقسمت واقعہ کا مولانا کو یقین نہ آئے تو وہ واقعہ نہیں، اس کی واقعیت مولانا کے زورِ قلم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں رکھتی۔

قرآن کی آیت ختم نبوت (وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) کی تفسیر لکھتے وقت، کتب تفسیر میں مولانا محترم کی نظر سے یہ حدیث گزری ہوگی:

"عن ثوبانؓ (رفعه) سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی، و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی."

(رواه الترمذی و صححه)

"و عن ابی هریرةؓ (مرفوعاً) لا تقوم الساعة حتیٰ ینبعث کذابون دجالون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله."

(رواه الترمذی و قال حسن صحیح)

اس حدیث میں دعویٰ نبوت و رسالت زبان پر لانے والوں کی خبر جو تاکید کے ساتھ سنائی گئی ہے، کیا مولانا کے نزدیک یہ کسی واقعہ کی خبر نہیں؟ اس حکایت کے محکی عنہ پر مولانا کو "یقین" کیوں نہیں آتا؟ اور کیا اس حدیث پاک میں بھی نبوت اور رسالت کے کوئی دوسرے معنیٰ ہیں؟ جب کہ مدعی کے مقابلہ میں حسب ارشاد مولانا، انسان بے بس سہی۔

بہرحال مولانا کو یقین آئے یا نہ آئے، لیکن اہل فہم پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مولانا کا یہ دعویٰ سراسر خلاف واقعہ ہے۔

۳:...... کاش مولانا سے دریافت کیا جاسکتا کہ کس دلیل عقلی یا شرعی کی بنیاد پر ان کو قطعی واقعات سے انکار ہے، جب اسی زمین پر رینگنے والے "الانسان" کو "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے سنا گیا۔ "اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ" کا ادعاء کرتے ہوئے پایا گیا۔ "اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ" کا نعرہ لگاتے ہوئے دیکھا گیا۔ کہنے والوں نے

جب ''اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَة''، ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ''، ''يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ''، ''اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا'' تک کہہ ڈالا، تو آخر مولانا کیوں یقین نہیں کرتے کہ بدنصیبوں کی ایک ٹولی: ''انا نبی، انا رسول اللہ'' کا جھوٹا دعویٰ بھی زبان پر لاسکتی ہے، جب کہ مخبر صادق ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔

مولانا دریا آبادی نے خواہ مخواہ پہلے یہ نظریہ گھڑ لیا کہ دعویٔ نبوت کسی صاحب عقل وعلم شخص کی طرف سے کیا ہی نہیں جاسکتا لیکن ان کا یہ مفروضہ جب واقعات پر منطبق نہیں ہوتا تو تمام متنبیانِ کذاب کی جانب سے مولانا تاویل کر کے اپنے مفروضہ کو صحیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں (ملاحظہ ہوں مولانا کے حواشی تفسیر یہ متعلقہ آیت و خاتم النبیین)۔ کاش مولانا اس مشکل کام کی بجائے غلط نظریہ ہی قائم نہ فرماتے، یا اگر ان سے یہ غلطی ہوگئی تھی تو رجوع فرمالیتے، آخر غلط بات سے رجوع کر لینے میں عار کیا ہے؟ غلطی پر متنبہ ہوجانا، اور اس سے رجوع کر لینا عیب نہیں بلکہ کمال ہے۔

میں نے ثقات بزرگوں سے سنا ہے کہ حبر الاسلام، حافظ العصر، السید الامام مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''مولوی صاحب! بعض مسائل میں ہم پندرہ سال تک غلطی پر رہے، بالآخر اساتذہ کی تنبیہ سے تنبہ ہوا''۔ لیکن یہ جگر اور حوصلہ ہر ایک کو نصیب نہیں۔ ''کل الناس افقه من عمر حتی النساء'' کا اعلان حضرت فاروقؓ ہی کی ہمت تھی، باوجودیکہ وہ غلطی پر بھی نہ تھے۔

بہرکیف مولانا کا یہ دعویٰ واقعہ کے قطعاً خلاف ہے، بہت بہتر ہوگا کہ مولانا موصوف، مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا صاحب تک کے دعوؤں میں تاویل کا طویل راستہ اختیار کرنے کی بجائے خود اپنے نظریہ میں غور وفکر اور نظر ثانی کا راستہ اختیار کرلیں۔

عقل وعلم!

مولانا کے نزدیک ''معمولی عقل وعلم'' ایسے دو نسخے ہیں کہ جس کے پاس وہ موجود ہوں، وہ ان کو استعمال کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، بہرحال ضرور یہی دو نسخے ضلالت، غلط بیانی، افترا پردازی کا حفظ ما تقدم ہیں، جو شخص بھی معمولی عقل وعلم رکھتا ہو یقین کرو کہ وہ معصوم ہوگیا، شیطان کی مجال نہیں کہ کوئی غلط دعویٰ اس کی زبان پر لاسکے:

گر این ست مکتب و ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

مولانا کو معلوم ہونا چاہئے کہ معمولی عقل و علم نہیں بلکہ خاصا علم اور بھاری عقل رکھنے کے باوجود اشقیاءؔ کے گمراہ ہونے اور غلط دعاوی کرنے کا تماشہ دیکھا گیا ہے، معلم ملائکہ کا خطاب رکھنے والا: ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ'' کا دعویٰ زبان پر لاتا ہے اور ''فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ'' کا مورد بنادیا جاتا ہے۔ ایک ہزار شاگردوں کو املاءؔ کرانے والا ''وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ'' میں مبتلا دیکھا گیا ہے، پوری متعارف انسانیت میں ابوالحکم کا خطاب رکھنے والا ابوجہل کے نام سے پکارا جاتا ہے، تورات کے سفینے چاٹ جانے والوں کو ''کَمَثَلِ الْحِمَارِ'' فرمایا گیا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ شواہد و نظائر جمع کئے جائیں تو ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے، میں تو بتلانا چاہتا ہوں کہ کس قدر غیر ذمہ دارانہ فقرہ ہے جو مولانا ایسے فاضل کے قلم سے سرزد ہوگیا، کہ ''معمولی عقل و علم کا شخص دعویٰ نبوت زبان پر نہیں لاسکتا''۔ مولانا موصوف نے یہ فرض کر لیا، کہ معمولی عقل و علم والے کو نہ شیطان گمراہ کرسکتا ہے، نہ وہم و غلط کی آمیزش کا خطرہ اسے لاحق ہوسکتا ہے، نہ ہوا و ہوس، طمع اور لالچ، حب جاہ و مال میں مبتلا ہوکر عقل و علم کے دامن کو چھوڑ سکتا ہے، استغفر اللہ۔ مولانا اگر تلاش کریں گے تو مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا ماننے والے، ''پیران نابالغ'' اور ''عاقلان خام فہم'' ان کو یورپ میں بکثرت مل جائیں گے۔ ''دیوتا گائے اور بیل ہے'' کا دعویٰ کرنے والے ''دانایان تیز ہوش'' خود انہی کے دیس میں دستیاب ہوں گے۔ ''یہ کارخانہ خود بخود چل رہا ہے'' اور ''ہم خود ہی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں'' کا راگ الاپنے والے کیا اسی زمین پر آباد نہیں؟ جو اپنی عقل و خرد، اور سائنس اور تجربے کا لوہا پوری دنیا سے منوانا چاہتے ہیں۔

مولانا جانتے ہوں گے اور جو نہیں جانتے انہیں جان لینا چاہئے کہ یہاں مطلق عقل و علم نہیں بلکہ علم صحیح و مفید، اور عقل معاد کے ساتھ جاذبۂ الٰہی اور عنایت ربانی درکار ہے، اور یہ کہ بت احمر نادر الوجود ہے، نری حرف خوانی اور کالم نویسی کو کافی قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

نبوت کے دو معنیٰ !

مولانا نے اعجوبہ نمائی کی حد کردی، یعنی یہ لکھنے کے بعد کہ نبوت کے ایک معنیٰ تو متبادر اور معروف ہیں، جس کا دعویٰ مولانا یقین کئے بغیر لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ”کوئی معمولی عقل وعلم کا شخص نہیں کرسکتا“۔ آگے مولانا رقم طراز ہیں:

> ”سو اس صورت کے کہ اس نے نبوت ہی کے کوئی مخصوص معنیٰ متبادر و متعارف مفہوم سے الگ اپنے ذہن میں رکھ لئے ہوں، اور جس طرح فارسی اور اردو کے بے شمار شاعروں نے شراب، کفر، اسلام، صنم، بت وغیرہ کی مخصوص اصطلاحیں ان کے لغوی و شرعی دونوں مفہوموں سے بالکل الگ گھڑ لی ہیں، اس نے بھی نبوت کا استعمال کسی خانہ ساز معنیٰ میں شروع کردیا ہو، اور جب ایسا ہے تو انسان جس طرح ان بے شمار شاعروں کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاتا ہے، ایک نبی کے مقابلہ میں اور سہی۔“

کاش یہ فقرہ لکھ کر مولانا نے اہل ایمان کی روح فرسائی، اور خود اپنی جگ ہنسائی کا سامان نہ کیا ہوتا، حیف ہے کہ ہم مولانا دریا آبادی کے قلم سے نبوت کی یہ نئی تقسیم سننے کے لئے زندہ رکھ لئے گئے کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں: (۱) معروف و متبادر (۲) اصطلاحی اور خانہ ساز۔ اول کا دعویٰ ممکن نہیں، ثانی کے مقابلہ میں انسان بے بس ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سب جانتے ہیں کہ خدا، رسول، نبی، خدائی، رسالت، نبوت، قرآن، کتاب اللہ وغیرہ شریعت کے وہ مخصوص اور مقدس الفاظ ہیں جن کے لغوی اور شرعی معنیٰ میں رد و بدل کی اجازت کبھی نہیں دی گئی، اور ان الفاظ کو شرعی معنیٰ سے ہٹا کر کسی خود ساختہ معنیٰ پر اطلاق کرنے والا زندیق اور ملحد ہے، لیکن کتنی سادگی اور بھولے بھالے انداز میں مولانا دریا آبادی لوگوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ لفظ نبوت کو اگر کوئی اپنے ”خانہ ساز“ معنیٰ میں استعمال کرلے تو کیا مضائقہ ہے؟ علم عقائد و کلام کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے کہ آیات الٰہیہ کے معانی میں تغییر کرنا، نصوص شرعیہ کے مفہومات میں تبدیلی کرنا، اور شریعت کے اصطلاحی الفاظ کو خود ساختہ معنیٰ پہنانا، الحاد اور زندقہ ہے، خود مولانا دریا آبادی آیت ”اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ“ الآیہ کے حواشی تفسیریہ میں محققین سے ناقل ہیں: ۳۴

''.........اَلَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیَاتِنَا.....مُکَذِّبُوْنَ، اور منکرون سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن علماً محققین نے لکھا ہے کہ:

''وعید ان باطل فرقوں پر بھی شامل ہے، جو آیات قرآنی کے معنیٰ گھڑ گھڑ کر، اور مسخ کر کر کے ایسے بیان کرتے ہیں جو حدود تاویل سے بالکل خارج ہوتے ہیں، متکلمین، اصولیین اہل سنت نے یہ تصریح کردی ہے کہ ہر نص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوگی، تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ مل جائے، لغت، زبان، قواعد نحوی سے الگ ہوکر ایسے معنیٰ گھڑنا، جس سے احکام شریعت ہی باطل ہوجائیں، باطنیہ اور زنادقہ کا شیوہ رہا ہے۔''

عالمگیریہ میں ہے :

''و کذالک لو قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیة ''من پیغمبرم'' یرید به ''من پیغام می برم'' یکفر''۔ (ج:۲ ص:۲۸۲)

کسی طاغی کو کب یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ کوئی ''خانہ ساز'' معنیٰ ذہن میں رکھ کر معاذ اللہ لفظ خدا کو اپنے اوپر چسپاں کرلے؟ کب گوارا کیا جاسکتا ہے کہ ایک مکان پر کوئی بدبخت کعبۃ اللہ، بیت الحرام کا لفظ اطلاق کرلے (استغفر اللہ)؟ کسی ایسے کجرو کو کب برداشت کیا جاسکتا ہے، جو اپنے ہذیانات پر قرآن کا اطلاق کرے؟ (معاذ اللہ) کون سن سکتا ہے کہ پڑھنے والے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ'' کی آیت کو اپنی ذات اور اپنے رفقاً کے لئے پڑھتے جائیں؟

اگر لفظ خدا کا اطلاق غیر اللہ پر، قرآن یا کلام اللہ، یا کتاب اللہ کا اطلاق غیر قرآن پر، بیت اللہ یا کعبۃ اللہ کا استعمال بیت عتیق کے علاوہ پر جائز نہیں، اور ایسا کرنے والا بے ایمان اور ملحد ہے، اگر دینی غیرت مر نہیں گئی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ نبوت یا رسالت کے مقدس اور پاکیزہ لفظ کا استعمال خود ساختہ اور خانہ ساز معنیٰ میں کس منطق کی رو سے جائز اور صحیح ہے؟ اور ''انسان ایسے ملحد کے مقابلے میں کیوں بے بس ہے''؟

ابنائے زمانے کی ستم ظریفی دیکھو، آج مولانا دریا آبادی کے طفیل شریعت کے اس

''روشن''، ''بدیہی'' اور بالکل ''واضح مسئلہ'' پر بھی قلم اٹھانا ناگزیر ہوا کہ اصطلاحات شرعیہ کو غیر محل پر حمل کرنے والا، اور انہیں اپنے خانہ ساز معنیٰ پہنانے والا بے دین اور ملحد ہے۔

کاش مولانا دریا آبادی سے عرض کیا جاسکتا کہ انہوں نے کمال اخلاص کے ساتھ سہی، لیکن انتہائی سادگی کے ساتھ اس چھوٹے سے فقرے کے ذریعہ کتنے ''بڑے الحاد'' کا دروازہ کھول دیا ہے، قطعاً نہیں سوچا کہ اس کی زد میں صرف نبوت نہیں بلکہ خدائی بھی آتی ہے، جب خدائی اور نبوت پر ہاتھ صاف کردیا گیا، تو باقی رہ کیا جاتا ہے۔ لقد جئتم شیئا ادا۔

نبوت یا شاعری !

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ نبوت کا رشتہ مولانا محترم نے شاعری سے جا ملایا، دنیا میں قیاس مع الفارق کی بدترین مثال اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے ؟ گویا لفظ نبوت بھی تماشائیوں اور بازیگروں کی ایک اصطلاح ہے۔ جس طرح بے شمار اصطلاحات کے مقابلے میں کسی کا زور نہیں چلتا، وہ جو چاہیں کریں، سب ان کے مقابلے میں مولانا کے نزدیک بے بس ہیں۔

بس اسی طرح جو مسخرہ چاہے لفظ نبوت یا شریعت مقدسہ کے دوسرے الفاظ کو اپنے خود ساختہ پر حمل کرے، ان کو خانہ ساز مفہوم پہنائے، اس پر کوئی گرفت نہیں، بلکہ سب اس کے مقابلے میں بے بس ہیں۔

اول تو نبوت کو شاعری یا شاعرانہ اصطلاحات پر قیاس کرنا لفظ نبوت سے ہتک آمیز سلوک ہے، پھر مولانا سے یہ سوال بھی کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام نے ان ''بے شمار شاعروں'' کو کب اجازت دی ہے کہ وہ ایسی اصطلاحات وضع کریں جن میں حدود شرعیہ کو مسخ کیا گیا ہو؟ آیات قرآنیہ میں کھل کر تحریف کی گئی ہو؟ احادیث نبویہ کو ہدف تشنیع بنایا گیا ہو؟ باایں ہمہ ان بے شمار شاعروں کے مقابلے میں شریعت نے بے بس ہوجانے کا حکم دیا ہو، کیا مولانا کوئی دلیل پیش فرمائیں گے ؟:

کس بہ میداں درنمی آید سواراں راچہ شد؟

بے بسی یا بے حسی !

پھر مولانا دریا آبادی، ان دجالوں کے مقابلے میں جو لوگوں کو ''انسان بے بس سہی''

کا بااخلاص مشورہ دیتے ہیں، آخران کی مراد اس بے بسی سے کیا ہے؟ کیا مولانا یہی فرمائش کرنا چاہتے ہیں کہ زنادقہ، نصوص شرعیہ کی غلط اور ''جدید'' تفسیریں کرتے رہیں، مگر لوگوں کی زبانیں گنگ ہوجانی چاہئیں، بے ایمانی کا گروہ انبیاءؑ علیہم السلام کے احترام کو تہہ خاک کردے، لیکن علماءؒ کے منہ بند رہنے چاہئیں، کجرؤں کے غول کے غول حصار اسلام پر سنگ باری میں مصروف رہیں، مگر ضروری ہے کہ تنگ نظر مولوی اپنی زبان وقلم کو روک رکھیں، شریعت کے احکام میں نسخ اور مسخ کیا جاتا رہے، امت کو گمراہ کہا جاتا رہے، مگر لازم ہے کہ ملت کا ایک فرد بھی ٹس سے مس نہ ہو، بلکہ سب اطمینان سے ''بے بس ہورہیں''۔ اگر انصاف اور دیانت عنقاءؒ نہیں، حمیت اور غیرت مفقود نہیں، تو عقلاءؒ بتلائیں کہ ''یہ بے حسی ہوگی یا بے بسی'' فھل من مدکر؟

مولانا دریا آبادی صاحب کو واضح رہنا چاہئے کہ ایسا نہیں، کبھی نہ ہوگا، بخدا ہرگز نہ ہوگا۔ اینقص فی الدین و انا حیی۔

مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے مقابلہ میں علمائے امت بایں معنی تو اب تک ''بے بس'' ہیں کہ ان ایمان باختہ لوگوں پر شرعی تعزیر جاری نہیں کرسکتے، کہ اس کے لئے سلطنت شرط ہے۔ اب یہ مزید ''بے بسی'' جس کا مولانا دریا آبادی پرُخلوص مشورہ دیتے ہیں، یہی ہے کہ جس طرح علمائے کرام ہاتھ روکنے کے لئے ''بے بس'' ہیں، زبان وقلم کو روک کر بھی بے بس ہوجائیں۔ مرزا صاحب اور ان کی ذریت پر گرفت نہ کریں، ان کے دجل وتلبیس سے نقاب کشائی نہ کریں، بلکہ مولانا دریا آبادی کی طرح اس کے دعویٰ نبوت میں بے جا تاویل کرکر کے دائرہ اسلام میں ان کے لئے گنجائش پیدا کریں، مرزا صاحب کی حوصلہ شکنی نہ کریں، بلکہ اسے بصد شوق نبی کہلانے دیں، گویا ''سگہارا کشادہ وسنگہارا بستہ'' کا سماں پیدا کرلیں۔ اگر یہی بے بسی ہے، جس کو وہ علمائے امت کے سر منڈھنا چاہتے ہیں، تو بصد معذرت! ان کا یہ مشورہ ناعاقبت اندیشانہ اور ناقابل قبول ہے، یہ حضرات آنحضرت ﷺ کا مشورہ بسر وچشم اور بجان و دل قبول کرچکے ہیں: **''قال رسول الله ﷺ یحمل هذا العلم من خلف عدوله، ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تأویل الجاهلین''۔**

بہتر ہوگا کہ مولانا دریا آبادی بھی آنحضرت ﷺ کا مشورہ قبول کرلیں، اور مرزا صاحب جیسے غالی، باطل پرست اور نادان کی تحریف وتاویل کو صحیح قرار دینے کی بجائے اس کی نفی

اور ابطال کے لئے قلم اٹھائیں، اور اگر انہیں اس سے عذر ہے تو ان کا احسان ہوگا کہ دوسروں کو "بے بس سہی" کے مشورہ سے معذور رکھیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔

اصل بحث:

یہ تمام تر کلام مولوی دریا آبادی صاحب کے مقدمات سے تھا، جن سے "بلایقین" وہ دوسروں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ:

> "مرزا صاحب چونکہ غیر معمولی عقل وعلم کے شخص تھے اس لئے انہوں نے دعویٰ نبوت مصطلح اور متبادر معنی میں نہیں بلکہ کسی خود ساختہ اور خانہ ساز معنی میں کیا ہوگا۔"

مندرجہ بالا گزارشات پر اگر مولانا غور فرمائیں گے تو ان پر واضح ہوجائے گا کہ ان کے ترتیب دادہ مقدمات سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، پھر مولوی صاحب موصوف جانتے ہیں کہ جو مکروہ اور تلخ واقعہ روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گیا ہو، اور اس کے عمل اور ردِ عمل نے ایک ضخیم کتب خانہ کے علاوہ نصف صدی کی تاریخ کو جنم دیا ہو، اس واقعہ کو زورِ استدلال اور قوت منطق سے نہ تو مٹایا جاسکتا ہے، اور نہ اس کے انکار پر بے جا اصرار کئے جانا دین وملت یا علم وادب کی کوئی مفید خدمت ہے۔

مرزا صاحب اور دعویٰ نبوت!

مرزا صاحب نے قصرِ نبوت میں رونق افروزی کے لئے امام، مجدد، مصلح، مہدی، مثیل مسیح، مسیح موعود، ظل محمدی اور بروز احمدی وغیرہ کے جن ارتقائی مدارج کو قریب قریب بیس پچیس برس کی طویل مدت میں طے کیا ہے، ان کی تاریخ، مولوی صاحب کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگی۔ بلند عمارت میں جانے والا جن زینوں پر قدم رکھ رکھ کر اوپر گیا ہے، ان ہی درمیانی سیڑھیوں میں اس کو تلاش کرتے رہنا، دانشمندی نہیں ہوگی۔

مطلب یہ کہ جاننے والے جانتے ہیں، اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر انجان بن جانے کا فیصلہ نہیں کرلیا ہے ان کو جان لینا چاہئے کہ مرزا صاحب نے دفعتاً دعویٰ نبوت نہیں کیا،

بلکہ اس بارِ افترا کو اٹھانے اور لوگوں میں ''بے بس سہی'' کی استعداد پیدا کرنے کے لئے انہوں نے ربع صدی تک تدریجی دعوے کئے ہیں، اور اس مدت میں انہوں نے دجل و تلبیس کے لئے متعدد اصطلاحیں وضع کی ہیں۔

سب سے پہلے وہ خدمت دین اور دفاع عن الاسلام کا لبادہ پہن کر میدان مناظرہ میں فروکش ہوئے، جب عوام کو مائل دیکھا تو ملہم اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، چند زود اعتقاد اور فریب خوردہ لوگ اسے تسلیم کر گئے، اور باقاعدہ ایک جدید دعوت میں بیعت کا سلسلہ کامیاب ہوا، تو بعض یاران وفا کیش کی خواہش اور درخواست پر مہدی ہونے کا دعویٰ زبان پر لایا گیا، یہ خوراک زود ہضم نہ تھی، لیکن زور دار تحدی اور الہامات کی سحر آفرینی کے ساتھ اس کو ہضم کرانے میں بھی وہ بالآخر بزعم خویش کامیاب ہوئے، اب غذا ثقیل سے ثقیل تر تجویز ہو رہی تھی۔ ادھر الہامات کا ہاضوم لوگوں کو مسلسل پلایا جارہا تھا، ساتھ ساتھ تحدی اور اشتہار بازی کے ذریعے ان کے دل و دماغ کو مسحور کیا جارہا تھا، اب مسیح علیہ السلام سے مماثلت اور فطری مناسبت کا دعویٰ کیا گیا، معاً یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ جس مسیح کے نزول اور آمد ثانی کی متواتر احادیث میں خبر دی گئی ہے، اس سے مراد یہی عاجز ہے۔ اس دعوے کے ہضم کرنے اور کرانے میں مرزا صاحب کن کن مشکلات سے دوچار ہوئے، کن کن دشوار گزار صحراؤں سے وہ گزرے، حیص و بیص اور مایوسی کے کیا کیا عالم ان پر طاری ہوئے، ان کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ پھر ان عقدہ کشائیوں کے لئے ان کو اپنے رجال کار سمیت کتنی محنت کرنی پڑی، اور تحریفات اور بے جا تاویلات کا جو طومار ان کو تصنیف کرنا ناگزیر ہوا اس کی تفصیل بھی شاید کسی دوسرے موقع پر بیان کرسکوں۔

بہر حال ان کی تصنیفات آج بھی پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ مسیح موعود کے دعوے کو ہضم کرنے اور کرانے کے لئے جتنی دقت اور دشواری مرزا صاحب اور ان کے ''خاص الخاص'' لوگوں کو پیش آئی، نہ پہلے دعاوی میں ان کو یہ دقت پیش آئی نہ پچھلے دعاوی میں۔

اس دعوے کے دوران مرزا صاحب ''مایوسی کے دوروں'' میں بھی مبتلا ہوئے جو ماقبل اور مابعد کے دعاوی میں نظر نہیں آتے، جب ان کو خیال آتا کہ مسیح موعود کا دعویٰ ان پر کسی طرح منطبق نہیں ہوتا تو کسی اور مسیح کی آمد کی گنجائش کا بھی وہ اقرار کر لیتے ہیں جیسا کہ ایک جگہ مرزا

صاحب لکھتے ہیں:

''میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا، بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں مثیل مسیح پیدا ہوجائے۔''

کبھی وہ لکھتے ہیں:

''ہاں! اس بات سے انکار نہیں کہ شاید پیش گوئی کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی اور مسیح موعود بھی آئندہ کسی وقت پیدا ہو۔''

کبھی ان کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل جاتا:

''ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر احادیث کے ظاہری الفاظ صادق آجائیں، کیونکہ یہ عاجز تو دنیا میں شان وشوکت کے ساتھ نہیں آیا۔''

الغرض مرزا صاحب کی اس قسم کی عبارتیں جن سے ان کی مایوسی جھلکتی ہے ان کی کتاب ازالہ اوہام، میں آج بھی موجود ہیں، بالآخر دیکھتے ہی دیکھتے مرزا صاحب نے مخالفین کو مباحثوں اور مناظروں کے الجھاؤ میں مبتلا کردیا، اور مریدین کا وہ گروہ جو ان کے ہر دعوے کو آسمانی قرار دینے کا خوگر ہوگیا تھا، ان کو باور کرادیا کہ وہ واقعی مسیح موعود ہیں۔

جب اس وادی خون میں غوطہ زنی کے باوجود وہ اپنے خیال میں تردامن نہ ہوئے، اور ماننے والوں میں استعداد کی پختگی نظر آئی تو آنحضرت ﷺ کے کمالات اور فیوض و برکات سے علیٰ وجہ الکمال وہ فیضیاب ہونے کے مدعی ہوئے۔ کمالات نبویہ کی اسی نشاۃ ثانیہ کو مرزا صاحب نے ظل و بروز کی اصطلاحات سے تعبیر کیا۔ لیکن اب تک وہ تمام تر اوصافِ نبوت کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود دعویٰ نبوت سے کسی مصلحت کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے، بالآخر مولوی عبدالکریم صاحب نے خطبۂ جمعہ میں اس طلسم کو توڑا، اور مرزا صاحب کو نبی اور رسول کے خطابات سے نوازا، اور مرزا صاحب کی جانب سے اس کی تصویب کی گئی۔ اب مرزا صاحب صریح الفاظ میں اپنے لئے نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرنے لگے۔ اس پر ختم نبوت کے

اجماعی عقیدہ کا (جس کو مرزا صاحب بقلم خود بار بار دہرا چکے تھے) اشکال پیش آنا فطری بات تھی، لیکن ظل و بروز وغیرہ کے باطنی قسم کے الفاظ وہ پہلے سے وضع کر چکے تھے، بالآخر بحث و مباحثہ کے اس میدان میں بھی ان کا بسیار نویس قلم رکنے نہیں پایا لیکن دجل و تلبیس کا کمال تھا کہ متناقض قسم کے دعاوی کو وہ خلط ملط کرتے رہے، نبوت و رسالت کے صریح دعویٰ کے ساتھ وہ مسیح موعود، مہدی موعود، مجدد وغیرہ کے مناصب بھی اپنے لئے تاحینِ حیات ثابت کرتے رہے۔ اس تناقض و تہافت اور دجل و تلبیس کا طبعی نتیجہ تھا کہ مرزا صاحب کے اس عالم سے رخصت ہوجانے کے بعد خود ان کے عقیدت مند لوگ ان کے دعاوی کی روشنی میں ان کا مقام متعین کرنے سے قاصر رہے۔

مرزا بشیر الدین اور ان کے رفقاءُ (قادیانی جماعت) کے نزدیک وہ نبی تھے، اس کے علاوہ ان کے تمام دعاوی ان کے نزدیک ماؤل ہیں (اس کے لئے مرزا محمود صاحب کی تصنیف ''حقیقت النبوۃ'' کی طرف رجوع کرنا چاہئے) اور مسٹر محمد علی اور ان کی جماعت کے نزدیک مرزا صاحب صرف امام یا مجدد تھے، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ان کو مسیح موعود کے نام سے بلا تکلف یاد کرتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعوئ نبوت کی صحیح توجیہ سے مسٹر محمد علی صاحب اور ان کی جماعت قاصر ہے۔

مدت کے بعد تیسرا موقف مولوی دریاآبادی نے اختیار کیا، کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ ضرور کیا ہے، لیکن شرعی نبوت کا نہیں، بلکہ مرزا صاحب کی وہ تمام عبارتیں جن میں صریح نبوت کے الفاظ بار بار اصرار و تکرار کے ساتھ دہرائے گئے ہیں محض شاعرانہ استعارات پر محمول ہیں، اور ان میں لفظ نبوت کا استعمال کسی خانہ ساز معنی کے لئے کیا گیا ہے، جس کے مقابلہ میں انسان بے بس ہے، اس لئے دریاآبادی صاحب کے نزدیک صریح دعویٰ نبوت کے باوجود نہ مرزا صاحب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، نہ ان کی جماعت کو سوءُ خاتمہ کا اندیشہ ہے، نہ نجات سے محرومی کا سوال ہے، اور نہ ان سے تعرض کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس خود ساختہ معنی کے اعتبار سے مرزا صاحب کا دعوئ نبوت مولانا کے نزدیک محلِ اعتراض نہیں۔ افسوس یہ کہ دریاآبادی صاحب کا موقف مرزا صاحب کے متناقض دعاوی سے بھی زیادہ خمیدہ ہے، اور

انصاف یہ ہے کہ مرزا صاحب کی ترجمانی سے موصوف کا یہ موقف بری طرح ناکام ہے، بلکہ ''توجیه القول بما لا یرضی به قائله'' کا صحیح مصداق ہے۔

اب تک محلِ بحث یہ امر تھا کہ مرزا صاحب کا دعویٔ نبوت قواعد شرعیہ کے اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز، لیکن دریا آبادی صاحب کی اس ''بلایقین اور مجمل تشریح'' نے ''نیا فتنہ'' کھڑا کردیا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت معنیٰ متعارف و مصطلح فی الشرع کے اعتبار سے تھا، یا کسی ''خانہ ساز مفہوم'' کے اعتبار سے تھا۔

کاش وہ اس موقع پر ''معنیٰ متعارف'' اور ''خانہ ساز مفہوم'' کی کچھ وضاحت کرتے، اور پھر غور وفکر کی زحمت گوارا فرماتے، کہ مرزا صاحب کا دعویٔ نبوت دونوں معنوں میں سے کس معنے پر منطبق ہوتا ہے۔

دریا آبادی صاحب مرزا صاحب کے دعویٔ نبوت کے مفہوم کو پانے سے اب تک قاصر ہیں، اور ظلی، بروزی اور اتباع نبوی وغیرہ کے ابلہ فریب اور تلبیسانہ الفاظ سے مرزا صاحب نے جو تاریکی قصداً پھیلادی ہے، مولانا موصوف کمال سادگی سے اس تاریکی میں سرگرداں ہیں۔ دریا آبادی صاحب نہیں جانتے کہ یہ الفاظ قند شیریں میں زہر ہلاہل لپیٹ کر دینے کی مکروہ کوشش ہے، ورنہ مرزا صاحب حقیقی معنیٰ ہی میں نبوت کا دعویٰ رکھتے تھے۔

دریا آبادی صاحب فرمائیں کہ جس نبوت کی بنیاد ''۲۳ سالہ متواتر وحی'' پر رکھی گئی ہو، جو وحی ان کے بقول تورات، انجیل کی طرح واجب الایمان ہو، اور قرآن مجید کی طرح قطعی ہو اسی پاک وحی میں مرزا صاحب کو رسول، مرسل اور نبی کے الفاظ سے بہت تصریح اور توضیح کے ساتھ ایک دفعہ نہیں بلکہ صدہا دفعہ پکارا گیا ہو، کیا وہ نبوت متعارف نہیں ہوگی؟ اور کیا آنحضرت ﷺ کے بعد اس نبوت کا مدعی کذاب نہیں کہلائے گا؟ مرزا صاحب کی عبارتیں ملاحظہ ہوں:

> ''میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیوں کر رد کرسکتا ہوں، میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہوچکی ہیں۔''

(حقیقة الوحی ص:۱۵۰)

''جب کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت و

انجیل و قرآن کریم پر، تو کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ میں ان کی ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سن کر اپنے یقین کو چھوڑ دوں جس کی حق الیقین پر بنا ہے۔" (اربعین ص:۴ و ۱۹)

"حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ، پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں۔" (ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص:۲۶۱)

"اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے، خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی ہے۔"

(اشتہارات ایک غلطی کا ازالہ منقول از ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص:۲۶۴)

ان عبارات میں مرزا صاحب اپنی وحی کو (معاذ اللہ) توریت اور انجیل اور قرآن کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، کیا فرماتے ہیں دریا آبادی صاحب کہ اگر مرزا صاحب کی وحی، رسالت، ایمان کے الفاظ متعارف معنی پر محمول نہیں، تو کیا توریت اور انجیل اور قرآن کا وحی ہونا کسی "خانہ ساز مفہوم" پر محمول ہے؟ استغفر اللہ!

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ:

"میں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے "اس نعمت" سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔" (حقیقۃ الوحی ص:۶۲)

دریا آبادی صاحب فرمائیں کہ پہلے نبیوں اور رسولوں کو کیا نعمت ملی تھی، جس کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے؟

کیا یہ واقعہ سے صریح بے انصافی نہیں کہ ایک شخص اسی نعمتِ نبوت کے پانے کا دعویٰ رکھتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی رہی، مگر دریا آبادی صاحب اس کے دعویٰ میں تاویل

اور گنجائش پیدا کرنے کے لئے اپنی پوری صلاحیت صرف کردیتے ہیں۔

پھر کون نہیں جانتا کہ مرزا صاحب جس نبوت کے مدعی ہوئے ہیں، وہ بقول مرزا صاحب، تین لاکھ نشانات، بلکہ دس لاکھ سے زائد نشانوں کے ساتھ مؤید ہے، اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے جو اول درجے پر فائز ہیں۔

مولانا صاف فرمائیں کہ یوں سب نشانات کے مدعی کا دعویٰ کس خانہ ساز مفہوم کا تھا؟

مرزا صاحب علی الاعلان بیان کرتے ہیں کہ:

> ''میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ ''بہت کم ہی نبی'' ایسے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔'' (تتمہ حقیقت الوحی ص:۱۳۶)
>
> ''بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کردیا ہے کہ باستثنائ ہمارے نبی ﷺ کے ''باقی تمام انبیائ علیہم السلام'' میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے، اور خدا نے اپنی حجت پوری کردی ہے، اور اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔'' (ایضاً ص:۱۳۶)

دریاآبادی صاحب بتلائیں کہ مرزا صاحب کے یہ معجزات جو ''بہت کم نبیوں'' کو دیئے گئے، اور باستثنائ ہمارے نبی ﷺ کے جن کا ثبوت ''باقی تمام انبیائ علیہم السلام'' کے حق میں محال ہے، ان معجزات سے ثابت شدہ مرزا صاحب کی نبوت کے معنی اگر شرعی نبوت کے نہیں تو تمام انبیائ کی نبوت کے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ باعث حیرت نہیں کہ ایک شخص اپنی وحی کو مثلِ وحی انبیائ، اپنے معجزات کو تمام انبیائ سے فائق، اور اپنی نبوت کو ہم سنگِ نبوتِ انبیائ قرار دیتا رہے، لیکن ہم کمالِ سادگی سے اس کے دعویٰ میں گنجائش پیدا کرتے رہیں، اور لوگوں کو اس کے مقابلہ میں بے بس ہوجانے کا پرخلوص مشورہ دیتے رہیں: **ھذا لعمری فی الزمان بدیع**۔

دریاآبادی صاحب کا حال تو ان ہی کو معلوم ہوگا، لیکن اپنا حال یہ ہے کہ جب مرزا صاحب کی یہ عبارت پڑھتا ہوں:

> ''اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے، کہ

اگر نوحؑ کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ غرق نہ ہوتے۔''
(تتمہ حقیقت الوحی ص:۱۳۷)

تو بے چینی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، مرزا صاحب نے نہ صرف یہ کہ اپنی نبوت اور معجزات کو سیدنا نوح علیہ السلام کی نبوت اور معجزات سے افضل بتلایا، بلکہ ظالم نے اس ۹۰۰ سال کی تبلیغ کرنے والے بوڑھے پیغمبر (صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ) کی نبوت اور ان کے معجزات میں کیڑے نکالے، گویا قومِ نوحؑ کی غرقابی میں خود اس قوم کے مجرمانہ افعال کا نہیں بلکہ نوح علیہ السلام کے معجزات اور ان کی دعوت کے نقص کا دخل تھا، ورنہ جو کامل معجزات مرزا صاحب کو ملے اگر نوحؑ کے زمانہ میں وہ ظاہر کردیئے جاتے تو وہ مسکین کیوں غرق ہوتے۔ استغفر اللہ!

صد حیف کہ دریا آبادی صاحب اب تک مرزا صاحب کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اور مرزا صاحب کی طرف سے مدافعت کر کر کے بزعمِ خود خدمتِ دین کا فرض بجا لا رہے ہیں۔ مرزا صاحب بزعمِ خود آیت ''هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ'' کا مصداق اس عاجز (مرزا صاحب) کو قرار دیتے ہیں (اعجاز احمدی، اربعین وغیرہ)، مگر دریا آبادی صاحب مرزا صاحب کی کیا خوب ترجمانی کرتے ہیں، کہ انہوں نے دعویٰ نبوت متعارف اور متبادر معنی میں نہیں کیا۔

موصوف فرمائیں کہ آیت کا مصداق ''جو بھی ہو'' کیا وہ صرف شاعرانہ مفہوم کے اعتبار سے رسول ہے؟

مرزا صاحب اپنی وحی کے اوامر ونواہی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اپنے لئے ''صاحب شریعت نبی'' کا منصب تجویز کرتے ہیں (اربعین ص:۴) لیکن ان کے وکیل دریا آبادی صاحب ابھی تک اس اشتباہ میں ہیں کہ ان کا دعویٰ نبوت کس مفہوم کے اعتبار سے تھا؟

مرزا صاحب بطور لازمۂ نبوت ان تمام لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں، جو اس جدید نبوت پر ایمان نہیں لائے اور ساتھ ہی وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حق صرف نبوت تشریعیہ کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے

شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم، اور محدث ہیں، گو وہ کیسے ہی جناب باری میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعتِ مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔" (اربعین ص:۴، حاشیہ ص:۱۵)

اس نکتہ کی بنیاد پر مرزا صاحب نے ان تمام لوگوں کی تکفیر کی جو ان کے حلقۂ ارادت میں داخل نہیں ہوئے، اور شقی ازلی، کافر، جہنمی، دائرۂ اسلام سے خارج اور خدا و رسول کے باغی وغیرہ وغیرہ الفاظ سے ان کو نوازا، اور آج تک قادیانی جماعت اسی عقیدے کو بیان کرتی ہے۔ اسی نبوت کے منکرین سے مرزا صاحب نے کفار کا معاملہ کیا، ان سے مناکحت حرام، ان کا جنازہ ناجائز، ان کی امامت میں نماز باطل وغیر ذالک، لیکن دریا آبادی صاحب کو خدا جانے کس نے بتلادیا ہے کہ مرزا صاحب نبوت بالمعنی المتبادر کے مدعی نہ تھے۔

دریا آبادی صاحب جانتے ہوں گے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت (جس کی وہ بے سروپا تاویلات میں مصروف ہیں) نے صرف لفظِ نبوت نہیں بلکہ شریعت کی نامعلوم کتنی اصطلاحات کو مسخ کیا ہے۔ دجل و تلبیس کے لئے امتی، فیض مآب، ظل اور بروز وغیرہ کے الفاظ انہوں نے ضرور استعمال کر لئے ہیں، لیکن نبی کے مقابلہ میں ناسخِ شریعت نبی، امت کے مقابلہ میں جدید امت، وحی کے مقابلہ میں قطعی وحی، معجزات کے مقابلہ میں معجزات، حرم کے مقابلہ میں حرم، امہات المؤمنین کے مقابلہ میں ام المؤمنین، صحابہ کے مقابلہ میں صحابہ، خلیفہ اول و ثانی کے مقابلہ میں خلیفہ اول و ثانی، اسلام کے مقابلہ میں اسلام، شرعی کفر کے مقابلہ میں کفر، شرعی ارتداد و مرتد کے مقابلہ میں ارتداد و مرتد وغیرہ وغیرہ، اگر یہ تمام امور محمد ﷺ کے دین میں دریا آبادی صاحب کے نزدیک قابل برداشت ہیں، تو اس دین کا خدا حافظ ہے۔ پھر لوگ صرف مرزا صاحب کے مقابلہ میں "بے بس نہیں" بلکہ دریا آبادی صاحب اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بھی "بے بس سہی"۔ جدت پسندی اور ستم ظریفی کی حد ہے کہ مرزائی نبوت میں اسلامی قمری مہینوں کے نام تک بدل دیئے جاتے ہیں، اور جدت پسند طبائع ابھی تک اس بحث میں مبتلا ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت سے تعرض کیوں کیا جاتا ہے؟ ان کے بلند بانگ دعاوی کو گنجائش پذیر، اور لائق تسامح کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ گویا ان حضرات کی

عدالت عالیہ میں مرزا صاحب ''بایں ہمہ'' مظلوم ہیں، اور علمائے کرام ان کے موقف کا شرعی حکم بیان کردینے کے جرم میں لائق ''گردن زدنی'' ہیں: ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔

مرزا صاحب کا نظریہ مسیحیت!

صرف یہی نہیں کہ مرزا صاحب نے ''نبوت کا دعویٰ'' کیا، بلکہ اس ''متنبی کذاب'' نے اپنی نبوت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے کتنے انبیائے کرام علیہم السلام کی عزت کو تہہ خاک کیا، اور اپنی نبوت کا محل تعمیر کرنے کے لئے کتنی نبوتوں کو پامال کیا، اور اپنی آبرو داری کی خاطر کتنوں کو بے آبرو کیا، اپنی حماقتوں کی پردہ داری کے لئے کتنی عصمتوں کی پوستین دری کی، اور اپنے غلیظ دعویٰ کی رقعہ دوزی کے لئے کتنے پاکیزہ پیرہن تار تار کئے۔ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت میں اس متاعِ ایمان ربا کی اتنی کثرت ہے کہ ضخیم مجلد بھی اس کے لئے ناکافی ہے۔ دریاآبادی صاحب کی خدمت میں چند مثالیں عرض کرتا ہوں، تاکہ مرزا صاحب کی جرأت اور لوگوں کی ''بے بسی'' کا ان کو اندازہ ہوسکے۔

عیسیٰ علیہ السلام!

سیدنا عیسیٰ بن مریم (علیہا وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام) اولوالعزم انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی پیدائش، طفلی، کہولت غرض زندگی کے اول و آخر کو جس اعجازی شان سے بیان کیا وہ سب کو معلوم ہے۔ قرآن حکیم نے ان کے کمالات اور معجزات کو جس اہتمام سے پرشوکت انداز میں ذکر کیا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن مرزا صاحب کے دعاوی باطلہ کے لئے ان کا وجود چونکہ سنگِ راہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس لئے مرزا صاحب کو ان کے ساتھ رقیبانہ چشمک ہے، بالکل فرضی اور خانہ ساز اعتراضات ان کے لئے اس قدر بے ہودہ انداز میں منسوب کرتے ہیں کہ انسانیت سر پیٹ لیتی ہے، اور شرافت ماتم کناں ہوجاتی ہے، مثلاً:

۱......سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نفخۂ جبریلؑ سے بلاتوسط باپ کے پیدا ہونا قرآن سے ثابت ہے، جو ان کے لئے ممتاز منقبت کا حامل ہے۔ مرزا صاحب اس کو برداشت نہیں کرپاتے، بلکہ ان کو یوسف نجار کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن ج:۱۹ ص:۱۸)

۲......انبیاءٔ علیہم السلام کے انساب کا ہر طرح کے اغلاط سے پاک ہونا ایسی ضرورت دینیہ ہے کہ کسی عاقل کو بھی اس میں کلام کی گنجائش نہیں۔ لیکن ''قاذفِ قادیان'' کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کو اس شرف سے محروم کردینا ہی اسلامی خدمت ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار، کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔'' العیاذ باللہ۔ (ضمیمہ انجام آتھم مصنفہ مرزا صاحب)

۳......مرزا صاحب اپنی عداوت کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو انبیاءٔ کرامؑ کے اخلاق و اوصاف سے نہیں بلکہ ایک معمولی شریف اور پرہیزگار انسان کے اخلاق سے بھی خالی دیکھنا چاہتے ہیں، اور اس کو ''جدی مناسبت'' قرار دیتے ہیں۔
(انجام آتھم ضمیمہ)

۴......قرآن مجید نے عیسیٰ علیہ السلام کے جتنے معجزات ذکر کئے ہیں، مرزا صاحب کے لئے وہ سرگرانی کا باعث ہیں، وہ لکھتے ہیں: ''عیسائیوں نے بہت سے معجزات آپ کے بیان کئے ہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔'' (انجام آتھم ضمیمہ)

ان کا رقیبانہ حسد جوش میں آتا ہے تو ان کو اس پر تعجب ہونے لگتا ہے کہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ ان کی محفل میں کیوں کرنے لگتے ہیں، ان کا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے، اور وہ آگ بگولہ ہوجاتے ہیں، وہ غیظ و غضب سے لال پیلے ہوکر اعلان کرنے لگتے ہیں:

''یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل (مُردوں کو زندہ کرنا۔ ناقل) ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں، اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابنِ مریم سے کم نہ رہتا۔''
(ازالہ اوہام ج:۳ ص:۲۵۷ و ۲۵۸، حاشیہ ص:۳۰۹)

۵......مرزا صاحب چونکہ خود دینی استقامت سے محروم تھے اس لئے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی ''رقیبانہ فکر'' رہا کرتی تھی کہ ہائے وہ اس فضیلت سے کیوں سرفراز ہوگئے، بالآخر اسی ''جذبۂ حسد'' سے مغلوب ہوکر وہ اس فضیلت کی نفی کی وجہ بھی ڈھونڈ لائے، وہ لکھتے

ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے، مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارے میں ان کی کاروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔''

(ازالہ اوہام ج:۳ ص:۲۵۸، حاشیہ ص:۳۱۱)

۶...... مرزا صاحب کے اس ''حسد و بغض اور غیظ و غضب'' کی اصل وجہ امت کا یہ اجماعی عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، اور قرب قیامت میں تشریف لائیں گے۔ یہ عقیدہ قرآن مجید نے بیان کیا، احادیث متواترہ نے اس کی تفصیلی جزئیات شرح و بسط سے ذکر فرمائیں، امت نے اس کو باب الایمان کا ایک جزو قرار دیا، حکماً امت نے اس کے اسرار اور حِکم بیان کئے، فقہاً نے اس کی فقہی جزئیات سے بحث فرمائی، عقل صحیح اور فطرت سلیمہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کی علتِ غائیہ کا سراغ لگایا، لیکن مرزا صاحب کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی ''شانِ رفع و نزول'' کیسے قابلِ برداشت ہوسکتی تھی؟ اس منقبت عیسویہ نے ان کو ''حواس باختہ'' کردیا۔ وہ بے چارے پوری امت کے مقابلے میں کیا کریں؟ لیکن جب تک عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فضیلت ثابت رہے گی ان کی دکانِ مسیحیت کیسے چلے گی؟ لیکن وہ یکہ و تنہا چند رفقاً کے ساتھ کیا کیا کریں؟ عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے ماریں؟ کہاں ان کی قبر بنائیں؟ اس رفع کا محال ہونا کس طرح لوگوں کو سمجھادیں؟ اس نزول میں جو مفاسد لازم آتے ہیں، وہ کیسے دلوں میں اتاردیں؟ اس کے لئے مرزا صاحب نے اپنے رفقاً سمیت ''عقل و خرد'' اور ''دین و ایمان'' کی بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ لیکن طوطی کی نقار خانے میں کون سنتا تھا، اس مایوس کن صورتحال نے ان کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا، مراق اور ہسٹریا کے وہ پہلے سے مریض تھے، (دیکھو سیرۃ المہدی) اس پر یہ صدمۂ جانکاہ، اور سانحہ ہوش ربا ان کو پیش آیا، اس کا انجام جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا...... ان کی یہی نفسیاتی کیفیت ہے جو ان کی اس زمانہ کی تحریروں سے نمایاں ہورہی ہے۔ کبھی وہ دیوانہ وار آنے والے مسیح پر پل پڑتے

''ہزار کوشش کی جائے اور تاویل لی جائے، یہ بات بالکل غیر

معقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے مساجد کی طرف دوڑیں گے تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا، اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا، جب لوگ عبادت کے لئے بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا، اور شراب پئے گا، اور سؤر کھائے گا، اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پروانہ رکھے گا۔'' (حقیقۃ الوحی ص:۲۹)

اور کبھی اسی ''مراقی کیفیت'' میں آنحضرت ﷺ کی وہ متواتر احادیث جو آنے والے مسیحؑ کی علامات بیان کرتی ہیں اور بدقسمتی سے مرزا صاحب پر منطبق نہیں ہوتیں، ان کا فحش انداز میں استہزاءً کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

''کیا حضرت مسیح کا زمین پر اترنے کے بعد عمدہ کام یہی ہوگا کہ وہ خنزیروں کا شکار کھیلتے پھریں گے اور بہت سے کتے ساتھ ہوں گے، اگر یہی سچ ہے تو پھر سکھوں اور چماروں اور سانسیوں اور گنڈیلوں وغیرہ کو جو خنزیر کے شکار کو دوست رکھتے ہیں خوشخبری کی جگہ ہے کہ ان کی خوب بن آئے گی۔'' (ازالہ اوہام ج:۳ ص:۱۲۳)

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند ستمبر ۱۹۶۳ء، جنوری ۱۹۶۴ء)

............☆............

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں دوسری بڑی رکاوٹ خواتین کی عریانی و بے حجابی اور ناچ رنگ، گانے بجانے اور فلموں کے ایمان سوز اور روح فرسا مناظر ہیں، ٹیلی ویژن کی بدولت تو اب پورا ملک سینما ہال میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے گھروں سے جہاں تلاوت وذکر کی آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی بدولت قریباً ہر گلی کوچے سے بلکہ ہر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں......



صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ / جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لا نافذ کیا اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی، انہوں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں ”نفاذ اسلام“ کا پر عزم اعلان کیا، جس کا حوالہ انہوں نے ۱۱ سال بعد ۳۰ / مئی ۱۹۸۸ء کی تقریر میں بھی دیا ہے اور اس کے بعد بھی وہ وقتاً فوقتاً اس کا اعلان فرماتے رہے، راقم الحروف نے جنگ کے اسلامی صفحہ ”اقرأ“ میں متعدد اداریئے لکھے چنانچہ ”پاکستان میں اسلام کب آئے گا“ کے عنوان سے ۱۶ / جون ۱۹۷۸ء کو ایک اداریہ لکھا جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ ابھی تک نفاذ اسلام کے سلسلہ میں پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکا، وہ اداریہ درج ذیل ہے :

”پاکستان میں اسلام کب آئے گا“

”مدینہ منورہ سے اسلام کا سورج طلوع ہوا تو تیس برس کے اندر اندر اس کی روشنی مشرق سے مغرب تک جگمگانے لگی اور پورا عالم اس روشنی سے منور ہو گیا، مسلمان اس وقت کمزور تھے، نہتے تھے، پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا تک انہیں میسر نہیں تھا مگر وہ ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال تھے، وہ سیلاب کی طرح بڑھے اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو روندتے ہوئے دنیا پر

چھا گئے، یہی تیس برس کی مدت پاکستان بھی پوری کر چکا ہے لیکن ہم جہاں پہلے دن تھے آج بھی وہیں کھڑے ہیں بلکہ کچھ پیچھے- سابقہ حکمرانوں نے "اسلام، اسلام" کے نعرے اتنی بلند آواز سے لگائے کہ سنتے سنتے لوگوں کے کان پک گئے، مگر عملی طور پر جو کچھ کیا وہ اسلام کی نفی تھی، اسی نفاق اور خود فریبی کی سزا ہے کہ ہم جائے پھیلنے کے اور بھی سکڑ گئے، آدھا ملک گنوا بیٹھے اور باقی ملک خطرات کی زد میں آگیا۔

خدا نے پچھلے سال چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاءٔ الحق کو اسلام کے داعی کی حیثیت سے اٹھایا، ان کے اعلانات سے قوم کی امیدیں بندھیں کہ اب سچ مچ اسلام نافذ ہو کر رہے گا، اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل ہوئی، اس کے گرما گرم اجلاس ہوئے، چادر اور چہار دیواری کے تحفظ کی باتیں ہوئیں، ملک کو سودی نظام کی لعنت سے نجات دلانے کے منصوبوں کا اعلان ہوا، مگر نتیجہ اب تک امید افزا نہیں ہے، حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر اس قوم کو زندہ رہنا ہے تو اسلام کو اپنا لے، پاکستان کی بقا چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اگر اسے بچانا ہے تو یہاں اسلام کو فوری نافذ کر دیا جائے، لیکن نہ جانے ہمارے ارباب حکومت کس وقت کے انتظار میں ہیں، قوم جنرل ضیاءٔ الحق سے سوال کر رہی ہے کہ اسلام سے محرومی پاکستان کی قسمت میں کب تک لکھی ہے؟ کیا اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین عزت مآب جسٹس (ریٹائرڈ) چیمہ صاحب وضاحت فرمائیں گے کہ اس بد نصیب ملک کو، جو تیس سال سے غیر اسلامی قانون کی تاریک وادیوں میں بھٹک رہا ہے، اسلام کی روشنی کب نصیب ہوگی؟ اور اس ملک کو سرمایہ دارانہ سودی نظام معیشت سے کب نجات ملے گی؟

اگر یہ سوال تاخیر کا سبب ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتدأ کہاں سے کی جائے تو اس کا جواب قرآن مجید پہلے سے دے چکا ہے، قران کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اقتدار عطا کریں تو انہیں چار کام کرنے ہوں گے: (۱) نماز قائم کرنا۔ (۲) نظام زکوٰۃ قائم کرنا۔ (۳) نیکی پھیلانا۔ (۴) بدی مٹانا۔ گویا اسلامی نظام کی ابتدأ نماز سے ہوتی ہے، نماز ہی اسلام کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا ستون ہے، جو معاشرہ اجتماعی طور پر اسلام کے اس سب سے پہلے اور سب سے بڑے ستون کو توڑ رہا ہو، اس کا اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ سراسر منافقت اور خود فریبی ہے، وہ اسلام کی ایک ایک بات کو توڑے گا، اور حکومت کے ایک ایک حکم کو توڑے گا، اس لئے اسلام کے نفاذ کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے نماز کا نظام قائم کیا جائے، پھر زکوٰۃ کا، اگر اس ملک میں اسلام لانا ہے تو ہم جناب چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر سے پر خلوص توقع رکھیں گے کہ وہ پہلے اسلام کے سب سے پہلے ستون کو کھڑا کریں، نماز قائم کروائیں، یہ ایک اچھی مثال ہو گی کہ حکومت کا کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ مسلمان ملازم بے نماز نہیں رہنا چاہئے۔ فوج اور سول کے ہر بڑے اور چھوٹے مسلمان افسر اور ملازم پر نماز باجماعت کی پابندی قانوناً لازمی قرار دی جائے، اور یہی پابندی دوسرے شہریوں کے لئے یکساں ہوں اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا قانون کے تحت سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔ اگر حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی شہری مارشل لا کی سزا کا مستحق ہے تو خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے حکم کو توڑنے والا سزا کا کیوں مستحق نہیں؟ ہم منتظر ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے یہ پہلا قدم حکومت کب اٹھاتی ہے؟"۔

بتاریخ ۳۰/جون ۱۹۷۸ء کے اداریہ میں لکھا:

پاکستان میں اسلام نافذ ہو چکا ہے

"بتاریخ ۵ / جولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو حکومت کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے جب مارشل لا حکومت نے ملک کا نظم و نسق ہاتھ میں لیا تھا تو ہر طبقہ کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاءُ الحق نے قوم کو یقین دلایا کہ عبوری حکومت اس ملک میں (جو صرف اسلام کی خاطر وجود میں آیا تھا) اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں موثر اقدامات کرے گی، اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً اپنے اس عزم کا اظہار کرتے رہے، اب ایک طویل عرصے کے بعد ۲۵ / جون ۱۹۷۸ء کو انہوں نے قوم سے خطاب فرمایا، پوری قوم گوش بر آواز تھی اور اسے توقع تھی کہ وہ اس موقع پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اقدامات کا اعلان کریں گے، جنرل صاحب کو خود بھی اپنے وعدہ اور قوم کی توقعات کا احساس تھا چنانچہ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز اسلامی نظام کے نفاذ کے مسئلہ ہی سے کیا، انہوں نے فرمایا کہ چاروں طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا جارہا ہے حالانکہ اسلام کا دستور حیات جو ۱۴ سو سال پہلے نافذ ہوا تھا وہ اب بھی نافذ ہے وہی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی وجہ جواز بنا، اس کو کسی نے منسوخ نہیں کیا، اس کے باوجود اگر اسلام پر عمل نہیں ہو رہا تو اس کی ایک وجہ تو ہمارے اندر بے عملی کا عام رجحان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جو غیر اسلامی قانون ہمیں ورثہ میں ملا تھا، اسے اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنے کی طرف سابقہ حکومتوں نے توجہ نہیں دی۔

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے صورت حال کا تجزیہ بالکل صحیح کیا ہے، اور قوم کے مرض کی تشخیص بھی ٹھیک کی ہے، مگر کامیاب

معالج وہی کہلاتا ہے جو صرف مرض کے اسباب کی نشاندہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ مرض کے صحیح علاج کے لئے مقدور بھر کوشش بھی کرے، جب ہم چیف مارشل لاایڈمنسٹریٹر کی تقریر کا اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں تو (موصوف کے اخلاص وتدبر، مومنانہ جذبات اور ذاتی شرافت ودیانت کے اعتراف کے باوجود) ہمیں مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔

جنرل صاحب کو اعتراف ہے کہ انگریزوں کی دوصد سالہ غلامی کے زیراثر اور آزادی کے بعد دیسی صاحب بہادر کی انگریزیت پرستی کے نتیجہ میں ہمارا معاشرہ عملی طور پر اسلام سے عاری ہو چکا ہے، ایوان صدر سے لے کر مزدور کی جھونپڑی تک اور عدالت عالیہ کے کٹہرے سے لے کر کسی چھوٹے سے چھوٹے ادارے تک اسلام کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا، اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ اب بھی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، الحمد للہ مساجد اور دینی قلعے بھی آباد ہیں، نماز روزہ کا بھی اہتمام ہے لیکن یہ سب کچھ تو انگریز کے دور میں بھی تھا، کیا اس وقت بھی ہندوستان میں اسلام ہی نافذ تھا؟ سوال تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ہم نے عملی طور پر اسلام کا کون سا حکم نافذ کیا؟ اسلام کی سربلندی کے لئے کیا کچھ کیا؟ کوئی شبہ نہیں کہ اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہے، مگر جب ہندوستان پر انگریز حکمران مسلط ہوا تو اس نے ہمارے تعلیمی اداروں سے، ہماری عدالتوں سے، ہمارے دفاتر سے، ہمارے قومی اداروں سے، ہماری تجارت سے، ہماری معیشت سے، ہماری معاشرت سے اسلام کے تمام آثار کو کھرچ کر صاف کر دیا اور غلام ہند میں اسلام مسجدوں اور دینی مدارس میں پناہ لینے پر مجبور ہوا، نظریاتی طور پر اگرچہ اسلام منسوخ نہیں ہوا تھا مگر عملی زندگی کے ایک ایک شعبے

اور ایک ایک گوشے سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔

ہماری بے عملی، جس کی شکایت جنرل صاحب کر رہے ہیں، انفرادی بے عملی نہیں، بلکہ "اجتماعی بے عملی" ہے جس کے لئے پوری قوم اجتماعی طور پر مجرم ہے، قیامِ پاکستان کے بعد ضرورت تھی کہ قوم اس اجتماعی جرم سے توبہ کرتی اور انگریز کے منسوخ کئے ہوئے اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں دوبارہ نافذ کرتی مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج اکتیس سال بعد قوم بدستور انگریز کی لکیر کو پیٹ رہی ہے، اور اس اجتماعی جرم سے توبہ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوئی۔

ہمارے مغرب زدہ طبقے نے، جن کا گھیرا ارباب اقتدار کے گرد ہمیشہ تنگ رہا ہے، اسلام کے نفاذ کو ہمیشہ ناکام بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طبقہ کی صدائے بازگشت آج ہمیں جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر میں سنائی دے رہی ہے۔

اگر ارباب اقتدار نے انگریز کے منسوخ کردہ اسلام کو ملک میں دوبارہ نافذ کر دیا ہوتا اور اسکے بعد بھی قوم کے افراد بے عمل رہتے تو یہ گناہ انفرادی ہوتا اور اسکی سزا بھی دنیا میں یا آخرت میں ہر شخص کو انفرادی طور پر ملتی، مگر اجتماعی طور پر اور حکومتی سطح پر منسوخ شدہ اسلام کو بدستور منسوخ رہنے دینا اور اکتیس برس تک اسلام کی ایک بات کو کسی ایک شعبہ میں بھی نافذ نہ کرنا، یہ تو اجتماعی بغاوت اور اجتماعی گناہ ہے؛ اسکی سزا بھی پوری قوم کو ملے گی، اور مل رہی ہے، آج ہمارا ملک جس بدامنی، خود غرضی، نفسا نفسی، فرض ناشناسی اور انتشار کا شکار ہے کیا یہ اس اجتماعی جرم کی دنیا میں سزا نہیں؟ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہوگا۔

ہمیں توقع تھی کہ جنرل ضیاء الحق اپنی تقریر میں (گو تدریجاً

بھی مگر) مکمل طور پر اسلام کے نفاذ کا اعلان کریں گے اور قوم کو اجتماعی بد عملی کے جرم سے نجات دلانے کے لئے مؤثر اقدامات کریں گے، لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے چند پند ونصائح کے سوا قوم کو عمل کے راستہ پر ڈالنے کے لئے کوئی موثر تدبیر نہیں کی، پاکستان میں اسلام جس طرح اکتیس سال سے منسوخ چلا آتا ہے جنرل ضیاً کے ایک سالہ دور میں بھی منسوخ رہا، آہ پاکستان میں اسلام وہ سب سے بڑا یتیم ہے جسے نہ ایوان حکومت میں پناہ ملتی ہے، نہ ایوان عدالت اسے خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہے، نہ ساہوکار اسے تجارت کی منڈی میں دخل دینے کی اجازت دیتا ہے، وہ کل انگریز کے دور میں بھی مسجد ومدرسہ کی چار دیواری میں پناہ لینے پر مجبور تھا، آج پاکستان میں، ہاں اسی پاکستان میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، بھی بدستور وہیں پناہ گزین اور محصور ہے مگر جنرل صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام نافذ ہو چکا ہے۔

چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے خیالات سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کو انکے ہمدردوں نے غلط تاثر میں رکھا ہے کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک حصہ فرد کی نجی اور پرائیویٹ زندگی سے متعلق ہے اور دوسرا قوم کی اجتماعی زندگی سے، حکومت کو فرد کی نجی زندگی سے کوئی سروکار نہیں، یہ فرد کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدق ودیانت اور امانت وغیرہ اسلامی اعمال واقدار کا پابند ہے یا نہیں؟ حکومت کو اس میں قانونی طور پر کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اس کا دائرہ کار صرف قوم کے اجتماعی مسائل ہیں، مگر ہمیں افسوس ہے کہ اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا، اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ حکومت معاشرے کے تمام انفرادی اور اجتماعی اعمال کی ذمہ دار ہے، اور قیامت کے دن سربراہ

مملکت سے ان امور کے بارے میں باز پرس ہو گی، حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ حکمران پوری قوم کے لئے راعی کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سے رعایا کے ایک ایک عمل کے بارے میں باز پرس ہو گی، حکومت صرف آٹا، دال اور گھی شکر کی ذمہ دار نہیں بلکہ یہ دیکھنا بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ قوم اسلامی عقائد، اسلامی عبادات، اسلامی اخلاق اور اسلامی معاملات کی پابند ہے یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام حکام اور گورنروں کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ "میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے بڑھ کر نماز ہے جو شخص اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرے گا، اس سے دوسرے احکام کی پابندی کی توقع کی جا سکتی ہے اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دوسری چیز کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرنے والا ہو گا"۔

کسی اسلامی مملکت کا سربراہ قیامت کے دن یہ کہہ کر فارغ نہیں ہو سکتا کہ نماز پڑھنا نہ پڑھنا حکومت کے وزیروں، افسروں اور کارندوں کا ذاتی معاملہ تھا، دیانت و امانت ان کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق بات تھی، اور صحیح اسلامی اخلاق و عقائد اختیار کرنا نہ کرنا اس کی اپنی نجی ذمہ داری تھی، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اگر واقعۃً اس معاشرہ کو اسلام کے مثالی معاشرہ کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا کم از کم فرض یہ تھا کہ وہ فوری طور پر حسب ذیل اقدامات کرتے:

الف:..... ٹیلی ویژن پر جو ناچ رنگ کے حیا سوز مناظر پیش کئے جاتے ہیں اور جس کی وجہ سے پورا ملک ایک بڑے سینما ہال میں تبدیل ہو چکا ہے انہیں فوراً بند کرنے کا حکم دیتے۔

ب:..... اسی طرح ریڈیو پر جو فحش رومانی نغمے نشر کئے جاتے ہیں انہیں بھی ممنوع قرار دیتے، یہ ظاہر ہے کہ ابلاغ عامہ کے یہ دونوں ذرائع پوری طرح حکومت کے کنٹرول میں ہیں اور ان کی اچھائی برائی کی تمام تر ذمہ داری

سربراہ مملکت پر عائد ہوتی ہے۔ ان دونوں نے قوم کے اخلاق کو بگاڑنے میں جو کردار ادا کیا ہے قیامت کے دن حکومت کے ذمہ دار حضرات اس کی جواب دہی سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔

ج :.... نماز روزہ کے صرف وعظ پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ اس کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا مثلاً اگر گھر گھر نہیں تو کم از کم تمام سرکاری افسروں اور ملازموں پر اس کی پابندی عائد کی جاتی، سرکاری دفاتر میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا جاتا اور جو لوگ (مسلمان ہونے کے باوجود) نماز کے تارک ہوں انہیں ملازمت کے لئے نااہل قرار دیا جاتا۔

د :.... بتاریخ ۵ / جولائی کو جنرل صاحب وزیروں کی نئی کابینہ تشکیل دے رہے ہیں جس کے لئے وہ اپنی صوابدید کے مطابق اہل ترین افراد کا انتخاب کریں گے، اگر ہمیں اسلام کے نفاذ کا واقعی احساس ہے تو ان کے انتخاب میں اہلیت کی ایک شرط یہ بھی ہونی چاہئے کہ وہ بے دین اور بے نماز نہ ہوں بلکہ وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور اور اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہوں، کیا سربراہ مملکت سے قیامت کے دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے اسلامی مملکت کی زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں کیوں دی جو بے نماز اور بے دین تھے؟ اور جنہیں خدا اور رسولؐ کے احکام کا کوئی پاس نہیں تھا، یہاں سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے ان سے ملک و ملت کی خیر خواہی، امانت و دیانت اور فرض شناسی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟!

ر :.... مسٹر بھٹو کا دور حکومت اسلام کے نام پر اسلامی شعائر کو پامال کرنے میں سب سے بدترین دور تھا، بھٹو صاحب نے معاشرے کو اسلامی اقدار سے منحرف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، جنرل محمد ضیاء الحق سے قوم کو توقع تھی کہ وہ معاشرے کو "بھٹو ازم" سے پاک کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھائیں گے، "چادر اور چار دیواری" کو اس کا قرار واقعی تحفظ دیں گے

اور قوم کو عریانی وفحاشی کے تاریک گڑھے سے نکالنے میں کوئی اہم کردار ادا کریں گے، مگر افسوس ہے کہ اسکے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، سینماؤں کی تطہیر کی جاتی اور رومانی فلموں اور عورتوں کی تصاویر کی نمائش ممنوع قرار دی جاتی۔

ہ:.... اخبارات ورسائل قوم کے نونہالوں کو جو ذہنی غذا مہیا کر رہے ہیں وہ جنرل صاحب کی نظروں سے اوجھل نہیں، نیز گھٹیا لٹریچر اور اسلام کے منافی کتابیں بازار میں دھڑا دھڑ فروخت ہو رہی ہیں ان کا علم بھی موصوف کو ضرور ہوگا، جب تک یہ لٹریچر موجود ہے ہمارے ناپختہ ذہن نوجوان کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی، اگر اسلامی معاشرہ کی واقعی ضرورت ہے تو اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری تھا۔

و:.... ہماری نئی نسل جو تعلیمی اداروں میں تیار ہو رہی ہے اسکی اصلاح وتربیت کی اہمیت خود جنرل صاحب کے ارشادات سے واضح ہے، اگر معاشرہ کو واقعتاً اسلامی بنانا ہو تو ہمیں اسکی اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تعلیم وتربیت کا نظام مرتب کرنا چاہئے، یہ نسل بگڑ رہی ہے مگر اس کی صحیح تربیت کے لئے کسی ٹھوس اقدام کا اعلان نہیں کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کو لازمی کیا جائے، نماز، روزہ اور دیگر عبادات کا ان کو عادی بنایا جائے، اس کے لئے ایک خصوصی وقت مقرر کیا جائے، یہ چند اقدامات ایسے ہیں کہ ان کے لئے کسی انتظار اور کسی وقت کی ضرورت نہیں تھی، نہ وہ کسی کونسل کی سفارشات کے محتاج تھے۔

جنرل صاحب نے اسلامی اقدامات کے سلسلہ میں زکوٰۃ کے نفاذ اور "اسلامی نظریاتی کونسل" کی کارکردگی کا بھی ذکر کیا، ان کی تقریر کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ پاکستان میں انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے شاید عمر نوح درکار ہوگی، اور

شاید صبح قیامت سے پہلے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔

خواجہ ناظم الدین کے "اسلامی تعلیماتی بورڈ" سے لے کر مسٹر بھٹو کی "اسلامی مشاورتی کونسل" تک یہی چکر چلتا رہا ہے، ہر آنے والی حکومت پہلی حکومتوں کے کام کو کالعدم قرار دے کر الف، ب سے اپنا کام دوبارہ شروع کرتی ہے، اکتیس سال گزر گئے لیکن آج تک ہم انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ نہیں کر سکے، اور اگر کام کی رفتار یہی رہی کہ ایک مسئلہ پر پہلے اسلامی نظریاتی کونسل بحث کرے اس کے بعد وہ اپنی سفارشات مذہبی امور کی وزارت کو بھیجے، وہاں سے وزارت قانون کی میز پر آئیں، وہاں سے کابینہ کے سامنے لائی جائیں اور پھر وہ فیصلہ کرے کہ اس مسئلہ کو نافذ کرنا چاہئے یا نہیں، تو یقین کیجئے کہ آئندہ نسلیں ہی "اسلامی نظریاتی کونسل" کے فیوض سے مستفید ہو سکیں گی، اور یہ بھی اس وقت جب کہ آئندہ آنے والی حکومت پھر سے اس تیلی کے بیل کے چکر میں مصروف نہ ہو جائے۔

قوم کو "اسلامی نظریاتی کونسل" کی نہیں، اسلام کی ضرورت ہے، قوم اس چکر سے اکتا چکی ہے، وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ اسلام معاشرے کی ضروریات آج بھی پوری کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جنرل صاحب اسلام کو اسکے تمام شعبوں میں نافذ کر سکتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کی سعادت ہو گی بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے اس قوم کے عظیم محسن کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے اور اگر وہ یہ عزم اور حوصلہ نہیں رکھتے تو قوم کو اسلامی نظریاتی قسم کی کونسلوں سے طفل تسلی نہیں دی جا سکتی، جو اسلامی قانون آنحضرت ﷺ کے زمانے سے لے کر ترکان آل عثمان کے دور تک اسلامی معاشرے کی ساری ضروریات پوری کرتا رہا ہے آج اس میں کیا نقص نظر آنے لگا۔

اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بارے میں جنرل صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے مغرب زدہ طبقہ کی امنگوں کے عین مطابق ہے، نہ کبھی

اس معاشرہ کی اصلاح ہو اور نہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ عمل میں آئے، نہ نو من تیل ہو، نہ رادھا ناچے، حالانکہ بہت سیدھی اور صاف بات ہے کہ اسلامی سزائیں چوروں، ڈاکوؤں اور بد معاشوں کے لئے تجویز کی گئی ہیں، ان کو نافذ کرنے سے ہچکچاہٹ کے معنی یہ ہیں کہ پاکستانی معاشرہ کی غالب اکثریت کو پہلے ہی اس قماش کا فرض کرلیا گیا ہے، لچے اور بد معاش، شریف شہریوں کی جان ومال اور عزت وآبرو سے کھیلتے رہیں، مگر ہم یہ سوچ کر خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں سے پہلو تہی کریں کہ یہ سزائیں موجودہ معاشرے کے لئے مناسب نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اس یقین کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر ہمیں اپنے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا ہے، اگر شریف شہریوں کو بد معاش لوگوں کے چنگل سے نجات دلانا ہے، اگر معاشرے میں عدل وانصاف کی صحیح فضا پیدا کرنی ہے تو خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ تعزیرات کو نافذ کرنا ضروری ہے، اگر مغربی دنیا اس پر شور مچاتی ہے اور اگر فاسد مزاج انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہم ان کی وجہ سے اپنے دین کو خیرباد نہیں کہہ سکتے، قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "یہود ونصاریٰ آپ سے کسی صورت میں بھی راضی نہ ہوں گے الا یہ کہ آپ ان کے دین کو قبول کرلیں"۔

سعودی عرب کے سابق حکمران شاہ عبدالعزیز کی مثال ہمارے سامنے ہے، ان کی حکومت کے قیام سے پہلے ملک میں کس قدر بدامنی تھی، کتنا فساد تھا، مگر انہوں نے لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر اسلامی قانون نافذ کیا، آج وہی ملک دنیا بھر میں امن وامان کا سب سے بڑا گہوارہ ہے، آج اسلام کو کسی عمر بن عبدالعزیزؒ، کسی صلاح الدین ایوبیؒ اور کسی اورنگ زیب عالمگیر کی ضرورت ہے جو حکومت کے تمام وسائل اسلام کے نفاذ کے لئے وقف کردے"۔

جناب صدر اب نئے عزائم کے ساتھ ایک بار پھر نفاذ اسلام کی مہم

پر نکلے ہیں، اس مہم کا انجام کیا ہوگا؟ تاہم عام تأثر یہ تھا کہ :

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لیکن جناب صدر نے ۱۵/جون ۱۹۸۸ء کو نفاذ شریعت آرڈی نینس کا تاریخی اعلان کر کے اس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے، بلاشبہ یہ آرڈی نینس موجودہ تاریک فضا میں، جو اکتالیس برس سے وطن عزیز کے افق پر چھائی ہوئی تھی، روشنی کی ایک کرن ہے، جس پر جناب صدر اور ان کے تمام رفقاً و معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں تاہم اس آرڈی نینس کے مضمرات کئی پہلوؤں سے، تفصیلی غور و فکر کے متقاضی ہیں، آئندہ ہم کوشش کریں گے کہ ان غور طلب امور کا خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد ن
النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

......جنرل ضیاٗ الحق مرحوم نے اپنے دور میں ایک اجتہاد کانفرنس بلائی تھی۔ بڑے بڑے جغادری اسکالروں کو اندرون و بیرون ملک سے مقالے پڑھنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ سامعین میں بڑی تعداد عدالت کے کرسی نشینوں کی تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو بھی مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے بجائے مقالہ پیش کرنے کے فی البدیہہ تقریر فرمائی، اس میں فرمایا:

"اصول فقہ میں اجتہاد کی بڑی کڑی شرائط ذکر کی گئی ہیں، مگر میں ان شرائط کو نظر انداز کرتا ہوں، لیکن اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجتہد کے لئے کم از کم ناظرہ قرآن پڑھے ہوئے ہونے کی شرط تو چاہئے"۔

اور پھر پہلی صف میں کرسی نشینان عدالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

"پہلے ان کو ناظرہ قرآن تو پڑھوالو"۔

مفتی صاحبؒ کے اس فقرے پر جج صاحبان کے منہ لٹکے ہوئے رہ گئے۔......

طلبأ اور اربابِ مدارس کی خدمت میں!

حضرت شہید رحمہ اللہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد:

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

"لایزال اللّٰہ یغرس فی الدین غرساً یستعملھم فی طاعتہ۔"

(ص: ۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا جن کو اپنی اطاعت میں استعمال فرمائے گا"۔

اس ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ کہنا بجا ہوگا کہ گزشتہ صدی میں ہمارے دینی مدارس ہی ویرانۂ ہند میں دین خداوندی کے باغبان رہے، انہوں نے دین کی آبیاری کی، اس کی سرسبزی وشادابی کو قائم رکھا، اس میں نئے نئے گل بوٹے لگائے، انہی کے دم سے علوم نبوت زندہ وتابندہ رہے، انہی کے طفیل "قال اللہ وقال الرسول" کی پاکیزہ صدائیں مشام جان کو معطر اور جذبات ایمان کو تازہ کرتی رہیں، انہی دینی مدارس کی برکت سے گلشن دین سدابہار رہا، یہی وہ قلعے تھے جن سے دین کا دفاع ہوا، یہی وہ چھاؤنیاں تھیں جن میں پاسبانی دین وملت کی تربیت دی گئی، یہی

وہ جزیرے تھے جو مغربیت کے طوفان بلاخیز میں دین اور اہل دین کا مأمن بنے رہے، اور جنہوں نے مادیت کے ایمان شکن تھپیڑوں میں ملت اسلامیہ کو ایمانی وروحانی غذا مہیا کی۔

بحمد اللہ ہمارے دینی مدارس سینکڑوں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اب تک اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن نئی صدی میں عالمی انقلابات اور اندرونی وبیرونی تغیرات کے جو خطرات لاحق ہیں وہ علمائے امت سے مزید عزیمت واستقامت کا تقاضا کرتے ہیں، انہیں بھرپور عزم اور ناقابل تسخیر حوصلہ وولولہ کے ساتھ مستقبل میں پاسبانی دین وملت کا فرض ادا کرنا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایمان ویقین کے اسلحہ سے لیس ہوں اور سلف صالحین کے نقش قدم پر مضبوطی سے قائم ہوں۔

علوم نبوت بہت ہی قیمتی متاع ہے اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ بہت ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہیں، وہ حق تعالیٰ شانہ کے اس احسان عظیم کا جتنا شکر بجالائیں کم ہے، اس لئے دینی علوم کے طلبہ کو اس عنایت الٰہی کا استحضار ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ انہیں علوم وحی کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، انہیں یہ دیکھ کر مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ آج کی مادیت زدہ دنیا ان کی ناقدر شناس ہے، یا ان کی عزت ومنزلت اور ان کے مرتبہ ومقام سے ناآشنا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ایک قطعہ منسوب ہے:

رضينا قسمة الجبار فينا
لنا علم وللجهال مال
فان المال يفنى عنقريب
وان العلم باق لايزال

ترجمہ: "ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم عطا فرمایا، اور جاہلوں کو مال دیا، کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم باقی اور لازوال دولت ہے"۔

زمین کے سارے خزانے اور یہاں کی ساری دولتیں ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کی قیمت نہیں، پس ایسی بے قیمت چیز پر جو لوگ اپنی صلاحتیں کھپا رہے ہیں ان کی طرف للچائی ہوئی

نظروں سے دیکھنااور اہل دنیا کے مقابلہ میں علومِ نبوت کے حاملین کا اپنے کو کمتر سمجھنادر حقیقت علوم نبوی کی ناقدری ہے، بہت سے نادان طلبہ اپنی ناداری و بیکسی اور ابنائے دنیا کی جھوٹی کروفر کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کی عظمت کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، اور نہ اس کروفر کی لعنت ہی سے واقف ہیں جن میں فساق و فجار مبتلا ہیں، حدیث میں ہے :

"لاتغبطن فاجراً بنعمته فانک لاتدری ماهو لاق بعد موته، ان له عند الله قاتلاً لايموت يعنی النار".

(رواہ فی شرح السنۃ مشکوۃ ص : ۴۴۷)

ترجمہ : "کسی فاجر کو ناز و نعمت میں دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد اسے کس چیز کا سامنا کرنا ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکے لئے ایسا قاتل ہے جو کبھی نہ مرے گا، یعنی آگ"۔

حضرات سلف صالحین اور ہمارے اکابر کا یہی مذاق تھا کہ وہ علوم نبوت کے حصول اور مرضیات الٰہی کی توفیق کو حق تعالیٰ شانہ کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے، اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اور عزت و منصب کو پرپشہ کے برابر نہیں جانتے تھے، حضرت پیران پیر شاہ گیلانیؒ کا قطعہ مشہور ہے جو شاہ سنجر کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا تھا :

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دل بود ہوس ملک سنجرم
زاں گاہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بجوئے نمی خرم

ترجمہ : "چتر سنجری کی طرح میرے نصیبے کا چہرہ سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس بھی ہو، جب سے مجھے "ملک نیم شب" کی دولت ملی ہے، میں ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں بھی لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

شیخ المشائخ شاہ غلام علی مجددی دہلوی کی خدمت میں کسی نواب نے ان کے مطبخ کے لئے کچھ اوقاف مخصوص کرنے کی پیشکش کی تھی، اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی خط کی پشت پر یہ شعر لکھ کر بھیج دیا:

یا آبروئے فقر وقناعت نمی بریم
با بادشاہ بگو کہ روزی مقرر است

ترجمہ: ”ہم فقر وقناعت کی آبرو کو بٹہ نہیں لگائیں گے، بادشاہ سے کہہ دو کہ روزی لکھی جاچکی ہے“۔

حاملین علوم نبوت کا مادی آسائشوں کی خاطر اہل دنیا کے سامنے ذلیل ہونا یا جھوٹی عزت ومنصب کے لئے ان کی طرف لپکنا بہت ہی مذموم ہے، حدیث میں ہے:

”ان اناساً من امتی سیفقھون فی الدین ویقرؤن القرآن یقولون ناتی الامرأ فنصیب من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا، ولایکون ذالک، کمالایجتنی من القتاد الا الشوک کذلک لایجتنیٰ من قربھم الا قال محمد بن الصباح کانہ یعنی الخطایا۔“

(رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ)

ترجمہ: ”میری امت کے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے، وہ کہیں گے کہ ہم امرأ کے پاس جاکر ان کی دنیا میں حصہ لگائیں گے، اور اپنے دین کو ان سے الگ تھلگ رکھیں گے، (کہ ان کے گناہ میں شریک نہیں ہوں گے) حالانکہ ایسا نہیں ہوگا، جس طرح قتاد کے جھاڑ سے کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان کے قرب سے گناہوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا“۔

اہل دنیا اگر مردار دنیا پر ناز کرتے ہیں تو اہل علم کو بجا طور پر اس نعمت پر ناز کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، اہل علم کا فرض ہے کہ وہ علوم نبوت کی تذلیل کا سبب نہ بنیں،

اور دنیا کی کسی دولت اور کسی منصب و اعزاز کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں، ان کی شان تو وہ ہونی چاہئے جو حدیث نبویؐ میں ارشاد فرمائی گئی ہے:

"نعم الرجل الفقيه ان احتيج اليه نفع وان استغنى عنه اغنىٰ نفسه۔" (رواہ رزین، مشکوٰۃ)

ترجمہ: "کیا ہی خوب ہے مرد فقیہ، کہ اگر لوگوں کو اس کی احتیاج ہو تو نفع پہنچاتا ہے اور اگر اس سے استغنا کیا جائے تو اپنے نفس کو بے نیاز کر لیتا ہے"۔

اہل علم، اہل دنیا کے محتاج نہیں، بلکہ انہیں سراپا استغنا ہونا چاہئے، ان کے پاس جو دولت ہے اہل دنیا اگر محتاج بن کر ان سے اس دولت کا استفادہ کرنا چاہیں تو "نعم الامير على باب الفقير" کا مصداق ہوں گے۔ لیکن اگر اہل علم، اہل دنیا کے محتاج بن کر ان کے دروازے پر جائیں تو "بئس الفقير على باب الامير" کے مصداق ہوں گے۔

دینی علوم کے حصول کا مقصد نہ دنیا کمانا ہے، نہ اہل دنیا کی نظر میں عزت و وجاہت حاصل کرنا، بلکہ اس کا مقصد محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا حصول ہے، اور یہ رضائے الٰہی محض حرف خوانی اور ورق گردانی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ احکام الٰہیہ کی تعمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن طیبہ کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے، پس علوم نبوت کے حاملین و طالبین کو سب سے زیادہ اہتمام اس کا ہونا چاہئے کہ ان کا علم صرف دانستن کی حد تک نہ رہے، بلکہ ان کا حال و قال اور ان کی پوری زندگی اس علم کے رنگ میں ڈھلنی چاہئے، عالم بے عمل حق تعالیٰ شانہ کی نظر میں بہت ہی مبغوض ہے، وہ صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتا بلکہ خلق خدا کی راہ بھی مارتا ہے، لوگ جسطرح عالم باعمل کے اخلاق کو دیکھ کر دین کی راہ پر آتے ہیں، اسی طرح عالم بے عمل کے کرتوتوں کو دیکھ کر دین سے متنفر اور برگشتہ بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے کہ عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے دہانے کا پتھر، کہ وہ نہ خود سیراب ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو سیراب ہونے دیتا ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم جو دل میں سرایت کر جائے، یہ علم تو نافع اور سود مند ہے۔ اور دوسرا وہ علم جو صرف زبان تک محدود ہو، یہ ابن آدم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت ہے، علم کے نافع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ

کہ وہ علم بذات خود صحیح ہو، دوسرے یہ کہ اس کا استعمال بھی صحیح ہو۔ اگر علم صحیح نہ ہو تو وہ بھی وبال ہے، اور اگر علم تو صحیح ہو مگر اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو وہ بھی وبال ہے، دینی علوم کی تحصیل میں نیت صحیح ہو گی تو علم بھی صحیح ہو گا، اور اس کا استعمال بھی صحیح ہو گا، لیکن اگر شروع سے ہی نیت فاسد ہو تو علم بھی فاسد اور اس کا استعمال بھی فاسد ہو گا، اسلئے سب سے زیادہ اہتمام تصحیح نیت کا ہونا چاہئے اور پھر اسکی ہمیشہ تجدید کرتے رہنا چاہئے، اہل بصیرت کے نزدیک تو دینی خدمات کی نیت سے علم حاصل کرنا مثلاً ہم وعظ و تقریر کریں گے، درس و تدریس میں مشغول ہوں گے، تصنیف و تالیف کریں گے وغیرہ وغیرہ، یہ نیتیں بھی علم کے لئے حجاب بن جاتی ہیں۔ حصول علم کی نیت تو بس یہ ہونی چاہئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات کو اپنائیں گے، اور نامرضیات سے اجتناب کریں گے، پھر حق تعالیٰ شانہ کو اس سے کوئی خدمت لینا ہو گی تو خود ہی لے لیں گے اور اس کی صورتیں بھی پیدا فرمادیں گے، بہر حال سب سے اہم واقدم تو خود اپنی اصلاح اور اپنی زندگی کو مرضیات الٰہی میں ڈھالنا ہے۔

جس طرح علم "بغیر استاد" عادۃً نہیں آتا، بلکہ اس کے لئے کسی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا ضروری ہے اسی طرح علم کا استعمال بھی سیکھنے کی چیز ہے، اور اس کے لئے کسی مرشد و مربی کی صحبت اور نگرانی ضروری ہے، اس اصلاح و تربیت کے بغیر نہ عادۃً علم کا صحیح استعمال آتا ہے اور نہ اس پر صحیح اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کو اس کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے کہ کسی صاحب ارشاد کی نگرانی میں اپنے نفس کی اصلاح کی جائے اور اسے خود رائی اور خودروی کے مرض میں مبتلا نہ ہونے دیا جائے۔ لیکن اب الا ماشاء اللہ اس کی ضرورت ہی ذہنوں سے نکل گئی ہے، اور صرف لفظ دانی و حرف خوانی ہی کو کافی دوانی سمجھ لیا گیا ہے، اسی کی نحوست ہے کہ سنن و آداب تو کجا؟ فرائض کا اہتمام بھی رفتہ رفتہ مٹ رہا ہے، اور اعمال نبوت کی وقعت و عظمت قلوب سے نکل رہی ہے، غیر مقصود چیزیں مقاصد کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں، اور اہم مقاصد ثانوی حیثیت اختیار کر رہے ہیں، فالی اللہ المشتکی۔

ہمارے دینی مدارس صرف حروف والفاظ کی مشق گاہیں نہیں ہونی چاہئیں، بلکہ ان کو اصلاح باطن کی تربیت گاہیں بننا چاہئے۔ حضرات مدرسین خود ذاکر و شاغل، اہل باطن اور صاحب نسبت ہوں، اور طلبہ ان کی خدمت میں جہاں علوم ظاہرہ سیکھیں وہاں اپنے اپنے ظرف واستعداد

کے مطابق ان کی صحبت میں حق تعالیٰ شانہ کی محبت اور دیگر باطنی کیفیات سے بھی بہرہ افروز ہوں ان کی پاکیزہ زندگی ایک مستقل درس حیات کی حامل ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل مدارس کا اکابرین اہل قلوب سے اصلاحی تعلق ہو، تاکہ دینی مدارس کی فضا اتباع سنت کے نور سے منور اور ذکر الٰہی سے معمور ہو۔

بے عنایات حق وخاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

ہمارے اکابر کو مقاصد کا اہتمام تھا، وسائل کو وسائل کے درجے میں رکھتے تھے، اور زوائد سے حتی الوسع احتراز فرماتے تھے، لیکن اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے مقاصد معدوم ہوتے جارہے ہیں، وسائل مقاصد کی جگہ لے رہے ہیں، اور زوائد کا اہتمام خوب زور وشور سے ہورہا ہے، مگر تعلیم کی سطح روزبروز گرتی جارہی ہے، کتابوں کی تدریس میں بھی مقاصد سے زیادہ زوائد پر زور دیا جانے لگا ہے، جس سے تعلیم کیفاً وکماً متاثر ہوتی ہے، ابھی نصف صدی پہلے ہمارا جو تعلیمی معیار تھا، اسکے مقابلہ میں موجودہ معیار صفر نظر آتا ہے۔ اساتذہ میں خلوص وانہماک، اوقات میں برکت اور دیگر مشاغل سے یکسوئی، اور طلبہ میں مطالعہ وتکرار کا شوق، تعلیمی موانع سے احتراز، اساتذہ سے تعلق ومحبت وغیرہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ قصۂ پارینہ بن رہی ہیں، ہمارے اکابر طلبہ کو بیعت نہیں فرماتے تھے کہ اس سے ان کی تعلیم میں حرج ہوگا، لیکن اب طلبہ بڑی پابندی اور شوق سے اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے ہیں، خبروں پر تبصرے کرتے ہیں مگر ان کے خیال میں ان کا کوئی تعلیمی حرج نہیں ہوتا۔ اسی طرح مدارس کے لئے تکثیر چندہ، یا تکثیر سواد پر بہت توجہ ہے لیکن جو طلبہ ان کے پاس امانت ہیں ان کی اصلاح وتربیت کا اتنا اہتمام نہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی قدس سرہ نے "تذکرۃ الخلیل" میں حضرت شیخ الہندؒ کے حالات میں اس تغیر کا عجیب نقشہ کھینچا ہے، طویل ہونے کے باوجود جی چاہتا ہے کہ یہاں ان کا پورا اقتباس نقل کردیا جائے، حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا، آپ نے (یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ نے) سر اٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی ایک بات کہوں، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ

ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا، اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسانہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے۔

اس کے بعد ذرادوسرا پہلو دیکھو کہ غدر (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جس کا نام انگریزوں نے غدر رکھ دیا تھااور مختصر اور حکومت کی وجہ سے وہی شائع ہو گیا حالانکہ پاکستان کا بیج اس وقت بویا گیا تھا جو نوے سال بعد پھل لے آیا، ناقل) کا زمانہ گزرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اس کے دیکھنے والے زندہ ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ناکردہ ان مظلوموں کا پرا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جاچکا تھا، وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک نعش کو اتارا جارہا ہے اور دوسرے کو زندہ چڑھایا جارہا ہے، اس طرح موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میر اشمار مردوں میں ہوا چاہتا ہے، بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعف ایمان کا الزام نہیں لگا سکتا، کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو، باوجود (یعنی عام آدمیوں میں) قلت علم اور غلبہ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا، اور آج بایں کثرت علم ضعف ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ بلکہ دو حرف (خطاب جیسے ڈاکٹر وغیرہ) انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلالو اور جو چاہے کرالو۔

عجیب بات ہے کہ قلت علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت، اور کثرت علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری، اس کے بعد فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک جگہ علامت قیامت بیان کیا علم کا

کم ہونا، اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا، اہل وطن نے بغیر دیکھے نور فراست سے تطبیق دی تھی مگر ہم بد نصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورت علم کثیر ہو گئی مگر حقیقت علم قلیل ہو گئی اور یہی خاص علامت ہے قرب قیامت کی۔

ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پا کر فرمانے لگے مولوی عاشق الٰہی میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدر کے ساتھ لئے جاتے تھے اور مدرسین و طلبہ کو چھپر کے سایہ میں بیٹھنا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا، بایں ہمہ علماً ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید و شاید، آج انہی روکھی سوکھی کھا کر پڑھنے والوں کی بدولت دین کا ماہتاب چمک رہا ہے، اور اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزار ہا روپیہ مقرر ہے اور امرأ و متمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں، مگر نہ علم میں وہ برکت ہے نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص، مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زائدہ میں ترقی اور عالی شان عمارتوں کی بھرمار، طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح امرأ جیسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض، آہ زمانہ ہی پلٹ گیا، ظاہر داری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن و اندرون ہر چیز کا جاتا رہا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے جو نتیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپیہ میں بھی نہیں نکلتا، ذرا سکوت فرما کر خود ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ اس زمانے میں حلت و حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا اور حب مال نے چرالیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدود شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے، اس لئے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا مگر حلال خالص

اور محنت وریاضت کا کمایا ہوا بابرکت آتا تھا، لہذا اسکے ثمرات بھی شیریں اور بابرکت ہوتے تھے، اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز وعدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا، لہذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتا ہے اور فضول تعمیرات میں خرچ ہو جاتا ہے یا زوائد امور میں صرف ہو جاتا ہے، چھنٹ چھنٹا کر جو حلال بچتا ہے وہ مد تعلیم میں صرف ہوتا ہے مگر وہ اقل قلیل ہے لہذا علم مورث کا ثمرہ بھی اقل قلیل۔

صدق الله العلی العظیم الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات"۔ (تذکرۃ الخلیل ص۱۸۱،۱۸۲)

ہمارے دینی مدارس میں جو طلبہ دینی علوم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں ان کی حیثیت مہمانان رسول ﷺ کی ہے اور اس حیثیت سے وہ بہت ہی لائق قدر ہیں، ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا:

"ان الناس لکم تبع وان رجالاً یأتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بهم خیراً۔" (جامع ترمذی ص۸۹ ج۲)

ترجمہ: "بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بے شک کچھ لوگ زمین کے اقطار واطراف سے دین قیم کی فہم حاصل کرنے کے لئے تمہارے پاس آئیں گے، اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے بارے میں (میں تم کو) بھلائی کی وصیت (کرتا ہوں۔ اسے) قبول کرو۔"

ابو ہارون العبدی کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب

ہم طلب علم کے لئے حاضر ہوتے تو وہ یہ کہہ کر ہمارا استقبال فرماتے: ”مرحبا بوصیة رسول اللہ ﷺ“۔ (مرحبا ان لوگوں کو جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی)۔

پس وصیت نبویؐ کے مطابق اہل مدارس اور حضرات اساتذہ کو دینی علوم کے طلبہ پر باپ سے زیادہ شفیق ہونا چاہئے۔ شفقت کے صرف یہ معنی نہیں کہ ان کی ہر ممکن خاطر ومدارات کی جائے، اور انکی راحت رسانی کا حتہ الوسع اہتمام کیا جائے بلکہ اصل شفقت یہ ہے کہ ان کے اوقات کو امانت سمجھ کر انہیں زیادہ سے زیادہ قیمتی بنایا جائے، تاکہ ان کے اوقات کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، ورنہ اہل مدارس اور حضرات اساتذہ سے اس کی مسئولیت ہو گی، اس سلسلہ میں جن باتوں کا اہتمام ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱:.... اوقات درس کی شدت سے پابندی کی جائے، اور نصاب کی جتنی مقدار سال کے لئے مقرر ہے اس کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے، اوقات درس میں ادھر ادھر کی باتیں نہ کی جائیں جس سے طلبہ کے سبق کا نقصان ہو، یا مقدار خواندگی متاثر ہو۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ سے ایک سوال وجواب نقل کرتا ہوں جس سے اس کام کی نزاکت کا اندازہ ہو سکے گا:

> ”سوال: مدرسہ کے وقت معین میں مدرس کو کوئی اپنا کام پیش آیا اور اس نے اپنا کام کیا اور خارج از وقت مدرسہ اس نے اس کے عوض تعلیم دی تو اس صورت میں وہ مستحق کل تنخواہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟
>
> جواب: مدرسی عقد اجارہ ہے، اگر باہم معاہدہ اجارہ کے وقت، وقت کی تعیین ہوئی ہے کہ فلاں وقت میں کام کرنا ہو گا تو دوسرے وقت میں کام کرنے سے مستحق اجر کا نہیں، اور اگر صرف مقدار معین ہوئی اور (وقت کی) تخصیص نہیں ہوئی تو مستحق اجر ہے۔ فقط“۔

(امداد الفتاویٰ ص ۳۵۶ ج ۳)

۲:.... اسی کے ساتھ اوقات درس سے طلبہ کی غیر حاضری وبے توجہی ان کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہے بغیر کسی قوی عذر کے اسکو برداشت نہ کیا جائے، اگر حضرات اساتذہ کو خود اسباق کا

اہتمام اور اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو تو طلبہ کی غفلت و بے توجہی کی نوبت شاذ و نادر ہی آسکتی ہے۔

۳ :.... آج کل درس میں لمبی لمبی تقریریں کرنے اور حشو وزوائد امور کو بیان کرنے کا رواج چل نکلا ہے، اس سے طلبہ پر استاذ کی قابلیت ولیاقت بلکہ ہمہ دانی کا رعب تو ضرور بیٹھ جاتا ہے مگر یہ چیز طلبہ کی استعداد کے لئے سم قاتل ہے، شفیق اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ اپنے ارشادات کتاب کے نفس مضمون کی وضاحت تک محدود رکھیں، اور کتاب کا خلاصہ طلبہ کے ذہن نشین کرادیں، زیادہ سے زیادہ بس اتنا کریں کہ اگر کوئی سوال بہت ہی متبادر ہو یا مصنف کی عبارت میں کوئی غلطی ہو تو اس کی طرف متوجہ کردیا کریں، زائد تقریریں نہ طلبہ کو یاد رہتی ہیں، اور نہ وہ ان کے لئے کار آمد و مفید ثابت ہوتی ہیں، اس لئے یہ لمبی لمبی تقریریں طلبہ کا وقت ضائع کرنے کے ذیل میں آتی ہیں، اسکے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ طلبہ میں کتاب فہمی کا ملکہ پیدا کرنے اور فن کے ضروری مسائل محفوظ کرانے کا اہتمام کیا جائے، ان لمبی تقریروں سے مقدار خواندگی بھی متاثر ہوتی ہے چنانچہ قیام پاکستان سے پہلے اساتذہ کے یہاں نحو میر سے کافیہ تک ایک سال میں ہو جاتا تھا مگر اب دو سال میں بھی یہ مقدار پوری نہیں ہوتی۔

۴ :.... حسن تدبیر سے طلبہ کو مطالعہ و تکرار اور محنت وانہماک کا عادی بنانا بھی ضروری ہے، طالب علمی کے زمانہ میں طلبہ کو تحصیل علم میں اس قدر انہماک ہونا چاہئے کہ انہیں محاورے کی زبان میں دنیا ومافیہا کی خبر نہ ہو، تجربہ یہ ہے کہ جو طالب علم کند ذہن اور غبی ہو مگر تحصیل علم میں ہمہ تن منہمک ہو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ اس کو دینی خدمات کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں-اس کے برعکس جو طالب علم بلا کا ذہین ہو مگر بے پروائی کے ساتھ پڑھتا ہو اور تن و توش یا سیر و تفریح میں وقت ضائع کرتا ہو وہ علم کی برکات سے محروم رہتا ہے اور بعد از فراغ اسے دینی خدمات کی توفیق نہیں ہوتی، چار چیزیں علمی برکت کا موجب ہیں، علمی انہماک، ورع و تقویٰ، اساتذہ کا احترام اور دینی کتابوں کا احترام، جس طالب علم سے ان چار میں سے ایک چیز بھی سلب کرلی جائے اس کا علم کبھی خیر و برکت کا موجب نہیں ہوتا۔

۵ :.... درس و مطالعہ کے علاوہ طلبہ کے اخلاق واعمال کی نگرانی بھی اہل مدارس اور حضرات اساتذہ کا فریضہ ہے، نوجوانی کو جنون کا ایک شعبہ کہا گیا ہے، اس زمانہ میں فہم ناپختہ اور جذبات

میں ہیجان ہوتا ہے، اسلئے نفس وشیطان کو دخل اندازی کا موقع زیادہ ملتا ہے، پھر فساد زمانہ اور ماحول کے اثرات بھی نوجوان طلبہ کے ذہن کو متاثر کرتے ہیں اس لئے دینی مدارس میں طلبہ کو اس طرح رہنااور رکھنا چاہئے جس طرح ایک شیر خوار بچہ اپنی والدہ کی گود میں ہوتا ہے۔ فرائض کی پابندی اور سنن وآداب کی بجاآوری کی انہیں عادت ڈالی جائے، غیر شرعی وضع قطع، لباس وپوشاک اور عادات واطوار سے ان کو بچایا جائے، اور اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا جائے کہ زمانے کی سرد وگرم ہوائیں ان کے ذہن وفکر کو متاثر نہ کریں۔

۶ :.... دین کا ایک اہم شعبہ اخلاقیات ہیں، پہلے زمانوں میں اخلاقیات پر متعدد کتابیں زیر تدریس رہا کرتی تھیں، اور پھر حضرات اساتذہ کی صحبت کیمیااثر سے بھی طلبہ بہت کچھ سیکھتے تھے، مگر اب نہ وہ فیضان صحبت ہے اور نہ کتابوں کے مطالعہ وتدریس کا رواج ہے، اس لئے اس شعبہ میں خاصی کمی محسوس ہونے لگی ہے، اور اس کی وجہ سے علم کے انوار وبرکات مٹتے جارہے ہیں، حضرات اساتذہ کرام اور اہل مدارس کو اسکے تدارک کی بھی فکر کرنی چاہئے، مختلف درجات کے مناسب اخلاق کی کتابیں بھی طلبہ کے زیر مطالعہ رہنی چاہئیں، اور مناسب ہوگا کہ حضرات اساتذہ وطلبہ کا ایک وقت اس کے لئے بھی مخصوص ہو۔

۷ :.... مادیت کے غلبے کی وجہ سے ہر طرف ہوا وہوس کا زور بندھ رہا ہے، نیکی وصلاح کی استعدادیں رفتہ رفتہ ختم ہورہی ہیں اور شر وفساد وبائے عام کی شکل اختیار کررہا ہے۔ بعض اوقات تو حالات کی شدت، فتنوں کی یلغار اور نیکی کی پسپائی کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید قیامت کے آنے میں اب زیادہ وقت نہیں رہا، ان تمام فتنوں کا علاج ذکر الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کا التزام ہے۔

یوں تو دینی علوم کا سیکھنا سکھانا بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے بلکہ یہ اعلیٰ ترین ذکر ہے، لیکن اس کے مثمر برکات ہونے کے لئے بھی اصلاح نفس اور اخلاص وخشیت درکار ہے۔ اگر اہل مدارس اس طرف توجہ فرمائیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک وقت ایسا تجویز کرلیا جائے جس میں قرب وجوار کے اہل ذکر جمع ہوجایا کریں، اور حضرات اساتذہ اور کچھ مخصوص طلبہ اس وقت ذکر واذکار میں مشغول رہیں اور ذکر سے فراغ کے بعد کوئی اصلاحی کتاب پڑھ کر سنادی جائے تو یہ سلسلہ بہت سی برکات کا موجب اور فتنوں کے انسداد کا باعث ہوسکتا ہے۔ کئی سال سے حضرت اقدس

مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی دامت فیوضہم اہل مدارس کو مدارس میں سلسلہ ذکر جاری کرنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ "بصائر و عبر" میں اس پر لکھ بھی چکے ہیں، زمانہ جن بے پناہ فتنوں کی لپیٹ میں ہے، ان کا تریاق ذکر الٰہی اور رجوع الی اللہ ہی ہو سکتا ہے، اور یہ فریضہ سب سے زیادہ علماً و صلحاً پر عائد ہوتا ہے، اس لئے حضرات علمأ کرام اور اہل مدارس کو اس طرف خصوصی طور پر متوجہ ہونا چاہئے، حق تعالیٰ شانہ امت مرحومہ پر رحم فرمائیں، اور دینی مدارس کو تمام آفات و فتن سے محفوظ رکھ کر ان کے برکات سے امت کو مستفید فرمائیں۔ آمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوۃ البریة محمد
وآله واصحابه واتباعه اجمعین

(بینات ربیعین ۱۴۰۱ھ)

☆

......اگر جناب صدر واقعتاً پاکستان میں اسلامی انقلاب لانا اور اس ملک کو اس کے مقصود وجود سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ چھوٹے بڑے تمام سرکاری اہلکاروں کے لئے اسلامی شعائر کی پابندی لازم قرار دی جائے، اور اس پابندی کو سرکاری ملازمت کے لئے اولین شرط قرار دیا جائے۔

انگریز کے دور حکومت سے ہمارے سرکاری حلقوں میں یہ خیال رچ بس گیا تھا کہ مذہب ہر شخص کا انفرادی و ذاتی مسئلہ ہے، یہی خیال آج بھی سرکاری اہلکاروں میں کار فرما ہے، یہ خیال ایک لادینی ریاست میں تو شاید کوئی معقولیت رکھتا ہو لیکن پاکستان جیسی نظریاتی مملکت میں اس کا کوئی جواز نہیں، جس ریاست کے اہلکار، افسران اور ملازمین اسلامی شعائر کے پابند نہ ہوں وہ اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق ہے اور نہ صبح قیامت تک وہاں اسلامی نظام پنپ سکتا ہے۔ اب ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ اگر ہم اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں تو ہمیں اس کے راستے کے اس پتھر کو ہٹانا ہوگا، اور اگر صاحب صدر یہ محسوس فرماتے ہیں کہ سرکاری اہلکاروں پر اسلامی شعائر کی پابندی ممکن نہیں، بلکہ یہ معاملہ بدستور "رضاکارانہ" ہونا چاہئے، تو پھر اس عزم کا اظہار کہ ہم اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں عقل و فہم سے بالاتر چیز ہے۔

دینی مدارس کے خلاف زہرافشانی

حضرة مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد:

روزنامہ جنگ کراچی (۲/جنوری ۱۹۹۰ء) کی اشاعت میں ادارتی صفحہ پر احمد ندیم قاسمی کا کالم شائع ہوا جس میں ایک مراسلہ نگار کے حوالے سے مدارس عربیہ کے خلاف زہر افشانی کی گئی ہے، قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

"ویسا ضلع اٹک سے شیر علی خان صاحب رقم طراز ہیں کہ آپ نے اپنے ایک کالم میں "یہ خوبصورت الفاظ" لکھے تھے کہ "جو قومیں اپنے ذہن سے سوچنا ترک کر دیتی ہیں بلکہ بعض مسائل کے بارے میں سوچنا گناہ سمجھتی ہیں وہ اپنے آپ کو منجمد کر ڈالتی ہیں"۔ ان الفاظ کے حوالے سے انہیں بعض دینی مدارس یاد آگئے، شیر علی صاحب کا ارشاد ہے کہ کچھ عرصہ پہلے پنجاب میں زکوۃ کے چیف ایڈمنسٹریٹر نے بتایا تھا کہ گزشتہ نو سال میں دینی مدارس کو ۴۳ کروڑ ۸۴ لاکھ ۲۰ ہزار روپے زکوۃ فنڈ میں سے دیئے گئے اور اس رقم سے ۲۰۸۴ دینی مدارس کے ۸۸ ہزار سات سو پچانوے طلبہ نے استفادہ کیا، شیر علی صاحب نے ایڈمنسٹریٹر صاحب کو لکھا کہ برائے

کرم ان اعداد و شمار کے علاوہ یہ بھی بتلایئے کہ ان دینی مدارس میں پڑھایا کیا جاتا ہے؟ وہاں کون لوگ پڑھتے ہیں؟ پڑھانے والے کون ہیں؟ اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں؟ کیا ان دینی مدارس میں کوئی بچہ ایسا بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو؟ کیا وہ سیاسی عناصر جو ہمہ وقت اسلام اور اسلامی نظام کی رٹ لگائے رکھتے ہیں، ان مدرسوں میں اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے بھیجتے ہیں؟ اگر نہیں بھیجتے اور یہ طے ہے کہ نہیں بھیجتے تو معلوم ہونا چاہئے کہ کیوں نہیں بھیجتے؟

جو طلبہ ان مدرسوں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہ کسی مسجد میں امامت کے علاوہ کیا اور کسی کام کے قابل ہوتے ہیں؟ جب کہ امامت کا معاملہ بھی مشکوک رہتا ہے کیونکہ ہماری مسجدیں بھی تو دیوبندی اور بریلوی اور شیعہ اور سنی اور اہل حدیث اور وہابی وغیرہ وغیرہ میں تقسیم ہو چکی ہیں، یا پھر صاف صاف کہئے کہ ان مدرسوں کے صرف یہ فوائد ہیں کہ منتظمین کی روٹی چلتی ہے اور غریب بچے جو دوسرے اسکولوں میں نہیں پڑھ سکتے یہاں داخل ہو جاتے ہیں- مانگے تانگے کی روٹی کھاتے ہیں اور جب مدرسوں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو جب بھی ان بے چاروں کا گزارہ مفت کی روٹی پر ہوتا ہے، تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مروجہ تمام مضامین ریاضی اور سائنس اور تاریخ کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے، قرآن مجید مسلمانوں کے ہر فرقے کا مشترکہ سرمایہ ہے، اس لیے قرآن پاک کی تعلیم سے فرقہ سازی کی بیماری بھی ختم ہو جانے کا امکان ہے اور دین و دنیا کی تفریق کا بھی، شیر علی خان صاحب کے یہ مبارک خیالات ہماری طرف سے کسی نوع کے اضافے کے محتاج نہیں ہیں۔“

مراسلہ نگار نے دینی مدارس کے طلبہ پر نوسال میں ۳۴ کروڑ ۸۴ لاکھ ۲۰ ہزار روپے کی زکوۃ خرچ کرنے کا جو احسان دھرا ہے ذرا حساب لگا کر دیکھئے کہ یومیہ فی طالب علم کتنی رقم بنتی ہے۔

ان دنوں پر مذکورہ بالا ۳۴۸۴۲۰۰۰۰ روپے کی رقم کو تقسیم کیا گیا تو فی دن خرچ ہونے والی زکوۃ ہوئی ۱۰۳۰۲۰ روپے۔

اور ایک لاکھ تیس ہزار روپے کی رقم کو اٹھاسی ہزار سات سو پچانوے طلبہ پر تقسیم کیا گیا تو فی طالب علم یومیہ رقم ہوئی ایک روپیہ سولہ پیسے، گویا مراسلہ نگار کی ساری غوغا آرائی کا "حاصل یہ ہوا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو ایک روپیہ سولہ پیسے کی زکوۃ کیوں دی گئی؟ اس قوم کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی داد دینی چاہئے جس کے افراد اپنے دین کی تعلیم پر ایک روپیہ سولہ پیسے کی "خطیر" رقم خرچ کرنے پر احتجاج کر رہے ہوں اور وہ بھی ٹیکس کی رقم نہیں بلکہ زکوۃ کی رقم سے۔ افسوس ہے کہ ان اعداد و شمار کو پیش کرتے ہوئے نہ تو مراسلہ نگار کو گھن آئی اور نہ ہمارے ملک کے نامور ادیب جناب احمد ندیم قاسمی کو مراسلہ نگار کے ان گھٹیا اور "نامبارک خیالات" کو اپنے کالم میں جگہ دیتے ہوئے کوئی خفت محسوس ہوئی۔

محترم مراسلہ نگار نے چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب سے دینی مدارس کے طلبا پر خرچ کی گئی زکوۃ کے اعداد و شمار تو بڑی دلچسپی سے معلوم کر کے شائع کر دیئے (حالانکہ مراسلہ نگار کو بھی اعتراف ہے کہ جن طلبہ پر یہ زکوۃ (ایک روپیہ سولہ پیسے یومیہ) خرچ کی گئی وہ نادار ہونے کی وجہ سے زکوۃ کا صحیح مصرف تھے) کاش کہ انہوں نے چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب سے یہ معلوم کرنے کی زحمت فرمائی ہوتی کہ اس نو سال کے عرصہ میں زکوۃ کا بے محل استعمال کس قدر ہوا؟ کتنی رقم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا پر (مسلم و غیر مسلم کی رعایت کئے بغیر) خرچ کی گئی؟ کتنی رقم نام نہاد رفاہی کاموں میں بغیر تملیک کے لگادی گئی؟ کتنی رقم سرکاری اہلکاروں کے حصہ میں آئی؟ کتنی رقم بطور رشوت استعمال کی گئی؟ اور جتنی رقم دینی مدارس کو دی گئی اس میں کتنا کمیشن زکوۃ کے عملہ نے وصول کر لیا؟ شاید اس کا ریکارڈ جناب چیف صاحب کے دفتر میں بھی محفوظ نہیں ہوگا لیکن کراماً کاتبین کے دفتر میں یقیناً محفوظ ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ زکوۃ کی جو رقم اپنے صحیح مصرف پر خرچ کی گئی اس پر تو جارحانہ انداز میں احتجاج کیا جارہا ہے اور زکوۃ کی

جو رقم ایسی جگہوں پر خرچ کی گئی جن سے زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ہی ادا نہیں ہوئی، اس پر نہ کوئی سوال اور نہ احتجاج ؟

مراسلہ نگار نے سوال کیا ہے کہ ان دینی مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے ؟ وہاں کون لوگ پڑھتے ہیں ؟ پڑھانے والے کون اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں ؟ کیا ان دینی مدارس میں کوئی ایسا بچہ بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو ؟

مراسلہ نگار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ان دینی مدارس میں قرآن کریم، حدیث نبوی ﷺ، اسلامی قانون، اسلامی عقائد وغیرہ علوم نبوت پڑھائے جاتے ہیں اور بعض وہ علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں، جو ان علوم کے لئے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم کا سمجھنا ممکن نہیں، اگر مراسلہ نگار کی نظر میں ان علوم نبوت کی کوئی قیمت نہیں تو ہم انہیں عقل وفہم کے لحاظ سے معذور سمجھتے ہیں، اور اگر انکے خیال میں ان علوم کا زندہ رکھنا اور ان میں تخصص پیدا کرنا بھی امت کی ذمہ داری ہے تو دینی مدارس کے خلاف مراسلہ نگار کی "غوغا آرائی" آوازِ سگاں نہ کندرزق گدارا" کا مصداق ہے۔

رہا یہ کہ ان دینی مدارس میں کون لوگ پڑھتے ہیں جواباً گزارش ہے کہ مراسلہ نگار کو مطمئن ہونا چاہئے کہ بحمد اللہ ! وہاں سکھوں اور یہودیوں کے بچے نہیں پڑھتے بلکہ مسلمانوں کے بچے ہی زیر تعلیم ہیں۔

مراسلہ نگار پوچھتے ہیں کہ دینی مدارس میں پڑھانے والے کون ہیں ؟ اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں ؟ گزارش ہے کہ جو شعبہ دینی مدارس کے اساتذہ کے سپرد ہے وہ بحمد اللہ ! اس میں مہارت رکھتے ہیں اور بغیر کسی فخر ومباہات کے کہا جاسکتا ہے کہ اس شعبہ میں بڑے بڑے پی ایچ ڈی انکے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔باقی یہ مراسلہ نگار کی بلند نظری ہے کہ ان کے نزدیک یہود ونصاریٰ کے علوم کو پڑھنے پڑھانے والے تو تعلیم یافتہ ہیں لیکن علوم نبوت کے پڑھنے پڑھانے والے ان کی نظر میں تعلیم یافتہ نہیں۔

رہا مراسلہ نگار کا یہ کہنا کہ کیا دینی مدارس میں کوئی ایسا بچہ بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، اس سلسلے میں چند گزارشات ہیں :

اول تو مراسلہ نگار کی اطلاع کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بحمد اللہ ! ان مدارس

میں ایک معقول تعداد ان طلبہ کی بھی ہے جن کا تعلق کھاتے پیتے مگر دیندار گھرانوں سے ہے، مراسلہ نگار ذرا زحمت فرماکر ملک کے اہم دینی مدارس میں تشریف لے جائیں، وہاں جاکر بچشم خود ملاحظہ فرمائیں۔

دوم: اگر فرض کرلیا جائے کہ ان دینی مدارس میں ایک بھی بچہ ایسا نہیں پڑھتا جسکا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہو تو مراسلہ نگار ہی بتائیں کہ اس میں قصور دینی مدارس کا ہے؟ یا کھاتے پیتے گھرانوں کا؟ اگر کھاتا پیتا گھرانہ دولت کی بدمستی میں دین اور دینی تعلیم سے بے نیاز ہوچکا ہے، تو یہ اسکی بدبختی و شقاوت ہے، دین، دینی تعلیم اور دینی مدارس پر کیا الزام ہے؟ یہ حق تعالیٰ شانہ کی تقسیم ہے کہ اکثر و بیشتر دین اور دینی علوم کے پاسبان غریب اور پسماندہ طبقہ ہی رہا ہے۔

سوم: مراسلہ نگار کا دینی مدارس پر یہ طنز کرنا کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے ان میں کیوں تعلیم نہیں پاتے؟ یہ بالکل وہی بات ہے جو مکہ کے کافر قرآن کریم پر طنز کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن ایک غریب آدمی پر کیوں نازل کیا گیا؟ مکہ اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی کھاتے پیتے آدمی پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیسی ستم ظریفی ہے کہ مراسلہ نگار آج کفار مکہ کی ترجمانی کرتے ہوئے محمد ﷺ کے جانشینوں پر وہی بھپتی اڑا رہے ہیں جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر اڑایا کرتے تھے۔

مراسلہ نگار لکھتے ہیں کہ جو طلبہ ان مدارس سے فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں وہ کسی مسجد کی امامت کے علاوہ کیا اور کسی کام کے قابل ہوتے ہیں؟ گویا مسجد کی امامت اور دوسرے دینی مشاغل مراسلہ نگار کے نزدیک کوئی کام ہی نہیں، بھنگیوں کا کام تو مراسلہ نگار کے نزدیک "کام" ہے مگر قرآن کریم کا پڑھنا اور پڑھانا اور دینی علوم کی تعلیم دینا، مسلمانوں کو پیش آمدہ ضروریات میں رہنمائی کرنا، ان کو شرعی مسائل بتانا سرے سے کوئی کام ہی نہیں؟ دنیا کا کون مسلمان ہوگا جو مراسلہ نگار کی اس ذہنی پرواز کی داد نہ دے گا؟

مراسلہ نگار کی عقل و دانش صرف اس بات پر احتجاج کررہی ہے کہ ایک روپیہ سولہ پیسے کی زکوٰۃ ایسے لوگوں کو کیوں دی جارہی ہے جن کی سرگرمیاں صرف اور صرف دین تک محدود ہیں۔ ممکن ہے کہ کل کوئی مراسلہ نگار سے بھی زیادہ عقل مند شخص یہ احتجاج کرنے لگے کہ قومی خزانے کا کھربوں روپیہ فوج پر کیوں خرچ کیا جارہا ہے جب کہ بیس سال سے ہماری کسی

ملک سے جنگ ہی نہیں ہوئی اور نہ اتنی بڑی فوج کا کوئی مصرف سامنے آیا ہے۔

سپریم کورٹ، ہائی کورٹ اور دیگر عدالتوں پر اتنا بڑا سرمایہ کیوں خرچ کیا جارہا ہے جب کہ بظاہر غریب عوام کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا اور نہ کوئی غریب کسی عدالت سے رجوع کرسکتا ہے، ایسے سوالات اٹھانے والا یا تو ملک کا دشمن تصور کیا جائے گا اور اسے فوری طور پر گرفتار کرکے پس دیوارِ زنداں بھیجا جائے گا، یا اس بے چارے کو ذہنی معذور قرار دے کر اسے کسی دماغی اسپتال میں داخل کرنے کا مشورہ دیا جائے گا، ٹھیک اسی طرح مراسلہ نگار کا دینی مشاغل، و مصروفیات کو ”بے کار“ قرار دینا اس کا منشا یا تو دین دشمنی ہے یا ذہنی افلاس کہ:

فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست

مراسلہ نگار کو دین پر خرچ ہونے والے ایک روپیہ سولہ پیسے کی گراں قدر زکوۃ کی رقم بری طرح چبھ رہی ہے اور وہ اس پر احتجاج کر رہے ہیں کہ یہ بھیک ان بے کار لوگوں کو کیوں دی جارہی ہے؟ لیکن کیا کوئی شخص یہ دریافت کرسکتا ہے کہ لاکھوں روپے یومیہ جن ادبی و تعلیمی اداروں کو دئے جارہے ہیں ان سے فارغ ہونے والے ادیبوں، شاعروں لاکھوں تعلیم یافتہ افراد نے ”شغل بے کاری“ کے سوا قوم کو کیا دیا ہے؟ اور ان کا مشغلہ ہلڑبازی، لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے سوا کیا ہے؟ ان اداروں کے خلاف آپ نے کبھی احتجاج نہیں کیا جن کو قوم کے نونہالوں نے ”میدان کارزار“ بنا رکھا ہے اور جن کی وجہ سے قوم کا ناک میں دم ہو رہا ہے، آپ دینی مدارس کے طلبہ کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو بے چارے معاشرے کیلئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتے، قوم کو شرافت اور شائستگی ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔

آخر میں مراسلہ نگار نے افلاطون و ارسطو سے عقل مستعار لے کر یہ تجویز پیش کی ہے کہ ان دینی مدارس کو اسکولوں میں تبدیل کردیا جائے۔ ماشاء اللہ اسکولوں اور کالجوں سے فارغ ہونے والے بے کار گریجویٹوں کی کھیپ شاید پہلے کچھ کم ہے جس میں اضافہ کا مراسلہ نگار مشورہ صادر فرما رہے ہیں- مراسلہ نگار سے اس ضمن میں بس اتنی ہی گزارش کرنا چاہوں گا کہ آپ ہزارہا دینی مدارس کو ختم کرنے کی کوشش کر دیکھیں یہ ان شاء اللہ ختم نہیں ہوں گے- جب حکومت ان کو زکوۃ کے چند ٹکے نہیں دیتی تھی، یہ جبھی چل رہے تھے، اور آئندہ اگر حکومت ”معارف پروری“ اور دینی اقدار کی بلندی کے جذبے سے اس خیرات کو بند کرنے کا فیصلہ کرلے

تب بھی یہ دینی مدارس چلتے رہیں گے، جب تک اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم اور علوم نبوت کا دنیا میں رکھنا منظور ہے اس وقت تک قرآن کریم اور علوم نبوت کے حاملین کی خدمات زندہ وپائندہ رہیں گی، ہم نے پہلے بھی دینی مدارس کو مشورہ دیا تھا اور اب اس مشورہ کو پھر دہراتے ہیں کہ بھوکوں مرنا گوارا کریں لیکن حکومت کے ہاتھ سے ایک پیسہ کی امداد قبول نہ کریں، (گو زکوٰۃ کا پیسہ خالصتاً عوام کا پیسہ ہے جس کا حکومت کے مالیاتی ذرائع سے کوئی تعلق نہیں ہے) ان شاء اللہ، انکے لئے اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانوں سے سامان پیدا ہوگا کہ :

"خدا خود میر ساماں ہست اربابِ توکل را"

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆

...... جناب صدر نے نفاذ اسلام کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کی ہوگی، لیکن بقول مولانا محمد یوسف دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سابق امیر تبلیغ کے "ان لوگوں کو نفاذ اسلام کے لئے کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ جنبی کو نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے" جناب صدر جس قسم کا اسلام اس ملک میں لانا چاہتے ہیں وہ بھی ان کے عملی اقدامات سے واضح ہے، یعنی جس میں موسیقاروں کو آلات موسیقی عطا کئے جائیں، خواتین کی ہاکی ٹیمیں مقابلوں کے لئے بیرون ملک بھیجی جائیں۔ وغیرہ وغیرہ :

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ہمارا جرم صرف یہی نہیں کہ ہم نے اب تک (تمام اختیار واقتدار کے باوجود) اس ملک کو قانون اسلام سے محروم رکھا، بلکہ اس سے بدتر جرم یہ ہے کہ اسلامی قانون کو بہ نظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔ اسے دقیانوسی سمجھا جاتا ہے اور برملا یہ کہا جاتا ہے کہ بارہ چودہ سو سال کے دقیانوسی قانون جدید معاشرے میں جوں کے توں کیسے نافذ ہو سکتے ہیں۔ ان کو معاشرہ پر منطبق کرنے کے لئے اصلاح وترمیم اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہمارے محاکم عدلیہ نے (انگریز کے کافرانہ قانون کے تحت فیصلے کرکے) عدل وانصاف کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ قانون اسلام کو نافذ کرنا اگر فسق اور عملی کفر تھا تو اسلامی قانون کی تحقیر کرنا، اس میں اصلاح وترمیم کی ضرورت سمجھنا اور اس کے مقابلے میں انگریز کے قانون کفر کو عدل وانصاف کا پرچم بلند کرنے والا سمجھنا خالص اور صریح کفر ہے......

عدالتی بیان

حضرت شہیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج سے بیس اکیس سال قبل حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال نامہ کے جواب میں مشہور فرقوں کے عقائد پر نہایت غیر جانبدارانہ مگر مدلل اور دل نشین پیرایہ میں ایک تحریر سپرد قلم کی تھی جو ماہنامہ "بینات" رجب شعبان ۱۳۹۹ھ میں اشاعت خاص کی صورت میں شائع ہوئی، اس تحریر کو اندرون وبیرون ملک تمام مسلمانوں نے بے حد پسند کیا، خصوصاً اہل حق اکابر علمأ دیوبند نے اسکی بے حد تحسین فرمائی۔ اسکو بعد میں "اختلاف امت اور صراط مستقیم" کے نام سے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ جس کے بحمد اللہ لاکھوں نسخے پوری دنیا میں تقسیم ہو چکے ہیں، اس مقالہ کا ایک حصہ شیعہ فرقہ کے بنیادی عقائد سے متعلق تھا۔ جو ماہنامہ "الرشید" لاہور بابت محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تو شیعہ حضرات نے مضمون نگار حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف عدالت میں مقدمہ کر دیا کہ مضمون نگار نے اس مضمون میں ہماری طرف غلط عقائد منسوب کر کے ہماری دل آزاری کی ہے نیز یہ کہ اس مضمون میں درج عقائد ہمارے عقائد نہیں ہیں، لہذا مضمون نگار کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے اور ماہنامہ "الرشید" کا محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کا شمارہ ضبط کیا جائے، اس موقع پر حضرت شہیدؒ نے عدالت میں جواب دعویٰ کے طور پر جو مقالہ داخل کیا وہ تاحال غیر مطبوعہ تھا، مناسب

معلوم ہوا کہ اسے افادہ عام کی غرض سے شائع کر دیا جائے۔ (سعید احمد جلال پوری)

جناب عالی گزارش ہے کہ :

۱ : .... ماہنامہ "الرشید" جلد ۸ شمارہ ۱ بابت محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء میں میرا جو مضمون شائع ہوا ہے وہ میرے ایک طویل خط کا ایک حصہ ہے، یہ خط کتابی شکل میں "اختلاف امت اور صراط مستقیم" کے نام سے ماہنامہ "بینات" کراچی بابت رجب، شعبان ۱۳۹۹ھ مطابق جون، جولائی ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۲ : .... میرا یہ خط ایک سائل کے جواب میں تھا، جس نے یہ لکھا تھا کہ ہم چند آدمی دبئی میں رہتے ہیں، ہم آپس میں رشتہ دار ہیں مگر ہمارے درمیان مذہبی اختلاف ہے، اکثر بحث و مباحثہ کی نوبت آجاتی ہے۔ اب ہم نے متفقہ طور پر آپ سے (راقم الحروف سے) رجوع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کتاب و سنت کی روشنی میں جو کچھ لکھیں گے ہم اس پر عمل کرینگے۔

۳ : .... چونکہ ان حضرات نے اپنے اختلاف کے تصفیہ کے لئے مجھے حکم تسلیم کیا تھا، اور میرے فیصلے پر اعتماد کا اظہار کیا تھا، اس لئے میرا فرض تھا کہ میں اپنے علم کے مطابق کتاب و سنت کی روشنی میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں اسکی طرف ان حضرات کی راہنمائی کروں اور جن مسائل میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے ان کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر صاف صاف بیان کر دوں۔ میری تحریر کو پڑھنے کے بعد ان کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں....

۴ : .... مذکورہ بالا گزارشات سے واضح ہو جاتا ہے کہ میری یہ کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" مسلمانوں کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، تاکہ مسلمانوں کے سامنے صحیح راہ واضح ہو جائے اور وہ غور و فکر کے بعد اس پر متفق ہو سکیں۔

۵ : .... سائلان کی جانب سے مجھ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں نے شیعہ عقائد و نظریات صحیح نہیں لکھے، اور انہوں نے مجھے چیلنج کیا ہے کہ میں ان الزامات کو ثابت کرنے کے لئے شیعہ کتب عدالت میں پیش کروں، میں سائلان کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے ان مسائل کی عدالتی تحقیقات کے لئے استغاثہ کیا، اور عدالت میں شیعہ کتابیں پیش کرنے کا

مطالبہ فرمایا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس عدالتی تحقیقات سے شیعہ، سنی اختلافات کے مٹانے میں مدد ملے گی اور فریقین میں سے جو شخص غلطی پر ثابت ہو اسے اپنی غلطی کی اصلاح کا موقع ملے گا۔

۶:...... میں سائلان کے چیلنج کو بخوشی قبول کرتا ہوں، اور سائلان نے میرے مضمون کی جن عبارتوں کو نشان زد کیا ہے ان کا ثبوت شیعہ لٹریچر سے پیش کرتا ہوں۔

۷:..... میں نے لکھا تھا کہ:

"نظریاتی اختلاف کی ابتدا پہلی بار سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ خلافت میں ہوئی، اور یہی شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز ہے۔"

فاضل سائلان نے میرے اس فقرہ کو تاریخ اور شیعہ عقائد کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے جن کی قیادت محمد بن ابوبکر کر رہے تھے..."

اس تنقید میں سائلان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اختلافات کا ظہور ان لوگوں سے ہوا جنہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کی قیادت میں خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا۔ اور انہیں شہید کر دیا۔ جو حضرات شیعہ لٹریچر سے واقف ہیں انہیں علم ہے کہ محمد بن ابوبکر شیعہ تھے، چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشی میں ان کا شمار شیعان علیؓ میں کیا ہے۔ شیعہ مذہب کے ایک بڑے عالم قاضی نور اللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ) اپنی کتاب "مجالس المؤمنین" ص ۲۷۷، مطبوعہ ایران ۱۲۷۵ھ، میں لکھتے ہیں:

"محمد بن ابی بکر بن ابی قحافة التمیمی القرشی: مادراو اسماء بنت عمیس است که دراصل زوجۂ حمزه بن عبدالمطلب بود، چوں حمزه شهید شد ابوبکر اورا بعقد خوددر آورد– ومحمد در سال حجة الوداع ازو در وجود آمد– وچوں ابوبکر بمرد حضرت امیرالمؤمنین علیه السلام اورا عقد نمود– ومحمد ربیب وپروردۂ آنحضرت بود، وشیخ ابوعمر، وکشی روایت نمود که درمجلس

شریف حضرت امام جعفر صادق علیه السلام ذکرمحمد بن ابی بکر میگذشت،آنحضرت براو صلوات ورحمت میفرستاد– وایضاً از حضرت محمد باقر علیه السلام روایت نموده که محمد بن ابی بکر باحضرت امیر المؤمنین علیه السلام بربرأت ازشیخین بیعت نمود"–

جب قاتلین عثمانؓ کے قائد محمد بن ابی بکر شیعہ تھے تو اس سے واضح ہوا کہ اختلافات کا ظہور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں ہوا، اور اسی سے شیعہ مذہب کا ظہور شروع ہوا–

۸ :..... میں نے لکھا تھا کہ : " شیعہ عقائد و نظریات کے بانی یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاً)"–چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "رجال کشی میں" عبداللہ بن سبا کو شیعان علی میں ذکر کرتے ہوئے مصنف نے اس کے غالیانہ عقائد بڑی تفصیل سے لکھے ہیں اور اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے :

" وذکربعض اهل العلم ان عبدالله بن سبا کان یهودیاً فاسلم، ووالٰی علیا علیه السلام، وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو، فقال فی اسلامه بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وآله فی علی علیه السلام مثل ذالک، وکان اول من اشهر القول بفرض امامة علی، واظهر البراء ة من اعدائه، وکاشف مخالفیه وکفرهم، فمن هنا قال من خالف الشیعة ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیهودیة "– (ص ۱۰۱)

۹ :..... میں نے شیعہ حضرات کے نظریہ امامت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جو حیثیت عام مسلمانوں کے نزدیک ایک صاحب شریعت نبی کی ہے شیعہ حضرات کے نزدیک وہی حیثیت "امام" کی ہے، وہ بھی مبعوث من اللہ ہوتے ہیں، وہ بھی معصوم عن الخطا ہیں، ان کی اطاعت بھی

غیر مشروط طور پر فرض ہے- ان پر وحی بھی ہوتی ہے، اور وہ قرآن کریم کے احکام کو منسوخ یا معطل کرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں- ہمارے سائلان نے اس سے بھی انکار کیا ہے- حالانکہ اگر شیعہ مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور مقام امامت کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ نبی اور امام میں صرف نام کا اصطلاحی فرق ہے، ورنہ دونوں کے مرتبہ و مقام میں واقعتاً کوئی فرق نہیں، میں بنظرِ اختصار شیعہ مذہب کی دو کتابوں "اصول کافی" اور "ترجمہ مقبول" سے صفات ائمہ کی ایک فہرست پیش کرتا ہوں- اس سے مرتبہ امامت کا اندازہ کیا جاسکے گا:

۱ :.... "اماموں کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر قائم نہیں ہوتی-"
(اصول کافی ص ۱۷۷-ج ا کتاب الحجۃ)

۲ :.... "اماموں کی اطاعت فرض ہے-" (ایضاً ص ۱۸۵-ج ا)

۳ :.... "امام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اللہ کے گواہ ہیں-"
(ایضاً ص ۱۹۰)

۴ :.... "امام ہی ہدایت کنندہ ہیں-" (ایضاً ص ۱۹۱)

۵ :.... "امام، اللہ کے ولی الامر اور اس کے علم کے خازن ہیں-"
(ایضاً ص ۱۹۲)

۶ :.... "امام زمین پر اللہ کے خلیفے اور اللہ کے دروازے ہیں جن سے آیا جاتا ہے-" (ایضاً ص ۱۹۳)

۷ :.... "امام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں-" (ایضاً ص ۱۹۴)

۸ :.... "زمین صرف اماموں کے وجود سے قائم ہے-"
(ایضاً ص ۱۹۶)

۹ :.... "امت کے اعمال نبی کریم ﷺ پر اور اماموں پر پیش ہوتے ہیں-" (ایضاً ص ۲۱۹)

۱۰:....."امام، معدن علم، شجرۂ نبوت ہیں اوران کے پاس فرشتوں کی آمدورفت ہوتی ہے-" (ایضاص ۲۲۱)

۱۱:....."اماموں کو آنحضرت ﷺ کا اور پہلے کے تمام انبیأ واصفیأ کا علم حاصل ہے-" (ایضاص ۲۲۳)

۱۲:....."قرآن صرف اماموں نے پوراحاصل کیا ہے، اوروہی اس کا پوراعلم جانتے ہیں-" (ایضاص ۲۲۸)

۱۳:....."اماموں کواسم اعظم حاصل ہوتا ہے-" (ایضاص ۲۳۰)

۱۴:....."انبیاءعلیہم السلام کی آیات اماموں کے پاس ہوتی ہیں-" (ایضاص ۲۳۱)

۱۵:....."امام ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو فرشتوں، نبیوں اوررسولوں کی طرف نکلے ہیں-" (ایضاص ۲۵۵)

۱۶:....."امام جب بھی کسی چیز کو جاننا چاہیں جان لیتے ہیں-" (ایضا ص ۲۵۸)

۱۷:....."امام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے-" (ایضاص۲۵۸)

۱۸:....."امام ماکان ومایکون کو جانتے ہیں اوران پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی-" (ایضا ص ۲۶۰)

۱۹:....."اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضورؐ کو سکھایا حضرت علیؓ کو اس کے سکھانے کا حکم دیا- اور حضرت علیؓ علم میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہیں-" (ایضا ص ۲۶۳)

۲۰:....."دین کے اختیارات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اور اماموں کو دے رکھے ہیں-" (ایضا ص ۲۶۵)

۲۱:....."ایک روح جو جبریل ومیکائیل سے بھی عظیم تر ہے- اور جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی وہ ہمیشہ

اماموں کے ساتھ رہتی ہے اور ان کو خبریں دیتی اور سیدھا رکھتی ہے-"

(ایضاً ص ۲۷۳)

۲۳ :.... "امامت خدا کی طرف سے ایک عہد ہے جو ہر امام کے بعد آنے والے امام کے لئے کیا جاتا ہے-" (ایضاً ص ۲۷۷)

۲۴ :.... "امام جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد اور حکم سے کرتے ہیں-اس سے تجاوز نہیں کرتے-" (ایضاً ص ۲۷۹)

۲۵ :.... "فرشتے اماموں کے پاس آتے ہیں اور خبریں لاتے ہیں-" (ایضاً ص ۳۹۳)

۲۶ :.... "اماموں کا حکم جب ظاہر ہو جائے تو بغیر گواہی کے فیصلے کرتے ہیں-" (ایضاً ص ۳۹۷)

۲۷ :.... "جو بات امام سے ملے وہ حق ہے اور اس کے ماسوا سب باطل ہے-" (ایضاً ص ۳۹۸)

۲۸ :.... "اماموں کی بات کا سمجھنا بہت مشکل ہے-"

(ایضاً ص ۳۹۹)

۲۹ :.... "ساری زمین اماموں کی ہے- جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں-" (ایضاً ص ۴۰۱)

۳۰ :.... "بنی اسرائیل سے اماموں کے بارے میں عہد لیا گیا- (ترجمہ مقبول ص ۱۴)

۳۱ :.... "حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اماموں کے طفیل قبول ہوئی-" (ایضاً ص ۲۶)

۳۲ :.... "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اماموں کی بزرگی تسلیم کی تو ان کو امامت ملی-" (ایضاً ص ۲۶)

۳۳ :.... "امام ہی امت وسط ہیں وہی زمین پر حجت ہیں، وہی حلال و حرام سے واقف ہیں-" (ایضاً ص ۴۱)

۳۴ :.... "صرف امام ہی انسان ہیں- ان کے شیعہ صورت انسان ہیں-باقی سب سناس (لنگور) ہیں-"
(ایضا ص ۱۷۱)

۳۵ :.... "خدا کی سب سے بڑی نعمت جو مخلوق کو ملی وہ اماموں کی امامت وولایت ہے-"
(ایضا ص ۳۱۵)

۳۶ :.... "علیؓ اور اولاد علیؓ کے لئے مسجد نبوی میں عورتوں سے مقاربت حلال ہے-"
(ایضا ص ۴۳۴)

۳۷ :.... "حضرت نوح علیہ السلام کو اماموں کے طفیل غرق ہونے سے نجات ملی-"
(ایضا ص ۴۵۰)

۳۸ :.... "جس نبی نے کچھ ورثہ چھوڑا وہ سب محمدؐ و آل محمدؐ کو مل گیا-"
(ایضا ص ۴۹۰)

۳۹ :.... "حضورؐ تمام انبیائے سابقین سے افضل ہیں ان کے بعد علیؓ کا درجہ ہے، پھر اماموں کا-"
(ایضا ص ۵۷۲)

۴۰ :.... "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اماموں کے طفیل خوف سے امن ملا-"
(ترجمہ مقبول ص ۶۲۸)

۴۱ :.... "اماموں کی اطاعت رسولؐ کی طرح واجب ہے اور وہ معجزے دکھلانے پر قادر ہیں-"
(ایضا ص ۷۷۹)

۴۲ :.... "امام شفاعت بالاذن سے مستثنی ہیں-"
(ایضا ص ۷۸۹)

۴۳ :.... "روزانہ ستر ہزار فرشتے اماموں کی زیارت کو آتے ہیں-"
(ایضا ص ۸۶۷)

۴۴ :.... "حضورؐ صرف حضرت علیؓ کی عظمت اور شان جتلانے کے لئے آئے تھے-"
(ایضا ص ۸۷۱)

۴۵ :.... "امام، عالم نور میں عرش کے گرد صف باندھ کر تسبیح کیا کرتے تھے، پس فرشتوں نے اماموں کی تسبیح سے تسبیح کرنا سیکھی-"

(ایضاً ص ۹۰۲)

۴۶ :.... "اماموں کی بزرگی تسلیم کرنے پر نبی اولوالعزم انبیاء بنے۔" (ایضاً ص ۱۰۰۹)

۴۷ :.... "لیلۃ القدر میں روح القدس اور کل فرشتے اماموں پر نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ لکھ چکے ہیں وہ سب ان حضرات کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔" (ایضاً ص ۱۱۹۵)

۴۸ :.... "حضرت آدم علیہ السلام نے اماموں کا نہ اقرار کیا نہ انکار اس لئے وہ اولوالعزم نہ ہوئے۔" (ایضاً ص ۶۳۷)

۴۹ :.... "خدا تعالیٰ نے اماموں کی ولایت پانیوں پر پیش کی جس نے قبول کر لی وہ میٹھا ہو گیا۔ جس نے نہیں کی وہ کڑوا ہو گیا۔" (ایضاً ص ۷۲۵)

۵۰ :.... "حضورؐ بھی رجعت فرمائیں گے۔ حضرت علی بھی اور ائمہ معصومین بھی۔" (ص ۷۸۸)

ان پچاس صفات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرات شیعہ کے نزدیک ائمہ معصومین کا مرتبہ کیا ہے؟ ان کو اگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر اطلاع خداوندی کے نہیں ہو سکتا۔ اور اطلاع خداوندی کا نام وحی ہے۔ اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبی ﷺ میں ہے:

"عن محمد بن سنان قال کنت عندابی جعفر الثانی علیه السلام، فاجریت اختلاف الشیعة، فقال یامحمد: ان الله تعالیٰ لم یزل متفردا بوحدانیته ثم خلق محمدا و علیا وفاطمة فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء، فاشهدهم خلقها واجریٰ طاعتهم علیها، وفوض امورها الیهم، فهم یحلون مایشاؤون ویحرمون مایشاؤون- ولن یشاؤوا الا ان یشاء الله تبارك وتعالیٰ"- (ص ۴۴۱ ج ۱)

ترجمہ: "محمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں ابو جعفر ثانی حضرت محمد تقی

کے پاس بیٹھا تھا کہ میں نے شیعوں کے اختلاف کا ذکر چھیڑ دیا، آپ نے فرمایا: اے محمد! اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت میں اکیلے تھے، پس محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار زمانہ ٹھہرے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں پیدا فرمائیں، اور ان حضرات کو سب کی تخلیق پر گواہ بنایا، پھر ساری مخلوقات پر ان کی اطاعت کا حکم جاری فرمایا- اور کائنات کے امور ان کے سپرد فرمائے- پس وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں، اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں، اور وہ نہیں چاہتے، مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کائنات کے سارے امور اماموں کے سپرد ہیں اور انہیں تحلیل و تحریم کے اختیارات بھی حاصل ہیں، مگر یہ اختیارات، مشیت الٰہی کے تابع ہیں، حق تعالیٰ شانہ انہیں اپنی مشیت سے آگاہ فرمائیں گے تب وہ کسی چیز کو حلال یا حرام کر سکتے ہیں اور یہ آگاہی وحی کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے عقیدۂ امامت بغیر عقیدۂ وحی کے ممکن نہیں۔

۱۰:.... میں نے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا نظریۂ امامت فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا، بلکہ اس نے اماموں کا سلسلہ بارہویں امام پر ختم کر کے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غار میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا- آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزرتی ہیں مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ بارہویں امام کہاں ہیں؟ اور کس حالت میں ہیں؟"-

سائلان نے اس پر صرف اتنی تنقید کافی سمجھی ہے کہ "یہ تحریر کر کے واضح منافرت کا ارتکاب کیا ہے"- حالانکہ میں نے اسکی جو عقلی دلیل بیان کی تھی اگر اس پر بہ نظر انصاف غور فرمایا جاتا تو معلوم ہو سکتا تھا کہ اس فقرہ میں کسی منافرت کا ارتکاب نہیں کیا گیا، بلکہ عقیدہ امامت کو عقل و نقل کی کسوٹی پر جانچنے کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، اگر میرے استدلال میں کوئی سقم تھا تو فاضل مدعیان اسکی نشاندہی فرما سکتے تھے-

۱۱:.... میں نے لکھا تھا کہ "شیعہ مذہب جن اکابر کو امام معصوم کہتا ہے انہوں نے نہ کبھی امامت کا دعویٰ کیا- نہ مخلوق خدا کو اپنی اطاعت کی عام دعوت دی، بلکہ وہ سب کے سب اہل سنت کے اکابر اور مسلمانوں کی آنکھوں کا نور تھے- ان کا دین و مذہب، ان کا طور و طریق اور ان کی

عبادت کبھی شیعوں کے اصول و عقائد کے مطابق نہیں ہوئی، بلکہ وہ سب صحابہؓ و تابعینؒ کے طریقہ پر تھے، وہی دین جو آنحضرت ﷺ چھوڑ کر گئے تھے اور جس پر ساری دنیا کے مسلمان عمل پیرا تھے، یہ اکابر بھی ساری دنیا کے سامنے اسی پر عمل کرتے تھے"۔

فاضل سائلان کو میرے اس فقرے سے بھی ناگواری ہوئی ہے۔حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ان کے ساتھ معاشرتی تعلق رکھتے تھے، اور انہوں نے حضرات خلفائے ثلثہ کے مقابلہ میں کبھی خلافت و امامت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ تمام امور میں ان کے مشیر و وزیر رہے۔ حضرت سبط اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ کس کو معلوم نہیں کہ انہوں نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی۔بعد کے تمام اکابر بھی عام مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے۔ کبھی کسی نے نہ خلافت و امامت کا دعویٰ کیا، نہ لوگوں کو برملا دعوت دی، مجھے حیرت ہے کہ اتحاد و اتفاق کا جو نقشہ ان بزرگوں نے پیش کیا آج ہمارے شیعہ بھائیوں کو اس کا ذکر بھی ناگوار ہے۔

۱۲:..... میرے محترم دوستوں کو اس بات سے بھی ناگواری ہوئی ہے کہ شیعوں کا ایمان موجودہ قرآن حکیم پر نہیں، اور یہ کہ "اصلی تے وڈا قرآن بارہویں امام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔" میں محترم سائلان سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں نے ان پر یہ کوئی ناجائز الزام نہیں لگایا، بلکہ ان کی معتبر اور مستند کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اسی کی ترجمانی کی ہے۔اس سلسلہ میں بطور نمونہ دو چار شہادتیں پیش کردینا کافی سمجھتا ہوں:

(۱)..... اصول کافی کتاب فضل القرآن ج۲ ص ۶۳۳ میں سالم بن مسلمہ سے روایت ہے:

"قرأ رجل علی ابی عبدالله علیه السلام وانااستمع حروفا من القرآن لیس علیٰ مایقرأها الناس—فقال ابوعبدالله :کف عن هذه القرأة، اقرأ کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم، فاذا قام القائم قرأ کتاب الله عزوجل علی حده، واخرج المصحف الذی کتبه علیّ علیه السلام— وقال اخرجه علیّ علیه السلام الی الناس حین فرغ منه— فقال لهم هذا کتاب الله عزوجل کما انزله (الله) علی محمد صلی الله

علیه وآله، وقد جمعته من اللوحین، فقالوا هوذا عندنا مصحف جامع فیه القرآن لاحاجة لنافیه، فقال:اماوالله ماترونه بعد یومکم هذا ابدا، انما کان علیّ ان اخبرکم حین جمعته لتقرؤوه"۔

ترجمہ :..... "سالم بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؒ کے سامنے قرآن کریم کے چند حروف عام مسلمانوں کے خلاف پڑھے، آپ نے فرمایا کہ : اس قرأت سے باز رہو، اسی طرح پڑھو جس طرح عام مسلمان پڑھتے ہیں، یہانتک کہ امام مہدی ظاہر ہوں، وہ جب ظاہر ہوں گے تو کتاب اللہ کو ٹھیک اسکی حد کے مطابق پڑھیں گے، اور وہ مصحف نکالیں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا- حضرت علیؓ جب اس کو لکھ کر فارغ ہوئے تھے تو اس کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جیسی کہ محمد ﷺ پر نازل کی گئی تھی- میں نے اس کو لوحین سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس مصحف موجود ہے جس میں قرآن کریم جمع ہے، ہمیں آپ کے مصحف کی ضرورت نہیں، آپ نے فرمایا، سنو : اللہ کی قسم تم اس کو آج کے بعد کبھی نہ دیکھو گے، یہ میرا فرض تھا کہ جب میں نے اسے جمع کیا تو تم کو اسکی خبر دیتا، تاکہ تم اسے پڑھتے-"

(۲)..... اصول کافی کتاب فضل القرآن ج ۲، ص ۶۳۴ میں روایت ہے :

"عن هشام بن سالم عن ابی عبد الله علیه السلام قال: ان القرآن الذی جاء به جبرئیل علیه السلام الی محمد صلی الله علیه وآله سبعة عشر الف آیة"۔

ترجمہ :..... "ہشام بن سالم امام جعفر صادق کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ کی طرف لائے تھے اسکی سترہ ہزار آیتیں تھیں-"

(۳)..... شیعہ مذہب کے ایک بہت بڑے عالم و مجدد ملا باقر مجلسی اس حدیث کی

شرح میں لکھتے ہیں :

"ولایخفی ان هذا الخبر وکثیر من الاخبار الصحیحة صریحة فی نقص القرآن وتغییره، وعندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنیٰ، وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد رأساً، بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لایقصر عن اخبار الامامة، فکیف یثبتونها بالخبر۔" (مرآۃالعقول جلد ۲ص ۵۳۶ مطبوعہ اصفہان)

ترجمہ : "اور مخفی نہ رہے کہ یہ حدیث اور بہت سی احادیث صحیح قرآن میں کمی اور تغیر و تبدل ہونے میں صریح ہیں اور میرے نزدیک تحریف قرآن کی احادیث معنیٰ متواتر ہیں، ان تمام کو چھوڑ دینا سرے سے احادیث پر اعتماد ہی کو ختم کر دیتا ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تحریف قرآن کی احادیث، مسئلہ امامت کی احادیث سے کسی طرح کم نہیں، اب اگر روایات تحریف پر اعتماد نہ کیا جائے تو احادیث سے مسئلہ امامت کیسے ثابت ہوگا؟"

(۴)....احتجاج طبرسی (مؤلفہ شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی) شیعہ مذہب کی مشہور کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں :

"ان علیا جاء نا بالقرآن وفیه فضائح المهاجرین والانصار وقد رائینا ان نؤلف القرآن و نسقط منه ماکان فیه فضیحة وهتك للمهاجرین والانصار فاجابه زید۔" (ص ۷۸)

ترجمہ : "(حضرت عمرؓ نے کہا کہ) حضرت علیؓ ہمارے پاس قرآن لائے تھے اور اس میں مہاجرین وانصار کے عیوب تھے، ہماری رائے ہے کہ ہم قرآن جمع کریں اور ان عیوب کو ساقط کر دیں جو علیؓ کے قرآن میں ہیں، زید نے اس کو منظور کر لیا۔"

(۵)....شیعہ مذہب کی مشہور تفسیر "الصافی" کے مقدمہ سادسہ کا عنوان ہے 'چند روایات جو جمع قرآن اور اسکی تحریف اور اسکی کمی بیشی کے بارے میں وارد ہیں اور اسکی

تاویل-"اس میں مصنف تحریف قرآن کی بہت سی روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"اقول :المستفاد من جميع هذه الاخبار وغيرها من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذى بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمدصلى الله عليه وآله- بل منه ماهو خلاف ما انزل الله- ومنه ماهومغير محرف، وانه قدحذف عنه اشياء كثيرة"- (ص ٣٢-ج١)

ترجمہ :"میں کہتا ہوں کہ ان تمام احادیث سے اوراس قسم کی اورروایات سے، جواہل بیت سے مروی ہیں، جوچیز حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن پورا پورا وہ قرآن نہیں جو محمد ﷺ پرنازل ہواتھا- بلکہ اس کاکچھ حصہ ماانزل اللہ کے خلاف ہے، اورکچھ محرف و مبدل ہے، اوراس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں-"

(٦)....آگے چل کرلکھتے ہیں :

"واما اعتقاد مشائخنا فى ذالك، فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن يعقوب الكلينى طاب ثراه انه كان يعتقد التحريف والنقصان فى القرآن، لأنه كان روىٰ روايات فى هذا المعنى فى كتابه الكافى ولم يتعرض لقدح فيها- مع انه ذكر فى اول الكتاب انه كان يثق بمارواه فيه، وكك استاذه على بن ابراهيم القمى، فان تفسيره مملؤمنه، وله غلوفيه، وكك الشيخ احمد بن ابى طالب الطبرسى، فانه ايضاً نسج على منوالهما فى كتاب الاحتجاج- واما الشيخ ابوعلى الطبرسى فانه قال فى مجمع البيان- اما الزيادة فيه فمجمع على بطلانه- واما النقصان فيه فقدروىٰ جماعة من اصحابنا وقوم من الحشوية العامة ان فى القرآن تغييراً ونقصاناً-والصحيح من مذهب اصحابنا خلاف هوالذى نصره المرتضى واستوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء"

(ص۳۴ج۲)

ترجمہ: "رہا ہمارے مشائخ کا عقیدہ؟ تو ثقتہ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی کے طرز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تحریف و تبدیل قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب "الکافی" میں اس مضمون کی بہت سی روایات نقل کی ہیں اور ان میں کوئی جرح نہیں کی، جبکہ وہ آغاز کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ وہ اس کتاب کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں، اسی طرح کلینی کے استاذ علی بن ابراھیم قمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تفسیر اس سے بھری پڑی ہے اور انہیں اس بارے میں غلو ہے، اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ کتاب احتجاج میں اسی طرز پر چلے ہیں، لیکن شیخ ابو علی طبرسی "مجمع البیان" میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں زیادتی کے غلط ہونے پر تو اجماع ہے، باقی رہی قرآن میں کمی؟ تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اور حشویہ عامہ کی ایک جماعت روایت کرتی ہے کہ قرآن میں تبدیلی اور کمی ہوئی ہے- اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے، سید مرتضٰی نے اس کی تائید کی ہے- اور اس پر بھرپور کلام کیا ہے-"

اس کے بعد مصنف تفسیر صافی نے قرآن کے صحیح سالم محفوظ ہونے پر سید مرتضٰی کی دلیل پیش کر کے اسے رد کیا ہے- جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی حفاظت کا سامان جہاں مومنین کی طرف سے بہت کچھ تھا، وہاں منافقوں اور وصیت کے تبدیل کرنے والوں کی طرف سے اس کی تحریف و تبدیلی کا سامان اس سے بڑھ کر تھا، اور قرآن کا حفظ اور ضبط شدید تحریف کے بعد ہوا، پھر تحریف اصل قرآن میں نہیں ہوئی، وہ تو ائمہ کے پاس محفوظ ہے، محرف قرآن تو وہ ہے جو تبدیل کرنے والوں نے اپنے پیروؤں کے سامنے ظاہر کیا-

شیعہ اکابر کی بے شمار عبارتوں میں سے یہاں چند عبارتوں پر اکتفا کرتا ہوں، ان تصریحات سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

الف:..... شیعہ حضرات دو ہزار سے زائد روایات ائمہ معصومین کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں، اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے جمع کیا تھا،

جس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں، وہ قرآن صحابہؓ نے قبول نہیں کیا، وہ ائمہ کے پاس محفوظ رہا، اب امام غائب کے پاس ہے، اور جب تک ان کا ظہور نہیں ہوتا دنیا اسکی زیارت سے محروم رہے گی۔

ب :..... یہ روایات جو تحریف قرآن کے سلسلہ میں معصوم اماموں سے مروی ہیں معناً متواتر ہیں اور ان کا تواتر روایات امامت کے تواتر سے کسی طرح کم نہیں، اگر ان روایات سے قرآن کی تحریف ثابت نہیں ہوتی تو مسئلہ امامت بھی ثابت نہیں ہوتا، بلکہ پھر سرے سے ائمہ معصومین کی طرف منسوب کی گئی روایات ہی ناقابل اعتماد ثابت ہوتی ہیں جو شیعہ مذہب کی بنیاد و اساس ہیں۔

ج :..... چونکہ ائمہ معصومین سے تواتر کے ساتھ تحریف قرآن ثابت ہے اور ان کے مقابل ایک روایت بھی امام معصوم کی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ قرآن میں کبھی کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی اسلئے تمام متقدمین شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، مثلاً ثقۃ الاسلام شیخ کلینی، ان کے شیخ قمی، شیخ احمد طبرسی وغیرہ۔ شیعہ علماً میں چار بزرگوں نے تحریف کا انکار کیا ہے۔ مگر ان کے ہاتھ ائمہ معصومین کی کوئی روایت نہیں، اس لئے شیعہ علماً نے ان کے استدلال کو رد کیا ہے، غالباً اپنے ائمہ معصومین کے ارشاد کے خلاف ان بزرگوں کا عقیدہ تقیہ پر مبنی ہوگا، ورنہ ائمہ معصومین کے خلاف صدق دل سے کوئی عقیدہ رکھتا ہے؟

(۷)..... شیعہ مذہب کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک زندیق کا ایک طویل مکالمہ مذکور ہے، جس کا کچھ حصہ تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ میں بھی نقل کیا گیا ہے، وہ زندیق قرآن کریم پر اعتراضات کرتا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اعتراضات اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ منافقوں نے قرآن کریم میں تحریف کر ڈالی، اور قرآن کریم میں ایسے مضامین بھر دئے جن سے ان کے کفر کے ستون قائم ہو سکیں:

”ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لایعلمون تاویله الی جمعه وتالیفه وتضمینه من تلقائهم مایقیمون به دعائم کفرهم“۔

(تفسیر صافی ص ۳۰، ج۱)

ترجمہ: ”پھر جب ان کے سامنے ایسے مسائل آئے جن کی تاویل

کو وہ نہیں جانتے تھے تو یہ لوگ قرآن کی جمع و تالیف پر مجبور ہوئے، اور انہوں نے قرآن میں اپنی طرف سے ایسے مضامین بھر دئے جن سے وہ کفر کے ستونوں کو قائم کر سکیں۔"

(۸)....اسی مکالمہ کے آخر میں حضرت علیؓ اس زندیق کو فرماتے ہیں:

"ولوعلم المنافقون لعنهم الله ماعليهم من ترك هذه الايات التى بينت لك تاويلها لاسقطوا مع ماسقطوامنه–" (ص ۳۱-ج۱)

ترجمہ: "جو آیات منافقوں نے قرآن مجید میں رہنے دی ہیں جن کی تاویل میں تیرے سامنے بیان کر چکا ہوں-اگر ان لوگوں کو علم ہوتا کہ یہ آیات بھی ان کے خلاف ہیں تو جہاں قرآن کی باقی آیات کو انہوں نے ساقط کر دیا تھا وہاں ان کو بھی حذف کر دیتے-"

(۹)....اسی مکالمہ میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صرف ایک مقام سے تہائی قرآن حذف کر دیا گیا-

"یعنی سورۂ نسأ کی آیت "وان خفتم الاتقسطوا فى اليتمىٰ فانكحوا ماطاب لكم من النساء" میں "اليتمى" اور "فانكحوا" کے درمیان سے تہائی قرآن اڑا دیا گیا، جس کی وجہ سے مضمون گڑبڑ ہو گیا-" (ص ۳۱)

(۱۰)....اسی مکالمہ کے آخر میں حضرت علی فرماتے ہیں:

"ولوشرحت لك كل ماسقط وحرف وبدل مما يجرى هذا المجرىٰ لطال و ظهر ماتحظر التقية اظهاره من مناقب الاولياء ومثالب الاعداء–" (ص ۳۲)

ترجمہ: "اولیأ کے جو مناقب اور دشمنوں کے جو عیوب قرآن سے نکال دئے گئے ہیں اور قرآن میں جو جو تحریفیں اور تبدیلیاں کی گئی ہیں اگر ان سب امور کی تشریح کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی- اور وہ بات ظاہر ہو جائے گی جس کے اظہار سے تقیہ مانع ہے-"

میں نے شیعہ کتب کے بے شمار حوالوں میں سے یہاں صرف دس حوالے نقل کرنے

پر اکتفا کیا ہے، جن سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

الف :..... شیعہ لٹریچر کے مطابق ائمہ معصومین کا عقیدہ یہ تھا کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں- اصل قرآن امام غائب کے پاس محفوظ ہے- موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے- اور منافقوں نے اس میں کمی بیشی اور ادل بدل کر دی ہے، اور یہ کہ موجودہ قرآن سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں-

ب :..... تحریف قرآن پر ائمہ معصومین کے ارشادات متواتر ہیں اور ان کا تواتر مسئلہ امامت کی روایات سے کسی طرح کم نہیں، اب اگر ان متواتر اقوال سے قرآن کی تحریف ثابت نہیں ہوتی تو شیعہ مذہب کا مسئلہ امامت بھی ثابت نہیں ہو سکتا؟ بلکہ شیعہ روایات سے یکسر اعتماد اٹھ جاتا ہے-

ج :..... متقدمین شیعہ اپنے ائمہ معصومین کے عقیدے کے مطابق یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ موجودہ قرآن منافقوں کا جمع کیا ہوا ہے، یہ اصل قرآن نہیں، بلکہ اصل قرآن امام غائب کے پاس ہے، جو حضرت علی نے جمع کیا تھا، اور جس کی زیارت کسی شیعہ کو آج تک نصیب نہیں ہوئی-

د :..... صاحب تفسیر صافی نے صرف چار شیعہ علماً کا قول نقل کیا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو صحیح سمجھتے تھے اور اس پر ایمان رکھتے تھے وہ چار حضرات یہ ہیں :

(۱) شیخ ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان-

(۲) شیخ سید مرتضیٰ-

(۳) شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی-

(۴) شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی- (تفسیر صافی ج اول ص ۳۴ تا ۳۶)

لیکن ان صاحبوں نے اپنے عقیدے پر ائمہ معصومین کی کوئی روایت پیش نہیں کی، بلکہ قرآن کریم کے صحیح ہونے پر انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد تمام مسلمان قرآن پڑھتے اور حفظ کرتے تھے، صحابہ کرامؓ نے حفاظت قرآن کے لئے خاص اہتمام کئے تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی متواتر کتاب میں تحریف ہو جائے؟ لیکن علمائے شیعہ نے اس استدلال کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے، کہ صحابہؓ تو سب کے سب سوائے

معدودے چند آدمیوں کے دین سے منحرف ہوگئے تھے، وہی قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے، اور حفظ وغیرہ کا اہتمام تحریف ہوچکنے کے بعد شروع ہوا۔

(دیکھئے تفسیر صافی ص ۳۵-ج۱)

ان چار صاحبوں کا عقیدہ چونکہ ائمہ معصومین کے عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے کوئی شیعہ ان کی تقلید نہیں کرسکتا، اور چونکہ یہ بزرگ بھی ائمہ معصومین کے خلاف عقیدہ نہیں رکھ سکتے تھے، اس لئے ان کا ایمان بالقرآن کا دعویٰ بھی تقیہ پر محمول ہے۔ یعنی عقیدہ تو ان کا بھی وہی تھا جو ائمہ معصومین کے متواتر ارشادات سے ثابت ہے۔ مگر محض ظاہر داری کے طور پر یہ حضرات موجودہ قرآن کے اصل قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور ان حضرات کا یہ کہنا کہ "ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے" اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ عقیدہ تو ائمہ معصومین کی تعلیم کے مطابق تحریف قرآن کا رکھو، مگر ظاہر داری کے طور پر تقیہ کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کرتے رہو کہ ہم موجودہ قرآن کو اصل قرآن سمجھتے ہیں، کیونکہ تقیہ شیعہ مذہب کا رکن اعظم ہے، اور دین کے نو حصے صرف تقیہ میں ہیں۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی باب ۹۷ ص ۲۴۰)

۱۳:.... مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی تھی جو شیعہ کتب میں نہ ہو۔ سائلان کا یہ دعویٰ کہ وہ موجودہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اصل قرآن امام غائب کے پاس نہیں مانتے یہ دعویٰ بھی تقیہ کی بنا پر ہوسکتا ہے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے ائمہ معصومین کے دوہزار سے زائد ارشادات سے انحراف کریں اور پھر شیعہ بھی رہیں، بہر حال اگر ان کا یہ دعویٰ تقیہ پر مبنی نہیں تو عدالت میں لکھ کر دیدیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو تحریف قرآن کے قائل تھے یا ہیں اور اس تمام لٹریچر کو بھی غلط اور لائق ضبط سمجھتے ہیں جن میں تحریف قرآن کا نظریہ درج کیا گیا ہے۔ اگر سائلان ایسی تحریر لکھ دیں تو میں عام رسالوں اور اخباروں میں شائع کردوں گا کہ میں نے موجودہ شیعوں کی طرف تحریف قرآن کا جو عقیدہ منسوب کیا وہ غلط تھا، شیعہ حضرات اب تحریف قرآن کے قائل نہیں، بلکہ وہ ایسے لوگوں سے بری اور بیزار ہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہوں، یا رکھتے تھے۔

۱۴:.... شاید خیال ہو کہ متقدمین شیعہ تو تحریف قرآن کے قائل ہوں گے، اور اپنے ائمہ معصومین کی ہدایت و تعلیم کے مطابق اصل قرآن کو امام غائب کے پاس مانتے

ہوں گے، مگر موجودہ زمانے کے شیعوں نے اپنا عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق بنالیا ہو گا، مگر یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ موجودہ دور کے شیعہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن محرف ومبدل ہے، اصل قرآن امام غائب کے ساتھ پوشیدہ ہے۔ جب وہ ظاہر ہونگے تو اصل قرآن بھی ظاہر ہو گا، اس کے لئے میں حکیم مقبول احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ سے صرف ایک شہادت پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ ترجمہ موجودہ دور کے شیعہ حضرات کا مسلمہ ہے۔ اوراس پر موجودہ دور کے مندرجہ ذیل بڑے بڑے مجتہدین کی تصدیقیں ثبت ہیں۔ :

(۱) مجتہد العصر والزمان سید نجم الحسن صاحب۔
(۲) مجتہد العصر والزمان سید ظہور حسین صاحب۔
(۳) مجتہد العصر والزمان سید یوسف حسین صاحب۔
(۴) مجتہد العصر جناب سید سبط نبی صاحب۔
(۵) مجتہد العصر والزمان سید محمد باقر صاحب رضوی۔
(۶) مجتہد العصر سید محمد ہادی رضوی صاحب۔
(۷) سرکار شریعت مدار سید آقا حسن صاحب۔
(۸) مجتہد العصر والزمان سید ناصر حسین صاحب۔
(۹) مجتہد العصر والزمان سید علی الحائری صاحب۔
(۱۰) مجتہد اعظم ہندوپاک سید احمد علی صاحب۔
(۱۱) مجتہد العصر سید کلب حسین صاحب۔
(۱۲) شمس الواعظین، خطیب سید محمد دہلوی صاحب۔

یہ وہ مجتہدین ہیں جنہوں نے ترجمہ مقبول کو ائمہ اہل بیت کی تفسیر کے مطابق قرار دیا ہے۔ حکیم سید مقبول احمد صاحب بارہویں پارے کے آخری رکوع کی آیت "فیه یغاث الناس وفیه یعصرون" پر تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں :

> "تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی "ثم یأتی من بعد ذالك عام فیه یغاث الناس وفیه

یعصرون–" یعنی یعصرون کو معروف پڑھا (جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں) حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر :وہ کیا نچوڑیں گے، آیا خمر نچوڑیں گے، اس شخص نے عرض کی یاامیر المؤمنین پھر میں اسے کیونکر پڑھوں- فرمایا- خدانے تو یوں نازل فرمائی ہے : ثم یأتی من بعد ذالك عام فیه یغاث الناس وفیه یعصرون– یعنی یعصرون کو مجہول بتلایا جس کے معنی ہیں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیاجائیگا، اور دلیل اس امر پر خدا کا یہ قول لائے "وانزلنا من المعصرات مآء ثجاجا"– (اور ہم نے بدلیوں سے موسلادھار پانی اتارا)

(قول مترجم) معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں ظاہر اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاً کی خاطر یُعصَرون کو یُعصِرون سے بدل کر معنی کو زیروزبر کیا گیا ہے یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لئے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کردی- ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کردیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو- ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کردو، قرآن مجید کو اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے، اور انہی کے وقت میں حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائیگا"-

۱۵ :.... ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ میں نے اپنی تحریر میں جو کچھ لکھا تھا ائمہ معصومین سے لیکر موجودہ دور کے حضرات شیعہ تک وہی سب کا عقیدہ ہے، کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں- بلکہ یہ محرف ومبدل ہے، اصل قرآن قائم آل محمد، امام غائب صاحب العصر حضرت مہدی کے پاس ہے، وہ جب تشریف لائیں گے تب ان کے زمانے میں قرآن اپنی اصلی حالت میں ماانزل اللہ کے مطابق پڑھا جائیگا- بہر حال میں نے جو کچھ لکھا ہے شیعہ کتب کے مطابق لکھا ہے-

اگر سائلان میری تحریر پر معترض ہیں تو اسکی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اپنے ائمہ معصومین

کے متواتر ارشادات اور اپنے مذہب کے لٹریچر سے ناواقف ہیں، یا وہ ازراہ تقیہ اپنے ائمہ معصومین اور اپنے مجتہدین کے خلاف اپنا عقیدہ ظاہر کررہے ہیں، مجھے اپنے اس دعوے پر اصرار ہے کہ شیعوں کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں۔بلکہ وہ اسے تحریف شدہ سمجھتے ہیں، اگر سائلان میرے دعویٰ کو غلط سمجھتے ہیں تو اسکی آسان صورت یہ ہے کہ وہ عدالت میں یہ تحریر لکھ دیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو تحریف قرآن کے قائل تھے یا قائل ہیں۔

جن رسالوں میں میری تحریر شائع ہوئی ہے سائلان نے عدالت سے ضبط کرنے کی گزارش کی ہے، میرے خیال میں سائلان کو اس کے بجائے عدالت سے یہ درخواست کرنی چاہیے کہ وہ تمام شیعہ لٹریچر ضبط کیا جائے جس میں موجودہ قرآن کو تحریف شدہ بتلایا گیا ہے، جس میں حافظین قرآن صحابہ کرامؓ کو منافق، مرتد اور شراب خور کہا گیا ہے اور جس میں قرآن پر سے مسلمانوں کا ایمان متزلزل کرانے کے لئے ائمہ معصومین کو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والے بتایا گیا ہے، اور ان کی طرف دو ہزار سے زیادہ من گھڑت روایتیں منسوب کرنے کی جسارت کی گئی ہے، اگر تحریف قرآن کا عقیدہ کسی مسلمان کی طرف منسوب کرنا جرم ہے، اور جس تحریر میں اس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ لائق ضبط ہے تو اس کا سب سے بہتر مصداق شیعہ لٹریچر ہے، نہ کہ وہ تحریر جو شیعہ لٹریچر کے اس جرم کی نشاندہی کرتی ہے۔

..................☆..................

...... قوم کو "اسلامی نظریاتی کونسل" کی نہیں، اسلام کی ضرورت ہے۔ قوم اس چکر سے اکتا چکی ہے، وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ اسلام معاشرے کی ضروریات آج بھی پوری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جنرل صاحب اسلام کو اس کے تمام شعبوں میں نافذ کرسکتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کی سعادت ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے اس قوم کے عظیم محسن کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے اور اگر وہ یہ عزم اور حوصلہ نہیں رکھتے تو قوم کو اسلامی نظریاتی قسم کی کونسلوں سے طفل تسلی نہیں دی جاسکتی۔ جو اسلامی قانون آنحضرت ﷺ کے زمانے سے لے کر ترکان آل عثمان کے دور تک اسلامی معاشرے کی ساری ضروریات پوری کرتا رہا ہے آج اس میں کیا نقص نظر آنے لگا؟...... جناب صدر اب نئے عزائم کے ساتھ ایک بار پھر نفاذ اسلام کی مہم پر نکلے ہیں، اس مہم کا انجام کیا ہوگا

حضرت کی

بزمِ حسین

ترتیب: سید اطہر عظیم

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ماہنامہ ”بینات“ میں ”بصائر و عبر“ تحریر فرماتے رہے، ۱۹۷۷ء سے ۲۰۰۰ء تک کے عرصہ پر مشتمل ”بصائر و عبر“ میں حضرت شہیدؒ نے اپنے اکابر اور ہم عصر حضرات کے بارے میں جن تأثرات کا اظہار فرمایا وہ مسلک حقہ علمأ دیوبند کی ایک سنہری تاریخ اور ان اکابر کی خدمات پر خراج تحسین ہے۔ حضرت شہیدؒ کے ان تحریری شہ پاروں میں ان اکابر علمأ کرام کے بارے میں ایسے وقیع کلمات ہیں، جو علم وادب کا ایک بہترین ذخیرہ اور امت کے لئے ان اکابر کا مقام و مرتبہ معلوم کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ شہید اسلام کی خدمات کے تذکرہ کے ذیل میں ان تحریروں کو نظر انداز کرنا ناقدری ہوتی، اس لئے احباب کی مشاورت سے طے پایا کہ ان اکابر علمأ کرام کے بارے میں حضرت شہیدؒ کے تأثرات سے مختصراً اہم اقتباسات نقل کردیئے جائیں تاکہ حضرت شہیدؒ کی اپنی اکابر سے عقیدت و محبت اور ہم عصر علمأ کرام کی خدمات کے اعتراف کی جھلک لوگوں کو معلوم ہو، اور آئندہ آنے والے قلمکار اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ حضرتؒ کے بابرکت کلمات کی چاشنی آپ خود ہی محسوس کریں گے۔ جس ترتیب سے حضرت نے ”بینات“ میں یہ تأثرات تحریر فرمائے اور

کتابی شکل میں اس کو ملحوظ رکھا، خصوصی نمبر میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ

"...... حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے کئی ماہ تک اسباق پڑھے اور حدیث فخر الاماثل خاتم المحدثین مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے حاصل کی، حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے سلسلہ چشتیہ کی خلافت حاصل کی، روحانی اکتساب فیض قطب العالم شیخ المشائخ مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری رحمہ اللہ سے حاصل کیا اور تمام سلاسل روحانیہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کی اجازت حاصل کی، رئیس المفسرین مولانا حسین علی واں بھچراںؒ سے دورۂ تفسیر تک پڑھا اور ان کے سلسلہ نقشبندیہ قادریہ کے مجاز ہوئے۔......"

مولانا احتشام الحق تھانویؒ

"......حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، حضرت.... شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رشتہ میں عزیز تھے، حق تعالیٰ شانہ نے انہیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، جن میں وہ ممتاز تھے، ان کی آواز کانوں میں رس گھولتی تھی اور مترنم آواز میں قرآن مجید کی تلاوت وجد آفرین تھی، وہ بے بدل خطیب تھے، ان کا طرز بیان لب ولہجہ اور انداز تکلم بڑوں بڑوں کے لئے لائق صد رشک تھا، وہ مشکل سے مشکل موضوع کو حکایت و تمثیل کے پیرائے میں بڑی آسانی سے ذہن نشین کرا دیتے تھے، ان کے خطبہ جمعہ کے لئے لوگ دور دور سے کشاں کشاں آتے تھے۔......"

مولانا غلام اللہ خانؒ

"...... شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فارغ التحصیل، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد

تھے، قرآنی علوم کا استفادہ شیخ وقت حضرت اقدس مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں (تلمیذ رشید حضرت گنگوہیؒ) سے کیا۔

مولانا مرحوم اپنی بعض خصوصیات میں منفرد تھے، حق تعالیٰ شانہ نے ان کو قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، بڑے جواں مرد اور کریم النفس تھے، شرک وبدعت کے رد میں شمشیر بے نیام تھے، حق گوئی میں "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" کا مصداق تھے، ایک عالم ان کا شیدا وگرویدہ تھا، ان کی تقریر میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اللہ کا شیر دھاڑ رہا ہے، ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ان کی گونج تھی اور شرک وبدعت کا ابلیسی نظام ان کی آواز سے لرزاں وترساں رہتا تھا۔......"

مناظر اسلام مولانا محمد حیاتؒ

"......مناظر اسلام حضرت مولانا محمد حیاتؒ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قافلۂ حریت کے رکن رکین تھے، جس نے انگریزی طاغوت سے ٹکر لی، اور اپنی تمام طاقتیں وصلاحیتیں انگریز اور اس کے گماشتوں سے اسلام کی مدافعت میں صرف کرڈالیں، "مجلس احرار اسلام" کے ماتحت جب سارقین نبوت کے تعاقب وسرکوبی کے لئے شعبہ تبلیغ کا اجراء ہوا تو مولانا مرحوم کو اس کا نگران تجویز کیا گیا، اور قادیان کا مشن ان کے سپرد ہوا، قیام پاکستان کے بعد جب "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی تاسیس ہوئی تو مولانا مرحوم کی خدمات اس کے لئے وقف ہوگئیں اور تادم آخر وقت رہیں، اس طرح ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ، اسلام کی دعوت وتبلیغ اور ختم نبوت کی پاسبانی میں گزری۔

مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے فرق باطلہ کی تردید اور ان سے بحث ومناظرہ کا خاص ذوق اور بہت ہی اچھا سلیقہ عطا فرمایا تھا، وہ بہت صبر وتحمل، حلم ووقار اور ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے، فریق مخالف کے شبہات کا ایسا تسلی بخش اور مسکت جواب دیتے کہ منصف کو تسلیم واقرار کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور مکابر ومعاند خجلت وندامت کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا، ان کی پوری زندگی میں بحمد اللہ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں مناظرے میں شکست ہوئی ہو بلکہ وہ ہر میدان میں بفضل خداوندی مظفر ومنصور رہے۔......"

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

”...... حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی دینی خدمات پون صدی پر محیط ہیں، وہ آغاز شباب سے پیرانہ سالی بلکہ آخری لحات زندگی تک امور خیر کے لئے موفق رہے، راقم الحروف کو انہیں دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی یاد آجاتا تھا، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھا ہو۔

حضرت مرحوم کا سب سے ممتاز وصف باطل کے مقابلے میں شدت و سختی اور حق گوئی و بے باکی تھا، وہ زائغین کے مقابلہ میں ہمیشہ شمشیر برہنہ رہے، اور اس بارے میں کسی لچک اور نرمی کے روادار نہیں تھے۔......“

مفکر اسلام مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

”حق تعالیٰ شانہ نے اپنے اس تکوینی نظام کے ذریعہ چودھویں صدی میں ایسے بھی مردان باخدا کو کھڑا کیا جن کے علم و فضل، صلاح و تقویٰ، زہد و قناعت، دعوت و عزیمت اور ہمت و شجاعت نے سلف صالحین کا نمونہ پیش کیا، اور جن کے ذریعہ اسلام کی حجت قائم ہوئی، اس صدی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور شاہ عبدالقادر رائے پوری ایسے درویشان خدامست ہوئے جن کے انفاس طیبہ سے جنیدؒ و شبلیؒ کی یادیں تازہ ہوگئیں، اسی صدی میں امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن اعظمیؒ، حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا سید محمد یوسف البنوریؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی، اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ایسے فقہاً و محدثین ہوئے، جن سے حافظ ابن دقیق العیدؒ اور اور حافظ ابن حجرؒ کی یاد تازہ ہوئی، اسی صدی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے کثیر التصنیف بزرگ ہوئے جنہوں نے دینی ضرورت کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک مسئلہ پر قلم اٹھایا، اور جن کی سرعت قلم، برکت اوقات اور کثرت تصنیف سے حافظ ابن جوزیؒ اور حافظ سیوطیؒ کی یاد تازہ ہوگئی، اسی دور میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ ایسے مجاہدین اسلام ہوئے جنہوں نے اپنے دور

کی سب سے بڑی فرعونی وطاغوتی شہنشائیت کی سنگینوں کے سائے میں کلمۂ حق بلند کیا، اسی صدی میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ایسے مصلحین وداعی الی اللہ ہوئے، جن کے اخلاص وللّٰہیت اور درد وسوز نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا اور ان کے ٹوٹے ہوئے رشتہ ایمان کو پھر سے جوڑ دیا، اسی صدی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ ایسے متکلمین ہوئے جنہوں نے تقریراً وتحریراً باطل کو مغلوب وپسپا کیا، یہ چند نام محض بطور مثال نوکِ قلم پر آئے ہیں، ورنہ پاک وہند اور عالم اسلام میں اس سطح کے سینکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں اکابر ہوئے، جنہوں نے چودھویں صدی کی تاریکیوں میں حق وصداقت کی قندیلیں روشن کیں، اور دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی نصرت وحمایت کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے حاملین دین کا ایک جم غفیر نہ کھڑا کردیا ہو۔

چودھویں صدی کے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات والا صفات تھی۔

حق تعالیٰ شانہ کے لطف وکرم اور اس کی قدرت کاملہ کا تماشا دیکھو کہ تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے کو اٹھاتے ہیں اور اسے عرب وعجم کا شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بنا دیتے ہیں، گنگوہ کے ایک انصاری خاندان کے ایک فرد پر نظر عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بنا دیا جاتا ہے، کشمیر کی سنگلاخ سر زمین کے ایک گمنام خاندان کے ایک فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ بنا دیا جاتا ہے، گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے ایک نو مسلم کو لاتے ہیں اور اسے ولایت کبریٰ اور مقام صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بنا دیتے ہیں، اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف قصبہ سے ایک فرد کو کھینچتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے عالم، حافظ، قاری، فقیہ، مفتی، محدث، متکلم اور پھر وزیر اعلیٰ سے لے کر قائد حزب اختلاف تک بنا دیتے ہیں۔ اس صدی (اور گزشتہ صدیوں) کے اکابر کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجئے تو بظاہر اسباب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر محیط ہوگا، اس سے واضح ہوا کہ مشیت الٰہی حفظ دین اور پاسبانئ ملت کا انتظام ظاہری اسباب سے بالاتر کرتی ہے،

اور لطف الٰہی خود ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جن سے دین قیم کی خدمت کا کام لیا جائے۔......

...... حضرت مفتی صاحبؒ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہل علم ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے، اہل دانش کو ان کے فہم وتدبر کی احتیاج تھی اور اہل سیاست ان کی قیادت وزعامت کے حاجت مند تھے، اس لئے ان کی وفات بیک وقت علم ودانش، فقہ وحدیث، سیاست وقیادت، حلم وتدبر، شجاعت وبسالت اور شہامت وزعامت کا ماتم ہے، ان کی تنہاذات سے دین اور خیر کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی ان کے خلأ کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی۔......"

مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ

"...... حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی نور اللہ مرقدہ حضرت اقدس مولانا الحاج الحافظ القاری فتح محمد مدظلہ العالی کے محبوب ترین شاگرد اور علم تجوید وقرأت میں اپنے وقت کے امام تھے، وہ دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلأ میں سے تھے۔ تقسیم سے چند سال قبل مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہ انہیں ملتان لائے، جب کہ حضرت قاری صاحب ابھی سبزہ آغاز تھے، اور "مدرسہ محمدیہ مسجد سراجاں ملتان" میں قرآن کریم کی تعلیم وتدریس اور تحفیظ کی خدمت ان کے سپرد ہوئی، حضرت قاری صاحب بے حد نازک مزاج تھے، نوعمری کا زمانہ تھا، اور ماحول ان کے لئے یکسر نامانوس تھا، لیکن مولانا محمد علیؒ کے اخلاص وتواضع نے حضرت قاری صاحبؒ کو جمائے رکھا۔......

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی بعض صفات قابل صد رشک اور لائقِ تقلید تھیں، انہیں قرآن کریم سے عشق کی حد تک شغف تھا، فرائض شرعیہ اور حوائج بشریہ کے علاوہ شاید ان کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں وہ قرآن کریم کی تعلیم وتدریس یا اپنی تلاوت میں مشغول نہ ہوں، اوقات تدریس کی پابندی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، سردی گرمی، موسمی تغیرات، ضعیفی وکمزوری کوئی چیز ان کے راستہ میں حائل نہیں ہوتی تھی، اور مدرسہ کے وقت سے پہلے وہ درس گاہ میں موجود ہوتے تھے، حج وعمرہ پر تشریف لے جاتے (جو شاید آخری سالوں میں قریباً سالانہ معمول بن گیا تھا) تو واپسی پر کراچی میں ایک رات بھی قیام گوارا نہ فرماتے۔ (حالانکہ یہاں ان کی صاحبزادی اور دیگر اعزہ ہیں) بلکہ آتے ہی ایسی گاڑی سے سفر

فرماتے جو صبح سویرے ملتان پہنچادے، اور اسٹیشن سے سیدھے خیر المدارس اپنی درس گاہ میں تشریف لے جاتے اور تعلیم کے اوقات ختم ہونے کے بعد گھر جاتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت قاری صاحب سفرِ حج سے واپسی پر پہلے گھر تشریف لے گئے ہوں اور وہاں سے درس گاہ تشریف لائے ہوں۔

حضرت قاری صاحبؒ پہلے غالباً حضرت شیخ الاسلام السید الامام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے، ان کے وصال کے بعد قطب الارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، آخر میں قطب العالم سیدی ومرشدی حضرت شیخ مولانا الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی نور اللہ مرقدہ سے رجوع کیا، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی جانب سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قاری صاحبؒ کو رعب وجلال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس کے باوصف ان کی شان مومنین وقانتین کی تھی، اپنے خوردوں کے ساتھ بھی غایت تواضع سے پیش آتے تھے، اور بعض اوقات ان کا متواضعانہ برتاؤ ناواقف لوگوں کے لئے حیرت واستعجاب کا موجب ہوتا تھا۔ اپنے شیخ حضرت اقدس قاری فتح محمد صاحب مدظلہ العالی کے سامنے اس طرح متأدب ہوکر بیٹھتے جیسے طالب علم درس گاہ میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اس ناکارہ نے انہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ کے سامنے چارزانو بیٹھتے یا کھل کر بولتے نہیں دیکھا......"

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

"...... حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی عبقری شخصیت گوناگوں فضائل وکمالات کا مجموعہ تھی، وہ اپنے دور کے بہترین قاری، جید حافظ، صاحبِ کمال عالم، قوی النسبت شیخ طریقت، بے بدل خطیب، صاحب طرز ادیب، نامور متکلم، نکتہ رس فلسفی، قادر الکلام شاعر، کامیاب مدرس، شگفتہ قلم مصنف، حکمت قاسمی کے شارح اور روایات سلف کے امین تھے۔

حضرت مرحوم حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے پوتے تھے۔...... حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان وبیان کا خاص انداز اور افہام وتفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں بلاتکلف خطاب فرماتے تھے، زبان ایسی صاف اور شستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے۔ اور اس کی

عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ حقائق وواقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہو کر سامعین کے سامنے کھڑا ہے، شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت و حقیقت کے رموز ولطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم و معرفت کا بند ٹوٹ گیا ہے، اور علوم وہبیہ کا طوفان اُمڈ آیا ہے، حضرت مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے ہزاروں مرتبہ خطاب کیا ہوگا اور بعض اوقات ایک ایک دن کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر و خطابت کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی ہر تقریر کا موضوع منفرد ہوتا تھا، اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف واسرار کے ایسے گل ولالہ بکھیرتے کہ حقائق معارف کے چمنستان میں نئی بہار آجاتی۔ ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔.....

حضرت مرحوم کا ایک عظیم الشان کارنامہ قریباً ساٹھ برس تک مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی انتظامی خدمات ہیں، صرف دارالعلوم کی تاریخ ہی نہیں بلکہ دیگر اداروں میں بھی اتنی طویل مدت تک منصب اہتمام پر فائز رہنے کی مثالیں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔.....“

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ

”..... مولانا لطف اللہ پشاوریؒ دارالعلوم دیوبند میں حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے آخری سال دورہ حدیث سے فارغ ہوئے۔..... مرحوم ایک جید عالم تھے، حضرت امام العصرؒ کے ممتاز تلامذہ کی صف اول میں شمار ہوتے تھے، ادب عربی میں بلند ذوق رکھتے تھے، تاریخ سے خصوصی شغف تھا، اور تفسیر اور علوم قرآنیہ میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا، اور علوم باطنی میں انہی سے اکتساب فیض کیا۔ ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ سے محبت و یگانگت کا ایسا خصوصی تعلق تھا جس کی مثال کمیاب ہے۔.....“

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

”..... حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ قدس سرہ کے تلمیذ رشید اور اس آخری دور میں سلطان العلمائ تھے، حق تعالیٰ شانہ نے انہیں علم و فضل، حلم

دو قار، رزانت و متانت، حسن و جمال، اور جاہ و جلال سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ساری عمر گلشن علم کی آبیاری میں گزری، دار العلوم دیوبند، ڈابھیل اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور ایسے وقیع اداروں میں شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور شیخ الجامعہ کی مسند پر رونق افروز، اور وفاق المدارس العربیہ کے صدر نشین رہے، تقسیم سے پہلے ریاست قلات میں وزیر معارف رہے، اور اسلام کا نظام عدل صرف کاغذوں میں نہیں بلکہ خدا کی زمین پر نافذ کر کے دکھایا......

علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکساں مہارت اور فلسفۂ قدیم وجدید کی جو جامعیت حضرت مرحوم میں پائی جاتی تھی، اس کی مثالیں اس زمانے میں بہت کمیاب ہیں۔ وفور علم اور کمالِ تقویٰ کے ساتھ قدرت نے بے نظیر حافظہ، نگہ بلند، فطرت ارجمند، قلبِ سلیم اور شاہانہ دماغ عطا فرمایا تھا، جدید مغربیت کے پرستاروں اور اشتراکیت کے مارگزیدوں پر جب تنقید کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ یہ دنیا ان کے شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بقول واقعی "بیت الحمیر" ہے، مرحوم کی تقریر میں علوم و معارف کا دبستان کھل جاتا تھا، عقلیات اور معلومات جدیدہ کی روشنی میں اسلامی اصول و نظریات کی بالاتری وبالادستی کی ایسی وضاحت فرماتے تھے کہ ایمان تازہ ہو جاتا تھا، عربی، اردو، پشتو اور فارسی مادری زبان کی طرح لکھتے اور بولتے تھے......"

حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ

"حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قافلۂ احرار کے جانباز سپاہی، تحریک ختم نبوت کے مدبر جرنیل، اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی قائد و راہنما تھے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت امیر شریعتؒ کی قیادت میں انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں ناموس ختم نبوت کی پاسبانی کے لئے وقف کر دیں، ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا، اور آخر دم تک اس محاذ پر مکار دشمن سے برسرپیکار رہے، اور سینکڑوں طوفانوں کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔

طریق عشق میں گو کارواں پہ کارواں بدلا
نہ ہم نے رہ گزر بدلی نہ میر کارواں بدلا

مرحوم زبان و قلم دونوں کے دھنی اور میدان تقریر و تحریر کے یکساں شہسوار تھے، ان

کی شعلہ بار تقریر کے شرارے سارقان ختم نبوت کے خرمن امن وسکون کو پھونک ڈالتے تھے، ان کی آواز کی گھن گھرج سے بزدل دشمنوں کے دل دہل جاتے تھے، اور اہل ایمان شمع ختم نبوت پر پروانہ وار فدا ہونے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے۔

مرحوم میں جہاں "اشداء علی الکفار" (کافروں کے مقابلہ میں سخت) کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی، وہاں "رحماء بینھم" کا عکس بھی صاف جھلکتا تھا، وہ ابلیس کی ذریت کے مقابلہ میں فولاد سے زیادہ سخت تھے لیکن مسلمانوں کے حق میں ریشم سے زیادہ نرم تھے، اتحاد بین المسلمین کے داعی وعلمبردار تھے اور ختم نبوت کے مرکز ثقل پر تمام اسلامی فرقوں کے جمع ہونے پر مصر تھے۔......"

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

"...... حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جاں نثار رفیق، تحریک آزادی کے نڈر سپاہی، اور تحریک ختم نبوت کے صف اول کے قائد تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے یوم تاسیس سے اس کے اہم ترین رکن چلے آرہے تھے اور جب ۱۹۷۴ء میں شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ، مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر منتخب ہوئے تو مولانا مرحوم کو جماعت کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا اور جماعت کے نظم ونسق کی تمام تر ذمہ داری مرحوم کے سپرد کر دی گئی۔......

"ان کا خمیر محبت سے اٹھایا گیا، وہ سراپا محبت تھے اور مخلوق کی ہمدردی ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی، وہ ہر ایک کے کام کو اپنا کام اور ہر ایک کے غم کو اپنا غم سمجھتے تھے۔ انہیں اپنے مخدوم ومرشد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرح صرف دو چیزوں سے نفرت تھی، ایک انگریز اور دوسرے قادیانیت...... اور یہ نفرت بھی محض عشق رسالت مآب ﷺ کی وجہ سے تھی، وہ انگریز کو ملت اسلامیہ کا قاتل اور قادیانیت کو نبوت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیمات) کا خبیث ترین حریف تصور کرتے تھے اور یہ دونوں جرم ان کے حساس دل کے لئے ناقابل برداشت تھے۔......"

مولانا عبداللہ رائے پوریؒ

۲۶/رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۸۵ء یک شنبہ کا آفتاب غروب

ہونے کے ساتھ ہی علم و عمل، زہد و تقویٰ، وورع احتیاط اور بے نفسی و تواضع کا آفتاب بھی غروب ہوا، یعنی جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے شیخ الحدیث سیدی وسندی واستاذی حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ رائے پوری واصل بحق ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون.

شوال ۱۳۸۷ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک راقم الحروف کو حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے زیرسایہ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات کا موقع میسر آیا، ان دنوں مدرسہ کی فضااور اس کاماحول حضرت الاستاذؒ کی برکت سے ایک خاص امتیاز رکھتا تھا،ایک دو کے سواباقی تمام اساتذہ حضرتؒ کے شاگرد تھے۔سب ہی اساتذہ حافظ قرآن تھے۔باہمی الفت ومحبت اور یگانگت کے لحاظ سے ”یک جان چند قالب“ یا حدیث شریف کے الفاظ میں ”علی قلب رجل واحد“ تھے۔مدرسہ میں حضرت الاستاذ ”بڑے مولانا“ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ لیکن حضرتؒ کی کسی ادا سے مترشح نہیں ہوتا تھا کہ وہ ”بڑے مولانا“ ہیں۔اس ناکارہ کاتأثر جب بھی تھااور اب بھی ہے کہ حضرتؒ کو شفقت وعنایت کا سب سے زیادہ تعلق اس ناکارہ سے تھا، ہمارے دوسرے رفقأ میں سے ہر ایک کا تأثر بھی یقیناً یہی ہوگا۔یاد نہیں پڑتا کہ اس پورے ہفت سالہ دور میں کبھی کشاکشی کی نوبت آئی ہو۔اساتذہ کے درمیان باہمی الفت ومحبت کی یہ فضا حضرت الاستاذؒ کے انفاس طیبہ اور توجہات عالیہ کا کرشمہ تھی۔اور اس کی شہ کلید حضرتؒ کی تواضع کے ساتھ پدرانہ شفقت تھی۔اس ماحول کواب آنکھیں ترسا کریں گی، مگر توقع نہیں کہ یہ رنگ پھر دیکھنا نصیب ہو۔......ورع واحتیاط حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کاایساامتیازی وصف تھاجو دور جدید میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔(الاماشأاللہ)۔......“

مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدیؒ

”......مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدیؒ کی بعض خوبیاں لائق رشک تھیں، وہ میدان خطابت کے شہسوار تھے، عزیمت اور آہنی عزم کے مالک تھے، عقیدہ ختم نبوت کے لئے جانبازی وجاں نثاری کا جذبہ ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھا، وہ ہر تحریک، جو احیائے دین کے لئے اٹھی اس کے ہر اول دستہ میں شامل رہے، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں انہیں اور ان کے برادر اکبر حضرت الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ رائے پوریؒ کو نہ صرف پابند

سلاسل کیا گیا بلکہ مرحوم کے قائم کردہ ادارہ "جامعہ رشیدیہ" کی املاک تک ضبط کرلی گئیں، جو آج تک واپس نہ ہوئیں، اسی طرح تحریک ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفیٰؐ ۱۹۷۷ء میں بھی ان کو قید وبند کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا......

آپؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ اسی "حسینی نسبت" کا اثر تھا کہ انہیں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے والہانہ عشق اور مأثر اکابر کے احیأ سے خاص شغف تھا، ماہنامہ "الرشید" کے (جو ان کی ادارت میں نکلتا تھا) "دارالعلوم دیوبند نمبر"، "مدنی واقبال نمبر"، تاریخ دارالعلوم دیوبند "اور "فیضان دارالعلوم نمبر" ان کے اسی شغف کے مظہر ہیں، حق یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی اس پہلو سے جتنی خدمت ان کے ادارے نے کی ہے، پاکستان میں اور کسی نے نہیں کی۔

حضرت مولانا قاضی عبدالقادرؒ

"...... حضرت مولانا قاضی عبدالقادرؒ قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ مجاز تھے، ان کے وصال کے بعد قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی (قدس سرہ) سے خصوصی تعلق رہا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اسفار کے انتظام وانصرام میں مرحوم سب سے زیادہ دخیل ہوتے تھے، حضرت شیخؒ کی آپ بیتی میں بیسیوں جگہ ان کا ذکر خیر آیا ہے۔

مرحوم کے دیگر کمالات وخصائص میں ان کا سب سے بڑا وصف کثرت ذکر اور معمولات کی پابندی تھا، صحبت صالحین اور ذکر الٰہی کے انوار ان کے چہرہ پر جگمگاتے تھے۔......"

قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنیؒ

"...... شیخ القرأ حضرت اقدس قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنیؒ ہمارے دور میں "آیة من آیات اللّٰہ" تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کو ایسے خارق عادت اوصاف وکمالات سے نوازا تھا جو صرف نفوس قدسیہ کا حصہ ہیں اور سننے والوں کو ان کے محیر العقول کمالات کا باور کرنا بھی مشکل ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قاری صاحبؒ کے علمی فیضان میں خاص برکت عطا فرمائی

تھی۔بارہ تیرہ سال کے تھے اور ہنوز طالب علمی کا دور تھا کہ استاد محترم کی نگرانی میں قرآن کریم پڑھانے لگے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہمہ تن قرآن کریم کے ہو کر رہ گئے، اور ان کا چشمۂ فیض پورے جوش کے ساتھ ابلنے لگا، جس نے بڑھتے بڑھتے دریائے امواج کی شکل اختیار کرلی، جس سے نہ صرف پاک وہند کے بنجر علاقے سیراب ہو کر لالہ زار بن گئے بلکہ ان کا فیض حرمین شریفین سے لے کر مغرب کے برفانی علاقوں تک پہنچا، حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ آپ ہی کے تلمیذ شریف تھے، جن علاقوں میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی صحیح پڑھنے والا نہیں ملتا تھا وہاں سینکڑوں کی تعداد میں سبعہ عشرہ کے قاری، اعلیٰ قسم کے مجودین اور مدرسین پیدا ہوگئے، یوں "پانی پتی" کا لفظ ضبط واتقان، تجوید قرآن اور تعلیم قرآن کے عشق وشغف کی علامت بن گیا۔

حضرت قاری صاحبؒ کا ذوق عبدیت وعبادت عقل وقیاس سے بالاتر تھا، جسے ان کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے، اس ناکارہ کو اپنی زندگی میں جن خاصان خدا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ان میں دو بزرگوں کو "اعبد خلق الله" پایا، ان میں سے ایک حضرت قاری صاحبؒ تھے۔......"

حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک

"...... حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک قرون اولیٰ کی یادگار تھے، ان کا شمار ان علمائے حقانی اور مشائخ ربانی میں ہوتا تھا جن کا وجود زمین اور اہل زمین کے لئے باعثِ برکت ہے، اور جن کے علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت اور طہارت وتقویٰ پر زمانہ فخر کرتا ہے، حضرت مرحوم شیخ الاسلام المجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید تھے، ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے لائق ترین اور مایۂ ناز استاذ تھے۔ تقسیم کے بعد اپنے آبائی وطن اکوڑہ خٹک میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی، حق تعالیٰ شانہ نے ان کے اخلاص میں برکت فرمائی اور ان کے دارالعلوم کو قبولیت عامہ نصیب فرمائی۔ جس کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں وہ پاکستان کا سب سے بڑا دارالعلوم بن گیا۔ موصوف نے قریباً نصف صدی تک تدریس حدیث کی مسند کو رونق بخشی اور اس عرصہ میں ہزاروں علماء ومشائخ ان کی تربیت سے تیار ہوئے۔

اپنے اخلاق وعادات کے لحاظ سے مرحوم فرشتہ صفت انسان تھے، خاموش اور مرنج مرنجاں طبیعت پائی تھی، حلم ووقار اور جود وسخا ان کا خاص جوہر تھا، خلق خدا کی ہمدردی ونفع رسانی ان کا طبعی ملکہ تھا، وہ اپنے اعلیٰ اوصاف واخلاق اور بزرگانہ کمالات کی وجہ سے عوام وخواص سب کی نظر میں محبوب ومحترم تھے۔......"

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

"...... حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے قدیم ترین تلامذہ میں سے تھے، فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ امینیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی کے ساتھ دار المصنفین سے بھی تعلق رہا۔ عربیت کا خاص ذوق تھا اور علوم میں استعداد بڑی پختہ تھی۔

نماز کے بعد انہیںؒ سب سے زیادہ شغف حج وعمرہ سے تھا، قریباً پچیس تیس سال سے سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کا معمول چلا آتا تھا، ایک بار رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے اور دوسری بار حج کے لئے، حج وعمرہ کے موسم میں جب تک انہیں ویزانہ مل جاتا ان پر بے قراری وبے چینی کی کیفیت طاری رہتی، وہ دوسری تمام دلچسپیوں کو بھول جاتے اور انہیں کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنا یا سننا گوارانہ ہوتا، اور جب منظوری کی اطلاع آجاتی تو یکایک ان پر مسرت وشادمانی اور انشراح وانبساط کی ایسی کیفیت طاری ہوجاتی جسے ہر شخص ان کے چہرے مہرے سے پہچان سکتا تھا۔ رمضان المبارک میں معمول تھا کہ قبیل مغرب طواف شروع کرتے اور طواف ختم کرکے ملتزم پر افطار کرتے، آخر میں یہ معمول چھوٹ گیا تھا، ایک دن ملتزم کے سامنے بڑی حسرت سے فرمایا کہ پچیس سال سے یہاں روزہ افطار کرنے کا معمول رہا، ابھی کچھ عرصہ قبل احباب کی رائے ہوئی کہ حضرت مولانا کی ناتوانی وکمزوری اب حج کی مشقتوں کی متحمل نہیں، ان کے لئے چند قدم چلنا بھی مشکل ہے، مناسک کے دوران گرجانے اور بے ہوش ہوجانے کی نوبت بھی آئی، اس لئے اس سال حضرت کا ویزانہ لیا جائے، چنانچہ جب انہیں ویزانہ ملنے کی اطلاع دی گئی تو ان پر غم واندوہ اور افسردگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دیکھنے والوں کو رحم آنے لگا، گزشتہ سال بھی ان کا ویزا نہیں ہوا تھا۔ راقم الحروف کو بلوا کر بہت لجاجت کے انداز میں فرمایا: "مجھے ساتھ لے کر جائیے"۔ حج وعمرہ کے شائقین تو بہت دیکھے

ہیں اور بعض خوش نصیبوں کو اس بارگاہ اقدس کی حاضری کا شرف بھی بار بار حاصل ہوتا ہے لیکن بیت اللہ شریف سے عشق اور حج وعمرہ کے لئے سوز وگداز، عشق وانجذاب اور فریفتگی ووالہیت کی جو کیفیت حضرت مولانا میں دیکھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ فرماتے تھے کہ بس دو چیزوں کے لئے زندہ ہوں، ایک حرمین شریفین کی حاضری، دوسرے تفسیر وحدیث کا درس۔

حضرت مرحوم آہنی عزم وارادہ کے مالک تھے، ان کے یہاں عزیمت ہی عزیمت تھی، وہ مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی رخصت پر عمل کرنے کے قائل نہیں تھے، آخری سالوں میں ان کی جسمانی قوتیں ان کے بلند حوصلہ اور جوان عزم کا ساتھ دینے سے معذور تھیں لیکن وہ اپنے ضعف وناتوانی کی رعایت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، جس کی وجہ سے ان کے خدام کو بعض اوقات تشویشناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔......"

حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ

"...... حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ کو امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ اور مولانا حکیم برکات احمد ٹونکیؒ سے تلمذ تھا، وہ زمانہ طالبعلمی کے عجیب قصے سنایا کرتے تھے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی جوانی کا طویل زمانہ تحصیل علم میں گزارا، اور ایسی محنت وجانفشانی اور تقشف سے علم حاصل کیا جس کا تصور بھی اس زمانہ میں نہیں کیا جاسکتا۔

ان کا انداز تدریس عجیب دلربا اور حلقۂ درس عجیب باغ وبہار ہوتا تھا، سبق کا گھنٹہ شروع ہوتے ہی طلبہ حاضر خدمت ہوتے، کتاب کا ایک نسخہ حضرت کے سامنے رکھ دیا جاتا سبق کی عبارت پڑھی جاتی، عبارت ختم ہوتی تو حضرت دیر تک لطیفوں اور چٹکلوں سے محظوظ فرماتے، اور پھر فرماتے "اب یہ کہتا ہے" یہ فرماکر کتاب کے متعلقہ حصہ کی ایسی تقریر فرماتے کہ پورا سبق وہیں ذہن نشین ہوجاتا۔ پوری کتاب کی تدریس کے دوران انہیں کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی، انہیں معقولات کی بڑی کتابیں صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک اور زوائد ثلاثہ وغیرہ نہ صرف مستحضر تھیں بلکہ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حافظوں کی طرح ازبر تھیں۔ کبھی کبھی مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ کتاب کا صرف متن اور حاشیہ ہی نہیں صفحہ نمبر بھی یاد ہونا چاہئے، ان جیسے شفیق، سبک روح اور خندہ رو استاد کم دیکھنے میں آئے ہیں، ارباب معقولات

میں سے اکثر و بیشتر میں ایک طرح کا عجب ہوتا ہے، چالیس سال پہلے کا سنا ہوا حضرت کا یہ فقرہ آج بھی گویا کانوں میں گونج رہا ہے کہ :

"ابو علی ابن سینا، جو انسان کو انسان نہیں سمجھتا، ابو زید دبوسیؒ کے بارے میں یہ کہتا ہے"۔

لیکن حضرت الاستاذ میں عجب و خود پسندی کی جڑ کٹی ہوئی تھی، وہ ہر چھوٹے بڑے سے نہایت لطف و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے، اور اپنی برتری کا احساس ان کے قریب تک نہیں پھٹکتا تھا۔......"

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ

"...... حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایات اور الطاف بے پایاں کا مورد رہے، وہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور انہوں نے زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور علم و حلم کی پر کیف فضا میں آنکھ کھولی۔

میرے مخدوم و معظم جناب مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ "بڑے باپ" کے فرزند ارجمند تھے، وہ فطری اوصاف و ملکات میں اپنے والد محترم کے وارث و آئینہ دار تھے، ان کی رفتار حلم و وقار کا مظہر تھی، ان کی گفتار تواضع و انکسار کی غماز تھی، وہ نفع و ایثار میں فائق الاقران تھے، ان کے اندر چھپے ہوئے فطری اوصاف و کمالات کو شیخ بنوری (نور اللہ مرقدہ) کی نظر انتخاب نے اسی وقت تاڑ لیا تھا جب کہ ان کمالات کے ظہور کا ابھی وقت نہیں آیا تھا، چنانچہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے بطور خاص ان کی تربیت فرمائی، ان کو اپنی فرزندی میں لے کر شرف دامادی بخشا، بالآخر وصال سے ایک سال قبل ان کو حیاً و میتاً اپنا جانشین مقرر فرمایا (اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب "جانشین بنوری" کی حیثیت سے مفتی صاحب مرحوم کی تقرری عمل میں آئی اس وقت وہ اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکے تھے اور قدرت کی جانب سے ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کیلئے یہی عمر موزوں قرار دی گئی ہے) ایک طرف حضرت اقدس بنوری رحمہ اللہ کی بلند و بالا اور عبقری شخصیت اور دوسری طرف جناب مفتی صاحب مرحوم کا نحیف و ناتواں وجود، جس کی صلاحیتوں کا اس وقت تک معتدبہ ظہور نہیں ہوا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کے خلأ کو کیسے پر کریں گے اور ان کی نیابت کی عظیم ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوں گے؟ لیکن حضرت

بنوری رحمہ اللہ کے بعد جناب مفتی صاحب میں اپنے دونوں بزرگوں کی نسبتیں یکایک ظہور پذیر ہوئیں، اپنے والد گرامی حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمہ اللہ کی نسبت جمال اور اپنے شیخ ومربی کی نسبت جلال۔ ان دونوں نسبتوں کی جامعیت نے ان کی شخصیت کو مجمع جمال وجلال اور مرقع محبوبیت بنادیا۔ ہمارے شیخ حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی کے بقول:

اے زہے جذب محبت من فدائے خویشتن
حسن افگند است بر عشقم ردائے خویشتن

اپنے دونوں بزرگوں کی نسبت جلال وجمال سے آراستہ ہوکر اور "ردائے حسن" ومحبوبیت سے مزین ہوکر جناب مفتی صاحب نے شیخ بنوری رحمہ اللہ کی نیابت کا ایسا حق ادا کیا کہ عقل انگشت بدنداں رہ گئی اور اسے اعتراف "کرامت" کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔...."

حضرت مولانا بدیع الزمانؒ

"....حضرت مولانا بدیع الزمانؒ اکابر علماً دیوبند کے سچے جانشین، ان کے علوم ومعارف کے پاسبان اور ان کی روایات کے امین تھے، آپ کی زندگی جہد مسلسل، تقویٰ، طہارت اور علم وعمل سے عبارت تھی، آپ کی شخصیت کی تعمیر میں جہاں آپ کے قدسی صفات اساتذہ کی شفقت ومحبت اور ان کی محنت ولگن کا تعلق ہے، وہاں اس میں آپ کے والد ماجد حضرت علامہ قاضی غلام رسول صاحبؒ کی محنت ولگن اور دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔

آپؒ کے والد ماجدؒ نے اپنے اس ہونہار فرزند کی تربیت شروع ہی سے اس انداز سے کی کہ آگے چل کر ان کے سر پر علم وفضل کی سیادت کا تاج سجایا گیا، اسی تربیت کا کرشمہ تھا کہ فراغت کے فوراً بعد ہی آپ کے اساتذہ نے آپ کو نئی نسل کی تعلیم وتربیت، تعمیر انسانیت اور شخصیت سازی کے عظیم کام کے لئے منتخب فرمایا۔.....

جب مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم کی داغ بیل ڈالنے کا پروگرام طے ہوا، تو اس کے لئے جن تین خوش قسمت اساتذہ کرام کا سب سے پہلے انتخاب ہوا، ان میں سے ایک ہمارے ممدوح حضرت مولانا بدیع الزمانؒ تھے، یہ مدرسہ ابتدائی طور پر کچھ عرصہ تک مسجد باب الاسلام برنس روڈ میں رہا، پھر نانک واڑہ میں

منتقل ہو گیا، آپ نے تقریباً دس سال تک حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ کی معیت و سرپرستی میں دار العلوم کراچی میں داد تحسین حاصل کی، علوم و معارف کے موتی بکھیرے، اور علم و تحقیق کے جوہر دکھلائے۔

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مہتمم دار العلوم کراچی، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم اور جامعہ علوم اسلامیہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ آپ کے اسی دور کے تلامذہ میں سے ہیں۔

اسی اثنا میں مسجد "باب السلام" پی ای سی ایچ سوسائٹی میں آپ کی امامت و خطابت کی بات چلی تو مسجد کے متولی جناب الحاج رفعت احمد خان صاحب نے حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے کئی نام پیش کئے اور مشورہ کیا، تو مفتی صاحبؒ نے آپ کے تقرر کا مشورہ دیا، اور حضرت مولانا مرحوم کو بلایا اور بادل نخواستہ اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

> "میرا اور میرے مدرسے کا فائدہ تو اس میں ہے کہ آپ کو مدرسہ سے جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہ دی جائے، مگر دیانت و امانت کا داعیہ اور عوام کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو امامت و خطابت سے روک کر امت مسلمہ کو آپ کے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا جائے، اس لئے میں اپنے مدرسہ کے مفاد پر عوام کے نفع کو ترجیح دیتا ہوں"۔

جیسے ہی آپ دار العلوم نانک واڑہ سے سوسائٹی کی اس مسجد میں تشریف لائے، حضرت بنوریؒ جیسی جوہر شناس شخصیت کی عقابی نگاہوں نے آپ کو تاڑ لیا، اور نئے سال سے آپ کو مدرسہ اسلامیہ، حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسند تدریس پر فائز فرمادیا گیا۔ جامعہ علوم اسلامیہ میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرریا ۱۳۸۶ھ میں تقرر ہوا اور لگ بھگ ۲۸ / ۲۹ سال تک آپ نے اپنے شیخ کے انتخاب و اعتماد کا خوب خوب حق ادا کیا۔

اس دوران آپ نے ابتدائی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث کی متعدد کتابوں کی کامیاب تدریس فرمائی، آپ اپنی خداداد صلاحیتوں، ذہانت و ذکاوت، حلم و وقار، ادب و آداب اور دقیقہ رسی کے پیش نظر اساتذہ اور طلبہ میں یکساں محبوب و مقبول ہو گئے۔ آپ کی تدریس کا انداز اس قدر سہل، انوکھا، دل چسپ اور دل ربا ہوتا کہ ہر طالب علم کی خواہش ہوتی کہ میرا کوئی نہ کوئی

سبق حضرت کے پاس ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفہیم کا ایسا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کتاب کا مشکل سے مشکل مقام چٹکیوں میں حل فرماتے، سبق کے دوران نہایت سبق آموز حکایات وواقعات سناتے، ایسا محسوس ہوتا جیسے "آکام المرجان"، "حیات الحیوان" اور ابن جوزیؒ کی "لطائف علمیہ" آپ کو ازبر ہیں، موقع کی مناسبت سے تاریخی واقعات، اور موجودہ حالات پر خوب جچے تلے الفاظ میں تبصرہ فرماتے، آپ طلبہ کو ہنساتے، مگر خود صرف مسکراتے، بعض اوقات سبق کے دوران خود روتے اور طلبہ کو بھی رلاتے، طلبہ آپ کی ہر بات پر جان نچھاور کرتے، اور آپ بھی طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز سمجھتے، ہمیشہ ان کے دین ودنیا کے مفاد کو پیش نظر رکھتے، ان کی اصلاح وتربیت فرماتے۔

آپ کامیاب مدرس، بہترین محقق، باخدا روحانی بزرگ، اور راہ سلوک واحسان کے شناور تھے، آپ کی چال ڈھال اور رفتار وگفتار عین سنت کے مطابق ہوتی، ایسا محسوس ہوتا جیسے سنت نبویؐ کا آئینہ آپ کے سامنے ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر آپ اپنے گیسوو کاکل سنوار رہے ہیں، آپ کی زندگی نہایت سادہ مگر شخصیت بے حد اجلی اور نکھری تھی، جب تک صحت متحمل تھی ہمیشہ دووقت مدرسہ میں تشریف لاتے مگر خود سائیکل چلا کر آتے۔ طمع ولالچ اور حرص وآز نام کی کوئی چیز آپ کے پاس سے نہیں گزری تھی۔ نام ونمود اور شہرت وخود پسندی سے کوسوں دور تھے، وقت کے ایسے پابند! مجال نہیں کہ سبق کا گھنٹہ بجے اور وہ کلاس میں نہ پہنچے ہوں۔ اپنے اساتذہ اور اکابر کا ایسا ادب کہ دارالحدیث کی جس مسند پر حضرت بنوری قدس سرہ سبق پڑھاتے اس پر نہ بیٹھتے بلکہ اس سے نیچے ہٹ کر سبق پڑھاتے، آپ کی انہی خداداد صلاحیتوں، تقویٰ وطہارت، زہد واتقا، عجز وانکسار، للّٰہیت وخدا خوفی، اور بے نفسی کے پیش نظر آپ کے اکابر واصاغر نے متفقہ طور پر آپ کو جامعہ علوم اسلامیہ کی نظامت تعلیم کے منصب جلیل پر فائز فرمایا، آپ نے اپنی بہترین اور مدبرانہ صلاحیتوں کے پیش نظر کامیاب ناظم کا کردار ادا کیا......"

مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ

"....مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ نے فراغت کے بعد درس وتدریس سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اور سرحد کے متعدد دینی وعلمی مراکز میں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس کر کے اپنی علمی وتدریسی استعداد کا لوہا منوایا، اور بالآخر آپ نے پشاور شہر میں "مدرسہ

تعلیم القرآن باڑہ گیٹ" کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی، اور تادم واپسیں اس کے مہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے اس سے منسلک رہے۔

مولانا مرحوم چونکہ چترال کے اس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے جہاں آغا خانیوں کی اسلام کش تحریک عروج پر تھی، اور مسلمان دشمنی کے مظاہرے عام تھے، آغا خانی نہایت منظم طور پر مسلمانوں کا استحصال کرتے نظر آتے تھے، اس لئے مولانا مرحوم کے دل میں شروع سے ہی اس باطنی تحریک کے خلاف نفرت اور مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لئے مولانا موصوف نے زمانہ تعلیم سے مسلمانوں کو اس خطرناک تحریک کے بھیانک نتائج ومقاصد اور اس کے بدترین عواقب سے آگاہ کرنا اپنا دینی وملی فرض سمجھا۔

شہید اسلام حضرت مولانا عبید اللہ چترالی قدس سرہ چونکہ ایک باخدا عالم دین اور قوم وملت کا درد رکھنے والے عظیم انسان تھے، اس لئے ان سے مسلمانوں کی بے بسی اور اسلام دشمن قوتوں کی چابکدستی دیکھی نہ گئی، اور نہایت مشکل حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں آپ قوم وملک کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور وقت کے طاغوت، نہایت منظم ومال دار تحریک اور سازشی گروہ کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئے، آپ نے آغا خانیوں اور باطنیوں سے ٹکر لی، ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے، ان کے خطرناک عزائم اور اسلام کش حربوں کو ناکام بنادیا۔......"

مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ

"....مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ ۲۰ فروری ۱۹۳۸ء کو امرتسر میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے ہاں پیدا ہوئے، نو سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ پاکستان ہجرت فرمائی، پاکستان کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے دینی علوم کی تکمیل فرمائی، حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے اور وقت کے اکابر علمائے دیوبند سے اکتساب فیض کیا۔

فراغت کے بعد متعدد دینی، علمی اور سیاسی میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھلائے، تقریر و تحریر اور وعظ و بیان کے بادشاہ تھے، سحر آفرین خطابت اور خوش الحانی انہیں میراث میں ملی تھی، وہ جب بولتے تو بولنے کا حق ادا کردیتے، یوں محسوس ہوتا جیسے الفاظ و حروف ان کے سامنے پرا باندھے کھڑے ہیں، خود نہ صرف خطیب تھے بلکہ شہنشاہ خطابت تھے، وہ قرآن پڑھتے تو آسمان سے فرشتے اترتے محسوس ہوتے، یوں لگتا جیسے ایک لمحہ کے لئے زمین و آسمان ساکت و صامت ہوگئے ہیں، وہ اسلام دشمن قوتوں کیلئے تیغ براں تھے، ان کے رگ و ریشہ سے اسلامی غیرت و حمیت ٹپکتی تھی، سارقین نبوت ہوں یا صحابہ کرامؓ کے باغی، مرزائے قادیان کی اولاد ہو یا عبداللہ بن سبا کی ذریت، وہ سب کے لئے موت کا پیغام تھے، کسی بھی باطل و گمراہ تحریک اور جماعت کا تعاقب کرتے تو اسے انجام تک پہنچائے بغیر دم نہ لیتے، مغربی طرز حکومت اور جمہوریت کے خلاف بولتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ان میں شیخ الاسلام امام غزالی درازی کی روح بول رہی ہے، غرض وہ بے باک عالم دین، اور حضرت امیر شریعت کے سچے جانشین اور علم و فضل کے کوہ گراں تھے، وہ کئی مدارس کے سرپرست، مجلس احرار اسلام کے امیر تھے۔

کئی اخبارات کے کالم نگار اور ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" کے مدیر تھے، خاندان نبوت کا خاصہ زہد و استغنا، ان کے روئیں روئیں سے ٹپکتا، وہ ہمیشہ جاہ و منصب سے کوسوں دور رہتے، سادہ زندگی اور بے تکلف طرز حیات کے قائل تھے، ہمیشہ برسر اقتدار طبقہ اور اصحاب ثروت سے کنارہ کش رہے، ان کی وجاہت اور حسن و رعنائی دیکھ کر ان پر حضرت امیر شریعتؒ کا شبہ ہوتا تھا......"

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ

"...... شیخ عبدالعزیز بن بازؒ ایک بلند پایہ عالم ربانی، مسلک حنبلی کے ثقہ اور پختہ کار مفتی اور جلیل القدر محدث تھے، آپ غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے، کسی بھی مسئلہ سے متعلق بیان و گفتگو کے موقع پر دلائل و براہین کا انبار لگادیتے تھے، باوجودیکہ آپ ضریر البصر تھے، مگر آپ کے استحضار علمی، قوت استدلال اور حفظ و اتقان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ باور نہیں کرسکتا کہ آپ بینائی سے معذور ہیں، دین اور دینی معاملات میں "لایخاف لومة لائم" کی سچی تصویر تھے، آپ

کے اسی جذبہ حق گوئی کی بنا پر سعودی عرب کے عوام و خواص میں آپ کی محبت و عقیدت کی جڑیں مضبوط اور گہری تھیں، لوگ آپ پر دیوانہ وار جان چھڑکتے، آپ کا فتویٰ عوام و خواص میں حرف آخر کا درجہ رکھتا تھا، اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا، ارباب اقتدار کو بھی آپ کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔

آپ اگرچہ پکے اور متصلب حنبلی مسلک کے حامل تھے، مگر اکابر علمأ احناف کی خدمات اور ان کی تحقیقات کے نہایت ہی کھلے دل سے معترف تھے، چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد مہاجر مکی قدس سرہ سے آپ کے بہت ہی اچھے تعلقات تھے، اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی و مدیر محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کی جلالت قدر کے معترف تھے......"

مولانا سید احمد رضا بجنوری:

"....مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ کا شمار ہندوپاک کے بالغ نظر اور محقق علمأ میں ہوتا تھا، طبیعت میں بے انتہا سادگی تھی، علوم عقلیہ، نقلیہ میں رسوخ کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر آپ کی گہری نظر تھی، بلا کے ذہین، اور نادر الوقوع قوت حافظہ کے مالک تھے، ریا، دکھلاوا اور نام و نمود سے نفور اور طبیعت میں اخفأ اور خمول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خصوصاً اپنی طبیعت، باطنی زندگی اور اپنے مقام کو ہمیشہ اخفأ میں رکھا، مولانا مرحوم کی وفات سے اہل علم ایک عظیم علمی سرمایہ سے محروم ہوگئے۔ آپ علوم انوری کے ان ماہرین میں سے تھے جن کی نظیر ماننا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مولانا موصوف اس قحط الرجال میں علوم عقلیہ ونقلیہ خصوصاً علم حدیث میں ایک سند کا درجہ رکھتے تھے، زندگی بھر مختلف میدانوں میں کام کیا، دارالعلوم الاسلامیہ ڈابھیل میں مختلف درجات کے استاد رہے، مجلس علمی ڈابھیل کے صدر نگران اور دارالعلوم دیوبند کے شعبہ نشر واشاعت کی نگرانی، خصوصاً حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی تصنیفات کی تسہیل وتبویب پر مامور رہے، اپنی زندگی کے آخری سالوں میں موصوف نے علوم انوری کو امت تک پہنچانے کا عزم کرلیا تھا، جو ان کے پاس حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی امالی کی شکل میں محفوظ چلے آرہے تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب

بھی ہو گئے اور ”انوار الباری شرح اردو بخاری“ کے نام سے انہوں نے ایک بہترین شرح بخاری اپنے لئے صدقہ جاریہ چھوڑی ہے۔......“

حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ :

”...... حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ کی شخصیت طبقہ اہل علم میں محتاج تعارف نہیں، آپ کا شمار ان اکابر اہل اللہ میں ہوتا ہے جن پر شرافت ودیانت ناز کرتی ہے، جن کے دم قدم سے زندگی نقش پا ڈھونڈتی ہے، اور جن کے وجود سے علم وعرفان کی مجالس رونق پاتی ہیں، اور جن کے زہد وتقشف پر ملائکہ رشک کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ بلاشبہ اپنے دور کے ایک بلند پایہ بزرگ اور عالم ربانی تھے۔ آپ کو عوام وخواص میں یکساں محبوبیت کا شرف حاصل تھا، آپ کی ثقاہت علم اور تقویٰ وطہارت کی دنیا معترف تھی، اس وقت سندھ بھر میں آپ کو جس مرجعیت کا مقام حاصل تھا شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو۔

مریدین ومتعلقین کے لئے آپ کا ہر قول وفعل سند کا درجہ رکھتا تھا، آپ کا حلقہ ارادت ہزاروں سے متجاوز تھا، آپؒ کے مسترشدین پر بھی آپ کا خصوصی رنگ تھا، اتباع سنت آپ کا طرہ امتیاز تھا، سادگی وبے تکلفی میں آپ ممتاز ومنفرد تھے، اتباع شریعت میں کسی رورعایت کے قائل نہ تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ”لایخاف لومة لائم“ کی سچی تصویر تھے۔

آپؒ ملک میں نفاذ اسلام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، اس سلسلہ کی ہر تحریک اور کوشش میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، اسی کے ساتھ ملک میں فتنہ قادیانیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے لئے نہایت فکر مند اور بے تاب تھے، عوام میں فتنہ قادیانیت کی سنگینی کو اجاگر کرنے کے لئے آپ نے متعدد بار سندھ بھر کا دورہ کیا، قریہ، قریہ اور شہر، شہر پھر کر آپ نے ناموس رسالتؐ کے تحفظ کی اہمیت وعظمت کو اجاگر کیا، اور عوام وخواص کو اس سلسلہ میں بیدار کیا، یوں تو آپ کو تمام منکرات سے حد درجہ نفور تھا، مگر ایک ایسا منکر جس کے بارے میں آج کل کچھ زیادہ ہی سہل پسندی سے کام لیا جاتا ہے یعنی فوٹو، مصوری اور مووی وغیرہ کو آپ اشد الکبائر سمجھتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے تصویر سازی سے اسی نفرت کے باعث زندگی بھر شناختی کارڈ نہیں بنایا۔......“

حضرت مولانا سعید احمد خانؒ :

"...... حضرت مولانا سعید احمد خانؒ نے ابتدائی طور پر میٹرک تک انگلش اور عصری تعلیم حاصل کی مگر حضرت تھانویؒ کی کسی کتاب کے مطالعہ سے زندگی کی کایا پلٹ گئی، اور عصری علوم کے بجائے دینی تعلیم کے لئے "مظاہر علوم سہارنپور" میں داخل ہوگئے اور وہاں سے ہی ۱۹۳۰ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد تکمیل کی، اور ایک سال مظاہر علوم میں ہی متفرق خدمات انجام دیں، اسکے اگلے ہی سال بستی نظام الدین میں مولانا محمد الیاس قدس سرہ کی خدمت میں حاضری ہوئی، آپؒ کی استعداد، لگن اور شوق کو دیکھ کر بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے اپنی خصوصی توجہات سے نوازا، یہ انہیں کی توجہات کا اثر تھا کہ مولانا موصوف فنافی التبلیغ ہوگئے اور انہیں دعوت و تبلیغ کے کام سے گویا عشق ہوگیا، اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ دعوت و تبلیغ ان کی روح کی غذا تھی، وہ ہر حال میں اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کی فکر و سوچ میں مستغرق رہتے، وہ جسم و جان کے اعتبار سے نحیف و نزار تھے مگر میدان عمل میں وہ کسی پہلوان سے کم نہ تھے، سہارے سے اٹھائے جانے والے اس بوڑھے مرد مجاہد کو جب منبر پر بٹھایا جاتا تو ان کی شیر کی سی گرج سے انہیں کوئی بوڑھا تصور نہ کرتا، اپنے کھانے پینے اور پہننے کی کبھی پروا نہیں کی، نام و نمود اور ریا و دکھلاوا کے لفظ سے ناآشنا تھے، اکابر اور معاصر علماً میں یکساں مقبول تھے۔

اپنے سے بڑوں کی عزت و احترام کے علاوہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ہم عصروں کی توقیر و قدر دانی میں ممتاز تھے، آپ کے ان ہی اوصاف و کمالات کے پیش نظر انہیں عرب میں دعوت و تبلیغ کے کام کو متعارف کرانے کے لئے حجاز مقدس بھیجا گیا، آپ کی محنت و سعی اور آہ سحر گاہی کا ثمرہ تھا کہ عرب حضرات نہ صرف اس کام میں جت گئے بلکہ دیوانہ وار آپ پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، آپ کو سعودی عرب کی مستقل رہائش یعنی نیشنلٹی مل گئی مگر جب حکومت وقت نے ان کی رہائش منسوخ کی تو وہ مدینۃ الرسول ﷺ چھوڑ کر پاکستان آگئے مگر ان کی حرمین کی حاضری میں کبھی تعطل نہیں آیا۔ اس سال بھی عمرہ کے لئے حرمین تشریف لے گئے۔......"

مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

"...... حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل اور ہونہار شاگرد تھے، موصوف فراغت کے بعد ابتدائی سالوں میں کچھ عرصہ ماہنامہ "بینات" کراچی میں خدمات انجام دیتے رہے، مگر جلد ہی حضرت بنوری قدس سرہ نے انہیں اسلام آباد کے لئے منتخب فرما کر اسلام آباد بھیج دیا، موصوف نے اپنے شیخ و مربی کے انتخاب کی لاج رکھی اور اسلام آباد کی سنگلاخ وادی کو کلمہ حق سے معمور کر دیا، عام تاثر یہ ہے کہ جو لوگ سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں ان کے مزاج سے مولویت نکل جاتی ہے مگر دنیا جانتی ہے کہ موصوف اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوصف متصلب دیوبندی اور پختہ کار عالم دین رہے، انہوں نے حق گوئی کے معاملہ میں کبھی سودے بازی سے کام نہیں لیا، کہتے ہیں کہ سابق صدر مرحوم ضیاالحق صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ مصر، عرب کی طرح ان دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں کیوں نہیں لے لیتے؟ اس پر انہوں نے کہا نہ بھائی نہ.... دیکھو اسلام آباد میں ایک مولوی عبداللہ صاحب ہیں، ہمارے قابو میں تو وہ بھی نہیں آتے، اگر سارے مولوی اکٹھے ہو جائیں گے تو ہم ان پر کیونکر قابو پا سکتے ہیں؟

ان کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ باقاعدہ کسی جماعت یا پارٹی میں شامل نہیں تھے، مگر اہل حق کی ہر جماعت کو اپنی جماعت اور ہر پارٹی کو اپنی پارٹی سمجھتے، اسی طرح اہل حق کی ہر جماعت انکو اپنا نمائندہ تصور کرتی۔ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ نے اپنے علمی ذوق اور اشاعت دین حق کی غرض سے اسلام آباد میں جامعہ فریدیہ کے نام سے ایک معیاری دینی ادارہ قائم فرمایا تھا جہاں حفظ و ناظرہ سے لے کر دورۂ حدیث تک تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔......"

مولانا ایوب جان بنوریؒ

"...... مولانا ایوب جان بنوریؒ کو علم و ادب اور زہد و تقویٰ وراثت میں ملا کہ آپ نے خاندان سید آدم بنوری میں آنکھ کھولی، ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند کا قصد فرمایا، تو وہاں اپنے دور کے جبال علوم خصوصاً امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا میاں

اصغر حسین دیوبندیؒ اور دیگر یگانہ روزگار اکابرین سے اکتساب فیض کیا۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن مالوف کا قصد فرمایا اور سیاسی طور پر جمعیت علمأ ہند اور بعد میں جمعیت علمأ اسلام کے پلیٹ فارم سے مادر پدر آزاد سیاست کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صحیح اسلامی سیاست سے روشناس کرایا، ہمیشہ تجدد والحاد کے مقابلہ میں سدِ سکندری ثابت ہوئے، پاکستان میں ملی اور ملکی مفادات کی کوئی ایسی تحریک نہ ہوگی، جس میں مولانا موصوف نے قائدانہ کردار ادا نہ کیا ہو۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ہو یا ۱۹۷۴ء کی، نظام مصطفیٰؐ کی تحریک ہو یا امتناع قادیانیت آرڈی نینس کی تحریک ۱۹۸۴ء، ہر ایک میں آپ نے جان بازی و جاں نثاری کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت مولانا نے سیاست کے ساتھ ساتھ اپنے علمی ذوق کی بھرپور آبیاری کی، قرآن اور سنت کی ترویج واشاعت اور امت مسلمہ کو علوم نبوت سے آگاہ رکھنے کی غرض سے سرحد کے صوبائی دار الخلافہ پشاور میں ایک عظیم الشان دینی و علمی ادارہ قائم کیا جس میں حفظ وناظرہ سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک تمام علوم عقلی ونقلی کی تعلیم کا نہایت معقول انتظام فرمایا اور حیات مستعار کے تقریباً پچاس سال آپ نے اس میں بخاری شریف کا درس دیا......"

مولانا محمد ادریس انصاریؒ:

"حضرت مولانا محمد ادریس انصاری قدس سرہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ سلسلہ نقشبندیہ کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کی زندگی ایک مستقل تاریخ ہے اور اب علمی اور روحانی انحطاط کے اس دور میں جب کہ جانے والا اپنا کوئی بدل چھوڑ کر نہیں جاتا، موصوف کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے۔ آپ کی وفات سے سلوک واحسان کے میدان میں جہاں پہلے ہی قحط الرجال ہے ایک ناقابل تلافی خلأ پیدا ہو گیا۔

قدرت الٰہیہ کا تکوینی نظام ہے کہ اکابر کے ہوتے ہوئے بعض حضرات گوشۂ گمنامی میں ہوتے ہیں لیکن اکابر کے اٹھنے پر اللہ تعالیٰ ان سے ایسا کام لیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان میں اس وقت ایسی غیر معمولی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں کہ عقل انسانی ان کے احاطہ سے قاصر نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس بعض حضرات کی غیر معمولی صلاحیتوں کو ان کے اکابر محسوس کر لیتے ہیں اور اپنی زندگی میں ہی انہیں مسند رشد وہدایت پر فائز فرما دیتے ہیں، حضرت پیر جی

مولانا محمد ادریس انصاری قدس سرہ کا شمار ان مؤخر الذکر اکابر میں سے تھا کہ آپ کے تقویٰ وطہارت، نیکی وپارسائی اور علم وعمل کی گیرائی وگہرائی کو ان کے استاذ ومربی حضرت اقدس مولانا محمد الیاس بانی تبلیغ قدس سرہ نے زمانہ طالب علمی میں ہی بھانپ لیا، اور حضرتؒ کی زبان حق بیان نے انہیں اس وقت ہی پیرجی کے لقب سے ملقب فرمایا اور یہ لقب جس کو حلقہ تبلیغ میں خوب خوب شہرت حاصل ہوئی، اور آپؒ کے مسترشدین میں اس نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ آپ کو ''پیرجی'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ شاندار مبلغ وداعی، پائے کے عالم دین، بہترین مصنف اور بلند پایہ علمی وروحانی راہ نما تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے کئی ایک عرصہ سے شائع ہو رہی ہیں اور خصوصاً آپ کی بہت ہی مختصر مگر بہت ہی اہم تصنیف ''میری نماز'' نے امت میں قبول عام پایا اور لاکھوں انسانوں کو اس کے ذریعہ نماز صحیح کرنے کی توفیق ملی۔ آپ دین ودیانت میں اپنے اکابر کی تصویر تھے اور دینی معاملات میں بلاشبہ حد درجہ غیور اور ''لایخاف لومة لائم'' کا صحیح مصداق تھے۔

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ

''...... حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ سید گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے، اور ان کا خاندان قدیم ہی سے علوم دینیہ کی خدمت میں مشہور ہے۔ ان کے جد امجد حضرت باز گل مرحوم امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ جہاد میں شریک تھے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں کہ : ''ڈھونڈ ان کو چراغ رخ زیبا لے کر'' کی مصداق ہیں :

۱ :.... فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے لے کر آخری لمحات حیات تک آپ تعلیم وتلقین اور تعلیم وتعلم میں مشغول رہے، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کہ خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے طفیل ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

۲ :.... قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ سے آپ کو شغف ہی نہیں، بلکہ والہانہ عشق تھا، چنانچہ شمس آباد، ڈالوال، ایبٹ آباد، کوہٹا، تربیلا، نوشہرہ، سنجوال، پشاور، لارنس پور، واہ کینٹ اور اٹک وغیرہ جہاں بھی آپ کا قیام رہا، درس قرآن اور درس حدیث کا سلسلہ کبھی منقطع

نہیں ہوا۔ چنانچہ ۲۸ جلدوں میں آپ کا درس قرآن طبع ہو چکا ہے اور ۲۸ ہی جلدوں میں درس حدیث بھی طبع ہو چکا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

۳ :..... آپ کی محنت کا اصل میدان تو اصلاح قلوب اور دلوں میں قرآن و سنت کے آثار خیر کو کاشت کرنا تھا، جس سے آپ مدت العمر کبھی غافل نہیں ہوئے، تاہم مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی ضروریات سے بھی کبھی غفلت نہیں ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں جب فارغ ہو کر گھر آئے اپنے علاقے کے علماً کو "مجلس تنقیح فتویٰ" کے نام سے جمع کیا، اور "جمعیت علماً اٹک" کی بنیاد رکھی۔

...... حیرت ہوتی ہے کہ اپنے کثیر اشغال، درس و تدریس، ذکر و شغل، اصلاح نفوس اور موعظت و تذکیر کے ساتھ ساتھ انہیں ان پرچوں کے جاری رکھنے کی کس طرح صورت بنتی ہوگی؟ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث بھی رہے، اور ترمذی و بخاری کے اسباق پڑھاتے رہے، اور ساتھ ساتھ ان پرچوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔ سبحان اللہ!

مفتی عبد السمیع شہیدؒ :

"بروز اتوار یکم رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲ / نومبر ۱۹۹۷ء بارہ بج کر چالیس منٹ پر جامعہ علوم اسلامیہ کے مایہ ناز مدرس، امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہ کے دست راست اور معتمد علیہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے تربیت یافتہ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے تلمیذ رشید اور مسلک علماً دیوبند کے پاسبان و ترجمان، مولانا مفتی عبد السمیعؒ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی معیت میں جامعہ کی شاخ مدرسہ معارف العلوم پاپوش نگر سے واپسی پر جامعہ علوم اسلامیہ کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ کے مصروف ترین چوراہے پر نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شی عندہ باجل مسمی۔......

مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کی حقیقت شناس نظروں نے ان میں پوشیدہ صلاحیتوں کا ادراک کرتے ہوئے ان کے فارغ ہوتے ہی انہیں اپنی مادر علمی جامعہ علوم اسلامیہ

میں مدرس نامزد فرمایا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چند سالوں میں اونچے درجے کے استاذوں میں شمار ہونے لگے۔ صرف و نحو اور معقول و منطق کی تدریس کا انہیں خاص سلیقہ اور ڈھنگ تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے علوم و فنون میں بھی وہ کچھ کم نہ تھے، چنانچہ تفسیر بیضاوی کی تدریس ایک عرصہ سے ان سے متعلق تھی، اسی طرح شعبہ بنات کے دورۂ حدیث میں ان کا ترمذی شریف کا سبق بہت ہی مقبول و مشہور تھا۔

موصوف ایک طرف اگر جامعہ کے استاذ تھے تو دوسری طرف طلبہ کی اصلاح و تربیت پر مامور ناظم دارالاقامۃ بھی تھے، مجال نہ تھی کہ کوئی طالب علم ان کے سبق سے غیر حاضر رہ جائے۔ اسی طرح ان کے حصہ کے دارالاقامہ کا کوئی طالب علم تکبیر اولیٰ سے رہ جائے، ممکن ہی نہیں تھا۔

اسی طرح اہل بدعت دہوا اور روافض کی دسیسہ کاریوں، آئے دن مساجد و مدارس پر قبضہ کی مہم اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کی ناپاک و مذموم کوشش کے سدباب میں موصوف کا نہایت قابل تقلید کردار ہے، جہاں کسی مدرسہ یا مسجد کا مسئلہ ہوتا موصوف اپنی جیب سے کرایہ خرچ کر کے پہنچتے اور وہاں کے مسلمانوں کی اخلاقی، قانونی اور افرادی مدد کرتے اور جب تک ان کا مسئلہ حل نہ ہو جاتا ان کی بھرپور سرپرستی فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو جرأت و ہمت اور بے باکی کے جوہر گراں قدر سے خوب خوب نوازا تھا۔ وہ رورعایت کے روادار نہ تھے۔ بلکہ ان دنوں جب پورا کراچی لسانی فسادات کی لپیٹ میں تھا، بلاخوف و خطر اکیلے رات رات بھر ان علاقوں میں جہاں لوگ دن کو جاتے ہوئے بھی اپنی جان کے لئے خطرہ سمجھتے، گھومتے رہتے، اور وہاں کے مسلمانوں کی مدد فرماتے،......

جہاد افغانستان سے خصوصی دل چسپی، محبت اور عشق کا سا تعلق تھا۔ چنانچہ ہر سال مدارس کے طلبہ کی ذہن سازی کر کے انہیں افغانستان بھیجتے، جن طلبہ کے پاس سفر خرچ نہ ہوتا ان کے لئے سفر خرچ مہیا کرتے، متعدد بار خود بنفس نفیس افغانستان تشریف لے گئے اور میدان جہاد میں اترنے کا موقع ملا۔......"

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

"...... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اتنی خوبیوں کے مالک تھے کہ اس

مختصر سے شذرہ میں ان کا احاطہ کرنا تو کجا ان کی طرف اجمالی اشارہ بھی ممکن نہیں۔

۱:..... ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حضرت امام العصر انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد تھے، اور حدیث کے بہترین طالب علم تھے۔ انہوں نے دورۂ حدیث میں تمام کتابوں میں امتیازی نمبر حاصل کئے تھے، گویا علم ان کے مزاج اور سرشت میں داخل ہو گیا تھا۔ فراغت کے بعد وہ سالہا سال تک تعلیم و تعلم کے شغل سے وابستہ رہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماءٔ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ یہ علمی استحضار انہیں آخری عمر تک حاصل رہا، اور یہ ایک ایسی نعمت ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

۲:..... انہوں نے اپنے شیخ امام العصر کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نہ صرف صحیح ذوق و مزاج پایا تھا، بلکہ فرق باطلہ کے رد میں ان کی طبیعت میں حمیت دینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ قادیانیت اور دیگر فرق باطلہ کے مقابلہ میں شمشیرِ بے نیام تھے۔ ایک زمانہ میں اہل بدعت کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ گئی تھیں، ان کا زور توڑنے کے لئے حضرت مرحوم میدان میں آئے، اور ان کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ ان کا وہ زور ٹوٹ گیا۔

۳:..... ''الفرقان'' کے ذریعہ انہوں نے دینی اور ادبی صحافت کا آغاز کیا، جو پہلے بریلی سے جاری ہوا، اور بعد ازاں لکھنو منتقل ہو گیا، ان کی یہ صحافت قریباً ایک صدی پر محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے پڑھ کر کتنے لوگوں کے خیالات کی اصلاح ہوئی ہوگی، لوگوں کے ذہنوں سے شکوک و شبہات کی دھند چھٹی ہوگی، اور کتنے اللہ کے بندے ان کے مضامین کو پڑھ کر راہِ راست پر گامزن ہوئے ہوں گے۔

۴:..... حضرت مولاناؒ نے جس وقت بساط حیات پر قدم رکھا، اس وقت مختلف قسم کے فتنے اور تحریکیں ابھر رہی تھیں، مسلمانوں کی طرف سے بھی اور غیر مسلموں کی طرف سے بھی۔ حضرت مرحوم نے ان تمام غلط تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر ہمت چست باندھی، اور جس شخص کے بارے میں بھی ان کو کچھ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کار آمد ہوگا، اس کے ساتھ تعاون کیا، گویا وہ صرف مسجد و مدرسہ کے آدمی نہیں تھے، صرف ایک رسالہ کے مدیر اور ایڈیٹر نہیں تھے، بلکہ زندگی میں تمام اٹھنے والے فتنوں پر ان کی نظر تھی، اور ان فتنوں کے مقابلے میں جو کچھ ان کے امکان میں تھا، انہوں نے کسر نہیں چھوڑی۔

۵ :..... ایک زمانہ میں مولانا مودودی کا بڑا چرچا تھا، اور وہ اسی حمیت دینی کی خاطر کچھ عرصہ ان کی تحریک کے ساتھ بھی وابستہ رہے، لیکن بہت جلد احساس ہو گیا کہ جس عالی مقصد کے لئے وہ ان کے گرویدہ ہوئے ہیں، اس کا حصول ان کی ذات سے ممکن نہیں، چنانچہ وہ اس تحریک سے دست کش ہو گئے، اور بعد میں جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی اور علیحدگی کی داستان بھی لکھی۔ ان کا جماعت اسلامی سے یا مولانا مودودی سے تعلق محض للہ فی اللہ تھا، کوئی اپنی ذاتی غرض درمیان میں نہیں تھی۔......"

قاری محمد عبداللہ رحیمیؒ

"...... قاری محمد عبداللہ صاحب رحیمیؒ نے حضرت مرشد مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ایک دن اس ناکارہ سے فرمایا کہ حضرتؒ کے بعد کسی سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں لیکن تیرے سوا اب کسی پر نظر جمتی نہیں، میں نے معمولات پوچھے تو فرمایا کہ دس پارے روزانہ منزل پڑھتا ہوں، ایک منزل حزب الاعظم کی، ایک منزل دلائل الخیرات کی، بس دیگر اپنے مشاغل کے بعد میرے اوقات میں اس سے زیادہ معمولات کا وقت نہیں ہے۔ اس ناکارہ نے اس خیال سے کہ ان کے اعمال صالحہ میں اس صفر الید (خالی ہاتھ) کی بھی شرکت ہو جائے گی ان کو نہ صرف بیعت کر لیا بلکہ ساتھ کے ساتھ اجازت بھی دیدی اور مرحوم نے (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) اس تعلق کو خوب نبھایا۔ مرحوم نے ۱۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو کر اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدت العمر قرآن کریم کی تحفیظ و تجوید کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور تاحیات قرآن کریم کی خدمت میں مشغول رہے۔ جامع مسجد نور ساہیوال میں تحفیظ القرآن کا مدرسہ قائم کیا اور اس میں حفظ کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔......"

شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ

"...... حضرت شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ اپنے دور میں علمأ ربانیین میں ممتاز تھے۔ شیخ محمد زاہد الکوثری نوراللہ مرقدہ کے تلمیذ خاص تھے۔ اور اپنے شیخ کی طرح حنفیت میں متصلب تھے۔...... مرحوم کی زندگی خالص علمی اور تحقیقی زندگی تھی۔

......ان کی شخصیت میں چند چیزیں ایسی نظر آئیں جو عام علمأ کرام میں نہیں :

۱:.... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت وجیہ شکل وصورت عطا فرمائی تھی اور ان کا اخلاص وتدین، علم وفضل ان کے چہرے مہرے سے ٹپکتا تھا۔ ان کو دیکھ کر ایک عام آدمی بھی محسوس کرتا تھا کہ یہ شخص عالم ربانی ہے۔ غرضیکہ حق تعالیٰ شانہ نے حسن معنوی اور باطنی کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی سرفراز فرما رکھا تھا۔

۲:.... حلم وتواضع کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت میں سب سے زیادہ پرکشش بات یہ تھی کہ ان پر اکثر وبیشتر رقت طاری رہتی تھی اور یہ ان کی دولت باطن کا پتہ دیتی تھی۔

۳:.... جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ ان کو علماً ہند وپاک سے بھی شغف تھا۔ وہ بہت سے مدارس میں گئے، ان مدارس میں ان کے ہاتھ کی لکھی گئی تحریریں موجود ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ باوجود حلبی عالم ہونے کے انہوں نے علماً ہند وپاک سے سند حدیث حاصل کی اور صرف رسمی طور پر نہیں بلکہ واقعتاً ان کا جب بھی تذکرہ کرتے ہیں قال شیخنا کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے شیخ حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کا ذکر جب بھی فرماتے ہیں شیخنا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان مشائخ حقہ سے سچا تعلق تھا......

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

"...... حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کو تمام علوم متداولہ مستحضر بلکہ ازبر تھے، اور فقہ وحدیث میں تو ایسا اختصاص وامتیاز حاصل تھا کہ باید وشاید، صحیح بخاری شریف کا درس سالہا سال دیا، اور اکابر کی نگرانی میں فتویٰ نویسی میں عمر لگادی، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ محمودیہ" ۱۶ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جو آپ کے تفقہ کا شاہکار ہے، حضرت مفتی صاحب کا حافظہ ماشاء اللہ آخر عمر تک رشک حفاظ رہا، فرق باطلہ سے بارہا مناظروں اور مباحثوں کی بھی نوبت آئی اور بحمد اللہ! ہر میدان میں غالب اور مظفر ومنصور رہے۔ اور آپ کی خداداد ذہانت وذکاوت اور خوش طبعی وسبک روحی کے جوہر خوب خوب کھلے، حضرت مفتی صاحبؒ کسی کی کوئی غلط بات دیکھتے تھے اسے فوراً ٹوک دیتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں بڑے معتمد علیہ تھے، حضرت شیخ اپنے خاص معاملات میں ان کے مشوروں اور ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے،

جس کی بہت سی مثالیں ملفوظات میں محفوظ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے اکابرؒ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت تھی، اور اکابرؒ کے اتنے واقعات ان کے سینے میں محفوظ تھے جو کم لوگوں کو یاد ہوں گے، زہد واستغنا کا یہ عالم تھا کہ جس وقت ابتدا ہی سے جب حضرت مفتی صاحبؒ کو مظاہر علوم میں بہ مشاہرہ دس روپے معین مفتی مقرر کیا گیا تو باہر سے مفتی صاحبؒ کو ایک بڑی تنخواہ کی پیشکش ہوئی مگر مفتی صاحبؒ نے یہ پیشکش مسترد کردی، کسی بے تکلف دوست نے کہا کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ اس دعوت کو قبول فرمالیں گے، فرمایا "تم لوگوں کو میرے بارے میں یہ بدگمانی کیوں ہوئی کہ میں مظاہر علوم میں اساتذہ کرام کے سایہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ بھی جاسکتا ہوں؟"۔......

مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ

"...... حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ ۱۳۹۰ھ کے اواخر اور ۱۹۷۱ء کے اوائل میں حضرت اقدس محدث العصر سیدی وشیخی الشیخ العلامہ شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے، حضرتؒ نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کی نگرانی پر حضرت مرحوم کو مقرر فرمایا، اور ایک عرصہ تک اس شعبہ کے مشرف رہے، اور اس شعبہ کے طلبہ کو "حجۃ اللہ البالغۃ" (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سبقاً پڑھائی۔ اور ایک عرصہ تک جامعہ کے شعبہ دار التصنیف "مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی" کے رفیق رہے، اور متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، اظہار حقیقت، تنویر العینین فی تفسیر المعوذتین"، دینی نفسیات"، "ایمان وایمانیات"، "نور حیات" وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان کے متعدد مضامین ومقالات ماہنامہ "بینات" کی زینت بنے۔

حضرت مولانا مرحوم اصلاح وارشاد کا تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رکھتے تھے، اور ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس سرہ سے مجاز تھے۔ عجز وانکسار میں ممتاز تھے، مزاج میں تواضع اور مسکنت تھی۔ نماز میں ان کے خشوع کی کیفیت دیدنی ہوتی تھی، جو ہم خوردوں کے لئے لائق رشک بھی تھی اور سبق آموز بھی، الغرض حال وقال اور ظاہر وباطن کے جامع تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔......"

حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ :

”حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ صاحب مرحوم کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی مولانا سید عبد الصادق اور وطن مالوف ”چنار کوٹ تحصیل مانسہرہ“ (ہزارہ) تھا، خوش قسمتی سے تعلیم کا آغاز دار العلوم دیوبند کی مبارک اور نورانی فضا میں ہوا، جس کی تقریب یہ ہوئی کہ ان کے بہنوئی جناب مولانا پیر سید شاہ دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، وہ اپنے اس عزیز کو چھ سال کی عمر میں اپنے ساتھ دار العلوم لے گئے۔ مرحوم نے دو سال وہاں رہ کر ابتدائی فارسی وغیرہ پڑھی، ۱۳۵۷ھ میں مولانا پیر سید شاہ کی تعلیم مکمل ہوگئی تو ہمارے شاہ صاحبؒ کو بھی وہاں سے تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا، وطن میں اپنے والد ماجد اور دیگر اہل علم سے پڑھتے رہے، پھر چھچھ (کیمبل پور) اور ”انگی“ (گجرات) میں مولانا شاہ ولی اللہ سے کچھ کتابیں پڑھیں، بالآخر ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمان کامل پوری، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰنؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھا۔

۱۹۶۵ء میں اپنے رفیق درس حضرت مولانا بدیع الزمان کے اصرار (اور غالباً حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ایمأ پر) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (سابق مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن) تشریف لائے۔ اور قریباً تیس سال تک شیخ بنوریؒ کے مدرسہ میں اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے بالآخر سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

بیعت کا تعلق حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا۔ بعد میں حضرت قطب العالم شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے خلیفہ اعظم حضرت اقدس شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ (سرگودھا والے) سے تجدید بیعت فرمائی، اپنے معمولات میں پختہ تھے، خصوصیت کے ساتھ نماز میں تکبیر تحریمہ کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔

وہ کسی سے الجھنے اور جھگڑنے کے قائل ہی نہیں تھے، بسااوقات مسائل زیر بحث آتے، لیکن ان کے یہاں کبھی مباحثہ و مجادلہ کی نوبت نہیں آئی تھی، جب کبھی گفتگو مباحثہ کا رخ اختیار کرتی نظر آتی وہ ”بس چھوڑو مولوی صاحب!“ کہہ کر فارغ ہو جاتے اور مناقشہ کے چھینٹوں سے دامن بچا کر صاف نکل جاتے۔

حج وعمرہ کے اسفار میں اکثر ان کا ساتھ رہا، لیکن وہ نماز کے اوقات میں (خصوصاً سحر کے وقت) چپکے سے حرم شریف کی طرف چل دیتے، اور کسی کی رفاقت کے منت کش نہیں ہوتے تھے، تکبیر تحریمہ پر شدت سے پابند تھے، حرم نبویؐ میں صف اول کا اہتمام رہتا، اور اس میں اکثر وبیشتر کامیاب ہوتے۔ مرحوم نے سفر آخرت میں بھی ''چپکے سے تنہا جانے'' کی روایت کو برقرار رکھا......''

حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ :

''...... ۱۳۶۴ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ فیض آپ کے ذریعہ اطراف عالم میں خوب پھیلا، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت جیؒ کے زمانہ امارت میں الحمد للہ کام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں، جسمیں آپ کی پرخلوص محنت ودعا کا بڑا حصہ ہے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کی بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی نہج پر محنت کو جاری رکھا اور رکھوایا، ایک موقع پر فرمایا:

> ''ہم تو لکیر کے فقیر ہیں، مولانا الیاس صاحبؒ کے اصول پر جم کر کام کریں گے اور کروائیں گے''۔

اپنے تیس سالہ دور امارت میں دنیا بھر کے مختلف الالوان، مختلف اللسان کام کرنے والوں میں یکجہتی واتفاق رکھنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے، کسی بھی تنظیم میں اختلاف کا ہونا یقینی امر ہے مگر اختلاف اختلاف کی حد سے تجاوز کر جائے تو یقیناً یہ معیوب ہے، اہل تبلیغ اور مختلف ممالک کی شوریٰ میں جب اختلاف کی صورت پیدا ہوتی اور حضرتؒ کے سامنے ایسے امور پیش کئے جاتے تو حضرت اپنی خداداد معاملہ فہمی سے لمحوں میں ایسا فیصلہ فرماتے کہ فریقین کو بغیر رضامندی وطاعت کے چارہ نہ رہتا۔

سنت نبوی ﷺ کی اتباع میں حضرت جیؒ کا طرز عمل اپنے خدام کے ساتھ بالکل ویسا ہی تھا جس کی شہادت صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے متعلق دی، حضرت جیؒ کے سفر وحضر کے خاص خادم مولانا سلیمان صاحب کی زبانی سنئے، موصوف فرماتے ہیں: ''میں پندرہ سال سے

زیادہ عرصہ سے حضرت جیؒ کی خدمت میں ہوں، کبھی حضرتؒ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا، یہ کیوں نہیں کیا؟"۔......

مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ

"...... حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی مرحوم ٹونک کے مشہور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، ان کے والد مولانا مفتی انوار الحسن خانؒ، دادا مولانا مفتی محمد حسن خانؒ اور پردادا مولانا مفتی احمد حسن خانؒ تینوں اپنے دور کے جید عالم وفقیہ، ریاست ٹونک کے مفتی اور عدالت شرعیہ ٹونک کے قاضی رہے۔

ہمارے حضرت بنوریؒ جوہر شناس بھی تھے، اور قدر شناس بھی، صحیح بخاری اور ترمذی شریف کے اسباق حضرتؒ کے یہاں ہوتے تھے، حضرتؒ نے مفتی صاحب کو "معارف السنن" کا قلمی نسخہ عنایت فرماکر ارشاد فرمایا کہ خوب تحقیق ومطالعہ کے بعد ترمذی شریف کے سبق میں شرکت فرمایا کریں، چنانچہ مسلسل تین سال تک جناب مفتی صاحب "معارف السنن' کے حوالوں کی روشنی میں پوری تیاری کے بعد حضرت بنوریؒ کے درس ترمذی میں نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے، ایک طرف مدرسہ کے اسباق تھے، دارالافتا کی ذمہ داریاں تھیں، اور دوسری طرف مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے خواب (پرانے طرز کا عالم بننے) کی تکمیل ہورہی تھی، اس تکمیل کے بعد حضرت بنوریؒ نے ترمذی شریف کا درس (جو صحاح ستہ میں سب سے بنیادی اور مرکزی درس سمجھا جاتا ہے) جناب مفتی صاحب مرحوم کے حوالہ کردیا، اور حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد حضرت بنوریؒ کا درس صحیح بخاری بھی جناب مفتی صاحب کی طرف منتقل ہوگیا۔ یہ تھے ہمارے شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

...... حضرت مفتی صاحبؒ کا بیعت وارادت کا تعلق سندھ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمہ اللہ سے تھا...... حضرت ہالیجویؒ کے وصال کے بعد مفتی صاحب مرحوم نے ہمارے شیخ برکۃ العصر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث الحافظ الحجہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے رجوع کیا، اور آپ سے خلافت واجازت پائی، جناب مفتی صاحب کے علم وفضل اور فقہ وحدیث اور علوم نبویہ میں ان کی مہارت وحذاقت کا ایک زمانہ قائل تھا، حضرت

مفتی محمد شفیعؒ کے وصال کے بعد ہمارے مفتی صاحب کو مفتی اعظم پاکستان کے لقب سے سرفراز کیا گیا، ہمارے حضرت بنوری قدس سرہ کا ان کو جامعہ علوم اسلامیہ کے رئیس دارالافتاء کے منصب کے لئے تجویز کرنا اور صحاح ستہ کی مرکزی کتاب جامع ترمذی کی تدریس ان کے حوالے کر دینا فقہ وحدیث میں ان کے فضل وکمال کی کافی شہادت ہے۔ حضرتؒ نے جب مدرسہ میں تخصصات کے شعبے جاری فرمائے تو "تخصص فی الفقہ" کا مشرف ونگران جناب مفتی صاحب مرحوم کو مقرر فرمایا۔

جناب مفتی صاحب کا ایک لائق رشک امتیازی وصف "بر الوالدین" تھا، یہ ناکارہ جب کراچی آیا تو مفتی صاحب یہاں کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث تھے، اس کے باوجود والدہ ماجدہ کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اپنا پورا مشاہرہ والدہ ماجدہؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے، اور وہ اپنے اس جلیل القدر فرزند کو چار آنے یومیہ پان کے لئے عطا فرماتی تھیں، ضعیف العمر والدہ کے ساتھ مفتی صاحب کا یہ حسن سلوک اس دور میں غالباً عدیم النظیر تھا، جو غایت تواضع اور ادب مع الاکابر سے ناشی ہے۔......"

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ بمطابق ۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء جمعہ کے وقت، روزہ کی حالت میں اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صدر نشین، رابطہ عالم اسلامی کے تأسیسی رکن، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے صدر، مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے سربراہ، عربی اکیڈمی دمشق کے رکن، مجلس شوریٰ مدینہ یونیورسٹی کے رکن، مجلس عاملہ موتمر عالمی اسلامی بیروت کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، رابطہ الادب الاسلامی العالمیہ کے صدر، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا کے رکن، سابق پروفیسر امارات اور وزیٹنگ پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، آکسفورڈ سینٹر اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر، عربی اردو میں بیسیوں کتابوں کے مصنف، عربیت کے امام، عالم اسلام کی عظیم علمی وروحانی شخصیت اور عظیم مفکر واسکالر، اقلیم علم کے تاجدار اور سرمایہ ملت کے پاسبان حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ مااعطی وکل شی عندہ

باجل مسمی۔

راقم الحروف نے کئی سال قبل "میرے حضرت بنوریؒ کی چند حسین یادیں" کے عنوان سے ماہنامہ "اقرأ ڈائجسٹ" کیلئے لکھا تھا:

"حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات و احسانات اس ناکارہ کے شامل حال ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط و تعلق نصیب فرمایا، فالحمد للہ وله الشکر۔ ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

گرچہ نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، امام التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف الدہلوی نور اللہ مرقدہ، حضرتؒ مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ، اور سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ۔" (شخصیات و تأثرات ص ۱۳۲، ۱۳۳)

مگر ہوش سنبھالنے کے بعد ان اکابر کے علاوہ پانچویں بزرگ، جن کے کمالات، علوم و معارف، فضل و احسان، ورع و تقویٰ، دعوت و عزیمت، حق گوئی و بے باکی، ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے گھلنے اور پگھلنے سے میں زیادہ متأثر ہوا، جن کی خدمات پر بے حد رشک آیا اور جن سے غائبانہ عقیدت، محبت میں بدل گئی، وہ حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی جامع الصفات اور ہمہ گیر شخصیت تھی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی المعروف بہ علی میاں قدس سرہ کے کس کس گوشہ حیات اور کمالات زندگی کو احاطہ تحریر میں لایا جائے؟ اسے کس طرح شروع کیا جائے؟ اور کہاں سے شروع کیا جائے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، زبان و قلم اور الفاظ و حروف ساتھ نہیں دے

رہے۔ حضرت مرحوم کی وفات کا سانحہ جہاں ہند وپاک کے مسلمانوں کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے وہاں عرب وعجم اور شرق وغرب اور دنیائے اسلام کے مسلمان، اس صدمہ سے دوچار ہیں، حضرت مولانا علی میاں کی وفات سے ایک طرف اگر ان کے پسماندگان اور متعلقین غم زدہ ہیں، تو دوسری طرف ان کی وفات سے حجاز مقدس اور حرمین کے اکابر علماً اور ارباب اقتدار بھی اس صدمہ جانکاہ کو سہارنے کی ہمت نہیں پاتے۔......

حضرتؒ کی وفات سے امت ایک عظیم رہبر وراہ نما اور مشفق ومربی سرپرست اور باخدا عارف ربانی سے محروم ہوگئی، اور مجالس علم وعرفان اور طبقہ اہل علم یتیم ہوگئے ہیں۔

حضرت مرحومؒ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیا جو پوری ایک جماعت کے لئے مشکل ہے، یہ ان کی قبولیت عنداللہ اور موفق من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ ان کے لمحات زندگی کو دین اور اشاعت دین کے لئے قبول فرمالیا گیا۔......"

مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ

"...... محدث العصر حضرت بنوری قدس سرہ کے محبّ ورفیق کار، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے مشرف واستاذ، ماہنامہ "بینات" کے سابق مدیر ومرتب، حضرت علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ کے ممتاز ترین شاگرد، حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی کے محبّ ومحبوب اور مجاز بیعت، جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے شعبہ اسلامیات کے صدر نشین، مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم اسلامیہ کے رکن رکین، مشہور علمی تحقیقی اداروں ندوۃ المصنفین حیدر آباد دکن، ندوۃ المصنفین دہلی کے نامور محقق، برصغیر پاک وہند کی نامور شخصیت، فن حدیث کے امام، محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جمعرات ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲/ اگست ۱۹۹۹ء صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر رحلت فرماگئے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا، آپ کی شخصیت سراپا علم وادب سے عبارت تھی، آپ خالص علمی اور محققانہ مزاج کے حامل تھے، آپ جہاں اور جس مجلس میں تشریف لے جاتے میر مجلس ہوتے۔

آپ لمحات زندگی کو ضائع کرنے کے ہرگز روادار نہ تھے۔ آپ جس طرح خود کام

کرنے کے عادی تھے اپنے طلبہ سے بھی اسی انداز سے کام لینا جانتے تھے۔

آپؒ کی دینی خدمات پون صدی پر محیط ہیں، جن میں تصنیف و تالیف، بحث و تحقیق، درس و تدریس اور سلوک و احسان، غرض ہر میدان میں آپؒ نے نمایاں مقام اور امتیازی شان حاصل کی، آپؒ کا کمال یہ تھا کہ آپ نیکی کے کسی کام میں سستی کے قائل نہیں تھے خصوصا سلام کرنے میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا، آپ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک کو سلام کرتے اور نہایت تپاک سے خیریت دریافت فرماتے، آپ کی مقبولیت عند اللہ کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آغاز شباب سے پیرانہ سالی بلکہ آخری لمحات زندگی تک آپ درس تدریس، پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

فن رجال اور حدیث پاک سے آپ کو خصوصی شغف اور مہارت تھی، بلا مبالغہ اس وقت آپ کے پائے کا کوئی، اور اسمائے رجال کا ماہر شاید ہی کوئی ہو۔

حضرات صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدینؓ اور سادات اہل بیتؓ سے محبت والفت ان کا اختصاص تھا، فن حدیث کے علاوہ فقہ حنفی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ان کی والہانہ محبت وعقیدت اور عشق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپؒ حضرت امام الائمہ کے عاشق صادق اور ان کے مسلک کے داعی و مناد تھے، حضرت امامؒ پر ان کے معاصرین اور اصاغر کی طرف سے ناروا زیادتیوں پر شکایت فرماتے اور بعض اوقات یہ شکایت تلخی کا رنگ اختیار کرلیتی مگر بایں ہمہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا......"

قاری عبدالغفار رحمہ اللہ:

"...... قاری عبدالغفار رحمہ اللہ کی عمر مبارک ۷۵ سال تھی، ریاست گوالیار ہندوستان آپ کی جائے پیدائش تھی، آپ کے والد گرامی جناب شیر محمد صاحب نے آپ کو اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم دلائی، آپ نے ریاست گوالیار کے مشہور قاری جناب حافظ محمد عظیم صاحب سے، جو بڑے قاری صاحب کہلاتے تھے، حفظ مکمل فرمایا۔

۱۹۵۳ء میں پاکستان ہجرت فرماکر سیدھے کراچی تشریف لائے، لیاقت آباد کراچی میں جامع مسجد طیبہ کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہوگئے، اہل بدعت سے خوب خوب معرکے کئے، مگر نیرنگی دوران کہئے یا ارباب حکومت کی نااہلی کہ وہ مسجد اہل بدعت کے قبضہ

میں چلی گئی۔ لیکن آپ پھر بھی دلبر داشتہ نہیں ہوئے، آپ مدینہ مسجد لیاقت آباد سے منسلک ہو گئے اور معذوری تک اس مسجد کے امام وخطیب رہے۔

آج سے چالیس سال پہلے آپ حضرت اقدس محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے قائم کردہ گلشن علوم نبوت جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ حفظ سے منسلک ہو گئے اور محبت وعقیدت، خلوص واخلاص اور عہد ووفا کا یہ پیمان اس طرح نبھایا کہ تادم واپسیں اس کے ساتھ منسلک رہے۔

آپؒ کی کلاس کا ماحول مشہور تھا، آپ دن کو پڑھاتے اور رات کو مصلے پر کھڑے ہو کر اپنے طلبہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان میں سے اکثر مدرس ہیں۔ ان کی کلاس سے کوئی محروم نہیں گیا، جو کہیں نہ پڑھتا وہ ان کے ہاں پڑھتا، ان کے شاگردوں نے بتلایا کہ ان کی ایک عجیب اور مافوق الفطرت یہ صفت دیکھی کہ گہری نیند سوتے ہوئے بھی اذان ہو جاتی تو پوری اذان کا جواب دیتے اور دعا وسیلہ پڑھتے اور اذان کے ٹھیک پانچ منٹ بعد جاگ جاتے۔......"

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

"...... مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار جامعہ علوم اسلامیہ کے رئیس وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ، امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے جانشین، حضرت بنوری قدس سرہ کے فرزند نسبتی اور محبوب وممتاز تلمیذ، حضرتؒ کی خصوصی توجہات کے مورد، آپؒ کے علوم وافادات کے وارث وامین، "کشف النقاب" سمیت بیسیوں کتابوں کے مصنف، عظیم محقق، مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم اسلامیہ کے صدر نشین، ملک وملت کے سرمایہ اور ملت اسلامیہ کے نامور سپوت تھے۔

...... ۲۸ / فروری ۱۹۴۴ء کو آپ جناب حکیم محمد مختار حسن دہلویؒ کے ہاں متولد ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد والدین کے ہمراہ کراچی تشریف لائے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم نانک واڑہ کراچی میں ہوئی، اس کے بعد ابتدائی فارسی، درجہ اولیٰ اور درجہ ثانیہ کے ابتدائی اسباق تک آپ نے دارالعلوم کورنگی میں تعلیم حاصل کی، درجہ ثانیہ سے دورۂ حدیث تک جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۶۳ء میں وفاق المدارس العربیہ

پاکستان سے دورۂ حدیث کا امتحان دیا اور پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی، درس نظامی کی تکمیل کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ میں تخصص فی علوم الحدیث کا دوسالہ کورس مکمل فرمایا اور ۱۹۶۵ء میں تخصص کے اس دو سالہ نصاب کے امتحان میں پہلی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔ ایک سال دارالافتأ جامعہ علوم اسلامیہ میں بحیثیت معاون مفتی کام کیا، اور ۱۹۶۶ء میں حضرت اقدس محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے ایمأ اور مشورہ سے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں داخلہ لیا اور چار سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۷۰ء میں وہاں سے ڈگری حاصل کی۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر محدث العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے اپنے اس ہونہار شاگرد اور لائق وفائق روحانی بیٹے کو نہ صرف اپنے ادارہ میں استاد مقرر فرمایا بلکہ اپنی دامادی کا شرف بھی بخشا۔ یہ دوہری نسبت اور تعلق رنگ لایا اور مولاناؒ کی صلاحیتوں میں خوب نکھار آگیا۔ اور دوسری جانب حضرت بنوری قدس سرہ نے شعبہ تصنیف و تالیف میں آپ کو نہ صرف معاون، بنایا بلکہ جامع ترمذی کی شہرہ آفاق شرح ''معارف السنن'' کی ترتیب میں آپ نے خصوصی کردار ادا کیا۔

(ماخوذ از شخصیات وتأثرات جلد اول۔ دوم)

..................☆..................

...... آج تک ضیأ حکومت کو یہ دو حرفی قانون نافذ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ ''آج سے تمام غیر اسلامی قوانین منسوخ کئے جاتے ہیں، آئندہ تمام عدالتیں شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی''۔ سوال یہ ہے کہ نو سالہ دور میں صدر اگر اسلام اور اسلامی شریعت کے حق میں یہ دو حرفی فرمان بھی جاری نہیں کر سکے تو ان سے یا ان کی انتظامیہ سے ''پاسبانی اسلام'' کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

جنرل ضیأ خدا تعالیٰ کے سامنے یہ عذر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ ان کے اختیارات محدود تھے کہ وہ تو اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے مگر انہیں اپنے محدود اختیارات کی بنأ پر اس کی قدرت نہیں تھی، ان کا یہ عذر اس لئے صحیح نہیں کہ وہ آٹھ سال تک پاکستان اور پاکستانی عوام کے سیاہ و سفید کے بلاشرکت غیرے مالک رہے ہیں۔ اس عرصہ میں سول اور فوج کے اقتدار کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہی ہیں، اگر وہ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تو کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا......

خیر المکاتیب

صاحبزادہ مولانا محمد طیب لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرشد العلماءؒ، شہیدِ اسلام حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہ نے ۱۹۵۳ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے فاتحہ فراغ پڑھا، اسی سال آپ نے اپنے مشفق و مربی استاذ، حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی و مہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلہ اشرفیہ، امدادیہ صابریہ میں بیعت فرماکر علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تعمیر باطن میں بھی ان کے انوار و برکات سے استفادہ کیا۔

حضرت حکیم العصر شہیدؒ نے اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کی خاطر اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے شیخ کے سپرد کردیا، اور روزمرہ زندگی کے تمام حالات وواقعات اور معاملات میں اپنے شیخ سے زبانی و تحریری ہدایات لے کر اپنی شخصیت کی تعمیر فرمائی۔ حضرت شہیدؒ نے اپنے شیخ و مربی کی ہدایات و نصائح اور مکاتیب و مخطوطات کو کس طرح محفوظ فرماکر حرز جان بنائے رکھا، اس کے لئے حضرتؒ کی نوٹ بک سے چند مکتوبات مع جوابات ہدیہ ناظرین ہیں، حضرت شہیدؒ نے مکتوبات کو اسطرح محفوظ کرنے کے لئے اپنے شیخ سے اجازت لی۔ حضرتؒ نے نمونہ مانگا، نمونہ پیش کیا تو حضرت نے پسندیدگی کے ساتھ اجازت دیدی۔ خیر المکاتیب نام بھی حضرت شہیدؒ ہی کا تجویز فرمودہ ہے،

حضرت شہیدؒ کو اپنے شیخ و مرشد کی تعلیمات سے کس قدر والہانہ عشق تھا؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ کے تمام مکاتیب کو اصلی حالت میں محفوظ کرنے کے علاوہ ان کو ایک کاپی میں نقل کر کے محفوظ کر لیا تھا اور اس میں اپنا حال لکھ کر حضرت شیخ کا جواب نقل کیا ہے، زندگی میں ان مکتوبات کی اشاعت کی اجازت نہیں دی تھی- فرماتے تھے میرے بعد چاہو تو شائع کر لینا- البتہ ان مکاتیب میں سے چند منتخب مکاتیب "بیس مردان حق" میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے تذکرہ کے ذیل میں آگئے ہیں البتہ زیر نظر مکتوبات میں یہ تصرف کیا گیا ہے کہ جہاں تکرار تھا اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے خیر المکاتیب کے آخر میں حضرت شہیدؒ کے خلوص واخلاص اور شفقت و محبت سے مملو چند مکتوبات بھی نذر ناظرین ہیں جن کا ایک ایک حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے :

مکتوب : ۱

۲۱ محرم الحرام ۷۴ ۱۳ھ

حال :.... سیدی حضرۃ الشیخ دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب :.... السلام علیکم

حال :.... حضرت اقدس طبیعت عالیہ سے مطلع فرمائیں؟

جواب :.... بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہوں!

حال :.... بعدہ عرض ایں کہ کافی عرصہ سے عریضہ نہیں لکھا جسکی اصل وجہ یہ ہے کہ لکھوں تو کیا لکھوں؟

جواب :.... خیریت کی خبر لکھ کر خیریت ودعا طلبی بھی تو کر سکتے ہو۔

حال :.... نہ طبیعت میں تبدیلی نہ کوئی حالت! قابل اطلاع۔

جواب :.... شکر کرو انحطاط تو نہیں۔

حال :.... حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ و ملفوظات زیر مطالعہ ہیں۔

جواب :.... یہ نعمت عظمیٰ ہے۔

حال :.... عشاء کے بعد بہ نیت تہجد چار نفل پڑھ لیتا ہوں۔

جواب :.... مبارک ہو۔

حال :.... حضرت کی بارگاہ میں عرض ہے کہ بندہ کی مکمل اصلاح میں پوری رہنمائی فرمادیں۔

جواب :.... بس اطلاع حالات وانقیاد مقالات کی تکلیف آپ اٹھائیں۔

حال :.... بعض دفع شبہ ہوتا ہے، نامعلوم کہ یہ نفسانی ہے یا واقعی شبہ؟ کہ مجھ ایسا آدمی جس کی تمام عمر معاصی میں گزری ہو، اور طبیعت میں بالکل صلاحیت نہ ہو، اس کی اصلاح کی کہاں توقع؟

جواب :.... بالکل غلط وسوسہ ہے، علاج مصلح پر اعتماد ہونا چاہئے۔

حال :.... حضرتؒ کے وعظ طریق القلندر میں پڑھا کہ ہر بیماری کا علاج فرداً فرداً کرنا دشوار ہے، سب کا علاج ایک ہے کہ محبت الٰہی کو پیدا کرلو...., اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب :.... رسالہ تبلیغ دین یا اصول الوصول کا مطالعہ کرکے رذائل کی، جو اپنے اندر محسوس ہوں، فہرست تیار کرلیں، پھر ایک ایک کا علاج پوچھ کر تزکیہ کراتے جائیں، اس سے استعداد قبول محبت کی قلب میں پیدا ہوگی۔

حال :.... ناکارہ چونکہ آداب سے واقف نہیں، ترساں ولرزاں عریضہ لکھ رہا ہوں جو خلاف ادب ہو معاف فرمایا جائے۔

جواب :.... جو امر خلاف ادب ہوگا مصلح کا فرض ہے کہ متنبہ کرے، یہی معافی کی صورت ہے، نہ کہ الفاظ۔

مکتوب : ۲

محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

سیدی حضرت الشیخ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال :.... وہ یہ کہ نمازی درس قرآن بوقت صبح پر اصرار کرتے ہیں اور مجھے تامل ہے، دووجہ سے، اول حضرت سے اجازت نہ ہونا، دوم یہ خیال کہ قال حال کے اور قول عمل کے خلاف ہوگا تو "لم تقولون مالا تفعلون" کی مصداقیت کا خدشہ ہوگا۔

جواب :.... یہ آیت تو تردید دعویٰ کیلئے ہے نہ کہ انکار علی الدعوۃ کے لئے۔
حال :.... اب جو ارشاد ہو گا عمل کروں گا۔
جواب :.... توکلا علی اللہ درس قرآن شروع کر دیجئے، مگر تفسیر بیان القرآن اور فوائد شبیریہ وطریق سلف کو مرجح سمجھئے۔

مکتوب : ۳

۱۵ صفر ۷۴ھ

سیدی حضرت الشیخ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
حال :.... تبلیغ دین بندہ کو ملی نہیں، تعلیم الدین اور فروع الایمان سے مرتب کر کے انیس امراض پر مشتمل فہرست حاضر ہے۔
جواب :.... تبلیغ دین مفت رجسٹرڈ ارسال ہے رجسٹری کے خرچ کے ٹکٹ لفافہ حافظ رشید احمد کے نام بھجدئے جائیں۔
حال :.... فضول گوئی میں ابتلا زیادہ ہے، غیبت سے بہت احتراز کرتا ہوں، لیکن بعض دفعہ کسی کے پس پشت ایسی بات ہو ہی جاتی ہے، جس پر غیبت کی تعریف صادق آجائے، کوئی سہل علاج تجویز فرمایا جائے؟
جواب :.... کلی علاج تمام رذائل کا تو یہ ہے کہ ہمت کر کے اجتناب کو قصداً اختیار کیا جائے، اس لئے کہ فعل اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہوتا ہے۔ البتہ جزوی علاج فضول گوئی اور غیبت کا یہ ہے کہ اس پر جو وعیدات احادیث میں آئی ہیں ان کو سوچا جائے، اور روزانہ اپنے عیوب کا مراقبہ کر کے تجدید توبہ کی جائے۔

مکتوب : ۴

۲۸/ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

سیدی ومولائی، ملجائی وملاذی حضرت الشیخ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال :.... حضرت نے تمام رذائل کو اختیاری فرمایا، اور یہ کہ ان کا ترک بھی اختیاری ہوگا، لیکن عرض یہ ہے کہ بوقت اشتغال نہ فعل کا اختیاری ہونا مستحضر رہتا ہے اور نہ ہی وعیدات، بعد میں گو ازحد ندامت ہوتی ہے، مگر اشتغال پھر ہو جاتا ہے اس لئے چند امور دریافت کرتا ہوں۔

حال :.... فضول گوئی کی ماہیت کیا ہے؟ اور مباح وغیر مباح میں معیاری فرق کیا ہے؟

جواب :.... رسالہ تبلیغ دین مطالعہ کیجئے۔

مکتوب : ۵

۱۷ رمضان المبارک ۷۴ھ

حال :.... علالت کی اطلاع ملی، اس پر دریافت خیریت وصحت اور درخواست دعا۔

جواب :.... السلام علیکم، بفضلہ تعالیٰ بتکلف.... روزہ وتراویح ادا کر رہا ہوں، ۴ بجے شام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات احباب کی مجلس میں سن لیتا ہوں، اور تھوڑا سا مثنوی شریف کا درس بھی دے دیتا ہوں۔ کمزوری اور بعض آثار مرض ہنوز باقی ہیں، تکمیل صحت کی دعا کرتے رہیں، بندہ بھی صلاح وفلاح دارین کی دعا کرتا ہے۔

مکتوب : ۶

رمضان المبارک ۷۴ھ

حال :.... رمضان المبارک میں جو کھانا برائے افطاری لایا جاتا ہے اسے ذو نصاب لوگوں کے کھانے کا حکم؟

جواب :.... السلام علیکم۔ جو شئے منت اور نذر کی ہو وہ فقراء کے ساتھ مخصوص ہے، افطاری وغیرہ ایسی نہیں۔

حال :.... امراء واغنیا کے نابالغ بچوں کے صدقات وخیرات کھانے پر شبہ ہے۔

جواب :.... اس کا جواب بھی وہی ہے۔ مطلق خیرات نذر نہیں۔

مکتوب : ۷

۲۲/ذی الحجہ ۷۴ھ

سیدی وسندی حضرت الشیخ دامت فیوضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت کی علالت کی خبر سنی، ساتھ ہی یہ کہ حضرت لاہور ہی برائے علاج مقیم ہیں۔

جواب :.... اس قدر اچھی ہے کہ تعلیم واہتمام کا کام کر رہا ہوں۔

حال :.... اس سال خادم کے پاس مشکوٰۃ شریف ہے، اگر حضرت اقدس کو تکلیف نہ ہو تو اس کے لئے قابل اعتماد کتب ارشاد فرمائیں۔

جواب :.... تعلیق الصبیح، مظاہر حق، آثار السنن، اعلاٗ السنن۔

حال :.... نیز یہ کہ درس مشکوٰۃ شریف میں کن امور کی رعایت رکھی جائے؟

جواب :.... الفاظ ومعانی کی تحقیق، استنباط مسائل، مختلف فیہ مسائل میں حنفیہ کے دلائل، اور حدیث کا انطباق۔

حال :.... عشاٗ کے بعد بہ نیت تہجد اگرچہ چھ نفل پڑھ لیتا ہوں، لیکن اس قدر بلا حضور کہ بعد میں شرم محسوس ہوتی ہے، یہی حالت ذکر کی ہے۔

جواب :.... وساوس غیر اختیاریہ کا مضائقہ نہیں، صورت پر پابندی کیجئے، روح خود حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

حال :.... غصہ کے متعلق ارشاد فرمودہ علاج "ضبط وہمت" پر عمل کرتا ہوں، لیکن بعض دفعہ بھول جاتا ہوں۔

جواب :.... اسی طرح گرتا گرتا سوار ہو جاتا ہے۔

حال :.... حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ملفوظات، تبلیغ دین، منہاج العابدین کا مطالعہ کرتا ہوں۔

جواب :... اللہ تعالیٰ نافع بنادے، بندہ بھی دعا کرتا ہے۔

مکتوب ۸ :

۲۰/صفر المظفر ۷۵ھ.

سیدی حضرت الشیخ دامت افضالہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال :..... چھوٹے بھائی کے گھر میں سے چند دن ہوئے فوت ہو گئی ہیں، ان کے ترکہ میں جو برتن وغیرہ ان کے نابالغ بچے کو ملے ہیں بھائی صاحب یا ان کے اعزہ ان برتنوں کو استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب :..... ان بچوں کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں، دوسروں کے لئے نہیں۔

حال :..... ہمارے علاقہ میں تقسیم میراث کا رواج نہیں، اس لئے نابالغ اولاد کے حصص ان کے بلوغ سے قبل ہی صاف کر جاتے ہیں اس لئے بندہ نے تو انہیں استعمال سے منع ہی کیا؟

جواب :..... اسی میں احتیاط ہے۔

حال :..... حضرت اقدس سے صلاح نفس و فلاح آخرت کی دعا کی استدعا ہے۔

جواب :..... دل سے دعا گو ہوں۔

مکتوب : ۹

۱۴ر جمادی الاخریٰ ۹۴ھ

سیدی حضرت الشیخ دامت افضالہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال :..... فضول گوئی کے سلسلہ میں کوئی اور مفید بات قابل ذکر ہو تو ارشاد فرمادیں۔

جواب :..... پہلے جو علاج تجویز کیا گیا ہے، اس کے نتیجہ سے اطلاع ملنے پر کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔

حال :..... غصہ معمولی باتوں پر زیادہ آتا ہے، اور فوراً ہی زائل ہو جاتا ہے، نفس ہر امر میں یہ تاویل کرنے لگتا ہے کہ یہ غصہ محمود تھا مذموم نہیں، حضرت اقدس ارشاد فرمائیں کہ واقعی غصہ کی دو قسمیں ہیں ؟ اور ان میں مابہ الفرق کیا ہے ؟ یا محض نفسانی تاویل ہے ؟

جواب :..... غصہ کی واقعی دو قسمیں ہیں : محمود و مذموم..... امتیاز اس طرح ہو سکتا ہے کہ غصہ جب آئے تو خواہ کسی قسم کا بھی ہو، اس کو ہمت کر کے ضبط کیا جائے، یعنی اس کے مقتضا پر فوراً عمل نہ کیا جائے، غصہ فرو ہو جانے کے بعد سوچا جائے کہ مغضوب علیہ شرعاً کیسا ہے ؟ اگر منکر ہے تو غصہ محمود ہے ورنہ مذموم۔

حال :.... تلاوت قرآن مجید، مناجات، مواعظ وملفوظات حکیم الامتہؒ پر دوام کرتا ہوں،باقی کچھ نہیں کر سکتا۔

جواب :.... مبارک ہو! یہی مفتاح کامیابی ہے،ان شاٗاللہ تعالیٰ۔

حال :.... اگر کوئی مختصر ساذکر مناسب ہو توارشاد فرمادیاجائے۔

جواب :.... بعد نوافل تہجد ذکر اللہ،اللہ بضرب خفیف تین سو مرتبہ۔

حال :.... حضرت کی زیارت کودل بہت چاہتاہے، مگر موقع میسر نہیں آتا۔

جواب :.... دل کی ملاقات کافی ہے-بلکہ مکاتبت بھی نصف ملاقات ہے۔

حال :.... کہتے ہوئے شرم آتی ہے، جب سے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ والدین کے ساتھ حضرت حماد رحمہ اللہ کیلئے دعا کیا کرتے تھے، نابکار بھی حضرت کے لئے دعا کرنے لگا۔

جواب :.... اس میں شرم کی کیابات ہے، یہ تو آپ کی محبت کی دلیل ہے، اور محبت مناسبت کی علامت ہے،اور یہ اصلاح وکامیابی کازینہ ہے۔

مکتوب : ۱۰

۶/ربیع الاول ۷۵ھ

سیدی حضرت الشیخ !دامت افضالہم،السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔

حال :.... ہمارے یہاں ایک عورت مسرفہ ہے، ایک دفعہ گھر میں اس کے نام کا حوالہ دے کراس کے اسراف کوذکر کردیا، آیایہ غیبت ہے یانہیں ؟

جواب :.... اگراس نوع سے بیان کرنے سے اہل خانہ کی اصلاح کی توقع تھی توغیبت نہیں،البتہ اس سے احتیاط اولیٰ ہے۔

حال :.... اگر غیبت ہے تو تدارک کیاصورت کروں ؟

جواب :.... اس سے معافی لینا،اوراس کیلئے دعا کرنا۔

حال :.... بعض دفعہ اتفاقاً مجلس میں سلسلۂ غیبت شروع ہو جاتا ہے، مگر کلام کنندہ کی وجاہت کی وجہ سے نہ ٹوک سکتا ہوں اور نہ اٹھ کر جاسکتا ہوں، ایسے وقت میں ''المستمع شریک

القائل" کے ضابطہ سے میں بھی شریک ہوں گا؟ یا صرف اعراض قلبی کافی ہوگا؟

جواب :.... یہ شرکت ہے، احتیاط لازم ہے، ایک صورت یہ ہے کہ بات دوسری طرف بدل دی جائے، یا کسی ضرورت طبعی کے بہانہ سے اٹھ جایئے۔

حال :.... چوں کہ فضا کچھ ایسی ہے کہ معاصی سے عموماً اور غیبت سے خصوصاً احتراز کرنا مشکل سا ہو رہا ہے، اس لئے حضرت اقدس کی خاص دعا و توجہ کی ضرورت ہے۔

جواب :.... دعا کرتا ہوں، آپ خود بھی دعا کے ساتھ دوا بھی استعمال کریں، دل سے دعا کرتا ہوں۔

مکتوب : ۱۱

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۷۵ ۱۳ھ

سیدی حضرت الشیخ ! اعلی اللہ درجاتہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال :.... مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانہ میں جب سے یہ حدیث مبارک پڑھی :"من صلی للہ اربعین یوما فی جماعة یدرك التکبیرة الاولی" الحدیث، اسی وقت سے کوشش کی، مگر سال بھر کوشش کرنے کے بعد بھی محروم رہا، آخر دل برداشتہ ہو کر چھوڑ دیا، اب پھر یہی حدیث پڑھی تو دوبارہ داعیہ پیدا ہوا، مگر اب کے بھی ناکام رہا، اس سے بندہ کو نفاق کا خطرہ اپنے اندر محسوس ہونے لگا۔

جواب :.... مگر نفاق عملی نہ کہ اعتقادی۔

حال :.... کیوں کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد تو یہ ہے "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" لآیہ۔ مگر اس نااہل کا حرمان سخط الٰہی کی دلیل نہ ہو؟ (اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ)۔

جواب :.... وہ نفاق اعتقادی ہوتا ہے نہ کہ عملی۔ البتہ یہ بے برکتی کا موجب ہوتا ہے، لہذا سعی وعزم کو جاری رکھنا چاہئے۔ رفتہ رفتہ دوام نصیب ہو جایا کرتا ہے۔ ماخذہ: ولکن یا حنظلة ساعةً فساعة، الحدیث:

مشکلے نیست کہ آسان نہ شود
مرد باید کہ ہراسان نشود

حال :..... بعض دفعہ فرائض کی ادائیگی کے بعد دیگر نوافل میں طبیعت نہیں لگتی، مگر جلدی جاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، کیا یہ ریا تو نہیں ؟

جواب :..... اگر قصد خوشنودی خلق نہ ہو تو ریا نہیں۔

حال :..... حضرت اقدس سے صلاح نفس وفلاح دارین کی دعا کی درخواست ہے۔

جواب :..... دعاؐ کے ساتھ دوا بھی عرض کر دی ہے۔

مکتوب : ۱۲

۳۰/ جمادی الاخریٰ ۱۳۷٦ھ

تمہید خط

گزشتہ عریضہ کے بعد پورے آٹھ ماہ عریضہ نگاری کی توفیق نہ ہوئی، کیوں نہ ہوئی، اس بحث سے درگزر فرمایئے، اسکے بعد مندرجہ ذیل عریضہ لکھا، جس میں جمعہ کے متعلق متعدد امور لکھے، چونکہ ان کی بعینہ نقل طویل بھی ہے اور فضول بھی، اس لئے قارئین خلاصہ خط ملاحظہ فرما کر حضرت کا قیمتی جواب باصواب بلا توقف ملاحظہ فرمائیں :

حال :..... بندہ اب تک اپنے گاؤں میں جمعہ پڑھتا ہے، چند وجوہ سے :

الف :..... والد صاحب اجرأ پر مصر اور ترک سے ناراض ہیں، اس لئے انہیں کبیدہ خاطر دیکھنا نہیں چاہتا!

ب :..... ترک جمعہ سے عوام ترک نماز پنج وقتہ کے لئے تیار ہیں اس لئے فتنہ سے ڈرتا ہوں!

ج :..... جمعہ کی وجہ سے بہت سی مخلوق کو دینی فیض پہنچ رہا ہے انہیں کیسے محروم کر دیا جائے ؟

د :..... بعض مولوی صاحبان کا خیال ہے کہ اگر امام صاحبؒ اس زمانہ میں ہوتے تو ضرور جواز جمعہ فی القریٰ کا فتویٰ دیتے۔

ہ :..... ایک ثقہ راوی مولوی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ نے

بھی جواز کا رجحان ظاہر کردیا تھا۔

و :.... مولانا محمد امین صاحب کے ایک مرید ذکر فرماتے تھے کہ مولانا ان کے گاؤں میں تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ چند دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر جمعہ پڑھ لیا کرو، کیا ہم بھی ایسا ہی کریں؟

ز :.... جب کہ ائمہ کا اختلاف مسئلہ میں موجب خفت ہوتا ہے، تو کیا جمعہ فی القریٰ میں خفت نہ پیدا ہو جائے گی؟ جب کہ وہ ایک نہیں ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔وفیہ عموم البلویٰ۔

ح :.... نیز بوقت ضرورت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل جائز ہوتا ہے، تو کیا یہاں وہ شرائط نہیں پائی جاتیں؟

ط :.... اب تک تو کبھی پڑھ لیتا، کبھی پڑھا دیتا، کبھی پیچھے نفل کی نیت کر لیتا، اب کیسے کیا کروں؟

جواب :.... السلام علیکم۔ تمام خط پڑھا، کوئی بات کام کی نظر میں نہ آئی، بلکہ افسوس ہوا کہ علم خدا کی نعمت تھا اس پر عمل نہ کرنے سے نعمت کی بے قدری کی گئی، ائمہ حنفیہؒ کے نزدیک قریٰ صفار میں جمعہ کا عدم جواز متفق علیہ ہے، ایک بھی روایت مخالف نہیں، ظہر کی فرضیت قطعی ہے۔ محض اتباع ہوا، اتباع اقارب، اتباع اوہام (کی وجہ) سے ترک فرض قطعی پر کیسے جرأت کی جا سکتی ہے؟ فیاللعجب!

اگر عوام میں تبلیغ خاص سے فتنہ دینی کا اندیشہ ہے، تو تبلیغ ترک ہو سکتی ہے، مگر ذاتی عمل ترک کرنے کا کون ذمہ دار ہوگا؟ "ولاتزر وازرة وزر اخریٰ"۔ آسان صورت تھی کہ والد صاحب سے تنہائی میں مؤدبانہ کہہ دیا جاتا کہ صحیح مسئلہ یہ ہے، اس لئے میں معذور ہوں البتہ آپ کو اور اہل دیہہ کو کچھ نہیں کہتا۔ خود جمعہ کے روز گاؤں میں قیام نہ کیا جاتا۔ سوچئے کہیں اپنا ہی تو نہیں دل بگڑا ہوا؟ :لن یصلح العطار ما افسده الدهر

مکتوب : ۱۳

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

سیدی حضرت الشیخ الامام الکبیر دام ظلہم العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ، مزاج عالی! والا نامہ شرف صدور لایا، دل کی عقدہ کشائی ہوئی، جو امور بزعم خود استدلال تھے اوہام ثابت ہوئے، تالیف قلب مداہنت، اور مایۂ ناز اعمال ہدیٰ اتباع ہویٰ نکلے- غرض "فمالهم من الله" الآیہ کا منظر سامنے آیا، بہ صمیمِ قلب شکریہ ادا کرتا ہوں- ان شاٗ اللہ آئندہ احتراز کروں گا اور گزشتہ سے استغفار کرتا ہوں-

جواب :.... جزاك الله - فليهنك العلم والعمل-

حال :.... اور ظہر کی قضا کروں گا-

جواب :.... ضرور

حال :.... گزشتہ عریضہ کے سلسلہ میں ایک عرض اور باقی ہے، وہ یہ کہ قریہ کبیرہ کی حد کیا ہے؟ آبادی کی قلت و کثرت معیار ہے یا نہیں؟ بصورت اثبات کتنی آبادی کثیر قرار دی جاسکتی ہے؟ اگر ایک بستی میں ملحقہ قریٰ کے لوگ جمعہ پڑھ لینے پر اتفاق کرلیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب :.... اردگرد کے دیہات میں عرف عام میں بڑا سمجھا جاتا ہو، اور حوائج ضروریہ روزمرہ میں، اردگرد کے عوام اس کی طرف رجوع بھی کرتے ہوں، مثلاً مختلف اقسام کی چند دکانیں ہوں، تعداد عام دیہاتوں سے ممتاز ہو- اس کے بغیر چند دیہاتوں یا دیہاتیوں کا اجتماع کچھ حقیقت نہیں رکھتا-

کیا جمعۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں اجتماع کثیر نہ تھا؟ پھر بھی جمعہ کیوں نہ پڑھا گیا؟ محل جمعہ کی ایک مستقل شرط ہے اس کو اجتماع یا عدم اجتماع سے کوئی دخل نہیں-

مکتوب : ۱۴

حال :.... جو مسائل پڑھے تھے وہ محض اساتذہ میں نیک نامی یا امتحان میں کامیابی، یا لوگوں کو سنانے کے لئے پڑھے اور یاد کئے تھے، افسوس کہ اس نیت سے پڑھے ہی نہ تھے کہ ان پر عمل کریں گے، لیکن الحمدللہ اب ہر مسئلہ برائے عمل پڑھنے اور دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا-

جواب :.... ان شاٗ اللہ تعالیٰ یہ مفتاح سعادت ثابت ہوگا-

حال :.... حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ اب اسی نیت سے کرنا

شروع کردیا۔

جواب :.... حق تعالیٰ نافع فرمائے۔

حال :.... معاصی سے نفرت نہ تھی، احتراز عن المعاصی کو حدِ امکان سے خارج سمجھتا تھا اب بدعاً و توجہ حضرت شیخ دونوں میں اصلاح ہو چلی۔

جواب :.... الحمد للہ۔

حال :.... بہت سے مسائل پر اس لئے عمل کرنے سے قاصر تھا کہ بدنامی ہوگی، الحمد للہ اس میں بھی بہت کمی ہو چلی ہے۔

جواب :.... حق تعالیٰ تکمیل فرمائے۔

حال :.... بزرگوں کے فیض صحبت کا مسئلہ سمجھ نہ آتا تھا، ۱۸ ریوم کی قلیل مدت خدمت میں رہ کر آنکھوں سے مشاہدہ ہوا، اور طبیعت میں عجیب تبدیلی محسوس ہوئی۔

جواب :.... یہ تو آپ کی قوت ارادہ ہی پر خدا تعالیٰ نے ثمرہ عطا فرمایا ہے ورنہ یہاں بزرگوں کی مجالس سے دور کی نسبت بھی نہیں :

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

حال :.... ارشادات پر عمل کرتا ہوں تبلیغ دین اور مواعظ حکیم الامتؒ کا التزام کرلیا۔

جواب :.... اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور عمل مستقیم عطا فرمائے۔

حال :.... مگر افسوس و ندامت سے عرض کرتا ہوں کہ تہجد کیلئے پابندی سے بیدار نہیں ہو سکتا۔

جواب :.... غیر اختیاری امور قابل التفات نہ ہونے چاہئیں۔

حال :.... چند امور دریافت طلب ہیں : مدرسہ کے کاغذات، روشنائی، پینسل ودیگر ایسی اشیأ میں بعض دفعہ بے احتیاطی ہو جاتی ہے، کیا ان کو ذاتی ضروریات کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے ؟

جواب :.... احتیاط اولیٰ ہے، نہیں تو معاوضہ کی نیت سے مدرسہ کی کچھ مدد مالی کردی جایا کرے۔

مکتوبات شہیدؒ

خیر المکاتیب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کے وہ مکتوبات تھے، جو حضرت شہیدؒ کے اصلاحی مکاتیب کے جواب میں لکھے گئے تھے۔ ذیل میں خود حضرت شہیدؒ کے چند ایسے منتخب مکتوبات پیش کئے جارہے ہیں جو انہوں نے مختلف حضرات وخواتین کو رقم فرمائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم ومکرم جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صدیقی صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ کرم مع ہدیہ مرسلہ "اصلاح مفاہیم" کافی دنوں سے آیا رکھا تھا۔ کثرت مشاغل نے کتاب اٹھا کر دیکھنے کی مہلت نہ دی، اور خود طبیعت بھی اس طرف مائل نہ ہوئی۔ یہ ناکارہ تو اسے طاقِ نسیان میں حفاظت رکھ چکا تھا۔ یکایک خیال آیا کہ آنجناب منتظر جواب ہونگے، چنانچہ کتاب کو پڑھا، داعیہ پیدا ہوا کہ اس پر کسی قدر مفصل تبصرہ کروں، مگر مشاغل اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے مختصراً لکھتا ہوں کہ کتاب کے بعض مباحث تو بڑے ایمان افزا ہیں۔ مگر جنابِ مصنف نے جگہ جگہ مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری کی ہے۔ اور شکر میں اپنے منفرد افکار (مفاہیم) کا زہر ملایا ہے۔ لہٰذا کتاب کے بارے میں اس ناکارہ کی رائے جناب محترم مولانا الحاج الحافظ مفتی عبدالستار دام مجدہ (صدر مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان) کے ساتھ متفق ہے۔ یہ کتاب ہمارے اکابر دیوبند کے مسلک ومشرب کی ہرگز ترجمان نہیں۔ اور اس سے امت کے درمیان اتحاد واتفاق کی جو امیدیں وابستہ کی گئی ہیں وہ نہ صرف موہوم بلکہ معدوم ہیں اس کے برعکس اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ امت تو امت، یہ کتاب ہمارے احباب کے درمیان منافرت ومغایرت اور تشقق وانتشار کی موجب ہوگی۔ اگر کتاب کے ترجمہ اور اس کی اشاعت سے قبل اس ناکارہ سے رائے لی جاتی تو یہ ناکارہ نہ ترجمہ کا مشورہ دیتا۔ نہ اشاعت کا۔ جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت فرمائی ہیں اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ انہوں نے بے پڑھے محض مؤلف کے ساتھ حسن ظن اور عقیدت سے مغلوب ہوکر لکھدی ہیں۔ اور اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے، بلکہ اس ناکارہ کو یہاں تک "حسن ظن" ہے کہ بہت سے حضرات نے کتاب کے نام کا مفہوم بھی نہیں سمجھا ہوگا۔ اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ "مفاہیم یجب ان تصحح" کا مطلب کیا ہے؟ تو شاید تیر نشانہ پر نہ لگا سکیں۔ چنانچہ اس کا اردو نام "اصلاح مفاہیم"

غمازی کرتا ہے کہ ترجمہ نگار اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ امید ہے کہ ان اجمالی معروضات کے بعد مفصل تبصرے کی حاجت نہ ہوگی۔ دعوات صالحہ کا محتاج اور ملتجی ہوں۔

والسلام محمد یوسف عفا اللہ عنہ

برادر مکرم جناب مولانا........ صاحب زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر مد ظلہ العالی کا ۲۹/ محرم کا لکھا خط آج ڈاک کے ڈھیر میں سے نکلا، انہوں نے بر سبیل تذکرہ یہ لکھا ہے کہ انہوں نے "شہادۃ القرآن" اور کلمہ فضل رحمانی، کا ایک ایک نسخہ جناب پروفیسر محمود احمد غازی کو بھیج دیا ہے۔ "شہادۃ القرآن" تو انہیں کہیں سے میسر آگئی تھی، لیکن کلمہ فضل رحمانی، کا نسخہ انہوں نے پندرہ روپے میں........ خرید کر بھیجا..........

آپ کو تو شاید مولانا کا مقام معلوم نہ ہو، لیکن یہ ناکارہ چونکہ بے حد نکما اور نالائق ہے اس لئے مولانا کے ظاہری وباطنی مرتبہ ومقام سے ناآشنا نہیں۔ اس ناکارہ کے نزدیک جماعت میں ان کی حیثیت "مرشد عام" کی ہے۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کے وجود کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ ہم نالائقوں کی دعائیں قبول فرماتے ہیں، اور ان کی وجہ سے ہمیں رزق دیا جاتا ہے۔ ایسے حضرات کی ناقدری سلب برکات کا موجب اور رحمت خداوندی سے محرومی کا سبب ہے......"

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۵/۲/۰۶ھ

حضرت مخدوم و معظم حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر صاحب زیدت مکارمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا کرامت نامہ یاد پڑتا ہے کہ رمضان کے بعد ہی باصرہ نواز ہوا تھا، لیکن کاغذات میں پہلے وہ نظر سے اور پھر ذہن سے اوجھل ہو گیا۔ حج کے بعد سے تاہنوز علیل چلا آتا ہوں، لیکن الحمدللہ کام سب ہو رہے ہیں، البتہ نماز نہیں پڑھاتا اور صبح کا درس قرآن کریم بھی تاحال موقوف ہے۔

آپ نے جو حالات تحریر فرمائے ہیں ان سے ذہن اتنا متاثر ہوا کہ دوپہر کو معمول کے مطابق سو نہیں سکا۔ آپ نے دین کی اور بالخصوص ختم نبوت کی خدمت کی ہے، اللہ تعالیٰ شاید یہ

چاہتے ہیں کہ اس کا پورا اجر آپ کو جنت ہی میں دیا جائے۔ اس لئے اگر کسی کی جانب سے ناقدری کا خیال آئے تو یہ سوچ لیا کیجئے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی خاطر تھوڑا کیا ہے کہ یہ ہماری قدر کرے؟ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا تھا، (اور اگر پہلے اس کا استحضار نہیں تھا تو اب کرلیا جائے) اب اگر کسی کی طرف سے قدر شناسی کا مظاہرہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھا جائے، نہ ہو تو کوئی شکایت نہیں۔

الحمد للہ! اس ناکارہ کے دل میں آنجناب کی عظمت ہے، اور محض للّٰہی محبت ہے، اور یہ ناکارہ آپ حضرات کی محبت ہی کو وسیلہ سعادت اور ذریعہ نجات سمجھتا ہے، ورنہ اپنا کھاتہ تو نہ صرف خالی بلکہ سیئات سے مملو ہے۔..........

آپ نے بہت ہی اچھا کیا کہ جناب پروفیسر محمود احمد غازی صاحب کی خدمت میں "کلمہ فضل رحمانی" کا نسخہ پیش کردیا، یہ سن کر افسوس ہوا کہ وہ نسخہ آپ کو پندرہ روپے کا دیا گیا، میں مولانا صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ دس دس نسخے "شہادۃ القرآن" اور "کلمہ فضل رحمانی" کے میری طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کردیں، یہ آپ کی ملک ہوں گے، آپ جس کو چاہیں دیں، یا فروخت کریں، میرا تو جی چاہا تھا کہ ان دونوں کتابوں کا پورے کا پورا ایڈیشن دفتر والوں سے خرید کر آپ کی نذر کردوں۔

میں نے لندن پیغام بھیجا ہوا ہے کہ مرزا کی کتابوں اور ملفوظات کے دو سیٹ لے کر بھیجدیں، ایک میرے لئے اور دوسرا پروفیسر غازی کے لئے۔

میں نے پہلے بھی تاکید کی تھی کہ اخبار الفضل کے جو حوالے اہم ہیں ان کا لیمینیشن کرالیا جائے۔ معلوم نہیں احباب نے اس پر توجہ فرمائی یا نہیں؟ اگر آپ کی صحت و فرصت متحمل ہو تو کراچی آجایئے جہاز کا کرایہ میں پیش کردوں گا، یہ کام بھی یہاں کیا جائے گا، خورشید صاحب سے بھی آپ رابطہ قائم کرلیں گے، نیز باوا صاحب اور مولانا منظور صاحب کی غیر حاضری کی وجہ سے یہاں بڑا خلاء محسوس کیا جارہا ہے، آپ کا وجود یہاں باعث برکت و رونق ہوگا۔ کراچی دفتر کے لئے جگہ کے حصول کی بھی خاص دعا فرمائیں۔ گھر جائیں تو اپنے اہل خانہ کو بھی میرا سلام کہیں اور دعوات صالحہ کی درخواست۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۵/۲/۰۹ھ

پیاری عزیزہ محترمہ! سلمہا اللہ تعالیٰ وحفظہا۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کے حادثہ کا سن کر بے حد رنج ہوا۔ اور مجھے ایسے الفاظ نہیں مل پا رہے جن سے آپ کو پرسا دوں اور اظہار تعزیت کروں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ ماشاء اللہ خود بھی خوش فہم ہیں۔ اور ایک اونچے علمی و دینی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ امید رکھتا ہوں کہ چند باتوں کو پیش نظر رکھیں گی۔ ان سے انشاء اللہ غم ہلکا ہوگا۔ اور قلب کو تسکین ہوگی۔

۱۔ قرآن کریم میں حوادث و مصائب پر انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور صبر پر بے شمار عنایتوں اور رحمتوں کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس پاکیزہ کلمہ کو دل وزبان سے کہا کریں۔

۲۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور اس کریم آقا کی عنایتیں، شفقتیں اور رحمتیں بندوں کے حال پر اس قدر مبذول ہیں کہ ہم بندے ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور شکر سے عاجز ہیں، جن چیزوں کو ہم آفات و مصائب اور تکالیف سمجھتے ہیں ان میں بھی حق تعالیٰ شانہ کی بے شمار عنایتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں کہ ان تک رسائی سے ہماری عقل و فکر عاجز ہے۔ بس اجمالاً یہ عقیدہ رکھا جائے (اور اس عقیدہ کو اپنا حال بنالیا جائے) کہ اس کریم آقا کی جانب سے جو کچھ پیش آیا ہے۔ یہ ہمارے لئے سراسر رحمت ہی رحمت ہے۔ گو ہم اس کو نہ سمجھ سکیں۔

۳۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے بڑے لوگوں کو یہ حادثہ پیش آیا کہ بچپن ہی میں والدین کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا، لیکن عنایتِ خداوندی نے ان کو اپنے سائے میں لے لیا۔ اور وہ دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، اور ایک دنیا نے ان کے سائے میں پناہ لی۔ خود ہمارے آقا سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ (وفداہ ارواحنا و آبائنا وامہاتنا) کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ ابھی بساطِ وجود پر قدم نہیں رکھا تھا کہ سایۂ پدری سے محروم کر دیئے گئے۔ اور بچپن ہی میں ماں کی شفقت مادری بھی چھن گئی ۔لیکن کریم آقا نے اس یتیم بچے کو ایسا اٹھایا کہ دونوں جہاں اس کے سائے کے نیچے آگئے (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم) آپ کے بچے اگر سایہ پدری سے محروم ہوگئے تو غم نہ کیجئے۔ انشاء اللہ رحمت و عنایتِ خداوندی ان کے سر پر سایہ فگن ہوگی، جو باپ کی شفقت سے ان کے حق میں ہزار درجہ بہتر ہوگی۔ ان بچوں کے غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان کے حق میں کریم آقا سے دعاؤں اور التجاؤں کی ضرورت ہے۔

۴۔ یہ دنیا ہمارا گھر نہیں۔ ہمارا وطن اور ہمارا گھر جنت ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا شعر ہے:

لوگ کہتے ہیں کہ مر گیا مظہر
حالانکہ اپنے گھر گیا مظہر

ہمارے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے ایک عزیز جناب ظفر احمد تھانوی مرحوم کو ان کے والد ماجد کے سانحہ ارتحال پر جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا اس کو بار بار پڑھا کرو۔

۵۔ آپ کے شوہر کا حادثہ مکہ و مدینہ کے سفر کے دوران پیش آیا، یہ انشاء اللہ شہادت کی موت ہے، حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ان کو جو کچھ ملا وہ دنیا کی مکدر اور فانی لذتوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور آپ کو اس حادثہ پر صبر شکر کرنے کی بدولت جو اجر و ثواب ملے گا وہ مرحوم کے وجود سے زیادہ قیمتی ہے۔ پس ان کی جدائی سے نہ انشاء اللہ ان کو خسارہ ہوا، نہ آپ کو اور دیگر پسماندگان کو۔

۶۔ البتہ ان کی جدائی سے رنج و صدمات کا ہونا ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ تاہم اس کا تدارک بھی صبر و شکر، ہمت و استقلال اور راضی برضا مولا ہونے سے ہو سکتا ہے۔ بے صبری اور جزع و فزع سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، اور آپ کے بچوں کو سایہ رحمت میں رکھے، اور صبر و شکر اور رضا بالقضا کی توفیق عطا فرمائے۔

۷۔ دنیا کی بے ثباتی، یہاں کی راحت و خوشی کی ناپائیداری کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ حقوق بندگی بجالانے اور آخرت کے گھر کی تیاری میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اور یہاں کی دلفریبیوں اور یہاں کی عیش و عشرت اور رنج و مصیبت کے بکھیڑوں میں الجھ کر آخرت فراموشی، خدا فراموشی، بلکہ خود فراموشی اختیار نہ کی جائے۔ یہی مؤسن ہے انا للہ وانا الیہ راجعون کا۔

دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنی رضا و محبت نصیب فرمائے، ہماری کوتاہیوں اور گندگیوں کی پردہ پوشی فرمائیں اور اپنی رحمت بے پایاں کے ساتھ دنیا میں بھی ہماری کفایت فرمائیں، اور آخرت میں بھی اپنے محبوب و مقبول بندوں کے ساتھ ہمیں ملحق فرمائیں۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

نوٹ: یہ ناکارہ انشاء اللہ حج پر آرہا ہے۔ کوشش کرونگا کہ آپ کے گھر پر حاضر ہو کر تعزیت کروں۔

برادرم محترم محمد قاسم صاحب، اخاصہ اللہ من السجن والمحن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط آپ کی اہلیہ کے ذریعہ پہنچا، آپ کے حالات و معمولات سے اطلاع ہوئی۔ بارگاہ رب

العزت میں دعاوالتجاہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے آپ کی رہائی کی صورتیں پیدا فرمایں۔اور آپ سے ملاقات نصیب فرمایں۔چند ضروری باتیں لکھتاہوں ان کو غور اور توجہ سے پڑھیں۔

اول: حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندے پر جو آزمائشیں آتی ہیں، کبھی خوشی اور مسرت کی شکل میں کبھی رنج وغم اور آفات ومصائب کی شکل میں، پہلی حالت میں شکر بجالانا اور دوسری حالت میں صبر ورضا اور دعاوالتجاسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا بندے کا فرض ہے۔حوصلہ اور ہمت نہیں ہارنی چاہئے، بلکہ صبر واستقامت کیساتھ، اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرتے ہوئے اور رضائے مولا کے مؤ سن کو اپنے دل میں پختہ کرتے ہوئے اس وقت کو گزارنا چاہئے۔

دوم: جیل کا ماحول ایساہے کہ بہت سے لوگ اپنے دین واخلاق کو بگاڑ کر وہاں سے نکلتے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرصت کا موقع عطافرمایاہے۔اس لئے آپ نماز پنجگانہ کا اہتمام کریں قرآن کریم کی تلاوت کریں۔جو معمولات آپ نے لکھے ہیں وہ صحیح ہیں۔ان کی پابندی کریں۔ان کے علاوہ جو بھی فرصت کے لمحات میسر آئیں ان میں کلمہ طیبہ "لاالہ الااللہ" کو وردزبان رکھیں، بہشتی زیور، حضرت شیخؒ کے رسائل فضائل اعمال، اور حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ جاری رکھیں۔

سوم: جہاں تک ممکن ہو جیل کے عملے سے بھی اور قیدیوں سے بھی اخلاق ومروت کیساتھ پیش آئیں۔اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، کسی کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو اسکو معاف کردیں۔بری صحبت سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔قید کے ساتھیوں کو بھی نماز کی اور خیر کے کاموں کی ترغیب دیا کریں۔

چہارم: پانچوں نمازوں کے بعد بہت توجہ کے ساتھ اپنے لئے خیر اور بھلائی کی اور قید سے رہائی کی دعا کیا کریں، اگر ہوسکے تو تہجد کے لئے بھی اٹھا کریں۔

پنجم: جیل میں آدمی کی آزادی سلب ہوجاتی ہے۔اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے دنیا کی زندگی بھی ایک طرح کا جیل خانہ ہے۔کہ ہر قدم پر اسے مالک کے حکم کی پابندی لازم ہے۔لہٰذا جیل کی زندگی سے دنیامیں زندگی گزارنے کاڈھنگ سیکھنا چاہئے۔

ششم: جیل زندوں کی قبر ہے، اس لئے یہاں رہتے ہوئے قبر کی تنہائی، بے بسی وبے کسی اور وہاں کے سوال وجواب کو یاد کرنا چاہئے۔اور اپنی زندگی میں جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہوئی ہوں ان پر ندامت کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے۔

آپ کو جتنے دن کے بعد بھی خط لکھنے کی اجازت ہو مجھے ضرور خط لکھا کریں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو آسان فرمائیں۔ آپ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں۔ اور آپ کو رہائی عطا فرمائیں،

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

پیاری بیٹی طاہرہ، سلمہا اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنے گھر چلی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہمیشہ خوش رکھیں۔ میں تمہارے لباّ کے ہاتھ تمہارے لئے پانچ سو روپے انعام بھیج رہا ہوں۔ اور تم کو چند باتوں کی تاکید کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ نماز کی پابندی کرو۔ اس میں کبھی کوتاہی نہ کیا کرو۔ نماز چھوڑنے کا وبال بہت بڑا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی بھی پابندی کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔

دوسری یہ کہ اپنے گھر میں صبر و سکون سے رہو۔ جہاں تک ہو سکے ہر ایک کی خدمت کرو۔ خواہ تم کو کوئی کتنا ہی برا بھلا کہے، گالیاں بکے، ذلیل کرے تم زبان نہ کھولو۔ اللہ تعالیٰ ظالم سے خود بدلہ لیں گے۔ تم بدلہ لینے کا خیال چھوڑ کر اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔

تیسری بات یہ کہ تم اپنے گھر کی تکلیف اپنے والدین کو نہ بتایا کرو۔ یہ تمہارا دُکھ تکلیف دور نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہی دور کر سکتے ہیں۔ بس اس کو بتایا کرو۔ اس سے دعا کیا کرو۔

چوتھی بات یہ کہ تمہاری زبان سے اور تمہارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں...... اگر تم نے میری ان باتوں پر عمل کیا تو انشاء اللہ دونوں جہان میں آرام پاؤ گی۔ وقت بدلتا رہتا ہے۔ یہاں کا دُکھ سکھ سدا نہیں رہتا۔ اس لئے دُکھ تکلیف کا یہ فرمانہ بھی گزر جائیگا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری تکلیفیں دور فرمایں۔ اور اپنی رضا اور اپنی محبت نصیب فرمایں۔ والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

فرقِ باطلہ کیخلاف

قلمی جہاد

مولانا سعید احمد جلالپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ:

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو گمراہی سے بچانے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لئے انبیأ اور رسول بھیجنے کا مبارک سلسلہ شروع فرمایا اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیأ کرام دنیا میں مبعوث فرمائے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ابتدأ حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس کی تکمیل آقائے دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے کی گئی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع کردیا گیا، تو انسانیت کی ہدایت وراہ نمائی، انہیں اغوائے شیطانی سے بچانے اور صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے یہ ذمہ داری وارثان علوم نبوت حضرات علمأ کرام کے کاندھوں پر ڈالی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا سے تشریف بری کو چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود علمأ امت نے اپنے اس فریضہ میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی، جن خوش نصیب اکابر علمأ وصلحأ نے اپنا چین وسکون اور راحت واطمینان کو تج کرامت مرحومہ کو اغوائے شیطانی سے بچائے رکھا، اسے صراط مستقیم پر قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور دین اسلام کے نام پر بے دینی کے ہر حربے کو ناکام بنانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، ان میں سے ہمارے اس دور کے مجدد حضرت مولانا محمد

یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ہیں، جنہوں نے دین اسلام کے صاف وشفاف چہرے پر کسی قسم کے گرد و غبار کو کبھی برداشت نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں انہیں معلوم ہوا کہ دین کے نام پر بے دینی، اسلام کے نام پر کفر، سنت کے نام پر بدعات ورسومات اور ذاتی آرا کو مذہب کا نام دیا جارہا ہے، ان کا قلم فوراً حرکت میں آیا اور بلا خوف "لومة لائم" انہوں نے اس کا تعاقب کیا اور امت کے سامنے اسلام کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر کے ان شیطانی حربوں کو ناکام بنایا۔

یوں تو حضرت شہیدؒ نے ہر میدان میں قائدانہ کردار ادا فرمایا، مگر دور حاضر کے فتنوں کے تعاقب اور مسلک اعتدال مسلک علماءِ دیوبند کی نشاندہی میں انہوں نے جس طرح بے نظیر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ قادیانیت اور ڈاکٹر فضل الرحمان فتنہ کی تردید میں آپ کی خدمات کا اس اشاعت میں کسی قدر تعارف آگیا ہے ذیل میں اس صدی کے دوسرے فتنوں کے تعاقب اور مسلک اعتدال سے انحراف کرنے والوں کے خلاف حضرت شہیدؒ کے اشہب قلم کے چند مختصر نمونے پیش خدمت ہیں :

رافضیت :

اس عنوان پر حضرت شہیدؒ نے بہت کچھ لکھا ہے، خصوصاً "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم، اختلاف امت اور صراط مستقیم اور دوسرے متعدد مقالات و مضامین، مطبوعہ و غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ یہاں تفصیلات کی گنجائش نہیں تاہم نمونہ کے لئے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :

"......یہ تو آپ کو اور ہر مسلمان کو علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بابرکت دور میں امت میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ پوری امتِ اسلامیہ اختلاف کی وباءً سے محفوظ اور کفر کے مقابلے میں یک جان اور یک قالب تھی۔ نظریاتی اختلاف کی ابتداً پہلی بار سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ خلافت میں ہوئی۔ اور یہی شیعہ مذہب کا نقطہ آغاز تھا۔ پہلے پہل اس کی بنیاد بہت سادہ سی تھی۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و قریب ہیں اس لئے وہی آپ کی خلافت و جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اسلام کی

دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے نسلی امتیاز اور خاندانی غرور کے سارے بتوں کو پاش پاش کر کے عزت و شرافت اور سیادت و بزرگی کا مدار "تقویٰ" پر رکھا تھا۔ اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سر تاج تھے...... یہ تھی وہ غلط بنیاد جس پر شیعہ نظریات کی عمارت کھڑی کی گئی۔ ان عقائد و نظریات کے اولین موجدوہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاً) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کارخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بو کر امت اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ جب مسلمان آپس میں دست وگریباں ہوں گے تو ان میں کفر کو للکارنے کی تب و تاب باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے "حُبِ علی" کے خول میں مکروہ ترین عقائد بھر کر نظریاتی اختلاف کا ہائیڈروجن بم اسلام کے مرکز پر گرادینا چاہا۔ اگر اسلام خدا تعالیٰ کا آخری دین نہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اس کی حفاظت کا وعدہ نہ فرمایا ہوتا تو قریب تھا کہ اسلامی قلعہ بھک سے اڑ جاتا۔ اور جس طرح سینٹ پال یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو مسخ کر دیا تھا، اسی طرح یہودی سازش اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں بھی کامیاب ہو جاتی لیکن صحابہؓ و تابعینؒ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شدت سے اس فتنہ کی سرکوبی کی نتیجہ یہ کہ شیعہ عقائد و نظریات "تقیہ" کا نقاب اوڑھنے پر مجبور ہو گئے...... "شیعہ امامیہ" یا "شیعہ اثنائے عشریہ" کے عقائد کی تفصیل کا اس وقت موقعہ نہیں۔ البتہ ان کے چند اصول حسب ذیل ہیں :

(۱) نظریہ امامت : شیعہ مذہب کی اصل الاصول بنیاد "عقیدۂ امامت" ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیأ کرامؑ کو مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا۔ وہ شیعہ عقیدے میں نبی کی طرح ہر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان کی اطاعت ہر بات میں نبی کی طرح فرض ہے، وہ نبی کی طرح احکام شریعت نافذ کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں۔

گویا اسلامی عقیدۂ میں جو مفہوم، جو حیثیت اور جو مرتبہ ایک مستقل صاحب شریعت نبی کا

ہے ٹھیک وہی مفہوم، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک "امام معصوم" کا ہے۔

شیعوں کا یہ "نظریہ امامت" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک جن جن لوگوں نے نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوے کئے انہوں نے اپنے دعووں کا مسالہ شیعوں کے "نظریہ امامت" ہی سے مستعار لیا......

میں شیعہ کے "نظریہ امامت" پر جتنا غور کرتا ہوں میرے یقین میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور امت میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دعویٔ نبوت و امامت کا چور دروازہ کھولنے کے لئے گھڑا ...... غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ صدیوں کا طویل عرصہ گزرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہادی مبعوث نہیں کیا جاتا ادھر جب ختم نبوت کا آفتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت تک کی ساری دنیا کو منور کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے، تو شیعہ عقیدہ کے مطابق خدا ایک دن تو کیا ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہیں کرتا بلکہ فوراً ایک "امامِ معصوم" کو کھڑا کر کے اسے شریعتِ محمدیہ ﷺ کے حلال و حرام کو بدلنے اور قرآن کو منسوخ کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے ...... جس کے نزدیک اسلام مٹنے، بدلنے اور مسخ ہونے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں باقی رہنے اور چمکنے کے لئے آیا ہو وہ شیعوں کے "نظریہ امامت" کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کر سکتا ہے......؟

(۲) شیعوں کا دوسرا سب سے بڑا اصول صحابہ کرامؓ سے بغض و عداوت ہے۔ شیعوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی (جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل ہیں) وہ نعوذ باللہ اس فعل کی وجہ سے سب کے سب کافر اور مرتد ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے "امام معصوم" یعنی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اور چونکہ تینوں خلفاءؓ کے زمانہ میں حضرت علیؓ نے بھی مسلمانوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی۔ بلکہ خود ان تین حضرات کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اس لئے شیعہ صاحبان حضرت علیؓ سے بھی خفا ہیں۔

شیعوں کا یہ نظریہ جس قدر باطل اور غلط ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اس

عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا نعوذباللہ بالکل لغو، بے کار اور بے سود ثابت ہوا۔ اسلام کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قیامت تک انسانیت کی راہنمائی کے لئے آیا ہے۔ مگر شیعہ عقیدہ یہ کہتا ہے کہ بالکل غلط۔ اسلام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دن بھی آگے نہیں چلابلکہ وہ پوری کی پوری جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار کی تھی۔ اور جن کو اپنے درمیان اور آنے والی امت کے درمیان واسطہ بنایا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن ہی نعوذباللہ مرتد ہو گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب اسلام کی نفی کا نام ہے۔ یعنی اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے تو اسلام...... معاذ اللہ...... غلط ہے اور اگر اسلام حق ہے تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہئے......

بہر حال شیعوں کا نظریہ امامت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت تھا تو ان کا "نظریہ تبرا" خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے۔ اور کوئی شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی پوری جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی نعوذباللہ گمراہ اور مرتد ہو گئی تھی۔

(۳) شیعوں کا تیسرا عقیدہ اول الذکر دونوں عقیدوں سے بدتر، مگر دو دونی چار کی طرح اول الذکر دو عقیدوں کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور وہ ہے تحریفِ قرآن۔ مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر کافر کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی (اور نہ بقائمی عقل و خرد کوئی اس کی جرأت کر سکتا ہے) کہ مسلمانوں کے پاس "قرآن مجید" کے نام سے جو مقدس کتاب محفوظ چلی آتی ہے، اور جس کے ہر زمانے میں ہزاروں نہیں، لاکھوں حافظ موجود رہے ہیں، وہ ٹھیک وہی کتاب نہیں جو مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، لیکن آفرین ہے شیعہ مذہب کے موجدوں کو انہوں نے یہ عقیدہ بھی شیعوں سے منوالیا۔ شیعہ مذہب کہتا ہے کہ قرآن کریم جو موجودہ شکل میں مسلمانوں کے پاس ہے یہ وہ اصل قرآن نہیں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھابلکہ یہ صحیفہ عثمانی ہے۔ "اصلی تے وڈا قرآن" (اصلی اور بڑا قرآن) بارہویں امام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے شیعوں کا یہ ایسا عقیدہ ہے کہ سوائے دو چار کے ان کے تمام امام، مجتہد

اور علماً اس کو مانتے آئے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں ان کے "معصوم اماموں" کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں اس پر متفق ہیں اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ جب شیعوں کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاذ اللہ سارے صحابہ کرامؓ مرتد ہوگئے تھے تو ان کے ذریعے سے حاصل شدہ قرآن کریم پر ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جن دو چار شیعہ علماً نے یہ کہا کہ قرآن صحیح سالم محفوظ چلا آیا ہے ان کو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی عظمت و بزرگی پر ایمان لانا پڑا۔ گویا شیعہ مذہب کی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے کوئی شخص قرآن پر ایمان لا ہی نہیں سکتا اور نہ کسی شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان لانا ممکن ہے۔

شیعوں کے عقائد و نظریات اور بھی بہت ہیں مگر میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ صرف انہی تین عقیدوں پر غور کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ شیعہ مذہب کو اسلام سے کیا نسبت ہے......؟ (صراط مستقیم حصہ اول ص ۱۶، ۳۲)

غیر مقلدیت :

اس عنوان پر حضرت شہیدؒ کی تصنیف صراط مستقیم حصہ دوم کے علاوہ متعدد مقالات و مضامین بھی ہیں، یہاں قارئین کی ضیافت طبع کے لئے چند بہت مختصر اقتباسات پر اکتفا کیا گیا ہے:

"......"حنفی وہابی اختلاف" دو قسم کا ہے۔ ایک تو چند فروعی مسائل کا اختلاف ہے، مثلاً نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہئے؟ رفع یدین کیا جائے یا نہیں؟ آمین اونچی کہی جائے یا آہستہ؟ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟ وغیرہ۔

ان مسائل کی تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو میں ان کو فروعی اختلاف سمجھتا ہوں۔ اور دونوں فریقوں میں سے جس کی جو تحقیق ہو اس کے لئے اسی پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اہل حدیث حضرات ہمارے امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق پر مطمئن نہیں تو انہیں اس پر کیوں مجبور کیا جائے۔ اسی طرح اگر ہمارے نزدیک اہلحدیث حضرات کی تحقیق لائق اطمینان نہیں تو کوئی ضروری نہیں کہ ہم ان کی تحقیق پر ہی عمل کریں۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ فروعی اختلافات حضرات صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ اور ائمہ ہدیٰ کے درمیان بھی رہے ہیں۔ اور یہ

اختلاف اگر اپنی حد کے اندر رہے تو سراپا رحمت ہے کہ امت کے کسی نہ کسی فرد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو کسی نہ کسی شکل میں محفوظ کردیا ہے لیکن میں ان مسائل میں تشدد کو روا نہیں سمجھتا جس کے ذریعہ ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف زبان طعن دراز کرے۔ اور ان فروعی مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ بتایا جائے، اس تشدد کے بعد یہ اختلاف رحمت نہیں رہے گا بلکہ زحمت بن جائے گا اور امت کی عملی قوتیں ان فروعی مسائل میں خرچ ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ ہر ایک چیز اپنی حد کے اندر رہے تو اچھی لگتی ہے اور جب اپنی حد سے نکل جائے تو وہ مذموم بن جاتی ہے۔ یہی حال ان فروعیات کا ہے۔

حنفی وہابی اختلاف کی دوسری قسم وہ ہے جس کو میں "نظریاتی اختلاف" سمجھتا ہوں، اور اس میں میری رائے اہلحدیث حضرات (جن کو آپ نے وہابی لکھا ہے، اور عام طور پر انہیں غیر مقلد کہا جاتا ہے) کے ساتھ متفق نہیں بلکہ میں ان کے مؤقف کو غلط سمجھتا ہوں۔ اصولی طور پر یہ اختلاف دو نکتوں میں ہے، اول یہ کہ اہلحدیث حضرات کے نزدیک کسی معین امام کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہر شخص کو قرآن و حدیث سے جو بات سمجھ آئے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ مسئلہ "تقلید اور ترکِ تقلید" کے عنوان سے مشہور ہے جو ایک بہت ہی معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور جس پر دونوں طرف سے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں مگر میں اس سلسلہ میں چند معروضات پیش کردینا کافی سمجھتا ہوں:

(۱) تقلید کے معنی ہیں "کسی لائقِ اعتماد آدمی کی بات کو بغیر مطالبہ دلیل تسلیم کرلینا"۔ جس آدمی کی بات مانی جارہی ہے اگر وہ سرے سے لائق اعتماد نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی بات ماننا ہی غلط ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے فن کا ماہر ہے تو ایک عامی آدمی کا اس سے دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہوگا۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ آپ کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ آپ کے لئے کوئی نسخہ تجویز کرتا ہے، اگر وہ طبیب اپنے فن کا ماہر ہی نہیں بلکہ محض عطائی ہے تو آپ کا اس کے پاس تشریف لے جانا ہی غلط ہوگا اور اگر وہ اپنے فن کا مستند ماہر ہے تو اس کے تجویز کردہ نسخہ کی ایک ایک چیز کے اجزا کے بارے میں آپ کا بحث کرنا اور ایک ایک بات کے لئے دلیل کا مطالبہ کرنا قطعاً نادرست اور ناروا ہوگا۔

وجہ یہ کہ ایک عامی آدمی کسی ماہر کے پاس جاتا ہی اس وقت ہے جب وہ مسئلہ اس کی عقل و

فہم کی سطح سے اونچا ہو...... ٹھیک اسی طرح دین وشریعت کا معاملہ سمجھنا چاہئے۔ پس دین کے وہ مسائل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر چلے آرہے ہیں اور جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ دین کا مسئلہ یہ ہے اس کے بارے میں کسی مسلمان کو نہ کسی عالم کے پاس جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کوئی جاتا ہے۔ دینی مسائل میں اہل علم کی طرف رجوع کی ضرورت اسی وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ ہم ایسے عامی لوگوں کی ذہنی سطح سے وہ مسئلہ اونچا ہو...... ایسی حالت میں دو صورتیں ممکن ہیں ایک تو یہ کہ ہم خود قرآن وحدیث کھول کر بیٹھ جائیں۔ اور ہماری اپنی عقل و فہم میں جو بات آئے اسے "دین" سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن وسنت کے ماہر ہیں ان سے رجوع کریں اور انہوں نے اپنی مہارت، طویل تجربہ اور خداداد بصیرت سے قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر اعتماد کریں۔ پہلی صورت خود رائی کی ہے۔ اور دوسری صورت کو تقلید کہا جاتا ہے جو عین تقاضائے عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

ماہرین شریعت کی تحقیقات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک ایک مسئلہ کے لئے قرآن وحدیث میں غور کرنے والے عامی شخص کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص بہت سی پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہو جائے اور ماہرین فن سے رجوع کرنے کو بھی اپنی کسرِ شان سمجھے، اور اس مشکل کا حل وہ یہ تلاش کرے کہ طب کی مستند اور اچھی اچھی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ شروع کردے اور پھر اپنے حاصل مطالعہ کا تجربہ خود اپنی ذات پر کرنے لگے۔ مجھے توقع ہے کہ اول تو کوئی عقلمند ایسی حرکت کرے گا نہیں اور اگر کوئی شخص واقعی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ ماہرین فن سے رجوع کئے بغیر اپنے پیچیدہ امراض کا علاج اپنے مطالعہ کے زور سے کر سکتا ہے تو اسے صحت کی دولت تو نصیب نہیں ہوگی، البتہ اسے اپنے کفن دفن کا انتظام پہلے سے کر رکھنا چاہئے پس جس طرح طب میں خود رائی آدمی کو قبر میں پہنچا کر چھوڑتی ہے، اسی طرح دین میں خود رائی آدمی کو گمراہی اور زندقہ کے غار میں پہنچا کر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے گمراہ اور ملحد فرقے ہوئے ان سب نے اپنی مشق کا آغاز اسی خود رائی اور ترکِ تقلید سے کیا...... مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اس خود رائی اور ترکِ تقلید کا ماتم کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھتے ہیں :

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترکِ مطلقِ تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔" (اشاعت السنۃ نمبر ۴ جلد نمبر ۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

......اس لئے ہم کہیں گے کہ اگر وہ واقعی قرآن و حدیث کا ماہر ہے اور اس کا فہم قرآن و حدیث حجت ہے تو اس کو کسی امام کی تقلید کی ضرورت ہی نہیں یہ خود مجتہد مطلق ہے اور اگر وہ قرآن و حدیث کا ماہر نہ ہونے کے باوجود اپنی عقل و فہم کو معیار بناتا ہے تو پھر اس خود رائی کا شکار ہے، جو اس کے دین کے لئے مہلک ہو سکتی ہے......

اہلحدیث حضرات کا مولد و منشا غیر منقسم ہندوستان ہے، چونکہ یہاں پہلے سے حنفی مذہب رائج تھا۔ اس لئے ان کے اعتراضات کا اول و آخر نشانہ حنفی مذہب بنا، اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کسر شان میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگرچہ اہلحدیث کا بہت سا سنجیدہ طبقہ، خصوصاً ان کے اکابر و بزرگ حضرت امامؒ کی بے ادبی کو روا نہیں سمجھتے، مگر ان کا نو عمر، خام علم اور خام فہم طبقہ "عمل بالحدیث" کے معنی ہی حضرت امامؒ کی بے ادبی و گستاخی کرنے کو سمجھتا ہے۔

میں ان حضرات کے اس طرز عمل کو خود ان کے حق میں نہایت خطرناک سمجھتا ہوں، کیونکہ حضرت امامؒ کی بلندیٔ شان کے لئے یہی کافی ہے کہ مجدد الف ثانیؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جیسے اکابر ان کے مقلد ہوئے ہیں۔ اس لئے چند خوش فہم لوگوں کی تنقید سے حضرت امامؒ کی بلندیٔ مرتبت میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔ البتہ سلفِ صالحین اور خاصانِ خدا کی اہانت کرنے پر خدا تعالیٰ کا جو وبال نازل ہوا کرتا ہے وہ ان حضرات کے لئے خطرے کی چیز ضرور ہے۔

اہلحدیث حضرات کے نظریاتی اختلاف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات شوقِ اجتہاد میں "اجماعِ امت" سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں یہاں اس کی دو مثالیں عرض کرتا ہوں۔

اول : آپ کو معلوم ہوگا کہ بیس رکعت تراویح کا دستور مسلمانوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے اور چاروں ائمہ دین بھی اس پر متفق ہیں لیکن اہلحدیث حضرات اس کو بلا تکلف "بدعت" کہہ دیتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں، میں نے بعض حضرات کو اپنے کانوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناروا الفاظ کہتے سنا ہے۔

دوم : دوسرا مسئلہ تین طلاق بلفظِ واحد کا ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک لفظ یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی طلاقیں شمار ہوں گی۔ یہ فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اور تمام صحابہ و تابعین نے اس فتویٰ کو قبول کیا...... مجھے کسی صحابی و تابعی کا علم نہیں جس نے اس فتویٰ سے اختلاف کیا ہو۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ کا ہے (جن کے اتفاق کو میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے اجماعِ امت کی علامت بتاچکا ہوں) لیکن اہلحدیث حضرات بڑی جرأت سے ایسی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مجھے یہاں ان دونوں مسائل میں ان کے شبہات سے بحث نہیں، بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ حضرات ان دونوں مسائل میں اجماعِ امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقشِ قدم پر ہیں اور حضرات خلفأ راشدینؓ کی پیروی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، ائمہ ہدیٰ اور اکابر امتؒ نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا۔ اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ نعوذ باللہ......" (صراط مستقیم حصہ اول ص ۲۶،۳۵)

بریلویت :

بریلویت کوئی مذہب نہیں بلکہ بدعات و رسومات کا ملغوبہ، دین و شریعت، قرآن و سنت اور فقہائے امت کی تصریحات کے مقابلہ میں اپنی ذاتی آرأ کا مجموعہ ہے، حضرت شہیدؒ نے اس پر نہایت جاندار گرفت فرمائی ہے، قرآن و سنت اور فقہائے امت کی تصریحات کی روشنی میں اس مذہب کا حدود اربعہ متعین فرمایا ہے ذیل میں ان کے چند عقائد کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے :

"...... شیعہ سنی اختلاف تو صحابہ کرامؓ کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلہ پر پیدا ہوا، اور حنفی وہابی

اختلاف ائمہ ہدیٰ کی پیروی کرنے نہ کرنے پر پیدا ہوا۔ لیکن "دیوبندی بریلوی اختلاف" کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دونوں فریق امام ابو حنیفہؒ کے ٹھیٹھ مقلد ہیں۔ عقائد میں دونوں فریق امام ابو الحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کو امام و مقتدا مانتے ہیں تصوف و سلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں ...... قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی...... میں بیعت کرتے کراتے ہیں......

......اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلاف کی کوئی صحیح بنیاد نظر نہیں آتی...... تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے اس لئے میں کسی فریق کا نام لئے بغیر، قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان کے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کردینا کافی سمجھتا ہوں۔

ان دونوں کے درمیان جن نکات میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) آنحضرت ﷺ نور تھے یا بشر ؟

(۲) آپ ﷺ عالم الغیب تھے یا نہیں ؟

(۳) آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں ؟

(۴) آپ ﷺ مختارِ کُل ہیں یا نہیں، یعنی اس کائنات کے تمام اختیارات آپ ﷺ کے قبضہ میں ہیں یا اللہ کے قبضہ میں ؟

ان مسائل میں جس فریق کا عمل قرآنِ کریم، ارشاداتِ نبوی ﷺ، تعاملِ صحابہؓ اور فقہِ حنفی کے مطابق ہوگا میں اسے حق پر سمجھتا ہوں۔ اور دوسرے کو غلطی پر......اب میں نہایت اختصار کے ساتھ متنازع فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں۔

ا۔ نور اور بشر :

آنحضرت ﷺ کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لحاظ سے نہ صرف نوعِ بشر میں داخل ہیں بلکہ افضل البشر ہیں نہ صرف انسان ہیں بلکہ نوع انسان کے سردار ہیں۔ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں بلکہ آدم علیہ السلام و اولاد آدم کے لئے سرمایہ صد افتخار ہیں...... صلی اللہ علیہ وسلم...... خود ارشاد نبوی ﷺ ہے :

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

ترجمہ: "میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔"

اس لئے آپ ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ ﷺ کے لئے طرۂ افتخار ہے، بلکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے سے انسانیت وبشریت رشکِ ملائکہ ہے۔

جس طرح آپ ﷺ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں اسی طرح آپ ﷺ صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارۂ نور ہیں، یہی "نور" ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے۔ اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی۔ لہٰذا میرے عقیدہ میں آپ ﷺ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی...... اور میرے نزدیک نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلطی ہے۔

بشر اور انسان دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ اور بشریت کی نفی کے معنی آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ دائرہ انسانیت سے خارج کرنا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم میں سینکڑوں جگہ انبیاء اکرامؑ کے بنی نوعِ انسان میں سے ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔ ادھر تمام اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ صرف نوعِ انسان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ اہلِ سنت کے عقائد کی مشہور کتاب "شرح عقائد نسفی" میں رسول کی تعریف کی گئی ہے:

"اِنْسَانٌ بَعَثَہُ اللّٰہُ لِتَبْلِیْغِ الرِّسَالَۃِ وَالْاَحْکَامِ"

ترجمہ: "رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے پیغامات و احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے کھڑا کرتا ہے۔"

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری (ص ۲۶۳ ج ۲) میں "فصول عمادیہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جو شخص کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن، وہ مسلمان نہیں"۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان اور بشر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی شخص بشرطِ سلامتی عقل ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔

بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ آپ ﷺ خدا کے نور میں سے نور تھے جو لباسِ بشریت میں جلوہ گر ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "احد" اور "احمد" میں صرف "میم" کا پردہ ہے نعوذ باللہ یہ بعینہ وہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں کہ وہ خدا تھے جو لباسِ بشریت میں آئے۔ اسلام میں ایسے لغو اور باطل عقائد کی کوئی گنجائش نہیں۔

خدا کو اور بندۂ خدا کو ایک کہنا اس سے زیادہ لغو اور بے ہودہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ پہلی امتوں نے اسی قسم کے غلو سے اپنے دین کو برباد کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں بھی اسی غلو کا اندیشہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی کہ:

"میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کیجئو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا بنا ڈالا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہیو (صلی اللہ علیہ وسلم)۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۹)

اس ارشادِ مقدس کی روشنی میں میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات و خصوصیات میں تمام کائنات میں سب سے اعلیٰ و اشرف اور یکتا ہیں، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل نہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال انسان ہیں، خدا نہیں...... یہی اسلام کی تعلیم ہے، اور اسی پر میرا ایمان ہے۔

(۲) عالم الغیب: میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ علوم عطا کئے جو کسی مقدس نبی اور کسی مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے، بلکہ تمام اولین و آخرین کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات گزشتہ و آئندہ کے بیشمار واقعات برزخ اور قبر کے حالات میدان محشر کے نقشے، جنت و دوزخ کی کیفیت، الغرض وہ تمام علوم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شایان شان تھے وہ سب آپ کو عطا کئے گئے اور ان کا اندازہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اسی کے ساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں یہی حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی حق تعالیٰ کے علمِ محیط کے مقابلے میں ہے صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے کم کیا ہے۔" (ص ۶۸۸ ج ۲)

اور یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ تعالیٰ کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت؟ (حاشیہ صحیح بخاری ص ۴۸۲ ج ۱) یہی سبب ہے کہ قرآن کریم

میں جگہ جگہ "عالم الغیب" کا لفظ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور بہت سی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "عالم الغیب" ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ بیسویں پارے کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفاتِ الوہیت ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا:

ترجمہ: "فرمادیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوق بھی موجود ہے ان میں سے کوئی غیب نہیں جانتا، اللہ کے سوا، اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔" (النمل: ۶۵)

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ مضمون ارشاد ہوا ہے ان آیات واحادیث کو نقل کیا جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہیں ہوگی۔ اور ہمارے تمام ائمہ اہلسنت اور ائمہ احناف کا یہی مسلک ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو "عالم الغیب" کہنا صحیح نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔" (صحیح بخاری مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۱)

اور فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ: "جس شخص نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور یہ کہا کہ ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا" (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶۶ ج ۲) اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" سمجھا اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ص ۳۳۴ ج اول، البحر الرائق ص ۸۸ ج ۳)

بعض لوگ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "عالم الغیب" نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "عالم الغیب" ہیں۔ ایسا کلمہ کفر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ مسکین یہی نہیں جانتے کہ "علم غیب" کسے کہتے ہیں؟ ہمارے ائمہ احناف کی مشہور تفسیر "مدارک" میں لکھا ہے:

ترجمہ: "یعنی "غیب" ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اور نہ کسی مخلوق کو ان کی اطلاع ہے۔"

پس جن امور کا علم انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بذریعہ وحی عطا کر دیا جاتا ہے یا جو چیزیں اولیاءِ کرام کو بذریعہ الہام یا کشف معلوم ہو جاتی ہیں، ان پر "غیب" کا اطلاق نہیں ہوتا...... خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ مبارکہ اس قدر ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ کسی انسان، کسی جن اور کسی فرشتے کو نہ ہوا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے لیکن نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے علوم، علمِ الٰہی کے مساوی ہیں، اور نہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو "عالمِ غیب" کہنا صحیح ہے......" (صراط مستقیم حصہ اول ص ۴۲،۴۷)

فتنہ مودودیت :

مودودیت کوئی دین و مذہب نہیں بلکہ ایک سیاسی تحریک ہے مگر آزادیٔ فکر ورائے میں اس کے بانی مبانی نے پوری امت کو حتی کہ صحابہ کرامؓ اور حضرات انبیأ کرامؑ کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اس پر حضرت شہیدؒ نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" حصہ اول اور "تنقید اور حق تنقید" میں بہت ہی سلیقہ سے دعوت انصاف دی ہے، ذیل میں اختلاف امت اور صراط مستقیم سے اس سلسلہ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :

"...... مولانا مودودی کی تمام ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے مجھے موصوف سے بہت سی باتوں میں اختلاف ہے۔ جزئیات تو بے شمار ہیں، مگر چند کلیات حسب ذیل ہیں :

اول : مولانا مودودی کے قلم کی کاٹ اور شوخی ان کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس ناکارہ کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی شاید یہی ہے۔ ان کا قلم مؤمن و کافر دونوں کے خلاف یکساں کاٹ کرتا ہے۔ اور وہ کسی فرق و امتیاز کا روادار نہیں۔ جس طرح وہ ایک لادین سوشلسٹ کے خلاف چلتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک مومنِ مخلص اور خادمِ دین کے خلاف بھی، وہ جس جرأت کے ساتھ اپنے کسی معاصر پر تنقید کرتے ہیں (جس کا انہیں کسی درجہ میں حق ہے) اسی "جسارت" کے ساتھ وہ سلف صالحین کے کارناموں پر بھی تنقید کرتے ہیں...... وہ جب تہذیبِ جدید اور الحاد و زندقہ کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث گفتگو کر رہا ہے اور دوسرے ہی لمحے جب وہ اہل حق کے خلاف خامہ فرسائی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے مسٹر پرویز یا غلام احمد قادیانی کا قلم چھین لیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ نبوت و رسالت کا مقام کتنا نازک ہے ؟

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کسی نبی (علیہ السلام) کے بارے میں کوئی ایسی تعبیر روا نہیں جو ان کے مقامِ رفیع کے،

شایان شان نہ ہو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، پورا ذخیرۂ حدیث دیکھ جایئے ایک لفظ ایسا نہیں ملے گا جس میں کسی نبی کی شان میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کمی کا شائبہ پایا جاتا ہو، لیکن مولانا مودودی کا قلم حریم نبوت تک پہنچ کر بھی ادب نا آشنا رہتا ہے اور وہ بڑی بے تکلفی سے فرماتے ہیں :

الف : "موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے۔ جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔" (رسالہ ترجمان القرآن ج ۲۹ شمارہ ۴، ص ۵)

ب : "حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔" (تفہیمات حصہ دوم ص ۴۲ طبع دوم)

ج : "حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔"

(تفہیم القرآن ج ۴ سورۂ ص، صفحہ ۳۲۷ طبع اول اکتوبر ۱۹۶۶ء)

د : نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے..... لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقصد ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۴۴ طبع سوم ۱۹۶۴ء)

ہ : سیدنا یوسف علیہ السلام کے ارشاد : اجعلنی علی خزائن الارض (مجھے زمین مصر کے خزائن کا نگران مقرر کر دیجئے) کے بارے میں فرماتے ہیں :

"یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا۔ اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔"

(تفہیمات حصہ دوم ص ۱۲۲ طبع پنجم ۱۹۷۰ء)

د : ”حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔ غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔“
(تفہیم القرآن ج ۲ سورۂ یونس حاشیہ ص ۳۱۲، ۳۱۳ طبع سوم ۱۹۶۴ء)

ممکن ہے مولانا مودودی اور ان کے مداحوں کے نزدیک ”جلد باز فاتح“ ”خواہش نفس کی بنا پر...... ”حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال“...... ”بشری کمزوریوں سے مغلوب“...... ”جذبہ جاہلیت کا شکار“ اور ”ڈکٹیٹر شپ“ جیسے الفاظ میں سوءِ ادب کا کوئی پہلو نہ پایا جاتا ہو۔ اس لئے وہ انبیأ علیہم السلام کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال صحیح سمجھتے ہوں، لیکن اس کا فیصلہ دو طرح ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ اسی قسم کے الفاظ اگر خود مولانا موصوف کے حق میں استعمال کئے جائیں تو ان کو یا ان کے کسی مداح کو ان سے ناگواری تو نہیں ہوگی؟ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ مولانا ڈکٹیٹر ہیں۔ اپنے دور کے ہٹلر ہیں اور مسولینی ہیں، وہ خواہشِ نفس سے کام کرتے ہیں۔ جذبہ جاہلیت سے مغلوب ہو جاتے ہیں، حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال کر جاتے ہیں اور انہوں نے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہیاں کی ہیں وغیرہ وغیرہ تو میرا خیال ہے کہ مولانا کا کوئی عقیدتمند ان ”الزامات“ کو برداشت نہیں کرے گا۔ اگر یہ الفاظ مولانا مودودی کی ذاتِ سیادت مآب کے شایانِ شان نہیں۔ بلکہ یہ مولانا کی تنقیص اور سوئے ادب ہے تو انصاف فرمایئے کہ کیا ایسے الفاظ انبیأ کرام علیہم السلام کی شان میں زیبا اور شائستہ ہیں؟ اسی نوعیت کا ایک فقرہ اور سن لیجئے :

”یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی...... بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیرِ اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقامِ بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔“ (تفہیم القرآن ص ۱۳۳ ج ۲)

اس عبارت سے سیدنا آدم علیہ السلام کا اسمِ گرامی حذف کر کے اس کی جگہ اگر مولانا مودودی کا نام لکھ دیا جائے تو میرا اندازہ ہے کہ ان کے حلقہ میں کہرام مچ جائے گا اور پاکستان میں طوفان برپا ہو جائے گا اس سے ثابت ہے کہ یہ فقرہ شائستہ نہیں بلکہ گستاخی اور سوءِ ادب ہے۔

اسی کی ایک مثال امہات المومنین کے حق میں موصوف کا یہ فقرہ ہے :

”وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کچھ زیادہ جری ہو گئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی کرنے لگی تھیں۔“ (ہفت روزہ ایشیا لاہور مورخہ ۱۹/نومبر ۱۹۷۶ء)

مولانا موصوف نے یہ فقرہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے مگر اس کو مضاف سے زیادہ مضاف الیہ کے حق میں سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مولانا محترم کی اہلیہ محترمہ امہات المومنین سے بڑھ کر مہذب اور شائستہ نہیں، نہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقدس ہیں۔ اب اگر ان کا کوئی عقیدت مند یہ کہہ ڈالے کہ مولانا کی اہلیہ مولانا کے سامنے زبان درازی کرتی ہیں تو مولانا اس فقرے میں اپنی خفت اور ہتک عزت محسوس فرمائیں گے، پس جو فقرہ خود مولانا کے حق میں گستاخی تصور کیا جاتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المومنین کے حق میں سوءِ ادب کیوں نہیں؟

الغرض مولانا موصوف کے قلم سے انبیأ کرام علیہم السلام کے حق میں جو ادبی شہ پارے نکلے ہیں وہ سوءِ ادب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا ایک معیار تو یہی ہے کہ اگر ایسے فقرے خود مولانا کے حق میں سوءِ ادب میں شمار ہو کر ان کے عقیدت مندوں کی دل آزاری کا موجب ہو سکتے ہیں تو ان کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ یہ انبیأ کرام علیہم السلام کے حق میں بھی سوءِ ادب ہیں۔ اور جو لوگ نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں ان کی دل آزاری کا سبب ہیں۔

دوسرا معیار یہ ہو سکتا ہے کہ آیا اردو میں جب یہ فقرے استعمال کئے جائیں تو اہل زبان ان کا کیا مفہوم سمجھتے ہیں؟ اگر ان دونوں معیاروں پر جانچنے کے بعد یہ طے ہو جائے کہ واقعی ان کلمات میں سوءِ ادب ہے تو مولانا کو ان پر اصرار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان سے توبہ کرنی چاہئے، کیونکہ انبیأ کرام کے حق میں ادنیٰ سوءِ ادب بھی سلبِ ایمان کی علامت ہے......"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص ۱۳۰، ۱۳۵)

فتنہ انکار حدیث :

انکار حدیث در حقیقت انکار دین کی خطرناک اور بھیانک تحریک ہے مگر بھولے بھالے مسلمان اسے بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ اور تحقیق کے نام سے قبول کرتے ہیں، یوں وہ دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، حضرت شہیدؒ نے اس پر مختلف انداز سے متعدد مقامات پر لکھا ہے، ذیل میں حضرتؒ کے رسالہ "انکار حدیث کیوں" سے چند پیراگراف پیش کئے جاتے ہیں:

"......انکار حدیث کا فتنہ ظہور میں آچکا ہے۔ بحث کرنے والے پوری قوت کے ساتھ

اس بحث میں مصروف ہیں کہ حدیث حجت ہے یا نہیں؟ جن لوگوں کی طرف سے یہ بحث اٹھائی گئی ہے ان کا حال تو انہی کو معلوم ہوگا لیکن جہاں تک میرے ایمان کا احساس ہے یہ سوال ہی غیرت ایمانی کے خلاف چیلنج ہے جس سے اہل ایمان کی گردن ندامت کی وجہ سے جھک جانی چاہئے۔

اس فتنہ کے اٹھانے والے ظالموں نے نہیں سوچا کہ وہ اس سوال کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اعتماد یا عدم اعتماد کا فیصلہ طلب کرنے کے لئے امت کی عدالت میں لے آئیں گے۔ امت اگر یہ فیصلہ کردے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (حدیث) قابل اعتماد ہے، تو اس کے مرتبہ کا سوال ہوگا اور اگر نالائق امتی یہ فیصلہ صادر کردیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات (حدیث) آپ کے زمانہ والوں کے لئے لائق اعتماد ہو تو ہو لیکن موجودہ دور کے متمدن اور ترقی پسند افراد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عدم اعتماد کا فیصلہ ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) اگر دل کے کسی گوشے میں ایمان کی کوئی رمق بھی موجود ہے تو کیا یہ سوال ہی موجب ندامت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لائق اعتماد ہے یا نہیں؟

تُف ہے! اس مہذب دنیا پر کہ جس ملک کی قومی اسمبلی میں صدر مملکت کی ذات کو توزیر بحث نہیں لایا جا سکتا (پاکستان کی قومی اسمبلی کے اسپیکر نے متعدد دفعہ یہ رولنگ دی ہے کہ معزز ارکان اسمبلی صدر مملکت کی ذات گرامی کو زیر بحث نہیں لا سکتے) لیکن اسی ملک میں چند ننگ امت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو نہ صرف یہ کہ زیر بحث لاتے ہیں بلکہ زبان و قلم کی تمام تر طاقت اس پر صرف کرتے ہیں کہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ دے ڈالے۔ اگر ایمان اسی کا نام ہے تو مجھے کہنا ہوگا:

"بئسما یأمرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین"

بہر حال مریض دلوں کے لئے انکار حدیث کی خوراک لذیز ہو تو ہو (غلبہ صفرا کی وجہ سے ان مسکینوں کو اس کی تلخی کا احساس نہیں ہوتا) لیکن میرے جیسے گناہگار اور ناکارہ امتی کے لئے یہ موضوع خوشگوار نہیں بلکہ یہ بحث ہی تلخ ہے، نہایت تلخ۔ مجھے کل ان کے دربار میں جانا ہے اور ان کی شفاعت کی امید ہی سرمایہ زندگی ہے۔ سوچتا ہوں اور خدا کی قسم، کانپتا ہوں کہ اگر ان کی طرف سے دریافت کرا لیا گیا کہ: او نالائق! کیا میری حدیث کا اعتماد بھی محل بحث ہو سکتا

ہے ؟ تو میرے پاس کیا جواب ہوگا ؟ اسلام کے ان فرزندان ناخلف نے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح و تعدیل کا جو راستہ اختیار کیا ہے واللہ! اس میں کفر و نفاق کے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں :"فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر" اب جس کا جی چاہے نبی کی بات پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔

فتنہ کی کجی ملاحظہ کیجئے۔ دین قیم کے وہ صاف، واضح، روشن اور قطعی مسائل جن میں کل تک شک و تردد کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، کل تک ملت اسلامیہ جن کو یقینی مانتی چلی آئی تھی، شکی مزاج طبیعتیں آج ان ہی مسائل کو غلط اور ناقابل قبول ٹھہراتی ہیں۔

ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اب تک محفوظ تھی، تمام امت کا مرجع تھی ہر امتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتا تھا۔ امت میں کوئی اختلاف رونما ہو، اس کے فیصلہ کے لئے آپ کی ذات آخری عدالت تھی اور آپ کا ہر فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن افسوس! آج کس کے پاس یہ شکایت لے جائیں کہ فتنہ کے سیلاب کی موجیں علماء، صلحاء، صوفیاء، متکلمین، محدثین، مجتہدین، تابعین اور صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان سب کو روندتی ہوئی دین و شریعت کی آخری فصیل ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکرا رہی ہیں اور چاہا جاتا ہے کہ انسانیت کی سب سے بڑی اور سب سے آخری عدالت کو بھی مجروح کر دیا جائے فالی اللہ المشتکی۔

اف! مبتلائے فتنہ امت میں یہ بحث موضوع سخن ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت ہے یا نہیں، دینی حیثیت سے قابل قبول ہے یا نہیں ؟ کیا یہ صاف اور موٹی بات بھی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی کہ کسی ذات کو نبی اور رسول ماننا یا نہ ماننا تو ایک الگ بحث ہے۔ لیکن جس ذات کو رسول مان لیا جائے، ماننے والے کے ذمہ اس کی ہر بات کا مان لینا بھی ضروری ہے، جس کام کا وہ حکم کرے اس کی تعمیل بھی ماننے والے کے لئے لازم ہے اور جس فعل سے وہ منع کرے اس سے رک جانا ضروری ہے۔

رسول کو رسول مان کر اس کے احکام میں تفتیش کرنا کہ یہ : "حکم آپ اپنی طرف سے دے رہے ہیں یا خدا کی طرف سے ؟ اور اگر آپ اپنی طرف سے کوئی ارشاد فرماتے ہیں تو اس کی تعمیل سے معاف رکھا جائے۔" نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے ؟ یہ کتنی صاف اور سیدھی بات

تھی لیکن نہیں معلوم لوگ عقل کو کہاں استعمال کیا کرتے ہیں کہ ایسے بدیہی امور میں بھی شک اور تردد کا مرض ان کو ایمان ویقین سے محروم کئے رکھتا ہے۔ شرح تحریر میں ہے:

ترجمہ: ”سنت خواہ مفید فرض ہو یا واجب یا ان کے علاوہ کے لئے مفید ہو، اس کا حجت ہونا دین کا ایسا واضح مسئلہ ہے جس میں طلب دلیل کی ضرورت نہیں، جس کو ذرا بھی عقل و تمیز ہو، عورتوں اور بچوں تک بھی، وہ جانتا ہے کہ جس کی نبوت ثابت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بتلائے گا اس میں قطعاً سچا ہوگا اور اس کی بات کی پیروی واجب ہوگی۔“

منکرین حدیث کی کور چشمی ملاحظہ کرو۔ اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں اس پر بھی اتفاق ہے کہ علم وعرفان کے سرچشمہ ہوتے ہیں الغرض آفتاب طلوع ہوچکنے کے بعد، بحث اس پر ہو رہی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد دن ہوتا ہے، یا رات ہوتی ہے؟ زبان و قلم، عقل و فہم اور دل و دماغ کی قوتیں اس پر صرف کی جارہی ہیں کہ رسول کو رسول ماننے کے بعد اس کی کسی بات (حدیث) پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو خیرہ چشم طلوع آفتاب کا اقرار کرنے کے باوجود دن نہیں رات ہے؟ کی رٹ لگا رہا ہو اور چاہتا ہو کہ تمام دنیا اسی کی طرح آنکھیں موند لے، بتلایا جائے کہ آپ ایسے سوفسطائی کو کس دلیل سے سمجھا سکتے ہیں؟

اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبانی اقرار کرنے والوں سے جب سنا جاتا ہے کہ جس ذات کو ہم رسول مانتے ہیں اسی کا کوئی قول اور فعل ہمارے لئے حجت نہیں تو بتلایئے ایسے محرومان بصیرت کے لئے کونسا سامان ہدایت سود مند ہوسکتا ہے؟ کاش ان کو چشم بصیرت نصیب ہوجاتی فانها لا تعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور... کیونکہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دل اندھے ہوچکے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں......“

(انکار حدیث کیوں؟)

دین دار انجمن:

ہر دور میں اسلام کے نام پر کفر و الحاد اور زندقہ کی ترویج و اشاعت کے لئے ذریت شیطان نے مختلف روپ بہروپ بدلے، مگر علمائے ربانی نے ہمیشہ ان کی سازشوں کو ناکام کرتے ہوئے اسلام

کے مبارک چہرے کے خط و خال کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کی سعی کوشش فرمائی ہے۔
ٹھیک اسی طرح جب قادیانی غدار کی ذریت نے "دین دار انجمن" اور "میزان انجمن" کے نام سے اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے کی کوشش کی تو حضرت شہیدؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک سائل کے جواب میں لکھا:

"س: ...... اللہ کے فضل سے ہمارے گھرانے میں بڑے چھوٹے سب نماز کے پابند ہیں اور ہمارا گھرانہ مذہبی گھرانہ ہے "میزان انجمن" کراچی میں قائم ہے۔ اس انجمن کے بانی اور اراکین "صدیق دین دار چن بسویشور" کے ماننے والے اور اس کے پیروکار ہیں۔ یہ لوگ لمبی داڑھیاں، سر کے لمبے عورتوں جیسے بال رکھے ہوئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ قادیانی مرزا غلام احمد اور موجودہ مرزا طاہر احمد "مامور من اللہ" ہیں ان کے اپنے ایک آدمی شیخ محمد ہیں۔ شیخ محمد کو مظہر خدا مان کر ان کو نماز کی طرح سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ محمد پر الہام ہوتا ہے جو الہام ہوئے ہیں اب تک وہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے......

کراچی کے اہل سنت سرمایہ دار چند ایسے ہیں جو ان کی صورت اور حلیہ سے متاثر ہو کر ماہانہ اشاعت اسلام کے نام پر چندہ معقول رقم بھی دیتے ہیں یہ پورا گروہ خود کو مبلغ اسلام کہتا ہے...... ہمارے چند رشتہ داروں کو ان لوگوں نے اپنا ہم عقیدہ بنالیا ہے۔ ہر جمعہ ہمارے رشتہ دار ماموں، ممانی، ان کے بچے ہمارے گھر آتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ میزان انجمن کے رکن بن جاؤ، دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

آپ کو اللہ اور رسول کا واسطہ ہے جلد جواب سے مطلع فرمائیے۔ ہماری ممانی کہتی ہیں: "میزان انجمن" دنیا کے مسلمانوں کو حق کا راستہ بتانے کے لئے وجود میں آئی ہے پاکستان میں حق کی جماعت "میزان انجمن" ہی ہے اور صدیق دین دار چن بسویشور دنیا کا نظام چلا رہے ہیں"۔

آپ یہ بتائیں کہ قرآن کریم اور احادیث سے کیا یہ تمام باتیں درست ہیں؟ ہندو اوتاروں کی یا مسلمان پیغمبروں کی روح کا ایک دوسرے میں یا جس میں چاہے منتقل ہونا صحیح ہے؟

صدیق دین دار چن بسویشور کی اصلیت و حقیقت کیا ہے، کیا تھی؟ ضروری بات یہ ہے کہ یہ جماعت نماز بھی پڑھتی ہے۔ اور نام مسلمانوں ہندوؤں کے ملے ہوئے رکھے ہیں جیسے سید سراج الدین نرسیو اوتار یا صدیق دین دار چن بسویشور ان کے نام ہیں امید ہے کہ ہمارے لئے

زحمت کریں گے ہمارے گھر والے ماموں، ممانی اور ان کے بچوں کے ہر جمعہ آکر تبلیغ کرنے سے حیران ہیں، کیا ہم ان کی باتوں کو مانیں یا نہ مانیں؟ گھر میں آنے سے منع کردیں؟ اپنے بیٹوں کے لئے رشتہ مانگتے ہیں کیا ہم اپنی بہنوں کو جو کنواری ہیں اپنے صدیق دین دار چن بسویشور کے پیرو ماموں کے بیٹوں کو دے سکتے ہیں؟

ج:...... ''میزان انجمن'' قادیانیوں کی بگڑی ہوئی جماعت ہے۔ یہ لوگ مرزا قادیانی کو ''مسیح موعود'' مانتے ہیں۔ حیدر آباد دکن میں مرزا قادیانی کا ایک مرید بابو صدیق تھا اس کو مامور من اللہ، نبی، رسول، یوسف موعود اور ہندوؤں کا چن بسویشور اوتار مانتے ہیں۔ بابو صدیق کے بعد شیخ محمد کو مظہر خدا، اور تمام رسولوں کا اوتار مانتے ہیں، اس لئے ''دین دار انجمن'' اور ''میزان انجمن'' کے تمام افراد مرزائیوں کے دوسرے فرقوں کی طرح کافر و مرتد ہیں۔ یہ لوگ قادیانی عقائد کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے تناسخ کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں، اس انجمن کے افراد کو ان کے عقائد جاننے کے باوجود مسلمان سمجھنا بھی کفر ہے، کسی مسلمان لڑکی کا ''میزان انجمن'' کے کسی مرتد سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر لڑکی ایسے مرتد کے حوالے کردی گئی تو ساری عمر زنا اور بدکاری کا وبال ہوگا۔ اس انجمن کو چندہ دینا اور ان سے سماجی و معاشرتی تعلقات رکھنا حرام ہے۔ الغرض یہ مرتدوں کا ایک ٹولہ ہے جو مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے حالانکہ ان کے عقائد خالص کفریہ ہیں۔

دین دار انجمن کے حالات و عقائد پر پروفیسر الیاس برنی مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''قادیانی مذہب'' میں ذکر کئے ہیں۔ اور جناب مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے اس فرقہ کے عقائد پر مستقل رسالہ ''بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا'' کے نام سے لکھا ہے۔

ان سے مسلمانوں کا سا معاملہ جائز نہیں۔ ان کا جنازہ نہ پڑھا جائے نہ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ ان مرتدین کا جو مردہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردیا گیا اس کو اکھاڑنا ضروری ہے۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول)

فتنہ گوہر شاہی:

فتنہ گوہر شاہی دراصل ریاض احمد گوہر شاہی کا برپا کردہ ہے، اس شخص نے مرزا غلام احمد

قادیانی کی طرح مہدی، مسیح اور نبوت وغیرہ کے دعوے کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، اس گستاخ رسول کے خلاف حضرت شہیدؒ نے اپنی نگرانی میں ”دور حاضر کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی“ نامی کتاب مرتب کرائی اور اس سلسلہ میں درج ذیل فتاویٰ بھی صادر فرمائے :

س : ریاض احمد گوہر شاہی کا فتنہ بہت زور پکڑ رہا ہے، اس کے عقائد و نظریات کے رسائل اور اشتہارات پیش خدمت ہیں، اس شخص کی مذہبی حیثیت واضح فرما کر امت کی راہ نمائی فرمادیں.........

(خالد، کراچی)

ج : میں نے ریاض احمد گوہر شاہی کے عقائد و حالات کا مطالعہ کیا اور ہفت روزہ ”تکبیر“ کے سوالات بھی دیکھے ہیں ان کی روشنی میں، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص دین اور شریعت کا قائل نہیں، نہ اس کو نماز، روزے کا اہتمام ہے، اور نہ شریعت کے محرمات سے پرہیز ہے، اس لئے اس کی حیثیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسی ہے اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں۔

اسی طرح آپؒ نے اپنی زندگی کا آخری فتویٰ بھی گوہر شاہی کے خلاف لکھا جو درج ذیل ہے :

ج :...... برادر محترم مولانا سعید احمد جلالپوری زید مجدہ نے ریاض احمد گوہر شاہی کے بارے میں، جس نے اپنی جماعت کا نام ”انجمن سر فروشان اسلام“ رکھا ہے، یہ سوال نامہ مرتب کیا ہے، اور میرے کہنے پر انہوں نے گوہر شاہی کے عقائد پر ایک کتاب مرتب کی ہے۔ ان کی اس پوری کتاب میں ان مندرجہ بالا سوالات کے بارے میں حوالہ جات موجود ہیں، اور برادر محترم مولانا سعید احمد نے اس کے ان دعاوی کا خلاصہ بہت خوبصورت الفاظ میں اس سوال نامہ میں نقل کر دیا ہے، اور اس سوال نامہ کے آخر میں انہوں نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ شخص ریاض احمد گوہر شاہی مسلمان ہے یا کافر و زندیق ؟

۱ :...... جس شخص نے اس سوال نامہ کا مطالعہ کیا ہو، وہ بتا سکتا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر و زندیق اور مرتد ہے۔

۲ :...... یہ شخص اور اس کی جماعت اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں قرآن و سنت اور اکابر امت کی تصریحات یہ ہیں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۳ :...... ریاض احمد گوہر شاہی اور اس کی جماعت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا اور

رشتہ ناتہ کرنا جائز نہیں۔

۴ :......ان لوگوں کا ذبیحہ مردار ہے۔

۵ :......جس شخص نے کتاب وسنت اور اکابر امت کی تصریحات پڑھی ہوں اس کے لئے مندرجہ بالا امور پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس سوال نامہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ واضح طور پر ان تمام امور کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۲/ صفر ۱۴۲۱ھ

(گوہر شاہی ص ۱۰۸ اور ۱۱۷)

فتنہ آغاخانیت :

آغاخانیت ایک پر پیچ باطنی تحریک ہے جو دراصل یہودیت کا تسلسل ہے، اس کے خلاف کام کرنا بہت ہی مشکل اور صبر آزما ہے حضرت شہیدؒ نے اس تحریک کے خلاف نہایت سلیقہ سے کام کیا، سب سے پہلے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب "ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام دریافت کی اور اسے زر کثیر سے طبع کرایا، پھر آغاخانیوں کے خلاف شائع ہونے والے فتویٰ پر ساٹھ صفحات کا مقدمہ تحریر فرمایا، اس کے علاوہ اس عنوان پر آپ کی متعدد تحریریں معرض وجود میں آئیں، ذیل میں چند ایک ضروری اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں :

"......بہت سے مسلمان، آغاخانیوں کے عقائد و نظریات سے واقف نہیں، اس لئے وہ آغاخانیوں کو بھی مسلمانوں کا فرقہ تصور کرتے ہیں اور خود آغاخانی اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایک مسلمان کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں عام مسلمانوں کی آگاہی اور خود بھولے بھالے آغاخانیوں کی اطلاع کے لئے یہ فتویٰ شائع کیا جارہا ہے تاکہ انہیں معلوم ہوسکے کہ آغاخانی عقائد اسلام کی ضد ہیں اور جو شخص آغاخانی عقائد پر ایمان رکھتا ہو اس کا اسلامی برادری سے کوئی تعلق نہیں وہ ملت اسلامیہ سے خارج، کافر، مرتد اور زندیق ہے۔ آغاخانیوں کے جو عقائد اس فتویٰ میں باحوالہ درج کئے گئے ہیں ان کے ملاحظہ کے بعد کسی ادنیٰ عقل و فہم کے آدمی کو بھی شک نہیں رہ جاتا کہ آغاخانی مسلمان نہیں بلکہ کافروں کا ایک ٹولہ ہے، ذرا انصاف فرمائیے کہ :

۱ : "......جو فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو، اور اس کے کلمہ میں یہ

داخل ہو اشھد ان علی اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں) وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟

یاد رہے کہ اسماعیلی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ میں حلول کر گیا تھا اس لئے حضرت علیؓ خود خدا تھے اور حضرت علیؓ کے بعد یکے بعد دیگرے اسماعیلی ائمہ میں اللہ تعالیٰ کا حلول ہوتا رہا گویا اسماعیلیوں کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"حاضر امام بعینہ علی ہے اور علی بعینہ اللہ ہے، لہٰذا حاضر امام بعینہ اللہ ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی فرقہ حاضر امام کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہے اسی کو قاضی الحاجات سمجھتا ہے، اسی سے دعائیں کرتا ہے، اسی کو حی و قیوم مانتا ہے اور اسی کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔

۲: اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے لیکن آغا خانی عقیدہ کے مطابق ساتویں امام مولانا محمد بن اسمٰعیل سابع الطقا ہیں جس کا مطلب ہے کہ جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ صاحب شریعت رسول تھے جن کی شریعت سے پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اسی طرح آغا خانیوں کے نزدیک ساتواں امام محمد بن اسمٰعیل بھی مستقل صاحب شریعت رسول ہیں، جن کی باطنی شریعت سے محمد رسول اللہ ﷺ کی ظاہر شریعت منسوخ ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب "تاریخ فاطمین مصر" حصہ دوم فصل ۵ ۳ نیز "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" فصل ۶)

سب جانتے ہیں کہ قادیانی فرقہ باجماع امت کافر و مرتد اور زندیق ہے، کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی و رسول مانتا ہے، حالانکہ قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ مرزا صاحب شریعت رسول نہیں۔ (لیکن ان کا یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ وہ بھی اسماعیلی باطنیوں کی طرح مرزا کو صاحب شریعت رسول سمجھتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل میرے رسالہ "قادیانیوں کی طرف سے کلمہ طیبہ کی توہین" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے) بلکہ غیر شرعی نبی ہے جب مرزائی قادیانی مرزا کو غیر تشریعی نبی ماننے کی وجہ سے اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں تو آغا خانی ٹولہ، امام محمد بن اسماعیل کو صاحب شریعت رسول مان کر، کیوں کافر اور خارج از اسلام نہیں ہوگا؟

۳: آغا خانیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حاضر امام جب چاہے ظاہر شریعت کو معطل کر سکتا

ہے چنانچہ آغا خانیوں کے امام حسن علی ذکرہ سلام نے سنہ ۵۵۷ھ میں شریعت کے معطل ہونے کا اعلان کیا ہے اور اسماعیلیوں کو طوق شریعت سے آزاد کردیا۔

(اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے "نور مبین" ص ۳۹۸۔۴۰۲، ۴۲۰ اور تاریخ فاطمین مصر حصہ دوم صفحہ ۱۷۶۔۱۷۸)

۴: اسماعیلی فرقہ قیامت، حشر ونشر اور ثواب وعذاب کا بھی قائل نہیں ان کے نزدیک قیامت کا مفہوم یہ ہے:

"دبستان المذاہب کی روایت کے بموجب اسماعیلی عقائد میں امام حق کی طرف سے جو نفس کی تفتیش ہوتی ہے اس کا نام قیامت ہے ان کا عقیدہ ایسا ہے کہ لوگ جب خدا کے قرب میں پہنچتے ہیں اس وقت (قیامت) قائم ہوتی ہے۔"

اور اس وقت شریعت کی تکالیف سب دور ہو جاتی ہیں، اس قیامت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت امام اپنے امامت کے زمانے میں مخلوق، خالق کے ساتھ توسل کراتا ہے، اس لئے ان کے اوپر سے شریعت کے مراسم اٹھالیتا ہے۔"

"آثار محمدی" کی روایت کے بموجب حضرت امام حسن علی ذکرہ سلام نے ان لوگوں کو علم تاویل سکھایا اور بتایا کہ: دنیا قدیم ہے، جاودانی ہے، قیامت صرف روحانی ہے، بہشت ودوزخ معنوی (باطنی) ہیں ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہے، باطن میں خلقت کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہئے اور ظاہر میں صوابی زندگی کے طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے جس کے لئے تمام شریعت کے اعمال کی پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھالی جاتی ہیں۔"

گویا اسماعیلی عقیدہ کے مطابق جب امام شریعت کی بندشیں اٹھا کر لوگوں کو شریعت کے اعمال سے آزاد کردیتا ہے تو یہی قیامت ہے۔

جس شخص نے قرآن کریم میں قیامت، حشر ونشر، اور جزا وسزا کی تفصیل پڑھی ہوں کیا وہ آغا خانیوں کے انکار قیامت کے عقیدہ کو کفر وزندقہ قرار دینے میں تأمل کرسکتا ہے؟

۴: ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے:

۱: توحید ورسالت کی شہادت دینا، ۲: پنج گانہ نماز ادا کرنا، ۳: ماہ رمضان کے روزے، ۴: زکوٰۃ، ۵: حج بیت اللہ

کوئی شخص جو ان پانچ ارکان میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، آغا

خانی ان پانچوں ارکان کے منکر ہیں، نہ وہ توحید و رسالت کے قائل ہیں نہ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے، جو لوگ ان پانچوں ارکان کے منکر ہوں ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کیا تعلق ہے؟ اور ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

۵: تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم آخری کتاب ہدایت ہے اور وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، لیکن آغا خانی قرآن کریم کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک امام کا فرمان قرآن سے بالاتر ہے......

آغا خانیوں کے کفریہ عقائد بے شمار ہیں مگر میں انہی پانچ نکات پر اکتفا کرتے ہوئے اہل فہم کو انصاف کی دعوت دیتا ہوں وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا ان عقائد کے بعد آغا خانیوں پر کفر کا فتویٰ حق بجانب ہے؟......" (مقدمہ رسالہ آغا خانی کافر ہیں متفقہ فتویٰ)

فرقہ مہدویہ:

فرقہ مہدویہ سید محمد جونپوری کو مہدی آخر الزمان مانتا ہے، لیکن افسوس کہ وہ لوگ حق کے نام پر باطل کا شکار ہوگئے ذیل میں اس فرقہ سے متعلق حضرت شہیدؒ کے چند تحقیقی شہ پارے پیش کئے جاتے ہیں:

"......فرقہ مہدویہ کو مہدی آخر الزماں کی تعیین میں غلط فہمی ہوئی ہے، سید محمد جونپوری مہدی آخر الزماں نہیں تھے۔ یہ موضوع بہت تفصیل چاہتا ہے، لیکن میں چند باتیں واضح عرض کر دیتا ہوں، اگر کوئی عاقل و فہیم حق طلبی کے جذبہ سے ان پر غور کرے گا تو اس پر حقیقت حال عیاں ہو جائے گی، اور اس سے پہلے دو باتیں بطور تمہید عرض کرنا چاہتا ہوں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں ایک خلیفۃ المسلمین کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی، جس کو "الامام المہدی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔

گزشتہ صدیوں میں بہت سے طالع آزماؤں نے اس پیشگوئی کا مصداق بننے کے لئے مسند مہدویت بچھائی، لیکن چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا مصداق نہیں تھے، اس لئے بالآخر بصد ناکامی پردہ عدم میں روپوش ہوگئے ان مدعیان مہدویت کی ایک مختصر سی فہرست

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوریؒ کی کتاب "ائمہ تلبیس" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

دوم: کسی مدعی مہدویت کے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کی کسوٹی پر پیش کر کے دیکھا جائے کہ مہدی آخر الزماں کی علامات اس شخص میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو حق و باطل کا فیصلہ بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

مقام شکر ہے کہ فرقہ مہدویہ کے حضرات بھی اس معیار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرتے ہیں...... کتاب "چراغ دین نبوی" کے صفحہ ۱۸۷ پر لکھتے ہیں:

> "آیات قرآنی کے علاوہ احادیث کی معتبر کتب میں تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے وجود اور آپ کے پیدا ہونے سے متعلق صدہا صحیح احادیث موجود ہیں۔
>
> چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مہدی موعود کا پیدا ہونا ضروریات دین سے ہے" اور "تاوقتیکہ مہدی پیدا نہ ہو قیامت نہیں آئے گا" اور ساری دنیا ختم ہو کے اگر ایک بھی دن باقی رہے گا تو اس دن کا اللہ جل شانہ دراز کرے گا تا آنکہ اس میں ایسے شخص کا ظہور ہو جائے جو میرے اہل بیت سے ہو اور میرا ہمنام ہو اور اس کے ماں باپ کے نام میرے ہی ماں باپ کے نام ہوں۔" (سنن ابو داؤد)
>
> اور "کیونکر ہلاک ہو گی میری امت کہ میں اس کے اول ہوں اور عیسیٰؑ اس کے آخر اور مہدی میرے اہل بیت سے اس کے وسط میں۔"
>
> (مشکوٰۃ شریف)
>
> اور "مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے" اور "مہدی موعود کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہو گا" اور "مہدی خطا نہیں کریں گے"۔ "مہدی مجھ سے ہے میرے قدم بقدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا" اور "مہدی کی ذات معصوم عن الخطا ہو گی وہ کبھی خطا نہیں کریں گے۔" (مصنف نے اس پیرا گراف کی احادیث کے لئے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، ناقل)
>
> اور "مہدی دافع ہلاکت ہوں گے" اور "تم مہدی سے بیعت کرو گو

تم کو ان کے پاس برف پر سے ہو کر گزرنا پڑے۔" (ابن ماجہ)

"حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے مجی کی خبر معجزے کے طور پر فرمائی ہے جو مغیبات سے ہے اور ان امور کا وقوع میں آنا اشد ضروری ہے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیبات کے طور پر فرمایا ہے۔" (چراغ دین نبوی ص ۱۸۷)

اس عبارت سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں :

۱ : حضرت مہدی کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ متواتر معنوی ہیں۔

۲ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور مہدی کی جو پیشگوئی فرمائی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی۔

۳ : اور وہ تمام امور جن کے ظہور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی، ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق وقوع پذیر ہونا ضروری ہے۔

۴ : اگر کوئی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے مطابق وقوع میں نہ آئے تو نعوذ باللہ معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باطل ہو جائے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ غلط ٹھہرے گی، جو قطعاً محال ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جس طرح اہل سنت کے نزدیک مہدی آخر الزمان کی خبر متواتر ہے اسی طرح حضرات مہدویہ بھی اس کو متواتر مانتے ہیں۔ اور جس طرح اہل سنت کے نزدیک مہدی آخر الزمان کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ہونا ضروری ہے، اسی طرح یہ بات فرقہ مہدویہ کے نزدیک بھی ضروری ہے، اس تمہید کے بعد آیئے غور کریں کہ سید محمد جونپوری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صادق آتی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کیا موصوف کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تھا یا نہیں؟

چونکہ کتاب "چراغ دین نبوی" میں فرقہ مہدویہ کے نظریہ کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور اس کی منقولہ بالا عبارت میں حدیث کی تین کتابوں۔ ابو داؤد، مشکوٰۃ شریف اور ابن ماجہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم بحث کا دائرہ سمیٹنے کے لئے انہی کتابوں کے حوالہ پر اکتفا کریں۔

مہدی کا نام و نسب :

ابوداؤد شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ :

”حضرت علیؓ نے ایک بار اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ نام رکھا تھا۔ اور اس کی پشت سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جس کا نام تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا، وہ اخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوگا، مگر بدنی ساخت میں نہیں، وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام مہدی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا اور وہ حضرت حسن بن علیؓ کی نسل سے ہوں گے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا سید محمد جونپوری کا نسب حضرت حسنؓ سے ملتا ہے یا نہیں؟ ”چراغ دین نبوی“ میں سید محمد جونپوری کا نسب نامہ درج ذیل دیا ہے :

”حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام بن سید عبداللہ المخاطب سید خان بن سید عثمان بن سید خضر بن سید موسیٰ بن سید قاسم بن سید نجم الدین بن سید عبداللہ بن سید یوسف بن سید یحییٰ سید جلال الدین بن سید نعمت اللہ بن سید اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن ابی عبداللہ الحسینؓ شہید کربلا بن امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔“ (چراغ دین نبوی ص ۱۸۸۔۱۸۹)

اس نسب نامہ سے معلوم ہوا کہ سید محمد جونپوری کا نسب حضرت حسنؓ تک نہیں پہنچتا، بلکہ نسب نامہ کے مطابق وہ حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی شہید کربلا حضرت حسینؓ کی اولاد سے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ چونکہ ان کا نسب پیشگوئی کے مطابق نہیں تھا، لہٰذا وہ مہدی نہیں......

امام مہدی خلیفہ و حکمران ہوں گے :

ا :...... ”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک عرب کا مالک (حکمران) ہو میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا شخص، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔“ (ترمذی ص ۴۶ جلد ۲، ابوداؤد ۲۳۲

جلد ۲، مشکوٰۃ شریف ۴۷۱، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے)

۲ :...... "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمران ہوگا ایک شخص میرے اہل بیت میں سے جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔" (حوالہ بالا)

۳ :...... "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو طویل کردیں گے یہاں تک کھڑا کریں گے ایسے شخص کو جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا، اس کا نام میرے نام کے اور اس کے والد کا نام میرے والد کے موافق ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔" (ابوداؤد ص ۲۳۲ جلد ۲، مشکوٰۃ ص ۴۷۱)

۴ :...... "حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے امام مہدی حاکم ہوں گے۔" (ترمذی جلد ۲ ص ۴۶ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۵ :...... فرقہ مہدویہ کی کتاب "چراغ دین نبوی" کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اوپر گزر چکا ہے کہ "مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔"

۶ :...... نیز اسی کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ : "تم مہدی سے بیعت کرو، گو تم کو ان کے پاس برف پر سے ہوکر گزرنا پڑے۔" لیکن مصنف نے اس حدیث کا یہ آخری فقرہ چھوڑ دیا، کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔" (ابن ماجہ)

ان احادیث میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حضرت مہدی آخر الزمان مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، روئے زمین پر ان کی حکومت ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے فیصلے کریں گے، اور ان کے فیصلے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہوں گے۔ الغرض ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ایسے امام مہدی کے بارے میں ہے جو مسلمانوں کے خلیفہ برحق ہوں گے، ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوگی، اور وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے عدل وانصاف سے زمین کو بھر دیں گے، جس طرح کہ ان سے پہلے اللہ کی زمین ظلم وبے انصافی سے بھری ہوئی ہوگی۔

سب جانتے ہیں کہ سید محمد جونپوری کو کبھی کسی ایک بستی کی بھی حکومت نصیب نہیں

ہوئی۔ چہ جائیکہ تمام عرب ممالک کے یا پوری دنیا کے خلیفہ ہوتے؟ ثابت ہوا کہ سید محمد جونپوری کا دعویٰ مہدویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق نہیں تھا، لہذا ان کو امام مہدی آخر الزمان ماننا غلط ہے......۔

حضرت امام مہدی کا نصاریٰ کے ساتھ مقابلہ ہوگا، اور حضرت مہدی اور ان کے لشکر کو نصاریٰ پر غلبہ حاصل ہوگا، احادیث میں ان لڑائیوں کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، جو مشکوٰۃ شریف کے باب الملاحم میں مذکور ہیں۔ (دیکھئے ص ۴۶۵ تا ۴۶۸)

احادیث شریفہ میں حضرت مہدی کے زمانہ میں ہونے والی "ملحمہ کبریٰ" (جنگ عظیم) کا جو نقشہ ذکر کیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا کسی مدعی مہدویت کی قیادت میں مسلمانوں کی نصاریٰ کے مقابلہ میں ایسی ہولناک جنگ ہوئی ہے؟ کیا سید محمد جونپوری نے ملک شام جاکر نصاریٰ کے خلاف لڑائی لڑی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ان کو مہدی آخر الزمان کہنا کیسے صحیح ہوگا؟

حضرت مہدی، نصاریٰ کے خلاف مذکورہ جہاد میں مشغول ہوں گے اور ان کو شکست دیتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے، اتنے میں خبر آئے گی کہ دجال نکل آیا، حضرت مہدی دس شہسواروں کو اس کی تحقیق کے لئے بھیجیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

"میں ان کے نام بھی جانتا ہوں، اور ان کے باپوں کے نام بھی اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی اور وہ اس وقت روئے زمین کے سب سے بہتر شہسوار ہوں گے۔" (مشکوٰۃ ص ۴۶۷)

کیا سید محمد جونپوری کے زمانہ میں دجال کے نکلنے کی خبر آئی تھی؟ اور کیا سید موصوف نے قسطنطنیہ کے محاذ سے دس شہسواروں کو دجال کی تحقیق کے لئے بھیجا تھا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو انصاف فرمایئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مہدی آخر الزمان کیسے ہوئے؟

حضرت مہدی خروج دجال کا سن کر اس کے مقابلہ کے لئے ملک شام واپس آجائیں گے، دریں اثنا کہ وہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہوں گے، نماز کا وقت ہو جائے گا، نماز کے لئے صفیں درست کی جارہی ہوں گی، اتنے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، اور اس نماز کی امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے حضرت مہدی کرائیں گے۔ اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام اس نماز میں حضرت مہدی کی اقتدا کریں گے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۶۶ تا ۴۸۰)

کیا سید محمد جونپوری کے زمانہ میں عین نماز کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مہدی آخر الزمان کیسے ہوئے؟

حضرت مہدیؒ سے جب بیعت خلافت ہوگی تو ان کی عمر چالیس برس ہوگی۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "العرف الوردی فی اخبار المہدی" میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے درمیان اور رومیوں کے درمیان چار مرتبہ مصالحت ہوگی۔ چوتھی مرتبہ یہ مصالحت رومیوں کے بادشاہ کے اہل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر ہوگی۔ جو سات سال رہے گی، (بالآخر وہ بھی ختم ہو جائے گی، اور ان کے درمیان اور تمہارے درمیان حالت جنگ پیدا ہو جائے گی) ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اس وقت لوگوں کا امام کون ہوگا؟ فرمایا: مہدی ہوں گے، میری اولاد میں سے، چالیس سال کے، گویا ان کا چہرہ چمکدار ستارہ ہے، اور ان کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہے۔"

سات سال ان کی خلافت کا زمانہ ہے، جیسا کہ اوپر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے گزر چکا ہے، ان کی خلافت کے ساتویں سال میں دجال نکلے گا، اور اس کو قتل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد خلافت ان کے سپرد ہو جائے گی، اور حضرت مہدیؒ ان کے وزیر کی حیثیت سے دو سال رہیں گے، گویا ان کی کل عمر ۴۹ سال ہوگی۔

اس کے برعکس سید محمد جونپوری کے بارے میں "چراغ دین نبوی" وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۶۳ برس ہوئی، کیونکہ وہ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عمر بھی اس سے مطابقت نہیں رکھتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی آخر الزمان کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔

میں نے یہ چند موٹی موٹی باتیں عرض کردی ہیں، جن کو تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے، ان کی روشنی میں ہر انصاف پسند آدمی فیصلہ کرسکتا ہے کہ مہدی فرقہ کے حضرات

کو مہدی آخر الزمان کے پہچاننے میں غلطی لگی ہے، جس طرح کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد آنجہانی کو مہدی معہود اور مہدی آخر الزمان قرار دینے میں غلطی کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ان تمام بھائیوں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائیں......" (تحفہ قادیانیت جلد سوم ص ۴۵۴، ۶۶۸)

ذکری فرقہ :

ذکری فرقہ ملا محمد اٹکی کو نور خدا، نبی، رسول اور سید المرسلین مانتا ہے اس فرقہ کے کفریہ عقائد پر حضرت شہیدؒ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :

"......ذکری فرقہ، جس کے افراد بلوچستان کی علاوہ کراچی میں بھی پائے جاتے ہیں اور جو ملا محمد اٹکی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے، اس فرقہ کے بارے میں عام لوگوں کو، بلکہ خود اس فرقہ کے لوگوں کو بھی معلومات بہت کم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ کی مذہبی کتابیں مخطوطوں کی شکل میں ہیں اور وہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ چونکہ اس فرقہ کے لوگ اپنا تعارف مسلمان کی حیثیت سے کراتے ہیں، اس لئے بعض لوگ ناواقفی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھ لیتے ہیں......

جناب مولانا احتشام الحق آسیا آبادی بلوچستان کے ایک محقق عالم ہیں، موصوف نے برسہا برس تک اس فرقہ کے بارے میں تحقیق کی اور اس فرقہ کے مذہبی پیشواؤں کا قلمی لٹریچر فراہم کیا، جس کی روشنی میں انہوں نے ایک مفصل استفتاءً مرتب فرمایا ہے، یہ استفتاءً تمام تر ذکری لٹریچر کے حوالوں پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ :

(۱)......ذکری فرقہ ملا محمد اٹکی کو مہدی معہود سمجھتا ہے۔

(۲)...... یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا بلکہ ملا محمد اٹکی کو خاتم النبیین سمجھتا ہے۔

(۳)......اس فرقہ کے نزدیک ملا محمد اٹکی نورِ خدا ہے، رسول و نبی ہے، سید المرسلین ہے، اور تمام انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام ملا محمد اٹکی کے خدام ہیں۔

(۴)...... یہ فرقہ شریعت محمدیہ کو منسوخ سمجھتا ہے، یہ لوگ اسلام کے اہم ترین رکن،

نماز کی ادائیگی کو کفر سمجھتے ہیں اور نماز پڑھنے والوں کو "چوتڑا ٹھانے والے" کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ لوگ روزہ رمضان کے منکر ہیں، اس کے بجائے انہوں نے مختلف اوقات کے روزے تجویز کر رکھے ہیں۔ شرعی زکوٰۃ کا انکار کرتے ہیں، اس کے بجائے کم سے کم دس فیصد اپنے مذہبی پیشواؤں کو ٹیکس دیتے ہیں۔ حج اسلام کے منکر ہیں، اس کے بجائے "تربت" (بلوچستان) میں واقع "کوہِ مراد" کا حج کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک "مقام محمود" ہے۔

(۵)...... ذکریوں کے بقول قرآن کریم کے چالیس اجزاء تھے اور ملا محمد اٹکی کو یہ اختیار دیا گیا کہ ان چالیس اجزاء میں سے جو چاہیں اپنے لئے انتخاب کر لیں چنانچہ ملا محمد اٹکی نے ان میں سے دس اجزاء اپنے لئے منتخب کر لئے جو اسرارِ خداوندی پر مشتمل تھے، باقی اہل ظاہر کے لئے چھوڑ دیئے۔ اس موقع پر یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

من ز قرآن مغز را برداشتم
استخوان پہ پیش سگاں بگذاشتم

(میں نے قرآن کا مغز لے لیا اور ہڈیاں کتوں کے آگے چھوڑ دیں)

(۶)...... اس فرقہ کے نزدیک محمد رسول اللہ سے مراد ملا محمد اٹکی ہے، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد تھا۔ محمد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ملا محمد اٹکی ہے)

(۷)...... یہ فرقہ تمام مسلمانوں کو جو ملا محمد اٹکی کو نہیں مانتے، کافر قرار دیتا ہے۔

راقم الحروف نے استفتاء کے جواب لہذا قرآن و سنت کی روشنی میں:

۱:...... ایسے عقائد رکھنے والے لوگ قطعاً مسلمان نہیں، بلکہ ان کا حکم مرتدین کا ہے۔

۲:...... کسی مسلمان کا ان کے ساتھ رشتہ ناتا جائز نہیں۔

۳:...... ان کا ذبیحہ حلال نہیں بلکہ مردار ہے......" (رسائل یوسفی)

محمد شیخ کا فتنہ:

یوں تو آئے دن فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، مگر دین و ایمان اور اسلام و قرآن کے نام پر اٹھنے والے فتنے نسل نو اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے لئے کسی کینسر سے کم نہیں، اسی قسم کا ایک جدید انگریزی زبان میں غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی کی تعلیمات سے "معمور" فتنہ کراچی میں برپا ہے جو مسلمانوں کے دین و ایمان غارت کر رہا ہے، حضرتؒ سے جب اس سلسلہ میں ایک خاتون نے

دریافت کیا تو حضرتؒ نے اس پر نہایت تفصیل سے لکھا اس کے دو ایک ضروری اقتباسات پیش خدمت ہیں:

"...... کراچی میں ایک تنظیم "القرآن ریسرچ سینٹر" کے نام سے عرصہ چھ سات سال سے قائم ہے، اس تنظیم کے بنیادی عقائد مندرجہ ذیل ہیں:

۱:...... دنیا کے وجود میں آنے سے پہلے انسانیت کی بھلائی کے لئے قرآن پاک معجزانہ طور اکٹھا دنیا میں موجود تھا، مختلف انبیاؑ پر مختلف ادوار میں مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی توریت، کبھی انجیل اور کبھی زبور کے نام سے۔

قرآن جو جہاں اور جس وقت پڑھ رہا ہے اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے اور جہاں "قل" کہا گیا ہے وہ اس انسان کے لئے کہا جا رہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔

۲:...... انبیاؑ کا کوئی مادی وجود نہیں رہا، اس دنیا میں وہ نہیں بھیجے گئے، بلکہ وہ صرف انسانی ہدایت کے لئے SYMBOLS کے طور پر استعمال کئے گئے اور موجودہ دنیا سے ان کا کوئی مادی تعلق نہیں۔ قرآن شریف کے اندر وہ انسانی راہنمائی کے لئے صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں۔

۳:...... قرآن شریف میں چونکہ حضور ﷺ کو زمان حال یعنی (Present) میں پکارا گیا ہے لہٰذا حضور بحیثیت روح ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں اور وہ مادی وجود سے مبرا ہیں اور نہ تھے۔

۴:...... حضور کی دیگر انبیاؑ پر کوئی فضیلت نہیں، وہ دیگر انبیاؑ کے برابر ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ، بعض معنوں اور حیثیتوں میں یعنی قرآن پاک نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کا کثرت سے ذکر کیا، جس کی وجہ سے ان کی فضیلت حضور پر زیادہ ہے۔ حضور کے متعلق جتنی بھی احادیث تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

ان تمام عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ قرآن و سنت کے مطابق یہ فتویٰ دیں کہ:

۱: یہ عقائد اسلام کی رو سے درست ہیں یا نہیں؟

۲: اس کو اپنانے والا مسلمان رہے گا؟

۳: ایسی تنظیموں کو کس طرح روکا جائے؟

۴: ایسے شخص کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ جس کے عقائد قرآن و سنت کے مطابق

ہیں جو تمام انبیأ تمام کتابوں آخرت کے دن اور احادیث پر مکمل یقین اور ایمان رکھتی ہو...... ؟

(ایک خاتون، کراچی)

"...... میری بہن! یہ فتنوں کا زمانہ ہے اور جس شخص کے ذہن میں جوبات آجاتی ہے وہ اس کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلف بیزاری اور انکار حدیث کا نتیجہ ہے اور جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ پورے دین کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں، میں اپنے رسالہ "انکار حدیث کیوں؟" میں لکھ چکا ہوں کہ :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں اور آپ کے اقوال شریفہ کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان ویقین اور رشد وہدایت کی استعداد گم کر چکے ہیں اور ان لوگوں کی ساری تگ ودو خواہش نفس کی پیروی تک محدود ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :

ترجمہ : "اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر) کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآن کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کر دیا کہ انبیأ کرام علیہم السلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار اور آپ ﷺ کے ارشادات سے سرتابی کرنا، گویا انکار رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکرین، انکار رسالت کے مرتکب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جب قرآن ہی وحی خداوندی بتلاتا ہے : وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کو جب قرآن ہی "گفتہ اُو گفتہ اللہ بود" کا مرتبہ دیتا ہے تو بتلایا جائے کہ حدیث نبوی کے حجت دینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اور کیا حدیث نبوی کا انکار کرنے سے کیا خود قرآن ہی کا انکار لازم نہیں آئے گا؟ اور کیا فیصلہ نبوت میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے؟ اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم بھی تو امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہی کی زبان مبارک سے سنا اور سن کر اس پر ایمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: "یہ قرآن ہے" یہ ارشاد بھی تو حدیث نبوی ہے، اگر حدیث نبوی حجت نہیں تو قرآن کریم کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کون سی عقل و دانش کی بات ہے کہ اس مقدس و معصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو اور دوسری نہ ہو؟

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

"یہ تو میرے میاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور یہ میرا کلام ہے، ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔"

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قران تو حجت ہے مگر حدیث حجت نہیں ہے، ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملہ میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے، ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلام الرسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں کہ ایک کو واجب الاطاعت مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے، ایک کو تسلیم کرلیجئے تو دوسرے کو بہر صورت تسلیم کرنا ہوگا اور ان میں سے ایک کا انکار کردینے سے دوسرے کا انکار آپ سے آپ ہو جائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ٹھکرایا جائے، وہ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے:

"فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيت الله يجحدون"

ترجمہ: "پس اے نبیؐ! یہ لوگ آپؐ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔"

لہذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں لامحالہ رسول اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانا ہوگا، ورنہ ان کا دعویٰ ایمان حرف باطل ہے۔"

جس تنظیم کا آپ نے تذکرہ کیا ہے ان عقائد کے رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے دین کی پوری کی پوری عمارت کو مسمار کردینے کا عزم کرلیا ہے، نیز انہوں نے تمام شعائر اسلام اور قرآن و حدیث، انبیاؑ اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا انکار کیا ہے، اور جو لوگ

اسلامی معتقدات کا انکار کریں، ان میں تاویلات باطلہ کریں، اور اپنے کفر کو اسلام باور کرائیں، وہ ملحد و زندیق ہیں، اور زندیق، کافر و مرتد سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ وہ بکرے کے نام پر خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، اور امت مسلمہ کو دھوکہ دے کر ان کے ایمان و اسلام کو غارت کرتا ہے، اسی بنا پر اگر زندیق گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرلے تو اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس لئے حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اس الحاد و زندقہ سے روکے، اگر رک جائیں تو فبہا ورنہ ان پر اسلامی آئین کے مطابق ارتداد و زندقہ کی سزا جاری کرے۔

اہل ایمان کا ان سے رشتہ ناطہ بھی جائز نہیں، اگر ان میں سے کسی کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت ہو تو اس کا نکاح بھی فسخ ہو جاتا ہے......" (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد نہم)

ڈاکٹر مسعود عثمانی کا فتنہ:

اکابر کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس سے عقل چھین لیتے ہیں۔ اور مصلوب العقل کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے عقل و فہم کے مقابلہ میں پوری کائنات کو احمق و پاگل جانتا ہے، کچھ یہی معاملہ جناب کیپٹن ڈاکٹر مسعود عثمانی کا ہے جو چشم بد دور اپنے آپ کو فاضل وفاق المدارس بھی کہلاتا ہے، مگر اس نے کفر و شرک کی ایسی مشین گن چلائی کہ ابن تیمیہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی اس سے نہ بچ سکے۔ حضرت شہیدؒ نے اس کے باطل عقائد و نظریات پر خوب گرفت فرمائی۔ چنانچہ اپنی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" اور صفحہ اقرأ میں اور متعدد بار براہ راست سوالوں کے جواب میں آپ نے اس پر خوب کھل کر لکھا، ذیل میں اس سلسلہ کا ایک سوال و جواب نذر ناظرین ہے:

"س: ایک فرقہ حیات الانبیاؑ فی القبور، سماع موتی، اسی دنیاوی قبر میں حساب و کتاب، تعویذ، گنڈہ، واسطے اور وسیلے کے قائلین کو کافر اور مشرک کہتا ہے اور کہتا ہے کہ حیات انبیاؑ اور حساب و کتاب یہ سب برزخی معاملے ہیں، برزخی قبر ہر انسان کو ملتی ہے، قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس کے اندر انسان کو دنیا میں دفن کردیا جاتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ کافر اور مشرک کے فتویٰ کی ابتدا امام احمد بن حنبلؒ سے کرتے ہیں، اس کا کہنا ہے کہ ان عقائد کی ابتدا ان سے ہوئی ہے، اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ سمیت تمام صالحین، ان کے کفر و شرک کے فتوے کی زد میں آتے ہیں۔ خدارا جواب عنایت فرمائیں کہ یہ فرقہ مسلمان ہے یا کافر؟

وجہ سوال یہ ہے کہ میرے ایک ماموں جان اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اب وہ کراچی ہی میں وفات پاکر وہیں مدفون ہو چکے ہیں، میرا ہر وقت انہیں ایصال ثواب اور ان کے لئے دعا مغفرت کرنے کو جی چاہتا ہے مگر ان کے عقائد کی وجہ سے میں جھجکتا ہوں کہ خدانخواستہ یہ فرقہ مسلمان ہی نہ ہو؟

ج: یہ فرقہ خارجیوں کے مشابہ ہے کہ تمام اکابر اہل سنت کو حتی کہ امام احمد بن حنبلؒ کو بھی کافر و مشرک سمجھتا ہے اور ان کے عقائد کا منشا سلف صالحین سے بے اعتمادی اور اپنے جہل پر غرور و پندار ہے۔ عقائد کی کتابوں میں بعض اکابر کا قول ہے کہ جو فرقہ تمام سلف صالحین کو گمراہ کہتا ہو اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا اور جو ان سب کو کافر قرار دیتا ہو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ بہر حال اس کو کافر قرار دینے میں تو احتیاط کی جائے مگر ان کی گمراہی میں شک نہیں۔ آپ اس طرح دعا کیا کریں کہ: اگر یہ مسلمان تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں۔"

فتنہ بہائیت:

حضرت شہیدؒ نے ہر فتنہ کی سنگینی اور اس کے حدود اربعہ کو متعین کرنے کے لئے امت کی راہ نمائی فرمائی ہے، ذیل میں مختصراً بہائیت سے متعلق حضرتؒ کی تحریر پیش کی جارہی ہے:

"......دنیا میں بہائی ٹولہ بھی موجود ہے۔ وہ ایران کے بہاً اللہ کو رسول مانتا ہے۔ وہ دنیا میں موجود ہے ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہمارا دین، اسلام سے الگ ہے۔ سو بات ختم ہو گئی۔ جھگڑا ختم ہو گیا لیکن قادیانیت اپنے تمام کفریات کو اسلام کے نام سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے یہ صرف کافر اور غیر مسلم ہی نہیں بلکہ مرتد اور زندیق ہیں۔ مسلمانوں کی غیر مسلموں کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے مگر کسی مرتد اور زندیق سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی......" (تحفہ قادیانیت حصہ اول)

مسئلہ حیات النبیؐ:

علمائے دیوبند کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے افراط و تفریط سے ہٹ کر قرآن و سنت اور اکابر امت کی تصریحات کی روشنی میں امت مسلمہ کو صراط مستقیم اور راہِ اعتدال پر گامزن رکھنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی ہے، مگر کچھ عرصہ سے بعض منتسبین علمائے دیوبند کی جانب سے یہ مسئلہ زیر

بحث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں جسد عنصری کے ساتھ حیات نہیں ہیں۔ اور اس پر معرکہ کارزار گرم ہے، حضرت شہیدؒ نے اس پر مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جو تکمیل کے مراحل میں ہے، اس سلسلہ میں ایک سائل کے جواب میں آپ نے جو کچھ لکھا وہ نذر ناظرین ہے:

"س...... حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں مولانا اللہ یار خان کی کتاب "حیات انبیأ" پڑھی اور اس کے بعد یہ مسئلہ صراحتاً شیخ القرآنؒ نے اپنی تفسیر جواہر القرآن میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن مولانا اللہ یار خان نے حیات کی کیفیت روح کا جسم اطہر یعنی بدن عنصری کے ساتھ منوانے کے لئے دلائل دیئے ہیں حالانکہ شیخ القرآنؒ نے جسم مثالی کو تسلیم کرایا ہے۔ براہ کرم اس کی وضاحت فرمادیں اور بتائیں کہ یہ مسئلہ ایمانیات سے ہے؟

ج...... میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے مگر حیات دنیوی سے بھی قوی تر ہے۔ جو حضرات اس مسئلہ کے منکر ہیں میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا۔ نہ وہ علمأ دیوبند کے مسلک پر ہیں۔" (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول ص ۹۰/ ۹۱)

خارجی فتنہ:

رافضی اور خارجی دونوں، حضرات صحابہ کرامؓ کے دشمن ہیں فرق اتنا ہے کہ خارجی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے رفقأ و متعلقین سے بغض رکھتے ہیں جبکہ روافض، سوائے چند ایک کے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت کو نعوذ باللہ کافر و منافق جانتے ہیں۔ حضرت شہیدؒ نے جس طرح روافض کی تردید اور تعاقب فرمایا ہے ٹھیک اسی طرح خوارج کے تارِ عنکبوت کی بھی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اسی طرح کے ایک خارجی نے حضرت شہیدؒ سے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ پر غلیظ اعتراض پر مشتمل سوالات کئے تو آپ نے نہایت دل سوزی سے اس کے اشکالات حل فرمائے (جس کا نہایت خوش کن پہلو یہ ہے کہ آپؒ کے ان جوابات سے ان صاحب کو توبہ کی توفیق ہوگئی) آپ کے ان جوابات میں سے چند اقتباسات قارئین کی ضیافت طبع کے لئے حاضر ہیں:

"...... چند امور بطور تمہید عرض کردینا مناسب ہے:

اول:...... اہل حق کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کی تحقیر و

تنقیص جائز نہیں۔ بلکہ تمام صحابہؓ کو عظمت و محبت سے یاد کرنا لازم ہے، کیونکہ یہی اکابر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔ امام اعظمؒ اپنے رسالہ "فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں:

"اور ہم، صحابہ کرامؓ کو (......اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کسی کو) خیر کے سوا یاد نہیں کرتے۔"

(شرح فقہ اکبر: ملا علی قاریؒ صفحہ ۸۵ مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

امام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں:

"اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی محبت میں افراط و تفریط نہیں کرتے۔ اور نہ کسی سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے یا ان کو ناروا الفاظ سے یاد کرے۔ ان سے محبت رکھنا دین و ایمان اور احسان ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور طغیان ہے۔"

(عقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۶۶ طبع ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

یہ تو عام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اہل حق کا عقیدہ ہے جبکہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا شمار خواص صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت عباسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "عمی و صنو ابی" فرمایا کرتے تھے۔ یعنی: "میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ" اور ان کا بے حد اکرام فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وسیلہ سے استسقاءً (طلب بارش کی دعا) کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے فضائل و مناقب وارد ہیں۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب تو حد شمار سے خارج ہیں۔ ان کے دیگر فضائل سے قطع نظر وہ اہل حق کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں۔

پس جس طرح کسی ایک نبی کی تکذیب پوری جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے کیونکہ دراصل یہ وحی الٰہی کی تکذیب ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی ایک خلیفہ راشد کی تنقیص خلفاء راشدین کی پوری جماعت کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل خلافت نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی طرح جماعت صحابہؓ میں سے کسی ایک کی تنقیص و تحقیر پوری جماعت صحابہؓ کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل صحبت نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد ہدف ملامت نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔" (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۶)

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا اور انہیں خیر کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے۔ خصوصاً حضرات خلفاً راشدین رضی اللہ عنہم جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابت نبوت کا منصب حاصل ہوا۔ اسی طرح وہ صحابہ کرامؓ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں محب و محبوب ہونا ثابت ہے، ان سے محبت رکھنا حب نبوی کی علامت ہے۔ اس لئے امام طحاویؒ اس کو دین وایمان اور احسان سے تعبیر فرماتے ہیں، اور ان کی تنقیص و تحقیر کو کفر و نفاق اور طغیان قرار دیتے ہیں۔

دوم :...... ایک واقعہ کے متعدد اسباب و علل ہو سکتے ہیں، اور ایک قول کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے، یا کسی کے قول کی توجیہہ کرتے ہوئے صاحب واقعہ کی حیثیت و مرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔ مثلاً ایک مسلمان یہ فقرہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں ڈاکٹر سے شفا ہوئی تو قائل کے عقیدہ کے پیش نظر اس کو کلمہ کفر نہیں کہا جائے گا۔ لیکن یہی فقرہ اگر کوئی دہریہ کہتا ہے تو یہ کلمہ کفر ہوگا یا مثلاً کسی پیغمبر کی توہین و تذلیل اور اس کی داڑھی نوچنا کفر ہے لیکن جب ہم یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ان کی شان و حیثیت کے پیش نظر کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔

سوم :...... جس چیز کو آدمی اپنا حق سمجھتا ہے اس کا مطالبہ کرنا نہ کمال کے منافی ہے اور نہ اسے حرص پر محمول کرنا صحیح ہے۔ انبیاً کرام علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون کامل و مخلص ہوگا۔ لیکن حقوق میں بعض اوقات ان کے درمیان بھی منازعت کی نوبت آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔ مگر اس بات پر نکیر نہیں فرماتے تھے کہ یہ منازعت کیوں ہے؟ اور نہ حق طلبی کو حرص کہا جاتا ہے۔

چہارم :...... اجتہادی رائے کی وجہ سے فہم میں خطا ہو جانا لائق مواخذہ نہیں۔ اور نہ یہ کمال و اخلاص کے منافی ہے۔ حضرات انبیاً کرام علیہم السلام باجماع اہل حق معصوم ہیں۔ مگر اجتہادی خطا کا صدور ان سے بھی ممکن ہے، لیکن ان پر چونکہ وحی الٰہی اور عصمت کا پہرہ رہتا ہے،

اس لئے انہیں خطا اجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحی الٰہی فوراً انہیں متنبہ کردیتی ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر کاملین معصوم نہیں۔ ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوسکتی ہے، اور ان کا اس پر برقرار رہنا بھی ممکن ہے۔ البتہ حق واضح ہوجانے کے بعد وہ حضرات بھی اپنی خطائے اجتہادی پر اصرار نہیں فرماتے بلکہ بغیر جھجک کے اس سے رجوع فرمالیتے ہیں۔

پنجم :...... رائے کا اختلاف ایک فطری امر ہے اور کاملین و مخلصین کے درمیان اختلاف رائے کی وجہ سے کشاکشی اور شکررنجی پیدا ہوجانا بھی کوئی مستبعد امر نہیں۔ بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے، قیدیان بدر کے قتل یا فدیہ کے بارے میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان جو اختلاف رائے ہوا وہ کس کو معلوم نہیں، لیکن محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے کسی کا نام دفتر اخلاص و کمال سے نہیں کاٹا گیا۔ باوجودیکہ وحی الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر...... جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل تھی...... رحیمانہ عتاب بھی ہوا، مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال اور صدیقیت کبریٰ میں کوئی ادنیٰ فرق بھی آیا۔ اسی طرح بنو تمیم کا وفد جب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا تو اس مسئلہ پر کہ ان کا رئیس کس کو بنایا جائے، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف رائے ہوا، جس کی بناء پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی تک نوبت پہنچی اور سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات اس سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کے قرب و منزلت اور محبوبیت عنداللہ و عندرسولہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

الغرض اس کی بیسیوں نظیریں مل سکتی ہیں کہ انتظامی امور میں اختلاف رائے کی بناء پر کشاکشی اور تلخی تک کی نوبت آسکتی ہے مگر چونکہ ہر شخص اپنی جگہ مخلص ہے اس لئے یہ کشاکشی ان کے فضل و کمال میں رخنہ انداز نہیں سمجھی جاتی۔

ششم :...... حکومت و امارت ایک بھاری ذمہ داری ہے، اور اس سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل اور دشوار ہے، اس لئے جو شخص اپنے بارے میں پورا اطمینان نہ رکھتا ہو کہ وہ اس عظیم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے گا، اس کے لئے حکومت و امارت کی طلب شرعاً و عرفاً مذموم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"بے شک تم امارت کی حرص کروگے اور عنقریب یہ قیامت کے دن

سراپا ندامت ہوگی۔ پس یہ دودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے، اور دودھ چھڑاتی ہے تو بری طرح چھڑاتی ہے۔" (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸)

لیکن جو شخص اس کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو اس کے لئے اس کا مطالبہ شرعاً و عقلاً جائز ہے، اور اگر وہ کسی خیر کا ذریعہ ہو تو مستحسن ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ارشاد قرآن کریم میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے شاہ مصر سے فرمایا تھا:

"ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کردو، میں ان کی حفاظت رکھوں گا، اور خوب واقف ہوں۔" (سورۂ یوسف)

اور قرآن کریم ہی میں سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے:

"اے میرے رب! میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو۔" (سورۂ ص، ترجمہ بیان القرآن)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت، جسے اسلام کی اصطلاح میں "خلافت راشدہ" کہا جاتا ہے۔ ایک عظیم الشان فضیلت و منقبت اور حسب ذیل وعدہ الٰہی کی مصداق ہے:

"(اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لادیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت) کے لئے قوت دے گا، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کردے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔" (سورۂ نور ترجمہ بیان القرآن)

جو شخص اس خلافت کی اہلیت رکھتا ہو اس کے لئے اس کے حصول کی خواہش مذموم نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے فضل و کمال کو حاصل کرنے کی فطری خواہش ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں یہ اعلان فرمایا کہ: "میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں۔" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص اس فضیلت کو حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں:

"میں نے اس دن کے سوا امارت کو کبھی نہیں چاہا۔ پس میں اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا اس امید پر کہ میں اس کے لئے بلایا جاؤں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور وہ جھنڈا ان کو عنایت فرمایا۔" (صحیح مسلم ج۲، ص ۲۷۹)

ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ خواہش کرنا کہ امارت کا جھنڈا انہیں عنایت کیا جائے اس بشارت اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ شیخ محی الدین نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس دن امارت کی محبت و خواہش کرنا اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ و محبوب ہونے کی دلیل تھی، اور اس شخص کے ہاتھ پر فتح ہونے والی تھی۔" (حاشیہ مسلم)

الغرض خلافت نبوت ایک غیر معمولی شرف و امتیاز اور مجموعہ فضائل و فواضل ہے، جو حضرات اس کے اہل تھے اور انہیں اس کا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس کے حقوق انشاء اللہ پورے طور پر ادا کر سکیں گے، ان کے دل میں اگر اس شرف و فضیلت کے حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کو "خواہش اقتدار" سے تعبیر کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ یہ کارِ نبوت میں شرکت اور جارحہ نبوی علیہ السلام بننے کی حرص کہلائے گی۔ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"خلافت راشدہ کا دور، دور نبوت کا بقیہ تھا۔ گویا دور نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً ارشادات فرماتے تھے، اور دور خلافت میں خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر کے اشارے سے سمجھاتے تھے۔" (ازالۃ الخفاج ا، ص ۲۵)

انہی صاحب کے ایک اور خط کے جواب میں حضرت شہیدؒ نے تحریر فرمایا:

بلا تکلف مگر خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ روافض کی چیرہ دستیوں کے رد عمل کے طور پر ہمارے بہت سے نوجوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نقائص و عیوب تلاش کرنے لگے ہیں، اور چونکہ علمی اشکالات تو ہر جگہ پیش آتے ہیں، اس لئے جس طرح روافض حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کچھ نہ کچھ تلاش کرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہمارا یہ نوجوان طبقہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ڈھونڈتا رہتا ہے، اور چونکہ دل میں کدورت و نفرت کی گرہ بیٹھ گئی ہے، اس لئے انہیں ان اشکالات کے علمی جوابات سے بھی شفا نہیں ہوتی...... حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باتفاق اہلسنت خلیفہ راشد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سان کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔ علاوہ ازیں خود حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے مدة العمر ان سے محبت واکرام کابرتاؤ کیا ہے۔ گویا ہمارے جوشیلے نوجوان، رفض کے ردعمل کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو نقائص چن چن کر جمع کرتے ہیں وہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لائق توجہ تھے، نہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی نظر میں، اور نہ اکابر اہلسنت کی نظر میں۔ اب ان اشکالات کے حل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان مزعومہ نقائص کا ایک ایک کر کے جواب دیا جائے۔ یہ طریقہ طویل بھی ہے اور شفا بخش بھی نہیں۔ کیونکہ فطری بات ہے کہ جس شخص سے نفرت و عداوت کی گرہ بیٹھ جائے اس کی طرف سے خواہ کتنی ہی صفائی پیش کی جائے، تکدر نہیں جاتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور اکابر اہلسنت رحمہم اللہ پر اعتماد کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا محبوب و مطاع سمجھا جائے، اور ان کے بارے میں جو اشکالات پیش آئیں انہیں اپنی فہم کا قصور سمجھا جائے، بلکہ ان اشکالات پر حتی الوسع توجہ ہی نہ کی جائے۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہی آخر الذکر طریق پسندیدہ اور اسلم ہے۔ ان دونوں صورتوں کی مثال ایسی ہے کہ گھر کے صحن میں خس و خاشاک پڑے ہوں اور آدمی ان سے گھر کی صفائی کرنا چاہتا ہو تو ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکے کو اٹھا کر باہر پھینکے۔ ظاہر ہے اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوگا مگر پوری صفائی پھر بھی نہیں ہوگی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جھاڑو لے کر تمام صحن کو صاف کر دے۔ اس میں وقت بھی زیادہ نہیں لگے گا اور صفائی بھی دیدہ زیب ہو جائے گی۔ پس میرے نزدیک مؤخر الذکر طریق ہی ایسی جھاڑو ہے جس سے شکوک و شبہات کے تمام خس و خاشاک سے سینہ مومن کو پاک و صاف کیا جا سکتا ہے۔ یہ روایات جن کی بنیاد پر اشکالات کئے جارہے ہیں ہمارے اکابر اہلسنت کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں۔ لیکن ان کے سینہ بے کینہ میں حضرت علی یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے کبھی میل نہیں آیا، اور نہ کسی نے ان بزرگوں پر زبان طعن کھولی، جی چاہتا ہے کہ ہم آپ بھی بس یہی طریق اپنائیں۔

اسی ضمن میں ایک اور ضروری گزارش کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت علی کرم

اللہ وجہہ کو جو زمانہ ملا وہ احادیث طیبہ کی اصطلاح میں "فتنہ کا دور" کہلاتا ہے۔ اور "فتنہ" کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس میں صورت حال مشتبہ ہو جاتی ہے اور کسی ایک جانب فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی اشکال پیش آیا۔ کچھ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، کچھ ان کے مقابل، کچھ غیر جانبدار، اپنے فہم واجتہاد کے مطابق جس فریق نے جس پہلو کو راجح اور اقرب الی الصواب سمجھا اسے اختیار فرمایا اور ہر فریق عنداللہ ماجور ٹھہرا، کیونکہ ان میں سے ہر شخص عنداللہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا اور ہر ایک رضائے الٰہی میں کوشاں تھا۔ جب فتنہ کا یہ غبار بیٹھ گیا تو اکابر اہلسنت نے اس فتنہ کی تفصیلات میں غور وفکر اور کرید کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ ایک مختصر سا فیصلہ محفوظ کر دیا کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ راشد تھے اور وہ حق پر تھے۔ باقی حضرات اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر معذور وماجور ہیں...... اب ہمارے نوجوان نئے سرے سے اس دور کی تفصیلات کو کھنگال کر ان اکابر کے بارے میں "بے لاگ فیصلے" فرمانے بیٹھے ہیں۔ خود ہی انصاف کیجئے کہ جن اکابر کے سر سے یہ سارے واقعات گزرے جب وہی اس میں چکرا گئے تھے، اور ان کو صورتحال کا تجزیہ کر کے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا تو آج چودہ صدیوں کے بعد میں اور آپ، کتابیں پڑھ پڑھ کر فیصلے کرنے بیٹھ جائیں تو کیا کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی توقع کی جا سکتی ہے؟ کم از کم اس ناکارہ کی نظر میں تو یہ بالکل ناممکن ہے اور اس سے سوائے فکری انتشار اور دلوں کی کجی کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ پھر یہ کار عبث بھی ہے۔ نہ تو قبر میں ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایام فتنہ کے واقعات میں کیوں غور وخوض نہیں کیا تھا؟ اور نہ حشر میں ہمیں یہ زحمت دی جائے گی کہ تم ان اکابر کے درمیان فیصلہ کرو، اور ہر ایک کی فرد جرم (نعوذباللہ) مرتب کرو۔ پس ایک ایسی عبث چیز جس میں بحث وتمحیص کا کوئی نتیجہ متوقع نہ ہو بلکہ اس سے دامن ایمان کے تار تار ہونے کا خطرہ لاحق ہو، اس میں وقت عزیز کو کھونا اور اپنی توانائی صرف کرنا کہاں تک صحیح ہوگا؟ اس لئے میرا ذوق یہ ہے، اور اسی کا آپ کو بلا تکلف مشورہ دینا چاہتا ہوں، کہ ان چیزوں میں اپنا وقت ضائع نہ کیا جائے، بلکہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے دور خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سر تاج سمجھا جائے، اور اس سلسلہ میں اگر کوئی اشکال سامنے آئے تو اسے اپنے فہم کا قصور تصور کیا جائے۔ ان اکابرؓ کے حق میں لب کشائی نہ کی جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص روافض وخوارج کی طرح، اہل سنت

کی تحقیق ہی کو صحیح نہیں سمجھتا اور بزعم خود گزشتہ تمام اکابر سے بڑھ کر اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے، اس کے لئے یہ تقریر کافی نہیں، مگر خدا نہ کرے کہ ہم اور آپ یہ راستہ اختیار کریں۔

اسی طرح ان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں :

جناب کا فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ :

"کیا اس مقصد کے حصول کے لئے "جنگ صفین" برپا نہیں کی گئی؟ عراقی اور عجمی جو کہ شیعان علی کہلائے شامیوں اور عربوں سے کس لئے دست وگریباں کئے گئے؟ وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ حضرت امیر معاویہؓ کو رومیوں سے جنگ درپیش تھی......"

اہل حق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد سمجھا ہے۔ اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کی بنا پر اہلسنت کے عقائد میں داخل ہے، اس لئے ہمیشہ حضرات اہلسنت نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عذر کو واضح کیا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بالمقابل صف آرا ہوئے...... لیکن جناب کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ نعوذباللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ جائر تھے جنہوں نے ہوس اقتدار کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کو کٹوادیا۔ گویا جناب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بھی انکار ہے۔ جس کی آگے چل کر جناب نے یہ کہہ کر قریب قریب تصریح کردی ہے کہ :

"جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے ان صاحب نے اور تاریخ الاسلام کے مؤلف نجیب خیر آبادی نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ تینوں کی خلافت کے حالات تحریر کرنے کے بعد باب اس عنوان سے قائم کیا ہے۔ "حضرت علیؓ بحیثیت گورنر کوفہ۔"

اگر جناب اہلسنت کے عقیدہ کے علی الرغم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے تو مجھے جنگ صفین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ خود اسی مسئلہ پر گفتگو ہونی چاہئے کہ اہل سنت کا عقیدہ و نظریہ صحیح ہے یا نعوذباللہ غلط؟ لیکن اگر آپ اہلسنت کے عقائد و نظریات کو برحق سمجھتے ہیں اور ان کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفیہ راشد جانتے ہیں تو آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ خلیفہ راشد کو بغاوت رونما ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہئے تھا؟

جہاں تک عراقیوں اور عجمیوں کو شامیوں اور عربوں سے دست وگریباں کرانے کا تعلق ہے۔ یہ عراقی و شامی اور عربی و عجمی کی تفریق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذہن میں نہیں تھی۔

ان کے سامنے صرف مطیع وغیر مطیع کا سوال تھا خواہ کوئی ہو، انہیں نہ شامیوں کے شامی اور عربوں کے عرب ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی پرخاش تھی، اور نہ عراقیوں اور عجمیوں سے محض ان کے عراقی یا عجمی ہونے کی بنا پر کوئی انس تھا۔ یہ تفریق ہی ''عصبیت جاہلیت'' ہے، جو میرے آپ کے ذہن میں تو آسکتی ہے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دامن ذہن ان داغ دھبوں سے آلودہ نہیں تھا۔ وہ واقعتاً خلیفہ راشد تھے، ان کی حمایت میں صحابہؓ بھی تھے اور تابعین بھی، عرب بھی تھے اور عجمی بھی۔ ''شیعان علی'' کی اصطلاح ان کے زمانہ کی نہیں تھی، بلکہ بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ جاکر وہاں کی گورنری کا منصب نہیں سنبھالا تھا، بلکہ مدینہ طیبہ سے خلیفہ بن کر گئے تھے، اور مہاجرین وانصار نے ان سے بیعت خلافت کی تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ اکابر کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ ان میں صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہی کا نام باقی رہ گیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ خود بخود مستحق خلافت رہ گئے تھے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔

آپ نے یہ شبہ بھی کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کیوں نہیں لیا، اور آپ نے ان کو مغفل ثابت کرنے کے لئے خاصا زور قلم صرف کیا ہے۔ یہ شبہ آج کل بہت سے عنوانات سے بار بار دہرایا جاتا ہے۔ مجھے صفائی سے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایک عرصہ تک میں خود بھی اس وسوسہ کا مریض رہا ہوں، مگر بحمد للہ! یہ وسوسہ محض وسوسے کی حد تک رہا، میں نے کبھی اس وسوسہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر نکتہ چینی کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ اس کی وجہ سے حضرت موصوف سے محبت وعقیدت میں رتی برابر کوئی فرق آیا، بلکہ جب بھی ایسا وسوسہ آیا فوراً یہ خیال آتا رہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے تئیس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے، جنہیں لسان نبوت نے ''یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ'' (صحیح بخاری ومسلم ترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۶) کا اعلیٰ ترین تمغہ مرحمت فرمایا: جنہیں پیچیدہ ترین مسائل میں صحیح فیصلہ کرنے کی سند ''اقضاھم علیؓ''، (ترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۶) کہہ کر عطا فرمائی اور ''اللھم ادر الحق معہ حیث دار'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۶۷) کی دعا دے کر حق کو ان کے ساتھ اور ان کو حق کے ساتھ دائر وسائر کردیا، وہ علم ودانش، دیانت وامانت، طہارت وتقویٰ اور مقاصد شریعت کے فہم وبصیرت میں مجھ نالائق وبدکار سے تو بہر حال فائق ہی

تھے۔(واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ اب تو اس خیال کو بھی گستاخی اور سوءِ ادب سمجھتا ہے اور اس پر سو بار استغفار کرتا ہے کہاں حضرت علیؓ اور کہاں مجھ ایسے ٹٹپونجیئے : چہ نسبت خاک را باعالم پاک)

پس انہوں نے وفور علم و تقویٰ، کمال خشیت و انابت اور خدا، رسول سے محبت و محبوبیت کے باوصف جو کچھ کیا وہ عین تقاضائے شریعت و تقویٰ ہو گا، اور اگر ان کا موقف مجھ نالائق کو سمجھ میں نہ آئے تو ان پر اعتراض کا موجب نہیں بلکہ اپنی بد فہمی لائق ماتم ہے۔ الغرض اس وسوسہ کو ہمیشہ اپنی نالائقی و کم فہمی پر محمول کیا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی اور اس وسوسے سے نجات دلائی۔(فلہ الحمد ولہ الشکر)

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلیفہ مظلوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ و ارضاہ کے خلاف یورش کی اور آپ کے مکان کا محاصرہ کیا۔ فقہ اسلامی کی رو سے ان کی حیثیت باغی کی تھی۔ پھر ان کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اپنی دنیا و عاقبت برباد کی۔ اور دوسرے وہ لوگ جن کا عمل صرف محاصرے تک محدود رہا۔ اول الذکر فریق میں چھ نام ذکر کئے جاتے ہیں (۱) محمد بن ابی بکرؓ، (۲) عمرو بن حمقؓ، (۳) کنانہ بن بشیر، (۴) غافقی، (۵) سوران بن حمران (۶) کلثوم بن نجیب، مگر قاتلین عثمانؓ میں اول الذکر دونوں صاحبوں کا نام لینا قطعاً غلط ہے کیونکہ محمد بن ابی بکرؓ کے بارے میں تو تصریح موجود ہے کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا اور حضرتؓ نے یہ فرمایا کہ : "بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے اور وہ اس حرکت کو دیکھتے تو پسند نہ کرتے۔" تو یہ شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قتل میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی اور حضرت عمر بن حمق رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور علماً اہلسنت نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی اس گناہ میں شریک نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابی بکرؓ اور عمر بن حمقؓ کو قاتلین عثمانؓ کی فہرست میں ذکر کرنا صحیح نہیں...... رہے باقی چار اشخاص! ان میں سے مؤخر الذکر دونوں شخص موقع ہی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب صرف دو شخص رہ گئے۔ کنانہ بن بشیر اور غافقی...... یہ دونوں موقع سے فرار ہو گئے، بعد میں یہ بھی مارے گئے، اس طرح قاتلین عثمانؓ میں سے کوئی شخص ہلاکت سے نہیں بچا۔ رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرے تک محدود رہا، اور انہوں نے خون عثمانؓ سے ہاتھ رنگین نہیں کئے ان کی حیثیت باغی کی تھی خود حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ نے بھی آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نئے خلیفہ کی اطاعت کرلی۔ انقیاد واطاعت کے بعد محض بغاوت کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ البحر الرائق (جلد ۵ صفحہ ۱۵۳) میں ہے:

> "اور محیط میں ہے جب باغی کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہتھیار ڈال دے تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے گا، کیونکہ جس طرح حربی کافر اسلام لانے کے بعد معصوم الدم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باغی کے توبہ کرنے کے بعد اس کی جان ومال محفوظ ہو جاتے ہیں۔"

پس اطاعت وانقیاد کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں سے تعرض نہیں کیا تو یہ قواعد شرعیہ کے عین مطابق تھا۔ (یاد رہے کہ یہاں صرف حضرت علیؓ کے مؤقف کی وضاحت کر رہا ہوں، جو اکابر صحابہؓ قصاص کا مطالبہ فرماتے تھے، وہ بھی اپنے علم واجتہاد اور فہم وبصیرت کے مطابق اپنے مؤقف کو برحق سمجھتے تھے اور وہ عند اللہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کے مکلّف تھے۔ ان کے مؤقف کی وضاحت کا یہ موقع نہیں۔)

اور ان پر ہماری نکتہ چینی دراصل باغیوں کے احکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے اور جناب کا یہ فقرہ کہ: "وقتی ذہول اور اجتہادی غلطی آخر کہاں کہاں تک اور کب تک ساتھ دے گی۔" اس موقع پر قطعاً بے محل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں نہ کوئی ذہول ہوا اور نہ انہوں نے یہاں کوئی اجتہادی غلطی کی، بلکہ پوری بیدار مغزی کے ساتھ اس پیچیدہ ترین مسئلہ میں ٹھیک منشائے شریعت کی تعمیل کی۔

جناب نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاملنے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدم تدبر کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جو شخص اپنے سگے بھائی کو اپنے مؤقف کا قائل نہ کر سکے اس کی بے تدبیری کا کیا ٹھکانہ ہے...... جناب نے یہ لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک صاحب (مجھے نام میں تردد ہے کتاب اس وقت سامنے نہیں) کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر کھاتے تھے اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: "کھانا ان کا لذیذ ہوتا ہے، اور نماز ان کی" واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کے معاملے میں بہت ہی محتاط تھے۔ ان کے ہاں داد ود

دہش کی کوئی مد نہیں تھی، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں خاصے فراخ دل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے نقش قدم پر تھے، اور ان کے بلند ترین معیار پر پورا اترنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا اپنے ماں جائے کو چھوڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں شمار کئے جانے کی چیز ہے کہ ان کے اعلیٰ ترین معیار تقویٰ کا ساتھ دینے سے ان کے سگے بھائی بھی قاصر تھے۔ لیکن کیا کیجئے جس شخصیت سے الفت و محبت کا رشتہ نہ رہے اس کے محاسن بھی عیوب نظر آیا کرتے ہیں۔

اموی اور عباسی دور میں وقتاً فوقتاً جو علوی و عباسی خروج ہوتے رہے جناب نے ان کو بھی "عیوب علی" کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان "خروجوں" کا منشا کیا تھا؟ ان میں سے کونسے حق بجانب تھے اور کونسے ناحق؟ اور یہ کہ اس وقت کے اکابر امت نے ان خروجوں کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا؟ میں آپ سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کروں گا کہ آپ نے ان خروجوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مرتب کردہ "فرد جرم" میں کیسے شامل فرمالیا؟ کیا بعد کے لوگوں کے قول و فعل کی، اگر وہ ناحق ہوں، ذمہ داری بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی پر عائد ہوتی ہے؟ اگر کسی شخصیت کی طرف سے ہمارے دل میں خدانخواستہ میل ہے تو کیا ناکردہ گناہوں کو بھی اس کے کھاتے میں ڈال دینا چاہئے؟......

"جناب نے مقطع سخن پر اذیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات چھیڑی ہے تو یہ ناکارہ بھی جناب سے ایک بات پوچھنے کی جرأت کرتا ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جو تعلق تھا وہ بھی آپ کو معلوم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کے "بے شمار مناقب" بیان فرمائے ہیں وہ بھی جناب کے سامنے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین شخصیت کے نقائص و عیوب تلاش کرنا، ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا، ان کی تحقیر کے پہلو کرید کرید کر نکالنا، اس سے خود نفرت رکھنا اور دوسروں کو متنفر کرنے کی کوشش کرنا کیا ان ساری باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں ہوتی ہوگی؟ اب جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عیوب اچھال رہے ہیں کیا ان کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں لائق ستائش ہے اور کیا وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب عزیز کی تنقیص کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی کے مرتکب اور دنیاو آخرت میں خسران عظیم کے مستوجب نہیں ؟روافض خذلھم اللہ سے ہمیں یہی تو شکایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی تنقیص کر کے آپ صلی اللہ علیہ سلم کو ایذا دیتے ہیں۔ اگر یہی کام ہم بھی کرنے لگیں تو ان میں اور ہم میں کتنا فاصلہ رہ جاتا ہے ؟ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے آمین......" (آپ کے مسائل اوران کا حل، جلد اول)

علوی مالکی :

علوی مالکی مکہ مکرمہ کے عرب عالم ہیں، مسلکاً بریلوی اور مشرباً شاذلی ہیں، انہوں نے بریلویت کی ترجمانی میں "مفاہیم یجب ان تصحح" تصنیف کی جسے ان کے بعض پاکستانی معتقدین نے "اصلاح مفاہیم" کے نام سے اردو کے قالب میں ڈھال کر شائع کیا اور پورے شدومد سے یہ دعوت دی کہ اس کتاب کے اصول موضوعہ کی روشنی میں دیوبندی، بریلوی اتحاد قائم کیا جائے۔ یہ کتاب حضرت شہیدؒ کے پاس تبصرہ کے لئے لائی گئی تو نہایت مفصل مدلل تبصرہ فرما کر ثابت فرمایا کہ یہ دیوبندیت کی نہیں بلکہ بریلویت کی ترجمان ہے۔ اس سلسلہ میں جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن کو لکھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم ومکرم جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صدیقی صاحب زیدلطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

نامہ کرم مع ہدیہ مرسلہ "اصلاح مفاہیم" کافی دنوں سے آیا رکھا تھا۔ کثرت مشاغل نے کتاب اٹھا کر دیکھنے کی مہلت نہ دی، اور خود طبیعت بھی اس طرف مائل نہ ہوئی۔ یہ ناکارہ تو اسے طاقِ نسیان میں بحفاظت رکھ چکا تھا۔ یکایک خیال آیا کہ آنجناب منتظر جواب ہونگے، چنانچہ کتاب کو پڑھا، داعیہ پیدا ہوا کہ اس پر کسی قدر مفصل تبصرہ کروں، مگر مشاغل اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے مختصراً لکھتا ہوں کہ کتاب کے بعض مباحث تو بڑے ایمان افزا ہیں۔ مگر جنابِ مصنف نے جگہ جگہ مخمل میں ٹاٹ کی پیوندکاری کی ہے۔ اور شکر میں اپنے منفرد افکار (مفاہیم) کا زہر ملایا ہے۔ لہٰذا کتاب کے بارے میں اس ناکارہ کی رائے جناب محترم مولانا الحاج الحافظ مفتی عبدالستار دام مجدہ (صدر مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان) کے ساتھ متفق ہے۔ یہ کتاب ہمارے

اکابر دیوبند کے مسلک و مشرب کی ہرگز ترجمان نہیں۔ اور اس سے امت کے درمیان اتحاد واتفاق کی جو امیدیں وابستہ کی گئی ہیں وہ نہ صرف موہوم بلکہ معدوم ہیں اس کے برعکس اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ امت تو امت، یہ کتاب ہمارے احباب کے درمیان منافرت و مغایرت اور تشتت و انتشار کی موجب ہو گی۔ اگر کتاب کے ترجمہ اور اس کی اشاعت سے قبل اس ناکارہ سے رائے لی جاتی تو یہ ناکارہ نہ ترجمہ کا مشورہ دیتا۔ نہ اشاعت کا۔ جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت فرمائی ہیں اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ انہوں نے بے پڑھے محض مؤلف کے ساتھ حسن ظن اور عقیدت سے مغلوب ہو کر لکھدی ہیں۔ اور اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے، بلکہ اس ناکارہ کو یہاں تک "حسن ظن" ہے کہ بہت سے حضرات نے کتاب کے نام کا مفہوم بھی نہیں سمجھا ہو گا۔ اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ "مفاہیم : یجب ان تصحح" کا مطلب کیا ہے؟ تو شاید تیر نشانہ پر نہ لگا سکیں۔ چنانچہ اس کا اردو نام "اصلاح مفاہیم" غمازی کرتا ہے کہ ترجمہ نگار اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ امید ہے کہ ان اجمالی معروضات کے بعد مفصل تبصرے کی حاجت نہ ہو گی۔ دعوات صالحہ کا محتاج اور ملتجی ہوں۔

والسلام : محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۰۔۷۔۱۵ھ"

کچھ عرصہ کے بعد یار لوگوں نے مشہور کر دیا کہ حضرت شہیدؒ نے اپنے مؤقف سے رجوع فرمالیا ہے اور علوی مالکی نے آپ کو شاذلیہ سلسلہ میں خلافت بھی دے دی ہے، اس پروپیگنڈہ کے جواب میں حضرت نے ایک تحریر لکھ کر احباب میں تقسیم کرائی جو درج ذیل ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بعض مخلص احباب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ علوی مالکی صاحب کی کتاب "اصلاح مفاہیم" پر میرے تاثرات اور بینات میں اس کی اشاعت کے بعد کچھ ناعاقبت اندیش حضرات سیدھے سادھے مسلمانوں اور میرے احباب میں یہ غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں کہ میں نے اپنی تحریر سے برأت کا اعلان کر دیا ہے اور جناب علوی مالکی صاحب نے چشم بد دور مجھے شاذلیہ سلسلہ میں خلافت دی ہے۔ "سبحانک هذا بهتان عظیم"۔ میں ایسے حضرات کو اللہ سے ڈرنے اور عند اللہ مسئولیت کی یاد دھانی کراتے ہوئے عرض کروں گا کہ اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

آپ سے اس بہتان وافترا کے بارے میں پوچھ لیں تو آپ کے پاس کیا جواب ہو گا؟

میں آج بھی علوی مالکی کو بریلوی عقیدہ کا حامل اور مبتدع سمجھتا ہوں۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی اور نہ دیکھنا چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے بدعت وہویٰ کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام محمد یوسف عفااللہ عنہ"

۱۹/۸/۲۰

آپ کی اس تحریر کے تھوڑے دنوں بعد ہی ایک دوسرا طوفان یہ اچھالا گیا کہ حضرت شہیدؒ کو جناب صوفی محمد اقبال صاحب نے خلافت دی ہے اور وہ بھی سلسلہ شازلیہ میں، جب حضرت شہیدؒ نے سلسلہ شازلیہ کی خلافت قبول فرمالی تو گویا سابقہ موقف سے رجوع کرلیا، اور یہ پروپیگنڈا تاحال جاری ہے، اور شنید ہے کہ اس سلسلہ کی ایک تحریر ہزاروں کی تعداد میں پھیلائی گئی ہے، لیکن صحیح صورت حال یہ ہے کہ مخدومِ مکرم برادرم مولانا مفتی محمد جمیل خان اس مجلس میں مدینہ منورہ میں موجود تھے، جس میں جناب صوفی محمد اقبال صاحب نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں کب دیوبندیوں کا مخالف ہوں؟ آپ حضرات نے مجھے خواہ مخواہ دیوبندیوں سے نکال دیا، فلاں اور فلاں، غرض خوب اپنی بے گناہی ثابت کی اور اپنے موقف سے رجوع کا اعلان کیا، اور پھر ازراہ تحدیث نعمت حضرت مولانا علی المرتضیٰ صاحبؒ (ڈیرہ غازی خان) کی جانب سے سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کو سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت پیش کی۔ (بحمد للہ مولانا مفتی محمد جمیل خان اور دوسرے رفقا اس واقعہ کے چشم دید زندہ گواہ موجود ہیں۔) راقم الحروف کو جب اس پروپیگنڈہ کا علم ہوا تو حضرت شہیدؒ سے عرض کیا کہ لوگ اس طرح کی بات اڑا رہے ہیں، صحیح صورت حال کیا ہے؟ اس پر حضرتؒ نے فرمایا اور واللہ هذا لفظه اگر صوفی صاحب شازلیہ کی خلافت کی بات کرتے تو واپس منہ پر نہ مار دیتا۔" مختصر یہ کہ علوی مالکی کے سلسلہ کی حضرت کی تمام تحریریں انشاء اللہ بہت جلد کتابی شکل میں پیش کی جائیں گی۔ جس سے انشاء اللہ جھوٹ کا طوفان خود بخود چھٹ جائے گا۔

جماعت المسلمین:

جو انسان ایک بار شیطان کے بھکاوے میں آجائے اور وہ اتباع سلف کی بجائے خودرائی و خودروی کی پرپیچ پگڈنڈی پر چل نکلے، شیطان اسے زندگی بھر چین وسکون نہیں لینے دیتا بلکہ وہ

اغوائے شیطانی اور سلف بیزاری کی بدولت پوری امت کو گمراہ سمجھتا ہے، کچھ یہی معاملہ جماعت المسلمین کے لوگوں کا ہے کہ خیر سے حدیث کے نام پر انہوں نے غیر مقلدیت سے ترقی کر کے پوری امت کو گمراہ اور کافر کہنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اپنے بیشتر فتاویٰ اور آپ کے مسائل اور ان کا حل کے علاوہ اپنے ایک شاگرد سے اس عنوان پر کتاب مرتب کرائی اور اس پر تقریظ لکھی جو درج ذیل ہے :

"...... اس پُر فتن دور میں دینی و دنیاوی، ظاہری و باطنی فتنے مختلف رنگ روپ میں پے در پے ظاہر ہو رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی و کجی کی راہوں کی طرف دھکیلنے میں سرگرداں ہیں لیکن اس سب کے باوجود دوسری طرف اہل حق کی ایک جماعت شب و روز کی انتھک محنت و مشقت کے نتیجہ میں ان فتنوں کی بیخ کنی میں مصروف عمل ہے، اور تا قیامت قائم و دائم رہے گی، انہی فتنوں کی ایک کڑی نام نہاد "جماعت المسلمین" ہے جو قرآن و حدیث کی غلط تاویلات و تعبیرات کے ذریعہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں اختلاف و افتراق پیدا کر کے گمراہی کی راہ کھول رہی ہے، اور لچر قسم کے وساوس و شبہات کے ذریعہ قرآن و سنت کے حاملین، فقہاؑ و محدثین اور سلف صالحین سے امت کا رشتہ توڑنے میں مصروف کار ہے، اللہ سب کو پناہ میں رکھے آمین۔

ناکارہ نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں نہایت منصفانہ تجزیہ کرتے ہوئے ان فرقوں کو خیر القرون کی کسوٹی میں پرکھا ہے۔ لیکن "اہل حدیث" ہی میں سے نکلے ہوئے نام نہاد "جماعت المسلمین" نامی گروہ پر، مجھے بوجہ عوارض و ضعف کے لکھنے کا موقع نہ ملا، البتہ یہ خدمت ناکارہ کے ایک شاگرد جناب مولانا مفتی اکرام الرحمٰن سلمہ اللہ نے سر انجام دے کر امت پر احسان کیا ہے، حق تعالیٰ شانہ موصوف کو ترقیات سے نوازے اور ان کی اس تالیف کو شرف قبول عطا فرمائے، اور ہر مسلمان کو اس تالیف سے استفادہ کی توفیق دے......"

تنظیم اسلامی :

جناب ڈاکٹر اسرار احمد مولانا مودودی صاحب کے تربیت یافتہ ہیں علماء اور دینی جماعتوں کے بارہ میں ان کا وہی مزاج ہے جو جناب مودودی صاحب کا تھا۔ شروع شروع میں جب انہوں نے علماء کے خلاف لب کشائی کی تو حضرت شہیدؒ نے ان کی خدمت میں لکھا اور خوب

لکھا۔ حضرت شہیدؒ کی مسلک حقہ کی ترجمانی کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

''...... کسی دینی تحریک کی قیادت در حقیقت نیابتِ نبوت ہے، اور نیابتِ نبوت کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جو وراثتِ نبوت کا حامل ہو، اور وراثتِ نبوت کے اصول تین ہیں۔ علم صحیح، عمل صحیح اور تزکیہ باطن۔ جن کی طرف آیت کریمہ ویعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم میں اشارہ فرمایا ہے۔ پس جو شخص کہ علمی رسوخ میں لائق اعتماد ہو، جس کا عملی معیار مستند ہو، جس نے اہلِ قلوب اور ارباب باطن کی صحبت میں رہ کر اپنے اخلاق کا تزکیہ اور اپنی باطنی کیفیات کی تصحیح نہ کی ہو، اس کے بارے میں کیسے باور کرلیا جائے کہ وہ کسی دینی تحریک کی قیادت کرتے ہوئے نیابت نبوت کے حقوق ٹھیک ادا کر سکے گا، اور وہ کسی افراط و تفریط خود رائی اور کج روی کا شکار نہیں ہوگا۔ دینی قیادت تو بہت دور کی بات ہے دنیا کا وہ کون سا کام ہے جس کے لئے بقدر ضرورت لیاقت و مہارت کی شرط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اور جب کوئی اناڑی اس کام میں ہاتھ ڈالے تو اہل عقل و خرد اس سے اندیشہ و خطرہ محسوس نہیں کرتے؟ ایک گاڑی کا ڈرائیور، جس نے ڈرائیونگ نہ سیکھی ہو جب مسافروں سے بھری گاڑی کو لے کر چلے تو کیا اہل عقل اس سے خطرہ محسوس نہیں کریں گے۔ اور کیا کیا ٹریفک کے سپاہی اس سے لائسنس کا مطالبہ نہیں کریں گے؟ اور کیا ڈاکٹر صاحب نے اہل عقل کے اس اندیشے اور ٹریفک کانسٹیبل کے اس مطالبہ پر کبھی تعجب کا اظہار کیا؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایسا شخص جس نے علوم نبوت کو کسی ماہر سے نہیں سیکھا، جس نے کسی مردِ کامل کی صحبت میں رہ کر اپنا تزکیہ باطن نہیں کرایا، جس نے لائق اعتماد مشائخ سے حکمت دین کا درس نہیں لیا، جس نے کتاب و سنّت کے اسرار و حقائق کو کسی جاننے والے سے نہیں سمجھا، جس نے اپنے علم و عمل، عقائد و نظریات اور سیرت و اخلاق کو اسوۂ نبوی میں ڈھالنے کی محنت و ریاضت نہیں کی، اور جس کا فہم دین جنگل کی خودرو گھاس ہے، وہ دینی قیادت کا منصب سنبھالتا ہے، اور دین کی گاڑی کا ڈرائیور بن کر نکلتا ہے۔ اور حضرات علماء کرام، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے دین کا صحیح فہم عطا فرمایا ہے، اس پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب سراپا حیرت بن کر پوچھتے ہیں کہ یہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس پر علما کرام، خوامخواہ دور دراز کے اندیشوں اور وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس غریب نے آخر کیا جرم کیا ہے جس پر علما کرام پریشان ہیں، ''رجوع الی القرآن'' کی دعوت کا بیڑا ہی تو اٹھایا ہے اور ''تنظیم اسلامی'' کی قیادت اور ''جہاد پر بیعت'' لینا ہی تو شروع کیا ہے۔

گویا قرآن کریم کی دعوت و ترجمانی اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک تنظیم کی قیادت کا منصب بہت ہی سرسری اور معمولی بات ہے جس پر اہل علم کو کسی اندیشے اور خطرے کا احساس نہیں کرنا چاہئے۔ فیا لغربة الاسلام، وضیعة المسلمین ...... انا لله وانا الیه راجعون۔

ڈاکٹر صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد ہو گی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، جب امانت ضائع کر دی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو۔ عرض کیا گیا، امانت کیسے ضائع کر دی جائے گی، فرمایا:

"جب معاملہ نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"

اور یہ بھی کہ:

"وعظ کہنا تین آدمیوں کا کام ہے۔ امیر کا، مامور کا، یا متکبر کا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ریا کار کا"۔

الغرض ڈاکٹر صاحب نے علما کی تشویش کا جو سبب دریافت کیا ہے، وہ حقیقی سبب نہیں۔ بلکہ اصل سبب وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی ہو یا غلام احمد پرویز۔ ان سب کی خود رائی و خود روی کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ انہوں نے دینی طب کی ڈگری حاصل کئے بغیر امت کی مسیحائی کا کام شروع کر دیا، اس "عطائیت" کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس کی خواہشات جہاں تک لے جا سکیں وہ وہاں پہنچ گیا۔ کوئی الحاد و زندقہ کی وادیوں میں بھٹکنے لگا، اور کوئی اس حد کے عبور کرنے میں کسی حد تک محتاط رہا۔

یہ ہے وہ مسلسل تجربہ، جو علما امت کو خوارج و روافض کے دور سے آج تک ہوتا رہا، اور جسے تنظیم اسلامی کے امیر محترم ایک بار پھر دہرا رہے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ خود اپنی حالت پر غور کرتے کہ وہ دینی قیادت کے بلند ترین منصب کے اہل بھی ہیں یا نہیں، الٹا علمائے کرام سے شکایت کرتے ہیں کہ وہ ان کی قرآنی دعوت اور ان کے حلقہ بیعت سے تعاون کیوں نہیں کرتے، جب کہ ٹیلی ویژن کے "الہدیٰ" کا غلغلہ بلند ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں پڑھے لکھے لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کو سعادت سمجھ رہے ہیں، اور وہ پاکستان سے امریکہ تک قرآن کی دعوت کو پھیلانے اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے منظم کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔

کاش! ان سے گزارش کی جاسکتی کہ قبولیت عند اللہ کے بازار میں اس شہرت و قبولیت کی قیمت پھوٹی کوڑی کے برابر بھی نہیں، اور جب تک کسی صاحب نظر کی طرف سے یہ کام تفویض نہ کیا جائے اس سے دھوکہ کھانا کسی طرح بھی روا نہیں:

بصاحب نظر بنما گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

یا مولانا معین الدین اجمیریؒ کی طرح کوئی ان سے جرأت کے ساتھ کہہ سکتا کہ:

ایاز قدر خویش شناس!

مگر ڈاکٹر صاحب مطمئن ہیں کہ اس آزادی کے زمانے میں انکو امامت و قیادت سے کون روک سکتا ہے، اور چند سر پھرے ان کے بارے میں کچھ لکھیں گے بھی تو ان کے ارادت مندوں کا حلقہ سلامت رہے، یہ لوگ ان کا کیا بگاڑ لیں گے، ان کو تو "علمائے سو" "کٹھ ملا" یا کم از کم "تنگ نظر" کے چھوٹے سے بم سے اڑایا جائے گا، رہا آخرت کا معاملہ! سو وہ جب آئے گی دیکھا جائے گا......

ڈاکٹر صاحب تو اپنی فتوحات پر نازاں ہیں اور اسے تائید و نصرت الٰہی کا کرشمہ سمجھ رہے ہیں، لیکن یہ ناکارہ، ان کی اس بلند پروازی اور ان کے اس جراتمندانہ اقدام سے واقعتاً کانپ رہا ہے، خدا خیر کرے جو جتنا اونچا اڑتا ہے۔ جب گرتا ہے تو اتنا ہی نیچا گرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک خطاب میں یہ بھی فرمایا ہے، کہ ان کی قرآن کانفرنسوں میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد گوندلوی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا عبید اللہ انور، مولانا تقی عثمانی، مولانا عبد الرحمٰن جامعہ اشرفیہ، مولانا سید ابو بکر غزنوی، پروفیسر سلیم چشتی، مولانا طاسین اور ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن جیسے اکابر تشریف لاتے رہے ہیں۔

ان حضرات کی "قرآن کانفرنسوں" میں شرکت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب کو قرآن فہمی میں درجہ استناد حاصل ہو چکا ہے اور اب وہ قرآن کی دعوت پر تنظیم اسلامی قائم کر کے لوگوں کو اپنے حلقہ بیعت مین داخل کرنے کے مجاز ہو چکے ہیں۔ دوسرے کے بارے میں نہیں تو کم از کم اپنے شیخ و مربی حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے بارے میں تو یہ ناکارہ عرض کر سکتا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی خود رائی اور قلت علم کے شاکی تھے اور انہیں قرآن کریم کی تشریح و تفسیر اور دینی قیادت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ "ماہنامہ

بینات" کا آخری شمارہ جو حضرتؒ کی زندگی میں شائع ہوا، اس کے "بصائر و عبر" میں ڈاکٹر صاحب کی تفسیر دانی پر تنقید کرتے ہوئے حضرتؒ لکھتے ہیں :

"افسوس کہ آج کل ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ سب سے آسان کام یہی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کا بیڑہ اٹھائیں پھر چاہے اسلام کا بیڑہ بھی غرق ہو جائے، میں سب کی نیتوں پر شبہ نہیں کرتا لیکن طرز عمل پر تنقید کرتا ہوں، یہ مانا کہ کہیں کہیں عمدہ بات اور بہتر توجیہہ بھی کر لیتے ہیں لیکن کہیں اپنی رائے کی حرمت اور علم کی کمی (کی وجہ) سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ ان کی تمام محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ غلطی گمراہ کن اور خطرناک ہوتی ہے اور قطعی عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے۔ بطور مثال اس وقت ایک نمونہ پیش کرتا ہوں ہمارے ایک محترم نے سورۃ العصر کی تفسیر و تشریح میں حسب ذیل حقائق کا اظہار فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے :

"(الف) سورۃ والعصر میں نجات کی کم از کم چار شرائط بیان ہوئی ہیں اور ان سے کم پر نجات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہاں کامیابی کی فہرست یا سیکنڈ ڈویژن کا تذکرہ نہیں بلکہ صرف آخری درجہ میں پاس ہونے کی شرط کا بیان ہے۔

(ب) ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر چاروں شرطیں لازمی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جا سکتا مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہر کلمہ گو کی نجات لازمی ہے۔ گویا نجات کے لئے صرف ایمان اور اس کا بھی محض زبانی اقرار کافی ہے الخ۔ (دیکھو انسان کا اصلی سرمایہ "از ڈاکٹر اسرار احمد مطبوعہ ادارہ اشاعت علوم ملتان)

افسوس کہ اس وقت تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں صرف اجمال و اختصار سے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ متواترہ اور اہل سنت والجماعت کی تصریحات ہیں کہ اصلی نجات یعنی کفر سے نجات جس کا نتیجہ خلود نار اور دوامی جنہم ہے صرف ایمان پر ہے جو کلمہ شہادت میں ذکر

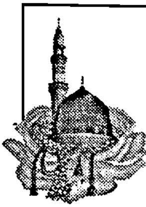
ہے بشرطیکہ دل و جان سے یہ عقیدہ ہو صرف زبانی اعتراف نہ ہو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے "بلاشبہ حق تعالیٰ شرک و کفر کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے"۔ عمل صالح کو جز ایمان ایسا ماننا کہ اس کے نہ ہونے سے نجات نہ ہو اور انسان کافر بن جائے یہ مذہب ہے اور قریب اس کے معتزلہ کا مذہب ہے، بہر حال اس قسم کا نظریہ دور حاضر میں جناب مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں بہت زور و شور سے پیش کیا، شاید ہمارے محترم چونکہ ان کے رفیق کار تھے ان سے لیا ہو گا اور مودودی صاحب سے پہلے غالباً مولانا فراہی صاحب مرحوم بھی اس قسم کی باتیں لکھ چکے ہیں، بہر حال کسی نے کہا ہو سراسر غلط ہے، قرآن کریم کے نصوص قطعیہ کے خلاف ہے، اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ پھر سورہ والعصر میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کو تیسرے درجہ کی کامیابی سمجھنا سراسر غلط ہے، وہ تو اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہو سکتا "عملوا الصالحات" کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسلام کی کوئی بات باقی نہیں رہی جو اس میں نہ آئی ہو۔ اس وقت تفصیل کا موقع نہیں ورنہ صاف صاف ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے جہاں ہمارے محترم سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ دراصل باکمال اصحاب کی صحبت کے بغیر علم دین اور قرآن کریم کا فہم میسر نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے مولانا مودودی صاحب بھی ان خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہو گئے کہ تعجب ہوتا ہے"۔

(ماہنامہ بینات، رمضان و شوال ۱۳۹۷ھ۔ ص ۶، ۷)

حضرت بنوری قدس سرہ کی یہ تحریر آج سے سات برس پہلے کی ہے، جب ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کی بیعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا، ڈاکٹر صاحب اگر چاہتے تو حضرت ؒ کی اس رائے سے استفادہ کرتے ہوئے اسے سرمۂ چشم عبرت بنا سکتے تھے......"

(دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار ص ۴۸۶۔ ۴۹۳)



ناموسِ رسالت کے پاسبان

مولانا سعید احمد جلالپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث، روزنامہ جنگ کے مشہور و مقبول عام سلسلہ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کے فقہی کالم نگار ماہنامہ ”بینات“ کے مدیر شہیر، ہفت روزہ ”ختم نبوت“ کراچی کے مدیر اعلیٰ، ماہنامہ ”لولاک“ فیصل آباد کے سرپرست، جامع مسجد فلاح نصیر آباد کے محراب و منبر کی زینت، اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر نشین، بیسیوں معرکۃ الآرا کتابوں کے مصنف، لاکھوں دلوں کی دھڑکن، محدث العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث، امام العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی مراد، ان کے ”ہم نام وہم کام“ حکمت نانوتویؒ کے عظیم شارح، تحریک آزادی کے نامور مجاہد، علمائے لدھیانہ کے جانشین، فلسفہ ولی اللٰہی کے داعی و مناد، امت مسلمہ کے دین وایمان کے محافظ، خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے محبوب تلمیذ و مسترشد، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے روحانی جانشین، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی تحریک آزادی ہند کے مخلص کارکن، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کے ”سخن دان“ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے معتمد اور رفیق کار، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ”مرکز و مدار“

سرمایہ ملت اسلامیہ کے نگہبان، حریم نبوت کے پاسبان، مسند سلوک واحسان کے صدر نشین، اکابر علمائے امت اور عوام و خواص کے ماویٰ و ملجا، تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے سرپرست، مرشد العلماء، شہید اسلام، حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو بروز جمعرات ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء صبح تقریباً دس ساڑھے دس بجے اپنے گھر سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جاتے ہوئے نصیر آباد اسٹاپ پر فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شئی عندہ باجل مسمٰی۔

حضرت شہیدؒ کے بقول: ”موت کوئی اچنبھا نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے، یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے، موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سب ہی گئے، اور سب ہی کو جانا ہے“۔

مرشد العلماء حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی دلی خواہش، تمنا اور آرزو پوری ہوئی کہ وہ شہادت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہو گئے، اور وہ بھی اس شان سے کہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھتے ہی خونی غسل کیا، اور سرخ رو ہو کر بارگاہ الٰہی میں اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کر دیا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے وہ نہایت تیزی سے جنت الفردوس میں پہنچ گئے، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حضرتؒ اس تیزی سے دنیا کی سرحد پار کر جائیں گے، شاید اس لئے کہ جس طرح دنیا میں ہر خیر کے معاملہ میں وہ پیش پیش اور مسلمانوں کی امامت و قیادت کے منصب پر فائز تھے، اسی طرح انہوں نے موت، شہادت اور جنت میں پہنچنے کے مرحلہ پر بھی اپنے اس معمول کو برقرار رکھا، آہ حضرت کیا گئے کہ ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے، ہم سب کو بلکہ مسلمانان عالم کو بے سہارا اور یتیم کر گئے، آج ہر آنکھ اشک بار ہے اور ہر شخص دل فگار ہے، اس لئے کہ جانے والوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ:

> ”جب وہ جاتے ہیں تو ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے......“ (شخصیات ص: ۱۶)

سمجھ نہیں آتا کہ حضرت پر کس طرح لکھوں؟ اور کیا لکھوں؟ اور ان کی زندگی کے کس کس گوشہ کو اجاگر کروں؟ عقل و خرد اور سوچ و فہم ساتھ چھوڑ گئے ہیں، دل و دماغ ماؤف ہو چکے ہیں اور سوچوں پر تالے لگ گئے ہیں، ابھی تک یہی یقین نہیں آتا کہ ہمارے مشفق و مربی، ماہنامہ بینات کے مدیر، جامعہ علوم اسلامیہ کے استاد، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں اور کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ، واقعی ہم سے جدا ہو گئے ہیں؟ نہیں! نہیں! دل و دماغ اس کشمکش میں ہیں کہ حضرت شہید نہیں ہوئے بلکہ کہیں کسی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں، یقیناً آپؒ کسی درس و تدریس یا وعظ و تلقین کی مجلس، یا پھر کسی دینی ادارہ کی افتتاحی، اختتامی یا دعائیہ تقریب میں تشریف فرما ہوں گے، اور حسب معمول آپؒ ٹھیک گیارہ بجے دفتر تشریف لائیں گے، ہم سب کی سرپرستی فرمائیں گے، اپنے متعلقین و محبین کو شرف ملاقات بخشیں گے، ان کو اپنے سینے سے لگائیں گے، انہیں تسلی دیں گے، ان کی پریشانیوں کا حل بتلائیں گے، علامہ فضل اللہ تورپشتی کی کتاب "المعتمد فی المعتقد" کا ترجمہ املا کرائیں گے، طحاوی شریف کے سبق کی تیاری فرمائیں گے "آپ کے مسائل اور ان کا حل" لکھوائیں گے، بینات کی کاپی کے بارے میں پوچھیں گے اور "تحفہ قادیانیت" جلد چہارم، "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" اور "شخصیات و تاثرات" جلد دوم کے بارہ میں استفسار فرمائیں گے۔

لیکن افسوس کہ یہ محض ظن و تخمین اور وہم و خیال ثابت ہوئے، آنکھوں کے مشاہدہ اور اپنے ہاتھوں آپؒ کی تکفین و تدفین نے اس خیالی شیش محل کو چکنا چور کر دیا کہ حضرت اب ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

اگرچہ اس پر ایک گونا اطمینان ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ ہمارے حضرتؒ کو شہادت کی آرزو تھی، اس کے لئے انہوں نے دعائیں کیں، ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور انہیں ان کی آرزو مل گئی، اور وہ حیات جاوداں پا کر جنت کی نعمتوں سے شاد کام ہو گئے، انشاء اللہ اب آپ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے، اپنے اکابر اساتذہ اور اہل جنت اور مجلس شہدا میں محو گفتگو ہوں گے، اور اپنے رب سے دوبارہ دنیا میں آنے اور راہ وفا میں جان نچھاور کرنے کی تمنا کرتے ہوں گے، بلاشبہ اب آپؒ اپنے خادم شہید عبدالرحمٰنؒ کے ہمراہ عرش الٰہی کے سایہ میں خوش خرام ہوں گے۔

اگر صدمہ ہے تو اس پر کہ ہم حضرت کے انفاس طیبات سے، ان کی شفقت و محبت سے اور امت آپ کی دعاؤں سے محروم ہوگئی، اور ایک سراپا خیر شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ گئی، اسی لئے جامعہ علوم اسلامیہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب چلے گئے، دار الحدیث کے در و دیوار اداس ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے روحانی فرزند اور حکیم العصر کی سحر آفرین آواز بند ہوگئی، مجلس تحفظ ختم نبوت نوحہ کناں ہے کہ امیرِ شریعتؒ کا جانشین اٹھ گیا، گھر گھر ماتم ہے کہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی شکل میں ہماری دہلیز پر مسائل کا حل بتلانے والا فقیہہ دوراں نہ رہا، اقرأ روضۃ الاطفال اور لاکھوں مدارس ماتم کناں ہیں کہ ہمارا سرپرست نہ رہا، دینی تحریکات دم بخود ہیں کہ ہمارا محسن اٹھ گیا، اہل حق حیران ہیں کہ ان کی ڈھال ٹوٹ گئی اور زنادقہ و ملاحدہ کا تعاقب کرنے والا مرد درویش چلا گیا۔ غرض عوام و خواص، عالم و جاہل، بڑے اور چھوٹے سب ہی اپنی اپنی جگہ اس نابغہ روزگار ہستی اور عبقری شخصیت کی جدائی اور فراق کے صدمہ سے نڈھال ہیں۔ کسی کو کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور نفسا نفسی کے بحر بے کنار میں اس کی کشتی ساحل مراد تک کیسے پہنچ سکے گی؟ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنے رنج و غم اور درد والم کی داستان کسے اور کیسے سنائے؟ اور اس کے دل مجروح پر شفقت و محبت کی مرہم کون رکھے گا؟

فیاض ازل نے حضرت اقدس مرشد العلماً مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جن کمالات و فضائل اور خصوصیات و مزایا سے نوازا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسے کوتاہ عقل و فہم تو ان کے ادراک و شعور سے بھی قاصر ہیں، آپ بیک وقت بہترین حافظ و قاری، لائق و فائق عظیم محقق و مصنف، بلند پایہ محدث، اعلیٰ درجہ کے انشأ پرداز، طرح دار ادیب، بے مثال اور کامیاب مدرس اور مسند اصلاح و ارشاد کے قطب الاقطاب تھے۔ آپ تقریر و تحریر اور تصنیف و تالیف کے امام تھے، دور حاضر کے ملاحدہ اور زنادقہ کے خلاف قلم اٹھاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی روح عود کر آئی ہے، اصلاح و ارشاد کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو لگتا کہ غزالیؒ و رازیؒ پھر سے زندہ ہوگئے ہیں، فقہ و فتویٰ کے میدان میں لب کشا ہوتے تو ابو حنیفہؒ کی فقاہت کے شارح نظر آتے، تقویٰ و طہارت، زہد و استغناٗ، قناعت و توکل، ایثار و قربانی اور عفو و درگزر وغیرہ ملکوتی صفات کے اعتبار سے آپ اس دور کے نہیں خیر القرون کے آدمی معلوم ہوتے۔ غرض ہمارے پاس نہ تو

مناسب الفاظ و تعبیرات ہیں کہ ہم حضرتؒ کی خوبیوں کو بیان کر سکیں اور نہ ہی قلم و قرطاس میں یارا ہے کہ آپ کے محاسن و کمالات کو بیان کیا جاسکے، آپ کے اخلاص، للّٰہیت، بے لوثی، بے غرضی، بے نفسی اور فروتنی اور خمول و گوشہ نشینی نے آپ کو عنداللہ محبوب و مقبول اور مسلمانوں کی دلوں کی دھڑکن بنادیا تھا، سچ پوچھیے تو حضرت کی ایک ایک ادا اپنے اندر "بسیار شیوہ ہائے بتاں" رکھتی تھی۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے موقع پر اظہار افسوس و غم کے لئے احباب و عقیدت مندوں، تلامذہ اور اکابر و مشائخ نے مختلف انداز و اسلوب اختیار فرمائے ہوں گے مگر سخن سازی اور تصنع سے عاری اگر کوئی خراج عقیدت کا انداز ہے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ ہے جو انہوں نے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین اطہر کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ :"طبت حياً و ميتاً" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور موت بھی پاکیزہ)۔بلاشبہ آج یہ جملہ ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتی، آپؐ کے عاشق صادق، پاسبان ناموس رسالتؐ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر ہر طرح صادق آتا ہے، اس لئے کہ آپ نے کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری، مقبولیت عامہ کا سنہری تاج تادم آخر آپ کے سر پر سجارہا، آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سنت سے عبارت تھا، ذکر و شغل آپ کی حیات و روح تھی، اصلاح و ارشاد، وعظ و نصیحت آپ کا امتیاز، درس و تدریس آپ کی مشغولیت، احقاق حق اور تردید باطل آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ آپ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا مگر عجب و نخوت اور کبر و غرور کبھی پاس سے نہیں گزرے، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب پاک و ہند اور یورپ و امریکہ تک آپ کی علمی اور روحانی شخصیت کا ڈنکا تھا مگر مجال ہے کہ اس سے کوڑی برابر دنیاوی مفاد حاصل کیا ہو۔

دوسری طرف جب موت آئی تو منہ مانگی اور زندگی بھر کے مناجات مقبول کے معمول "اللهم بارك لي في الموت وفي ما بعد الموت" کی تعبیر فوراً سامنے آگئی کہ چار دن قبل شہادت کی دعا مانگی تھی۔ کسے خیال تھا کہ وہ اس قدر آسانی اور جلدی سے قبول ہو جائے گی؟ آپ نے رات بھر کے معمولات پورے کئے، صبح نماز کے بعد ذکر و تلاوت اور اشراق کا معمول بھی ناغہ نہیں ہوا، بارگاہ عالی میں حاضری کے لئے غسل کیا، نیا جوڑا زیب تن کیا، خوشبو لگائی، تسبیح ہاتھ میں

لی، زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا کہ قدرت کی جانب سے بلاوا آگیا اور اللہ اللہ کرتے شہادت کی خلعت فاخرہ سے سر فراز ہو گئے۔ اس پر بھی بس نہیں، قدرت نے اس بہشتی دولہے کی خود حنابندی فرمائی اور ستر سال کے اس بہشتی جوان کو گل ولالہ کی بجائے شہادت کے لہو کا گلوبند پہنایا گیا۔

اسے قدرت الٰہی کا کرشمہ کہئے یا حضرتؒ کی محبوبیت عنداللہ کا راز: کہ آپؒ کی "حنابندی" میں تکوینی طور پر اس کا بھی خیال رکھا گیا کہ غازۂ حسن ملتے ہوئے آپؒ کی داڑھی مبارک کو تو خون سے رنگین کیا گیا، مگر آپ کے رخ زیبا پر اس کا کوئی نشان نہ آنے دیا گیا، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ انور پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں آنے دیا گیا، کہ کہیں آپؒ کے حسن و محبوبیت میں فرق نہ آجائے۔

سچ ہے کہ: "من احب لقاء الله احب الله لقائه" کے مصداق جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ یہ لقاء الٰہی کی محویت ہی تھی کہ سفاک قاتلوں نے آپ کے جاں نثار رفیق اور ڈرائیور عبدالرحمٰن پر فائرنگ کی، پھر ان درندوں نے یکے بعد دیگرے چار گولیاں آپ کے نحیف و نزار جسم میں پیوست کرتے ہوئے آپؒ کو شہید کردیا۔ مگر آپؒ کے چہرہ انور پر ذرہ بھر کسی وحشت و دہشت کے آثار نہیں تھے بلکہ نہایت ہشاش بشاش اور مسکراتے چہرے کے ساتھ جام شہادت نوش فرما کر ارشاد الٰہی: "یاایتها النفس المطمئنه ارجعی الی ربك راضية مرضيه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" (پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں، اور داخل ہو میری بہشت میں) کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

شہید اسلام حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن کمالات و خصائص اور مآثر و فضائل سے نوازا تھا ان کا احاطہ کرنا مجھ ایسے کسی کوتاہ قلم انسان کے بس میں نہیں، بلاشبہ حضرت اقدسؒ اپنی ذات میں انجمن تھے، اور ارشاد الٰہی: "ان ابراهيم كان امة" (ابراہیم علیہ السلام امت تھے) کے مصداق آپ کی شخصیت ایک فرد کی بجائے پوری جماعت سے عبارت تھی، آپ کی علمی خدمات کو دیکھا جائے تو یقین نہیں آتا کہ یہ کسی فرد واحد کا کام ہو سکتا ہے؟

آپ کا سب سے اہم کمال یہ تھا کہ آپ جہاں اعداءِ اسلام کے لئے تیغِ براں تھے وہاں اپنوں کے معاملہ میں "رحماً بينهم" کی سچی تصویر تھے، آپ عصبی، گروہی اختلافات اور معاصرتی چشمک

سے بالکل الگ تھلگ، ریا دکھلاوے سے دور اور نمود و نمائش سے متنفر تھے، گوشہ نشینی آپ کا اختصاص و امتیاز تھا، آپؒ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے بالکل قائل نہ تھے اور نہ ہی اپنے بارہ میں کسی تعریف و توصیف کے روادار تھے۔

آپ کی دینی خدمات اور کارناموں پر جہاں لاکھوں عقیدت مند آپ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے اور تعریف و توصیف کے گلہائے عقیدت نچھاور کرتے، وہاں دشمنان اسلام کو آپ کا احقاق حق ناپسند تھا اور وہ آپ کو گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے، مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرماتے کہ عقیدت مندوں کی تعریف و توصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، تو بحمد اللہ وہ ان سے صاف ہو جاتی ہے۔

ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے کسی بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ: کیا مولانا محمد یوسف لدھیانوی باقاعدہ مفتی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ: ”وہ نہ باقاعدہ مفتی ہیں اور نہ بے قاعدہ“۔ اس معاصرتی فقرہ سے کسی ناگواری کے بجائے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”ہاں بھائی وہ صحیح فرماتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں اور نہ بے قاعدہ“۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آپ کے کسی فتویٰ کے مقابلہ میں اہل حق کے کسی دوسرے دار الافتاء کا فتویٰ لاتا تو فرماتے: ”بھائی میری تحریر کی بجائے آپ اس دوسرے فتویٰ پر عمل کریں۔“

آپ کا ایک کمال یہ تھا کہ ان سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کا سب سے زیادہ تعلق مجھ سے ہے، اس طرح پاکستان بھر کی تمام دینی اور مذہبی جماعتیں، ان کے اکابر و کارکن سمجھتے کہ حضرت ہمارے سرپرست ہیں، سچ یہ ہے کہ آپ ہر ایک کے محبوب و مقبول میر کارواں تھے۔

حضرت کی شہادت کی خبر سنتے ہی پورا کراچی بلکہ پورا پاکستان غم واندوہ میں ڈوب گیا اور آناً فاناً بازار بند ہوگئے، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، اندرون و بیرون ملک سے لوگ دیوانہ وار اپنے محبوب قائد اور مشفق و مربی شیخ کے آخری دیدار اور ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے آنا شروع ہوگئے، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فلاح اور اس کے آس پاس کا علاقہ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے بھر گیا۔ ہر شخص اشک بار تھا اور ہر دل رنجیدہ تھا، اپنے بھی غم واندوہ کی تصویر تھے اور پرائے بھی اس سے متاثر تھے۔ صبح گیارہ بجے ہی سے حضرت کے جسد خاکی کو حضرت کے قائم کردہ دار العلوم زکریا الخیریہ میں رکھ دیا گیا۔

عشا تک عشاق نے لائن لگا کر اپنے اس محبوب قائد کے رخ زیبا کی زیارت کی۔ حسب پروگرام عشا کی نماز کے بعد اس بے تاج بادشاہ اور دلوں پر حکمرانی کرنے والے شہید اور امت مسلمہ کے عظیم محسن و مربی کے جسد خاکی کو ایک کھلے ٹرک میں رکھ کر جلوس کی شکل میں بنوری ٹاؤن لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والے جلوس میں بلا مبالغہ ہزاروں کاریں، بسیں اور لاکھوں موٹر سائیکلیں تھیں، اخباری رپورٹ کے مطابق سات لاکھ پروانوں پر مشتمل دس میل لمبا یہ جلوس عائشہ منزل، کریم آباد، لالو کھیت اور تین ہٹی کے راستہ سے ہوتا ہوا تقریباً ایک گھنٹہ میں بنوری ٹاؤن پہنچا، یہاں پہنچ کر منظر اور بھی حیران کن تھا کہ مسجد و مدرسہ اور ان کی چھتوں، دکانوں، مکانوں، سڑکوں اور گلیوں میں بنائی گئی صفوں کے علاوہ مسجد کی مغربی جانب بلا مبالغہ لاکھوں کا مجمع تھا جو اپنے محبوب کے جسد خاکی کو ایک بار کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ ان میں سے ہزاروں افراد ایسے تھے جو آخری دیدار سے باریاب نہیں ہو سکے تھے، ان کا خیال تھا کہ انہیں زیارت کرائی جائے، دوسری جانب اندیشہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ جنازہ اور تدفین میں تاخیر ہو جائے گی بلکہ اس کے لئے ایک رات کیا کئی راتیں بھی ناکافی ہوں گی۔ مسجد کے گیٹ تک جنازہ لانے کے لئے جس قدر مشقت اٹھانا پڑی وہ ایک طویل داستان ہے۔ بالآخر ٹرک گیٹ کے سامنے کھڑا کر کے حضرت شہید کے جسد خاکی کو اتارا گیا اور خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر اسی طرح دوبارہ آپ کے جسد مبارک کو ٹرک پر رکھا گیا اور فوراً آخری قیام گاہ کی طرف جلوس جنازہ روانہ ہو گیا۔ مقامی انتظامیہ نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں تعاون نہیں کیا بلکہ اس نے جنازہ کے جلوس میں متعدد بار اشک آور گیس کے گولے برسا کر مسلمانوں کے دلوں پر نمک پاشی کی۔ اگر اکابر علماً اور جامعہ علوم اسلامیہ کے حضرات بروقت عوام کو صبر و سکون کی تلقین نہ کرتے تو مزید بہت بڑے فساد کا اندیشہ تھا۔

بہر حال عشاق کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جلوسِ جنازہ کی شکل میں تقریباً رات ساڑھے بارہ بجے مسجد خاتم النبیین پوسٹ آفس کالونی ابو الحسن اصفہانی روڈ پہنچا، سب سے پہلے حضرت کے وفادار خادم اور ڈرائیور عبد الرحمٰن شہیدؒ کی تدفین کی گئی اور اس کے بعد بے حد اصرار پر وہاں موجود پروانوں کو حضرتؒ کا آخری دیدار کرایا گیا اور بالآخر تقریباً رات ایک بجے اس علم و فضل کے تاجدار کو جامع مسجد خاتم النبیین کے پہلو میں سپرد خاک کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے عشاق کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔

حضرتؒ کی شہادت اور آپ پر وار دراصل علم و عمل، زہد و تقویٰ اور شرافت و نجابت پر وار اور اس کا قتل ہے، حکومت کا فرض ہے کہ اس عظیم سانحہ پر فوری طور پر اس گھناؤنی سازش کو بے نقاب کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرتؒ کو اپنی بارگاہ عالی سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے ساتھ رضا و رضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرتؒ کے متعلقین اور خدام کو اپنے شیخ کے چھوڑے ہوئے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ قارئین "بینات" اور حضرتؒ کے متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ حضرتؒ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

☆

......عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر اول امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ ہے (سب کہو اللہ ان کی قبر کو منور کرے اور میرے تمام بھائی جو پوری دنیا میں ختم نبوت کا کام کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو منور کرے) اور اپنی رحمتوں کی بارشیں برسائے۔ منیر انکوائری کمیشن میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بیان قلمبند کرا رہے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ مرزا کافر ہے۔ منیر انکوائری عدالت میں یہ بات فرمائی، اور ساتھ یہ کہا کہ فلاں فلاں آدمیوں کو دعوائے نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا، تو منیر پوچھتا ہے کہ اگر غلام احمد قادیانی تمہارے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو اسے قتل کر دیتے؟ حضرت شاہ جیؒ نے جواباً فرمایا کہ میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے!" جب شاہ جیؒ نے یہ کہا تو پوری عدالت نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی۔ منیر کہتا ہے "توہین عدالت!" یعنی اس سے عدالت کی توہین ہوتی ہے، تو شاہ جیؒ فرمانے لگے "توہین رسالت" یعنی جس طرح تم عدالت کی توہین قبول نہیں کر سکتے اسی طرح عطاء اللہ شاہ بخاری رسالت کی توہین کو قبول نہیں کر سکتا"۔ وہ چپ ہو گیا اور آگے جواب نہیں دے سکا......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر کہ مارا یار نبوَد ایزد اُورا یار باد
وانکہ مارنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ اُو خاری نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گُلی کز باغِ عُمرش بشگفد بی خار باد

بپاسِ خاطر حضرۃ مخدومی مولانا محمد یُوسف لدھیانوی زید مجدہم

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ

۷ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء

حیاتِ مستعار

کی ایک جھلک

مولانا مفتی محمد جمیل خان

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:

سفر افغانستان کی برکتوں اور رحمتوں کے مشاہدہ کے بعد شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ پر شہادت کی ایک دھن سی سوار ہوگئی تھی اور تعلق مع اللہ کی ایک خاص کیفیت سے آپ سرشار نظر آتے۔ ایک ایسی روحانی مسکراہٹ ہر وقت آپ کے چہرے پر رہتی کہ پوری مسجد کے نمازی اور آپ سے ملنے والا ہر فرد اس کی روحانیت کا مشاہدہ کرتا۔ صاحب دل اور ارباب باطن تو آپ کی اس کیفیت کو کوئی اور رنگ دیتے، مگر ہم جیسے کور باطن کس طرح وہاں پہنچ سکتے تھے جہاں خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں "آیت تکمیل دین" اور سورۂ نصر کے نزول کے وقت پہنچ گئی تھیں۔ آپ سراپا اس کیفیت کے مظہر بن گئے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

آپ کی شہادت سے تین دن قبل میں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ آپ کے گلشن اقرأ کی شاخوں کا جال ظلمت کدہ گلگت میں پھیلا کر آغاخانیوں کی گمراہی اور ضلالت کے سیلاب کے آگے بند باندھا دیا جائے اور آپ نے جو روحانی سلسلہ گلگت کی سرزمین میں اس پیرانہ سالی میں شروع فرمایا ہے اس کی آبیاری کی جائے۔ حضرت شہیدؒ نے بہت بشاشت اور دعاؤں کے ساتھ اجازت دے کر مجھے رخصت کیا تو میں ایک عزم اور ولولہ اور ہمت کے ساتھ روانہ ہوا۔ ۱۸/ مئی ایک بجے ڈی سی "کا کوچ" کے ذریعہ وہ المناک اور

وحشتناک خبر سنی، جس نے میری دنیا کو اندھیر کر دیا، اور عزم و حوصلے شکستہ اور پست کر دیئے۔ ولولے اور جذبات سرد پڑ چکے ہیں۔ رنگینی دنیا بے مزہ ہو چکی ہے اور دینی کاموں میں بے کیفی کی سی کیفیت ہے۔ بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے کہ: قدرت کی بے نیازی اور شان استغنا کے قربان جایئے، سفر و حضر، جیل ریل کے تلمیذ خاص شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی تو شیخ الہند کے جنازہ میں شریک نہیں اور میں کہ زندگی میں دو چار بار زیارت سے مستفید ہوا، جنازہ میں شرکت کیلئے غیر ارادی طور پر پہنچ گیا۔ "واہ نیرنگی قدرت تجھ پر قربان" گلگت سے پہنچنا ناممکن تھا۔ مولانا سعید احمد جلال پوری، حافظ عبدالقیوم نعمانی، مولانا محمد طیب لدھیانوی، بھائی حافظ محمد سعید لدھیانوی، مفتی منیر احمد اخون، مجروح عزیز مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی، مفتی خالد محمود، عبدالرزاق خان، مفتی مزمل حسین کاپڑیا، محمد وسیم غزالی، مولانا نذیر احمد تونسوی، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی، محمد انور رانا، حاجی شاہنواز، قاری ہلال احمد ربانی اور دیگر مریدین و متعلقین کی عظمت کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اس عظیم حادثہ پر جس صبر و تحمل، تدبر و تفکر اور اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا، وہ قابل تحسین ہے۔

حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی اس کوشش میں رہے کہ آپ شہرت سے دور رہیں اور کوئی آپ کو نہ پہچانے۔ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شانِ فنا کی نسبت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور بقول حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: "تصوف نام ہے اپنے آپ کو مٹا دینا"۔ حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی ساری زندگی اس فلسفہ کی تصویر بننے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دفعہ جدہ ایئرپورٹ پر فرمایا: "دل چاہتا ہے کہ مجھے کوئی نہ جانے، نہ کوئی حضرت کہے، نہ بڑا سمجھے، اتنے میں پی آئی اے کا ایک افسر آیا اور دو فرسٹ کلاس کے بورڈنگ کارڈ دے گیا کہ ایک آپ کیلئے اور ایک کسی اور بزرگ کو آپ مرحمت فرما دیں۔ حضرت نے فرمایا دیکھو میں کیا سوچ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں۔" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس خواہش کے مقابلہ میں رب کائنات اپنے فضل کا معاملہ فرماتے ہیں اور آپ شہید ہوتے ہیں تو عالم اسلام آپ کی شہادت پر ناز کرتا ہوا آپ کی جدائی پر افسردہ ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ پہلی خبر کے طور پر شہ سرخی کے ساتھ یہ خبر نشر کرتے ہیں کہ: "حضرت اقدس

مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو جامع مسجد فلاح کے قریب دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔"اس خبر کے نشر ہوتے ہی پوری دنیا کے کروڑوں مسلمان اشکبار ہو کر اپنے شہید فرزند اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج تک کوئی ایسا مسلمان میری نگاہ سے نہیں گزرا، جس نے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر سنی ہو اور اس نے آپ کو خراج عقیدت پیش نہ کیا ہو۔ مجھے کوئی آنکھ ایسی نہیں ملی جو اس خبر پر پُرنم نہ ہوئی ہو۔ اخبارات کی زینت بننے سے راہ فرار اختیار کرنے والے مولانا محمد یوسف لدھیانوی ایک دن نہیں کئی دن تک اخبارات کے صفحہ اول کی زینت بنتے رہے، لیکن اس میں بھی (میں اپنے حضرت کی کرامت پر قربان جاؤں) نہ شرعی حدود سے آپ کی شہادت کی خبریں متجاوز ہوئیں اور نہ ہی آپ کے متوسلین نے آپ کے بعد ان خبروں میں شرعی حدود سے تجاوز کیا۔ تصاویر سے پاک یہ مقدس ماحول حضرت شہیدؒ کی ولایت کی گواہی دیتا رہا۔ صدر پاکستان سے لے کر جنرل مشرف، اور ایک ادنیٰ وزیر و سفیر کوئی تعزیت سے پیچھے نہیں رہا مگر حضرت رحمۃ اللہ کی برکت کہ کسی کی ایک تصویر تک اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔ رفیق محترم مولانا سعید احمد جلال پوری نے حکم دیا کہ بینات کے خصوصی نمبر کے لئے ایک مضمون تحریر کرو، مگر شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جو انہوں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر تحریر فرمایا کہ احباب کا تقاضہ ہے کہ پرچہ میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرتؒ پر کچھ لکھوں، مگر یہ ناکارہ دل کے شکستہ پارے جمع کرنے میں مصروف تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا لکھوں۔ بالآخر چاروناچار دل پر جبر کر کے چند بے ربط باتیں لکھ دیں۔ حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تو بہت اونچے درجے پر فائز اولوالعزم شخصیت تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر ان کی یہ کیفیت ہے تو ہم جیسے بے بضاعت اور ناکارہ لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ جن کی متاع عزیز اور متاع دل ہی حضرت تھے۔ اس لئے کئی دن تک بندش قلم کی کیفیت رہی کہ کیا لکھوں؟ اور کیسے لکھوں؟ تذبذب کی اسی کیفیت میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون جو انہوں نے حضرت اقدس محدث العصر عاشق رسول مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ابتدائی طور پر تحریر فرمایا تھا نظر سے گزرا تو ایسا معلوم ہوا کہ شہید اسلام مولانا محمد

یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم مبارک سے اپنے لئے ہماری ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اپنے شیخ و مرشد اور مربی حضرت شہید ہی کے بابرکت کلمات کے ذریعہ آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مضمون کا آغاز کیا جائے:

۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کا دن پاکستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گداز المیہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ اقلیم علم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللہی سلسلہ کا امین، قاسمی حکمت کا رازدان، بنوری علوم و معارف کا وارث، علم و معرفت کا بحر مواج، اسرار شریعت کا نکتہ رس، شجرۂ علم کا گل سرسبد، چوہدری اللہ بخش کا لخت جگر، شیخ بنوری کی آنکھ کا تارا، لدھیانوی خانوادہ کا چشم و چراغ، دودمان نبوت کا چاند اور سیادت و قیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہوگیا۔ ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف لدھیانوی شہید کردیئے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موت کوئی اچنبھا چیز نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے۔ یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا ہی جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا، جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے:

له ملك ينادى كل يوم
لدوا للموت وابنوا للخراب

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ روزانہ یہ اعلان کرتا ہے
کہ بچے پیدا کر موت کے لئے، اور عمارتیں بناؤ خراب ہونے کے لئے۔"

موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اور اپنے وقت پر سب ہی گئے اور سب ہی کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے، قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی کاکل و گیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل و لالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس و درماندہ افراد ان کے سایہ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا پر ضوفشانی

کرتے ہیں، خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے ہیں۔ ان کے آئینہ رخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے (اذا رؤوا ذکر اللہ)، ان کی دید دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے، ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت و وقار پرا باندھے پہرہ دیتے ہیں، بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔ دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے۔ ہمارے شیخؒ چلے گئے، لیکن آہ! ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے۔ آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے استاد حدیث چپکے سے چلے گئے، دارالحدیث کے در و دیوار پکار رہے ہیں کہ شیخ لدھیانوی کے لحن میں قال اللہ و قال رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو سحر آفریں آواز آتی تھی، بند ہو گئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اپنی یتیمی پر نوحہ کناں ہے کہ اس کے نائب امیر و ترجمان بچھڑ گئے۔ اقرأ روضۃ الاطفال کے گھر گھر ماتم ہے کہ اس کے بانی و مدیر رخصت ہو گئے، جامع مسجد فلاح پر سکوت مرگ طاری ہے کہ اس کے روح رواں چلے گئے، اہل قلوب مضطرب ہیں کہ: ”جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے“۔

اہل نظر تصویر حیرت ہیں کہ متاع دین و دانش لٹ گئی، علماً مبہوت ہیں کہ علم و فقاہت کی بساط الٹ گئی، دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت و سیادت کی مسند خالی ہو گئی، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی، یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق و مربی اٹھ گیا، عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہو گئی۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شیئی عندہ باجل مسمی۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو اس قدر ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا اور اتنی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا کہ نہ تو ان کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے نہ ان کے لئے مناسب الفاظ و تعبیرات مل سکتی ہیں۔ عام لوگ انہیں اخباری اصطلاح میں بس ایک ”ممتاز عالم دین“ اور ”عظیم راہنمائے ملت“ کی حیثیت سے جانتے تھے، اسلامی دنیا ان کی فصاحت و بلاغت اور وسعت

معلومات کا لوہا مانتی تھی، اہل علم ان کے فضل و کمال ان کے تدین و تقویٰ، ان کے اخلاص و عزیمت اور ان کی شہامت و نجابت کے معترف تھے، حکام ان کی حمیت و غیرت، ان کی جرأت و استقامت اور ان کی حق گوئی و بے باکی سے خائف تھے، اہل زیغ، ملاحدہ و زنادقہ ان کی ضرب ید اللّٰہی سے لرزاں تھے، طلبہ ان کے حدیثی و تفسیری، فقہی و کلامی معارف و افادات پر سر دھنتے تھے، احباب ان کے حسن صورت، حسن سیرت، حسن مصاحبت، حسن معاشرت، حسن تکلم، حسن تبسم پر گرویدہ تھے، مگر سچی بات یہ ہے کہ:

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

حضرت قدس سرہ کی ایک ایک ادا اپنے اندر "بسیار شیوہ ہا" رکھتی تھی، ان کی ایک ایک جنبش لب بجلیاں گراتی تھی، ان کا ایک ایک نقش پا جادۂ استقامت کی نشاندہی کرتا تھا:

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم

حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل و فہیم تھے، ذکی و لبیب تھے، عابد و زاہد تھے، متقی و پرہیز گار تھے، جری و بہادر تھے، نڈر و حق گو تھے، فیاض اور سخی تھے۔ انہیں جو کچھ ملا تھا موہبت خداوندی سے ملا تھا اور ان کے تنہا وجود میں اس قدر فوق العادت اوصاف و کمالات قدرت نے جمع کر دیئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کر دیئے جائیں تو محاسن سے مالا مال ہو جائے۔

حضرت شیخؒ کو حق تعالیٰ نے عبدیت و محبوبیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث: "ثم یوضع له القبول فی الارض" کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیہ آسمانی تھا۔ وہ ہر محفل میں "چراغ محفل" ہوتے، خواہ یہ محفل بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی، طلباً کی یا دانشوروں کی، عربوں کی یا عجمیوں کی، احباب کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے۔

انہیں بڑے قد آور بادشاہوں اور سربراہان مملکت سے لے کر ادنیٰ ادنیٰ لوگوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک سے باتیں کرتے دیکھا، مگر ان کی صولت و شوکت، ان کی زیبائی و رعنائی، ان کے حسن و جمال، ان کے جاہ و جلال، ان کے حلم و وقار کا رنگ ہر جگہ یکساں نظر آیا۔ ان کی محبوبیت ہر جگہ نمایاں جھلکتی نظر آئی۔ انہیں اپنے اللہ پر بڑا اعتماد تھا، بڑا ناز تھا۔ یقین و توکل ایسا تھا گویا وہ لوح

محفوظ سے ابھی ابھی پروانہ لے کر آئے ہیں۔ انہیں اسباب ووسائل کی پرواہ نہیں تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے اور خدا کے بھروسے پر کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہ کا یہ فقرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہوگا کہ: ”زمین وآسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اگر ہم اخلاص کے ساتھ اس کے دین کا کام کریں تو اس کے خزانوں میں کیا کمی ہے ؟“

وہ جس کام کا ارادہ کرتے اس کے لئے استخارے کرتے، دعائیں کرتے، غلاف کعبہ پکڑ کر گڑگڑاتے، روضہ رسولؐ کی جالیوں کے سامنے حق تعالیٰ سے التجائیں کرتے، اہل قلوب سے دعائیں کراتے، معاملہ فہم مخلصین سے مشورے کرتے، ان دعاؤں اور استخاروں کا سلسلہ بسااوقات مہینوں تک چلتا، اور جب پوری طرح اطمینان ہو جاتا کہ اس میں نفسانی خواہش کا کوئی شائبہ نہیں تو توکل بر خدا اسے شروع کر دیتے، اور پھر نتائج سے بے نیاز ہو کر اس پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتے۔

حضرت قدس سرہ کو نمود و نمائش اور طلب شہرت سے طبعاً نفرت تھی، مال و جاہ کے مریض کا ان کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا تھا، وہ دینی جماعتوں کی صدارتوں اور امارتوں کے عہدوں سے بہت بلند وبالا تھے، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عہدہ بھی ان کے شرف و مجد میں اضافہ نہیں کرتا تھا، بلکہ خود ان عہدوں کا آپ کے وجود سے مشرف ہونا ان کے لئے مایہ صد افتخار تھا، وہ کسی عہدے کے خواستگار نہیں، بلکہ عہدے ان کے متلاشی تھے، ۱۹۹۲ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی نائب امارت کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنی منتوں سماجتوں، کتنے استخاروں، دعاؤں اور مشوروں کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرمایا:

”حضرتؒ کے اخلاص وللّٰہیت، بے لوثی وبے غرضی اور بے نفسی و فروتنی کا ثمرہ تھا کہ یہ بے تاج بادشاہ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اٹھایا، جس قدر اپنی پستی و فروتنی کا اقرار کیا حق تعالیٰ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ سچ ہے: ”من تواضع لله رفعه الله“۔ فوق العادت اخلاص و تواضع کے ساتھ ساتھ آپ کی خودداری واستغنا کی شان بھی نرالی تھی۔“

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ معروف معنوں میں علمی خاندان

سے تعلق نہیں رکھتے تھے اس لئے آپ کے علمی وقار اور دینی شہرت کا تعلق اور محور آپ کی ذات گرامی کے گرد گھومتا ہے۔ گویا آپ کی علمی تحقیق و تدقیق آپ کی ذاتی محنت و جستجو کی مرہون منت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور قبولیت عنداللہ کی بنا پر تھی۔ آپ اپنے خاندانی حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :

"مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حد فاصل کا کام دیتا تھا۔ ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی "عیسیٰ پور" کے نام سے آباد تھی جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی۔ یہ مصنف کا آبائی وطن تھا"۔

گویا حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت میں کسی علاقے یا خطہ کا دخل نہ تھا بلکہ یہ عطیہ خداوندی اور آپ کی خداداد صلاحیت اور آپ کی علمی لگن اور عملی زندگی میں محنت و جستجو اور انابت الی اللہ کا ثمرہ تھا۔ تاریخ ولادت قطعی اور یقینی طور پر کہیں لکھی ہوئی نہیں تھی کیونکہ اس زمانہ میں اس کا دستور نہ تھا۔ اندازے سے فرمایا کرتے تھے کہ ۱۳۵۱ ہجری اور ۱۹۳۲ عیسوی تھا۔ والدۂ ماجدہ کی شفقت مادری سے آپ شیر خوارگی میں ہی محروم ہو گئے تھے اور اس کا قلق اور صدمہ آپ کو زندگی بھر رہا۔ اکثر آغوش مادر کا تذکرہ بہت زیادہ حسرت سے فرماتے لیکن اس کے ساتھ والد محترم کی شفقت کے دونوں پہلوؤں کا تذکرہ بہت ہی اچھے انداز سے فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے میری اس مولویت اور تصلب فی الدین میں والد محترم کی تربیت کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بھی اکثر سنایا کرتے تھے کہ والد محترم سال میں ایک دفعہ درزی گھر بلوا کر سب گھر والوں کے کپڑے بنوایا کرتے۔ ایک دفعہ میں مدرسہ سے چھٹیوں پر گھر آیا تو خاندانی درزی کپڑے سینے کیلئے آیا ہوا تھا۔ میں نے شہر میں نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے دیکھے تھے۔ میں نے اس خاندانی درزی سے کہا کہ میری قمیض کی آستین کف والی بنا دینا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ قبلہ والد صاحب تشریف لائے تو اس نے تذکرہ کر دیا۔ میرے شام کو گھر آنے پر والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب بودی بھی بنوا لو۔ بس آپ کا ایک لفظ دل پر ایسا اترا کہ آج تک ان تمام فیشن زدہ چیزوں سے نفرت دل میں بیٹھ گئی۔ آپ کے والد محترم کا نام چوہدری اللہ بخش تھا۔ جن کے حالات حضرت اقدس نے ان کی وفات پر تحریر فرمائے تھے، جس سے والد

محترم کی علو شان کا اندازہ ہو جاتا ہے حضرت نے اپنے والد ماجد کے حالات زندگی لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

”حضرت والد مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی سعادتوں سے نوازا تھا۔ عقل و دانش، فہم و فراست، صلاح و تقویٰ، اخلاص و ایثار، اخلاق و مروت، مہمان نوازی، غریب پروری، کرم گستری اور خلق خدا کی نفع رسانی کی بنا پر بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے پیری تک وہ اپنے حلقہ تعارف میں محبوب و معظم رہے۔

حضرت والد مرحوم نے اپنی حیات مستعار کا آغاز نہایت بے کسی و کسمپرسی اور ناتوانی کی حالت میں کیا تھا، بساط حیات پر ابھی قدم نہ رکھا تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور عین شیر خوارگی کی حالت میں آغوش مادر چھن گئی، عالم اسباب میں اس یتیم کا سوائے دہ سالہ ہمشیرہ کے کوئی کفیل نہ تھا۔ نہ کوئی تایا، نہ چچا، نہ کوئی بھائی، نہ ماموں، نہ کوئی خویش و قریب، لیکن مالک کی قدرت کے قربان جائیے کہ یہی نادار اور بے کس یتیم بچہ ابھی اٹھارہ بیس کے سن کو نہیں پہنچا تھا کہ علاقے بھر کی پنچایتی عدالتوں میں اسے ”سرپنچ“ تسلیم کر لیا گیا اور پیچیدہ سے پیچیدہ تنازعات میں اس کے فیصلے قبول کئے جانے لگے۔ اس کا فیصلہ فہم و تدبر اور عقل و دانش کا آئینہ دار ہوتا تھا، جس سے مقدمہ کے دونوں فریق مطمئن ہو جاتے، پورے علاقے میں یہ فیصلے ایسی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے کہ ان کے بعد لوگوں کو کسی معاملہ میں تھانے اور عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

حضرت والد مرحوم کی تعلیم معمولی نوشت و خواند تک محدود تھی، قرآن مجید پرانی وضع پر میاں جی صاحب سے پڑھا تھا، لیکن فطری سلامتی، علو استعداد اور اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کی وجہ سے دینی معلومات میں وہ مجھ جیسے فارغ التحصیل علماء سے بدرجہا فائق تھے۔ کوئی عالم صحیح مسئلہ بیان کرے وہ اس پر اطمینان قلب اور انشراح صدر کا اظہار فرماتے اور اگر کبھی

مسئلہ شرعی کے بیان میں تسامح ہو جاتا تو والد مرحوم کا قلب صافی اسے قبول کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوتا۔ خود راقم الحروف کو اس نوعیت کے کئی واقعات پیش آئے۔ ایسے مواقع پر یہ ناکارہ اپنے احباب سے کہا کرتا تھا کہ بھئی ہمارا علم کتابی واکتسابی ہے۔ کتاب کو صحیح سمجھا تو مسئلہ صحیح بتادیا، غلط سمجھا تو بیان میں بھی غلطی ہوئی لیکن حضرت والد صاحب کا علم کتابی نہیں، بلکہ اہل اللہ کی صحبت سے ان کا آئینہ قلب مجلی ہے، اس لئے کسی غلط مسئلے کو ان کا قلب قبول ہی نہیں کرتا۔

حضرت والد مرحوم کو بچپن سے ہی بدعات سے نفرت تھی، سنت نبویؐ سے عشق تھا۔ دس بارہ برس کی عمر سے تہجد و شب خیزی کی عادت تھی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی آخری نماز بھی تہجد ہوئی۔ ان کی فطرت سلیمہ نے اہل اللہ سے محبت والفت کی طرف رہنمائی کی۔ قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا، اور اوراد و ظائف کے پابند تھے۔ سحری کے وقت ذکر بالجہر کرتے ہوئے قلب پر الااللہ کی ضرب کچھ ایسے انداز سے لگاتے کہ سننے والوں کے دل ہل جاتے۔ اشراق، اوّابین، حزب اعظم، اور تلاوت قرآن مجید تو گویا ان کی غذا بن گئے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تقسیم سے پہلے میرے ایک دوست جو مودودی صاحب سے متاثر تھے، وہ مجھے مودودی صاحب کی کتابیں پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے، اور میں مودودی صاحب کی تحریر سے بہت ہی لطف اندوز ہوتا۔ پاکستان آکر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ پڑھنا شروع کئے۔ اس وقت مجھے حضرت تھانویؒ کے مواعظ کے سوا کسی کی تحریر میں لذت نہیں آتی تھی اور اب تو قرآن مجید کے سوا کسی اور چیز میں لذت نہیں رہی۔ اس ناکارہ نے بارہا دیکھا کہ دور دراز کے سفر سے تھکے ماندے تشریف لائے ہیں، لیکن بجائے آرام واستراحت کے سیدھے مسجد پہنچے اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ ان کی استقامت و رسوخ فی

العبادت کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۸۸ھ میں انہیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ روسیاہ بھی دفع نظر بد کے لئے ساتھ تھا، اپنی تو ممکن ہے کبھی جماعت بھی رہ گئی ہو ورنہ ایک دو رکعتیں تو کئی بار جماعت سے فوت ہوئیں۔ لیکن اس چار ماہ کے طویل سفر میں ملتان واپسی تک حضرت والد مرحوم کی ایک بار بھی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی، حرمین شریفین میں کثرت اژدھام کے باوجود وہ اکثر صف اوّل میں امام کے پیچھے ہوتے تھے۔ ان دنوں پندرہ پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔ سر درد کی شکایت ہوگئی تو اس ناکارہ کے عرض کرنے پر پندرہ کے بجائے دس پارے کر دیئے۔

ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا۔ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی۔ بڑی حسرت کی ساتھ اس ناکارہ کو فرماتے کہ تو خود ہی قرآن کیوں حفظ نہیں کر لیتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والد مرحوم کی تمنا پوری فرمادی، ان کی ترغیب و تحریص اور دعا و برکت سے اس روسیاہ کو بھی کچا پکا یاد ہو گیا اور پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا التزام کیا، جس سے حضرت والد مرحوم کو بہت ہی قلبی راحت نصیب ہوئی۔

حضرت والد ماجدؒ کا قرآن کریم سے شغف بلکہ عشق دراصل ”رائے پوری نسبت“ کا اثر تھا، جو ان کے دادا پیر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے متواتر چلی آرہی ہے، یہ ناکارہ جب بھی رمضان گزارنے کے لئے ان کی خدمت میں اپنے گاؤں جاتا (یہ ان کا حکم تھا کہ تو پورا سال تو مدرسے میں رہتا ہے، کم از کم رمضان المبارک کا مہینہ تو میرے پاس گزارا کر، اور یہ ناکارہ ان کے حکم کی تعمیل میں رمضان المبارک ان کے پاس گزارنے کا التزام کرتا) وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! یہاں گاؤں میں حفظ قرآن کا مدرسہ بناؤ، یہ ناکارہ عرض کرتا کہ گاؤں میں مدرسہ کا کامیاب ہونا مشکل ہوتا ہے، دیہاتیوں کی آپس میں پارٹی بازی چلتی ہے تو

نزلہ مسجد کے مولوی یا مدرسہ کے مدرس پر گراکرتا ہے، ایک سال میں رمضان المبارک کے قریب حاضر ہوا تو جناب والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم نے گاؤں میں مدرسہ شروع کردیا ہے، اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اگر آپ نے شروع کردیا ہے تو اللہ تعالیٰ مبارک کرے، چنانچہ حضرت والد صاحبؒ تاحیات اس مدرسہ کے کفیل رہے۔ کام کا آدمی ملنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے کئی سال کافی پریشانی رہی، بعد میں برادری ہی کے ایک حافظ کو، (جو ماشاء اللہ فارغ التحصیل عالم بھی ہیں اور حضرت اقدس قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کے شاگرد ہیں) اس خدمت پر لگادیا، بحمد اللہ! حضرت والد مرحوم کے حسن اخلاص کی برکت سے یہ مدرسہ تحفیظ القرآن بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور قریباً پچاس بچے قرآن کریم حفظ کرچکے ہیں۔ حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اس مدرسہ کے لئے چندہ نہیں کیا جائے گا اور کوئی شخص اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ والد مرحوم کا یہ صدقہ جاریہ قائم و دائم رکھیں۔ اس ناکارہ نے حضرت والد ماجدؒ کو بارہا دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑے حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں کرتے رہتے تھے، یہ انہی کی دعوات صالحہ اور توجہات عالیہ کا اثر ہے کہ ان کی اولاد بحمد اللہ دین سے وابستہ ہے، کوئی دس پندرہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم خود اپنی اولاد اور دیگر عزیزوں میں دیکھ کر گئے ہیں۔

والد مرحوم دیکھنے میں ایک دنیادار چوہدری تھے، مگر انہوں نے دنیا کے لئے نہ جائیداد بنائی، نہ دکان، نہ مکان۔ جو کچھ بنایا دین کے لئے بنایا۔

انسانی زندگی نشیب و فراز سے عبارت ہے۔ ان کی زندگی کا نصف اوّل بڑی تنگی و عسرت میں گزرا، اور نصف آخر میں حق تعالیٰ شانہ نے رزق کی بڑی فراوانی عطا فرمائی، لیکن ان کے انداز بود و باش میں کبھی فرق نہیں آیا۔ جب ان کے پاس کچھ نہیں تھا وہ تب بھی سفید پوش تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا تب بھی انہوں نے اپنی یا اپنی اولاد کی آسائش کے لئے کچھ

نہیں کیا، بلکہ جو کچھ آتا مہمان نوازی اور غریب پروری کی نظر ہو جاتا تھا۔ وہ فرشتہ نہیں تھے لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ فرشتہ سیرت تھے۔ ان سے غلطیاں و کوتاہیاں بھی ہوتی تھیں۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ "اے اللہ! اگر آپ بخش دیں تو سب کچھ معاف کر سکتے ہیں اور آپ کا ایسا بندہ کون ہے جس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو"۔)

تاہم حضرت والد مرحوم کے حق میں ان کے جاننے والوں کی متفقہ شہادت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، کسی سے زیادتی نہیں کی، کسی کا حق نہیں دبایا، کسی کو نہیں ستایا اور کبھی کسی کو غلط مشورہ نہیں دیا۔ جہاں تک بس چلتا ہر ایک کی خیر خواہی فرماتے، ہر ایک کو مشفقانہ مشورہ دیتے، ہر ایک سے حسن سلوک کی تلقین فرماتے۔ حضرت والد ماجدؒ ایک لطیفہ ہمیشہ سنایا کرتے تھے کہ "ان کے بزرگوں میں ایک صاحب تھے جو اپنے باپ دادے کے کارنامے بڑے مزے سے سنایا کرتے تھے، وہ اتنا کھاتے تھے، اتنا دوڑتے تھے، اتنا بوجھ اٹھا لیا کرتے تھے، اتنے بہادر تھے، اتنے طاقتور، وغیرہ وغیرہ۔ ان صاحب کی داستان سرائی کی تان اس پر ٹوٹا کرتی تھی کہ باپ دادوں کا تذکرہ کر کے آخر میں یہ کہا کرتے کہ سچ پوچھو تو ہم ان کی اولاد ہی نہیں، کیونکہ ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں، کوئی نسبت ہی نہیں"۔ اس ناکارہ کو اس لطیفہ سے ہمیشہ عبرت ہوا کرتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر اپنے اسلاف کے حالات و کمالات کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ ان کی اولاد ہی نہیں۔

حضرت مرحوم ایک عرصہ سے بلڈ پریشر کے مریض تھے، جس سے صحت کافی کمزور ہو گئی تھی۔ رمضان المبارک سے ایک مہینہ قبل ہی مسجد کے نمازیوں سے فرمانے لگے کہ رمضان شریف آرہا ہے، روزہ رکھنے کی ہمت نہیں، اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ رمضان کا بابرکت مہینہ ہو اور میں بغیر روزے کے رہوں، اس لئے آپ حضرات دعا فرمائیں۔ چنانچہ ہر نماز

کے بعد التزام سے یہ دعا کراتے کہ میں روزے رکھ سکوں۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ پورے رمضان کے روزے رکھے، تراویح میں قرآن مجید سنا اور مغرب کے نوافل میں بھی قرآن کریم سنا، اور معمول کے مطابق اعتکاف بھی کیا۔ ماہ مبارک میں ان کی صحت بہت ہی اچھی ہوگئی۔ عید کے ایک ہفتہ بعد ملتان تشریف لے آئے۔ راقم الحروف کی اور چھوٹے بھائی کی رہائش ملتان میں تھی۔ نہایت ہشاش بشاش تھے۔ ۱۸/ شوال کا جمعہ (جو ان کی زندگی کا آخری جمعہ تھا) پڑھا۔ رات کو حسب معمول نماز تہجد کے لئے اٹھے، نماز سے فارغ ہوئے تو مرض کا حملہ ہوا، بے ہوش ہوگئے، علاج معالجہ کی تدابیر کی گئیں، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ منگل کی رات کو ہم لوگ انہیں گاؤں لے گئے۔ بالآخر جمعہ کی شب کو عشاء کی اذان سن کر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور اپنے آقا کا یہ وفادار بندہ اور جادۂ حیات کا یہ تھکا ماندہ مسافر اس جہان والوں کو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا:

صد شکر کہ آپہنچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبت کا کنارہ نظر آیا"

(شخصیات و تاثرات ص ۲۸۵)

اس برگزیدہ ہستی کی تربیت کا ثمرہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شکل میں ہی ملنا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے اس درجہ تک پہنچنے میں قبلہ والد صاحب کی تربیت اور دعاؤں کا بہت زیادہ دخل ہے۔ آپ میری ایک ایک چیز پر نگاہ رکھتے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ محترمہ شیر خوارگی میں آپ کو داغ مفارقت دے چکی تھیں اس لئے اکثر آپ شفقت مادر سے محرومی کا تذکرہ فرماتے۔ خاندانی ذرائع کے مطابق حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ محترمہ بہت عابدہ، زاہدہ تھیں، پورے خاندان میں آپ کی نیکی اور پارسائی کا تذکرہ تھا۔ معمولات کی پابند اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والی نیک سیرت خاتون کے خون جگر کی پرورش نے آپ میں نیکی، صبر و تحمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اور طبعی طور پر آپ گناہوں سے متنفر ہوگئے تھے، اسی بنا پر خاندانی رسم و رواج کے بر خلاف آپ کی رغبت اور توجہ ابتدا ہی سے دینی تعلیم کی طرف ہوگئی،

حالانکہ خاندانی طور پر آپ کا گھرانہ نمبر دار اور زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ شفقت مادر سے محرومی کے باوجود آپ کا تعلیم کی طرف متوجہ ہونا آپ کے والد محترم کی تربیت اور آپ کی فطری نیکی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

پانچ یا چھ سال کی عمر میں تعلیم کے آغاز کیلئے والد محترم نے حضرت مولانا قاری ولی محمد صاحب کا انتخاب کیا جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متسبین میں سے تھے اور بقول حضرت شہید خضر صفت بزرگ تھے۔ قرآن کریم کی مکمل تعلیم انہی سے حاصل کی۔ چونکہ حضرت قاری صاحب کا تعلق قریبی بستی موضع جسووال سے تھا اس لئے قرآن کریم پڑھنے کیلئے آپ کم سنی میں اس بستی تشریف لے جاتے اس دوران آپ نے پرائمری کی تعلیم بھی مکمل کرلی جو بظاہر گاؤں کے اسکول ہی میں ہوئی ہوگی۔ اس اسکول کا تذکرہ آپ نے کبھی نہیں۔ ۱۳ سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی کے آغاز کیلئے لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخلہ لے لیا۔ حضرت مولانا امداد اللہ حصاروی سے جن کو فارسی پڑھانے میں ملکہ حاصل تھا اور اس وقت درس نظامی کیلئے فارسی زبان بنیاد کی حیثیت رکھتی تھی ایک سال میں فارسی پڑھی۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ ۱۳۶۳ھ کا سال ہوگا۔ اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن احرار کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ انوریہ میں صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم کیلئے داخل ہوگئے۔ حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا لطف اللہ شہیدؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے صرف و نحو اور فقہ اور عربی ادب کی ابتدائی کتابیں بہت محنت و لگن سے پڑھیں۔ اساتذۂ کرام بھی مخلص ترین اور طلباً بھی محنتی، پھر تعلیم کے علاوہ کوئی اور سوچ بھی نہیں، اس لئے دو سال میں ابتدائی علوم پر حاوی ہوگئے۔ ۱۳۶۶ء / ۱۹۴۷ء کا سن تقسیم پاکستان کا تھا۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی پورا ملک جس بدامنی کی لپیٹ میں آیا، خصوصاً لدھیانہ اور جالندھر اور اطراف کے علاقے دہلی سے امرتسر تک مسلمانوں کے لئے مقتل گاہ بنے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے والوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں۔ کروڑوں مسلمان غیر محفوظ ہو کر رہ گئے تھے۔ حضرت شہید کا خاندان تو اس فساد زدہ علاقے کے مکینوں میں شامل تھا۔ ان پر کیا بیتی ہوگی؟ اس کا اندازہ تو علاقہ کی حالت زار سے کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ایک سرگردانی کی کیفیت میں ادھر ادھر بھٹکتے ہوئے خاندان کے افراد نے پاکستان کا رخ کیا اور واہگہ کے راستہ

لاہور، ملتان اور پھر چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ عرصہ تو رہنے سہنے کے انتظام میں لگا، معمولی سا اطمینان نصیب ہوا تو بچوں کی تعلیم کی فکر لاحق ہوئی۔ اکثر مدارس ہندوستان کی سرزمین پر رہ گئے تھے یا فسادزدہ علاقوں کی نذر ہو کر اپنا نام ونشان کھو بیٹھے تھے۔ ہزاروں مساجد بے آباد ہو گئی تھیں۔ حضرت شہید کی خواہش تھی کہ مدرسہ انوریہ لدھیانہ کے معروف استاد حضرت مولانا لطف اللہ شہید رائے پوری سے تلمذ حاصل کر کے تعلیمی سلسلہ بحال کریں کیونکہ ان کا انداز تدریس بہت ہی دلکش اور ان کی تفہیم بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی مگر ان کا اتہ پتہ نہیں مل رہا تھا۔ ادھر ادھر معلومات کے دوران پتہ چلا کہ جہانیاں میں چوہدری اللہ داد مرحوم کی قائم کردہ مسجد میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے قائم مدرسہ میں تعلیم کا انتظام ہے جہاں پر حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی صاحب اپنے دیگر رفقاً کرام کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول ہیں۔ قبلہ والد صاحب کے حکم پر حضرت شہید نے تعلیم کے منقطع سلسلہ کا آغاز کیا اور ایک سال تک مزید ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس دوران بھی آپ حضرت مولانا لطف اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ شوال ۱۳۶۸ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت قاری لطف اللہ شہید قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر میں درس وتدریس میں مشغول ہیں اور آپ کے ہمراہ حضرت مولانا عبداللہ رائے پوری اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ آپ فوراً قاسم العلوم تشریف لے گئے جیسا کہ آپ نے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا:

> ”حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہید سے تلمذ کے شوق میں مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی پہنچا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ تقسیم سے قبل ایک سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لدھیانہ میں مدرس رہے تھے اور وہاں اس ناکارہ کو ان سے ابتدائی عربی (نحو میر شرح مائۃ عامل) پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ان کا طرز تفہیم ایسا دلکش تھا کہ میں ان کا گرویدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد میں ان کا متلاشی رہا۔ پہلی بار غالباً رمضان ۱۳۶۸ھ میں پتہ چلا کہ وہ مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں مدرس ہیں۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ”بڑے مولانا“

حضرت قاری لطف اللہ صاحب کے برادر اکبر حضرت مولانا عبداللہ صاحب بھی یہاں ہیں۔ اسباق تقسیم ہوئے تو ترجمہ قرآن کریم اور مختصر المعانی کے اسباق "بڑے مولانا" کے پاس گئے، ہدایہ اولین میرے محبوب استاد حضرت قاری لطف اللہ صاحب مرحوم کے پاس اور نورالانوار حضرت مولانا عبداللطیف کے پاس گئی۔"

(تخصیات وتاثرات ص ۲۵۹، ۲۶۰)

ایک سال حضرت نے تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی اور اس کے بعد آپ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا تعلیمی اور روحانی سلسلہ حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیدیا۔ چار سال آپ نے جامعہ خیر المدارس میں گزارے۔ ۷۲۔۱۳۷۳ھ مشکوٰۃ شریف (جس کو درس نظامی کی اصطلاح میں موقوف علیہ کہا جاتا ہے) اور ۷۳۔۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث شریف میں کتب احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل فرمائی اور اعلیٰ نمبرات میں کامیابی حاصل کرکے دستار فضیلت حاصل کی۔ قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے مطابق آپ ہمیشہ درجہ میں اول نمبر پر آتے تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تو آپ پر شفقت اور محبت تھی ہی دیگر اساتذۂ کرام کی نگاہوں میں بھی آپ ذہین اور محنتی شاگرد ہونے کی وجہ سے محبوب تھے۔ جامعہ خیر المدارس میں آپ نے ان گراں قدر اہل علم ہستیوں سے کسب فیض اور شرف تلمذ حاصل کیا: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبداللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اگلی زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اپنے ان اساتذۂ کرام کی جھلک نظر آتی ہے۔ گویا رب کائنات نے آپ کی تربیت کا خصوصی طور پر اس انداز میں اہتمام فرمایا کہ آپ نے زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

تدریسی خدمات :

علماٗ وارث انبیاٗ کی حیثیت سے علوم دینیہ کے محافظ ہوتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وراثت میں اپنے علوم امت کے علماٗ کرام کی طرف منتقل کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی وساطت سے سینہ بہ سینہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے یہ سلسلہ اسناد بغیر کسی انقطاع کے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور دیگر اساتذہ کے توسط سے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے قلب و ذہن میں منتقل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی حفاظت کا ذریعہ درس و تدریس ہی ہے اس لئے ہمارے اکابر علماٗ کرام طالب علم کو دستار فضیلت مرحمت فرماتے ہوئے تدریس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل تعلیم کے بعد اپنے آپ کو اپنے مربی و شیخ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا۔ عام طور پر مہتمم حضرات قابل اساتذہ کیلئے اپنے مدرسہ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ اکابر کی موجودگی میں مولانا محمد یوسف کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملے گا اور تدریسی مہارت حاصل نہ ہو سکے گی۔ اس لئے آپ نے اپنی نگرانی میں ضلع لائل پور کے علاقہ روشن والا کے ایک مدرسہ میں تدریس کیلئے آپ کو بھیج دیا۔ دو سال حضرت شہید نے اس مدرسہ میں جس انتھک محنت سے پڑھایا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائی کتابوں سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک آپ نے تمام کتابیں پڑھائیں۔ ایک ابتدائی مُدرّس کیلئے غالباً اتنی جلدی ترقی کی ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے اس سے آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ دو سال بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے ماموں کانجن کے مدرسہ احیاٗ العلوم میں تدریس کے لئے آپ کو بھیج دیا گیا۔ جہاں پر حضرت دس سال تک تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر ماہ میں دس دن بینات کیلئے کراچی آنے کا حکم فرمایا اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی اجازت مرحمت فرمائی تو آپ نے مدرسہ والوں سے ہر ماہ دس دن کی اجازت مانگی ان کی طرف سے اجازت نہ ملنے کی بنا پر آپ نے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی

ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساھیوال والوں کی دعوت قبول کرلی اور وہاں تدریس شروع فرمادی۔
حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے تو جامعہ رشیدیہ والوں سے درخواست کی کہ حضرت شہید کو دفتر ختم نبوت ملتان کیلئے اجازت دیں۔
حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بنوریؒ کی اس درخواست کو اپنے لئے حکم کا درجہ سمجھتے ہوئے بغیر کسی توقف کے قبول فرمایا۔ شہید اسلام حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا فاضل رشیدی اور دیگر لوگوں نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس درخواست پر کچھ کہنا چاہا مگر حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب فرمانے لگے نہیں، جیسا حضرت بنوری کا حکم ہو! بہر حال اس طرح آپ کا تدریسی سلسلہ منقطع ہوا، اور ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۸ء تک آپ نے صرف تصنیف و تالیف کا کام فرمایا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں یکے بعد دیگرے ایسے حادثات پیش آئے کہ آپ کو ایک دفعہ پھر تدریس کے میدان میں آنا پڑا۔ اس لئے کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی اعظم پاکستان فالج کی وجہ سے پڑھانے سے معذور ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب رحلت فرماگئے۔ حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی میں بیماری کی وجہ سے سوات تشریف لے گئے اور وہیں تدریس میں مشغول تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا بدیع الزمانؒ بھی بیمار اور معذور ہوگئے ان نازک لمحات میں جانشین بنوری امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا، اور وہ عجیب دور تھا، کیونکہ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے درمیان بے تکلفی تھی۔ مفتی صاحب اکثر تشریف لاتے اور آپ کے دست مبارک سے قلم چھین کر فرماتے، ماموں کبھی ہم سے بھی باتیں کیا کریں۔ حضرت اپنی نشست سے باہر تشریف لاتے اور پھر ایک عجیب روحانی محفل کا آغاز ہوجاتا۔ حضرت شہید اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ولی ہے مگر اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ بہر حال مفتی احمد الرحمٰن نے بے تکلفی سے فرمایا: "ماموں آپ نے ابوداوٗد شریف پڑھانی ہے۔" حضرت نے فرمایا: مجھ سے اب محنت کا کام نہیں ہوتا، میں پڑھانا چھوڑ چکا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: نہیں جی ہم نے فیصلہ کرلیا ہے آپ نے ضرور پڑھانا ہے۔ ہمیں اور طلباءٗ کو اس کی ضرورت ہے۔ معمولی سی ردوکد کے

بعد حضرت شہید نے فرمایا: آپ کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے، جیسا آپ کا حکم۔ اس طرح کافی عرصہ کے بعد حضرت شہید اپنے مرشد اور مربی محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسند حدیث پر تشریف فرما ہوئے تو اس مسند کی رونق دوبالا ہو گئی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا درس دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بنوری کو جو زینت بخشی تو شہادت سے ایک دن قبل تک آپ اس منصب کا حق نبھاتے رہے اور اگر شہادت پر فائز نہ ہوتے تو یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہوتا۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی تدریس! یہ دور آپ کی جوانی بلکہ نوجوانی کا دور تھا۔ اس میں آپ نے جو تدریس کی اس میں تربیت اور طلباً میں علم کو راسخ کرنے کا جذبہ کار فرما تھا۔ اس لئے حضرت نہ صرف خود بہت زیادہ محنت فرماتے بلکہ طلباً پر بھی تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ سختی فرماتے۔ اس دور کے شاگرد مولانا محمد اسلم، مولانا ضیأ الدین آزاد، مولانا محمد حسین حسین پوری، مولانا عبدالشکور مرحوم، مولانا محمد شفیع، وغیرہ حضرتؒ کی تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ سبق پر بہت زیادہ گرفت فرماتے۔ اگر سبق یاد نہ ہوتا تو بعض اوقات سخت سزائیں بھی دیتے، بعض دفعہ پٹائی بھی کرتے تھے۔ خود حضرت اکثر اس کا تذکرہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں نے کئی طلبہ کی پٹائی بھی کی، یہی وجہ ہے کہ آپ سے ابتدائی دور میں پڑھنے والے طلباً باوجود بڑے بڑے عالم دین اور بڑے منصب پر پہنچنے کے آپ سے بہت زیادہ رعب میں رہتے اور آخری وقت تک آپ سے کھل کر گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ اکثر یہ حضرات کہتے کہ تم لوگ تو حضرت کے ساتھ اس طرح گفتگو کر لیتے ہو، ہم لوگ تو نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بارہا یہ حضرات اپنے مافی الضمیر سے حضرت کو آگاہ کرنے کیلئے آج کل کے شاگردوں کی مدد لیتے۔ اس دور میں آپ نے ایک دن میں کئی کئی کتابیں پڑھائیں۔ بہت تحقیق کے ساتھ کتاب کے پورے مفہوم سے طلباً کو آگاہ کرتے، ان کو کتاب ذہن نشین کراتے اور دوسرے دن سنتے۔ طلباً کو مطالعہ کے ذوق و شوق کی رغبت دلاتے۔ کام کرنے کی طرف متوجہ کرتے۔ جو طلباً درس سے بے رغبتی کرتے آپ کو اس پر بہت زیادہ افسوس ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو تعلیم کا شوق نہ ہو؟ اس کا تصور نہیں کیا

جاسکتا۔ طلبأ کو پڑھنے کے ساتھ لکھنے کی بھی ترغیب دیتے۔ فارغ ہونے والے حضرات کو تدریس پر لگاتے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کا دوسرا دور بڑی کتب کی تدریس کا دور تھا جس کا زیادہ حصہ جامعہ رشیدیہ یا جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں گزرا۔ یہ دور حضرت کی تصنیف و تالیف کا دور تھا۔ آپ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ بجے تک تصنیف میں لگے رہتے۔ اس دوران آپ احادیث شریف کے دو یا تین سبق پڑھاتے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں حدیث کی صرف ایک کتاب ابو داؤد شریف یا طحاوی شریف کا آپ درس دیا کرتے تھے۔ اکثر رات بارہ بجے تک آپ کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ سبق کے گھنٹے سے پانچ یا دس منٹ بعد درس گاہ میں تشریف فرما ہو جاتے۔ طلبأ میں سے کسی سے عبارت پڑھواتے پھر بہت ہی دھیمے انداز میں عقیدت و محبت میں ڈوب کر آپ احادیث شریف کا ترجمہ اور تشریح فرماتے۔ وقفہ وقفہ سے آپ طلبأ کی طرف نگاہ اٹھا کر ایک خاص التفات سے مسکراہٹ بکھیرتے تو پوری درس گاہ روحانیت سے منور ہو جاتی۔ آپ کی نگاہ میں ایسی تاثیر ہوتی کہ ہر طالب علم آپ کی محبت کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ اطمینان سے روزانہ اتنا سبق پڑھاتے کہ وقت مقررہ پر کتاب ختم فرمادیتے۔ اعمال والی احادیث پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ طلبأ کو مسنون ہیئت کے ساتھ رہنے کی ترغیب دیتے۔ آخری دنوں میں طلبأ میں ایک ایک پگڑی تقسیم کرتے اس طرح عمامہ کی متروک سنت آپ عملی طور پر جاری فرماتے۔ احادیث کی تطبیق اس انداز میں فرماتے کہ سننے والے کو آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی۔ اکابر علمأ کرام کے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے اکابر کی تشریح پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے۔ ہمیشہ فرماتے کہ اکابر علمأ کرام کے مقابلہ میں اپنی تحقیق کو ایک طرف پھینک دو۔ مثالوں سے واضح فرماتے کہ اکابر کے طریق سے ہٹنے والے اکثر گمراہ ہو گئے۔ اکثر طلبأ آپ سے بیعت بھی فرماتے۔ ایسے طلبأ کو اذکار و اعمال کی تلقین بھی فرماتے۔ طلبأ کو مولوی فاضل یا عصری علوم پڑھنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے۔ اور طلبہ میں مولویت کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کا تدریسی دور بلاشبہ اکابر اسلاف کے طرز کے مطابق مثالی دور تھا، جس میں ہزاروں طلبأ نے آپ سے فیض حاصل کیا اور اس وقت پوری دنیا میں علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ پاکستان اور بیرون پاکستان یہ طلبأ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو جاری

رکھے ہوئے ہیں، بلاشبہ یہ حضرت شہیدؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

تصنیف و تالیف:

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی کے اوجِ ثریا اور آپؒ کی عزت و شہرت کے سورج کو نصف النہار تک پہنچایا تھا، اس میں آپ کی مقبولیت عنداللہ کے علاوہ آپ کے قلم کی جولانی کا بہت زیادہ دخل تھا۔ آپ کی تحریرات دنیا کے ہر گوشے میں پڑھی جاتی رہیں اور اب تک پڑھی جارہی ہیں۔ جیسا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ تحریر کا آغاز تو میں نے طالب علمی کے دور سے کردیا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں آپ نے مشکوٰۃ کی شرح تحریر فرمائی جیسا کہ آپ نے خود اپنے تذکرے میں فرمایا ہے۔ یہ شرح آپ نے کس انداز میں لکھی ہوگی اور کیوں شائع نہیں ہوئی؟ اس کا علم حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ البتہ حضرت اس کو طبع زاد فرمایا کرتے تھے اور سفر کے دوران وہ کہیں ادھر ادھر ہوگئی۔ آپ نے اس کا نام ''التقریر النجیح'' تجویز فرمایا تھا۔ اگر محفوظ ہوتی تو حضرت اس پر بہت کام کرسکتے تھے مگر مقدرات کے فیصلے اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ آپ کی تحریر کا یہ دور ۵۳، ۱۹۵۴ء کا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ دستار فضیلت حاصل کرکے تدریس کیلئے روشن والا تشریف لے گئے۔ تقریباً آٹھ، دس سال آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا اس کا سراغ نہ مل سکا اور نہ ہی حضرت نے ہی اس کے بارے میں کچھ فرمایا۔ اسی طرح ''التقریر النجیح'' بھی دستیاب نہ ہوسکی۔ ان حالات سے بظاہر ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرت کبھی قلمی میدان کی طرف بھی رخ کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں آپ سے جو کام لینا تھا اس کیلئے آپ کے قلب میں داعیہ پیدا کرنے کا پہلے ہی سے انتظام فرمایا تھا، بس وقت اور چنگاری کا انتظار تھا۔

''بیس بڑے مسلمان'' کے مؤلف اور آپ کے ہم درس ساتھی مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے آپ کی وفات کے دوسرے دن جمعہ کے خطاب میں فرمایا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے دور میں ہی جمعہ کے دن مسجد سراجاں ملتان میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے کے لئے التزاماً جایا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ دل میں بات اتار دیتے،

خاص کر عقیدۂ ختم نبوت اور تردید قادیانیت کے موضوع کو تو ایسے دلنشین انداز میں مثالوں سے واضح کرتے کہ آپ کی تقریر سننے والا ختم نبوت کا مبلغ بن جاتا اور علمأ کرام کو تو آپ خصوصیت کے ساتھ اس فتنے کی طرف متوجہ کرتے۔ یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ قادیانیت کے تعاقب میں گلی گلی، گوچہ گوچہ لگے ہوئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر قادیانی چاند پر بھی پہنچ جائیں تو میں ان کا تعاقب کروں گا۔ شہید اسلام کے ذہن وقلب میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا مشن اس وقت اور راسخ ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر ۱۹۶۳ء کے اواخر میں جب ماموں کانجن میں آپ تدریس انہماک سے مصروف تھے اور شام کو تفریح طبع کے لئے ایک دوست مستری ذکر اللہ (لوہار) کی دکان پر تشریف فرما ہوتے اور ہلکی پھلکی گفتگو فرماتے۔ مستری ذکر اللہ اپنے لوہے کی بھٹی میں لوہا گرم کرنے میں مصروف رہتے اور حضرت کی باتوں پر بھی سر دھنتے۔ احراری ہونے کے ناطے قادیانیت کی تردید سے متعلق سوالات بھی فرماتے رہتے۔ غالباً انہی کے یہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے رسالہ صدق جدید دیکھا یا آپ کے مدرسہ میں صدق جدید آتا ہوگا وہاں دیکھا۔ اس میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے مرزائیوں کی حمایت میں ایک شذرہ لکھا تھا۔ غالباً ان کو پوری معلومات نہ تھیں یا آزادی خیال اور وسیع النظرفی کی بنا پر شذرہ لکھ دیا، جیسا کہ روشن خیال لوگوں کا طریقہ ہے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تذکرہ مستری ذکر اللہ سے کیا۔ دونوں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے اس شذرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے افسردہ ہوئے اور مستری ذکر اللہ نے حضرت شہید سے درخواست کی کہ وہ اس کے جواب میں مضمون تحریر فرمائیں۔ حضرت نے عذر کیا کہ کہاں میں اور کہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسی دیوہیکل شخصیت۔ میرے جیسے نوآموز اور غیر معروف شخص کے لئے تو کوئی مضمون لکھنا ہی ممکن نہیں۔ اگر ہمت کر کے قلم گھسیٹ بھی لیا تو کون چھاپے گا۔ دنیا میں بڑے بڑے اکابر موجود ہیں، وہ ضرور جواب لکھیں گے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ اسی دوران دارالعلوم دیوبند نے صدق جدید کے اس شذرہ پر گرفت کرتے ہوئے ایک مضمون شائع کیا مگر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مستری ذکر اللہ مرحوم کو اس مضمون سے تشفی نہیں ہوئی اور مستری ذکر اللہ نے حضرت شہیدؒ کو مجبور کیا کہ آپ اس کا جواب ضرور لکھیں۔ حضرت شہیدؒ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور مانع مولانا عبدالماجد دریا بادی کا احترام تھا ورنہ حضرت

مولانا محمد علی جالندھری کی طرف سے ودیعت کردہ جذبہ عقیدۂ تحفظ ختم نبوت آپ کو چین نہیں لینے دیتا تھا اور آپ اس پر بہت زیادہ کڑھتے ہوئے کسی مدلل جواب کے منتظر تھے اور اس کیلئے مختلف رسائل کا مطالعہ کرتے رہے مگر ہر ایک نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے احترام میں خاموشی کو مناسب سمجھا۔ ادھر مستری ذکر اللہ کی احراری حمیت ان کو چین نہ لینے دیتی اور وہ حضرت شہیدؒ سے اصرار کرتے۔ اس اصرار نے مہمیز کا کام دیا اور حضرت شہیدؒ نے بالآخر قلم اٹھایا۔ ہاتھ اور قلم اس پہلی حرکت کے منتظر تھے۔ ادھر ہاتھ حرکت میں آیا ادھر قلم اٹھا، دوسری جانب دل ودماغ کی اسکرین پر مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ودیعت کردہ علوم تیزی سے ابھرنے لگے اور خیالات اور علوم ومعارف کا سمندر طوفان نوح اور سیل رواں کی طرح اترنا شروع ہوا کہ ہاتھ اور قلم اس کی تیزی کے آگے عاجز آگئے۔ یوں ایک طویل اور محقق ومدلل مضمون جواب میں تیار کر کے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کو ارسال فرمادیا۔ اس تحریر کے ساتھ کہ ایک طالب علم کے دل کی بھڑاس قرطاس ابیض پر منتقل ہوگئی ہے، تصحیح فرما کر اسے رسالہ میں شائع کردی جائے۔ مگر قدرت کی فیاضی جوش میں تھی۔ محمد یوسف لدھیانوی کا سفر ترجمانِ علمأ حق ولسان ختم نبوت کا آغاز ہورہا تھا اس لئے قبولیت کے دروازے کھل رہے تھے۔ جواب تو کیا آتا ماہنامہ دارالعلوم آیا تو حضرت شہید کے مضمون کی پہلی قسط بغیر کسی قطع وبرید کے من وعن شائع ہوچکی تھی۔ اس مضمون کی اشاعت نے آپ کے قلمی جواہر کو مستری ذکر اللہ کے علاوہ علمأ حق پر بھی کھول دیئے اور احباب نے آپ کو اس طرف متوجہ کرنا شروع کردیا۔ صدق جدید کا شذرہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا جبکہ آپ کا مضمون ستمبر ۱۹۶۳ء اور جنوری ۱۹۶۴ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ آغاز سفر جب اتنا مبارک اور مقبولیت عند اللہ کا آئینہ دار ہو تو اس کے اثرات کا دنیا پر ظاہر ہونا منطقی نتیجہ تھا۔ مضمون نگاری کا آغاز ہی اتنے بڑے قلمکار اور صاحب علم شخصیت کے خیالات کی تردید سے ہو تو علم وادب اور الفاظ اور دلائل کے اعتبار سے مضمون نگار کی مہارت کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس شعبہ سے تعلق رکھتا ہو۔ بہر حال قلم کی گرد چھٹی تو آپ کے قلم نے رکنے کا نام نہ لیا۔ مضمون کی اشاعت کے ساتھ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر اور دارالعلوم دیوبند کے مخلص ترین بزرگ مولانا سید ازہر شاہ قیصر نے، جنہوں نے آپ کی تحریر میں پوشیدہ جوہر کو محسوس

کرلیا تھا درخواست کی کہ فتنہ انکار حدیث پر بھی ایک مدلل مضمون فوری طور پر ارسال فرمائیں۔ حضرت شہید کے لئے یہ حکم سرمایہ زندگی کی حیثیت رکھتا تھا اور ایک ایسا اعزاز تھا، جو کسی نئے لکھنے والے کو بہت ہی کم ملا ہوگا۔ فوری طور پر ایک مضمون فتنہ انکار حدیث ہی کے عنوان سے لکھ کر ارسال کر دیا جسے مولانا سید ازہر شاہ قیصر نے فوری طور پر شائع فرمایا۔ یہ مضمون اتنا پسند کیا گیا کہ جمعیت علمائے اسلام کے رسالہ ترجمان اسلام جو حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود جیسے اکابر کی نگرانی اور ڈاکٹر احمد حسین کمال جیسے تجربہ کار لکھاڑی اور صاحب قلم کی زیر ادارت شائع ہو رہا تھا اور پاکستان بھر کے علمائے کرام کا ترجمان تھا، میں بھی شائع ہوا اور جمعیت علمائے اسلام سرگودھا کے ذمہ داروں نے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کر اس کو ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔ ایک مضمون نگار کی مہارت اور مقبولیت عنداللہ کا اس سے زیادہ مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ ذلک فضل الله یوتیه من یشاء۔

۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان اپنی شہرت کے نصف النہار پر تھے کہ ان کے دل و دماغ میں ان کے حواری اور خوشامدی ٹولے نے اس کو اکبر اعظم بنانے کا خناس بھرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز جیسے منکرین حدیث اور ماڈرن اسلام کے علمبردار اس کے اردگرد جمع ہوگئے۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کو اسلام کے نام پر ختم کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے اسلام کے مسلمات کو ختم کرنے کا پروگرام بنالیا۔ سرکاری ماہنامہ آرگن "فکر و نظر" کے ذریعہ اسلامی احکامات کی تنسیخ و تحریف کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ الامان الحفیظ۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ صورتحال ایسی نہ تھی کہ وہ میدان عمل میں نہ کود پڑتے۔ ان حضرات نے ان کا تعاقب شروع کیا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز کے افکار جمع کر کے اس کے خلاف پورے پاکستان کے علمائے کرام سے فتاویٰ حاصل کئے اور متفقہ فتویٰ کے عنوان سے کتابی شکل میں ان کو شائع کر دیا گیا۔ دوسری طرف ماہنامہ بینات کو اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے مختص کر دیا۔ شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے ان دنوں کا نقشہ اس انداز میں کھینچا ہے :

"ان دنوں فیلڈ مارشل ایوب خان "پاکستان کا اکبر بادشاہ" بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے بعض ملحد رفقاء ابو الفضل اور فیضی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی ان کی کمین گاہ تھی جہاں استشراقی افکار کی آری سے اسلام کی جڑیں کاٹنے کیلئے دن رات کام ہو رہا تھا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا ماہنامہ تو ان دنوں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الحاد اور نفاق کا خصوصی ترجمان تھا ہی اس کے علاوہ دیگر اخبارات و رسائل میں بھی ان کے ملحدانہ افکار وسیع پیمانے پر شائع ہو رہے تھے۔

ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ماہنامہ بینات کراچی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف میدان جہاد میں اترا ہوا تھا۔ بینات کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت بنوریؒ کی تمام تر ظاہری و باطنی قوتیں فضل الرحمانی فتنہ کا سر کچلنے پر مرکوز ہیں۔"

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ماموں کانجن کے اس دور افتادہ قصبہ میں ماہنامہ بینات کا مطالعہ فرماتے تھے اس لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے ملحدانہ نظریات کے پرچار کی وجہ سے سخت مضطرب ہو گئے اور بے ساختہ اپنا دردِ دل ایک خط کے ذریعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کر دیا۔ حضرت کے جواب میں تاخیر ہوئی تو ایک دوسرا عریضہ اسی مضمون کا ارسال کیا کہ حضرت آپ اکابر ہی اس الحاد و زندقہ کے سیل کے آگے بند باندھ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر محترم.......... لکل خیر و سعادۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ کرم نے مشرف کیا۔ آپ کا پہلا کرم نامہ بھی آیا تھا لیکن میں اس وقت ٹائیفائڈ بخار میں صاحب فراش تھا۔ مراسلات اور لکھنے پڑھنے سے معذور تھا۔ بخار طویل ہو گیا۔ کوئٹہ تبدیلی آب و ہوا کیلئے جانا پڑا۔ اسی طرح آمدہ خطوط کے ڈھیر میں مکتوب دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا سب درست ہے۔ آپ کے دینی جذبات اور دینی احساسات سے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان مبارک خیالات کو امت کیلئے نافع بنائے اور مثمر

فرمائے۔ آمین۔ انہی مقاصد کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ مل کر ”دعوت و اصلاح“ کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی گئی ہے۔ مطبوعہ پمفلٹ ارسال کیا جائے گا۔ بہر حال دعا کریں۔ غفلت یا تغافل نہیں، مؤثر تدبیر زیر غور ہے۔ اس وقت اتنا ہی لکھ سکتا ہوں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ“

حضرت شہیدؒ کے جذبات کیلئے یہ خط رحمت کے جھونکے کی طرح ٹھنڈک کا باعث ہوا اور آپ کو اطمینان قلبی نصیب ہوا۔ اس طرح آپ کے اور مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس رشتہ محبت کا آغاز ہوا جس کے ثمرات اگلے برسوں میں امت کے سامنے ظاہر ہوئے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری الفاظ اور دعا کی مقبولیت دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مستجاب الدعوات اور حضرت شہیدؒ کے بقول مقبولیت عنداللہ ہونے کا اندازہ ہوا۔ بہر حال حضرت کے اس خط کے بعد شہید اسلام حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ بینات میں سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ اقتباسات کی روشنی میں ایک تردیدی مضمون تحریر فرمایا، جس کا عنوان ”ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول“ تجویز کیا۔

بقول حضرت شہید میں نے اس کی ایک نقل حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی مدیر ماہنامہ بینات کو بھیج دی۔ چونکہ یہ ناکارہ اس میدان میں بالکل اناڑی تھا اور اس مضمون میں بعض نازک تعبیرات آگئی تھیں اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میرا قلم جادۂ استقامت سے بھٹک نہ گیا ہو۔ اس لئے میں نے حضرت مولانا میرٹھی مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ اس مضمون کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور کوئی چیز اصلاح طلب نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ اس ناکارہ کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ مضمون بینات میں چھپ سکتا ہے۔ مدعا صرف یہ تھا کہ اگر اس کی تصحیح و تصویب فرمادی جائے تو کسی اور پرچے میں چھاپ دیا جائے گا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے منسلک عریضہ کے جواب میں نہ صرف یہ کہ مدیر بینات کا گرامی نامہ موصول ہوا بلکہ اس کے ساتھ میرے حضرت اقدس شیخ بنوری کا کرامت نامہ بھی تھا کہ تمہارا

مضمون پسند آیا۔ تم رمضان المبارک ہمارے پاس گزارو۔ اگر یہ تعلق مستقل ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہوگا۔“

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے اندر تواضع اور کسر نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ باوجود دارالعلوم دیوبند، ترجمان اسلام جیسے وقیع اور بڑے رسالوں میں مضامین کی اشاعت کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں تھا کہ میرا مضمون بینات میں قابل اشاعت ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ابتدا ہی سے علمأ حق کے ساتھ وابستگی اور ان کی تحقیق پر اعتماد کو ذریعہ نجات تصور کرتے تھے اور کسی صورت میں اپنی تحقیق اور تحریر پر اعتماد نہیں تھا۔ اسی بنا پر آپ نے فرمایا کہ تعبیرات میں کہیں میرا قلم جادۂ حق واستقامت سے ہٹ نہ گیا ہو اور تحریر و تقریر میں آپ کا یہ طرز زندگی بھر رہا۔ ایک مرتبہ برمنگھم ختم نبوت کانفرنس میں بعض لوگوں نے آپ کے بعض خلفأ پر اشکال کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے قائل نہیں ہیں تو اس پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر فرمایا کہ ہمیں اپنی تحقیق پر ذرا بھی اعتماد نہیں۔ ہم نے کامیابی کا گر ابتدا ہی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اکابر کی تحقیق پر اعتماد کر کے ہی نجات پائی جا سکتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آب حیات میں جو مسلک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں واضح فرمایا ہے ہم اس پر قائم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں حیات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ بہر حال یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر آگیا بات ہو رہی تھی حضرتؒ کے مضمون کی۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون آپ کی زندگی کا وہ عظیم موڑ ثابت ہوا جس نے بعد میں آپ کو محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ”ہم نام اور ہم کام“ بنا دیا۔ شہید اسلام نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک کے قیام کے جواب میں فرمایا کہ رمضان المبارک چونکہ والد صاحب کے پاس گزارتا ہوں، اس لئے وہ تو کراچی آنے کی اجازت نہیں دیں گے، البتہ یکم شعبان کو تعطیل ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آپ وعدہ کے مطابق حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حاضری کے موقع پر فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تم مستقل

میرے پاس آجاؤ اور ایک سال کے لئے ماموں کا نجن والوں سے چھٹی لے کر اگلے سال شوال سے میرے یہاں کام شروع کرو۔ ماہنامہ بینات تمہارے سپرد کر دیا جائے گا۔ حضرت شہید نے عرض کیا میرے معاملات حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت پر موقوف ہیں، کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کیا ہوا ہے کہ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا تاکہ خود رائی اور آزاد فکری پیدا نہ ہو اس لئے فارغ ہوتے ہی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی کر لی اور اپنے معاملات بھی ان کے سپرد کر دیئے۔ انہوں نے ہی پہلے روشن والا اور اب ماموں کانجن بھیجا ہے۔ آپ ان سے فرمادیں وہ حکم دیں گے تو بصد شوق حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ ہم حضرت جالندھریؒ کو خط لکھیں گے اور وہ ضرور اجازت دیدیں گے۔ ۲۸ / شعبان المعظم کو حضرت شہید رخصت ہونے لگے تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لفافہ میں دو سو روپے ہدیہ پیش کیا۔ حضرت شہید نے عرض کیا کہ حضرت میں اپنا کرایہ لے کر آیا تھا، اس کی ضرورت نہیں (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے مستغنی عن الدنیا تھے)۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کرایہ نہیں میری طرف سے ہدیہ ہے۔ حضرت شہید نے فوراً قبول فرمایا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بارہا بعد میں تذکرہ کیا کہ تمہارے اس انکار نے ہی گھائل کر دیا تھا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جالندھری کو خط تحریر فرمایا۔ جواب میں تاخیر پر حضرت شہید کو خط لکھا کہ وہ میرے خط کے حوالے سے حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا عندیہ معلوم کریں۔ حضرت شہید نے دستی خط حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا جس کے جواب میں حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت بنوڑی رحمۃ اللہ علیہ کو جواب لکھ رہا ہوں، تمہارا کچھ عرصہ کے لئے کراچی رہنا مفید ہے۔ حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد حضرت شہید ماموں کانجن سے ایک سال کی رخصت لے کر شوال ۱۳۸۶ھ میں کراچی روانہ ہو گئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق کے ساتھ بینات مکمل حضرت شہید کے حوالے کر دیا۔ ایک سال مکمل ہونے پر شعبان ۱۳۸۷ھ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے فرمایا کہ آپ بال بچوں کو لے کر کراچی آجائیں اور مستقل یہیں قیام کریں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اس وقت بچوں کے ہمراہ کراچی آنا ممکن نہیں تھا

اس لئے معذرت فرمائی تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر بینات کی تدوین کے لئے ہر ماہ دس دن آپ ہمیں دے دیں۔ حضرت شہید کیلئے اس تجویز کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں تھا اس لئے یہ تجویز قبول فرمالی۔ اور ماموں کانجن کے مدرسہ والوں سے اس تجویز پر بات کی تو انہوں نے دس دن کی رخصت ہر ماہ قبول کرنا اپنے مدرسہ کے مصالح کے لئے مناسب نہ سمجھا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے مولانا فاضل رشیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کو خوشی قبول فرمایا اور اس طرح حضرت شہید کا احیاءُ العلوم ماموں کانجن کا تدریسی سفر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی طرف منتقل ہو گیا۔ جامعہ رشیدیہ کا شمار اس وقت پاکستان کے بڑے مدارس میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری، حضرت علامہ غلام رسول صاحب، حضرت مولانا مقبول احمد، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہم اللہ جیسے اکابر کے اخلاص، تواضع اور شفقت و محبت کی برکت سے جامعہ رشیدیہ کی فضا رشک جنت تھی۔ اس ماحول میں آپ بیس دن تدریس کے ذریعہ طلباً کو فیضیاب کرتے اور دس دن کراچی میں بینات کی تدوین وترتیب کرکے رسالہ پریس میں بھیج کر روانہ ہو جاتے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دور انتھک محنت کا دور تھا۔ جامعہ رشیدیہ میں کئی کتابوں کی تدریس کے لئے گھنٹوں مختلف شروحات کا مطالعہ اور اس کے ساتھ بینات میں شائع ہونے والے مضامین کی تصحیح و ایڈیٹنگ اور اس کے ساتھ دیگر رسائل کا مطالعہ تاکہ ماہنامہ بینات کی علمی ساکھ کو برقرار رکھا جاسکے۔ گرمی ہو یا سردی ہر ماہ دس دن کے لئے کراچی کا سفر اور وہ بھی ریل گاڑی کے تھرڈ کلاس میں۔ اکثر آپ کو برتھ نہیں ملتی تھی تو بیٹھ کر سفر فرماتے۔ دیکھنے والوں کو اندازہ ہے کہ حضرت ۲۴ گھنٹے میں صرف عصر کے بعد حضرت کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ اس کے لئے پورا وقت آپ کا ایک کمرے میں گزرتا تھا۔ رنگین دھوتی اور بنیان میں ملبوس ایک شخصیت اپنی سوچوں میں منہمک وضو خانہ پر آتی جاتی نظر آتی۔ اس کے علاوہ آپ ہمہ تن کام میں مشغول رہتے۔ مضامین کی تصحیح، کتابت کی پروف ریڈنگ، اس کے بعد فلمیں بنوا کر کاپی لگوانا، کاپیوں کی چیکنگ کے بعد پریس روانہ کرنا اور پھر دوبارہ ریل کے ذریعہ جامعہ رشیدیہ پہنچ کر تدریس میں مشغول ہونا۔ اس زمانہ کے رفقاً کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کے علاوہ آپ کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ خود حضرت نے ارشاد فرمایا یار لوگ آتے اور گھنٹوں بیٹھ کر چلے جاتے اور بعد میں خط

کے ذریعہ شکوہ کرتے کہ ہم گھنٹوں بیٹھے رہے اور تم نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ واقعی اس زمانہ میں حضرت شہید نے اپنے شیخ و مرشد مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ سنت ادا کر دی جو بذل المجہود کی طباعت کے موقع پر تھانہ بھون میں ان کی کیفیت ہوتی تھی جس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی رشک فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس دور میں آپ کے ہم عصر بھی آپ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اکابر علمأ کرام آپ سے محبت کا اظہار کرتے۔ ماہنامہ بینات علمی رسالوں میں سب سے مقبول اور معیاری علمی رسالہ تھا۔ اس میں آپ کے مضمون کی اشاعت سے آپ کی علمی اور تحریری شہرت پاکستان میں پھیلنی شروع ہوئی۔ دوسری طرف محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ حضرت بنوریؒ ہر سال شعبان میں آپ پر اصرار فرماتے کہ بال بچوں کو لے کر مستقل کراچی آجاؤ، مگر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ عذر کر دیتے۔ اس سلسلہ میں حضرت شہید نے اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ دراصل میں کراچی کے اخراجات اور بچوں کے معاملات کی دیکھ بھال سے خوف زدہ تھا، لیکن حضرت کے سامنے اس کا اظہار کرتا تو حضرت فوری رقم کا بندوبست فرماتے جو میری غیرت کو گوارا نہ تھا۔ حضرت بنوریؒ اس بارے میں اتنے زیادہ فکر مند اور سنجیدہ تھے کہ ایک مرتبہ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور معتمد اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے موقع پر کراچی تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت بنوری، حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب تشریف فرما تھے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت شہید نے محبت و عقیدت سے لپک کر مصافحہ کی سعادت حاصل کی ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہید کا تعارف شروع کرادیا کہ یہ میرے ہم نام میرے رفیق ہیں، بہت ہی اونچے درجے کے عالم اور صاحب قلم ہیں، بینات کے مدیر ہیں، اور ان کی وجہ سے ہمیں بہت زیادہ راحت و آرام ہو رہا ہے، بینات کا مکمل کام انہوں نے سنبھال لیا ہے اور بہت مشقت و محنت کر کے دور دراز سے سفر کر کے صرف بینات کی خاطر دس دن کی کے لئے تشریف

لاتے ہیں۔ حضرت ہم ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ یہ ہمارے مدرسہ میں مستقل قیام کے لئے آجائیں لیکن یہ عذر پیش کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ یہ مستقل طور پر ہمارے یہاں تشریف لے آئیں اور دعا بھی فرمائیں۔

حضرت شہید فرمایا کرتے تھے کہ میرے مخدوم حضرت میری حوصلہ افزائی میں بہت ہی اونچے الفاظ فرما رہے تھے اور میں شرم و حیا کی وجہ سے زمین میں گڑا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میرے حضرت کو مجھ سے کتنا تعلق ہے؟ اور میرا مدرسہ میں قیام ان کے نزدیک کتنا اہم مسئلہ تھا جس کے لئے وہ وقت کے سب سے عظیم اور بزرگ ترین انسان سے مجھے کہلوا رہے تھے۔ میں کافی عرصہ تک اس گتھی کو نہ سلجھا نہ سکا۔ ایک دفعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اس کی طرف اشارہ فرمادیا اور ایک ملاقات میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

"میں آپ کو اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی کو اپنے مدرسہ کا مدار سمجھتا ہوں"۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد کا اندازہ حضرت کے اس جملہ سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: "یہ میرے ہم نام بھی ہیں اور ہم کام بھی ہیں"۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم ایک دفعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے جامعہ خیر المدارس تشریف لائے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تپاک سے خیر مقدم کیا۔ ملاقات کے بعد دریافت فرمایا کہ کتنے صاحبزادے ہیں؟ والد صاحب نے فرمایا چار۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا پانچواں محمد یوسف بنوری۔ اس سے حضرت بنوری کے لطف و شفقت اور محبت و اعتماد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری اور علمائے پاکستان کے اعتماد کے ساتھ قلمی میدان میں ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ ۱۳۹۱ھ تک بینات کی مکمل تدوین و ترتیب آپ کے ذمہ تھی، مگر چند مضامین کے علاوہ چھ سال میں آپ نے مستقل طور پر کوئی تحریری سلسلہ شروع نہیں کیا۔ ۱۳۹۱ھ میں آپ نے "سیرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ" (عربی) کا ترجمہ تسلسل کے ساتھ شروع کیا جو اردو زبان میں پہلی معرکۃ الآراء کتاب تھی

جس میں لفظی ترجمے کے بجائے کتابی انداز میں تسلسل سے بہت آسان اور عام فہم زبان میں عنوانات کے ذیل میں مفہوم کو ادا کیا گیا تھا جس کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ کوئی نئی کتاب ہے۔ صفر ۹۱ھ سے ربیع الثانی ۹۲ھ تک یہ مضمون مسلسل بینات میں شائع ہوا اور بعد میں مستقل کتابی شکل میں ماہنامہ بینات کی جانب سے ہی بھی شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تکمیل کے بعد محرم الحرام ۱۳۹۳ھ سے آپ نے علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی کی مرتب کردہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب "بذل القوة فی حوادث سنی النبوة" کا ترجمہ شروع کیا، جس میں انہوں نے تمام واقعات کو سن کے لحاظ سے مرتب فرمایا تھا اور اس کی تکمیل کے بعد دوسرے سلسلے شروع فرمائے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ آپ دس دن بینات کی تدوین کے لئے تشریف لاتے اور بقیہ ایام جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات انجام دیتے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے باوجود آپ کراچی مستقل تشریف نہ لائے۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے امیر بنے اور آپ کی قیادت میں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کامیاب ہوئی تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر جامعہ رشیدیہ والوں نے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دفتر ختم نبوت ملتان کے لئے جانے کی اجازت دے دی، اس طرح اب حضرت شہیدؒ بیس دن دفتر ختم نبوت ملتان تشریف فرما ہوتے اور دس دن بنوری ٹاؤن میں بینات کی تدوین کے لئے تشریف لاتے۔ دفتر ختم نبوت میں قیام کے دوران آپؒ نے ردِ قادیانیت پر تمام کتابوں کا بھرپور مطالعہ کیا اور آپ کے پہلے مضمون کا محرک ابھر کر سامنے آیا اور اس کے بعد آپ کے قلم کی جولانی عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت پر اتنی مرکوز ہوئی جو بعد میں ترجمان ختم نبوت یا لسان ختم نبوت پر منتج ہوئی۔ (اس کا تفصیلی تذکرہ "ختم نبوت میں خدمات" کے عنوان سے کیا جائے گا) یہ سلسلہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک چلتا رہا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد میں ہوئی جب آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سانحہ پورے عالم کے مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ تھا مگر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور اس کے متعلقین کے لئے اور خصوصاً امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا محمد ادریس میرٹھی، شہید

اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مولانا محمد بنوری اور دیگر اساتذہ کرام کے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ ہر ایک کی دنیا لٹ گئی تھی۔ کافی عرصہ تک ہوش و حواس کسی کے قابو میں نہ رہے۔ اساتذہ کرام نے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی وصیت کے مطابق جانشینی کے طور پر قبول کرلیا تھا، مگر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اس بار امانت کو سنبھالنا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ انہوں نے پتہ نہیں کس لجاجت اور منت و سماجت سے حضرت شہید کو بنوری ٹاؤن آنے پر راضی کیا۔ یہ حضرت شہیدؒ اور مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے درمیان ایثار از رہا جس کا اظہار ان دو حضرات نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ حضرت شہیدؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ :

"میرے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعا یا خواہش کی تکمیل حضرت کی وفات کے بعد ہوئی، شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے : "مفتی احمد الرحمٰن اس دور کے ولی ہیں۔"

۱۹۷۸ء میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ مستقل قیام کے لئے کراچی تشریف لے آئے اور تدریس کا سلسلہ ختم کر کے اپنے آپ کو تصنیف و تالیف کے لئے مختص کردیا۔ اب حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ دور شروع ہوا جس کے لئے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا : "تمہارا کراچی جانا مفید ہے۔" اب تک تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کی حیثیت سے شریک سفر تھے اور ہم کام کی حیثیت سے بینات کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اب حضرت شہیدؒ کا اپنا دور شروع ہوتا ہے اور اس کا حق وہ کس طرح ادا کرتے ہیں اور اپنے اکابر اسلاف حضرت خیر محمد جالندھری، حضرت بنوری اور اکابر علمأ کے اعتماد کی کس طرح پاسداری کرتے ہیں اس کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے، کراچی تشریف آوری کے بعد آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ پر بینات نمبر کا اعلان کیا اور اس کے لئے دن رات انتھک محنت کر کے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ایک عظیم مجلّہ پہلی مرتبہ پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ کے مضامین کا انتخاب اور حضرت نفیس شاہ صاحب اور ان کے خدام کی عمدہ کتابت اور تزئین و آرائش

سے نمبر ظاہری وباطنی دونوں خوبیوں سے مزین ہو کر پوری دنیا کے علماً کرام سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے اور حضرت شہیدؒ کی وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ مئی ۷۸ء میں ادارہ جنگ کے مالک میر شکیل الرحمٰن، مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے درخواست کرتے ہیں کہ میں جنگ میں اسلامی صفحہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت شہیدؒ کو اس کی ادارت کے لئے اجازت دے دیجئے۔ حضرت شہیدؒ اخبارات کو ایک فضول، لایعنی چیز اور جھوٹ کا پلندا قرار دیتے ہوئے انکار فرماتے ہیں مگر امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ مستقبل پر نگاہ کئے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ سے فرماتے ہیں:

"آپ نے اس کام کو سنبھالنا ہے" حضرت شہیدؒ مفتی احمد الرحمٰن کے اصرار پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور راضی برضا کے تحت اس منصب کو ایک معاون کی شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں (اور مفتی احمد الرحمٰنؒ کی شفقت کہ معاونت کے لئے راقم الحروف کا انتخاب فرماتے ہیں) شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی اخباری صنعت میں جدت فرماتے ہیں اور مضامین کے ساتھ دینی رہنمائی کے لئے "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز فرماتے ہیں۔ یہ کالم آپ کی دینی خدمات کو عالمی وسعت دینے کا تیسرا مرحلہ ہے۔ کالم کا آغاز ہوتا ہے تو اطراف عالم سے دینی رہنمائی حاصل کرنے والوں کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے اور یہ سلسلہ اتنی مقبولیت حاصل کرتا ہے کہ روزانہ سینکڑوں خطوط موصول ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت شہیدؒ نے بلا مبالغہ لاکھوں خطوط کے جواب ان چند سالوں میں مرحمت فرمائے۔ اخبار جنگ میں آپ کے کالم کی اشاعت کے بعد پوری دنیا سے جو مسائل آنا شروع ہوئے ان میں بعض ایسے مسائل بھی تھے جن پر آپ نے تحقیقاتی جواب تحریر فرمائے جو خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتے تھے اسی سلسلہ میں آپ کو ایک خط دبئی کے بعض نوجوان دوستوں کی طرف سے ملا جس میں مسلکی اختلافات کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے کا سبب قرار دے کر اس کے بارے میں واضح جواب مانگا گیا تھا۔ حضرت شہیدؒ نے اس کے جواب میں تمام مسالک کے بارے میں ایک تفصیلی تصنیف "اختلاف امت اور صراط مستقیم" تحریر فرمائی جس میں مسلک حقہ مسلک دیوبند کو ترجیح دے کر مسئلہ کو اس انداز میں بیان کر کے حق واضح کیا کہ بڑے بڑے علماً

کرام نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ لاکھوں افراد کے ذہنوں کے شکوک و شبہات دور ہوئے ۔ امام اہلسنت ترجمان مسلک دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے اس کتاب کی اشاعت پر آپ کو مسلک دیوبند کا ترجمان قرار دیا۔ اس کتاب پر ایک شیعہ کی طرف سے حضرت شہید پر اعتراض ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے اس کا ایک مدلل جواب تحریر فرمایا جو "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" کے عنوان سے شائع ہو کر کتابی شکل میں منظر عام پر آئی تو علمائے دیوبند کے بہترین نقاد و محقق محدث و مفسر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے حضرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> "میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو آخر تک پڑھے بغیر چھوڑی نہیں گئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرمائی تھی تو سو سال تک شیعہ سر پیٹتے رہے لیکن اس کا جواب نہ دے سکے اب انشاء اللہ اگلے سو سال تک آپ کی اس کتاب کا جواب دینے کے لئے سر پیٹتے رہیں گے لیکن ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔"

جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دنیا بھر کے علمائے کرام کی موجودگی میں کہا کہ: اسلام چودہ سو سال پہلے نافذ ہو چکا ہے ہر انسان کو اس پر خود عمل کرنا چاہئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فوری طور پر افتتاحیہ کے عنوان سے اس کا جواب جنگ اخبار میں لکھ کر "کلمہ حق عند سلطان الجائر" کا حق ادا کیا۔ آپ کے ان اخباری کالموں کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے میر خلیل الرحمٰن مرحوم پر اتنا دباؤ ڈالا کہ افتتاحیہ کے عنوان سے چھپنے والے اس کالم کو میر خلیل الرحمٰن کو بند کرنا پڑا۔ اسی طرح گورنر پنجاب نے ایک مرتبہ دینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے اس کو اخبار ہی کے ذریعہ ببانگ دھل للکارا جس پر اس نے معذرت کی۔ جناب احمد ندیم قاسمی صاحب نے ایک مرتبہ دینی مدارس کے طلباء پر پھبتی کسی تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کی جولانی جوش میں آئی اور احمد ندیم قاسمی کو اپنا موقف بدلنا پڑا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ایک دفعہ حضرت شہیدؒ کے پاس تشریف فرما تھے۔ سودی نظام کے بارے میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کے تاثرات پر بات ہو رہی تھی اور انہوں نے واضح کیا کہ سودی نظام کو غیر سودی نظام بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، اس پر انہوں نے حضرت شہیدؒ سے فرمایا کہ آپ اس پر مضمون تحریر

فرمائیں کیونکہ آپ کے قلم کی کاٹ نشتر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ واقعی جب حضرت شہیدؒ نے سود پر تحریر فرمایا اور یہ جملہ ضیاءالحق مرحوم کے لئے لکھا:

"محترم! شراب کو زمزم کہنے سے، ماں کو بیوی کہنے سے اگر یہ چیزیں حلال نہیں ہو سکتیں تو سودی نظام کو غیر سودی کہنے سے بھی اس کو حلال نہیں قرار دیا جاسکتا۔"

جنرل ضیاءالحق مرحوم کے دور میں دینی مدارس کے نصاب کی تبدیلی اور حکومتی کنٹرول کی بات چلی تو مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور مفتی ولی حسن ٹونکی کے اسماء پر آپ نے جنگ اخبار کے ادارتی کالموں میں بہت سخت تنقیدی مضمون لکھے جو بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ ان تحریروں کی وجہ سے جنرل ضیاءالحق مرحوم کو اپنے عزائم سے پیچھے ہٹنا پڑا اور اس نے علماء کرام کے ایک اجلاس میں ہاتھ جوڑ کر معذرت کی کہ ہمارا مدارس کو قومی تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں، ہم تو ایک مولانا عبداللہ شہید کی مسجد کو نہیں سنبھال سکتے۔ غرض بینات کے ۶۶ء سے ۲۰۰۰ء تک ۳۴ سال اور جنگ اخبار میں ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۰ء تک ۲۲ سال کا قلمی سفر اتنا عظیم علمی سفر ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ اس دوران شائع ہونے والی تصانیف کی تفصیلی جھلک اور تعارف مولانا سعید احمد جلال پوری کے مضمون "تصنیفی خدمات" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ میں نے مختصراً ان خدمات کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

عام نقاد اور ماہرین علم و ادب آپ کی تحریر کے بارے میں جو تجزیہ پیش کرتے ہیں اور عوامی مقبولیت کی وجہ قرار دیتے ہیں، اس میں سب سے زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ آپ کی تحریر کا کوئی لفظ بلا تحقیق اور زائد نہیں کہا جاسکتا۔ روانی قلم اور سلاست زباں اور عام فہمی آپ کی تحریر کی ایسی خصوصیت ہے کہ عام آدمی سے لے کر ایک محقق عالم بیک وقت اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ موضوع کا احاطہ جس خوبصورت اور مدلل انداز میں فرماتے اس کی وجہ سے مخالف بھی آپ کی تحریر پر انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔ آپ کی تحریر میں اگرچہ نشتر کی سی کاٹ تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی بات تہذیب و شائستگی سے گری نہیں ہوتی تھی۔ دینی مسائل میں آپ عالمانہ انداز تحریر اختیار کرنے کے بجائے عام مسلمانوں کے ذہن کے مطابق جواب مرحمت فرماتے، جس کی وجہ سے ہر فرد اس سے بہترین انداز میں استفادہ کر سکتا تھا۔ مسائل اور تحقیق میں اکابر علماء کرام کی

تحقیق پر اعتماد آپ کی مقبولیت و محبوبیت اور حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ اپنی تحقیق پر اصرار اور اپنی غلطی سے رجوع نہ کرنا آپ کی فطرت میں ہی شامل نہیں تھا، اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کے قلم نے کہیں لغزش کھائی ہوگی، آپ کے قلم کی تیزی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑی سے بڑی کتاب کی تالیف میں بھی آپ کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا تھا جبکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ہزاروں مسائل کے جوابات بھی مرحمت فرماتے۔ کئی دفعہ کاتب اور کمپیوٹر پر کمپوزنگ کرنے والے آپ کے قلم کی روانی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ہر مضمون اور کتاب کی تمہید مشکل ہوتی ہے۔ اس کے بعد علوم و معارف اور الفاظ صف بستہ کھڑے ہوتے نظر آتے ہیں۔ بعض مرتبہ آپکے ذہن میں علوم و معارف کے ورود کی تیزی کا ہاتھ بھی ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ آپ جب لکھنا شروع کرتے تو صفحات بارش کے قطروں کی طرح آپ کے رفیق مولانا سعید احمد جلالپوری کے پاس گرتے ہوئے نظر آتے۔ بارہا میں نے جنگ کا اداریہ لکھنے کے لئے کہا۔ دس سے پندرہ منٹ میں آٹھ دس صفحات لکھ کر میرے حوالے کردیتے اور فرماتے: جاؤ مجھے کام کرنے دو، گویا غیر حاضر ذہن کے ساتھ دوسرے کام میں منہمک ہونے کے باوجود برجستہ چند صفحات تحریر فرمادیتے۔ بغیر مطالعہ یا تحریر کے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ فالج کے بعد عام تاثر یہ تھا کہ آپ کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ رک جائے گا لیکن دیکھنے والے زندہ ہیں کہ آپ آخری دن تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور ان آخری چار سالوں میں ایسی مشکل کتابوں پر آپ نے کام کیا جن کو ہاتھ لگاتے ہوئے نوجوان عالم دین بھی تیار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی المعروف ”حضرت جی“ کی چھ نمبروں پر عربی تصنیف کا ترجمہ اور حوالہ جات کے اندراج کا کام آپ نے وفات سے ایک سال قبل مکمل کیا، گزشتہ حج کے موقع پر آپ علامہ فضل اللہ تورپشتی کی فارسی زبان میں عقیدہ پر کتاب ”المعتمد فی المعتقد“ کا ترجمہ فرمارہے تھے۔ مولانا سعید احمد جلالپوری اور میری عدم موجودگی کی وجہ سے سفر کے آخری دن جو جدہ اور حاجی کیمپ میں صرف ہوتے ہیں، میں نے اپنے ایک بزرگ ساتھی مولانا امان اللہ خالدی کو لگادیا کہ وہ حضرت کے ساتھ رہیں اور حضرت املا کرائیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔ جب مولانا امان اللہ خالدی صاحب سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ حضرت تو تھکتے ہی نہیں۔ میرے لئے تو ساتھ دینا مشکل ہوگیا۔ سفر افغانستان میں بھی یہ کتاب جو فارسی کی مشکل

ترین تعبیرات پر مبنی ہے ساتھ تھی، جس کے ترجمہ کا دو تہائی حصہ آپ نے مکمل فرمالیا تھا، صفحہ ۱۹۰ پر کام کرنے کے لئے دفتر تشریف لا رہے تھے کہ طاغوتی نے آپ کو شہید کر دیا۔ افسوس کہ شہادت کی وجہ سے یہ عظیم سلسلہ رک گیا۔

ختم نبوت کے سلسلے میں حضرت شہیدؒ کی خدمات:

ترجمان ختم نبوت حضرت شہیدؒ نے جس سال دورۂ حدیث کیا اس سال تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء عروج پر تھی اور پورے پاکستان میں علماءِ دیوبند اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے، اس دور سے پہلے ہی حضرت شہید کا تعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھری سے تلمیذانہ ہو چکا تھا اور جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ آپ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جمعہ کی تقریر سننے جاتے تھے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو فرد بھی حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سن لیتا وہ ختم نبوت کا شیدائی بن جاتا تو حضرت شہیدؒ کو حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جانب سے یہ جذبہ کس درجہ ملا ہوگا؟ اس کا اندازہ بعد کے واقعات و حالات سے خود بخود ہو گیا۔ حضرت شہیدؒ نے بھی ایک طالب علم کی طرح جوش و جذبہ سے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ضرور حصہ لیا۔ اگرچہ اس کے خاص حالات تو آپ نے کبھی ذکر نہ فرمائے اور نہ ہی کسی اور سے سنے گئے۔ البتہ آپ اس کا تذکرہ اکثر فرماتے تھے کہ میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء والے سال دورۂ حدیث سے فارغ ہوا۔ اسی دور کی برکت اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے بیانات سننے کے اثرات تھے کہ جب مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسی بڑی شخصیت نے قادیانیوں کی حمایت میں غلط فہمی کی بناء پر ایک شذرہ تحریر فرمادیا تو حضرت شہیدؒ سے برداشت نہ ہو سکا اور باوجود میدان تحریر کے شہسوار نہ ہونے کے فوری طور پر اس کا جواب لکھ کر دارالعلوم دیوبند کو بھیج دیا اور وہ شائع ہو گیا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا جواب لکھنے کے لئے آپ کو کتنی محنت کرنی پڑی ہو گی اور کتنا کچھ مطالعہ کرنا پڑا ہو گا مگر عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ اس سے آپ کی گہری وابستگی کا بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ

سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی عقیدت و محبت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ حضرت بوری رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی مجلس حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بوری رحمۃ اللہ علیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے اس بنا پر ماہنامہ بینات ہر مرحلہ پر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت کے سلسلے میں اپنا فریضہ ادا کرتا تھا اور حضرت شہیدؒ اس میں برابر کے شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جماعت کے سفر کو ارتقائی سفر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ۱۹۵۳ء میں جزوی مارشل لاء کے قیام اور مجلس احرار اسلام پر پابندی کے بعد ۱۹۵۴ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ۱۴/ ربیع الثانی ۱۳۷۴ء مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۵۴ء کو مسجد سراجاں میں ہوئی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس کا پہلا امیر مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات ان کے رفقاً کی حیثیت سے شریک سفر ہوئے۔ تمام دفاتر حکومت نے قبضہ میں لے لئے تھے۔ ریکارڈ وغیرہ ضبط ہو چکا تھا، ایک لاکھ سے زائد افراد اسیر تھے، ان کی رہائی وغیرہ اور دیگر معاملات کی اصلاح میں عرصہ دراز لگ گیا۔ مولانا محمد علی جالندھری نے ایک ایک شہر اور بستی بستی جاکر مجلس کی تنظیم نو کی، اس بنا پر اس دوران دیگر علماً کرام کا ربط اس سلسلے میں معاونین کی حیثیت سے رہا مقامی طور پر کام کرنے کے عمل میں شرکت رہی، کوئی ایسی تحریک نہیں چلی جس کا تذکرہ لکھا جائے۔ اس بنا پر خود بڑے اکابر علماً کرام کی شرکت بھی ایک معاونت کے انداز کی سی رہی۔ اس دوران یکے بعد دیگرے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حضرت مولانا لال حسین اختر اور ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری جماعت کو ایک مربوط اور منظم شکل دے کر رخصت ہوتے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد حیات صاحب کو عارضی طور پر امیر بنایا گیا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی حیثیت ایک ڈولتی کشتی کی سی ہو گئی۔ حضرت شہیدؒ اس صورت حال سے بہت زیادہ پریشان تھے، اسی دوران جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کا اعلان ہوا اور اس اجلاس میں امیر کے انتخاب کا مسئلہ بھی ایجنڈے میں آیا، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بوری رحمۃ

اللہ علیہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے لئے گئے اور اپنے تاثرات اور دلی خواہش کا اظہار اس انداز میں فرمایا:

”حضرت آپ جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں میری درخواست ہے کہ یا تو جماعت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیں (امارت قبول فرمالیں) یا فاتحہ فراغ پڑھ کر جماعت کو ختم کرنے کا اعلان کردیجئے گا۔ حضرت اس ناکارہ کی درخواست سے بہت متاثر ہوئے اور برجستہ فرمایا:

”اگر میں جماعت کی امارت قبول کرلوں تو تم ساہیوال سے ملتان
مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں منتقل ہو جاؤ گے؟“

میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے کراچی آنے سے عذر ہے کراچی کے علاوہ آپ جہاں حکم فرمائیں گے وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔ حضرتؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے، ملتان تشریف لے گئے تو تمام اراکین مجلس شوریٰ نے حضرت سے درخواست کرتے ہوئے دفتر کی کنجیاں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھدیں اور عرض کیا:

”آپ کے استاذ محترم امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام امیر شریعت کے سپرد کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب اور ان کے رفیق مولانا محمد علی جالندھری یہ کام کررہے تھے ہم ان کے کارکن تھے، اب یہ آپ کے استاذ محترم کی میراث ہے اور اس کی کنجیاں آپ کے سپرد ہیں اگر اس کام کو جاری رکھنا ہو تو بسم اللہ ہماری قیادت کیجئے ورنہ کنجیاں پڑی ہیں دفتر کو تالا لگادیجئے ہم سب اپنے گھروں کو جاتے ہیں، اس طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مزاج کے خلاف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت قبول کرنا پڑی اور آپ نے پانچویں امیر کی حیثیت سے جماعت کی باگ ڈور سنبھالی یہ عجیب اتفاق ہے اور جس کا تذکرہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت کرکے دیگر علماء کرام کو بیعت کرنے کا حکم دیا تو میں نے پانچویں نمبر پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے بیعت کی تھی۔“

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے امیر بننے پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے درج ذیل تاثرات ماہنامہ بینات میں قائد تحریک کے عنوان سے تحریر

فرمایا:

"امیر شریعت سید عطأاللہ شاہ بخاریؒ قادیانیوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھے مگر حالات کا تیز و تند دھارا ان کے خلاف بہہ رہا تھا تاہم وہ شدید ترین ناموافق حالات میں بھی قادیانیت سے نمٹنے کا فیصلہ کر چکے تھے گویا:۔

موجِ خوں سر سے گزر ہی نہ جائے کیوں
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

جدید حالات میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے امیر شریعتؒ نے ملکی سیاسیات سے دست کش ہونے کا اعلان کیا اور آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ملتان کی ایک چھوٹی سی مسجد "مسجد سراجاں" میں ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ (مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۵۴ء) کو اپنے مخلص رفقأ کی مجلس مشاورت طلب فرمائی جس میں حضرت امیر شریعتؒ کے علاوہ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ مولانا شیخ احمدؒ (بورے والا) مولانا محمد عبداللہ رائے پوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا تاج محمود لائل پوری (فیصل آبادی) مولانا شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا غلام محمد بہاولپوری وغیرہ شریک ہوئے۔ غور و فکر کے بعد "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے ایک غیر سیاسی تبلیغی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تھا مجلس ختم نبوت کی تاسیس کا مختصر سا تعارف اور پس منظر۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس قافلہ کا پہلا امیر و قائد منتخب کیا گیا۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعتؒ کا وصال ہوا اور جماعت کو طفولیت کے عالم میں یتیم کر گئے۔

شاہ جی کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ المتوفی ۹ شعبان ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۳ نومبر (۱۹۶۶ء) امیر دوم، حضرت مولانا محمد علی جالندھری (المتوفی ۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء) امیر سوم اور مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر (المتوفی ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء) امیر چہارم منتخب ہوئے۔ مولانا لال حسین اختر کے بعد فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ کو نئے انتخاب تک مسند امارت عارضی طور پر تفویض ہوئی، خیال تھا کہ

آئندہ جماعت کی زمام قیادت مستقل طور پر انہیں کے سپرد کردی جائے، مگر اپنے ضعف و عوارض کی بنا پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرمادیا اور جماعت خلأ میں گھومنے لگی، یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان پیش قدمی کے رک جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا لیکن حق تعالیٰ شانہ کا وعدۂ حفاظت دین یکایک ایک لطیفہ غیبی کی شکل میں رونما ہوا، اور وہ اس منصب عالی کے لئے اسلاف کے علوم وروایات کی حامل ایک ایسی ہستی کو کھینچ لایا جو اس منصب کی پوری طرح اہل تھی، جس سے ملت اسلامیہ کا سر بلند ہوا، جس کے ذریعہ قدرت نے ختم نبوت کی پاسبانی کا وہ کام لیا جو اس دور کی تاریخ کا جلی عنوان بن گیا، اور وہ تھے شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسینی نور اللہ مرقدہ۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۹ / اپریل ۱۹۷۴ء کو یہ عبقری شخصیت "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی مسند امارت پر رونق افروز ہوئی۔

کسی جماعت کی صدارت قبول کرنا حضرت کے مزاج و مشاغل کے قطعاً منافی تھا لیکن مخلصین کے اصرار پر آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑا، یہ تو ظاہری سبب تھا لیکن اس کے باطنی اسباب ودواعی متعدد تھے جن میں سے تین اسباب اہمیت رکھتے ہیں۔

اول: حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے دور میں رد قادیانیت کے امام تھے۔ انہوں نے ہی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" مقرر کرکے ایک جماعت کو مستقل اسی مہم پر لگادیا تھا، اور علمأ امت سے ان سے تعاون کرنے کی بیعت لی تھی، اِدھر حضرت بنوری اپنے شیخ کے علوم وانفاس کے وارث تھے، تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت ان کے شیخ انور کی وراثت وامانت تھی، ظاہر ہے کہ اس کا اہل علوم انوری کے وارث اور ان کے روحانی جانشین سے بہتر کون ہوسکتا تھا؟ اس لئے جب ایک فعال جماعت کی قیادت ان کے سپرد ہوئی تو آپ نے اسے عطیہ خداوندی سمجھ کر قبول کرلیا۔

دوم: حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے انجمن حمایت اسلام کے جن اجلاس میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت مقرر کرکے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور دیگر علمأ نے بھی بیعت کرائی اس میں حضرت سید بنوری بھی شریک تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیخ انور اور ان کے امیر شریعتؒ کی جماعت بے کسی وبے بسی کے جنگل میں بھٹک رہی ہے اور

اس بے سہارا جماعت کے سارے اکابر اسے یتیم چھوڑ کر جا چکے ہیں تو آپ نے اپنی تمام تر معذوریوں کے باوجود اس یتیم جماعت کو اپنی آغوش شفقت میں اٹھالیا۔ گویا وہ بیعت جو آپ نے انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں "امیر شریعتؒ" کے ہاتھ پر کی تھی وہی آپ کو امیر شریعتؒ کی خلافت و جانشینی تک کھینچ لائی۔ ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ سے پہلے آپ "امیر شریعت" کی "پاسبان ختم نبوت فوج" کے سپاہی تھے اور اس تاریخ سے آپ کو اس فوج کا قائد و سپہ سالار بنادیا گیا۔

سوم: حضرت قدس سرہ پر حق تعالیٰ شانہ کے بے شمار انعامات تھے، آپ کے صحیفہ زندگی میں قدرت ایک نئے باب اور بالکل آخری باب کا اضافہ کرنا چاہتی تھی، اور وہ تھا آپ کے مقام صدیقیت کا اظہار۔ مسیلمہ کذاب کی خبیث امت کا صفایا سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فوج نے کیا تھا اور مسیلمہ پنجاب کی امت کی سرکوبی "یوسف صدیق" کی فوج نے "اول باآخر نسبتے دارد" راقم الحروف کا خیال ہے کہ اسی صدیقی نسبت کی تکمیل کے لئے قدرت آپ کو آخری عمر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت کے لئے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا قاضی احسان احمدؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری (قدس سرہ) نے حضرت کی خدمت میں جماعت کی قیادت کے لئے درخواست کی تھی مگر حضرت نے فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں صرف آپ ہی اس کے لئے موزوں ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس وقت جماعت کی امارت تو قبول نہیں فرمائی، البتہ جماعت کی سرپرستی اور مجلس شوریٰ کی رکنیت قبول فرمالی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ سے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے اور مجلس کی کوئی کارروائی حضرت کے ایماء وارشاد کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ بظاہر حضرت جالندھری مجلس کے امیر خود تھے مگر اس کی حقیقی قیادت اس وقت بھی حضرت بنوری قدس سرہ کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت بنوری قدس سرہ کا دور امارت اگرچہ بہت ہی مختصر رہا اور اس میں بھی حضرت اپنے بے شمار مشاغل اور ضعف و پیرانہ سالی کی بنا پر جماعت کے امور پر خاطر خواہ توجہ نہیں فرماسکتے تھے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی پر خلوص قیادت کی برکت سے جماعت کے کام کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچادیا اور "بنوری دور میں" جماعت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی اس سے

پہلے صرف تمنا کی جا سکتی تھی۔ ان کا بہت ہی مختصر خاکہ درج ذیل ہے :

"امارت سنبھالتے ہی تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کا آغاز ہوا جس کی قیادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو امیر منتخب فرمایا تھا اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوئی اور قادیانیوں کو ۷/ ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ حضرت شہیدؒ اس تحریک میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ شریک رہے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق اپنا کردار ادا کرتے رہے الغرض حضرت بنوریؒ جماعت ختم نبوت کے امیر منتخب ہو کر کراچی تشریف لائے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو مبارک باد دینے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اپنا وعدہ یاد ہے؟" میں نے عرض کیا بالکل میں حاضر ہوں۔ البتہ تین درخواستیں ہیں ایک رہائش کا مکان مرحمت فرمادیں، دفتر کے ساتھ مسجد تعمیر فرمادیں اور دفتر میں قرآن کریم کا مکتب بنادیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: تینوں شرطیں منظور ہیں۔ اس طرح حضرت شہیدؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے باضابطہ طور پر منسلک ہوگئے۔ اس دور میں جبکہ جماعت کے ناظم اعلیٰ کی تنخواہ تین صد روپے تھے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہیدؒ کی تنخواہ پانچ صد روپے طے فرمائی اور فرمایا کہ اس کی ادائیگی میں خود کیا کروں گا۔ حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میری ذمہ داری کیا ہوگی؟ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ بس کچھ نہیں۔ آپ جو چاہیں کریں، بس یہیں رہیں۔ ضابطہ کے طور پر اگرچہ آپ ناظم نشریات تھے مگر آپ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں تھی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور میں ختم نبوت لائبریری میں رکھی ہوئی اس موضوع سے متعلق تمام کتب کا مطالعہ کیا اور پرانی نایاب کتابیں تلاش کر کے ان کی طباعت کا اہتمام کیا، تردید قادیانیت کے موضوع پر متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ محدث العصر حضرت علامہ کشمیریؒ کی فارسی میں نادر کتاب "خاتم النبیین" کا اردو ترجمہ فرمایا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جو کام لیا جانا تھا وہ مکمل ہو چکا تھا جس کا تذکرہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ خود فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے وابستہ ہر فرد کے علاوہ پوری دنیا کے

مسلمان مغموم ہو گئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا جو صدمہ ہونا تھا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مشن نے آپ کو نہ صرف زندہ بلکہ زیادہ جوش و ولولہ سے کام کرنے پر آمادہ کیا اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن کی رفاقت میں زیادہ تندہی سے کام کرنے لگے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب زید مجدہم امیر منتخب کئے گئے جبکہ امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نائب امیر اور حضرت شہیدؒ ناظم نشریات اور مولانا محمد شریف جالندھری حسب سابق ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ گھنٹوں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں مگر لب پر مہر اور قلب و نظر سے لوگوں کی اصلاح اور دعاؤں کے ذریعہ حالات کی تبدیلی اور معاملات کی گتھی سلجھاتے نظر آتے ہیں۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات رہے وہ شیخ المشائخ کی جگہ بیان فرماتے رہے، اس دوران حضرت شہیدؒ نے شعبہ نشریات میں جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس وقت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جتنی کتب شائع ہوئی ہیں ان کی اشاعت میں ۸۰ فیصد آپ کی مساعی کا حصہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں مرزا طاہر کے سر پر پھر شرارت کا بھوت سوار ہوا اور اس نے آئین کی قادیانیت سے متعلق ترامیم قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی کھلے عام خلاف ورزی کریں۔ اپنی عبادت گاہوں پر قرآنی آیات تحریر کریں، کلمہ طیبہ آویزاں کریں، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر قادیانی اپنے سینہ پر کلمہ طیبہ آویزاں کر کے سڑکوں پر گھومے تاکہ مسلمان معلوم ہو اور لوگ دھوکہ کھائیں، غرض اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہلوانے کی مہم شروع کی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے حکومت کو متوجہ کیا مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی جس پر مجبور ہو کر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے تحریک چلانے کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو دوبارہ سرگرم کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت شہیدؒ نے رسائل کے ذریعہ کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات کی توہین کو دلائل سے واضح کیا۔ کوئٹہ کی جماعت نے مولانا نذیر احمد تونسوی کی قیادت میں قادیانیوں کو گرفتار کرا کر عدالت میں پیش کرایا اور سزا دلوائی۔ حضرت شہیدؒ اس موقع پر بہت زیادہ فکر مند تھے اور تحریک میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے ہمراہ

صف اول میں قیادت کرتے نظر آتے تھے۔ قلمی میدان مکمل آپ کے سپرد تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسلام آباد میں دھرنا دینے کا فیصلہ کیا، جس پر مجبور ہو کر راجہ ظفر الحق کی مشاورت سے جنرل ضیأ الحق مرحوم نے امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور قادیانیوں کو شعائر اسلام استعمال کرنے اور مساجد کی شکل میں عبادت گاہیں بنانے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہنے سے روکنے کے لئے قانون سازی ہوئی جو بعد ازاں مجلس شوریٰ سے منظور ہو کر ۸ ویں ترمیم کے ذریعہ دیگر اسلامی دفعات کے ساتھ آئین کا حصہ بنی اور اس طرح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو جو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں حضرت شہیدؒ کا بہت اہم کردار تھا۔ اس تحریک میں جمعیت علمأ اسلام نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں بھرپور ساتھ دیا اور جس طرح تحریک ۱۹۷۴ء میں مولانا مفتی محمود اور مولانا بنوری یک جان دو قالب تھے اس طرح اس تحریک میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن ایک ادنیٰ سپاہی اور خادم کی طرح شریک سفر تھے۔ امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا تو مرزا طاہر چناب نگر (سابقہ ربوہ) کی سب سے بڑی عبادت گاہ میں جہاں ہمیشہ وہ جمعہ پڑھا کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا تھا بیٹھ کر روتا رہا کہ اب ہمیں جمعہ سے بھی روک دیا گیا اور پھر راتوں رات پاکستان سے بھاگ کر اپنے آقاؤں کی چرنوں میں لندن کے نواح میں ایک مرکز قائم کر کے پناہ گزین ہوا اور پوری دنیا میں اسلام و پاکستان اور مسلمانان پاکستان کے خلاف سازشوں اور مذموم پروپیگنڈوں میں مصروف ہو گیا، ڈش انٹینا، سیٹلائٹ، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عیسائیوں کی این جی اوز کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ارتدادی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو اس سے تشویش ہوئی، حکومت کو متوجہ کیا مگر ان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئی اور سدباب کی کوئی کوشش نہیں کی، اس لئے شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کے حکم پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ لندن یا انگلینڈ میں کسی جگہ دفتر ختم نبوت قائم کر کے کام شروع کریں۔ اس دوران مرزا طاہر نے اپنی سالانہ کانفرنس کا اعلان پاکستان میں کیا تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے عدالت کے ذریعہ اس پر پابندی لگوائی کیونکہ ان کا یہ اجتماع امتناع قادیانیت آرڈی نینس کے خلاف تھا۔ قادیانیوں کی

جانب سے یہ سالانہ اجتماع انگلینڈ میں منعقد کرنے کے فیصلے پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے بھی انگلینڈ میں کانفرنس کے انعقاد اور دفتر ختم نبوت کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی کے ہمراہ انگلینڈ گئے۔ مولانا ضیأ القاسمیؒ، ملک عبدالحفیظ وغیرہ کی جانب سے ایک اجتماع کا فیصلہ ہوا۔ جمعیت علمأ برطانیہ کے اشتراک سے آخری دن فیصلہ ہوا کہ یہ اجتماع عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے ہو۔ بحمد للہ یہ اجتماع بہت کامیاب ہوا اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ انگلینڈ میں دفتر ختم نبوت قائم کرنے کے ساتھ مختلف علاقوں میں قادیانیت کی تردید اور عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت کے اظہار کے لئے بھرپور کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں امیر مرکزیہ نے مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور حضرت شہیدؒ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ دفتر خریدیں۔ حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی نے ابتدائی کام کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف متالا کے ساتھ دفتر کی جگہ پسند کی۔ بعد ازاں مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ نے عرب امارات، جنوبی افریقہ اور انگلینڈ کا تفصیلی دورہ کرکے اس دفتر کی رقم ادا کی اور اس طرح انگلینڈ میں قادیانیت کا تعاقب شروع کرکے مولانا محمد علی جالندھریؒ کا وعدہ پورا کر دیا کہ: ”قادیانی دنیا کے کسی بھی کونے، یہاں تک کہ اگر وہ چاند پر پہنچیں گے تو ہم ان کا وہاں بھی تعاقب کریں گے“۔ انگلینڈ میں دوسرے سال ۸۶ء میں پھر کانفرنس ہوئی۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ، شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ پورے انگلینڈ کا دورہ کرکے مسلمانوں کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ پورے انگلینڈ میں کام شروع ہوا۔ جمعیت علمأ برطانیہ کو اس عمل میں شریک کیا گیا ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے متفقہ طور پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو نائب امیر مقرر کیا۔ حضرت شہیدؒ نے فرمایا بھی کہ آپ کسی اور بزرگ کو اس عہدہ پر فائز کر دیں میں تو جماعت کا ویسے بھی خادم ہوں، مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جس کام کے لئے آپ کا تقرر دفتر ختم نبوت میں فرمایا، اس کا اصل وقت تو اب شروع ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد شریف جالندھری صاحب بھی اپنے رب سے جا ملے تھے۔ اب ان کی جگہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے علوم اور محنت ولگن کے وارث وامین مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری ناظم اعلیٰ تھے۔ آپ کی رفاقت کے لئے مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اکرم

طوفانی، مولانا بشیر احمد، مولانا اسمٰعیل شجاع آبادی، حاجی عبد الرحمٰن یعقوب باوا، مولانا منظور احمد الحسینی، مولانا عبد الرحیم اشعر، مولانا نذیر احمد تونسوی، مولانا سعید احمد جلالپوری، مفتی نظام الدین شامزئی، مفتی محمد اسلم، مولانا فضل الرحمٰن، ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر جیسے اصحاب علم و عمل و فضل موجود تھے۔ قادیانیت کا فتنہ عروج پر تھا۔ افریقہ اور سیر الیون مالی اور دیگر علاقوں میں قادیانیت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری تنظیمی مصروفیت کی بنا پر بیرونی ممالک کے امور خارجہ کی طرف توجہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ خان محمد خاموش تصرف کے ذریعہ روحانی طور پر تمام امور کی نگرانی کر رہے تھے۔ حضرت شہیدؒ پر پوری ذمہ داری عائد ہو چکی تھی، ایک طرف انہوں نے امیر مرکزیہ کی ترجمانی بھی کرنی تھی جیسا کہ خود امیر مرکزیہ نے اس وقت اس کا اظہار فرمایا: جب کسی نے عرض کیا حضرت! آپ تو نہ بیان فرماتے ہیں اور نہ ہی کچھ فرماتے ہیں۔ جاں نثاران ختم نبوت آپ سے کچھ سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:

> ”میری زبان مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو بنایا گیا ہے۔ جو میرے قلب و ذہن میں وارد ہوتا ہے مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے ذہن و قلب میں منتقل ہو جاتا ہے وہ اس کو جلسوں اور اجلاسوں میں بیان کر دیتے ہیں، جو چاہتا ہے کہ مجھے سنے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تقریریں سنے۔ جو چاہتا ہے میری تجویز کو مانے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تجویز پر عمل کرے۔“

حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہم کے ان جملوں سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست و تدبر اور مستقبل بینی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی امارت خواجہ خان محمد کو نائب امیر بنانے کی شرط کے ساتھ منظور کی تھی اور امارت قبول کرنے سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے دفتر ختم نبوت میں مستقل آنے کا وعدہ لے لیا تھا۔ یہ تیاری تھی اس دور کی جس کا مشاہدہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کرا دیا تھا۔ حضرت کے نائب امیر بنتے ہی جماعت کے لئے مشکل ترین چیلنج شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں جنوبی افریقہ کی عدالت میں قادیانی چیلنج کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنے اور ان کے قبرستان میں مردے دفن کرنے کی اجازت دی

جائے۔جج یہودی،وکیل یہودی، پوری دنیا کی نگاہیں اس مقدمہ پر،جنوبی افریقہ کا مشہور علمی و دینی خاندان میاں برادرز اور جمعیت علماٴ افریقہ اس مقدمہ میں فریق بن جاتے ہیں۔ان کی طرف سے درخواست آتی ہے کہ بڑے بڑے علماٴ کرام کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر، ڈاکٹر محمود احمد غازی، افضل چیمہ، ڈپٹی اٹارنی جنرل اور دیگر وکلاٴ اور حضرت شہیدؒ کا انتخاب کرتی ہے اور یہ حضرات جنوبی افریقہ تشریف لے جاتے ہیں۔ایک مرتبہ مختصر سماعت ہوتی ہے۔دوسری دفعہ طویل سماعت جس میں حضرت شہیدؒ اور مولانا عبدالرحیم اشعر طویل قیام فرماتے ہیں اور ڈاکٹر محمود غازی کو تیاری کراکر روزانہ عدالت میں بھیجتے ہیں۔قومی اسمبلی میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بختیار کو تیار کرکے مرزا ناصر پر جرح کرتے تھے۔جنوبی افریقہ میں حضرت شہیدؒ یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔رات بھر تیاری اور دن بھر مقدمہ میں شمولیت انتھک محنت کے بعد مقدمہ مسلمانوں کے حق میں ہو جاتا ہے۔

اسی طرح افریقہ کے ایک علاقہ مالی میں قادیانی مسلمانوں کو جھوٹ کے ذریعہ مرزا طاہر سے بیعت کرادیتے ہیں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملتی ہے تو فوری طور پر مولانا منظور احمد الحسینی اور حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا کو بھیجتے ہیں اور الحمد للہ ان کی محنتوں سے پچاس ہزار افراد توبہ کرکے مرزا طاہر اور مرزا قادیانی سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان پر لعنت برساتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک سالانہ کانفرنس انگلینڈ کے موقع پر حضرت شہید ہزاروں میل کا پُر مشقت سفر کرکے مسلمانوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تیار کرتے ہیں۔ ۴ سال قبل آپ پر فالج ہوا جس کی وجہ سے آپ کے لئے طویل تو کیا ہوائی جہاز کا مختصر سفر بھی ناممکن سا ہو گیا، لیکن عقیدۂ ختم نبوت کے لئے آپ کانفرنس کے موقع پر نہ صرف انگلینڈ تشریف لے گئے بلکہ اس سال جناب عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے بعض وجوہات کی بناٴ پر جماعت سے استعفیٰ دے دیا اور کانفرنس کی تیاری سے معذرت کی تو حضرت شہیدؒ نے ۱۲ تا ۱۴ گھنٹے روزانہ گاڑیوں کا سفر کرکے ایک ایک قریہ اور ایک ایک گاؤں جاکر لوگوں کو دعوت دی اور حضرت کی محنت اور حضرت شیخ المشائخ کے روحانی تصرف اور عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت سے یہ کانفرنس بھرپور انداز میں کامیاب ہوئی۔یہی صورت حال گزشتہ ۴ سال سے ہے کہ کانفرنس کی

کامیابی کے لئے مولانا محمد اکرم طوفانی کے کامیاب دورے کے بعد حضرت شہیدؒ طویل اسفار کرکے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور الحمدللہ حضرت کے اس ارشاد کہ : میں تم سے صرف عقیدۂ ختم نبوت کے لئے ایک دن مانگتا ہوں۔ کیا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حصول کے لئے ایک دن بھی مجھے نہیں دوگے ؟ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظوں میں شامل نہیں ہونا چاہتے ؟ اتنے کرب اور دلسوزی سے حضرت یہ ارشاد فرماتے کہ بعض دفعہ آپ پر ترس آجاتا اور حضرت کی تواضع اور انکساری پر رشک آتا، جی چاہتا کہ حضرت سے درخواست کریں کہ آپ اپنے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالیں، لیکن حضرت کے جذبہ عشق ومحبت کے سامنے کوئی بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ اسی طرح آپ دورہ پر تھے کہ معلوم ہوا کہ جمعیت علمأ ہند کے امیر وجانشین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید اسعد مدنی صاحب زید مجدہم بھی اسی طرف دورہ پر ہیں اور فجر کے بعد مجلس ذکر کراکر کچھ دیر قیام کے لئے ایک مکان پر ناشتہ کے لئے پہنچیں گے۔ چونکہ بعض امور پر ان سے مشاورت ضروری تھی اور براہ راست کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دینی تھی، اتفاق اس دن بہت طویل سفر تھا اس لئے حضرت شہیدؒ جلدی فجر کی اپنی جماعت کراکر سفر پر روانہ ہوگئے تھے۔ ہم نے گاڑی میں حضرت کو سلادیا، منزل پر پہنچے تو ابھی حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ تشریف نہیں لائے تھے کچھ دیر انتظار کیا، وہ تشریف لائے تو حضرت کو بیدار کیا گیا۔ آپ پر نیند اور تھکاوٹ کے بہت زیادہ آثار تھے اور کمزوری بھی زیادہ محسوس ہورہی تھی، اس کے باوجود حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب سے ملاقات کی، مشورہ کیا اور کانفرنس میں شرکت کی براہ راست دعوت دی۔ تفصیل کے لئے حضرت نے اس ناکارہ کو بات کرنے کو کہا۔ ملاقات کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے مجھے ایک طرف کرکے سخت ڈانٹا اور اپنے خاص انداز میں فرمایا :

> ”کیوں اس بڈھے (حضرت شہیدؒ) کو مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس طرح سفر ان پر ظلم ہے۔ ان سے صرف کانفرنس میں تقریر کراؤ، ان کی حالت تو بہت زیادہ خراب ہے، ان پر رحم کرو۔“

میں حضرت مولانا اسعد مدنی زید مجدہم کی مشفقانہ ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ان کے سامنے کیا عذر پیش کروں ؟ کیا حالات رکھوں ؟ ہمارے یہاں بدقسمتی یہی ہے کہ بزرگوں

کی قدر بھی آخری عمر میں کی جاتی ہے اور ان کی قدر و منزلت بھی اسی وقت دل میں آتی ہے اور لوگوں کا اصرار بھی یہی ہوتا ہے کہ حضرت شہید تشریف لائیں میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اگلے سال اس مشقت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر اگلے سال کیا وہ تو شہادت سے ایک ہفتہ قبل افغانستان تشریف لے گئے تھے۔اسی طرح کا ایک قصہ خود حضرت کی زبانی ہی بہت سال قبل ہو چکا تھا۔ امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ کی وفات بھی ایسی اچانک ہوئی کہ ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔ مفتی احمد الرحمنؒ کے بعد ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر عمومی مجالس میں شرکت کے لئے لوگ نہیں تھے۔ عقیدت و محبت کی تمام نگاہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مرکوز ہوگئیں۔ ادھر حضرت کی یہ کیفیت کہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے علاوہ رشد وہدایت کی محفل، اور مسجد فلاح تک محدود تھے، لوگوں سے وحشت تھی، سفر اور پروگرام تو حضرت کے لئے وبال جان سے کم نہ تھے۔ ادھر مدارس والے اپنے افتتاحی اور اختتامی پروگراموں اور ختم بخاری و مشکوۃ شریف مفتی احمد الرحمنؒ کے بعد کسی بزرگ ہستی کی تلاش میں تھے۔ حضرت شہیدؒ سے درخواست کی کہ مفتی احمد الرحمنؒ کی جگہ آپ نے چلنا ہے۔ ایک دو پروگرام پر تو آپ تشریف لے گئے لیکن جب پروگراموں کا تانتا بندھا اور آپ کے کاموں میں حرج ہونے لگا تو آپ نے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ میں مولانا اقبال اللہ صاحب کو لے کر ان کے مدرسہ جامعہ عثمانیہ معین آباد کے لئے وقت لینے گیا اور مولانا اقبال اللہ صاحب نے اصرار کیا تو حضرت نے مشفقانہ انداز میں آنے سے عذر فرمایا۔ مولانا اقبال اللہ صاحب اور میں نے عرض کیا حضرت مفتی احمد الرحمنؒ تشریف لے جایا کرتے تھے اور انکار نہیں فرماتے تھے، اب ہم کیا کریں؟ اس پر حضرت نے خوش طبعی کے انداز میں فرمایا: مفتی احمد الرحمنؒ کو تو تم نے مار دیا۔ اب مجھے مارو گے؟ بہر حال بات ہو رہی تھی ختم نبوت کے کام کے سلسلہ میں آپ کی وابستگی کی کہ بیماری، ضعف، پیرانہ سالی کے باوجود آپ انتھک محنت سے بھی نہیں کتراتے۔ چند سال قبل مرزا طاہر نے پوری دنیا کے علمأ کرام اور مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ وہ اس سے مباہلہ کریں۔ اس سلسلے میں ایک خط بھی اس نے جاری کیا۔ حضرت شہیدؒ کے پاس وہ خط پہنچا تو حضرت شہیدؒ نے اس پر ایک مدلل انداز میں جواب تحریر کر کے مرزا طاہر کو ارسال کیا اور مباہلہ کی ایک تاریخ مقرر کر دی۔ اس مقررہ تاریخ پر آپ

تشریف لے گئے، مگر مرزا طاہر نے اس سے پہلے ہی راہ فرار اختیار کر لی اور کہا کہ مباہلہ کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر ایک دوسرے کے لئے بد دعا کرتے رہیں۔ خود بخود حق ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت شہیدؒ نے برمنگھم کانفرنس میں اس کو چیلنج کیا۔ مباہلہ کی اصل حقیقت بیان کیا، چار سال قبل رمضان المبارک سے پہلے مرزا طاہر نے اعلان کیا کہ رمضان المبارک میں اس کی جماعت کے تمام لوگ پاکستان کے مسلمانوں اور علماءٔ کرام کے لئے بد دعائیں کریں کہ یہ لوگ تباہ و برباد ہو جائیں۔ پورے رمضان میں یہ بد دعا کرتے رہے، حضرت شہیدؒ نے فرمایا: بد دعا تمہارے اپنے اوپر لوٹے گی، تمہارا جھوٹا مدعی نبوت مرزا غلام احمد ایسے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کر چکا ہے۔ خدا نے حضرت شہیدؒ کی بات کی لاج رکھی اور مرزا طاہر ناکام و نامراد ہوا۔ آپ کی شہادت سے قبل جب موجودہ حکومت نے عبوری آئین میں قادیانیت سے متعلق ترامیم شامل نہیں کیں تو حضرت شہیدؒ بے چین ہو گئے اور موجودہ حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اخبار میں سب سے پہلا بیان دیا اور اتنی شدت اختیار کی کہ تحریک کے لئے میدان عمل میں اترنے کا ارادہ کر لیا۔ جمعیت علماءٔ اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کو اس کے لئے تیار کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت بھی تحفظ ناموس رسالت کے لئے تھی کیونکہ آپ کے مخالفین نے مرزا طاہر سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ بہر حال آپ نے ناظم نشریات اور نائب امیر ہونے کی حیثیت سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے جو خدمات انجام دیں، اس کے لئے شیخ طریقت، ولی دوران حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت سید نفیس شاہ صاحب زید مجدہم کا یہ جملہ بہت بڑا اعتراف ہے کہ جب امیر مرکزیہ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان نے حضرت سید نفیس شاہ صاحب زید مجدہم کو منصب نائب صدارت پر فائز فرمایا اور اس کی اطلاع حضرت شاہ صاحب کو دینے کے لئے راقم الحروف کی حاضری ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ ضعیف اور بیمار پر اتنی بڑی ذمہ داری کیوں ڈال دی۔ حضرت شہید اور مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ نے اس منصب کو اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ مجھے اس کے تصور سے بخار آجاتا ہے کسی مضبوط آدمی کو اس عہدہ پر رکھیں۔ واقعی حضرت شہیدؒ اپنی قوت و صلاحیت، محنت و جدوجہد، عقیدۂ ختم نبوت کے لئے قربانی دے کر ناموس رسالت پر جہاد کرتے ہوئے شہادت کے منصب پر فائز ہو گئے، اس لئے امت نے ان کو شہید ناموس رسالت کے لقب سے یاد کر کے

ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کردیا ہے۔

مسند رشد و ہدایت :

مسلک حقہ علمأ دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ صرف علوم ظاہری پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ اگر تزکیہ باطن نہ ہو تو اس علم ظاہری کی کوئی حیثیت نہیں گردانتے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے تجزیہ میں یہ خصوصیت لکھی ہے کہ علوم ظاہری اور علوم باطنی کا حسین امتزاج یہیں پر نظر آئے گا۔ (دوسرے خط میں) "رہبان باللیل اور فرسان بالنہار" کی عملی تصویر دارالعلوم دیوبند کے علمأ کرام ہی کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے تذکرہ میں علمأ اسلام تحریر فرماتے ہیں کہ :"دارالعلوم کے چپراسی سے لے کر شیخ الحدیث تک وقت کے اولیأ کرام ہوا کرتے تھے"۔ فقیہ ملت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم نے علوم ظاہری کے اونچے درجہ پر فائز ہونے کے باوجود اصلاح باطنی کے لئے سید الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی سے رجوع کیا اور تزکیہ نفوس اور سلوک کی منازل طے کر کے دستار خلافت سے سرفراز ہو کر امت کی ہدایت کے لئے مشعل راہ بنے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے رجوع کیا اور مدینہ منورہ کی ویران مساجد میں ذکر و اذکار اور مجاہدات کے ذریعہ منازل سلوک طے کیں اور شیخ وقت کی حیثیت سے ہزاروں افراد کی اصلاح کی خدمات سرانجام دیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سند فضیلت سے سرفراز ہو کر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرح خدمت عالیہ میں گئے اور مختصر عرصہ میں منازل سلوک طے کیں۔ اسی طرح حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ جب جامعہ خیر المدارس سے دستار فضیلت سے مشرف ہوئے تو آپ کی توجہ و عقیدت کا محور خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کو اگر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ تھا تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی طرف سے شرف خلافت و اجازت بیعت بھی حاصل تھا۔ اس حسین امتزاج نے رشد و ہدایت کی مسند کو چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ بڑے

بڑے اکابر علماءٔ کرام آپ سے بیعت ہوکر منازل سلوک طے کرنا اپنے لئے سعادت دارین گردانتے تھے۔ حضرت اقدس شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دستار فضیلت حاصل کرتے ہی اپنے آپ کو مکمل طور پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کرتے ہوئے بیعت کی درخواست کردی۔ جسے ازراہ شفقت و محبت حضرت نے قبول فرمایا اور اس طرح آپ سلسلہ اشرفیہ، امدادیہ، چشتیہ سے منسلک ہوکر اصلاح باطن کی منازل سلوک طے کرنے لگے اور حضرت جالندھریؒ نے جو معمولات تجویز فرمائے اس کو پورا کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپ کی حضرت جالندھریؒ سے خط و کتابت بھی ہوئی جو "خیر المکاتیب" کے عنوان سے "بیس مردان حق" میں حضرت شہیدؒ کے مضمون کے ذیل میں جو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری پر تحریر فرمایا شامل اشاعت ہے۔ حضرت شہیدؒ درس و تدریس کے ساتھ معمولات بھی پورے اہتمام سے ادا کرتے رہے اور ایک ایک مسئلہ پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی حاصل کرکے سلوک کی دشوار راہوں کو قطع کرتے رہے تا آنکہ ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے دار بقاءٔ کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ کو اپنے تزکیہ اور اصلاح نفس کے لئے کسی دوسرے شیخ کی ضرورت محسوس ہوئی، تب آپ کی نگاہ انتخاب اس دور کے ولی کامل، قطب الاقطاب قدوۃ السالکین، امام العارفین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی اور آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی جسے فرط محبت سے حضرت شیخ نے قبول کرتے ہوئے آپ کو سابقہ معمولات جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سلسلہ کے معمولات پورے کرنے کا حکم دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معمولات پورا کرنے کے ساتھ شیخ سے باضابطہ اصلاحی تعلق رکھا اور اپنے معمولات کی اطلاع حسب سابق دیتے رہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی نگاہ تھی۔ پاکستان سے ہر آنے جانے والے سے حضرت شہیدؒ سے متعلق آپ برابر معلومات حاصل کرتے رہتے اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ بارہا محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا تذکرہ بہت اچھے اور محبت بھرے انداز میں فرمایا جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔

۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کو آپ کی شہادت سے اکیس سال قبل اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے دس سال بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو درج ذیل خط تحریر فرمایا جس کے ایک ایک لفظ میں تواضع اور اپنی بے بضاعتی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سیدی حضرت الشیخ الامام دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھوں، مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہو کر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے، جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے بحمد للہ وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔ اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی۔ استغفار، درود شریف، تسبیحات فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ہوں۔ الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے، قلب مشغول بحق نہیں، بلکہ افکار پریشان اور خطراتِ وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہئے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا۔ الحمد للہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصال ثواب اور دعائے ترقی درجات التزاماً کرتا ہوں، کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے سے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

حضرت! یہ ناکارہ دور افتادہ بھی ہے اور بد استعداد بھی، اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائق رحم ہے۔ حضرت

والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو ہدایات فرمائیں گے انشاء اللہ ان پر بجان و دل عمل کروں گا۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں، اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور فیوض و برکات میں اضعافاً مضاعفہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۲۹/۳/۱۴۰۰ھ

۱۷/۲/۱۹۸۰ء

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جیسے پہلے سے اس خط کے منتظر تھے اور ان کو حضرت کی اس کیفیت احسان کا انتظار تھا اس لئے کہ تصوف کی اصطلاح میں حضرت شہیدؒ "فنا" کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کے خط کے ایک ایک حرف سے فنائیت اور خود فراموشی اور اتباع شیخ کے جذبات واضح طور پر نظر آرہے تھے اور سونا بھٹی سے کندن ہو کر نکل چکا تھا۔ اب اس کے اظہار اور کام لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ کی دوربین نگاہیں مستقبل میں جھانک رہی تھیں، سلسلہ امدادیہ کے ہمہ طرق کی تقویت حضرت شہیدؒ کے وجود با مسعود کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی، اس لئے فوری طور پر جواب کے ساتھ خلافت کی خلعت سے سرفراز فرما کر درج ذیل جواب تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ

"مکرم و محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون گرامی نامہ بہت دیر ہوئی پہنچا تھا مگر اس ناکارہ کی طبیعت روزانہ ہی خراب ہوتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے ڈاک پڑھنا اور جواب لکھوانا بہت مشکل ہوا...... مگر جواب کے لئے کبھی دریغ نہیں۔ آپ کے معمولات بالخصوص ذکر بارہ تسبیح کی پابندی سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ استقامت و ترقیات سے نوازے۔

توکلاً علی اللہ تعالیٰ آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں، جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کر لیا کریں، تربیت السالک، اکمال الشیم، ارشاد السلوک اپنے مطالعہ میں رکھیں، آپ بیتی نمبر ٦ میں جو اجازت کے متعلق مضمون ہے اس کو بھی مطالعہ میں رکھیں، اجازت بیعت کی حیثیت ایک سند کی سی ہے اس کو دلیل کمال نہیں سمجھ لینا چاہئے بہت سے لوگوں کو اس گمان میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ملاء اعلیٰ سے تحت الثریٰ میں گرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اس کو دلیل کمال سمجھ کر معمولات چھوڑ دیئے، حالانکہ اس کے بعد تو ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہ تو دلیل مناسبت ہے کہ آدمی اس کے بعد اگر محنت و مجاہدہ سے اس نسبت کو بڑھائے تو ترقی کرتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نسبت ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا واقعہ تذکرۃ الرشید میں بھی اور میری دوسری تالیف میں بھی کثرت سے مذکور ہے کہ حضرت کو حضرت حاجی صاحب نے بیعت کے ایک ہفتہ کے بعد فرمادیا تھا کہ: "میاں رشید احمد مجھے تو جو کچھ دینا تھا دے دیا اب بڑھانا تمہارا کام ہے" اور دوسرے موقع پر کسی کے استفسار پر کہ "حضرت پھر کیا ہوا؟" حضرت گنگوہی نے ارشاد فرمایا کہ: پھر تو میں مر مٹا، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ جو کچھ مجھے دینا تھا دے دیا، اس وقت تو مجھے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ حضرت نے کیا چیز مجھے دی، مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی؟ میرا تو جی چاہتا تھا کہ بہت تفصیل سے لکھوں مگر میری طبیعت بھی خراب ہے بہت مشکل سے یہ چند سطور لکھوا سکا ہوں، آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث

۷/ جون مدینہ طیبہ ۱۹۸۰ء

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تصور کے خلاف جب یہ خلافت نامہ پہنچا تو آپ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی کیفیت طاری ہوئی کہ آگ لینے گئے تھے پیغمبری مل گئی۔ حضرت نے تو اپنی بے بضاعتی کا ذکر کر کے معمولات کے اضافہ کی درخواست کی تھی، مگر ادھر

سے شیخ نے آپ پر خلافت کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا، اس لئے آپ پر ایک عجیب گریہ کی صورت پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اس جواب پر ان الفاظ کا یہ نوٹ تحریر فرمایا:

"یہ صحیفہ مبارکہ ۳۰/رجب ۱۴۰۰ھ کو موصول ہوا۔ اس کو پڑھتے ہی نہایت رقت سے گریہ طاری ہوا۔

اے اللہ! میری جو حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے، یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے حسن ظن کو قبول فرما اور اپنے اس نالائق و گناہگار بندے کو ان کی جوتیوں میں جگہ عطا فرما۔" محمد یوسف

۳۰ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

اندازہ کیجئے، ایک طرف قطب وقت سے خلافت کا اعزاز مل رہا ہے اور ادھر دوسری جانب حضرت شہیدؒ کی تواضع اور فنائیت کا یہ عالم کہ بجائے اپنی حالت پر ناز اور فرحت و خوشی کے اظہار کے اپنے نفس کے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے خوشی اور غم میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خلافت کے باوجود آپ حتی الوسع بیعت کرنے سے گریز اور احتراز کرتے رہے اور کوئی طالب آتا تو اس کو حضرت شیخ کی طرف بھیجدیا کرتے اور اس کے سامنے اپنی حالت منکشف کر دیتے اکثر فرماتے: "اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہوئی ہے ورنہ اگر ہماری حالت کو اللہ تعالیٰ دنیا پر ظاہر فرمادیں تو لوگ ہم پر تھوکیں بھی نہیں۔" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ یہ تصنع یا تکلف کی بنا پر نہیں فرماتے تھے بلکہ منازل سلوک طے کر کے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی اور واقعتاً آپ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے آپ کو دنیا کا کمتر انسان گردانتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے باوجود شیخ کے دور ہونے کی بنا پر (جیسا کہ آپ نے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ دور افتادہ اور بداستعداد ہوں) آپ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور تصوف و سلوک کے سلسلے میں ان سے مشاورت فرماتے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بہت زیادہ شفقت کا معاملہ فرماتے اور خصوصی طور پر اپنے قریب بٹھاتے اور آپ کو اپنی مجلس کی رونق

فرماتے۔ بارہا فرمایا کہ: ”مولانا تقی عثمانی اور آپ میرے سرمایہ اور مدار نجات ہیں۔“ حضرت شہیدؒ کو بھی آپ سے والہانہ محبت تھی۔ شیخ طریقت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی خلافت کے فوراً بعد عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٰ عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اس کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد شدت سے حضرت شیخ کے خلفاً کرام خصوصاً حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب زید مجد ہم نے حضرت شہیدؒ سے اصرار کیا کہ وہ بیعت کا سلسلہ شروع کریں، مگر حضرت شہیدؒ عذر فرماتے رہے جس پر ایک دفعہ ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب نے فرمایا کہ: ”آپ بیعت نہ کر کے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو تکلیف پہنچار ہے ہیں۔“ بلکہ فرمایا کہ خود حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی انداز تھا مگر حضرت دہلوی اور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے زبردستی حکم دے کر بیعت کرائی اور فرمایا کہ کیا تم پر وحی آئے گی؟ جبریل علیہ السلام کے آنے کے منتظر ہو؟ بہر حال اس کے بعد حضرت شہیدؒ بادل نخواستہ بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بیعت کے لئے آنے والوں کو فرماتے: کیوں اپنی زندگی خراب کرتے ہو؟، اس ناکارہ سے بیعت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ فلاں حضرت کے خلیفہ کے پاس چلے جاؤ، فلاں سے بیعت کر لو، استخارہ کر لو، مگر جب بہت ہی مجبور ہوتے تو بیعت فرما لیتے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد تو آپ پر بیعت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ علمأ کرام، مشائخ عظام اور عوام الناس کا ایک سیلاب تھا جس کا رخ آپ کی طرف ہو گیا جو ایک دفعہ زیارت کر لیتا گرویدہ ہو کر مرید بن جاتا، رفتہ رفتہ آپ پر تصوف کا رنگ اتنا غالب ہوا کہ تصنیف و تالیف اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کے علاوہ زیادہ وقت مسند رشد و ہدایت پر ہی صرف ہوتا۔ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ ایک بجے تک متوسلین، متبعین اور مریدین کا مجمع رہتا۔ فجر سے قبل مسجد فلاح ذاکرین کے ذکر کی روحانی کیفیت سے سرشار نظر آتی۔ آپ کا معمول تہجد کے بعد فجر سے قبل ذکر کا تھا لیکن وہ آپ اپنے گھر پر کرتے مگر آپ کے متوسلین اکثر مسجد میں ذکر کرتے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بیعت کے لئے آپ کی شرائط بہت زیادہ سخت تھیں مگر اس کے باوجود مریدین ٹوٹے پڑتے تھے بغیر داڑھی والے، یا غیر شرعی داڑھی

والے کو آپ اس وقت تک بیعت نہ کرتے جب تک وہ توبہ کر کے اپنی داڑھی کو شرعی نہ کر لیتا۔ کالر والے لباس یا غیر شرعی لباس پہننے والے کو بیعت نہ کرتے، بلکہ ان لوگوں سے معانقہ تک سے احتراز کرتے، دعا کے لئے کہتے تو فرماتے کہ دعا کس طرح قبول ہوگی تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کیا ہوا ہے۔ بیعت کراتے ہوئے آپ ان الفاظ سے تجدید ایمان اور گناہوں سے توبہ کراتے :

(الفاظ بیعت مع خطبہ)

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا۔ من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له۔ ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله۔ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

امابعد فاعوذبالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيما

ان الذين يبايعونک انما يبايعون الله يدالله فوق ايديهم۔ فمن نكث فانما ينكث علىٰ نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيوتيه اجراً عظيماً

جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ کہتے جاؤ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ)

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ہم گواہی

دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔

ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے نبیوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی یا بری تقدیر اللہ کی جانب سے ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

ہم نے توبہ کی کفر سے، شرک سے، بدعت سے، چغلخوری سے، بے حیائی کے کاموں سے، تہمت لگانے سے، چوری سے، برایا مال ناحق کھانے سے، اور ہم توبہ کرتے ہیں ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ: انشاء اللہ، انشاء اللہ، انشاء اللہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا فوراً توبہ کریں گے۔ یا اللہ! ہماری توبہ کو قبول فرما۔ (آمین)

ہم نے بیعت کی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے محمد یوسف لدھیانوی کے ہاتھ پر۔ یا اللہ! ہماری اس بیعت کو قبول فرما اور دنیا و آخرت میں اپنے محبوب اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب فرما۔

سلوک کی منازل طے کرانے میں آپ کا انداز مشفقانہ تھا، سختی نہیں فرماتے تھے بلکہ ترغیب اور تصرف کا زیادہ استعمال فرماتے۔ بیعت کرتے ہی مریدین میں سنت کا رنگ غالب آنے لگتا، آپ باجماعت نماز اور تکبیر تحریمہ کا وعدہ لازمی طور پر لیتے اور باجماعت نماز سے غفلت اور تکبیر تحریمہ کے تارک کو سخت تنبیہ فرماتے، شفقت کے انداز میں آپ کسی بے داڑھی والے کے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تو حضرت کی کرامت یا ہاتھ کی برکت کا ایسا اثر ہوتا کہ وہ چہرہ کچھ دن بعد داڑھی سے مزین ہو جاتا۔ مفتی خالد محمود نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال کے مطابق اقرأ روضۃ الاطفال لاہور ٹرسٹ کے معاون، نعمت ٹرسٹ کے ایک اجلاس میں حضرت شہید شریک ہوئے تو ایک یا دو فرد داڑھی والے تھے مگر جب کچھ عرصہ بعد دوبارہ اجلاس ہوا تو ایک دو کے علاوہ باقی تمام ٹرسٹی داڑھی کی نعمت سے مزین ہو چکے تھے۔ باجماعت نماز کا اہتمام اور تلاوت کلام پاک اور مختصر تسبیحات کے ذریعہ آپ اصلاح فرماتے۔ عام طور پر معمولات میں صبح و شام ایک تسبیح تیسرا کلمہ، ایک تسبیح درود شریف، اور ایک تسبیح استغفار اور ایک پارہ تلاوت کلام پاک، حفاظ

کے لئے تین پارے، مناجات مقبول کی ایک منزل اور حضرت مخدوم ہاشم کی مرتب کردہ درود شریف کی کتاب ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ کی ایک منزل پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ حالات سے اطلاع کی صورت میں مزید وظائف بتاتے، عام طور پر مختصر ذکر کرنے کا حکم دیتے جو آٹھ تسبیحات پر مشتمل ہوتا تین سو مرتبہ لاالہ الااللہ اور پانچ مرتبہ اسم ذات، اس سے زیادہ کام کرنے والوں کو دوازدہ تسبیح کی بھی تلقین فرماتے۔ ہر مرید کے حسب حال وظائف اور معمولات بھی تجویز فرماتے۔ ہر جمعرات کی مجلس میں اصلاحی بیان فرماتے، جمعۃ المبارک کا بیان بھی اصلاحی عنوانات پر مشتمل ہوتا، بیس سال میں لاکھوں افراد نے آپ سے اصلاح حاصل کی۔ زندگی کے آخری دور میں پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود آپ نے گلگت کی دشوار گزار وادیوں میں سفر کیا اور اصلاحی مجالس کے ذریعہ ہزاروں افراد نے ایک ہفتہ میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرکے بیعت کی اور اپنی زندگی کا رخ تبدیل کیا۔ لندن، افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ تصوف و طریقت میں آپ کا انداز بہت زیادہ سہل تھا، اس لئے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ رہی اور اسی طرح آپ پر حسن ظن بہت زیادہ غالب ہوگیا تھا، خاص کر عمر کے آخری حصہ میں شفقت و محبت کے غلبہ اور دین کی اشاعت کا جذبہ آپ پر بہت زیادہ غالب آگیا تھا، اس لئے آپ نے مختلف الخیال لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کیلئے خصوصی طور پر شفقت کا معاملہ کیا اور اس راہ کی طرف متوجہ کیا، ان میں جمعیت علماً اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن، سپاہ صحابہ کے مولانا اعظم طارق، جیش محمد کے مولانا مسعود اظہر، تبلیغی جماعت کے مولانا طارق جمیل، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا احمد میاں حمادی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جیسی شخصیات شامل ہیں۔ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور مولانا فضل الرحمٰن کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا:

”آپ دونوں حضرات جس منصب پر فائز ہیں یعنی جمعیت علماً اسلام کی امارت اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا اہتمام، یہ اتنا عظیم منصب ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمارے اکابر علماً نے صاحب نسبت افراد کا تقرر کیا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ آپ حضرات کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ منصب علماً کرام کے ذریعہ دلوادیا تو آپ صاحب نسبت ہوں اس لئے میں آپ کو اپنے سلسلہ کی خلافت دیتا

ہوں۔ مولانا اعظم طارق نے جیل سے خط کے ذریعہ بیعت کی اور منازل سلوک طے کرنے کے لئے خطوط تحریر فرمائے، جیل میں آپ نے محسوس کیا کہ اب نفس تصوف کی طرف متوجہ ہو گیا ہے تو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ گلگت میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی تو اپنے احباب کو فرمایا: ہم نے پنچھی کے پر کاٹ دیئے ہیں دیکھیں کیا ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا طارق جمیل کو نسبت کے ذریعہ قابو کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے کام لے گا۔“

بلا مبالغہ حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مراقدہم کے بعد مسند رشد و ہدایت سے اتنا زیادہ اصلاح کا کام حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہی نظر آتا ہے۔ خدا کرے اکابرین کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ حضرت شہیدؒ کے درج ذیل خلفاً کرام ہیں:

(۱) حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ (امیر جمعیت علماً اسلام)
(۲) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ، (ملتان)
(۳) حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی (کراچی)
(۴) حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (کراچی)
(۵) حضرت مولانا محمد اعظم طارق (صدر سپاہ صحابہؓ)
(۶) حضرت مولانا احمد میاں حمادی (ٹنڈو آدم)
(۷) حضرت مولانا مفتی منیر احمد اخون (کراچی)
(۸) حضرت مولانا مسعود اظہر مدظلہ (امیر جیش محمد ﷺ)
(۹) حضرت مولانا حسین، حسین پوری مدظلہ (ملتان)
(۱۰) حضرت مولانا منظور احمد الحسینی (لندن)
(۱۱) حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہ (برطانیہ)
(۱۲) حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب مدظلہ (برطانیہ)
(۱۳) حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مدظلہ (مدینہ منورہ)

(۱۴) حضرت مولانا قاری محمد یسین یوسفی مد ظلہ (کراچی)
(۱۵) حضرت مولانا قاری محمد صدیق رحیمی مد ظلہ (ملتان)
(۱۶) حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ رحیمی (مرحوم)
(۱۷) حضرت مولانا محمد سلیمان ہوشیار پوری (مرحوم)
(۱۸) حضرت مولانا رب نواز صاحب مد ظلہ (حیدر آباد)
(۱۹) حضرت حافظ فیروز الدین صاحب مد ظلہ (کراچی)
(۲۰) حضرت مولانا قاری عطاء اللہ صاحب مد ظلہ (ملتان)
(۲۱) حضرت مولانا قاضی نثار احمد مد ظلہ (جامع مسجد گلگت)
(۲۲) حضرت مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی مد ظلہ (کراچی)
(۲۳) حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مد ظلہ (برطانیہ)
(۲۴) حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مد ظلہ (کراچی)
(۲۵) حضرت مولانا مفتی فضل الحق مد ظلہ (بنگلہ دیش)
(۲۶) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مد ظلہ (اورکزئی ایجنسی)
(۲۷) حضرت مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب مد ظلہ (کراچی)
(۲۸) حضرت مولانا ڈاکٹر وسیم احمد صاحب مد ظلہ (کراچی)
(۲۹) حضرت مولانا ابوالاشرف احمد صاحب مد ظلہ (ٹھٹھہ)
(۳۰) حضرت قاضی قائم الدین مد ظلہ (ٹھٹھہ)
(۳۱) حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری صاحب مد ظلہ
(۳۲) حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مد ظلہ (کامرہ)
(۳۳) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مد ظلہ (کراچی)
(۳۴) حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی مد ظلہ (مکہ مکرمہ)
(۳۵) حضرت مولانا ابراہیم ہاشم امریکی مد ظلہ (ویسٹ انڈیز)
(۳۶) حضرت مولانا مفتی نعیم میمن مد ظلہ (حیدر آباد)
(۳۷) حضرت خواجہ متین الدین مد ظلہ، ٹورنٹو (کینیڈا)

(۳۸) حضرت مولانا اقبال اللہ مد ظلہ (کراچی)
(۳۹) حضرت مولانا احسان اللہ ہزاروی (کراچی)
(۴۰) مفتی محمد جمیل خان (کراچی)
(۴۱) حضرت مولانا طارق جمیل مد ظلہ (تبلیغی مرکز رائیونڈ)
(۴۲) حضرت مولانا اللہ وسایا مد ظلہ (ملتان)
(۴۳) حضرت مولانا محمد انور فاروقی مرحوم (کراچی)
(۴۴) حضرت مولانا الشیخ عبد السمیع فقیر مد ظلہ (کراچی)
(۴۵) حضرت مولانا قاری عبد الرشید مد ظلہ (حیدر آباد)
(۴۶) حضرت مولانا امیر عبد اللہ مد ظلہ (افغانستان)
(۴۷) شیخ القرآن حضرت مولانا محمد افضل مد ظلہ
(۴۸) حضرت مولانا قاری محمد طیب نقشبندی مد ظلہ
(۴۹) سید اطہر عظیم (مجاز صحبت)، کراچی

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی طرح آپ بھی ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا خصوصی اہتمام فرماتے اور گویا پورے سال میں دس دن کے لئے آپ ایک خصوصی خانقاہ کے طرز پر متوسلین کی تربیت فرماتے۔ کراچی کے علاوہ مختلف علاقوں سے آپ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں اعتکاف کے لئے پہنچتے۔ اس میں بھی حضرت کی شرائط بہت سخت ہوتیں کہ کسی بغیر داڑھی والے شخص کو اعتکاف کی اجازت نہیں دی جاتی، کم عمر نوجوانوں کو اعتکاف میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا، اس پورے دس دن کے دوران حضرت خصوصی طور پر اس کا اہتمام فرماتے کہ زیادہ تر لوگ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور ایک دوسرے سے تعلقات پیدا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھیں۔ تہجد سے رات گئے تک کے معمولات میں ایک لمحہ کی فرصت نہیں دی جاتی۔ رات تین بجے تہجد کی نماز ادا کی جاتی، خصوصی طور پر اہتمام کر کے معتکفین کو جگایا جاتا۔ سحری ساڑھے چار بجے آخری وقت میں کرائی جاتی، اس کے بعد فجر کی نماز کے بعد یٰسین شریف کا ختم کیا جاتا، اور کچھ دیر وظائف کے بعد اشراق کی ادائیگی کے بعد معتکفین آرام کرتے اور حضرت بھی آرام فرماتے دس بجے تمام معتکفین کو جگادیا

جاتا اور تمام ساتھی تبلیغی احباب کی نگرانی میں سورتوں کی اصلاح اور دعائیں وغیرہ یاد کرتے، بعد نماز ظہر ختم خواجگان ہوتا اور مجلس ذکر منعقد ہوتی۔ اس کے بعد انفرادی اعمال اور تلاوت کلام پاک میں احباب مشغول ہو جاتے، بعد نماز عصر حدیث شریف کا درس ہوتا اس کے بعد افطاری اور وقت افطار کی انفرادی دعا کی تیاری میں ساتھی مشغول ہو جاتے زیادہ تر احباب دعائیں یا تلاوت میں مصروف رہتے۔ افطار کے بعد کھانا اور وضو کے بعد عشاً کی نماز اور تراویح ادا کی جاتی ہے۔ تراویح کے بعد درود شریف کی چہل حدیث پڑھی جاتیں اور حیاۃ الصحابہ سے تعلیم ہوتی کچھ دیر معتکفین آرام کرتے یا انفرادی تقاضے پورے کرتے، طاق راتوں کو تراویح کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضرت شہیدؒ ایک گھنٹہ اصلاحی بیان فرماتے اور پھر طویل دعا فرماتے۔ تراویح کے بعد یا اصلاحی بیان کے بعد حضرت شہیدؒ ابتدا میں قاری محمد عبداللہ صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا قاریؒ رحیم بخش پانی پتی سے تین تین پارے قرآن مجید نفلوں میں سنتے ان کے انتقال کے بعد میں قاری محمد عثمان اور صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی سے قرآن مجید سنتے رہے۔ اس طرح چوبیس گھنٹہ میں بمشکل تین چار گھنٹہ آرام فرماتے، اس اعتکاف میں آخری سال سات سو کے قریب ستائیس رمضان کے بعد ڈیڑھ ہزار کے قریب متوسلین شریک اعتکاف ہوئے تھے، طاق راتوں کے بیان میں مسجد کے اطراف کی تمام سڑکوں اور میدان کی طرف سامعین کا ایک اژدھام ہوتا تھا۔ چالیس اور پچاس ہزار سے زائد افراد شرکت کرتے حضرت اگرچہ باآواز بلند دعا نہیں فرماتے تھے لیکن آپ کی آہ وزاری کی وجہ سے پوری مسجد دعا کے دوران آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خدا تعالیٰ کو راضی کرتی نظر آتی۔

حضرت شہیدؒ اور تبلیغی جماعت:

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو نہیں ملا مگر آپ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے محبت کو نجات کا مدار گردانتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ المعروف حضرت جی! سے آپ کو خاص عقیدت تھی جیسا کہ حضرت شہیدؒ نے لکھا ہے کہ مجھے حضرت جیؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ اسی نسبت سے تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کو خاصی وابستگی تھی۔ ابتدائی دور میں آپ نے کئی چلے لگائے بلکہ سالانہ

ایک چلے کا اہتمام فرماتے، اکثر مقامی کام میں بھی شرکت کرتے، سہ روزہ اور عشرہ کا بھی اہتمام کرتے اور تعلیم وغیرہ میں بھی شرکت فرماتے، بعد میں تبلیغی تصنیفی اور اصلاحی مصروفیت کی بنا پر آپ کو وقت نہیں ملتا تو صرف ساتھیوں کی تائید و نصرت فرماتے۔ کراچی مسجد فلاح تشریف لانے کے بعد مقامی تبلیغی احباب سے آپ بہت زیادہ محبت و تعلق فرماتے اور ان کے تمام پروگراموں میں شرکت کرتے۔ حضرت مولانا سعید احمد صاحب، بھائی عبدالوہاب صاحب اور دیگر تبلیغی اکابر کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ مولانا سعید احمد خان صاحب مدینہ منورہ میں آپ کی خصوصی دعوت فرماتے۔ یہ حضرات کراچی تشریف لاتے تو خصوصی طور پر ملاقات کے لئے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، دفتر ختم نبوت یا مسجد فلاح تشریف لاتے، حضرت شہیدؒ رائیونڈ اجتماع، کراچی اجتماع یا خصوصی جوڑ وغیرہ میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے، کبھی کبھی شب جمعہ میں مدنی مسجد بھی تشریف لے جاتے۔ جامع مسجد فلاح میں تشکیل کے موقع پر ساتھیوں کو اور اپنے مریدین کو شرکت کی تلقین کرتے بلکہ بعض مرتبہ خود بیان فرما کر تشکیل میں حصہ لیتے۔ جماعتوں کو رخصت فرماتے، گلگت میں تبلیغی مرکز میں آپ نے آخری سفر میں بیان فرمایا، لندن اور بیرونی اسفار میں بھی تبلیغی مراکز میں آپ کے بیانات ہوتے، رائیونڈ میں امتحان لینے کے لئے ہر سال آپ کو بلایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں آپؒ سے اس سلسلہ میں ایک عظیم خدمت اور کام لیا اور وہ یہ کہ حضرت جیؒ کی مرتب کردہ چھ باتوں کی تشریح پر مشتمل عربی تصنیف کا آپ نے ترجمہ کیا اور اسے ایڈٹ کر کے اس پر اضافوں کے ساتھ اس پر حوالہ جات نئے سرے سے لگائے۔ اعتکاف میں تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم دس دنوں کے لئے اپنی مسجد تبلیغی جماعت کو ٹھیکہ پر دے رہے ہیں اکثر معمولات تبلیغی وغیرہ ہی کراتے۔ بہر حال زندگی بھر آپ تبلیغی جماعت کے بہت زیادہ مؤید رہے اور خصوصی طور پر اس کام کی اہمیت کا تذکرہ عام مسلمانوں میں فرماتے اور اس کو مسلمانوں کے لئے نعمت قرار دیتے۔

دینی مدارس کے تحفظ کے لئے حضرت شہیدؒ کی خدمات:

دینی مدارس کو آپؒ مسلم معاشرہ کی بقا کا ذریعہ تصور کرتے اور ان مدارس کے تحفظ کے لئے ہمہ قسم کی قربانی کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت سے عطا فرمایا تھا۔ ’’مولویت‘‘ آپ کا

طرۂ امتیاز تھی اور آپ نہ صرف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مولویت کو باعث فخر تصور کرتے بلکہ مولویوں کو کسی دوسرے کام میں مشغول دیکھ کر بہت زیادہ کڑھتے، مولوی فاضل یا منشی فاضل یا حکمت کا کورس وغیرہ کرنے یا عصری تعلیم کا پیوند لگانے کو مولوی کے لئے زہر قاتل تصور کرتے۔ مدارس کی چٹائیوں کو اونچے اونچے عہدوں پر فوقیت دیتے اور اس کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور دیگر کئی عہدے پیش کئے گئے مگر آپ نے ہر ایک کو ٹھکرادیا، آپ مولوی) کے لئے سرکاری نوکری یا سرکار کی خوشامد کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی طرح دینی مدارس کی خودمختاری اور تحفظ کو ضروری قرار دیتے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانہ میں دینی مدارس کے خلاف مہم چلی تو آپ نے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اس مہم کو ناکام بنایا۔ بینات وغیرہ میں مضامین شائع کئے، پھر جنرل ضیأالحق مرحوم کے دور میں جب دینی مدارس کے خلاف آواز اٹھی اور ان کو سرکاری تحویل میں لینے کا عندیہ ظاہر کیا گیا بلکہ ایک بورڈ تشکیل دے کر مدارس کے نصاب کو جدید نصاب سے ہم آہنگ کرنے کے منصوبے کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی مشاورت سے وفاق المدارس کے تعاون سے بھرپور مزاحمت کی اور روزنامہ جنگ میں بڑے وقیع اور مدلل مضامین کے ذریعہ اس منصوبہ کو مسترد کیا جس پر جنرل ضیأالحق مرحوم کو مشائخ کنونشن میں ہاتھ جوڑ کر اعلان کرنا پڑا کہ ہمارا ایسا کوئی منصوبہ نہیں۔

ایک دفعہ گورنر پنجاب نے دینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے بہت سخت انداز میں اس کو للکارا، اسی طرح احمد ندیم قاسمی بھی ایک دفعہ مدارس پر مہربان ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے مدلل جواب کے ذریعہ ان کو ساکت کیا۔ نواز شریف مدارس کے خلاف میدان میں آئے تو جمعیت علمأ اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں تحریک چلی، اس موقع پر بھی آپ نے بھرپور انداز میں تعاون کیا۔ دینی مدارس کے تحفظ کے ساتھ آپ اس کے قیام اور ترقی وترویج کے لئے بہت زیادہ کوشش کرتے۔ سینکڑوں مدارس آپ کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور چل رہے ہیں جبکہ ہزاروں مدارس کی آپ خصوصی طور پر امداد کرتے، رمضان المبارک میں دینی مدارس کے سفرأ اور علمأ کرام کا تانتا بندھا رہتا اور آپ بہت خوش دلی کے ساتھ

ان مدارس کو تصدیقات مرحمت فرماتے۔ خصوصی خطوط کے ذریعہ مختلف احباب خیر کے پاس بھیج کر تعاون کراتے۔ آپ کی مسجد میں ہر نماز میں کئی کئی مدارس کے لئے لاکھوں کا چندہ ہوتا۔ گزشتہ سال آپ نے تیس لاکھ روپے سے اوپر صرف مسجد فلاح سے مدارس کے لئے تعاون کرایا جبکہ دیگر مقامات سے اس کے علاوہ رقوم آپ نے دلوائیں۔ آپ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب کے مسلک پر پورا یقین رکھتے تھے کہ مدارس کے قیام سے مدارس کی ضرورتیں خود بخود پوری ہو جاتی ہیں، اس پر ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ:

> ”ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب تشریف فرما تھے کہ مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی ناظم مدرسہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے تشریف لائے اور فرمایا کہ مدرسہ میں نہ رقم ہے اور نہ ہی آٹا، دال، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ امداد فرمائے۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب نے یہ سن کر تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا: حبیب اللہ کوئی ایسی مسجد دیکھو جس میں مکتب نہ ہو، وہاں فوراً جاکر مکتب شروع کرادو۔“

مولانا فاضل رشیدی حیران ہوئے کہ مدرسہ میں کھانے کو نہیں اور یہ مکتب کھولنے کا کہہ رہے ہیں، بہر حال حکم تھا، فوری طور پر مضافات کی ایک ویران مسجد میں جاکر مدرسہ شروع کردیا اور آکر اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا: تمہارا کام ہو جائے گا۔ یہ اطلاع دے کر مدرسہ سے باہر نکلنے کے ارادہ سے دروازہ پر پہنچے تو غلہ مارکیٹ کا صدر آتا ہوا نظر آیا۔ مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بولا کہ مولوی صاحب مارکیٹ کی طرف سے غلہ جمع کر کے مدرسہ کے لئے رکھا ہوا ہے آپ کب اٹھائیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ فوراً ابھی بھیجو، اس کے بعد بیس ہزار روپے پیش کئے کہ یہ بھی مارکیٹ والوں نے مدرسہ کے لئے جمع کئے ہیں، میں وہ دینے کے لئے آیا تھا۔ اسی طرح حضرت شہیدؒ بھی ہر عالم دین کو تلقین کرتے کہ اپنے اپنے علاقوں میں مدارس قائم کریں، پاکستان سے باہر بھی آپ نے بہت زیادہ مدارس قائم کئے۔

حضرت شہید بحیثیت مدیر اقرأ روضۃ الاطفال:

اقرأ روضۃ الاطفال کا آغاز امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمن، مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی

حسن ٹونکی، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان اور دیگر اکابر علمأ کرام کی موجودگی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ابتدا ہی سے اقرأ کی سرپرستی خصوصی طور پر فرماتے تھے، امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ، بمطابق ۱۹۹۵ء میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں درخواست کی گئی کہ وہ اقرأ روضۃ الاطفال کا باقاعدہ اہتمام قبول کرلیں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس درخواست کو قبول فرماکر ایک تحریر مرحمت فرمائی جس میں تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

برادرم مولانا محمد جمیل خان کی فرمائش پر "توکلا علی اللہ اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر و مہتمم کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شانہ اس ادارے کو اپنی رضا کے مطابق قائم دائم رکھے اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص و رضا کی دولت سے سرفراز فرمائے اور جملہ معاونین کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین برحمتک یارب العالمین

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

نزیل مدینہ منورہ

زادھا اللہ شرفاً وکراماً

ببرکۃ ساکنہا ﷺ تسلیماً

۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

۷/ فروری ۱۹۹۵ء

اہتمام سنبھالتے ہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ اقرأ روضۃ الاطفال کی ترقی کے لئے لاہور، جہانیاں، پنڈی، پشاور، گلگت کے تفصیلی دورہ کئے۔ ہر شاخ کے افتتاح کے موقع پر فرماتے کہ انشاء اللہ یہ شاخ کامیاب ہوگی، جلدی دوسری شاخ شروع کریں گے۔ حضرت رحمۃ

اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت اور آپ کی انتھک محنت سے اقرأ روضۃ الاطفال نے بہت تیزی سے ترقی کی اور مختلف شہروں میں شاخوں کا آغاز ہوگیا، ہر جگہ آپؒ شاخ کے افتتاح کے لئے تشریف لے جاتے، سالانہ تقریب ختم قرآن میں شرکت کرتے، لوگوں کو اقرأ کھولنے، اقرأ میں بچے داخل کرنے کی ترغیب دیتے، آپ کی ترغیب سے گلگت میں جب کام شروع ہوا تو آپ موسم کی خرابی، راستہ کی دشواری کے باوجود شاخوں کے افتتاح کے لئے خود تشریف لے گئے اور کئی کئی گھنٹے کا طویل سفر کر کے اقرأ کی شاخوں کا افتتاح کیا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کی جدوجہد کے نتیجے میں الحمدللہ اس سال گلگت میں ۱۹ شاخیں قائم ہو چکی ہیں، جبکہ مزید ۶۵ کے قریب شاخوں کا منصوبہ ہے۔ الغرض اقرأ روضۃ الاطفال نے آپ کے دور اہتمام میں بہت زیادہ ترقیات کیں اور اس وقت پورے پاکستان میں ۴۰ سے زائد شاخوں میں پچیس ہزار تعلیم حاصل کرنے والے بچے آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اور مزید منصوبوں پر کام جاری ہے۔

حضرت شہیدؒ کے بیرونی اسفار :

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش ہوتی کہ سفر کم سے کم کریں تاکہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس اور اصلاح و تزکیہ نفوس کا کام جاری رہے، اس کے باوجود اسفار حج و عمرہ کے علاوہ تردید قادیانیت اور قادیانی مقدمات کے سلسلے میں آپ نے جنوبی افریقہ اور عرب امارات اور انگلینڈ کے اسفار کئے، انگلینڈ کے اسفار کا تذکرہ تو ختم نبوت کی خدمات کے عنوان سے ہو چکا ہے۔ جنوبی افریقہ کا طویل سفر آپ نے مسلمانان افریقہ کی دعوت پر قادیانیوں کے ایک مقدمہ کے سلسلے میں کیا تھا۔ یہ سفر اگرچہ ایک اعتبار سے تو آرام دہ تھا کہ زیادہ اِدھر اُدھر جانا نہیں تھا بلکہ ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنا تھا مگر اس اعتبار سے بہت زیادہ محنت طلب تھا کہ وکلأ کی ٹیم اور ختم نبوت کے نمائندوں کو تیار کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں بے شمار کتابوں کا مطالعہ کر کے ہر دن کے اعتبار سے تیاری کرانا ہوتی تھی اس کے لئے دن رات محنت کرنی پڑتی تھی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جانفشانی سے اس سلسلے میں کام کیا، ڈاکٹر محمود غازی کے مطابق زیادہ تر تیاری حضرت شہیدؒ ہی کرایا کرتے تھے۔ اس سفر میں آپ نے کچھ علاقوں کا دورہ کر کے علمأ کرام سے ملاقاتیں بھی کیں اور کئی ماہ تک آپ اس سلسلہ میں

جوہانسبرگ میں مقیم رہے۔ دوسرا سفر آپ نے ختم نبوت دفتر لندن کے فنڈز کے سلسلے میں عرب امارات وغیرہ کا کیا تھا۔ ایک اہم سفر آپ نے ازبکستان کا ایک ہفتے کا کیا، جس میں تاشقند، سمرقند اور بخارا تشریف لے گئے۔ بخارا میں ایک مسجد قادیانیوں کو دی جارہی تھی اس کو رکوایا لاکھوں کی تعداد میں قرآن کریم شائع کر کے تقسیم کئے۔ ظلمت کدہ کفرستان میں قرآن کریم شائع کرائے۔ مساجد اور مدارس قائم کئے، دینی کتب کی تقسیم کا بھی اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ آپؒ کے تمام اسفار عمرہ و حج کے ہیں۔

۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں حضرت شہیدؒ پہلی مرتبہ اپنے والد محترم کے ساتھ حج کی سعادت کے لئے تشریف لے گئے۔ والد محترم کا بھی پہلا حج تھا اور حضرت شہیدؒ کا بھی پہلا حج۔ اس حج میں آپ کو دو سعادتیں حاصل ہوئیں ایک والد صاحب کی خدمت اور دوسری حج کی سعادت۔ والد محترم حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں مجاہدہ ہی مجاہدہ کا رواج تھا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے۔ اس سفر میں جو برکتیں اور تجلیات ربانی اور روضہ مبارک کی لذتیں لوٹی ہوں گی وہ تو حضرت شہیدؒ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز ہے۔ ویسے بھی حضرت شہیدؒ اخفاً کے بہت زیادہ قائل تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے کہ ساغر چھلکے نہیں۔ بقول حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سمندر کے سمندر پی لئے مگر ڈکار تک نہیں لی، مسلک حقہ علماً دیوبند میں اظہار ظرف کے چھلکنے کی دلیل ہے، اس بناً پر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کوئی درود شریف مرحمت فرمائیں کہ جس کو پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے؟ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "آپ کی بڑی ہمت ہے ہمیں تو مواجہ شریف جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔" حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر یہ دو حرف کی تہمت (علم کی نسبت) نہ لگی ہوتی تو کوئی جانتا بھی نہیں کہ قاسم کون ہے؟" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ کے ہم مسلک و مشرب تھے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ مواجہ شریف میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بہر حال پہلے حج میں آپ نے والد محترم کے ساتھ خوب بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی اور روضہ

مبارک کی برکات لوٹیں، آپ کے والد محترم پندرہ سپارے تلاوت کرتے، حضرت شہیدؒ کو تو ویسے بھی قرآن مجید سے خصوصی شغف تھا اس لئے طواف کے علاوہ باقی وقت تلاوت کلام پاک میں گزرتا، پہلا حج تھا اس لئے آپ غار حرا، غار ثور اور دیگر زیارتوں پر بھی تشریف لے گئے۔ تہجد کے لئے حرم شریف پہنچ کر معمولات شروع فرماتے اور رات گئے تک مصروف رہتے، تکبیر تحریمہ کا تو ویسے بھی اہتمام تھا، بیت اللہ شریف میں اس کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تلاوت کلام شریف کے ساتھ کثرت سے درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، کئی کئی ہزار درود شریف کا روزانہ ورد فرماتے۔ زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزارتے، پہلے حج کے معمولات چونکہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ بتایا نہیں کرتے تھے، اس لئے گاہ بگاہ بے خیالی میں آپ نے جو بیان کیا اس کی روشنی میں اور آپ کے حالات سے اتنے ہی دستیاب ہو سکے، البتہ آخری پندرہ بیس سال سے آپ کے معمولات میں حضرت مولانا سید یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا فقیر محمد صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح یہ ہو گیا تھا کہ ماہ مبارک کے پہلے پندرہ سترہ دن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارتے اسی طرح حج کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔ غالباً ایک مرتبہ ناغہ ہوا کہ ویزہ نہ لگ سکا، ان اسفار میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ کراچی سے کئے جانے والے عمرہ اور مدینہ منورہ سے کیا جانے والا عمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرماتے، اس کے بعد اکثر روزانہ ایک عمرہ ضرور فرماتے۔ رات کے تیسرے پہر اٹھ کر اپنے مکان پر تہجد ادا فرماتے، اس کے بعد ذکر فرماتے۔ مناجات مقبول اور درود شریف کی کتاب ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ کی طباعت کے بعد اس کتاب کی منزل پڑھتے۔ پھر ہلکی سحری فرماتے، فالج سے قبل فجر کی نماز اہتمام کے ساتھ بیت اللہ شریف یا مسجد نبوی میں ادا فرماتے اور رمضان المبارک میں فوری طور پر واپس تشریف لا کر آرام فرماتے، دس بجے عمرہ کی ادائیگی فرماتے، ظہر کے بعد کچھ دیر تلاوت فرماتے اور اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے، عصر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ تلاوت فرماتے اور اس کے بعد افطار سے پہلے ایک طواف فرماتے۔ مغرب کی نماز کے بعد اوابین پڑھ کر گھر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت فرماتے، عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد پہلے قاری عبداللہ صاحب اور پھر راقم الحروف سے تین

تین سپارے تراویح میں سنتے اس کے بعد کتب خانوں میں تشریف لے جاتے یا احباب تشریف لاتے، کبھی ان سے ملاقات فرماتے کبھی نشاط ہوتا تو طواف کے لئے بھی تشریف لے جاتے، فالج کے بعد دو عمرہ روزانہ کرنے کا معمول تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: "مجھے کیا تکلیف میں تو راحت سے بیٹھا رہتا ہوں۔" "تم لوگوں کو تکلیف ہے" ایک مرتبہ تین عمرے بھی ایک دن میں ادا فرمائے اکثر اپنے احباب اور اکابر کی طرف سے عمرہ کرنے کا معمول تھا، مدینہ منورہ میں زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزرتا اور درود شریف کا معمول کثرت سے ہوتا، آپ پر بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں ایک خاص خوف کی سی کیفیت طاری رہتی خاص کر مدینہ منورہ میں آپ بہت زیادہ احترام کا معاملہ فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے، مسجد نبوی میں بہت کم کسی سے گفتگو فرماتے، اگر ضروری بات کرنی ہوتی تو دھیمے لہجے میں بات کرتے، جو کتاب تصنیف فرما رہے ہوتے، اس کے مسودات بھی ساتھ لے جاتے اور صبح آٹھ نو بجے سے لے کر ظہر تک تصنیف و تالیف کا کام فرماتے، آخری سفر میں عقائد کی کتاب کا ترجمہ فرما رہے تھے تو مولانا سعید احمد جلالپوری، مولانا امان اللہ خالدی سے ان اوقات میں املا کراتے رہے، یہاں تک کہ حاجی کیمپ اور جدہ کے قیام کے دوران بھی ترجمہ کرواتے رہے۔ ایک لمحہ بھی آپ نے کبھی ضائع نہیں کیا۔ ۱۸/ رمضان المبارک کو واپسی کا معمول تھا اور واپس آتے ہی اعتکاف کا مرحلہ شروع ہو جاتا۔ ایک سال کراچی کے خراب حالات کی وجہ سے پورا ماہ حرمین شریفین میں قیام فرمایا تو بیت اللہ شریف میں اعتکاف فرمایا، وہاں بھی کافی احباب جمع ہو گئے تھے حرمین شریفین کے بزرگوں سے خصوصاً تبلیغی بزرگوں میں سے مولانا سعید احمد خان صاحب، مولانا انعام الحسن صاحب رحمہم اللہ یا دیگر احباب سے خصوصی طور پر ملاقات فرماتے۔ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب تو بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے۔ گزشتہ حج کے موقع پر بھائی عبدالوہاب صاحب اور دیگر تبلیغی احباب ملنے کے لئے تشریف لائے تو آپ معلم کے یہاں گئے ہوئے تھے۔ یہ احباب وہاں تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ سے ملاقات کی، حج کے پانچ دنوں میں آپ خود بھی اور ساتھیوں کو بھی بہت زیادہ اہتمام کی تلقین فرماتے۔ عرفات کے میدان میں اکثر بیان فرماتے جس میں داڑھی رکھنے کی خصوصی اہمیت دیتے بلکہ ایک حج کے موقع پر تو یہاں تک فرمایا کہ جس نے داڑھی جیسے شرعی حکم کو توڑا اس کا حج قبول نہیں ہوگا۔ زیادہ وقت آپ پر رقت طاری رہتی۔ عرفات کے پورے

وقت میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعاؤں میں مصروف رہتے، وقوف عرفہ کے بعد آپ پر بہت زیادہ گریہ کا غلبہ رہتا، خود دعا نہیں کراتے بلکہ راقم الحروف کو حکم دیتے کہ وہ دعا کرائے۔ فالج سے قبل کھڑے ہو کر دعا فرماتے، فالج کے بعد ویل چیئر پر نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعا فرماتے۔ مزدلفہ کے میدان میں مغرب وعشأ پڑھ کر تھوڑی دیر آرام فرماتے اور پھر تہجد سے دعاؤں میں مشغول ہو جاتے، فالج سے قبل تک مزدلفہ سے منیٰ پیدل تشریف لاتے ایک مرتبہ حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیدل چلنے کا مقابلہ کیا پھر فرمایا مفتی صاحب! بہت تیز چلتے ہیں، ان کا مقابلہ مشکل ہے بہر حال ہمت کے ساتھ چلتے ہوئے قافلہ سے پہلے منیٰ پہنچ گئے۔ فالج کے بعد ویل چیئر پر مزدلفہ سے منیٰ تشریف لاتے، اسی طرح منیٰ سے مکہ میں آخری دن پیدل یا ویل چیئر پر تشریف لے جاتے، ساتھیوں کے ساتھ خیمے میں گھل مل کر رہتے۔ کوئی انفرادی حیثیت روا نہیں رکھتے تھے، حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ تشریف لے جاتے، مواجہ شریف پر حاضری کے بجائے قدمین شریفین پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتے۔

جذبہ جہاد اور سفر افغانستان :

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جہاد افغانستان کی سب سے پہلے تائید اس روحانی مرکز سے ہوئی۔ اور افغانستان سے علمأ اسلام کا جو پہلا قافلہ آیا تھا اس نے یہیں قیام کیا تھا۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں جہاد کانفرنسوں کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں پیر پگارا کے یہاں جہاد کانفرنس ہوئی، اس میں شرکت کے لئے مفتی محمود صاحبؒ بنوری ٹاؤن سے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جہاد کے فتویٰ پر سب سے زیادہ دستخط کرنے والے بنوری ٹاؤن کے علمأ کرام تھے۔ حضرت شہیدؒ نے بھی اسی وقت سے جہاد افغانستان کی بھرپور تائید کی اور مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے رہے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن چونکہ براہ راست جہاد اور جہادی کارروائی میں شرکت کرتے تھے اس لئے حضرت شہیدؒ اپنی دیگر مشغولیت میں مصروف رہتے تھے، حضرت مفتی احمد الرحمٰن کے انتقال کے بعد آپ نے اس سلسلہ میں اپنے مخلص رفقأ کرام مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا سعید احمد جلالپوری، راقم الحروف کو جہاد افغانستان کے سلسلے میں لگایا ہوا تھا۔ طالبان حکومت کے قیام

کے بعد آپ نے اخبارات اور مضامین کے ذریعہ نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کیا۔ جامع مسجد فلاح سے ان کے لئے مختلف اوقات میں فنڈز جمع کر کے روانہ کرتے رہے، آپ علمی طور پر جہاد کی بھرپور حمایت کرتے مگر آپ نے افغانستان کا سفر نہیں کیا۔ بارہا پروگرام تشکیل پائے مگر حضرت کی مصروفیت اور بعد میں علالت کی وجہ سے پروگرام تشکیل پاتے اور ملتوی ہوتے رہے۔ امیر المومنین ملا عمر کے پیغامات اکثر و بیشتر دعاؤں کے لئے آتے۔ رمضان المبارک سے قبل آپ کا پروگرام افغانستان کا بنا مگر کسی دوسرے سفر کی وجہ سے یہ پروگرام نہ ہو سکا اور آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے، خیال تھا کہ بعد میں تشریف لے جائیں گے۔ حرمین شریفین کے بعد آپ اعتکاف میں تشریف فرما تھے کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل مولانا مسعود اظہر کی رہائی عمل میں آئی اور ۲۱ / رمضان المبارک کو وہ ہندوستان کے کروڑوں ہندوؤں کے دل پر مونگ دلتے ہوئے ہندوستان کے حکمرانوں کو ذلت کے گڑھے میں ڈالتے ہوئے وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور دوسو کمانڈوز کے جھرمٹ میں قندھار ایئرپورٹ پر رہا ہو کر اترے تو پوری دنیا میں اسلام زندہ باد کے نعرے بلند ہوگئے۔ مجاہدین اسلام کے حوصلوں میں بلندی اور عزائم میں تیزی آئی، نیا ولولہ اور جوش و خروش پیدا ہوا۔ مولانا مسعود اظہر کراچی پہنچے تو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نے حضرت کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے مکان میں ان کی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا، بعد ازاں مولانا مسعود اظہر حضرت شہیدؒ کی خدمت عالیہ میں اعتکاف میں مسجد فلاح تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ نے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام حالات سے آگاہی حاصل کی شوال میں مولانا مسعود اظہر صاحب دوبارہ ملاقات کے لئے حضرت شہیدؒ کے پاس پہنچے تو حضرت نے فرمایا۔ آپ افطاری سے پہلے چلے گئے تھے، میرے دل میں اس وقت خیال آیا تھا کہ میں آپ کو خلافت دوں۔ اب میں آپ کو خلافت دیتا ہوں، آپ خوب جہاد کا کام کریں اللہ تعالیٰ امداد فرمائیں گے۔ تین یا چار دن بعد مولانا مسعود اظہر جیش محمد ﷺ نامی جماعت کے قیام کی تحریر جو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی لائے جس پر مفتی رشید احمد لدھیانوی، ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کے دستخط تھے اور حضرت شہیدؒ صاحب سے تائید کی درخواست کی۔ حضرت نے نہ صرف تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ بہت زیادہ تعارض پیش آئے گا، لیکن آپ اطمینان سے مثبت انداز میں کام

کئے جائیں، کچھ دن بعد مشاورت سے طے پایا کہ جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان حضرت شہیدؒ کی مسجد فلاح سے کیا جائے۔ ۳/ فروری بروز جمعہ کو مولانا مسعود اظہر نے جامع مسجد فلاح میں بیان کیا، بیان کے دوران حضرت شہیدؒ مسجد تشریف لائے پونے ایک بجے مفتی نظام الدین شامزئی نے بیان شروع کیا اور جیش محمد ﷺ کے قیام کی ضرورت سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ آج سے جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان کیا جارہا ہے اور حضرت مفتی رشید احمد، حضرت شہید مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، اور میری اور حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور دیگر علماً کرام کی مشاورت سے اس کی امارت کے لئے مولانا مسعود اظہر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مفتی نظام الدین شامزئی کے اس اعلان کے فوراً بعد حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ میں مولانا مسعود اظہر کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرتا ہوں یہ جہاں چاہیں میری تشکیل کردیں۔ حضرت شہیدؒ نے اس بیعت کے ذریعہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بیعت کی یاد تازہ کردی جو انہوں نے نوجوان مجاہد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر کی تھی۔ جیش محمد ﷺ کے قیام کے ساتھ پورے پاکستان میں مجاہدین کو منظم کرنے کا کام شروع ہوگیا۔ حج سے واپسی کے بعد ۹/ مئی کو حضرت شہیدؒ کا سفر افغانستان طے ہوا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، قاری سعید الرحمٰن، مولانا نذیر احمد تونسوی، قاری عتیق الرحمٰن، قاری محمد ابراہیم، راقم الحروف، عتیق انور مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا امان اللہ خالدی، مفتی خالد محمود، مولانا جہانگیر اور مولانا مقصود آپ کے ہم سفر تھے۔ یہ سفر ایک عجیب روحانی سفر تھا پورے پاکستان کے علماً کرام کی نگاہیں اس طرف تھیں جبکہ افغانستان کے تمام علماً کرام آپ کے استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ اس دورہ سے مخالفین پر اوس پڑی ہوئی تھی وہ جہاد کے خلاف اس بات کو استعمال کرتے تھے کہ حضرت آج تک افغانستان تشریف نہیں لے گئے حالانکہ حضرت شہیدؒ ایک ایک قدم پر مجاہدین کا تعاون کرتے رہے تھے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں طالبان اور جہادی تنظیموں اور مجلس تعاون اسلامی کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات حضرت شہیدؒ نے مسجد فلاح سے کر کے دیئے تھے۔ بہر حال ایک اسلامی ریاست کی طرف پاکستان کے سرخیل علماً کرام کا سفر ایک نئے عزم اور جوش وولولہ پیدا کرنے کا سبب تھا۔ حضرت شہیدؒ کے ہمراہ ۸/ مئی کو صبح کی فلائٹ سے کوئٹہ پہنچے تو افغان قونصل جنرل مولانا عبداللہ حماد نے طالبان تحریک کے سربراہ ملا عمر اور وزارت خارجہ کے ذمہ

داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے وفد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایئرپورٹ سے یہ قافلہ براستہ چمن افغان قونصلیٹ کی گاڑیوں میں پروٹوکول عملہ کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسپین بولدک پر افغان وزارت خارجہ کے نمائندے ملا عبدالرحمٰن نے وفد کا استقبال کیا۔ اسپین بولدک سے سرکاری اعزاز و اکرام کے ساتھ قافلہ قندھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرزمین افغانستان میں داخل ہوتے ہی قافلے کے شرکاء پر اطمینان و سکون کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت شہیدؒ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص مسکراہٹ محسوس ہو رہی تھی، اسلامی ریاست کی برکات کے اثرات سے آپ ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ ایسا سکون کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کرا رہے تھے۔ قندھار میں امیر المومنین ملا عمر کے نمائندوں ملا طیب آغا، ملا احمد جان احمدی، نے استقبال کیا اور خصوصی شاہی مہمان خانہ میں قیام کا انتظام کیا۔ گورنر قندھار ملا حسن شاہ خصوصی طور پر ملاقات کے لئے تشریف لائے اور امیر المومنین کی طرف سے خوش آمدیدی جملوں کے بعد خوشخبری سنائی کہ ۹ / مئی کو بعد نماز ظہر ملاقات کا اہتمام کیا گیا ہے بعد نماز ظہر حضرت شہیدؒ کا قافلہ امیر المومنین سے ملاقات کے لئے پہنچا تو سادہ سے گھر میں قرون اولیٰ کے حکمرانوں کی سادگی کا منظر پیش کرتے ہوئے امیر المومنین نے گھر کے دروازے پر حضرت شہیدؒ اور دیگر علمائے کرام کا استقبال کیا، ایک طرف حضرت شہیدؒ تشریف فرما ہوئے جبکہ دوسری طرف قاری سعید الرحمٰن اور حضرت شہیدؒ کے پہلو میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر تشریف فرما تھے، جبکہ اراکین وفد حلقہ کی شکل میں چاروں طرف بیٹھ گئے اب وہ تاریخی ملاقات شروع ہوئی جس کا امت مسلمہ کو سالوں سے انتظار تھا۔ امیر المومنین ملا عمر نے حضرت شہیدؒ اور آپ کے رفقاء کی افغانستان میں آمد کو اسلام کی سربلندی اور افغان مسلمانوں کی کامیابی کے لئے نیک شگون قرار دیتے ہوئے حضرت شہیدؒ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔ جناب قاری سعید الرحمٰن صاحب نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے امیر المومنین اور طالبان کی اسلامی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ اپنی خصوصی محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ امیر المومنین کی طرف متوجہ تھے، ایک طویل ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ نے اجازت چاہی۔ امیر المومنین نے بادل نخواستہ اجازت دی، اس موقع پر مولانا امان اللہ خالدی کی طرف سے ایک امدادی رقم حضرت شہیدؒ نے امیر المومنین کو پیش کی تو

امیر المومنین نے خلاف عادت یہ رقم خود وصول کی، اور اس کو محفوظ کر لیا۔ حالانکہ عام طور پر وفود جو رقم پیش کرتے ہیں امیر المومنین کے نمائندے ان کی موجودگی میں وصول کرتے ہیں۔

اس ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ کی روحانی کیفیت میں ایک عجیب قسم کا سرور اور انشراح محسوس ہونے لگا تھا۔ حضرت شہید بارہا اس کا تذکرہ کرنے لگے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی ایک دو موقع پر آپ نے شہادت کی دعا بھی فرمائی حالانکہ اس وقت افغانستان میں جنگ بندی تھی اور حکومتوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ حضرت شہیدؒ کابل بھی تشریف لے گئے۔ نائب صدر گورنر کابل اور کمانڈر انچیف وغیرہ نے دعوتیں بھی کیں۔ کابل کے سفر میں مولانا مسعود اظہر کے رفقاء بھی شریک ہو گئے تھے، ایک ہفتہ کا یہ سفر ایک دلچسپ روحانی سفر تھا۔ جیش محمد ﷺ کے جانبازوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اگلے محاذوں کا بھی دورہ ہوا۔ حضرت شہیدؒ نوجوان مجاہدوں کی طرح مورچوں پر تیزی سے چل کر مجاہدین کو ایک عزم و حوصلہ کا درس دے رہے تھے۔ آپ نے فائرنگ بھی کی دیگر شرکاء نے ٹینک پر ایک راؤنڈ بھی لگایا۔ جیش محمد ﷺ کی جانب سے ٹریننگ کیمپ میں ایک استقبالی پروگرام میں شرکت کی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے مزار شریف کا سفر نہ ہو سکا اس سفر میں حضرت شہید طالبان کے لئے بہت زیادہ فکر مند نظر آئے، اور علماء کرام کو خصوصی طور پر تلقین فرماتے رہے کہ طالبان کے استحکام اور دشمنوں کی سازش سے بچانے کے لئے خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے، اور اس کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان جا کر علماء کرام کا خصوصی اجلاس بلا کر طالبان کی بھرپور حمایت پر ان کو متوجہ کروں گا۔ بار بار شمالی اتحاد کے لئے بد دعائیں کرتے رہے۔ سفر افغانستان سے واپسی ۱۵ مئی کو ہوئی۔ کراچی میں بھی آپ پر یہ روحانی کیفیت طاری تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس دنیا سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں، طالبان کی فکرمندی آپ پر بہت زیادہ غالب تھی، کراچی میں بھی آپ نے اپنی شہادت کا تذکرہ اور دعا کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ ۱۸ مئی بروز جمعرات کی صبح ظالموں نے آپ کو شہید کر کے حیات جاودانی کے منصب پر فائز کر دیا۔

یہ حضرتؒ کی زندگی کا ایک مختصر جائزہ تھا، اگرچہ آپ کی زندگی کے اتنے گوشے ہیں کہ اگر ان پر لکھنا شروع کیا جائے تو کئی سو صفحات مزید لکھے جا سکتے ہیں۔ ہمارے مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب اور مفتی خالد محمود صاحب کا اصرار ہے کہ مضمون کو جلد مکمل کریں تا کہ نمبر کی

اشاعت ممکن ہو، اس لئے آخری بات جو ہمارے بزرگوں کی خاص صفت رہی ہیں اس کے تذکرہ پر مضمون ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو حضرتؒ کی ایک سوانح مرتب کروں گا تو اس میں مزید تفصیلات درج کی جائیں گی۔

اکابر علمأ کرام خصوصاً دیوبند کے اکابر کی یہ شان رہی ہے کہ وہ خود اختیاری فقر اختیار کرتے ہیں اور تمام زندگی مجاہدات اور زہد میں گزارتے ہیں۔ ”سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی“ نے مکہ مکرمہ میں ۱۷/ دن فاقہ فرمایا اور پھر فتوحات کا دروازہ کھلا۔ آپ نے فرمایا کہ: ”میں نے اپنے سلسلہ کی طرف سے فاقہ کا مجاہدہ کرلیا، انشأ اللہ آئندہ میرے سلسلہ میں فاقہ نہیں آئے گا“۔ ”شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ“ نے ”مدینہ منورہ“ میں نہایت تنگدستی اور عسرت کی زندگی گزاری“۔ ”حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ“ خود مدرسہ کے لئے سر پر سبزی اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ گھر میں کئی دفعہ فاقہ ہم نے خود دیکھا، ”مفتی احمد الرحمنؒ“ ریاض مسجد سے پیدل تشریف لایا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے ان مجاہدات کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ایسی فتوحات نصیب فرمائیں کہ ہمارے یہ اکابر آخری دور میں لاکھوں روپے کے ہدایا دیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے تحریر نے فرمایا ہے کہ: ”جو لوگ ہمارے بزرگوں کی زندگی کا آخری دور دیکھتے ہیں اور ان کی فتوحات پر ان کی نظر ہوتی ہے تو وہ اکثر و بیشتر بزرگوں سے اصلاح حاصل نہیں کرسکتے“ حالانکہ یہ اکابر بزرگ ان فتوحات کے باوجود جب دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو مقروض ہوتے ہیں اور ان فتوحات کو اپنی ذات پر استعمال کرنا اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں ان کے سامنے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل ہوتا ہے کہ لاکھوں دینار تقسیم کردیئے مگر اپنے افطار کے لئے کچھ رکھنا یاد نہیں رہا، لونڈی نے یاد دلایا تو فرمایا کہ پہلے یاد دلاتی، اور پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ یہی صورتحال شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی تھی۔

جیسا کہ شروع میں تذکرہ ہوا کہ حضرت شہیدؒ ٹرین کی تھرڈ کلاس سے تشریف لایا کرتے تھے۔ مسجد فلاح کے آغاز کے موقع پر مفتی مزمل حسین کاپڑیا کے مطابق بسوں پر لٹک کر تشریف لے جاتے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں فتوحات کا ایسا دروازہ کھولا کہ لوگ لاکھوں روپے آپ کو دیتے کہ آپ اپنی مرضی سے خرچ کریں اور حضرت دینی مدارس اور جہادی

تنظیموں کو مرحمت فرمادیتے۔

آپ کے زہد عن الدنیا کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے چند سالوں سے یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہ ہو۔ آپ کی خواہش رہتی کہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ آپ خالی ہاتھ ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ یہ میرے کپڑے بھی میری اہلیہ کی ملکیت ہیں، ان کی طرف سے صرف استعمال کی اجازت ہے۔ اس بنا پر آپ ہمیشہ مقروض رہتے۔

ایک دفعہ آپ نے مجھے حج کے لئے درخواست جمع کرانے کا حکم فرمایا۔ درخواست جمع کرانے کے بعد عزیزم عبدالرزاق نے آپ سے عرض کیا کہ حج کی رقم مرحمت فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا۔ ایک دو دن بعد ہمارے ایک دوست اور حضرت کے خلیفہ حافظ فیروزالدین صاحب نے حج کی رقم آپ کو مرحمت فرمائی۔ میں نے برادرم عبدالرزاق سے کہا کہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر رقم وصول کرلیں۔ وہ شام کو جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ: ”میں نے تو وہ رقم ایک مدرسہ کے ضرورت مند کو دے دی، اب پھر آنا، اگر کہیں سے رقم آئی تو میں دے دوں گا۔“ عبدالرزاق نے مجھے بتایا تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت وہ تو آپ کے حج کی رقم تھی؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی ایک ضرورت مند کو میں خالی ہاتھ کیسے واپس کرتا؟ خدا اور دیدے گا۔“ واقعی حضرت کی بات صحیح ثابت ہوئی، دوسرے دن ہی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حج کی رقم جمع کرادی۔

بہر حال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول زندگی کے آخر تک رہا اپنی ذات کے لئے آئی رقم دینی کاموں میں مرحمت فرمادی اور خود مقروض ہوگئے۔ اس بنا پر جب آپ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے تو تین لاکھ روپے کے آپ مقروض تھے جو آپ کے بعد آپ کے متعلقین نے ادا کئے۔ اسی طرح ہمارے ایک مخلص عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے فرمایا کہ حضرت شہیدؒ نے تین لاکھ روپے کے قریب رقم قرضہ لی تھی، حالانکہ مولانا سعید احمد جلالپوری، مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری اور مولانا منظور احمد الحسینی، وغیرہ نے واضح طور پر فرمایا کہ حضرت نے کوئی قرضہ نہیں لیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کہ ان کے مخلص احباب اور متعلقین اور صاحبزادگان نے یہ رقم بھی ادا کردی۔ اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کا حق تھا۔ واقعی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے زہد کا آخری حق تک ادا کردیا۔

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کا سانحہ اتنا عظیم سانحہ ہے اور آپ کی جدائی کا غم ایسا غم ہے جس پر ہم جیسے بے بضاعت اور تہی دامن کا لکھنا الفاظ کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں، اس لئے اس سانحہ کے بارے میں حضرت شہید کے الفاظ جو انہوں نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت پر فرمائے تھے اسی کو لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہوں اور اپنے مضمون کی ابتدا و انتہا کو اس طرح مبارک بناتا ہوں کہ مضمون کا آغاز حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کیا جو انہوں نے اپنے شیخ حضرت بنوری کے بارے میں تحریر فرماتے تھے اور مضمون کی انتہا حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کرتا ہوں جو انہوں مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے بارے میں تحریر فرمائے:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ۹۵ھ میں حجاجؒ کے دست جفا سے شہید ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں ان کے بارے میں حضرت میمون بن مہرانؒ کا قول نقل کیا ہے:

"سعید بن جبیرؒ کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔"

نیز امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"سعید بن جبیرؒ اس وقت شہید ہوئے جب کہ روئے زمین کا کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔"

"پاکستان کی حد تک یہ فقرہ حضرت مفتی محمودؒ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہل علم ان کے علم و فقہ کے محتاج تھے۔ اہل دانش کو ان کے فہم و تدبر کی احتیاج تھی اور اہل سیاست ان کی قیادت و زعامت کے حاجت مند تھے۔ اس لئے ان کی وفات بیک وقت علم و دانش، فقہ و حدیث، سیاست و قیادت، حلم و تدبر، شجاعت و بسالت اور شہامت و زعامت کا ماتم ہے۔ ان کی تنہا ذات سے دین اور خیر کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی ان کے خلا کو پر کرنے سے قاصر رہے گی۔" (شخصات و تاثرات صفحہ: ۱۹۶)

موجودہ وقت میں یہ جملہ شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ آپ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے کہ تصنیف و تالیف، تردید قادیانیت، رشد و ہدایت، وعظ و نصیحت، شفقت و محبت، تعلیم و تعلم، جہاد و تبلیغ، خطابت و امامت، قیادت و سیادت، حلم و تدبر، غرض ہر میدان میں آپ کی ضرورت تھی۔ عام طور پر بڑوں کی وفات پر کہا جاتا ہے کہ قوم یتیم ہوگئی، لیکن اگر اس جملہ کی حقیقت تلاش کرنی ہو تو وہ حضرت شہید اسلام کی رحلت پر ہی کی جاسکتی ہے کہ آپ کی رحلت سے طبقہ علماً دیوبند اور آپ کے متعلقین و منتسبین یتیم ہوگئے اور ان کی دنیا اندھیر ہو چکی ہے۔

اللهم اغفر له وارحمه و عافه، واعف عنه، واكرم نزله، ووسع مدخله، و ابدله داراً خيراً من داره، و اهلاً خيراً من اهله، اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آمين، برحمتك يا رب العالمين

☆

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں جتنے حکمران آئے انہوں نے لفظی طور پر تو خوب اسلام کے بلند و بانگ دعوے کئے مگر عملی طور پر اسلام کی تکذیب کی، لادینیت کو ملک میں پھیلایا، اسلامی شعائر کو پامال کیا، فحاشی و عریانی اور ناچ گانے کی ترویج کی۔ حد یہ کہ مسٹر بھٹو کے دور میں بھی "اسلام اسلام" کے نعرے کچھ کم نہیں لگائے گئے، جب کہ اندر ہی اندر پوری قوم کے مزاج کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تمام وسائل استعمال کئے گئے، یہی منافقت تھی جس نے سکندر مرزا سے لے کر مسٹر بھٹو تک ہمارے حکمرانوں کو ذلیل و رسوا کیا، اور منافقوں کا یہ ٹولہ نہ صرف خود اپنے کیفر کردار کو پہنچا بلکہ ملک و ملت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا اور قوم کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر گیا۔

جب مارشل لا حکومت برسر اقتدار آئی تو شروع شروع میں ایک بار پھر اسلامی نظام کا غلغلہ بلند ہوا، اس کے لئے "اسلامی نظریاتی کونسل" کی تشکیل بھی ہوئی، کونسل کے گرم گرم اجلاس بھی دھڑا دھڑ ہوئے، اس کی کچھ سفارشات بھی سامنے آئیں، چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی باتیں بھی سننے میں آئیں، ملک سے سود کی لعنت ختم کرنے کے اعلان بھی ہوئے، بینکاری کے موجودہ سودی نظام کو بدلنے کے فارمولے بھی وضع ہوئے، اور قوم کو بجا طور پر یہ توقع ہوگئی کہ پاکستان میں اسلام ہی آئے گا اور آئے گا بھی ہمارے مرد مومن جنرل ضیاالحق کے ہاتھوں، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!......

سفرِ شہادت

صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کے وہ لمحات میں کس طرح بھول سکوں گا جب ہم سب کیلئے دنیا اندھیر ہو گئی اور وہ مسکراتا چہرہ جو ہم سب کیلئے باعث تسکین تھا، مسکراتا ہوا اپنے ہی لہو سے اپنے آپ کو سرخ رو کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

والد محترم، مرشد العلما، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ہم نام و ہم کام، گلشن بنوری کے سر خیل، امام اہل سنت مفتی احمد الرحمٰن اور مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی اور مولانا محمد ادریس میرٹھی کے ہم سفر، لسان ختم نبوت، شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خان محمد کے ترجمان، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مولانا مسعود اظہر، مفتی نظام الدین شامزئی، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے مرشد، ولی کامل، درویش صفت فقیہ وقت، مجاہد اعظم، اور جیش محمد ﷺ کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو ہم، ظالم درندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے، اور میرے کمزور ہاتھ اور جسم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے قاصر رہے، اور ان کی آخری خواہش، اور پاک سرزمین افغانستان میں کی گئی دعا قبول ہوئی اور حضرتؒ شہادت کا مرتبہ پاکر حیات جاودانی سے ہم کنار ہو گئے جہاں حکم خداوندی کے مطابق اب ان کو کوئی موت سے دوچار نہیں کر سکتا۔ صادق الامین، خاتم النبیین، نبی الملاحم،

اور قائد المجاہدین حضرت محمد ﷺ کی حدیث کے مطابق وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے، اور خدا تعالیٰ کے سوال پر دوبارہ شہادت کے پر لطف لمحات کے طالب ہو رہے ہوں گے، عربی شعر کے مفہوم کے مطابق: ''وہ تو بے شک کامیاب ہو کر اعلیٰ علیین میں جگہ پا گئے- لیکن ہم ان کے فراق پر غمگین ہیں اور ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو ہر طرف ڈھونڈھ رہے ہیں''-

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ معمول کے مطابق دعائے سحر گاہی اور فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر آرام فرما کر گھر سے رخصت ہونے سے پہلے گویا اپنے آقا سے اجازت کی طلب کے لئے دوگانہ ادا کر کے دعا میں مشغول ہوئے تو کوئی بھی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ چند لمحوں بعد اس شخصیت نے شہادت کا منصب پا کر آخرت کو سدھار جانا ہے-- ۱۰ بجے آپ گھر سے نیچے اترے تو آپ کا وفادار رفیق و جاں نثار محافظ، اور ڈرائیور عبدالرحمٰن موجود تھا، اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا، کسے معلوم تھا کہ آج دروازہ کھولنے والا آخری بار دروازہ کھولنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اور گاڑی میں بیٹھنے والا بھی اس زندگی کی آخری سواری پر سوار ہو رہا ہے، چونکہ اس دن امتحان کی وجہ سے میری چھٹی تھی، اس لئے خادم خاص برادرم محمد اجمل کے بجائے میں دوسری طرف کا دروازہ کھول کر حضرت کے پہلو میں پچھلی نشست پر بیٹھ گیا، حضرتؒ کا معمول تھا کہ آپؒ نصیر آباد بس اسٹاپ پر پھل فروشوں کے پاس گاڑی رکواتے اور آپ کا مخلص مرید محمد نعیم پھل لئے تیار کھڑا ہوتا آپ قبول فرماتے اور گاڑی چل پڑتی، اسی معمول کے مطابق گاڑی رکوائی اور فرمایا آج پھل واپسی میں لیں گے، میں نے کہا بھی کہ کیا آج دوپہر کو نوش نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا آج طبیعت نہیں ہے- نعیم نے کہا میں گھر پہنچا دوں گا، آپ واپسی میں زحمت نہ فرمائیں، محمد نعیم واپس ہوا، میں نے گاڑی کا شیشہ اوپر کیا ہی تھا کہ ایک دھماکہ ہوا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو بھائی عبدالرحمٰن ایک طرف لڑھک رہا تھا، میں نے محسوس کر لیا کہ حضرت پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے اور آپ کا وفادار ساتھی جو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میری زندگی میں حضرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا، پہلے میں حضرت پر اپنی جان نچھاور کروں گا، پھر میری لاش سے گزر کر ہی حضرت کی طرف کسی ظالم کے ہاتھ بڑھیں گے، واقعی اس نے

اپنی زبان کی لاج رکھ لی۔

میں حضرت کو بچانے کے لئے آپؒ کے سینہ سے چمٹ گیا تاکہ آپؒ پر چلنے والی گولی مجھے چھلنی کردے۔ لیکن حضرت محفوظ رہیں۔ مگر تربیت یافتہ ظالم درندوں نے حضرت کی گردن اور پہلو کی طرف سے حملہ کیا اور دو گولیاں مجھ پر چلائیں۔ ایک گولی میری پیٹھ سے ہوتی ہوئی سینہ سے نکل کر حضرت رحمہ اللہ کے جسم میں پیوست ہوگئی، میں اب تک یہی گمان کرتا رہا کہ حضرت محفوظ ہیں اور حضرت کے جسم پر موجود خون میرا خون ہے مگر جب مجھے لاالہ الا اللہ کا ورد کرتی ہوئی حضرت کی زبان ساکت محسوس ہوئی تو میں نے حضرت کے کندھے کو ہلاتے ہوئے کہا حضرت اٹھ جایئے، ظالم جاچکے ہیں۔ لیکن خون شہادت سے سرخ رو حضرت کا مسکراتا ہوا چہرہ گویا کہتا نظر آیا: بیٹے! میں تو حیات جاودانی پاگیا اور جنت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ اگرچہ مجھے یقین سا ہوگیا کہ حضرت دنیا کی سرحد عبور کرچکے ہیں مگر پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا بلکہ گاڑی سے باہر نکلا کہ لوگوں کو متوجہ کرکے حضرت کو ہسپتال لے جاؤں، ہوسکتا ہے کہ حضرت بے ہوش ہوں مگر وہاں ہر طرف افراتفری تھی، میں گھر کی طرف چلدیا تاکہ دوسرے بھائیوں اور گھر والوں کو اطلاع دوں، اتنے میں محلہ کے ایک ساتھی نے ڈرائیور کو ایک طرف کیا اور گاڑی لیکر ہسپتال کی طرف دوڑا، جب کہ مجھے محلہ کے ایک ساتھی نے گھر پہنچایا اور میں نے اس سانحہ کی اطلاع دی، میرے بھائی حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی صاحب مجھے وھاج ہسپتال لے گئے وہاں ڈریسنگ کرکے عباسی شہید ہسپتال پہنچایا گیا، جہاں پر دوبارہ ڈریسنگ کی گئی، حضرت رحمہ اللہ کو بھی عباسی شہید لے جایا گیا لیکن وہ تو اسی وقت رخصت ہوچکے تھے اگرچہ ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اس بات کی غمازی کررہا تھا کہ وہ محو استراحت ہیں اور ابھی انگڑائی لیتے ہوئے اٹھیں گے، اس لئے کہ عام طور پر میں نے یہی سنا تھا کہ گولی لگنے سے شدید تکلیف ہوتی ہے کئی منٹ تک لوگ تڑپتے ہیں، دہشت کی وجہ سے چہرہ بگڑ جاتا ہے، لیکن یہ سب کچھ تو میرے حضرت کے ساتھ نہیں ہوا، اور ہوتا بھی کیوں؟ اس لئے کہ آپؒ تو جنت کے سوداگر اور خریدار تھے. چنانچہ جب آپؒ گھر سے نکلے تو لاالہ الا اللہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ڈرائیور عبدالرحمٰن شہید ہوا تو آپ کے لب مبارک کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے

نظر آئے، آپ کو چار گولیاں لگیں تب بھی آپ کے ورد میں کوئی فرق نہیں آیا، نہ آہ نکلی، نہ ہی چیخ اور نہ ہی آپ کے پر سکوں چہرہ میں تغیر یا ردوبدل ہوا، حدیث شریف کے مطابق آپ کی روح فرشتوں نے بہت ہی پیار اور عقیدت سے نکالی اور آپ کو گولیوں کی تکلیف کے احساس سے عاری کر دیا۔

حضرت مفتی محمد حسن امر تسری رحمہ اللہ کے بارے میں سنا تھا کہ ٹانگ کا آپریشن کراتے وقت آپ نے بے ہوشی کا انجکشن لگوانے سے انکار کر دیا اور جب ڈاکٹروں نے نشتر لگانے شروع کئے تو آپ نے ذکر اللہ شروع کر دیا جس کے جذب و سرور کی وجہ سے آپ کو نشتر کے کاٹنے کا احساس تک نہ رہا، حضرت مفتی صاحب کے متعلق تو صرف سنا ھی تھا مگر اپنے حضرت کی حالت کا خود مشاہدہ کیا کہ مسلسل گولیاں لگ رہی ہیں لیکن زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد جاری ہے اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت ابا جانؒ کی شہادت پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر بجلی بن کر گری اور ہر طرف سوگ چھا گیا، کراچی کی مارکیٹیں اور کاروباری دنیا دیکھتے ہی دیکھتے سونی ہو گئی، ہر شخص اشکبار تھا، منٹوں میں لوگ جامع مسجد الفلاح نصیر آباد اپنے مرشد کی میت کی زیارت کے لئے پہنچ گئے، ہر طرف سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، ملک کے اطراف سے علما کرام اور مشائخ عظام پہنچنا شروع ہو گئے اور شام تک لاکھوں افراد جنازہ کیلئے جمع ہو چکے تھے۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے گلشن علم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اخباری اطلاع کے مطابق سات لاکھ سے زیادہ مجمع تھا، بنوری ٹاؤن سے سینٹرل جیل تک تقریباً تین کلو میٹر کے علاقہ میں لوگ ہی لوگ نظر آرہے تھے، جنگ کے فوٹوگرافر کی عکاسی کے مطابق ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک طویل و عریض علاقہ میں انسان ہی انسان ہیں، ایشیا کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ آج تک نہیں ہوا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا تھا ہماری عند اللہ مقبولیت کا اندازہ ہمارے جنازوں سے ہوتا ہے، واقعی حضرت کا جنازہ مقبولیت عند اللہ کا عظیم مظہر تھا جہاں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ لاکھوں فرشتے بھی آپ کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے آپ کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔

نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جامع مسجد خاتم النبیین ﷺ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا، آپ کا مسکراتا، لہو سے رنگین ڈاڑھی دیکھ کر ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ''آپ خدا تعالیٰ کے دربار میں سرخ رو ہو کر جا رہے ہیں۔''

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی پوری زندگی ہی دین اسلام کی سربلندی کیلئے وقف تھی، اس لئے وہ کسی ایک شعبہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی خدمات، دین کے تمام شعبوں کو محیط ہیں، اس لئے آپ کو اپنی ذات میں انجمن کہنا زیادہ مناسب ہے، آپ کی ان خدمات کی وجہ سے آپ کو ''ترجمان علمأ اہل حق'' کا خطاب بھی دیا گیا، مولانا بنوری رحمہ اللہ آپ کو ''اپنا ہم نام وہم کام'' کہا کرتے اور اپنے مدرسہ کا مدار قرار دیتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہاد سے عبارت تھی، لیکن جہادِ افغانستان میں آپ کا اہم کردار ہے، طالبان کی حمایت میں سب سے پہلے آپ نے فتوی صادر کیا، مولانا مسعود اظہر کی رہائی پر آپ نے جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد کی سنت ادا کی، اور پھر افغانستان کا دورہ کر کے امیر المومنین ملا عمر کو تعاون کا یقین دلایا، اگلے مورچوں پر جا کر فائرنگ کی اور احمد شاہ مسعود کی شکست کے لئے بد دعائیں کیں، بہر حال حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل تھی، جن کی خدمات کو تاریخ سنہری حروف سے محفوظ رکھے گی۔ اللہ تعالی ہمیں انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وفا شہید

محمد جمیل خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیفہ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفتِ وفا نے ان کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر نہ صرف فوقیت عطا فرمائی تھی بلکہ آپؓ کو صدیقیت کے وصف سے بھی اسی وفا کی بنا پر متصف کیا گیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا:

"میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اور گھر والوں کے لئے چھوڑ کر آیا ہوں۔"

ہمارے اکابر و اسلاف کی بھی یہی صفت ان کو دیگر مسلک و مشرب کے علمأ کرام و مشائخ عظام سے ممتاز کرتی ہے۔ اسی صفتِ وفا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان اکابر کو ہمیشہ ایسے خدام عطا فرمائے جو اپنا تن من دھن اکابر علمأ کرام پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے شاہ غلام علیؒ کی شکل میں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو اسیرِ مالٹا مولانا عزیر گل کی شکل میں، حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کو حاجی عبداللہؒ اور حاجی شفیع اللہؒ کی شکل میں اور جامعہ بنوری ٹاؤن کو مولانا عبدالسمیع شہیدؒ کی شکل میں ایسے خدام عطا کئے کہ جب بھی وقت آیا یہ حضرات جان قربان کرنے کے لئے تیار نظر آتے تھے اور حضرت مولانا عبدالسمیع شہیدؒ نے تو واقعتاً جامعہ سے وفاداری کا حق ادا کر دیا جیسا کہ حضرت شہیدؒ نے ان کے تذکرہ میں فرمایا:

”مولانا عبدالسمیع کو جامعہ علوم اسلامیہ سے والہانہ انداز کی عقیدت و محبت بلکہ عشق تھا، وہ جامعہ کے کسی مفاد پر آنچ آنے سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو زیادہ آسان سمجھتے تھے، اور دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے جو سوچا، سمجھا وہ کر کے دکھایا۔ چنانچہ جامعہ کی ایک شاخ مدرسہ معارف العلوم پاپوش نگر کے ایک معاملہ کو سلجھانے گئے تھے اور اسی نیک مقصد سے واپسی پر جامعہ کے نام پر ہی اپنی قربانی پیش کر دی۔“

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے بے شمار خدام عطا فرمائے تھے جو آپ کی ایک جنبشِ ابرو پر جانیں نچھاور کرنا اپنی سعادت اور خوش قسمتی تصور کرتے تھے، لیکن خدمت کا جو حق برادرم حاجی عبدالرحمٰن شہیدؒ نے ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے جس صلہ کے ذریعہ اس کو تاریخ کا ایک زریں باب بنا دیا وہ ایک ایسا اعزاز ہے جو بہت ہی کم کسی کو ملتا ہے۔

برادرم بھائی عبدالرحمٰن صاحب جو ہزارہ کے ایک اچھے خاندان کے فرد فرید تھے، ۱۹۸۴ء میں ٹیکسی ڈرائیور کی حیثیت سے حضرت شہیدؒ کی مسکراہٹ پر فدا ہوئے اور حضرتؒ سے درخواست کی کہ میں صبح، شام آپ کو ٹیکسی پر لایا اور لے جایا کروں گا۔ حضرتؒ نے اس کی دعوت قبول فرمائی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ چند دن بعد وہ حضرتؒ کو پہنچانے کے بعد کوئی دوسری سواری کے لئے کہیں جانے کے بجائے وہیں بیٹھ کر حضرتؒ کا انتظار کرنے لگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی اپنا کام کیا کرو، وہ کہنے لگا کہ حضرتؒ آپ کے پاس سے جانے کو دل نہیں چاہتا، آپ سے جو ملے گا قناعت کرلوں گا۔ دو چار سال اسی طرح گزرے تو حضرت کو مشورہ دیا کہ آپ گاڑی خرید لیں ڈرائیوری کرلوں گا۔ خود ہی گاڑی پسند کی اور حضرت کا ڈرائیور بن گیا۔ ڈرائیور کیا بنا چوبیس گھنٹے کی رفاقت مل گئی۔ دیر گئے رات کو گھر چلا گیا ورنہ حضرتؒ کے قدموں میں رات گزار دی۔ اس دوران کراچی کے حالات جس طرح خراب ہوئے اور لوگوں کو جان کے لالے پڑے وہ ہر ایک کے سامنے ہیں، مگر اس وفادار رفیق نے ان حالات میں بھی حضرتؒ کے دامن کو تھامے رکھا۔ بارہا ہنگاموں سے حضرتؒ کو حفاظت گزارنے کے لئے اسے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنا پڑی مگر یہ

وفادار مجاہد سپاہی امتحانِ وفا میں پورا اترتا رہا۔ کچھ عرصہ قبل بعض ساتھیوں کا اصرار ہوا کہ حالات ٹھیک نہیں، حضرت شہیدؒ کے لئے گارڈ رکھا جائے۔ بحث و مباحثہ کے دوران حاجی عبدالرحمٰن جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ حضرت کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت کی طرف کوئی آئے گا تو واپس نہیں جائے گا، پہلے ہم حضرت پر قربان ہوں گے پھر حضرت پر کوئی ہاتھ ڈالے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی یا صاحب ایمان کا عہد تھا۔ حاجی عبدالرحمٰن سینہ سپر رہا تا آنکہ اس کی بات پوری ہوئی اور حضرت کی شہادت سے قبل ظالموں، قاتلوں کو پہلے عبدالرحمٰن کو شہید کرنا پڑا اور اس کے بعد حضرت شہیدؒ پر انہوں نے ہاتھ اٹھایا۔

قربان جاؤں حاجی عبدالرحمٰن تیری ہمت پر۔ زندگی بھر تو حضرت شہیدؒ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہوتا رہا، حضرت سے چند فٹ آگے بیٹھ کر حضرت کے پُرلطف ملفوظات کے مزے لیتا رہا اور رخصت ہونے کے بعد قیامت تک حضرتؒ کے پہلو میں لیٹ کر رحمتیں اور برکتیں لوٹ رہا ہے۔ واقعی عبدالرحمٰن تو شہید وفا ہے۔ زندگی میں بھی تیری رفاقت لوگوں کے لئے قابل رشک رہی اور برزخ میں بھی تو حضرتؒ کے پہلو میں لوگوں کے لئے قابل رشک ہے اور کل قیامت کے دن حضرت شہیدؒ کے پہلو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھے گا تو ہم سب خدام کے لئے قابل رشک ہوگا۔ واقعی عبدالرحمٰن تو سب خدام پر بازی لے گیا۔ جس طرح ہماری نظروں کے سامنے گاڑی دوڑا کر ہمارے حضرتؒ کو ہم سے جدا کر دیتا تھا، اسی طرح موت میں بھی تو نے سبقت کی اور حضرتؒ کا بازو تھام کر برزخ میں پہنچ گیا۔ تیری عظمت، تیری جرأت، تیری وفاداری کو ہم سب خدام کا سلام۔ قیامت تک جو حضرتؒ کے لئے ایصال ثواب کو آئے گا تجھ پر بھی ضرور ایصال ثواب کرے گا تجھے بھی سلام پڑھے گا۔ کتنی شاندار قسمت لے کر تو حضرت شہیدؒ کا رفیق بنا تھا۔ اب تیرے بچے حضرت شہیدؒ کے بچوں کے ساتھ حقِ رفاقت ادا کر کے تیری عظمت کو مزید بلند کریں گے۔

اخبارات و مجلات کی نظر میں

ترتیب: عبداللطیف طاہر

روزنامہ جنگ کراچی:

"جید عالم دین، شیخ الحدیث اور شیخ القرآن، بلند پایہ محقق اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی جمعرات کی صبح دہشت گردوں کے ہاتھوں شہادت، انتہائی اندوہناک واقعہ اور امت مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان عظیم ہے.... مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی شخصیت اور ان کا تحقیقی کام پوری دنیائے اسلام میں نہایت احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، انکے لاکھوں ارادت مند نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں....

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نہ صرف ایک نہایت بلند پایہ عالم دین تھے بلکہ وہ ایک نہایت عظیم محب وطن تھے، وہ کسی بھی حوالے سے پاکستان کو کسی بھی طرح سے کوئی نقصان پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، مولانا شہیدؒ نے اپنی زندگی کے پچاس سے بھی زائد سال تعلیم و تدریس اور تحقیق و تبلیغ اور ترویج و اشاعت اسلام میں صرف کئے اور تادم آخر اسی مشن پر تھے. مولاناؒ کی پوری زندگی میں غیر مصروف رہنے کا تصور نہیں تھا، انہوں نے خود بھی ہر لمحہ دینی مصروفیت میں اور کام کرتے گزارا اور وہ یہی چاہتے تھے کہ ارتقا کا پہیہ زندگی کے کسی شعبے میں بند نہیں ہونا چاہئے....

(ہفتہ ۱۵/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ جسارت کراچی:

"... مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے، وہ کسی

طرح کی فرقہ واریت میں ملوث نہیں تھے اور شیعہ سنی گروہوں میں مفاہمت کے لئے کوشاں تھے، ان کی شخصیت نہ صرف غیر متنازعہ تھی بلکہ تمام حلقوں میں ان کا احترام کیا جاتا تھا....“

(ہفتہ ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ عوام کراچی:

”ممتاز عالم دین، محدث، محقق اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جمعرات کی دوپہر نامعلوم افراد کی فائرنگ سے شہید ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون.... -

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ملک میں اہم دینی اور مذہبی حیثیت رکھنے کے ساتھ ایک غیر متنازعہ شخصیت تھے، انکے تلامذہ اور عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، روزنامہ جنگ میں عوامی مسائل کے حل پر مبنی ان کا کالم ۱۹۷۸ء سے شائع ہورہا تھا، اور جس کے سبب عوام سے ان کی وابستگی اور اسکے جواب میں عوام کی طرف سے ان سے محبت وعقیدت میں گرانقدر اضافہ ہوا تھا، علم حدیث اور دیگر علمی، مذہبی اور دینی موضوعات پر ان کی ۳۰ سے زائد کتابیں مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں، تحفظ ختم نبوت کے لئے مولاناؒ نے اپنی زندگی وقف کررکھی تھی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ایک استاذ کی حیثیت سے انہوں نے رشد وہدایت کی شمع روشن کررکھی تھی، اور ہزاروں طلبأ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایسی علمی شخصیت کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ایک قومی المیہ ہے اور ان کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بھرنا آسان نہیں ہوگا....“

(جمعہ، ۱۴/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۱۹ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ایکسپریس کراچی:

”.... مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شہادت سے اشاعت دین اور علوم اسلامیہ کی ترویج کو شدید نقصان پہنچا ہے، مولانا مرحوم ممتاز عالم دین، محقق، اسکالر، محدث اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر، اقرأ روضۃ الاطفال کے سربراہ، جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث، ممتاز روحانی شخصیت اور پاکستان کے سینکڑوں مدارس کے سرپرست تھے، حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی ولادت ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو عیسیٰ پور ضلع لدھیانہ

ہندوستان میں ہوئی، تقسیم ہند کے بعد مولانا ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور ملتان میں خیر المدارس میں اپنی تعلیم مکمل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصے ماموں کانجن ضلع فیصل آباد، پھر جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور پھر تاحیات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دینی تعلیم کے شعبے سے منسلک رہے، مولانا کی تدریسی خدمات کا دائرہ پچاس برسوں پر محیط ہے، پاکستان اور بیرون ملک مولانا کے شاگردوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، مولانا تصوف میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ سے خلافت و جانشینی کا اعزاز بھی رکھتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، جرمنی اور جنوبی افریقہ سمیت دنیا بھر میں مولانا کے مریدین کا وسیع حلقہ موجود ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے عقیدۂ ختم نبوت اور دیگر علمی موضوعات پر ۱۰۰ سے زائد کتابیں لکھیں، جن میں کئی کتابوں نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور کئی زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔ ان کی زیر ادارت بینات، ہفت روزہ ختم نبوت اور ماہنامہ لولاک شائع ہوتا رہا، مولانا مرحوم کی شہرت ولیاقت اور عالمانہ فضیلت کا چرچا دیگر ممالک تک بھی پھیلا ہوا تھا۔ پاکستان میں افغان قونصل خانے کے ایک اعلیٰ افسر نے بتایا کہ مولانا کی شہادت کی خبر پر افغانستان خصوصاً کابل میں بھی سوگ کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہاں لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، مولانا مرحوم دو روز قبل ہی افغانستان کے ایک ہفتے کے نجی دورے سے وطن واپس آئے تھے۔ مولانا کو افغانستان میں طالبان نے مکمل سرکاری پروٹوکول دیا تھا۔ مولانا نے اس دورے کے دوران طالبان کے امیر ملا عمر سمیت وزراء اور دیگر سرکاری حکام سے ملاقات کی تھی...."

(ہفتہ ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ امت کراچی:

"ممتاز عالم دین اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی جمعرات کی صبح نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، شہادت ان کی دلی آرزو تھی، جو بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی لیکن جن ظالموں نے عالم اسلام کو ایک عالم بے بدل سے محروم کر دیا وہ دنیا و آخرت ان شاء اللہ دونوں جگہ بدترین عذاب سے دوچار ہوں گے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی درجنوں کتابوں کے مصنف اور درجنوں ہی دینی مدارس کے سرپرست تھے۔ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز مولانا مرحوم لوگوں کے مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی

میں جولبات دیتے جوایک اخبار میں ہر جمعہ کو شائع ہوتے رہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بے شمار دینی خدمات میں اہم ترین مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے قادیانیوں کے خلاف ان کا قلمی جہاد تھا۔ انہوں نے بڑے عام فہم اور مدلل انداز میں عقیدہ ختم نبوت کے منکر قادیانیوں کے خلاف سینکڑوں مضامین اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے انگریزی تراجم بھی شائع ہوتے رہے....“(ہفتہ ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ریاست کراچی:

”ممتاز مذہبی اسکالر، صف اول کے عالم دین، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور ان کے ڈرائیور کو شہید کر دیا گیا، قوم ایک ایسے مذہبی رہنما سے محروم ہو گئی جس کی شخصیت ایک سایہ دار درخت کی مانند تھی، دینی اور فقہی مسائل کے لئے جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا وہ مولانا یوسف لدھیانویؒ سے رہنمائی حاصل کر کے مطمئن ہوتے۔

مولانا ناموس رسالتؐ کے علمبردار تھے، منکرین ختم نبوت انکے نام سے لرزہ براندام تھے، مرحوم نے اپنی درجنوں تصانیف کے ذریعے ختم نبوت اور اسلام کی عظمت کی جو وکالت کی وہ ہماری دینی تاریخ کا روشن پہلو ہے، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جیسے اسکالر صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی المناک موت سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید وہ کبھی پر نہ ہو....“(۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ جرأت کراچی:

عالم اسلام ایک مفسر قرآن وحدیث سے محروم ہو گیا، بلاشبہ مولانا مرحوم کی شہادت عالم اسلام کے لئے ایک المیئے سے کم نہیں.... مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ جیسے بلند پایہ عالم دین یقیناً ہماری قوم کے لئے سرمایہ تھے انہوں نے ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کیا متعدد کتابیں تصنیف کیں، یقیناً عالم اسلام کے لئے ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین (ہفتہ ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ اساس کراچی :

".....دین کا ایک عالم زمین پر اللہ کی رحمت ہوتا ہے، ایک عالم کا یوں اٹھ جانا ایک برکت سے محرومی کے مترادف ہے :ایک جید عالم دین کی شہادت ایک قومی سانحے سے کم نہیں اور یہ بات سچ ہے کہ اس نقصان کی تلافی مدتوں نہیں ہوسکے گی۔ مرحوم ایک قومی اخبار کے دینی صفحے سے مدتوں وابستہ رہے۔ اخبار میں جہاں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے وہاں دینی مسائل کے حوالے سے لوگوں کے مسائل کے دینی حل بھی بتاتے رہے۔

.....ان کے تصنیفی کام کا ایک بڑا حصہ قادیانیت کی تردید پر مشتمل ہے۔وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے اور قادیانیوں کے خلاف ان کی سرگرمیاں محض تصنیفی ہی نہیں بلکہ وہ ایک عملی کارکن بھی تھے..... مولانا جہاد کے زبردست داعی تھے۔(ہفتہ ۱۵صفر المظفر ۱۴۲۱ھ) (مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ خبریں کراچی :

".....ممتاز عالم دین مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے قتل سے پورے ملک میں فضا سوگوار ہے، ان کی شخصیت کبھی متنازعہ نہیں رہی، وہ ہمیشہ درس وتدریس کے امور میں مصروف رہتے تھے، ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہے، ان کی ذات سے کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی، بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سیاست سے الگ تھلگ رہنے کا تہیہ کر رکھا تھا اور اپنے اس عزم پر مرتے دم تک قائم رہے۔ صرف دینی امور میں دلچسپی رکھتے تھے۔اور دینی تعلیم کے حوالے سے ان کی شخصیت قابل احترام تھی کہ انہیں نقصان پہنچانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ان کے قتل پر بعض حلقوں نے رائے دی ہے کہ انہیں قادیانیوں نے سازش کر کے اپنے راستے سے ہٹایا ہے۔ کیونکہ وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر متحرک تھے۔یہ بھی کہا جارہا ہے کہ ان کو قتل کر کے فرقہ وارانہ دہشت گردی کا تأثر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ شیعہ اور سنی نفرت میں اضافہ کیا جاسکے۔ تمام آرا اور خدشات کا جائزہ لیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا قتل اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کی گہری سازش ہے....."(ہفتہ ۱۵صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)(مطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۰ء)

۵۱

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند :

"…. مولانا محمد یوسف لدھیانوی بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، آپؒ کے مذہبی مضامین ہندوستان اور پاکستان کے رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ مجاز تھے، وہ صرف پاکستان کی امانت نہ تھے، بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کا بھی ورثہ تھے…."۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت طبقہ علمأ میں معروف ومشہور تھی، حضرت مرحوم کی علمی دینی خدمات کی وجہ سے علمأ اسلام میں ان کو ایک خاص مقام حاصل تھا، ملت اسلامیہ ان کی تالیفات وفتاویٰ سے خوب خوب استفادہ کرتی رہی اور ان شأ اللہ کرتی رہے گی۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے مختلف موضوعات پر عالمانہ ومحققانہ تصنیفات چھوڑی ہیں، خصوصاً "تحفظ ختم نبوت" اور "رد قادیانیت" کے موضوع پر مفتی صاحب مرحوم کے رسائل کی تین ضخیم جلدیں "تحفہ قادیانیت" کے نام سے شائع ہوچکی ہیں جو رد قادیانیت پر کام کرنے والوں کے لیے قیمتی مواد پر مشتمل ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نامور شاگرد حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی محمد یوسف لدھیانوی مرحوم پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے…."۔

خداوند کریم حضرت مفتی صاحب مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔…."۔

(جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم سہارنپور :

"…. حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پاکستان کے نامور عالم دین، فقہ وفتاویٰ کے نیر تاباں، سلوک وطریقت کے درخشندہ ستارے، مختلف علمی، فقہی، معاشرتی اور اصلاحی تقریباً ۳ درجن کتب کے مصنف، ماہنامہ "بینات" کراچی کے بیباک ایڈیٹر، حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے مرید باصفا اور عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ خاص اور حضرت مولانا سید محمد

یوسف بنوریؒ کے منظور نظر تھے....“۔

علمی ذوق و شوق کے ساتھ تھانوی اور مدنی ذوق کا حسین امتزاج، حنفی المشرب اکابر واسلاف کا نمونہ، تقویٰ وطہارت، سلوک و تصوف اور مختلف صفات و خصوصیات سے متصف ہونے کے باوصف زبان و قلم کے بادشاہ اور اپنی بات کے استدلال میں بے مثال تھے، فرق باطلہ بالخصوص قادیانیت کے حق میں شمشیر برہنہ تھے، انہوں نے قادیانیوں سے متعدد بار کامیاب مناظرے بھی کئے تھے اور مختلف کتب بھی تحریر فرمائی تھیں.... ان کے علاوہ ہند وپاک کے مختلف اخبارات ورسائل میں بھی قادیانیت کی سرکوبی اور مذمت کی اور سادہ لوح عوام کو قادیانی کے دجل و فریب سے آگاہ وباخبر فرمایا تھا”اختلاف امت اور صراط مستقیم“لکھ کر باطل فرقوں اور شیطانی ٹولوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور ان کی اس کتاب کا باطل عقائد وافکار اور مسموم خیالات و نظریات رکھنے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، غرض حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ تقریباً ۴ درجن علمی تحقیقی کتب کے مصنف تھے اور دنیا بھر میں عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے....“۔ (جون/جولائی ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ”الحق“ اکوڑہ خٹک:

”.... گزشتہ دنوں ملک کے معروف و مشہور عظیم عالم وفاضل، ادیب، انشأ پرداز، صحافی، ناصح، زاہد، مدرس، مربی، مفتی اور برگزیدہ ہستی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو دن دہاڑے ہنگاموں کے شہر کراچی میں بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی ہشت پہلو شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مرحوم کا وجود علم و عمل کا جیتا جاگتا نمونہ تھا آپ کی ہر سانس، ہر صدا اور قلم کی ہر جنبش علم و فضل کی ترقی، اسلام کی سربلندی اور امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بے تاب اور سرگرم عمل تھی، زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جس پر آپ نے تنہا کئی اداروں سے بڑھ کر کام نہ کیا ہو؟ تصنیفات و تالیفات اور تحقیقی مضامین کا ایسا ذخیرہ آپ نے وراثت میں چھوڑا ہے کہ امت مرحومہ کو تشنگی کا شکوہ ہی نہ رہے۔ افسوس کہ درندہ صفت قاتلوں نے ایک ایسے گوہر نامدار کو ہم سے چھین لیا جس کی اس مفلس اور غریب قوم کو اس وقت کافی ضرورت تھی، ستم ایجاد گردش دوراں اور طوفان فنا نے ایک اور مشعل راہ کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا، عرصہ شب دیجور

میں چراغ پہ چراغ بجھا جارہا ہے، اور اندھیرے پہ اندھیر ابڑھتا چلا جارہا ہے۔ آسمان علم و فضل کے اکثر ستارے ایک ایک کر کے گردپوش ہورہے ہیں، ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھئے تو دور دور تک روشنی نظر نہیں آرہی ہے، اپنی محرومیوں اور بد نصیبی کی شدت دیکھ کر ماتم پہ ماتم کئے جائیے۔ امت مسلمہ پر بھوک وافلاس اور قحط تو برسوں سے سایہ فگن ہے، لیکن اس قحط الرجال نے تو لاغر امت مرحومہ کی بالکل کمر توڑ کر رکھ دی ہے......۔

اب تو عالم اسلام کا چہرہ کسی مفلس بیوہ کا روپ دھار چکا ہے جس کا ماضی درخشاں رہا ہو، لیکن اس کے جھریوں بھرے ہاتھ کی لکیروں میں مستقبل، مخدوش بلکہ خدانخواستہ بانجھ نظر آرہا ہو، افسوس کہ دست بیداد اجل نے مسلمانوں اور خصوصاً اہل پاکستان کو اپنے اکابر، مشائخ اور محبان وطن کے آخری سلسلوں سے بھی محروم کرنا شروع کردیا ہے، نتیجتاً آج قافلہ امت دشتِ غم اور کربلائے حیرت میں حزین وحیران کھڑا نظر آرہا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مدرسہ کو نہ جانے کس کی نظر کھا رہی ہے کہ کل تلک مدرسہ کے منبر و محراب اور درس گاہوں میں جو علم و فضل کے چراغ جگمگا رہے تھے وہ یکے بعد دیگرے گل ہونا شروع ہو گئے ہیں، بڑی مشکل سے یہی ایک چراغ ضوفشاں پرانے چراغوں میں سے روشنی کے لئے باقی رہ گیا تھا سو فنا کی مہربانیوں سے وہ آخری چراغ بھی بجھ گیا: ایک اور چراغ بجھا اور بڑھی تاریکی۔

...... مولانا لدھیانویؒ کے قلم کا یہ اعجاز تھا کہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے خواہ وہ علمی، تحقیقی، تاریخی، ادبی، تنقیدی اور جیسا بھی مغلق موضوع ہوتا آپ اس پر ایسا مواد پیش کرتے کہ موضوع کا حق ادا ہو جاتا تھا......۔

علاوہ ازیں فرق باطلہ کے تعاقب میں آپ نے مختلف علمی مضامین، تحقیقی مقالات لکھ کر ان کو بے نقاب کیا، خصوصاً ڈاکٹر فضل الرحمان اور پرویزی فتنے، قادیانیت، شیعیت اور دیگر فرقوں کا موثر مقابلہ کیا، اسی طرح اصلاح امت کے لئے تبلیغی مضامین پر مشتمل کئی کتابیں تحریر فرمائیں، آپ کی شخصیت مجمع البحرین تھی، شریعت اور طریقت کے آپ ایک حسین امتزاج تھے، آخری عمر میں تو آپ تصوف کے رنگ میں مکمل طور پر "ومن احسن من الله صبغة" کی تصویر بنے ہوئے تھے اور بے شمار پڑھے لکھے لوگ اور نامور علمائے کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے تزکیہ نفس کے مراحل طے کئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات عالیہ کو آپ کیلئے آخرت کا

توشہ بنائے...."- آمین

ماہنامہ "الخیر" ملتان :

"واسفاہ! اہل دل واہل عزیمت، نمونہ اسلاف ورہنمایان ملت، حاملین شریعت و پیکر سنت جس سرعت سے اس دنیا سے اٹھے جارہے ہیں، دُنیا ایک وحشت کدہ معلوم ہونے لگی ہے، ابھی عالمِ اسلام کی محبوب شخصیت نادرۂ روزگار اور جامع کمالات ہستی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ کی دردناک جدائی پر آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ ایک اور المناک سانحہ اور جاں گداز المیہ نے پوری ملت اسلامیہ کو سوگوار کردیا ہے-

مادرِ علمی جامعہ خیر المدارس کے مایہ ناز فرزند اور استاذ العلماءؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کے تلمیذ رشید، صلابت وثقاہت کے امام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کسی شقی القلب کے ہاتھوں خلعت شہادت پاکر رب کے حضور سرفراز ہوگئے، "یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة، انا لله وانا الیه راجعون-

یوں لگتا ہے جیسے زمانہ نے زبردست کروٹ لی ہے- ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ، ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء جمعرات کا دن مسلمانان برصغیر بلکہ پوری اسلامی دنیا کو ایک المناک حادثہ کی یاد دلاتا رہے گا، حریم نبوت کا پاسبان، اسرارِ شریعت کا نکتہ رس، اور علم ومعرفت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہوگیا، علم وفقاہت کی مجلس اجڑ گئی، ملت ایک صاحب بصیرت اور متاع دین ودانش سے محروم ہوگئی، یوسفِ کارواں رخصت ہوگیا، محدثِ وقت علامہ بنوری رحمہ اللہ کی روایات کا امین اور ان کی یادگار "بینات" کا سرپرستِ محتشم پوری ملت کو اداس وبے یار ومددگار کرگیا، مسلمان اس یوسفِ گم گشتہ پر مدتوں آنسو بہائیں گے-

الکرب مجتمع والصبر مفترق

القلب محترق والدمع مستبق

کسی ایسی ہستی کے بارے میں قلم اٹھانا جو میراثِ نبوت سے سرفراز اور بے شمار خصائص کی حامل ہو اور جس سے اللہ رب العزت نے اپنے دین کا غیر معمولی کام لیا ہو، نہایت مشکل مرحلہ ہے، مولاناؒ ایسی جامع صفات کے مالک تھے جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں، اپنے اعلیٰ

اوصاف اور بزرگانہ کمالات کی وجہ سے ملک کے جید علمأ کرام کے حلقہ میں یکساں محبوب ومحترم اور صائب الرائے سمجھے جاتے تھے، نسلِ نو کی اسلامی خطوط پر فکری اور ذہنی تربیت کے لئے مولاناؒ نے زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، وہ طبقہ علمأ میں اپنی محبوب وہر دلعزیز شخصیت کے باعث اپنی الگ پہچان رکھتے تھے، مولاناؒ کی علمی خدمات کا دائرہ زمان کے اعتبار سے نصف صدی کو محیط ہے، جس میں انہوں نے مسندِ تدریس کو رونق بخشنے کے علاوہ عصرِ حاضر کی چکاچوند کرنے والی زندگی میں رستہ بھٹکنے والے بے شمار خاندانوں اور ہزار ہانوجوانوں کو اسلامی احکامات اور تعلیمات سے آگاہ کیا، فکری تعصبات کو رفع کیا اور نظریاتی وتحقیقاتی تضادات کا ازالہ کیا، حق تعالیٰ شانہ نے انہیں اسلامی تعلیمات کو سہل اور دلنشین انداز میں بیان کرنے کی حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا، مولاناؒ کی تصنیفات وتالیفات کا عدد ۱۰۰ تک پہنچتا ہے، جن میں چند صفحات کے پمفلٹ سے لے کر نو جلدوں تک کی ضخیم کتابیں بھی ہیں، عصرِ حاضر میں مولاناؒ کے قلم نے کفر والحاد اور دجالی فتنوں کے خلاف ایک مجاہد کی تلوار کا کام کیا، وہ مسلمانوں کے فروعی اختلافات پر نہایت دلسوزی کے ساتھ ناصحانہ انداز میں لکھتے تھے جس میں کسی کی تحقیر وتضحیک یا دلآزاری کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا، مگر باطل فرقوں بالخصوص ختم نبوت اور عظمت وناموس صحابہؓ کے منکرین کے خلاف ان کا قلم سیفِ بے نیام تھا، دشمنانِ دین کو ان کے مقابلہ میں ہمیشہ شکست وہزیمت اٹھانا پڑتی تھی اور شاید انہی قوتوں نے علم وعمل کے اس روشن مینار کو زمین بوس کرکے اپنی ذلت ورسوائی کو چھپانے کی کوشش کی ہے....

جیسا کہ عرض کیا گیا تحریر وانشأ پردازی میں مولانا مرحوم کو درجہ کمال حاصل تھا، ان کے قلم سے مختصر وطویل بے شمار مقالات ومضامین زینتِ قرطاس بنے، زود نویسی کے باوجود ان کی تحریر سلاست ودل نشینی اور سہل ممتنع کا دلکش نمونہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ایک ہی نشست میں فل سکیپ کے اسی (۸۰) صفحات قلم برداشتہ تحریر فرمائے، ایک صاحب نے مولانا مرحومؒ کی علمی استعداد اور مقام کا امتحان لینے کے لئے ایک مسئلہ پر پانچ سوالات تحریر کئے، جواباً مولاناؒ نے ہر سوال کے جواب میں ۱۰۰ صفحات لکھے اور یوں پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک علمی خزینہ منظر عام پر آگیا....

اسلامی جمہوریہ میں دین کے ایسے بطل جلیل کو، جو نا معلوم کتنے اکابر کی محنتوں کا مجموعہ

اور دعاؤں اور آرزوؤں کا محور تھا.... ایسے رہنمائے ملت وپاسبان دین صدیوں بعد ملتے ہیں.... کو کس بے دردی اور بے حسی کے ساتھ شہید کردیا گیا؟ بدبخت دہشت گردوں کو شاید معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کس چراغ کو بجھادیا.... یہ بڑا مقدس اور محبوب خون تھا- کیا بے گناہ خون رنگ لائے بغیر رہے گا؟ کیا مسلمانان پاکستان اس کے وبال کا خمیازہ بھگتنے کا دل گردہ رکھتے ہیں؟ یہ وبال دستک دے کر نہیں آتے، ہاں ایسی بے قراریاں، محرومیاں اور بدنصیبیاں ساتھ لاتے ہیں جو گلے کا ہار اور ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن جاتی ہیں:

زمین پر تم اٹھاتے ہو جو فتنے سوچ لو اتنا
پکار اٹھی زمیں تو آسمان تک بات پہنچے گی

مولانا مرحومؒ آج ہم سے جدا ہو چکے ہیں لیکن انہوں نے اس دور کی جاہلیت جدیدہ کی تاریکیوں میں علم و فضل کی جو قندیل روشن کی ہے وہ مدتوں فروزاں رہے گی اور نشانِ منزل کا پتہ دیتی رہے گی، مولانا مرحومؒ بلند قامت دینی شخصیت، بے مثال محقق اور عظیم النظیر مصنف ہونے کے باوجود تواضع وانکسار کا پیکر تھے....“۔ (ربیع الاول ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی:

”ملک کے معروف صاحب قلم اور صاحب نسبت بزرگ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب صدر، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث اور اپنے وقت کے نامور عالم ربانی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کو ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ جون ۲۰۰۰ء بروز جمعرات سفاک قاتلوں نے شہید کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون......۔

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی اتباع سنت کی تجلیات سے منور تھی وہ اپنے شگفتہ قلم اور مشفقانہ تکلم سے دین حنیف کی خدمت میں شبانہ روز سرگرم عمل رہتے تھے، ان کی متواضع شخصیت اور شیریں گفتگو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ان کا حکیمانہ انداز تخاطب ونگارش دلوں میں گھر کرتا تھا، مرحوم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے فتنوں سے بے چین رہتے تھے اور مجاہدانہ جذبے سے ان کی سرکوبی کیلئے آمادۂ پیکار رہتے تھے، ناموس رسالتؐ کے تحفظ کا معاملہ ہو، حضرات صحابہؓ کے تقدس کا دفاع ہو یا معاشرے میں منکرات وبدعات کی وجہ سے پھیلی ہوئی ظلمتوں کا مقابلہ! ہر میدان میں مولانا مرحوم سینہ سپر

رہتے تھے، اور بڑی حکمت ودانائی کے ساتھ باطل کے مقابلہ میں حق بات ذہن نشین کراتے تھے، مختلف فتنوں کی حقیقت جاننے کے لئے ان کی وقیع تصانیف سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

مولانا اپنے وقت کے معروف صاحب طریقت بزرگ بھی تھے ان کے سوزِ دروں نے بہت سے طالبان حق کے اطوار زندگی بدل ڈالے اور انہیں اتباع سنت کے رنگ میں رنگ دیا۔

روزنامہ جنگ" کے اسلامی صفحہ میں ہر جمعہ کو ان کی بصیرت افروز نگارشات پر مبنی کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" عوام وخواص میں بڑا مقبول تھا، لوگ اس کا انتظار کرتے تھے، یہ کالم فقہی وغیر فقہی مسائل میں لوگوں کی مشکلات حل کرتا تھا اور دینی وشرعی نقطہ نظر سے ان کی راہنمائی کرتا تھا اس کالم کی وجہ سے عوام کا ایک بڑا طبقہ حضرت مولاناؒ کا عقیدت مند اور دلدادہ تھا۔

حضرت مولانا عالمی تحریک مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب سرپرست بھی تھے اور ہر سال برطانیہ جاکر قادیانی اور مرزائی فتنے کی شر انگیزی کے خلاف وہاں کے مقیم مسلمانوں کو خبردار کرتے رہتے تھے، یہ برطانیہ ہی تھا جس نے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس فتنے کی تخم ریزی کی تھی، اور اب عالم کفر میں برطانیہ ہی وہ واحد ملک ہے جس نے قادیانیت کے علمبرداروں کو پناہ دی ہوئی ہے اور کافرانہ فتنے کا یہ شجرہ خبیثہ انگریز ہی کی حفاظت میں اب تک زندہ ہے، جبکہ بحمد اللہ پاکستان میں اس کے برگ وبار سوکھ رہے ہیں، حضرت مولانا کفرستان میں جاکر اس فتنے کے لیڈروں کو للکارتے تھے تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکیں۔

مولانا کا قلب ہر مظلوم مسلمان کی آہ سن کر مضطرب ہوجاتا تھا، کشمیر سمیت دنیا کے مختلف خطوں میں کافرانہ عصبیت اور وحشیانہ درندگی کا شکار ستم رسیدہ مسلمانوں کی حالت زار پر مرحوم بہت بے چین رہتے تھے، وہ عالم اسلام کا قیمتی اثاثہ تھے وہ مرد قلندر تھے کوئی مادی وسائل نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے نالہ ہائے نیم شبی کی دولت اسلام اور اہل اسلام کے مسائل ومشکلات کے لئے وقف تھی۔

اسلام اور پاکستان کے دشمنوں سے انکا وجود برداشت نہیں ہوا اور اندرونی وبیرونی

دشمنوں نے اس روشن چراغ کو گل کر دیا...... :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایسے دیدہ ور کی وفات پاکستان کے مسلمانوں کے لئے بڑا سانحہ ہے- وان فی اللہ عزاء أمن كل مصيبة وخلفاً من فائت وانا لله وانا اليه راجعون-

رب کریم ان کی شہادت کو قبول فرمائے ان کو جنت الفردوس میں مقام قرب سے نوازے، انکے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور انکی مظلومانہ شہادت دین حق کی سربلندی اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف پھیلے ہوئے فتنوں کی سرکوبی کے لئے بہت سے یوسفوں کی آمد کی نوید بنے"- آمین (البلاغ جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ "حق چاریار" لاہور :

"...... مولانا کی شہادت سے عالم اسلام خصوصاً اہل پاکستان ایک عظیم مذہبی اسکالر سے محروم ہو گیا، قحط الرجال کے اس دور میں مولانا کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے-

مولانا لدھیانویؒ نے اپنی ساری زندگی تعلیم و تدریس، تحقیق، تبلیغ، ترویج اسلام واشاعت اسلام میں گزاری، آپ کی شخصیت اور آپ کا علمی تحقیقی کام پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- مولانا لدھیانویؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے شائدوہ کبھی پر نہ ہو سکے

...... مولانا لدھیانوی کے اندر دینی حمیت بہت تھی، مسلک حق کا دفاع کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے اور رد قادیانیت پر گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے تھے، اس کے باوجود داخلی فتنوں رافضیت، مودودیت اور خارجیت کی خطرناک چالوں سے بھی بے خبر نہ تھے اور انکے تعاقب اور مسلک حق کے تحفظ کو بھی ضروری سمجھتے تھے......"- (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ "لولاک" ملتان :

"فقیہہ العصر، دین کے ماہ درخشندہ، علم کے نیر تاباں، پیکر عجز و نیاز، قاطع مرزائیت، معروف روحانی شخصیت اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف

لدھیانوی کو ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح دس بجے سر بازار درندہ صفت دہشت گردوں نے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر ڈالا....۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایک اچھے اور کامیاب مدرس ہونے کے باعث متاثر کن واعظ اور خطیب تھے، زبان و بیان کی سادگی سامعین کو بات سمجھانے میں خاص مددگار ثابت ہوتی تھی، اس خوبی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے مولاناؒ کو قلم پر مکمل دسترس بھی ودیعت فرمائی تھی، رد قادیانیت کے ضمن میں مولاناؒ کی قلمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ قادیانی فتنہ کے عقائد و عزائم اور مذہبی احتساب میں مولاناؒ کی قلمی جراحت کو نمایاں حیثیت حاصل رہے گی، مرزائیت کے قلمی احتساب کے ضمن میں حضرت لدھیانویؒ بلاشبہ وقت کے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے، قادیانی فتنہ سے متعلق مولاناؒ کی فکر مندی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پہلا مضمون ہی قادیانیت کی تردید کے ضمن میں لکھا تھا۔

مولاناؒ نے محاسبہ قادیانیت کے سلسلے میں جو چھوٹے بڑے رسائل اور پمفلٹ تحریر فرمائے تھے انہیں عوام الناس میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، یہ تمام پمفلٹ اپنے وقت میں اور آج بھی دلائل و براہین کے اچھوتے انداز کے باعث نہ صرف عام فہم ہیں بلکہ متاثر کن بھی ہیں:.....۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ دین کے مبلغ داعی اور اسکالر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشق رسولؐ بھی تھے جب سرور دو عالم ﷺ کا نام زبان پر آتا تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، چہرہ اشکبار ہو جاتا، انکا وجود عجز و نیاز اور محبت و عقیدت کے پیکر میں ڈھل جاتا۔ جن حضرات نے مولاناؒ کا آخری دیدار کیا وہ گواہی دیں گے کہ چہرے پر طمانیت اور عجب تبسم شفاعت خداوندی کا ثبوت دے رہا تھا، مولاناؒ شہادت سے ایک ہفتہ قبل جہاد کی برکات کا نظارہ کرنے کیلئے افغانستان تشریف لے گئے تھے...... ایک محاذ پر آپ نے کلاشنکوف چلانے کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ”ہم لوگ اب تک تو قلم کا جہاد کرتے رہے ہیں، آج اصل جہاد میں بھی شریک ہوگئے ہیں“۔

حضرت مولاناؒ وطن واپس لوٹے تو ایک انٹرویو کے دوران شہادت کی دعا مانگی جو اللہ

تعالیٰ نے قبول فرمائی اور تیسرے روز مولاناؒ شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو گئے......"۔

(ربیع الاول ۱۴۲۱ء)

ماہنامہ "الحسن" لاہور :

"شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے خلیفہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے تلمیذ خاص اور مسترشد، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر، جامعہ زکریا الخیریہ کے مہتمم، جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مایہ ناز استاذ حدیث، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے معتمد خاص، ماہنامہ "بینات" کراچی کے مدیر، روزنامہ جنگ کراچی، ہفت روزہ ختم نبوت اور ماہنامہ "اقرأ ڈائجسٹ" کے ممتاز کالم نگار، سینکڑوں مضامین، بیسیوں رسائل اور چالیس سے زائد ضخیم کتب کے مصنف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو انتہائی سفاکانہ اور ظالمانہ طریقے سے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون......۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کی المناک شہادت پوری ملت کے لئے شدید ترین المیہ اور افسوسناک سانحہ ہے، حضرت محض ایک بلند پایہ عالم دین ہی نہ تھے بلکہ اس دور کے عظیم دانش ور، ادیب، مفکر، محقق، مصلح اور رہنما تھے، آپ خاموشی سے لیکن بہت ہی دلسوزی اور ہمہ گیری کے ساتھ مختلف محاذوں پر عملی، اصلاحی، دینی اور روحانی خدمات انجام دے رہے تھے، آپ کی تحریریں، بیانات، تصانیف اور اصلاحی مواعظ ملت کے ایک بڑے طبقے کی دینی رہنمائی اور اصلاح کا ذریعہ تھے، جدید تعلیم یافتہ طبقے سے لے کر نیم خواندہ عوام تک سب آپ کی تحریروں کے گرویدہ اور آپ کی مشفقانہ شخصیت کے عقیدت مند تھے، خصوصاً ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو مغرب زدہ اور مغرب کی مادی و سائنسی ترقی سے مرعوب ہے، حضرت کی نگارشات پر بہت اعتماد اور آپ کے سنجیدہ و متین قلم کو بہت پسند کرتا تھا، اور یہ ایسی صفات ہیں جو انحطاط کے اس دور میں خال خال ہی پائی جاتی ہیں، اس بنا پر حضرت پوری ملت اسلامیہ خصوصاً پاکستانی قوم کے لئے عظیم سرمایہ تھے اور ان سے محرومی ایسا زبردست نقصان ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی قوم کا کیا بنے گا، جو ایسی نادر روزگار ہستیوں سے محروم ہوتی چلی

جارہی ہے، اور پھر جس مظلومانہ حالت میں حضرت شہید ہوئے وہ کلیجے کو چھلنی کئے دیتی ہے، حضرت خالص عالمانہ اور ٹھیٹھ درویشانہ مزاج رکھتے تھے، اپنی علمی مصروفیات اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے علاوہ انہیں کسی چیز سے سروکار نہ تھا، ایسی درویش منش اور فرشتہ صفت شخصیت پر یوں دن دھاڑے ظالمانہ حملہ ایسا قومی سانحہ ہے جو زوال پذیر معاشرے کے بدترین انحطاط کی علامت ہے، انکی شہادت ایک فرد کی وفات نہیں پوری ملت کے قیمتی سرمائے کا ضیاع ہے، ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کرے، علماً انبیاً کرام کے وارث ہیں، انبیاً کے وارثین کو شہید کرنے والوں کی فلاح ایسے ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے جیسے کہ انبیاً کرام علیہم السلام کو تکلیف دینے والوں کی......۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے صرف انکے متعلقین، تلامذہ اور مریدین کو ہی صدمہ نہیں پہنچا، تمام دینی جماعتوں اور دین دار عوام کو دھچکا لگا ہے، ایسی بابرکت ہستیوں کا کسی معاشرے سے اٹھ جانا اور پھر اس مظلومانہ طریقے سے، بہت ہی خطرناک علامت ہے، اور پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے....." (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ "الصیانۃ" لاہور:

"...... حضرت لدھیانویؒ قحط الرجال کے اس دور میں چند ایک مغتنم ہستیوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں بے شمار خوبیاں اور بہت سے بزرگوں کی نسبتیں اور برکات جمع کر رکھی تھیں،...... مولانا لدھیانویؒ نے اپنے رواں اور زور دار قلم کو دین کی سنجیدہ دعوت واشاعت، جدید الحادی فتنوں کی گرفت اور خصوصاً قادیانیت کی تردید اور اس فتنے کی تلبیسات کی نقاب کشائی کے لئے استعمال کیا، آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے، اور عموماً اس طرح کے تنظیمی عہدوں کی وجہ سے انسان میں حب جاہ اور بالخصوص "اخباری" بننے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، لیکن حضرتؒ کی زندگی اور کردار میں اس طرح کی باتوں کا دور دور تک کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وفات کے بعد بھی آپ کی تصویر اخبارات کو اشاعت کے لئے نہ مل سکی، دینی حمیت وغیرت آپ کو اپنے بزرگوں بالخصوص حضرت بنوریؒ سے ملی تھی، آپ کم گو اور کم آمیز مزاج کے مالک تھے، وقت کے قدردان اور فضول اور لایعنی سے کوسوں دور، لیکن اس وصف کے باوجود آپ میں خشکی اور درشتگی کا نام ونشان نہیں تھا......۔

حضرت مولاناؒ کی شہادت صرف ان کے اہل خاندان، شاگردوں اور متعلقین کے لئے ہی نہیں تمام مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے-اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ"-

(جون۲۰۰۰)

ماہنامہ سلوک واحسان کراچی :

"یوں تو ہر شخص کے لئے اس عالم میں فنا مقدر ہے اور قسام ازل نے ہر جن وانس بلکہ ہر ذرہ کائنات کے لئے وجود سے قبل ہی فنا تجویز کر رکھا ہے اس سرائے دہر میں روزمرہ انسانوں کی آمد ورفت عرصہ سے جاری ہے جو بھی آیا جانا اس کے لئے لازمی قرار پایا، بقاودوام صرف اور صرف ایک ذات واحد وقہار کیلئے مخصوص ہے لیکن بعض ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کی رحلت ہزاروں دلوں کو سوگوار اور ہزاروں آنکھوں کو اشکبار کر جاتی ہے، یہ وہ مقربین بارگاہ شخصیات ہیں جو نہ صرف خود عشق الٰہی سے سرشار ہوتی ہیں بلکہ ان کے طفیل ہزاروں قلوب اس نور محبت سے منور ہوتے ہیں، ان کی کیمیائی نظر قلوب کو رزائل سے صاف کر کے نور باطن سے منور کر دیتی ہے اور قلوب حرص وہوس، کبر ونخوت، ظلم ومعصیت اور حب جاہ ومال سے خالی ہو کر زہد وقناعت، صبر وتوکل، خشیت وانابت اور تعلق مع اللہ سے معمور ہو جاتے ہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ مخلوق خدا کی رشد وہدایت اور ان کی اصلاح ظاہر وباطن کے کام میں مصروف ہوتا ہے ظاہری اجسام کے اعتبار سے وہ اس عالم میں چل پھر رہے ہوتے ہیں لیکن قلب وروح کے اعتبار سے وہ حضوری بارگاہ رب العزت کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں، دنیوی مال ومتاع ان کی نگاہ میں بے وقعت ہوتے ہیں ان کا دل محبوب کے لئے تڑپتا اور بے قرار رہتا ہے اور جب یہ بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں اس وصال کا پروانہ مل جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے : "من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ"-اسی طرح حضرت مجذوبؒ کیا خوب فرماتے ہیں :

کیں بند جو آنکھیں تو مری کھل گئیں آنکھیں
کیا تم سے کہوں پھر مجھے کیا کیا نظر آیا
صد شکر کہ آپہنچا لب گور جنازہ
لو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

صد داغ، بسر زخم، بسر خاک بسر ہے
مجذوب کے سر عشق کا سہرا نظر آیا

ان ہی ہستیوں میں ہمارے سلسلہ کے ایک بابرکت بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا شمار بھی ہے جو ۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء صبح ۱۰/ بجے شہادت پاکر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے......۔

حضرت اقدسؒ کا وجود مدارس دینیہ، تزکیہ و تصفیہ قلوب کی مجالس کے لئے رحمت، رد فتن، خصوصاً پرویزیت، قادیانیت، اہل بدعت اور رافضیت کے لئے صاعقہ آسمانی تھا، دوسری طرف اعلائے کلمۃ الحق میں جہاد طالبان، جہاد کشمیر وغیرہ کا آپ سہارا تھے، کتنے ہی مدارس اور خانقاہیں آپ کی زیر سرپرستی قائم تھیں، اور کتنے ہی فتن قدیمہ وجدیدہ کا رد آپ کے قلم سے مختلف تصانیف کی صورت میں ظاہر ہو کر ہزاروں، لاکھوں انسانوں کی ہدایت اور ان کے قلوب کی طمانیت کا ذریعہ بنا، ان ساری اعلیٰ دینی خدمات کا حسن ختام شہادت کے مرتبے پر جاکر ہوا...."۔ (راگست ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ "الحماد" کراچی:

"یوں تو دنیا جگہ ہی آنے اور جانے والوں کی ہے، کوئی آتا ہے اور کوئی جاتا ہے اور یہی دنیا کی زندگانی اور حیات کی حقیقت ہے، کسی کا آنا اور کسی کا جانا معمول کا ایک حصہ ہے،....اور "کل من علیها فان، کل نفس ذائقة الموت" کے اٹل قدرتی فیصلے کی تصدیق وشہادت ہے، لیکن بعض جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا جانا دلوں پر بجلی بن کر گرتا ہے، آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے، "فکر فردا اور یاد ماضی" ڈس ڈس کر چین وسکون غارت کردیتے ہیں، ان کے جانے پر اگر روتے روتے آنکھیں سوج اور بے نور ہو جائیں تب بھی قرار نہیں آتا، سات سمندر آنسو بہہ جائیں تب بھی چین وسکون میسر نہیں آتا، اگر اللہ کی طرف سے صبر کی جودوسخانہ ہو تو دھڑکتے دل بند ہو جائیں، مسکراتے چہرے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح ماند پڑ جائیں، گھر اجڑ جائیں، ایسے ہی جانے والوں میں علم وعرفان کے بحر بے کراں، مجسمہ زہد وایثار، پیکر تقدس و تقویٰ، کوہ استقامت وجلالت، سلف صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، منبع فضائل وکمالات، صبر

ورضا اور توکل کی جیتی جاگتی تصویر، علم کا سمندر، عرفان کا دریا، مجاہد و مجاہد ساز، محقق العصر، عارف کامل، عاشق ختم الرسل، فقہ وافتاء کے عالم بے بدل، تحریر و تقریر کے جوہر یکتا، ختم نبوت کے فداکار، استاذ الفقہ والحدیث والتفسیر مرشد المجاہدین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (جنہیں آج رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہوئے دل دھڑکتا، قلم لرزتا اور ہاتھ کانپتا ہے) مظلومانہ شہادت کے ساتھ عقبیٰ کی طرف روانہ ہوگئے، شاعر سے ترمیم پر معذرت کے ساتھ حضرتؒ کے اس طرح تشریف لے جانے پر عالم بزبان حال پکار رہا ہے:

وماکان شیخ هلکه هلک واحد
ولکن بنیان قوم تهدما

(حضرت شیخؒ کی شہادت ایک فرد کی فنا نہ تھی بلکہ وہ قوم کی ایک بنیاد تھی جو ڈھا دی گئی)

حضرت لدھیانویؒ کیا گئے علم و فضل، جود و سخا، حلم و وقار، عبادت و ریاضت، حمیت وغیرت سب کچھ اپنے ساتھ لے گئے۔

والد محترم پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد دامت برکاتہم نے حضرت شیخ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرت اقدس مولانا لدھیانویؒ کی باکمال شخصیت کو کوئی تقریر کے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا البتہ شاعر کا یہ شعر آپؒ کی ذات و صفات کی کچھ ترجمانی کرتا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شاید اب ہمیں ہزار سال تک حضرت لدھیانویؒ جیسی شخصیت کا انتظار کرنا پڑے، ایسے جوہر یکتا زمانے میں کمیاب بلکہ نایاب ہیں، جو بیک وقت علم و عمل، تحریر و تقریر، تدریس و تعلیم، جہاد و تصوف اور افتاء کے پیکر ہوں.......۔"

(ربیع الاول ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ”التجوید“ فیصل آباد :

”...... حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ کو شہید کر دیا گیا، مرحوم بڑے نیک دل اور پارسا انسان تھے، مدت العمر جامعہ بنوری ٹاؤن میں درس حدیث دیتے رہے، وہ بڑے قلمکار تھے، انہوں نے سو سے اوپر کتابیں لکھیں، ان کا شمار پاکستان کے چوٹی کے علمأ میں ہوتا تھا....۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے عمر بھر قال اللہ و قال الرسول کا پیغام عام کیا، ان سے حدیث کی روایت کرنے والے سینکڑوں نہیں ہزاروں، ملک میں ہی نہیں بیرون ملک بھی ہیں، وہ شخص قلم اٹھاتا تو اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہیں تلاش کرتا، انہوں نے مسند رسول کی حفاظت کو زندگی کا ہدف بنایا، وہ اس مسند پر جبراً قبضہ کرنے والوں کے لئے آہنی دیوار بن کر راستہ روک کر کھڑے ہوگئے، ان کے ساتھ نوک قلم سے جہاد کیا اور پسپا کر کے چھوڑا، ان کی تحریروں کو پڑھ کر کھوٹے بھی کھرے ہوئے، بدکار سدھرے اور حقیقت شناس بن کر پچھلی زندگی سے تائب ہوگئے، اور آئندہ زندگی میں راہ منزل کو تلاش کرنے میں کامیاب ٹھہرے، اہل دل کہتے ہیں کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی کا قتل نہیں ہوا، قتل تو انسانیت کا ہوا ہے، خون محبت کا بہا، رواداری کا گلا گھونٹ دیا گیا، سوال یہ ہے کہ اس انسانیت کا قاتل کون ہے؟ حارث، محاسب، محتسب؟ ان شاأ اللہ سب ”یتخبطہ الشیطان من المس“ سے دوچار ہوں گے، میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں؟ (مئی/جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ البنوریہ کراچی :

”۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کا دن مسلمانان پاکستان کے لئے خصوصاً اور عالم اسلام کے لئے عموماً ایک سیاہ اور تاریک دن ثابت ہوا، اس دن اسلام کا ایک بطل جلیل، شریعت مطہرہ کا مایہ ناز سپوت، ناموس رسالت ﷺ کا عظیم سپاہی، تحفظ ختم نبوت کا بے باک مجاہد، طریقت کے میدان کا بلند و بالا مینار، کلام الٰہی کا بہترین مفسر، احادیث رسول ﷺ کا کامیاب شارح، عوام کی دینی الجھنوں کا بآسانی سلجھانے والا، ہر دلعزیز، روحانی امراض کا سرجن، صحافت کے میدان کا سرخرو صحافی، ادب کی دنیا کا شہہ سوار، وقت کا بہترین نباض، علمی دنیا کا بحر ذخار، امت کے غموں کا اتھاہ سمندر، مایوس لوگوں کے لئے امید کا وسیع جزیرہ، خطابت کا بے تاج بادشاہ، عظیم مفکر،

مدبر، دانشور، ورع و تقویٰ کا پیکر، شفقتیں بکھیر نے والا پاکستان کا ''علی میاں'' دہشت گردی کے نتیجے میں لقمہ اجل بن گیا......

حضرت مولاناؒ نے تحفظ ختم نبوت کو اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا تھا اور اس کاز کیلئے اپنی زندگی وقف فرما رکھی تھی، اس موضوع پر آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور نہایت سلیس، آسان اور مٹھاس میں ڈوبی ہوئی زبان میں انتہائی ناصحانہ انداز میں قادیانیوں کو دلائل کی روشنی میں دعوت اسلام دیتے رہے، اس کے علاوہ آپؒ کی تدریسی خدمات بھی ایک طویل عرصے سے جاری تھیں......

بے شمار مدارس کی سرپرستی بھی مولاناؒ کی خدمات کا ایک عظیم حصہ ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ نہ صرف محبت رکھتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی ان کے ساتھ شریک رہے، غرض کہ مولانا نے دینی خدمات کے تمام شعبوں کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنایا ہوا تھا اور اپنی دین دارانہ صلاحیتوں کو نہایت دیانت داری کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک استعمال فرماتے رہے، ایک ایسے وقت میں مولانا کو ہم سے جدا کر دیا گیا جب کہ بلاشک وشبہ آسمان دنیا کے نیچے پوری امت ان کی علمیت، رہنمائی، شفقتوں اور دعاؤں کی محتاج تھی، جذباتیت سے عاری، جاذبیت سے بھرپور، انتہائی معتدل شخصیت کا نام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تھا، تحفظ ناموس رسالتؐ کے قافلے کا یہ سالار ہم سے چھین لیا گیا، ایک ایسے موقع پر جہاں قدم قدم پر امت کو رہنمائی کی ضرورت تھی، یہ عظیم رہنما گولی کے زور پر امت سے جدا کر دیا گیا.....

ماہنامہ ''البنوریہ'' اس المناک، اندوہناک حادثے پر عالم اسلام کے اس عظیم اور ناقابل تلافی نقصان پر نہایت مغموم دل کے ساتھ اپنی پوری دینی و علمی برادری اور مولانا کے خاندان کے غم میں برابر کا شریک ہے......'' (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ انوار ختم نبوت لاہور :

''پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ۱۸/ مئی کو دن دہاڑے، بھرے بازار میں دہشت گردی کی اندوہناک واردات میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر، پاکستان کے نامور عالم دین مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ

۵۴

راجعون۔

مولانا لدھیانوی مرحوم ایک جید عالم دین اور عظیم روحانی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ وہ بیک وقت بلند پایہ محدث، محقق، مفکر، مدبر، مدرس، مصنف اور مبلغ بھی تھے، مولانا مرحوم کی شخصیت، ان کے علمی، تحقیقی اور تبلیغی کام کو پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں نہایت احترام وعقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، ان کی شہادت نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک ممتاز اور نامور عالم دین سے محروم ہو گیا ہے، ان کی شہادت سے پیدا ہونے والا خلأ پُر ہونا مشکل ہے...... ملت اسلامیہ ایک عظیم مفکر، مدبر، مصنف، اور مؤرخ سے محروم ہو گئی...... مولانا مرحوم کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی......۔" (صفر، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ الارشاد :

"...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت سے عالم اسلام میں جو روحانی وعلمی خلأ پیدا ہوا ہے اس کا مستقبل میں پُر ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے

ہم حضرت اقدس شہیدؒ کے پسماندگان اور تمام اہل حق کے غم میں برابر کے شریک ہیں، غم شہادت کا نہیں، ان کی جدائی کا ہے، کہ نہ صرف علمأ اور طلبأ بلکہ مجاہدین بھی ایک شجر سایہ دار سے محروم ہو گئے ہیں......۔

شیخ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ مکمل طور پر ایک غیر سیاسی شخصیت تھے، وہ کبھی جلسے جلوس کے مردِ میدان نہیں رہے، کبھی ان کی تصویر کہیں شائع نہیں ہوئی، مگر اس کے باوجود وہ علم وعمل کی جامع شخصیت، اخلاص وللہیت کے پیکرِ مجسم، شرافت وبزرگی کا عنوان اور وقت کے ولیٔ کامل تھے......" (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ الاحرار لاہور :

"۱۸/ مئی کی صبح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور معروف وممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو چند سفاک دہشت گردوں نے سربازار شہید کر دیا......۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جیسی غیر متنازعہ علمی ودینی شخصیت کا بہیمانہ قتل صرف پاکستان کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا نقصان ہے اور ایسا نقصان جس کی تلافی کبھی نہ

ہو سکے گی...... مولانا جیسی دینی و علمی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، انہوں نے علم و عمل کے جو چراغ روشن کئے ہیں وہ ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے"۔

ماہنامہ المسعود راولپنڈی :

۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو ملکی تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ ہوا، جب دشمنان اسلام نے عالم اسلام کے عظیم اسکالر، استاذ الحدیث، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پر اندھادھند فائرنگ کر کے انہیں شہید کر دیا، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اسلام کے ہیرو تھے، ان کی خدمات کا شمار ممکن نہیں، جہاں وہ روزانہ درس حدیث سے تشنگان علوم حدیث کی پیاس بجھاتے، وہاں وہ ہر وقت ہر لمحہ عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کو بے نقاب کرنے میں مصروف رہتے، آپ نے فتنہ قادیانیت کے رد میں وہ دلائل و براہین دیئے کہ قادیانیوں کے لئے ان کا جواب دینا ممکن نہ رہا، آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا، آپ کی کتابیں پڑھ کر ہزاروں گم گشتہ راہ صراط مستقیم پر آئے، آپ نے مدارس دینیہ کی سرپرستی فرمائی جہاں سے نکل کر بے شمار وارثانِ دین نے دینِ اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، آپ نے مجاہدین اسلام کے سروں پر دستِ شفقت رکھا...... خود مولاناؒ کی زندگی کی بڑی خواہش بھی شہادت کی موت تھی جو اللہ رب العزت نے پوری کر دی، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شخصیت کا اثر زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں پر تھا، آپؒ سے ہزاروں لوگوں نے اصلاحی اور روحانی تعلق قائم کر کے اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کی، جس نے آپؒ کی کتابوں، تقریروں اور تدریس سے استفادہ کی وہ ہمیشہ کیلئے آپ کا گرویدہ بن گیا....."۔ (جون ۲۰۰۰ء)

تعمیرِ حیات لکھنو :

"ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس اندوہناک خبر نے پورے بر صغیر کے دینی و علمی طبقہ کو سکتہ میں ڈال دیا کہ ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کو پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین اور بزرگ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو سفاکانہ طور پر شہید کر دیا گیا، اور اس طرح ملتِ اسلامیہ کو ایک عظیم قیمتی سرمایہ سے اس وقت محروم کر دیا گیا جب کہ اس کو اس کی اور زیادہ ضرورت تھی،

اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا کرے۔

وہ ایک سنجیدہ اور بردبار دینی رہنما، مصنف و محقق، اور کم از کم پاکستان میں صف اول کے اکابرین میں تھے، تین ماہ بھی نہیں گزرے کہ ان کے متوازن قلم سے حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر محبت و عقیدت اور عظمت سے بھرپور شذرہ "بینات" کراچی میں جس کے وہ مدیر تھے سامنے آیا تھا، جس میں انہوں نے اپنے ممدوح مرحوم کے بارے میں تحریر کیا تھا کہ جن پانچ شخصیتوں سے میں زیادہ متاثر ہوا، اور ان کی عظمت ہمارے دل میں رچ بس گئی، ان میں سے ایک یہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، کسے کیا معلوم تھا کہ یہ محبّ مخلص صادق اپنے محبوب و مخدوم سے اتنی جلدی جا ملے گا۔

مولانا مرحوم دل درد مند رکھنے والے اور قوم و ملت کی فکر رکھنے والے عالم دین تھے، احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے وہ مصروف عمل رہتے ہوئے وہ اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور جا پہنچے، جہاں ان کو اب اپنی خدمات و مساعی کا بہتر سے بہتر بدلہ ملنا ہے، اور اس سے اچھا بدلہ دے ہی کون سکتا ہے؟ لیکن یہ ضرور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ! اس دور قحط الرجال میں کہ جس میں سچے مخلص اور باحمیت و باعمل لوگ کمیاب ہی نہیں نایاب ہوتے نظر آرہے ہیں، ایسے نابغۂ روزگار لوگوں کی ایسی ناقدری کی جائے......"۔ (۲۵جون ۲۰۰۰ء)

ہفت روزہ ضربِ مومن کراچی:

"حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کی المناک شہادت پوری ملت کے لئے شدید ترین المیہ اور افسوس ناک ترین سانحہ ہے، حضرت محض ایک بلند پایہ عالم دین ہی نہ تھے بلکہ اس دور کے عظیم دانش ور، ادیب، مفکر، محقق، مصلح اور رہنما تھے، آپ خاموشی سے، لیکن بہت ہی دلسوزی اور ہمہ گیری کے ساتھ مختلف محاذوں پر علمی، اصلاحی، دینی اور روحانی خدمات انجام دے رہے تھے، آپ کی تحریریں، بیانات، تصانیف اور اصلاحی مواعظ ملت کے ایک بڑے طبقے کی دینی رہنمائی اور اصلاح کا ذریعہ تھے، جدید تعلیم یافتہ طبقے سے لے کر نیم خواندہ عوام تک سب آپ کی تحریروں کے گرویدہ اور آپ کی مشفقانہ شخصیت کے عقیدت مند تھے، خصوصاً ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو مغرب زدہ اور مغرب کی مادی و سائنسی ترقی سے مرعوب ہے، حضرت کی نگارشات پر بہت اعتماد اور آپ کے سنجیدہ و متین قلم کو بہت پسند کرتا

تھا اور یہ ایسی صفات ہیں جو انحطاط کے اس دور میں خال خال ہی پائی جاتی ہیں، اس بنأ پر پوری ملت اسلامیہ خصوصاً پاکستانی قوم کے لئے عظیم سرمایہ تھے اور ان سے محرومی زبردست نقصان ہے......۔

حضرت خالص عالمانہ اور ٹھیٹھ درویشانہ مزاج رکھتے تھے، اپنی علمی مصروفیات اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے علاوہ انہیں کسی چیز سے سروکار نہ تھا، ایسی درویش منش اور فرشتہ صفت شخصیت پر حملہ قومی سانحہ ہے...... ان کی شہادت ایک فرد کی وفات نہیں پوری ملت کے قیمتی سرمایے کا ضیاع ہے......۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے صرف ان کے متعلقین، تلامذہ اور مریدین کو ہی صدمہ نہیں پہنچا، تمام دینی جماعتوں اور دین دار عوام کو دھچکا لگا ہے، ایسی بابرکت ہستیوں کا کسی معاشرے سے اٹھ جانا بہت ہی خطرناک علامت ہے......۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے تلامذہ، منتسبین و متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے......"۔ (۲۱ تا ۲۷ ر مضان مطابق ۲۶ مئی ۲۰۰۰ء)

ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی:

"کراچی کی گلیوں، سڑکوں نے یوں تو نہ معلوم کتنے ہی بے گناہوں کا خون اپنے اندر جذب کیا ہے، لیکن ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کی صبح ایک ایسا مردِ قلندر کراچی میں جاری دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گیا، جو اپنی ذات میں انجمن تھا، صفات میں محسن و مستحسن تھا، آفتابِ علم و حکمت تھا، اس نے بہترین قرآن سیکھا اور تادمِ آخر اپنے عمل سے دوسروں کو سکھاتا رہا، حق اور باطل میں فرق واضح کرنے کا اسلوب اس قدر سادہ اور جامع تھا کہ معمولی سے معمولی علم رکھنے والا بھی ان کی طرف سے ابلاغ کی گئی بات پوری طرح سے سمجھ لیتا تھا......"۔ (۲۶/ مئی ۲۰۰۰ء)

نداء الاسلام شهريه اسلام آباد:

"ولقد كان للشيخ محمد يوسف اللدهيانوى رحمه الله وغفرله، منزلة كبيرة لدى العلماء وعامة المسلمين، فقد كان عالماً جليلاً متضلعاً متخصصاً في علوم التفسير والحديث والفقه والافتاء، وكاتباً مجيداً نشرت له مقالات كثيرة في الصحافة المحلية، وتتجاوز مولفاته الاسلامية القيمة ۳۰ كتاباً، وتولى رئاسة التحرير لعدد من

المجلات منها مجلة بينات الشهرية ومجلة ختم النبوة، وكما كان من أبرز المتخصصين القلائل فى موضوع الرد على القاديانية، وامتدت نشاطاته الدعوية الى بلدان كثيرة فى أفريقيا وآسيا، وأسس سلسلة من مدارس اقرأ التى تعمل داخل كراتشى لها فروع كثيرة.....

ونرفع عزاء نا الى أبناء الشيخ محمد يوسف اللدهيانوى، والىٰ رئيس جامعة العلوم الاسلامية فضيلة الشيخ الدكتور عبدالرزاق اسكندر ومدرسيها وعلماء ها وطلابها، والى أسرة تحرير مجلة "بينات" ومجلة "ختم النبوة" حيث نشاركهم فى أحزانهم، ونسأل الله تعالىٰ أن يتغمدهم برحمته ويدخلهم جنة الفردوس، آمين، انه سميع مجيب." (جون ۲۰۰۰ء)

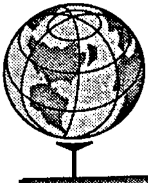
سہ ماہی مجلہ الفرید:

"عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو گزشتہ دن کراچی میں بے دردی کے ساتھ شہید کردیا گیا جس سے ملک بھر میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

جنرل ضیاً کے وقت سے دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر علمأ کو ایک منظم سازش کے تحت قتل کیا جارہا ہے لیکن افسوس کہ کوئی قاتل گرفتار نہیں ہوپاتا، .... مولانا موصوف نے قادیانیت کے خلاف جو کام کیا تھااور اسلام وپاکستان کواس فتنہ سے خبردار کرنے کے لئے جو محنت کی وہ انہیں کا حصہ ہے۔"

............☆............

......ان تمام امور کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی علمأ کرام کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر ایک بار دینی مدارس سرکاری تحویل میں دے دیئے گئے اور انہیں قانون کے شکنجے میں کس دیا گیا تو ان کی حیثیت خالص سرکاری اداروں کی ہوگی، آج اگر ایک نیک دل حکمران ہے اور وہ دینی مدارس کو پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتا ہے تو کل ایک ایسا شخص بھی آسکتا ہے جو دین اور دینی مدارس کا بدترین دشمن ہو۔ سرکاری تحویل میں چلے جانے کے بعد دینی مدارس صرف نام کے دینی مدارس ہوں گے ورنہ عملاً وہ خالص سرکاری ادارے ہوں گے، اور ان کی کارکردگی سرکار عالی مدار کے تابع ہوگی۔ اس لئے یہ مجوزہ منصوبہ اپنے ابتدائی حالات میں کتنا ہی معصوم اور بے ضرر نظر آتا ہو، لیکن اس کا انجام دینی مدارس کو حکمرانوں کا کھلونا بنانے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اگر علمائے کرام کو یہ صورت حال گوارا ہے تو بڑے شوق سے اس منصوبہ کو قبول فرماکر مراعات سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔......



عالمگیر
اظہارِ عقیدت

ترتیب: محمد وسیم غزالی

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے سانحہ شہادت پر عالم اسلام کے مقتدر راہنماؤں کے تاثراتِ غم پیش کئے۔ چند نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں:

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد مدظلہ العالی : افغانستان :

فقیہہ العصر، مرشد العلماء، فضیلت مآب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کی خبر ہم نے نہایت افسوس کے ساتھ سنی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی شہادت اور تمام شہداء اسلام کی شہادت کو قبول فرمائے، اور میں نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ عالی میں دعا گو ہوں کہ آپؒ کا اور تمام شہداء کا شہداء بدر، شہداء احد و حنین کے ساتھ حشر فرمائے اور ان تمام حضرات کی ہم مسلمانوں کے لئے شفاعت کو قبول فرمائے۔ آپ حضرات امارت اسلامی افغانستان کی جانب سے تعزیت قبول فرمائیں۔ اور خاندان شہید ناموس رسالت بالخصوص علماء دین کی خدمت میں عرض ہے کہ صبر جمیل سے کام لیں اور دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کو لڑانے کی سازش ناکام بنادیں۔

حضرت شہیدؒ نے تحریک عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جس طرح رہنمائی فرمائی اور دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ حریم نبوت کا دفاع کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ حضرت مرحوم علم و عمل کے بحر ذخار تھے۔

آپ کی تصانیف اور فتاویٰ نہایت اعتدال کے ساتھ صائب تھے، اور آپ کی روحانی طریقت کی کوششیں اور آنجناب کی گوشہ نشینی کے ساتھ ساتھ لادین قوتوں کے خلاف جہاد آپؒ کی دیانت و متانت کی علامت تھا اور فتنہ الحاد و زندیقیت اور ارتداد و انکار ختم نبوت کے خلاف آپ نے مثالی کردار ادا کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا سانحہ ارتحال پوری مسلم امہ کو سوگوار کر گیا ہے، ان کی دینی خدمات بالخصوص تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے سلسلہ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان خدمات کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشیں اور انہیں بلند درجات عطا فرمائیں۔

آمین

جنرل پرویز مشرف : چیف ایگزیکٹو پاکستان :

مولانا یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے عظیم صدمہ کو ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اتنے نیک، بے ضرر، مقبول ترین روحانی درویش کو شہیدؒ کرنے کا مقصد ملک میں عدم استحکام پیدا کرنا اور انتشار پھیلانا تھا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا قتل افسوسناک ہے۔ اس قسم کی کارروائیاں اور حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں جو پاکستان کو ترقی کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ امتناع قادیانیت آرڈی نینس اور اسلامی دفعات کو عبوری آئین میں شامل کرنے پر غور کیا جائے گا۔

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ :

حضرت الشیخ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو نیاز مندی عرصہ دراز سے رہی، زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت کی بعض تصنیفات سے استفادہ کے ساتھ ساتھ آپؒ کی شخصیت سے عقیدت بھی ہو گئی، اور عقیدت و محبت کا یہ سلسلہ حضرت کی زندگی کے آخری لمحات تک برقرار رہا، گزشتہ سال حج کی ادائیگی میں حضرت کی معیت کا شرف بھی حاصل ہوا، جہاں آپؒ کی خصوصی شفقتوں سے مالا مال ہوا، کیا خبر تھی کہ سفاک ہاتھ اتنی جلدی ہمیں ان کی برکات سے محروم کر دیں گے۔ شہادت کے جانکاہ حادثہ نے مولانا کو تو شہادت کے بلند مقام پر فائز کر دیا، لیکن لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب کر دی۔

مفتی محمد داؤد یوسف : مفتی اعظم برما، صدر جمعیت علماء اسلام برما :

ماہنامہ بینات کے مدیر واستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، خلیفہ ومجاز حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ ومجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کی دشمنان اسلام کی سازش سے شہادت کی خبر سن کر ہمیں اور جمعیت علماء برما کے تمام اراکین کو بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا محمد یوسف متالا : دارالعلوم، ہولکمب بری، برطانیہ :

سفر کے دوران مجھے یہاں جوہانسبرگ میں ابھی فون سے حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی، اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی گھر والوں کی حالت غیر ہوگئی، بمشکل سے ان کو سنبھالا، یہاں پر جس نے بھی سنا رنج والم میں ڈوب گیا کہ یہاں قادیانی کیس کے سلسلہ میں حضرت مولانا مرحوم کا طویل قیام رہا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ تمام متعلقین کو صبر جمیل، اجر جزیل عطا فرمائے۔

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری : ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت :

حضرت اقدس عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ظاہر وباطن ہر اعتبار سے متصرف بزرگ تھے اور جماعت کے نائب صدر کی حیثیت سے قطب وقت کے عہدہ پر فائز تھے اور آپ کے دور میں جماعت نے پوری دنیا میں جو ترقیات کیں وہ قیامت تک آپؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گی۔

مولانا عبید الرحمٰن : شیفلڈ :

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کی زندگی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی اور شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح دینی خدمات سے عبارت تھی۔ زندگی کا کوئی لمحہ آپ نے ضائع نہیں کیا، یورپ میں قادیانیت کا سدباب آپ کا زرین کارنامہ ہے۔ رہتی دنیا تک آپ کے صدقات جاری رہیں گے۔

مفتی محمد اسلم: جنرل سیکریٹری جمعیت علمائے برطانیہ:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شہادت ایک ایسا سانحہ ہے جس پر امت سالوں روئے گی۔ آپ کی شہادت سے ایک تاریخ کا باب بند ہو گیا ہے۔ ختم نبوت کے حوالے سے یورپ کا ایک ایک فرد آپ کا ممنون ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا طاہر کا راستہ جس جرأت اور بے باکی سے آپ نے روکا وہ آپ کی علو مرتبت کی واضح دلیل ہے، آپ کی وفات سے پوری امت سوگوار ہے۔

مولانا عبید الحق، مولانا نور الاسلام: بنگلہ دیش

حضرت علامہ یوسف لدھیانویؒ کی ناگہانی شہادت نے عالم اسلام کے مسلمانوں کو یتیم بنادیا۔ انہوں نے زندگی کی آخری لمحے تک ملک وملت کے مختلف دینی خدمات اور فرق باطلہ کے مقابلے میں مجاہدانہ کردار ادا فرمایا ہے، بالخصوص قادیانیت کے خلاف جو ان کو ناقابل برداشت ہونے کی وجہ سے یہ وحشیانہ دہشت گردی اور قتل کی سازش کی ہے۔

حاجی جمال خان: صدر مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت نیپال

مایہ ناز بزرگ عالم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قاتلانہ حملہ سے شہادت ہو جانے کی اطلاعات سے متعلقین مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت نیپال کو ایک بہت بڑا صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی بارگاہ عالی میں بہترین جزائے خیر سے نوازے۔

مولانا عبد المجید: شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا:

الحمد للہ مولانا مرحوم کو عمر کے ہر حصہ میں قابل رشک انسان پایا، ابتدا سے مولانا کی تحریرات مطالعہ میں رہیں شاید ہی کوئی کتاب یا تحریر ہو جو نظر سے نہ گزری ہو، دوران درس انکی تحریرات پر اعتماد کا اظہار کرتا رہتا ہوں، مولانا ملت اسلامیہ کے قابل قدر سرمایہ تھے، ان کی شہادت ان کے لئے تو باعث سعادت ہے لیکن دین وملت کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

”مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ است“۔

مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ : مجلس تحفظ حقوق اہلسنت والجماعت.:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے بچوں سے اظہار تعزیت کے لئے حاضر ہوا ہوں اگرچہ اس سانحہ نے ہم سب کو قابل تعزیت بنا ڈالا۔

شہدا اُحد کے سید سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سن کر ان کی بہن سیدہ صفیہؓ مقتل عشاق میں آئیں اور اپنے بھائی کی لخت لخت لاش پر ایک نظر ڈال کر بے ساختہ اللہ کے رسول ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف فاتحانہ دیکھا، بولیں..... یہ شمع روشن رہے ایسے (حمزہؓ جیسے) کئی پروانے قربان ہوتے رہیں گے۔

شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جب بھی دیکھا، مسکراتا ہوا، آخری ملاقات ۶ مئی ۲۰۰۰ء دفتر مرکزیہ ملتان میں ہوئی تو اسی مسکراہٹ کے عالم میں، دراصل یہ مسکراہٹوں کا ہجوم ان کے حسن خاتمہ کی تمہید جلی تھی، ایسی نکھری ہوئی بے داغ شہادت سب کے مقدر میں کہاں، انہوں نے ۶ مئی کی ملاقات میں مجھ سے کہا تھا "جسمانی زندگی گزر گئی، اب تو اللہ کے محبوب کے ذکر جمیل کے طفیل اللہ نے روحانی زندگی کی چند ساعتیں مرحمت فرمادیں، سو وہ اسی انجام پر منتج ہوئیں جس کی انہیں تمنا تھی، عزیزم مولوی محمد سعید، حافظ عتیق الرحمٰن، عزیزم محمد طیب لدھیانوی، حافظ محمد یحیٰ سلمہم کو سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ سیدہ اسماکا وہ قول یاد دلا کر ان کا دکھ دور کرنے کی سعی کرتا ہوں وہ جب فرزند کی لاش پر آئیں تو لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا دیکھو! میری کوکھ سے کتنے بڑے خطیب نے جنم لیا کہ تختہ دار پر بھی حریت کا خطبہ دے رہا ہے، آپ کو بھی اللہ نے وہ باپ عطا فرمایا جو خون شہادت سے نہا کر تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کو لالہ زار کر گئے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہمارا یوسف ہم سب کو یتیم کر گیا، اب دیکھیں اس شریف اور بے ضرر انسان کی مظلومیت کی کیا سزا بھگتے گی یہ قوم؟

سیدنا عثمانؓ بن عفان پر تیغ ستم کھینچنے والوں ہی کو نہیں، بلکہ اس مظلوم کے قاتلوں پر بروقت ضرب انتقام نہ لگانے والوں کو بھی بہت شدید حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

مفتی زرولی خان : مہتمم جامعہ احسن العلوم کراچی :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا سانحہ کسی ایک گھر یا ادارہ یا علاقہ کا نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا سانحہ ہے۔

حضرت مرحوم اپنے وجود میں آفتاب علم و عمل بن چکے تھے اور ایک جہاں ان کی مبارک ذات سے سیراب ہورہا تھا یہ حکومت وقت کے لئے بھی تازیانہ عبرت ہے اور دیوبند مسلک کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا اللہ داد خیر خواہ : رہنما جمعیت علماءاسلام بلوچستان :

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمہم اللہ کو جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دیکھ کر حضرت بنوری رحمہ اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، دارالحدیث میں محدث، دارالافتاء میں مفتی، بینات میں صحافی، اخبار جنگ میں مضمون نگار، کے علاوہ مفتی عالم اسلام عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں عالمی مناظر اور قطب العالم سراج السالکین حضرت مولانا ابو الخلیل خواجہ خان محمد صاحب کندیاں شریف کے صحیح نائب امیر مجلس اور خود طریقت وروحانیت پھیلانے کیلئے ہر وقت بیقرار تھے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی :

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، اما بعد، فان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی شہادت کا حادثہ نابغہ جہاں پوری امت مسلمہ اور ملت پاکستان کے لئے ایک خسارہ عظمیٰ ہے وہاں میرے لئے بہت بڑا ذاتی صدمہ بھی ہے، مجھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت معیت میں کئی بار جنوبی افریقہ کے سفر اور قیام کی سعادت حاصل ہوئی، حضرتؒ کی راہنمائی اور علمی ہدایات کے تحت میں نے وہاں کی سپریم کورٹ میں ختم نبوت کا موقف پیش کرنے کا شرف حاصل کیا، ان بابرکت ایام کی یادیں دل میں برابر تازہ اور روشن ہیں۔ حضرت مولانا لدھیانویؒ ہر اعتبار سے اکابر علمائے سلف کا نمونہ تھے۔ علم، تقویٰ، تواضع، استغناءاور زہد ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔

قاری محمد حنیف جالندھری : مہتمم خیر المدارس ملتان :

حضرت مرحوم و مغفور امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ تھے، ان کی ساری زندگی دین اسلام کی نشر و اشاعت، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ، علمائے حق کی ترجمانی اور باطل فتنوں کی سرکوبی کیلئے وقف تھی، حضرت کی شہادت کا غم نہیں لیکن جدائی کا غم ہے، وہ تو کامیاب زندگی گزار کر اپنی آخرت میں بھی کامیابی کے ساتھ چلے گئے۔

عبد القیوم حقانی : مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ اکوڑہ خٹک :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس دور میں اسلاف کی نشانی تھے، مختلف اوقات میں اٹھنے والے فتنوں کے خلاف ان کی کاوشیں خصوصاً ختم نبوت میں ان کی قربانیاں یاد رکھی جائیں گی، "اختلاف امت اور صراط مستقیم" ان کی تصنیف ان کی علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مولانا محمد اسعد تھانوی : صدر جمعیت علمأ اسلام سندھ :

مرحوم مولانا محمد یوسف لدھیانوی قلم کے بادشاہ تھے، اہل علم کا ایک وسیع حلقہ ان کی تحریروں کا عرصہ سے شیدائی ہے، ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

مولانا محمد اسفندیار خان : سواد اعظم اہل سنت پاکستان :

ظالم نادانوں نے امت کا عظیم علمی نقصان کیا۔

مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب مد ظلہ العالی :

مخدومی و مخدوم العلمأ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے غزالیؒ و رازیؒ تھے، حضرت کے ایک ایک جملہ میں علم و عرفان کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہوتے ہیں قرآن و سنت میں عالم کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے حضرت شہید اس کا بہترین مصداق تھے۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ صبر کا معنی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا نہیں، بلکہ حضرتؒ جس کاز پر کام کر رہے تھے اور اپنے ساتھیوں کو جس راہ پر لگا رکھا تھا اسی کاز اور راہ پر بھرپور انداز

سے گامزن رہنا ہی صبر ہے۔

نوابزادہ نصر اللہ خان : صدر جمہوری پارٹی پاکستان :

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت ملت کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ طویل عرصہ تک اسلامی علوم کی تدریس واشاعت کے لیے جو خدمات انہوں نے انجام دیں اور ان سے جس طرح لاتعداد افراد فیض یاب ہوئے وہ اس دور میں ہماری تاریخ کا درخشندہ باب ہے، میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

محمد اسحاق ظفر (قائم مقام وزیر اعظم آزاد کشمیر) :

مولانا مرحوم علم وفضل کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے، شریعت کے روشن چراغ کو ظالموں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر بجھادیا، ہر ذی روح نے موت سے ہمکنار ہونا ہے، لیکن جو لوگ اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے دین کے احیأ کے لئے وقف کر دیتے ہیں وہ سدا زندہ رہتے ہیں۔

محمد سعید انصاری : خانقاہ نقشبندیہ غفوریہ صادق آباد :

حضرت اقدس فقیہہ العصر، مجاہد ملت ودین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ جامع کمالات وعلوم تھے، آپ اپنی مثال آپ تھے، سنت نبوی ﷺ کی اتباع کرنا اور کرانا حضرت اقدس شہید نور اللہ مرقدہ کا محبوب مشغلہ تھا، آپ سنت نبوی ﷺ کی چلتی پھرتی تصویر تھے، فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے آپ نے اپنے شب وروز ایک کر دیئے تھے، حتیٰ کہ شہدا کا مقام حاصل کر لیا، اس فقیر کو مردان میں حضرت اقدس شہید کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی، رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ حضرت اقدس شہیدؒ کی جانب لپک رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید ہو چکے ہیں، یہ فقیر دیکھ رہا ہے کہ حضرت کا قلب مبارک خوب حرکت کر رہا ہے اور حضرتؒ کی زبان مبارک قرآن پاک پڑھنے سے تر وتازہ ہے۔

یہ فقیر کہتا ہے کہ دیکھو تو سہی آپ لوگ کہتے ہیں فوت ہو گئے اور حضرت اقدسؒ کا قلب بدستور حرکت کر رہا ہے، اور قرآن پاک کی تلاوت سے زبان تر و تازہ ہے، فوت ہونے والے بھلا کہیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کا دل حرکت کرتا ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو اپنے یاد کرنے والوں اور مقربین میں شامل فرمالیا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے:

ان تفارق الدنیا ولسانک رطباً من ذکر اللّٰہ

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے کام مزید چلانے والے اور آگے بڑھانے والے پیدا فرماتا رہے اور حضرتؒ کے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا علی شیر حیدری : سپاہ صحابہؓ پاکستان :

شہید اسلام، امام الاولیاءؒ، استاذ العلماءؒ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی زندگی اور شہادت قابل صد رشک ہے۔

مولانا محمد انور ..... : مہتمم دار العلوم کبیر والہ :

امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ قربانی دینے والا، شب و روز محنت کرنے والا بالآخر عشق ختم نبوت پر قربان ہوگیا، اسلاف کی طرح جامعیت رکھنے والا کوئی کوئی ثابت ہوتا ہے۔ تصنیف و تالیف ہو یا تصوف، ذوق تدریس ہو یا مفاد عوام ہر شعبہ میں کمالات پر پہنچنے والے ہم سے اللہ تعالیٰ نے لے لئے۔ ابتدا میں بہت آہستہ اور آخر میں بہت تیزی کے ساتھ منازل و مراتب جہاد طے کرتا ہوا اپنی مطلوبہ منزل شہادت حاصل کرلی۔

گورنر سندھ جناب محمد میاں سومرو :

مولانا صاحبؒ نہ صرف میرے بلکہ میرے بزرگوں کے بھی بزرگ اور مہربان تھے۔ ان کی دین اور انسانیت کے لئے خدمات سب پر عیاں ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد : امیر تنظیم اسلامی :

آج مدرسۃ الفلاح میں حاضری ہوئی، ماحول کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، میرے علم میں

نہیں تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفظ ختم نبوت کی مجاہدانہ مساعی، اور دیگر علمی و تصنیفی مصروفیات پر مستزاد یہ تعلیم و تدریس علوم دینیہ کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور انہیں انبیأ، صدیقین، شہدأ اور صالحین کی معیت و رفاقت حسنہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

میر شکیل الرحمٰن : چیف ایگزیکٹو جنگ گروپ آف نیوز پیپرز :

اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں تعزیت کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکا۔ یہ اس صدی کا اتنا بہیمانہ اور دردناک واقعہ ہے کہ اس کی ہر ذی شعور آدمی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولاناؒ کی شہادت صرف پاکستان ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے۔ حکومت کو اس قسم کے واقعات کے سلسلہ میں منظم اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ ایسے واقعات زیادہ نہ ہوں۔

حافظ فیروز الدین لدھیانوی کراچی : خلیفہ مجاز حضرت شہیدؒ :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اس دور کے عظیم مجدد اور مصلح وقت تھے۔ دعوت و تبلیغ، مسند رشد و ہدایت، اتصال فرق باطلہ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا جس انداز سے فریضہ ادا کیا وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ آخری عمر تک اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی خدمت لی۔

مولانا ڈاکٹر عبد القیوم سندھی، مکہ مکرمہ :

حضرت تو اپنی منزل پا گئے مگر ہم سب کو یتیم کر گئے۔ ایک ہمہ گیر اور منظم سازش کے تحت علمأ کا صفایا کیا جارہا ہے۔ حضرت (رحمہ اللہ) کا قتل اسی سازش کی کڑی ہے۔ ہمارے حضرت تواضع، انکساری، بے ریائی اور بے تکلفی میں اپنی مثال آپ تھے۔ روزنامہ جنگ کراچی کے ہفت روزہ صفحہ (اقرأ) میں آپ کا سلسلہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" عالم اسلام کے لئے ایک قابل اعتماد راہنما سلسلہ تھا جو کسی شخص سے بھلایا نہیں جا سکتا، یہ سلسلہ ایک تہائی صدی تک

پھیلا ہوا ہے جو ہمیشہ دلوں میں منقش اور زندہ جاوید رہے گا، حضرت کی تصنیفات ویسے تو سب کی سب قابل تعریف و ستائش و مفید برائے عوام و خواص ہیں، تاہم ان کی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ حضرت مرحوم فرقہ باطلہ کے عقائد میں اسپیشلسٹ تھے۔ ان کا قلم ہر باطل کی سرکوبی کے لئے سیف خالد کا کام دیا کرتا تھا۔

قاضی حسین احمد : امیر جماعت اسلامی :

مولانا محمد یوسف لدھیانوی ایک بین الاقوامی شہرت کے بلند پایہ فقیہہ اور عالم دین تھے، لاکھوں لوگ ان سے اپنی ذہنی الجھنوں کو شریعت اسلام کی روشنی میں دور کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے، روزنامہ جنگ میں مسائل کا کالم پورے ملک کے قارئین کے لئے روشنی اور علمی پیاس بجھانے کا ذریعہ تھا۔

وہ ایک عالم باعمل اور درویش صفت انسان تھے، عمر کے اس حصے میں شہادت انؒ کے نصیب میں تھی ورنہ ایک ضعیف العمر درویش صفت عالم دین پر گولی چلانا کسی انسان کے لئے تو ممکن نہیں ہے یقیناً وہ وحشی درندہ تھا جس نے مولاناؒ پر گولی چلائی۔

محمد قاسم قاسمی : جامعہ قاسم العلوم فقیر والی :

مرجع الخلائق عالم اسلام کی عظیم روحانی و مذہبی شخصیت ولی کامل، حکیم العصر، محدث وقت، شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی وفات کا علم ہو کر قلب شق ہوا چاہتا تھا دل غم کے آنسو رو رہا ہے، قلب و دماغ پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ حضرت کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم چلنے کا نام نہیں لیتا، اس عظیم شخصیت کی وفات پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے۔

ایسی نابغہ روزگار شخصیتیں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں وہ بیک وقت ایک عظیم محدث بھی تھے مفکر بھی، وہ ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، ان کی زبان فیض ترجمان سے لاکھوں لوگوں کو ایمان وایقان کی روشنی ملی، ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہزاروں افراد نے راہ ہدایت پائی، ہر باطل فتنہ کے مقابلہ میں آپ سدِ سکندری اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے، ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی، ان کی تصانیف میں سے ''اختلاف امت اور صراط

مستقیم" نے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل دیں اور رسوم وبدعات سے ان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، ان کی افغان جہاد کے سلسلہ میں بھی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان کی جدائی پر یوں تو ہر شخص مغموم ہے مگر جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر کے مفتی عبداللطیف صاحب فاضل دیوبند اور دیگر انتظامیہ بھی بہت زیادہ افسردہ اور غمگین ہے کیونکہ حضرت مرحوم نے تقریباً جامعہ قاسم العلوم میں تعلیم حاصل کی ہے ان کے اساتذہ میں ان کے واحد استاذ جو اس وقت زندہ ہیں وہ جامعہ کے مفتی عبداللطیف صاحب ہیں جو اس وقت احقر کے ہمراہ تعزیت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالمالک کاسی: مرکزی وزیر صحت پاکستان:

خدا شہادت ہر آدمی کو نصیب نہیں کرتا۔ مولانا شہید کی شہادت سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک بہت ہی بڑے عالم سے محروم ہوگیا، یہ کام نہ صرف دشمنِ پاکستان نے بلکہ دشمنان اسلام نے کیا ہے۔

محمد عمران پشاوری:

زندگی میں ایک یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ بدر اللیل کو گرہن لگ گیا، اور کراچی تاریکی میں ڈوب گیا اور لوگ حضرت کی زیارت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے وہ ہنستا مسکراتا چہرہ ہزاروں لوگوں کو رُلا کر چلا گیا۔

بجھا چراغ، اٹھی بزم، کھل کے رو، اے دل
وہ سب چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

جب ختم نبوت کے منکرین نے عقائد مسلمین پر شب خون مارا تو یہ بدر اللیل آفتاب نبوت کی پرتو لے کر مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈی میٹھی روشنی سے منور کرنے لگا، اور اپنی روشنی سے مکر وفریب کی تاریکی میں مسلمانوں پر کیے گئے وار کو واضح کردیا، اس شخص کی محنت نے اس موج غلط کا رخ موڑا اور لوگوں کو اس فتنہ خصوصاً قادیانی فتنہ کی تباہی سے بچایا، اور رفتہ رفتہ قافلہ در قافلہ آپ کا مساعد بن گیا، اور ایک ہجوم عصمت نبی ﷺ پر مر مٹنے کے لئے تیار ہوگیا۔

کتنے ہی لوگ دینی اور دنیاوی اعتبار سے ان کے ممنون ہیں، مسلمانوں کے لئے درد دل رکھنے والے، کفار کے لئے ننگی تلوار، مصیبت زدوں کے لئے مرہم اور مصلے پر ایک درویش کامل، تشنگان علم نبوت کے لئے ابر علم اور ختم نبوت کی حفاظت کا ضامن بہت ہی کم لوگوں کا نصیب ہوتا ہے۔ الغرض :

حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ : سینٹرل جیل کراچی :

حضرت والاؒ کی شہادت سے جہاں عالم اسلام کا نقصان ہوا وہاں سنی قوم کا بھی نقصان ہوا اور یہ نقصان علماءٔ وسنی قوم کے لئے ناقابل تلافی ہے لیکن میں جس چیز سے محروم ہوں وہ ایک صاحب دل اللہ والے کی دعاؤں سے، ہمارے لئے اور ہمارے حق میں بارگاہ ایزدی میں ان کی طرف سے پیش کی جانے والی نیک آرزوؤں اور التجاؤں سے ہم محروم ہو گئے۔ بالیقین یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ جس کا ازالہ ناممکن ہے۔

اسد اللہ بھٹو : امیر جماعت اسلامی سندھ :

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور اشاعت دین واقامت دین کے لئے شہیدؒ کی خدمات ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے ایک طرف امریکا و مغرب کی فکر و تہذیب کی یلغار ہے اور دوسری طرف امت مسلمہ کو معاشی وفوجی وسیاسی غلام بنانے کی کوشش ہو رہی ہے مولانا شہید نے پاکستان کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر امریکا اور مغرب کے عزائم کو ناکام بنانے کیلئے بہت کام کیا ہے۔ قادیانی فتنہ کے سدباب کے لئے آپؒ کی جدوجہد قابل تعریف ہے۔

سردار عتیق احمد خان : آزاد کشمیر :

مرحوم دور حاضر کی نابغہ روزگار شخصیت تھے، آپؒ کی علمی، دینی، تحقیقی اور بالخصوص ختم نبوت کے حوالے سے خدمات کو دیر تک احترام اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے گا۔

سردار بشیر اللہ عباسی : چیئرمین الخیر یونیورسٹی :

مولانا لدھیانوی مرحوم ایک جید عالم دین ہی نہیں ختم نبوت کے عظیم سپاہی تھے، ان کی موت عظیم سانحہ ہے اور پورے عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

سردار فاروق احمد لغاری : سابق صدر پاکستان :

مولانا لدھیانوی صاحب کی شہادت ان کی ذات کے لئے تو سعادت بنی لیکن پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے، ہم سب غم میں مبتلا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر بسجود۔

مولانا محمد امیر خسرو : فاضل دارالعلوم دیوبند :

وقت کے عالم بے بدل، عالم ربانی، عالم با عمل، شیخ وقت، خادم ختم نبوت سے دنیا خالی ہوگئی جس کی وجہ سے قیامت برپا ہونے کا جلد خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

جناب انیس احمد والد محترم قاری نفیس احمد، مسجد فلاح کراچی :

فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر سن کر میرے والد محترم جناب انیس احمد صاحب انڈیا سے فون پر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے رو پڑے اور فرمایا کہ امت کا نقصان عظیم ہے اور فرمایا کہ حضرت اس زمانہ کے جنید وقت تھے، حضرت والا نے باطل مذاہب کے خلاف جو قلمی جہاد کیا ہے وہ ہمارے لئے ایسا محفوظ راستہ ہے جس پر ہم بے خوف وخطر چل سکتے ہیں اور وہ ہمارے لئے ڈھال ہے۔ والد صاحب نے حضرت کی زندگی میں مجھ سے فرمایا تھا حضرت والا کے قریب سے قریب تر رہنے کی کوشش کرنا حضرت کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کو قوی نسبت حاصل ہے، حضرت کی اس پورے خطے پر بہت برکات ہیں۔

محمد یوسف طیّبی : لشکر طیبہ :

حقیقت ہے علمائے کرام کا قتل پوری امت کے قتل کے مترادف ہوتا ہے، اور یہ بات بہت سوچنے والی ہے اور اپنی ترجیحات میں رکھنے والی ہے کہ تمام اہل دین اور علمأ حضرات مل بیٹھ کر اس ناسور کا مقابلہ کرنے کیلئے مکمل منصوبہ بندی کی جائے۔

بہر حال ہمیں تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ علمأ کرام کی اپنی مصروفیات کی بنأ پر میدان قتال میں جانے کے مواقع کم ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو درجات سے نوازنا چاہتا ہے تو

ایسے ہی کسی دشمن دین واصلہ سے قتل کروادیتا ہے۔

آفاق احمد : چیئرمین ایم کیوایم :

اعلیٰ حضرت ایک جید عالم اور با عمل انسان تھے جو ہمارے لیے مشعل راہ تھے اور آئندہ بھی رہیں گے، ان کی شہادت سے جو خلأ پیدا ہوا ہے اسے کسی بھی صورت پر تو نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کی تقلید کر کے ان کے مشن کو ضرور آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

کیپٹن حلیم صدیقی : پاکستان مسلم لیگ، سابق مرکزی صوبائی وزیر :

حضرت علامہ لدھیانویؒ ایک ممتاز عالم دین تھے جن کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کیلئے مشعل راہ تھی انہوں نے زندگی بھر دین کی خدمت کی، وہ ایک عالم بہ عمل تھے، ان کی خدمات کو جتنا سراہا جائے کم ہے، اس سانحہ پر جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ قوم اور ملک اس عظیم شخصیت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا، اس غم میں پوری قوم برابر کی شریک ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ اور بلند درجات سے نوازے۔

میاں محمد نواز شریف بھی اس غم میں حضرت لدھیانوی اور ان کے لواحقین کے ساتھ شریک ہیں اور پوری قوم کو اس سانحہ پر غم ہے۔

کرنل داؤد : سیکورٹی انچارج جنرل مشرف :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب ایک قومی پایہ کی شخصیت تھے ان کی ناگہانی موت سے ساری قوم کو ایک ایسا دھچکا محسوس ہوا ہے جو بیان سے باہر ہے ان کے جانے کا غم ہمیں ہمیشہ ستاتا رہے گا۔

مولانا نذیر احمد تونسوی : امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے ہاتھوں تدفین کے باوجود آج تک یقین نہیں آتا کہ حضرتؒ ہم سے جدا ہو گئے، دشمنان اسلام سن لیں حضرت مرے نہیں، حیات جاودانی پاگئے انشاء اللہ حضرت شہیدؒ کی عظمت کا ہر جاں نثارِ ختم نبوت گیت گاتا رہے گا۔

محمد اجمل لیاقت :

حضرت شہیدؒ کا اپنے مبارک اور مقدس لہو سے سرخ رو چہرہ ہمیں حضرت شہیدؒ کے مشن کی یاد دلاتا رہے گا، ہمیں اپنے حضرتؒ کی حیات جاودانی زندہ رہنے کا حوصلہ دے گی۔ حضرت شہید کی ہر ادا ہمیں حوصلہ بخشے گی۔ واقعی حضرت آپ زندہ ہیں، زندہ رہیں گے اور ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

محمد انور رانا : جنرل سیکریٹری ختم نبوت کراچی :

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں حضرت شہیدؒ کی رخصتی سے دفاتر ختم نبوت ویران ہوگئے، بنوری ٹاؤن اداس ہوگیا، ہمارے گھروں کا ہر فرد یتیم ہوگیا۔ حضرت شہید ہم زندگی بھر آپ کی عظمت کو سلام کرتے رہیں گے اور قادیانیت کا تعاقب کرکے آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے۔

حاجی عبدالرزق خان، حاجی اعتماد الحق، حاجی خالد شمسی، حاجی محمد جاوید :

۱۸/ مئی کا سانحہ ہم سب کی دنیا کو ویران کر گیا۔ ہماری متاع عزیز لٹ گئی۔ دوران حج جس طرح آپ کا مسکراتا چہرہ تمام عازمین حج کے لئے تسکین کا باعث ہوتا تھا۔ عرفات کے میدان میں آپ کی دلسوز تقریر اللہ تعالیٰ سے ملادیتی تھی۔ ہم آپ کی کن کن شفقتوں کو روئیں گے، کن کن عنایتوں کو یاد کریں گے، ہم واقعی یتیم ہوگئے۔

حاجی مسعود پاریکھ : چیئرمین ختم نبوت حج کمیٹی :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ مسلک حق کے ترجمان اور ہم سب کے مشفق ومہربان بزرگ تھے۔ بڑی سی بڑی مصیبت آپ کی ایک مسکراہٹ اور آپ کے ایک دعائیہ جملہ سے ختم ہوجاتی تھی۔ مسلک حقہ کی جو خدمت آپ نے کی وہ صدیوں تک یاد رکھی جائے گی۔

حاجی شاہنواز : مرکزی رہنما ختم نبوت حج گروپ :

میرا شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے اس وقت سے تعلق ہے جب میں

ختم نبوت حج گروپ کے زیر اہتمام پہلی دفعہ حج کے انتظامات کی نگرانی اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوا۔ حضرتؒ کی بے پناہ شفقت و محبت نے میرے دل میں ان کے لئے اپنائیت کے ایک ایسے احساس کو جنم دیا کہ پھر مجھے ان کے سوا اور کوئی بھاتا ہی نہیں تھا۔ حضرتؒ جب مجھے دیکھتے تو بہت محبت بھرے انداز میں فرماتے کہ تمہیں دیکھ کر حرمین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرتؒ کی شہادت کے بعد ان کی اولاد کی طرح میں بھی خود کو یتیم محسوس کر رہا ہوں۔

نعمان مصطفیٰ: کارڈیف' برطانیہ:

حضرت اقدسؒ کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار میرے لئے الفاظ میں ممکن نہیں، میرے لئے ان کی حیثیت ایک شفیق باپ، مرشد روحانی، سرپرستِ لاثانی اور عالم ربانی کی تھی، آپؒ کی مظلومانہ شہادت سے میں باپ کی سی شفقت رکھنے والے مرشد روحانی سے محروم ہو گیا، آپ کی سرپرستی میرے لئے ڈھارس تھی، آپ کا علم ہمارے لئے مشعل راہ تھا، آپ کا تقویٰ ہمارا رہنما تھا، آپ کی قیادت کارکنانِ ختم نبوت کو باطل کے خلاف عزم و حوصلہ سے ڈٹ جانے کا درس دیتی تھی، آپ کی مسکراہٹ دلوں کو آپ پر فدا کر دیتی تھی، اور آپ کی صحبت باطن کو رذائل سے پاک کر دیتی تھی۔ افسوس! آج ہم اس شخصیت سے محروم ہو چکے ہیں جس کے ذریعہ سے ظاہر دین کی حفاظت ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول و محبوب بندے کے طفیل ہم شکستہ دلوں سے بھی راضی ہو جائے۔

شفیع الرحمٰن احرار: جنرل سیکریٹری مجلس احرار اسلام کراچی:

یوں تو حضرتؒ کی لاتعداد تصانیف سے امت مسلمہ مستفید ہو رہی ہے مگر ''تحفہ قادیانیت'' اور ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' مینارۂ نور کی طرح امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مشن' محاسبہ قادیانیت کو علمی حیثیت سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ایم منصور باقر: لاہور:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ناقابل تلافی نقصان ہے، قوم ایک انتہائی مخلص، شفیق،

دعاگو، اور باعمل بزرگ ہستی سے محروم ہوگئی، مولاناؒ نے بہت سے شہدا تیار کئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے انعام میں شہادت بخشی۔

محمد اکرام راہی: گلاسگو:

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی زندگی کا زیادہ حصہ ختم نبوت کے فرائض کی انجام دہی میں گزرا اور انہوں نے ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بھی بچایا، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جب تک زندہ رہے حق وصداقت کی قندیل روشن رکھی، حق گوئی سے منہ نہیں موڑا، ان کی شہادت ملک وملت کے لئے ایک المیہ ہے۔

علماً کا وجود اس امت کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ علماً ہی صحیح معنوں میں انبیأ کے وارث ہیں اور آج ان کی بدولت مساجد، مدارس اور دینی مجالس میں اسلام زندہ ہے، ان شاً اللہ تعالیٰ قیامت تک زندہ رہے گا، ایک عالم کا دنیا سے اٹھ جانا، ایک عالم کا بہت بڑا نقصان ہے، ایسے عظیم لوگوں کی وفات پر دل چلا اٹھتے ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بے پناہ قربانیاں آسانی سے بھلائی نہیں جاسکتیں، ان کا نام تاریخ میں ان شاً اللہ ہمیشہ زندہ وجاوید رہے گا۔

ڈاکٹر سید علی حیدر شاہ: سابق مشیر حکومت سندھ:

مولانا صاحبؒ نے دین کی بڑی محنت کی اور دن رات اللہ پاک کے دین کے لئے کام کرتے رہے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ختم نبوت کے لئے جو کام کیا ہے وہ بھی بڑا عظیم کام تھا جس کے لئے مولاناؒ نے اپنی پوری زندگی لگادی۔

قاری ہلال احمد ربانی: صدر اسٹوڈنٹس ویلفیئر آرگنائزیشن:

مجھے حضرتؒ کی زیارت پہلی مرتبہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران ہوئی اور پھر حضرتؒ کی شہادت تک یہ تعلق بڑھتا ہی رہا۔ قادیانیت کے رد میں، میں نے حضرت شہیدؒ سے بڑھ کر کسی کو اتھارٹی نہ پایا، ان کی شخصیت اتنی بارعب تھی کہ پہلے پہل تو ان کے سامنے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا لیکن جو شخص ایک دفعہ حضرتؒ کی مجلس میں بیٹھ جاتا پھر وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، وہ مسلک حقہ کے مسلّمہ مفتی تھے، ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کی تالیف کے ذریعہ انہوں نے جس حسنِ اعتدال سے مسلک

حقہ کی نشاندہی کی وہ انہی کا خاصہ تھا۔ ان کی شہادت نے ایک عالم کو رنجیدہ کردیا۔

محمد فیصل عرفان : کراچی :

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ہمارے شیخ ہی نہیں سب کچھ تھے۔ ظالموں نے ہماری متاع عزیز لوٹ کر لاکھوں مسلمانوں کو آپ کی شفقتوں اور پیار بھری مسکراہٹ سے محروم کردیا۔ آپ کا سینہ محبت سے معمور تھا، آپ کی ایک جھلک ہمارے دلوں کو تازگی بخشتی، آپ کی ایک نگاہ زندگیوں کو بدل دیتی، لاکھوں انسانوں کا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منور کر کے آپ نے اسلام کی شوکت کو بلند کیا۔

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید اور ان کے رفیق عبدالرحمٰن شہید کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے فیڈرل بی ایریا کی سڑکوں کو موسوم کرنے کی تجویز۔

میونسپل کمشنر کی یادداشت نمبر ۲۲۴۱ / ۲۰۰۰ء مورخہ ۱۴ جون ۲۰۰۰ء جس کا متن درج ذیل ہے :

گزارش ہے کہ عالم اسلام کے بطل جلیل حکیم العصر، ولی کامل، قائد مجاہدین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو مورخہ ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء فیڈرل بی ایریا بلاک ۱۴ نصیر آباد کے بس اسٹاپ پر ناعاقبت اندیش عناصر کے ہاتھوں قاتلانہ حملہ میں جاں بحق ہو کر شہادت کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز ہوئے، یہ اندوہناک سانحہ پاکستان کی تاریخ کا عظیم المیہ ہے جس نے لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار کیا ہے، مولانا کی مذہبی و علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کی ساری زندگی دین حق کی سربلندی میں گزری اور ان کے قلم نے ہمیشہ حق گوئی کی روایات قائم کیں۔ ایک خطیب معلم، مصنف، اور ایک مجاہد کی حیثیت سے ان کی شاندار خدمات یاد رہیں گی، مولانا لدھیانویؒ اقرأ کے ۴۰ سے زائد اسکولوں کے بانی رہے ہیں، جہاں سینکڑوں ہزاروں طلباً وطالبات قرآنی تعلیمات حاصل کررہے ہیں، مئی ۱۹۷۸ء سے روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ "اقرأ" سے منسلک ہیں، جہاں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے لاکھوں افراد رہنمائی حاصل کررہے ہیں۔ ایسی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے بلدیہ وسطی "ادارۂ لدھیانوی" کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے درج ذیل تجویز پیش کرتی ہے :

۱:.... نصیر آباد جس سڑک پر حضرت شہید ہوئے محکمہ انجینیرنگ کے سائٹ پلان کے مطابق وہ سڑک شاہراہ پاکستان سے شاہراہ جنرل بخت خان کو ملاتی ہے، جس کی لمبائی ۲۰۶۵ فٹ جب کہ کشادگی ۲۴ فٹ ہے اسے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے موسوم کیا جائے۔

۲:.... سڑک سے متصل مسجد کے داہنی طرف والی سڑک کو (یعنی مسجد کے قبلہ رخ) والی سڑک کو حضرت مولانا کے رفیق عبدالرحمٰن شہید کے نام سے معنون کیا جائے جنہوں نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کو بچانے کی کوشش میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔

مولانا امداد اللہ، جامعہ بنوری ٹاؤن

حضرت اقدس شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی ہمارے بنوری ٹاؤن کے مدار تھے، آپ کی وجہ سے ایک روحانی فضا تھی، حضرتؒ کی شہادت بنوری ٹاؤن کیلئے ایک اعزاز ہے۔

مولانا اخلد۔ مدینہ منورہ

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شفقتیں اور عنایتیں ہر وقت سامنے رہتی ہیں۔ حضرت شہید کی خدمات جلیلہ کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

مولانا شہید الاسلام بنگلہ دیش

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ہم پر ایک خوشگوار سایہ کی حیثیت رکھتے تھے، دین کے ہر کام کی سرپرستی فرماتے، آپ کی شہادت سے ہم ایک شفیق سے محروم ہوگئے۔

مولانا رب نواز۔ حیدر آباد

حضرت اقدس شہید رحمۃ اللہ علیہ مسلک حقہ کے وہ عظیم ترجمان تھے جن پر فلک ناز کرتا تھا۔ اہل حیدر آباد خوش نصیب تھے کہ ان کے مواعظ سے مستفید ہوتے۔ ہماری بدقسمتی کہ ہم آپ کے فیوض سے محروم ہوگئے۔

مولانا نور الحسن شیخ الحدیث جامعہ محمودیہ کراچی

ہمارے حضرت کی شہادت پوری امت مسلمہ کی عظیم محرومی ہے۔

محمد سعید قریشی۔ مدینہ منورہ

حضرت شہید اسلامؒ کی طرف سے میں روزانہ روضہ اقدس پر سلام پیش کرتا تھا۔ آپ کی شہادت کی خبر نے ہماری زندگیوں کو خوشیوں اور مسرتوں سے خالی کر دیا۔ آپ کی یاد ہر وقت تازہ رہے گی۔

میرے محسن و مربیؒ

مولانا اللہ بخش ملکانوی

"جن کی عملی زندگی اخلاق نبوی ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر تھی"

رو رہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

یوں تو حضرت حق تعالیٰ جل شانہ کے مجھ جیسے کمترین و حقیر، روسیاہ ظلوم وجہول اور بندہ ناتواں پر اس قدر ان گنت و بے شمار انعامات واحسانات ہیں کہ اگر انہیں صبح ازل سے قیامت تک شمار میں لایا جائے تو ممکن نہیں کہ انہیں گنا جاسکے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے :

"وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها"۔

مگر ان تمام انعامات الٰہیہ میں سب سے خصوصی انعام واحسان میری زندگی کے ان چند لمحات کی عطاو بخشش ہے جو اس ذرہ بے مقدار کو حضرت الاستاذ شہید راہ وفا اور یوسف دوراں کی خدمت میں بسر کرنے کی صورت میں نصیب ہوئے۔

ہر اعتبار سے سلیقہ مند لائق و فائق تلامذہ اور سراپا اخلاص اور بے لوث خدام کے بے پناہ جھرمٹ میں خدمت گزاری کے لیے اس بندہ عاجز کے انتخاب کو محض عطیہ خداوندی اور موہبت ایزدی یا حضرت الاستاذ کی کرم نوازی اور غایت درجہ شفقت کے سوا دوسرا کوئی عنوان دیا ہی نہیں جاسکتا۔

ہوا یوں کہ راقم جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں شریک دورہ حدیث تھا اور دورہ کے بعد راقم کو جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کے درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی میں داخلہ لینا تھا، جو اس

زمانہ میں جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہ تھا، اس مشکل کام میں معاونت ودستگیری کے لئے میرے نزدیک حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ سے زیادہ موزوں کوئی دوسری شخصیت نہ تھی، اس لئے حضرت مرحوم اس زمانہ میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے استاذ حدیث کے ساتھ ساتھ ماہنامہ "بینات" کراچی کے مدیر بھی تھے۔

ایک روز مناسب موقع پاکر راقم نے آں موصوف سے اپنی اس خواہش کا اظہار کردیا اور اس سلسلہ میں تعاون کی درخواست کی، جس کی حضرتؒ نے نہایت شفقت سے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے حامی بھر لی۔ بلاشبہ وہ دن میرے لئے خوشی ومسرت میں یوم عید سے کسی طرح کم نہ تھا، دن گزرتے رہے، بالآخر انتظار کے لمحات پورے ہوئے اور تخصص فی الفقہ کے داخلہ کی کارروائی شروع ہوئی، اور پانچ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ کو مجھے جامعہ کے تخصص فی الفقہ الاسلامی میں داخلہ مل گیا، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ میں دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ قیام رہا، اس مدت میں بلا استحقاق محض فضل خداوندی کے طور پر حضرت الاستاذ کی خدمت کی سعادت میرا نصیب ومقدر رہی، اور اس کے دوران اس سعادت میں میرا کوئی شریک وسہیم نہیں تھا، اس سعادت کے حصول پر میں جس قدر ناز کروں کم ہے:

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

"ہم خرما وہم ثواب" مقدور بھر نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت الاستاذ کی خدمت میں بسلسلہ کام وکاج ہمہ وقت کے حاضر باشی ہونے لگی، زہے نصیب! سفر وحضر میں ہمراہی کی سعادت کے علاوہ روزمرّہ کے حوائج وضروریات کی بجا آوری میرے فرائض میں شامل تھا۔

اس کے علاوہ نامعلوم روزمرہ کے کاموں میں کتنے اہم اور ضروری کام بندہ کے فرائض میں ہوتے ہوں گے؟ اور ان امور مفوضہ کی کماحقہ بجا آوری میں یقیناً کوتاہی بھی ہوتی ہوگی: لیکن بایں ہمہ ایک دیہاتی بود وباش کا آزاد منش، لاابالی طالب علم جو سلیقہ اور ادب آداب سے یکسر تہی دامن وناواقف! نامعلوم مزاج لطیف کی رعایت نہ کرتے ہوئے کس قدر ناگواری وپریشانی کا باعث بنتا ہوگا؟ مگر یوسف دوراں اور سراپا اخلاق شخصیت

نے کبھی کسی دن بھی آداب سے نابلد وناواقف اس نیاز کیش کو سرزنش، زجرو توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ تو کجا؟ کبھی یوں بھی نہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا ہے اور کیوں نہیں کیا؟

ایک آدھ بار کا معاملہ ہو اور زبان پر اف نہ آئے تو قابل تسلیم ہے، مگر یہاں تو زندگی بھر کا اصول تھا کہ آپ کی زبان حرف شکایت سے ناآشنا اور نامانوس رہی، کہنے کو یہ بات اگرچہ بالکل آسان، معمولی اور ہلکی پھلکی ہے، لیکن کارگہ حیات اور پورے عرصہ خدمت میں اپنے نیاز مند خادموں سے ایسا معاملہ برتنا بہت ہی مشکل ہے۔

بلاشبہ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو حضرت حق تعالیٰ شانہ نے اخلاق نبوت سے حظ وافر عطا فرمایا ہو۔

اس اسوہ نبوت پر جو مردان خوش نصیب عمل پیرا ہوں گے ان تمام کے سرخیل اور امیر کارواں ہمارے محترم وممدوح، شہید راہ الفت یوسف وقت ہی تھے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے لئے دارورسن کہاں؟

اسوہ رسول اکرم ﷺ جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہو جاتا ہے وہ کسی کام کے کرنے نہ کرنے یا ہونے یا نہ ہونے کو کسی انسان کا فعل نہیں سمجھتے بلکہ ہر کام کو حضرت حق تعالیٰ کی جانب سے سمجھ کر اس پر راضی برضا ہو جاتے ہیں۔ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔اگر کوئی کام مقدر میں ہوتا ہے تو ہو جاتا ہے اور اگر مقدر میں نہ ہونا ہو تو نہیں ہوتا۔ حضرات صوفیا کی اصطلاح میں اسے رضا بر قضا سے تعبیر کیا جاتا ہے اس گئے گزرے دور میں حضرت الاستاذ رضا بالقضا کی جیتی جاگتی اور عملی تصویر تھے۔

شیخ سعدیؒ نے رضا بالقضا کی مختصر مگر جامع اور نہایت ہی بلیغ ولطیف تعبیر کو کس قدر عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے:

گر گزندت رسد زخلق مرنج
کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خدادان خلاف دشمن ودوست
کہ دل ہر دو درتصرف اوست

اُداس و سوگوار لمحات

مرتبہ: فیصل مسعود

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی ہر سال برمنگھم ختم نبوت کانفرنس میں تقریر فرمایا کرتے تھے جو کانفرنس کا محور ہوا کرتی تھی۔ دور دراز سے جاں نثارانِ ختم نبوت صرف حضرت شہید کی زیارت اور آپ کی مسکراہٹ اور آپ کے پُر کیف اور پُر اثر وعظ و نصیحت کو سننے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اس سال کانفرنس میں شرکت کے لئے جب جاں نثارانِ ختم نبوت پہنچے تو ان پر ایک سوگواری کی کیفیت اور عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ہر پُر نم اور اشکبار آنکھ حضرت شہید کو بزبانِ حال خراجِ عقیدت پیش کر رہی تھی۔ سامعین کے خیالات میرے دل پر منعکس ہوئے تو بے ساختہ چند بے ربط جملے ایک خاص کیفیت سے زبان پر آگئے، جو من و عن پیش خدمت ہیں۔

خاکپائے حضرت شہید
محمد جمیل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قافلہ ختم نبوت علمائے دیوبند کی ایک زریں تاریخ، ایک سنہرا باب، ایک سنہرا دور ہے، جس میں ایک ایک فرد، ایک ایک شخصیت نے جس قسم کی قربانیاں پیش کیں، آج تاریخ اس کی گواہی

دے رہی ہے۔ بر صغیر پاک و ہند سے لے کر یورپ امریکہ کی سر زمین اور افریقی ممالک آج اس بات کے گواہ ہیں کہ علمأ دیو بند کی لازوال قربانیوں سے آج وہاں عقیدۂ ختم نبوت کے ترانے بلند ہو رہے ہیں۔ آج وہاں پر اسلام کی بالا دستی کی باتیں ہو رہی ہیں، وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گن گائے جا رہے ہیں، دینی مدارس دین کے کام اور علومِ دین کی اشاعت میں مصروف عمل ہیں، مساجد کے منبروں سے کلمہ حق کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، رشد و ہدایت کی مندیں اصلاح باطن میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ علمأ حق کے مبارک لہو کے نذرانوں کے ثمرات کا مشاہدہ آج ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔

آج پندرھویں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ امیر شریعت سید عطأ اللہ شاہ بخاریؒ کے قافلہ کے سالاروں نے، حضرت مولانا بنوریؒ کے جانشینوں نے، شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے وہ حق ادا کیا کہ آج یورپ کی سر زمین پر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔

یہ وہ وقت ہے، وہ گھڑی ہے، وہ لمحات ہیں جب میرے مرشد، میرے شیخ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاد حدیث، تصنیف و تالیف کے شہسوار، رشد و ہدایت کی مسند کی زینت، علامہ بنوریؒ کے جانشین، مفتی احمد الرحمٰن کے معتمد ان لمحات میں آج سے ایک سال قبل تک اسی موقع پر آپ سے خطاب کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔

آج ہماری آنکھیں سوگوار ہیں، ہم پر نم ہیں، ہمارے دل محزون ہیں اور ہم ایک سوگواری کی کیفیت پورے انگلینڈ میں پا رہے ہیں۔ دورے پہلے بھی ہوتے تھے، اب بھی ہو رہے ہیں۔ کام رکا نہیں کرتا، کام چل رہا ہے، لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایسی قبولیت عطا فرماتا ہے، ایسی راہ پر لگا دیتا ہے کہ ان کا ایک ایک لمحہ امت کے ہزاروں لاکھوں لمحات سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

میرے شیخ، میرے مرشد نے اپنی پوری زندگی کے تمام لمحات ہر چیز سے بھلا کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ جب میرے مرشد کی پہلی تحریر محدث العصر

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظروں سے گزری تو ان کی باریک بین نگاہوں نے یہ بھانپ لیا کہ اس نوجوان کے اندر وقت کا مجدد، وقت کا مرشد چھپا ہوا ہے، اگر اس کی آبیاری نہ کی گئی تو یہ ایک عظیم نقصان ہوگا۔ یہ سوچ کر شیخ بنوریؒ نے آپ کراچی طلب فرمایا تو پھر آپ نے اپنے آپ کو شیخ بنوریؒ کے لئے وقف کردیا۔ وہ ہم نام بھی تھے اور ہم کام بھی اور جانشین بھی۔

میرے مرشد شیخ بنوری کے ایسے تربیت یافتہ تھے کہ جب علامہ بنوریؒ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ان کے اس اعتماد پر خوشی کا اظہار کرتی ہے کہ مرشد العلماً ایک جانشین کی صورت میں اسے دیئے گئے۔ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خان محمد دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید کی شکل میں لسان عطا فرمائی، علماً دیوبند کہتے ہیں کہ ہمیں ترجمان مل گیا، رشد وہدایت کے مسندیں فخریہ کہتی ہیں کہ ہمیں زینت مل گئی، تصنیف و تالیف کا میدان ان پر ناز کرتا ہے، ایک صفحہ نہیں، دوصفحے نہیں بلکہ تین ہزار صفحات پر مشتمل کتاب صرف عقیدۂ ختم نبوت اور رد قادیانیت پر تصنیف فرماتے ہیں جو قیامت تک امت کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ لکھتے ہیں تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر سمیت تمام اکابر آپ پر اعتماد کا اظہار کر کے کہتے ہیں کہ آپ نے امت کی طرف سے ترجمانی کا حق ادا کردیا۔ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی طرف آتے ہیں تو لاکھوں افراد کی نگاہیں جمعہ کے دن جنگ اخبار کی طرف اٹھتی ہیں کہ ہمارے محبوب عالم دین کی وہ تحریریں جن سے ہم رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس کو سب سے پہلے پڑھیں۔

حضرت شہیدؒ کسی کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو اللہ رب العزت اس کے چہرے کو سنت نبویؐ کی بہار کی بدولت نورانی کردیتے ہیں۔ ایک نہیں، ہزاروں نہیں، بے شمار افراد ایسے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مزین ہو کر میرے شیخ کو خراج عقیدت پیش کررہے ہیں۔ میں کس کس چیز کو روؤں گا، کس کس چیز کو یاد کروں گا، کن کن باتوں کا تذکرہ ہم کریں گے، میرے شیخ نے توامت محمدیہ سے تعلق رکھنے افراد کے ایمانوں کی وہ کیفیت بنادی ہے کہ انشاً اللہ قادیانی دنیا میں کہیں چلا جائے، جہاد کے خلاف لوگ کہیں بھی بات کریں، اسلام کے خلاف کوئی بھی زبان اٹھے، دینی مدارس کے خلاف کوئی بھی مہم چلے، میرے شیخ کے شاگرد،

میرے مرشد کے جاں نثار اس کے سدباب کے لئے ان شاءاللہ اپنے شہید مرشد کی طرح اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار رہیں گے۔

۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کی صبح ہمیں یہ بات یاد دلاتی رہے گی کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کرنے والے نوجوانو! تمہارے شیخ و مرشد نے جان قربان کردی تھی لیکن اس حوالے سے کوئی غفلت برداشت نہیں کی تھی، نہ کوئی کوتاہی کی تھی۔ حکومت اگر سوئی ہوئی ہو تو اس کے خلاف بھی اسی طرح جہاد کیا جائے گا جس طرح حضرت شہیدؒ نے اعلان جہاد کیا تھا، میں قربان جاؤں! اللہ تعالیٰ نے میرے شیخ کے خون کی لاج رکھی اور حکومت کو اعلان کرنا پڑا کہ عبوری آئین میں تمام اسلامی دفعات شامل کردی گئی ہیں اور قادیانیت سے متعلق تمام آرڈی نینس عبوری آئین کا حصہ بنادیئے گئے ہیں۔

میں اپنے شیخ پر قربان جاؤں! جب جہاد افغانستان کی طرف رخ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فتوحات کے دروازے کھولتے ہیں، اور جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو کہ اے اللہ! مجھے شہادت کی موت نصیب فرمائے تو ادھر سرزمین افغانستان سے واپس آتے ہیں اور ادھر اللہ تعالیٰ شہادت عطا فرمادیتے ہیں، اور شہادت بھی کیسی کہ تمام عمر تو نسبت صدیقی کے رنگ میں رنگ کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے انسداد کے لئے چار دانگ عالم اپنے مشن کو پورا کرتے رہے اور جب وقت شہادت آیا تو اللہ تعالیٰ نے نسبت فاروقی بھی عطا فرمادی کہ اپنی ہی دعا کی بدولت شہادت نصیب ہوئی، اور جب اللہ تعالیٰ نے میرے مرشد کے چہرے کو انہی کے خون سے رنگ کر سرخرو کر کے عزت سے اپنے پاس بلالیا تو نسبت عثمانی بھی عطا فرمادی۔ آج صرف میں سوگوار نہیں بلکہ پوری امت سوگوار ہے، لیکن حضرتؒ کی شہادت سے یہ مشن رکے گا نہیں بلکہ زیادہ زور و شور سے جاری رہے گا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، میرے شیخ نے یہ زندگی بھر تبلیغ کی کہ جہاد افغانستان ہو یا چیچنیا کا جہاد، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی بات ہو یا دینی مدارس کے خلاف کوئی ہاتھ اٹھے، اسلام کے خلاف کوئی زبان کھلے یا کوئی یہ کہے کہ پاکستان میں اسلام کی بات نہیں ہوگی، اسلام بالادستی کی بات نہیں ہوگی، دین کی بات نہیں ہوگی، میرے شیخ نے ہر حال میں مسجد فلاح کے محراب و منبر سے لے کر خیبر کے آخری کونے تک اور یورپ کی مساجد تک یہ اعلان کیا کہ ہم پاکستان میں، یورپ و امریکہ اور افریقہ میں جہاد کا اعلان کریں گے، عقیدۂ ختم

نبوت کے تحفظ کا اعلان کریں گے، دینی مدارس قائم کریں گے، مکاتب قرآن قائم کریں گے، مساجد قائم کریں گے، رشد و ہدایت کی مسندیں سجائیں گے، کوئی اس کو نہیں روک سکتا، جو روکے گا اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے، جو زبان بولے گی وہ زبان کاٹ دی جائے گی، اگر ہمارے شیخ، ہمارے مرشد اپنی جان کا نذرانہ پیش کر سکتے ہیں تو یہ مرشد العلماؒ کے تربیت یافتہ افراد بھی اس کے لئے تیار ہیں، لوگ سن لیں، حضرت شیخ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید ہو کر حیاتِ جاودانی پاگئے، اب ان کو کبھی موت نہیں آئے گی، اب وہ شہید کے عظیم منصب پر فائز ہیں، قیامت تک زندہ رہیں گے، ان کی شہادت ہمارے جذبات کو ابھارتی رہے گی، ہمیں ان کے مشن پر چلنے کی طرف راغب کرتی رہے گی، آج میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مفتی نظام الدین شامزی، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا سعید احمد جلال پوری، مولانا منظور احمد الحسینی، کس کس کا نام لوں، ہر محاذ پر مجھے میرے شیخ کے تربیت یافتہ افراد نظر آرہے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ فتوحات کے دروازے کھول رہے ہیں، انشاءاللہ قادیانیت بھی ختم ہو گی، دینی مدارس کے مخالفین بھی ختم ہوں گے، اور دیگر دینی تحریکات کی راہ میں روڑے اٹکانے والے بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ صدی اسلام کے غلبہ کی صدی ہے، انشاءاللہ چیچنیا بھی آزاد ہو گا، فلسطین بھی آزاد ہو گا، کشمیر بھی آزاد ہو گا، ہر مظلوم مسلمان بھی آزاد ہو گا۔

ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اگر ہمارے مرشد، ہمارے شیخ، اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی قیمتی جان کا نذرانہ پیش کر سکتے ہیں تو ہمارے جیسے کروڑوں افراد بھی ان کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لئے تیار ہیں، ہم نے پاکستان لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر اس لئے قائم کیا تھا تاکہ اس میں اسلام کو نافذ کیا جائے، ہم نے یہ خطہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے حاصل کیا تھا، دینی مدارس کے لئے حاصل کیا تھا، اس کی گلی گلی میں، مسجد مسجد میں، سڑک سڑک پر اسلام کی سربلندی اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی بات ہو گی، میرے شیخ نے جن جن لوگوں کو تیار کیا کیا تھا اللہ تعالیٰ ان سے کام لے رہے ہیں۔

منظوم خراجِ عقیدت

ترتیب حافظ
عتیق الرحمن
لدھیانوی

حضرتِ شہید رحمہ اللہ کی
بارگاہِ عالی میں
مُختلف شعراء کے خراجِ عقیدت سے

مُنتخب اشعار

سید شاہ نفیس الحسینی صاحب، لاہور

قبائے نور سے سج کر......

قبائے نور سے سج کر لہو سے باوضو ہوکر
وہ پہنچے بارگاہ حق میں کتنے سرخرو ہوکر
فرشتے آسماں سے ان کے استقبال کو اترے
چلے ان کے جلو میں باادب، با آبرو ہوکر
جہان رنگ وبو سے ماوراٰ ہے منزل جاناں
وہ گزرے اس جہاں سے بے نیاز رنگ وبو ہوکر
جہاد فی سبیل اللہ نصب العین تھا ان کا
شہادت کو ترستے تھے سراپا آرزو ہوکر
وہ رہباں شب کو ہوتے تھے تو فرساں دن میں رہتے تھے
صحابہؓ کے چلے نقش قدم پر ہوبہو ہوکر
مجاہد سر کٹانے کے لئے بہت بے چین رہتا ہے
کہ سرافراز ہوتا ہے وہ خنجر در گلو ہوکر
سر میداں بھی استقبال قبلہ وہ نہیں بھولے
کیا جام شہادت نوش انہوں نے قبلہ رو ہوکر
زمین وآسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں
سحاب غم برستا ہے، شہیدوں کا لہو ہوکر
نفیس ان عاشقان پاک طینت کی حیات وموت
رہے گی نقش دہر اسلامیوں کی آبرو ہوکر

جناب سید امین گیلانی، لاہور

عاشق عقبیٰ!

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت پر

اے قحبہ دنیا! ترے قابو میں نہ آیا
وہ عاشق عقبیٰ ترے قابو میں نہ آیا

سو مکر کئے تو نے کہ قابو میں وہ آئے
یوسف تھا، "زلیخا"! ترے قابو میں نہ آیا

تو نے تو بہت دام بچھائے اری دنیا
جنت کا پرندہ ترے قابو میں نہ آیا

تو کہتی تھی یوسفؒ تو فرشتہ ہے فرشتہ!
دیکھا، وہ فرشتہ تیرے قابو میں نہ آیا

انسان کی ہستی تو ہے اک سائے کی مانند
ہاں ہاں! وہی سایا ترے قابو میں نہ آیا

اے دل تھی مہینوں سے ملاقات کی خواہش
اے دل وہی لمحہ ترے قابو میں نہ آیا

بہہ نکلے ہیں تیرے غم یوسف میں جو آنسو
یہ درد کا دریا ترے قابو میں نہ آیا

کتنے ہی بزرگوں کی اپنی بیتیں دیکھیں
تقدیر کا لکھا ترے قابو میں نہ آیا

یوسفؒ تجھے ملنا تھا، جو انعام لکھا تھا
قدرت نے شہیدوں میں ترا نام لکھا تھا

جناب شاہین اقبال اثر

سالار ختم نبوت شہید اعظم

شہادت کی دعاؤں نے اثر دکھلادیا اپنا
بالآخر راہ حق میں خون تک بکھرادیا اپنا
گزاری زندگی ختم نبوت کی حفاظت میں
اور اپنی جان دے کر بھی مشن پھیلادیا اپنا
جلے تو شان سے یا پھر اسے گل کردیا جائے
ہوا کے رخ پہ کچھ یوں رکھ دیا جلتا دیا اپنا
نفاذ دین حق کی سربلندی جب نہیں دیکھی
تو فرط غم میں سر ہی آپ نے کٹوادیا اپنا
جہاں بھر کے گلوں پہ گرچہ ہے پژمردگی چھائی
شہید ناز نے لیکن چمن مہکادیا اپنا
جو دین حق کے داعی ہیں کفن بردوش ہوجائیں
لہو کے دوش پر پیغام یہ کہلادیا اپنا
یہ سچ ہے جیتے جی امت نے پہچانا نہیں ان کو
جہاں سے جاتے جاتے مرتبہ بتلادیا اپنا
فقیہِ وقت بحر علم شیخ ومرشد کامل
فراقِ حضرتِ اقدس نے دل دہلادیا اپنا
زمانہ محوِ حیرت تھا اس اخلاص وتواضع پر
کہ اک شاگرد کو بھی ہاتھ جب پکڑادیا اپنا
یہاں بھی خلق میں محبوب بن کر مرتبہ پایا
وہاں بھی پرچم مقبولیت لہرادیا اپنا

سید سلمان گیلانی

افتخارِ دیوبند!

حضرت یوسف تھے ناز و افتخارِ دیوبند
وہ تھے شانِ اہل سنت اور وقارِ دیوبند

وہ امامِ زاہداں تھے عارفوں کے سربراہ
آسمانِ علم پر چمکے وہ مثل مہر و ماہ

پر عزیمت اور عظمت سے ہے جن کی داستاں
وہ انہی اسلاف کے تھے پاسبان و ترجماں

کیا کہوں اُن وارثانِ انبیاً کا میں مقام
ان کی عظمت کو فرشتے بھی کریں جھک کر سلام

کیسے ان اسلاف کی ہوں عظمتیں مجھ سے بیاں
ہے قلم معذور میرا اور عاجز ہے زباں

پیکرِ علم و عمل تھا یوسفِ لدھیانویؒ
اس کے دل پر منکشف تھے سب علومِ تھانویؒ

مجلس ختم نبوت کا تھا وہ نائب امام
خواجہ خان محمد کے تھا بعد اس کا مقام

گمرہوں نے راہ پائی اس کی تصنیفات سے
جاہلوں نے علم سیکھا اس کی تعلیمات سے

عاشقِ سنت تھا وہ دیوانہ قرآن تھا
اہل باطل کے لئے اللہ کی وہ برہان تھا
اس کی کوشش تھی مٹادے دہر سے باطل پلید
لیکن اس کو چند خود غرضوں نے کرڈالا شہید

وہ تو فردوس بریں میں ہوگیا خود جاگزیں
پر ہماری زندگی ہے بار، بر روئے زمیں
کون ظالم تھا یہ کس نے ہم پہ ڈھایا ہے ستم
پوچھتے ہیں اس کے بچے، حاکمو! باچشم نم
سرپرست اقرا کا یکدم ہی کہاں غائب ہوا
اس طرح لگتا ہے سر سے آسماں غائب ہوا
پوچھتا ہے غم سے بوجھل دل لئے مفتی جمیلؔ
کس کو میں منصف کروں کس کو بناؤں میں وکیل
صبر تو کرلیں گے لیکن یہ بھی سن رکھیں حضور
خونِ یوسفؒ لائے گا اک روز رنگ اپنا ضرور
اے خدا سلمان گیلانی کی ہے تجھ سے دعا
فکر اس کی زندہ رکھنے کا ہمیں دے حوصلا

مولانا محمد ابراہیم فانی اکوڑہ خٹک

ہائے شہادت مولانا محمد یوسف شہیدؒ

۱۴۲۱ھ

بہر باطل برق خاطف تیغ برانی نماند
حجت وبرہان حق آں سیف ربانی نماند
بر شہادت فاخرہ فائز شدہ بر فضل رب
آں شہنشاہ قلم آں شیر یزدانی نماند
عالم یک بے بدل کہ صاحب کردار بود
خوب سیرت در زماں آں یوسف ثانی نماند
بر فراق اوہمہ پیرو جواں گریہ کناں
واسطے مسترشدیں آں پیر نورانی نماند
آں ادیب بے عدیل وجامع شرع وطریق
جسم تقویٰ وتقدس عکس ایمانی نماند
گل شدہ صد حیف اللہ شمع جمع قدسیاں
وائے حسرت آں چراغ بزم روحانی نماند
یا اللہ العالمینا محشرستاں شد زمین
حسرتا واحسرتا آں مرد حقانی نماند

یا محمد مرحبا مغفور شد تاریخ او

۹۵ ۱۳۲۶

ہائے با دنیائے فانی شیخ سبحانی نماند
چوں کہ رحلت کرد حضرت یوسف لدھیانوی
قوت صبرے خدایا در دل فانی نماند

در شعر ہشتم در مصرعہ اول ازیا محمد مغفور رواز مصرعہ ثانی مکمل سن شہادت ۱۴۲۱ھ حاصل میشود (فانی)

حضرت لدھیانوی شہیدؒ

جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

عالمِ بے مثل، فاضل بے مثال
یوسفے در مصرِ خود مثلے نہ داشت

حضرتِ یوسف شہید لم یزل

۲۰۰۰ء

صاحبِ حق، خلق راگریاں گذاشت

۱۴۲۱ھ ۱۴۲۱ھ

قاری قیام الدین حسینی، جہلم

یا اسفیٰ علیٰ یوسف

وہ خاک وخون میں اپنے نہا گئے یوسفؒ
ہمیں فراق میں اپنے رُلا گئے یوسفؒ

جو راہ حق میں لگائیں گے جان کی بازی
وہ مر کے زندہ ہیں مژدہ سنا گئے یوسفؒ

یہ جان اُن کی امانت ہے جب کہیں دے دو
نہا کے خون میں سب کو بتا گئے یوسفؒ

فقیہ وشیخ بھی تھے حق کے ترجمان بھی تھے
ہزاروں علم کے دریا بہا گئے یوسفؒ

شبانہ روز تھے جس کی تلاش میں بے چین
خدا کا شکر ہے منزل وہ پا گئے یوسفؒ

بجھا سکے نہ کبھی جن کو تند وتیز ہوا
دیئے قرآن کے ایسے جلا گئے یوسفؒ

صراط مستقیم کا سائل نے جب پتہ پوچھا
کتاب لکھ کے قلم کو سجا گئے یوسفؒ

دکان علم بھی تھے اور عمل کے پیکر بھی
فقط کہا نہیں کرکے دکھا گئے یوسفؒ

جو اہل کفر کو اس مرد حق نے للکارا
ہوئے فرار وہ گویا چباگئے یوسفؒ
یہ باغ ختم نبوت سدا بہار رہے
اسی میں زندگی اپنی کھپاگئے یوسفؒ
جو اختلاف کی ظلمت میں حق کے تھے جویا
تو راہ راست پہ ان کو لگاگئے یوسفؒ
ہزاروں پھول تھے گلشن میں ان میں ان کو چنا
نہ جانے موت کو کیوں اتنے بھاگئے یوسفؒ
وہ دیکھو یوسفین بنے مجمع البحرین
جو مرکے پہلوئے یوسفؒ میں آگئے یوسفؒ
یہ کہہ کے جیش محمدؐ کا میں سپاہی ہوں
مجاہدین کے پاؤں جماگئے یوسفؒ
جناب خیر محمدؒ کے آپؒ تھے تلمیذ
تو فیض خیر کی دولت لٹاگئے یوسفؒ
جناب یحیٰ ہوں وہ یا کہ ہوں عتیق وسعید
انہیں بھی دین کا وارث بناگئے یوسفؒ
حسینی تو جو اکابر کا ہے کفش بردار
یہی تو بات دلوں میں بٹھاگئے یوسفؒ

مولانا مفتی رضاء الحق
دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ

نقیب حق

تحریر کے امیر ہر اک دل میں جاگزیں
خلد بریں کا حضرت لدھیانویؒ مکیں
تاریکیوں کے دور میں وہ تھے نقیب حق
اب بن گئے ہیں اہل فلک کے وہ ہم نشیں
اخلاق دل پسند تھے اعمال بھی بلند
تحریر میں چھپا ہوا تھا ذوق انگبیں
ان کے قلم کے پھول تھے ہر طبقہ میں قبول
افکار کی بلندیاں افلاک کی قریں
مرقد میں دوستوں نے اتارا نہیں انہیں
اتری ہے آج جرأت اظہار در زمیں
کتنے مریض روح، شفایاب آپ سے
کتنوں کے دل کے ظرف میں پیدا ہوا یقیں
صفحات بینات کی سطریں ہیں غم زدہ
اور جامعہ کی خون سے ہے تربتر جبیں
حضرتؒ کے سر پہ تاج خلافت تھا ضوٗ فشاں
دن رات کررہے تھے وہ اصلاح تاہئیں
افسوس قاتلوں کے ظلم کی ہے انتہا
گونجا فغان وشور کہ قاتل ہیں بدتریں

حضرت کی ذات "ختم نبوت" کی پاسباں
تحریر ان کی ختم نبوت پہ دل نشیں
صفحات جنگ روز جمعہ یاد آگئے
مخلوق حق کو آپؒ دکھاتے تھے راہ دیں
عبدالرزاق شیخ ہیں مجروح وغمزدہ
مفتی جمیل بھی ہیں شب وروز اب حزیں
دیدی حیات، عشق کو بخشی حیات نو
دار و رسن کو چوم لیا تو نے آفریں
روشن ہوا زمانہ بصائر کے نور سے
یوسفؒ تھے دوم یوسفؒ اول کے جانشیں
کیا خوب تزکیہ تھا تھی تقریر دلپذیر
تدریس عالی شان تھی، تصنیف بہتریں
اللہ سے دعا ہے عطا کردے مغفرت
جنت میں منتظر ہو تیرے حور نازنیں
دن رات کام کرنے میں ان کا سکون دل
باطل کے انتقاد میں چلتی رہی مشیں
حضرتؒ کی زندگی میں تھا ماحول پُر بہار
پرنور مجلسیں تھیں صحافت تھی مہ جبیں
عشق نبیؐ کا نغمۂ شیریں تھا برزباں
ہاتھوں سے پھیلتی رہی خوشبوئے عنبریں
آوازِ حق تھی شیخؒ کی باطل شکن رضا
ان کے قلم کی نوک میں تھا نور آتشیں

مولانا عزیز الرحمٰن، جامعہ بنوریہ

رثاء الشیخ یوسف لودھیانویؒ

مضیٰ شیخنا یوسفؒ وابکی البواکیا
مضیٰ مرشد العالم فیا اسفیٰ لیا

ترجمہ: "ہمارے شیخ یوسفؒ گزر گئے اور رونے والوں کو رلا گئے، جہان کی اصلاح کرنے والے گزر گئے، پس افسوس ہے میرے لئے"۔

مضیٰ من ھو المحسن وزودنا ھماً
غرقنا ببحر الغم وزرنا الدواھیا

ترجمہ: "ہمارے محسن گزر گئے اور ہمیں غم کا توشہ دیئے گئے، چنانچہ ہم غم کے دریا میں ڈوب گئے اور ہم مصائب سے دوچار ہوگئے"۔

مضی وارث احمدﷺ مجیبا لداعی الرب
اماماً تقیاً مقتدیً کان عالیا

ترجمہ: "احمد ﷺ کے وارث اپنے رب کی داعی پر لبیک کہتے ہوئے گزر گئے، جو امام، متقی، پیشوا اور بلند صفات والے تھے"۔

مضی اثر مختارؒ وتلمیذہ سمیعؒ
فیا عجباً انظر کعقد اللؤالیاً

ترجمہ: "(حبیب اللہ) مختار اور ان کے شاگرد (مفتی) عبدالسمیع کے پیچھے یہ بھی گزر گئے، پس تعجب ہے (پس پے در پے شہادتوں کو) دیکھئے تو جیسے موتیوں کا ہار ہو"۔

ترى الناس فى حزن لفقد زعيمهم
فمن ذا نعزيه ومن ذا نسليأ

ترجمہ: "تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ اپنے قائد کی جدائی پر غمگین ہیں، پس ہم کس کو صبر دلائیں اور کس کو تسلی دیں"۔

تأسىٰ لدمغ القاديانى مجاهداً
امام الهدىٰ يوسفؒ بنورى بداليا

ترجمہ: "انہوں نے مجاہد بن کر (فتنہ) قادیانی کو ختم کرنے میں، امام ہدایت یوسف بنوریؒ کی اقتدا کی، یہ بات میرے سامنے آئی ہے"۔

وقدفاز فى الجهد الامام المجاهد
محى فتنة المرزا نهارا لياليا

ترجمہ: "اور بے شک کامیاب ہوئے اپنی کوشش میں امام مجاہد، اور انہوں نے دن رات کی محنت سے مرزا (قادیانی) کا فتنہ مٹایا"۔

وجدناه فى التحرير بحراً وفارساً
وفى صف ميدان الجهاد المباريا

ترجمہ: "ہم نے ان کو تحریر کے (میدان) میں سمندر اور شہسوار پایا، اور میدان جہاد کی صف میں سبقت کرنے والا"۔

وارشاد عارفىؒ وتقوىٰ زكرياؒ
وفى مسند الحديث فاق المعاليا

ترجمہ: "اور (ان میں) ڈاکٹر عبدالحی عارفی کا سا جذبہ اصلاح وارشاد اور مولانا محمد زکریاؒ جیسا تقویٰ تھا، اور وہ مسند حدیث میں بلندیوں پر فائز تھے"۔

تقی نقی فاهتدی لسبیله
سقی قبره الرحمن سقیاً موالیا

ترجمہ :"ظاہری اور باطنی طور پر پاک تھے پس اپنا راستہ سیدھا پا گئے-اللہ تعالیٰ پلائے ان کی قبر کو پے در پے پلانا۔"

بشهر الصفر استشهد الحبر عارف
اجاب الاله مابه کان داعیا

ترجمہ :"ماہ صفر میں شہید ہوئے وہ عالم جو عارف بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ دعائے (شہادت) قبول فرمائی جو وہ مانگتے رہے"۔

وجاهدت فی اللّٰه عصاماً لدینه
ویا ایها الراحل الی اللّٰه راضیاً

ترجمہ :"اور آپ نے اللہ کے راستے میں اس کے دین کی حفاظت کے لئے جہاد کیا، اور اے سفر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف راضی ہو کر"۔

عزیز یقول الصبر اعلیٰ سجیةٌ
فصبراً ورشداً اعطنا یا الهیا

ترجمہ :"عزیز کہتا ہے صبر اونچی خصلت ہے، پس اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر وہدایت دیدے"۔

مولانا خلیل احمد تھانوی-لاہور

تاریخہائے وفات

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ!

۱:...... آہ مولانا امام محمد یوسف لدھیانویؒ انتقال کرگئے !

۲۱۶ ۳۶۴ ۸۴۱ = ۱۴۲۱ھ

۲:..... ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله امواتا بل احياء،

۵۸۰ ۹۱۸ ۵۰۲ = ۲۰۰۰ء

۳ :.... دُرِنایاب شہید ملت محمد یوسف لدھیانویؒ،

۲۶۸ ۷۸۹ ۳۶۴ = ۱۴۲۱ھ

۴:......فانما قال جل قوله: سلام عليه يوم ولد ويوم يموت ويوم يبعث حيا۔

۴۷۷ ۱۵۲۳ = ۲۰۰۰ء

۵:..... وقد قال الله جل كلامه: لايسمعون فيها لغوا الا سلاما-

۴۳۶ ۱۵۶۴ = ۲۰۰۰ء

۶:..... حضرت علامہ امام محمد یوسف لدھیانویؒ،

۱۴۰۸ ۲۲۸ ۳۶۴ = ۲۰۰۰ء

۷ :.... صاحب معارف مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بانی اقرا اسکول پاکستان،

۴۹۲ ۱۲۸ ۳۶۴ ۱۰۱۶ = ۲۰۰۰ء

۸ :.... فقال جل مجده: انه من عبادنا المخلصين،

۲۹۶ ۱۱۲۵ = ۱۴۲۱ھ

۹ :.... لقال جل شانه: نرفع درجات من نشاء

۵۵۰ ۱۴۵۰ = ۲۰۰۰ء

۱۰:.... فقد قال جل علمه: حسنت مستقرا ومقاما،

۴۹۳ ۱۵۰۷ = ۲۰۰۰ء

مولانا شفیع اللہ، استاذ
جامعہ علوم اسلامیہ

اشک ہائے عقیدت

بانگ آمدہ ناگاہ بہ چمن بلبلاں نماند
زانکہ خزاں رسید بگلشن گلاں نماند
آں یادگار یوسفؒ ما یوسفؒ ثانی
رخت سفرش بست بعقبیٰ رواں نماند
درجان خستہ طاقت غم ہائے پے بہ پے
داغ سمیعؒ وفرقت مختارؒ تواں نماند
شیخ راشہید کرد کم بخت گان دہر
یک نجم درخشاں کہ امروز آں نماند
شد کاروان ختم نبوت ازو یتیم
دانی کہ آں نشان بخاریؒ عیاں نماند
شیخ الحدیث ومفتی وہم پیر طریقت
آں چشمۂ شیریں بعالم رواں نماند
بے لوث بود خادمِ دین متین ہمیش!
فیضش کہ بود عام بانس جاں نماند
برخاست بزم مدتے احباب ودوستاں
آں شمع منور کہ درد بود آں نماند
شاداں شوم چگونہ دگر گونہ رنجہاست
در گلشن علوم کہ آں باغباں نماند

یک عاشق رسولؐ بدرگاہ رب قبول
پروانہا رفتند کہ چراغ زماں نماند

پرسی چرا زرنج فراقش حدیث ما!
زخم چنین رسیدہ کہ در قلب جاں نماند

اشکے چنیں چکیدہ زچشم بہ ہجر او
تا آنکہ دروسالہا دیدن تواں نماند

طلاب جامعہ وہراستاذ زفغاں فغان!
گوہر کہ بود بیش بہا درمیاں نماند

یارب زابر رحمت خود رحمت بسیار
برمرقدش فشاں کہ فخر زماں نماند

سال وصل شفیع خواں در قرآن مجید
ایں فادخلوھا خالدین آں میہماں نماند

۱۴۲۱ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے عزیز دوستوں کا تقاضا ہے کہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ لکھوں، میں کیا عرض کروں؟ میری حیثیت ہی کیا ہے؟ کیسے ان کی خوبیاں بیان کروں؟ کون کون سے محاسن کا احاطہ کروں؟:

دامان نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

مولانا شہیدؒ لالہ صحرائی تھے۔ متوسط خاندان میں آنکھ کھولی، معمولی سے ایک گاؤں میں پروان چڑھے، کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ کمزور وناتواں بچہ ایک دن فخر دین وملت بنے گا۔

اِس بچے کو قدرت نے دینی مدرسے کی راہ دکھائی، شفیق اساتذہ سے تعلیم پائی، چھوٹے مدرسوں کے بعد پاکستان کے مایہ ناز جامعات جامعہ قاسم العلوم فقیروالی اور جامعہ خیر المدارس سے درسِ نظامی کی متاع بیش بہا حاصل کی۔ مولانا شہیدؒ کو اپنے اساتذہ سے بے پناہ محبت تھی۔

پہلے پہل جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ترجمان ماہنامہ ''الرشید'' میں ان کی تحریریں نظر سے گزریں، کچھ عرصہ بعد محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس جوہر قابل پر پڑی، ماہنامہ بینات کی ترتیب پر انہیں فائز کردیا، مولانا شہیدؒ کے قلم کی

جولانیاں اہل علم وفضل کو مسحور کرتی رہیں۔

وہ نہایت پاکیزہ ذوق کے مالک تھے، بہترین مضامین لکھے، بعض عمدہ عربی کتب کے ترجمے بھی کئے جو قسط وار شائع ہوتے رہے۔

حضرت بنوریؒ نے مولانا شہیدؒ کی خدمات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سپرد کردیں۔ مولاناؒ نے لٹریچر کے انبار لگادیئے، دلائل و براہین سے قادیانیوں کے دانت کھٹے کردیئے، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہم نے آپ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر کے منصب پر فائز فرماکر ترجمان ختم نبوت کی حیثیت سے دنیا میں متعارف کرایا، آپ نے داعی وترجمان ختم نبوت کے منصب کا حق ادا کردیا۔

برمنگھم (برطانیہ) کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں ہر سال تشریف لے جاتے، مولانا مفتی محمد جمیل خان اور دیگر احباب ان کے جلو میں ہوتے، شہر بہ شہر مساجد میں ہلکی پھلکی ایمان افروز تقریروں سے اجتماعات کو فیضیاب کرتے رہے، راقم السطور کو بھی دو مرتبہ ان کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا شہیدؒ نے روزنامہ جنگ کے ذریعے بھی بہترین دینی خدمات انجام دیں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" مولانا کا مستقل کالم تھا، جو بے حد مقبول عام ہوا، اب یہ سلسلہ کئی جلدوں میں طبع ہوچکا ہے۔

مولانا شہیدؒ حمیت دینی سے سرشار تھے۔ باطل فرقوں کے خلاف ان کا قلم نیزہ بن جاتا تھا، اکابر علمأ دیوبند پر اگر کسی نے کیچڑ اچھالا، تو مولانا کا قلم حرکت میں آجاتا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے آپکو بڑی ہی عقیدت و محبت تھی، ایک روزنامہ میں نہایت نامناسب مضمون آپ کے خلاف لکھا گیا، مولانا شہیدؒ نے "بینات" میں نہایت مدلل مقالہ لکھا اور دفاع کا حق ادا کردیا۔

حضرت مولاناؒ کی ایک کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" بے راہ فرقوں کو راہ راست پر لانے کی بہترین کوشش ہے۔ قادیانی فرقے کے خلاف ان کی ہر تصنیف ضرب کاری کا حکم رکھتی ہے۔

۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں مولانا شہیدؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ماہنامہ "بینات" کی اشاعت خاص بنوری نمبر کے سلسلہ میں راقم السطور کا قیام جامعہ علوم اسلامیہ میں ہوا۔ دو ماہ مکمل ان کے ساتھ رفاقت رہی۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی ہر ہر ادا لآویز تھی۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا بحر العلوم تھے، کثیر المطالعہ اور سریع القلم تھے، مسودہ نستعلیق لکھتے، کاٹ چھانٹ نہ کرتے۔ شہد کی مکھی کی طرح اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، ان کی تحریروں سے ایک ایسا چھتہ تیار ہوا ہے جو اپنے اندر "فیہ شفاء للناس" کی خاصیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سلوک و تصوف کا بھی گہرا ذوق رکھتے تھے۔ مشائخ وقت میں حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ سے انہیں سلاسل تصوف کی اجازت حاصل تھی۔

اللہ تعالیٰ نے شہادت کی نعمت عظمیٰ سے انہیں مالا مال کیا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ اعزاز ہے ان خدمات کا جو انہوں نے تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ روز محشر انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد: فيقول العبد المفتقر الى رحمة ربه القوي عبده زكريا بن العلامة حافظ القرآن والحديث محمد يحيى الكاندهلوي نور الله مرقده أن أخا لي في الدين المولوي محمد يوسف بن حاجي الله بخش سمع مسا قرئ علي من الحديث المسلسل بالاولية ومن اوائل الجامع الصحيح لامير المؤمنين في الحديث الامام البخاري وطلب مني اجازة سماعا واجازة لبقية الامهات الستة فأجيزه بالشروط المعتبرة عند أئمة الحديث من استقامة العقائد والاعمال على طريقة السلف من الصحابة والتابعين واتباعهم وأوصيه بتقوى الله والاعتصام بسنة سيد الأنام على صاحبها الف الف صلوة وسلام والاجتناب عن المعاصي والبدعات السيئة والتبعد عن صحبة المبتدعين والتفريق بين المسلمين وأن يحترز عن طلب لذات الدنيا وحماقتها وعن اساءة الأدب بأكابر الامة عموما من الصحابة والتابعين والفقهاء المجتهدين والمشائخ العارفين وأن لا ينساني ومشائخي في دعواته الصالحة وأسأل تعالى ان يوفقني وإياه لما يحب ويرضاه

ليلة الخامس والعشرين من رمضان سنة ١٤٠٠ھ

بمعتكف مسجد دار العلوم فيصل آباد باكستان

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اجازت حدیث کی سند کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلفون : مكتب ٤٨١١٧ / مسكن ٤٨٢٢٥

مُفتی محمد شفیع

مؤسس دار العلوم ومديرها

كراچی ۱۴ پاكستان

Tele. Office : 48117
Res. : 48225

Mufti Mohammad Shafi

President :- DAR-UL-ULOOM
KARACHI-14.

٧٨٦

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى -

أما بعد، فقد طلب مني الأخ في الله الأستاذ محمد يوسف اللديانوي حفظه الله ورعاه ووفقه لما يحب ويرضاه أن أجيزه إجازة عامة في الحديث. فأجزته إجازة عامة بجميع مروياتي بجميع الطرق المثبتة في ثبتي المسمى بالازدياد السني على اليانع الجني، وأوصيه بتقوى الله في السر والعلانية وأن لا ينساني في أدعيته الصالحة، وفقه الله تعالى لكل خير.

العبد الضعيف
محمد شفيع عفا الله عنه
١٢ شعبان ١٣٩٤

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اجازت حدیث کی سند کا عکس

المدرسة العربية الإسلامية
كراتشي رقم (٥)
باكستان
تاريخ ....
نمبر ....
تيليفون 46962-41720

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على سيدنا سيد العالمين محمد ن المصطفى وآله وصحبه ما [illegible] وكفى.

أما بعد فقد أجزت أخي في الله العالم الصالح الجليل الشيخ محمد يوسف الله آبادي بأسانيدي في الحديث إجازة وقراءة لا يسع الوقت تفصيلها وأكبر مشايخي في التلقي والقراءة مسند الوقت المحدث الكبير إمام العصر مولانا الشيخ محمد أنور شاه الكشميري المتوفى سنة ١٣٥٢ هـ وأكبر شيوخي في الإجازة بحاثة العصر المحقق محمد زاهد الكوثري نزيل القاهرة المتوفى سنة ١٣٧١ هـ وإسنادي العالي عن المحدثة أمة الله بنت مسند العصر المحدث الشاه عبد الغني رحمهما الله وقد أجزت الأخ المشار إليه بجميع مروياتي بشرط التثبت والإتقان والتقوى من الشروط المعتبرة عند أهل الحديث وأسأل الله التوفيق والتسديد والرجاء من الأخ أن لا ينساني من دعواته الصالحة والله سبحانه يتولانا برعايته وعنايته وهو حسبنا ونعم الوكيل.

كتبه محمد يوسف بن السيد محمد زكريا الحسيني البنوري

بالمسجد النبوي الكريم في الصف الأول بقرب المواجهة الشريفة قبيل أذان المغرب يوم الثلاثاء ٢٩ ذي الحجة الحرام [illegible] سنة [illegible] ١٣٨٥ ٨٨/٢

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے سند حدیث کا عکس

محمد یوسف لدھیانوی
ماہنامہ "بینات" نیو ٹاؤن کراچی ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی حضرت الشیخ الامام ۔ دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھوں ۔ مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہو کر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں ۔ قرآن کریم ۔ حدیث نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں ۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے ۔ بحمد اللہ اس پابندی سے کرتا ہوں ۔ مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے ۔ اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی ۔ درود شریف ۔ استغفار ۔ تسبیحات فاطمی ۔ اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ۔ الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے ۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے ۔ قلب مشغول بحق نہیں ۔ بلکہ افکار پریشاں اور خطرات و وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے ۔ حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہیے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا ۔ الحمد للہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصال ثواب اور دعا ترقی درجات التزاماً کرتا ہوں ۔ کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے سے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا ۔

حضرت ! یہ ناکارہ دور افتادہ بھی ہے اور بد استعداد بھی ۔ اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائق رحم ہے ۔ حضرت والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو ہدایات فرمائیں گے ان شاء اللہ ان پر بجان و دل عمل کروں گا ۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں ۔ اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے حضرت اقدس کا سایہ تا دیر قائم رکھے ۔ اور فیوض و برکات میں اضعافاً مضاعفہ اضافہ فرمائے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ
جامعہ اسلامیہ ۔ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۵
۲۹ / ۳ / ۱۴۰۰ھ
۱۴ / ۲ / ۱۹۸۰ء

حضرت شہیدؒ کا عجز و انکسار، تواضع اور للّٰہیت پر مبنی
حضرت شیخؒ کے نام مکتوب کا عکس

بسم اللہ

مکرم و محترم زید مجدکم بعد سلام مسنون ، آپ کا خط پہنچا
پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، مگر اس ناکارہ کی طبیعت روز افزوں
خراب ہی ہوتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے ڈاک سننا
اور جواب لکھوانا بہت مشکل ہو گیا ہے، مگر دوستوں
کیلئے دعا سے کبھی دریغ نہیں کرتا، معمولات
بالخصوص ذکر بارہ تسبیح کی پابندی سے بہت مسرت
ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، استقامت و ترقیات
سے نوازے،

نیز اللہ جل شانہ کے اعتماد پر آپ کو بیعت کی اجازت دیتا
ہوں، جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کر لیا کریں
تربیت السالک، اکمال الشیم، ارشاد الملوک
اپنے مطالعہ میں رکھیں، آپ بھی میری تحریر میں جو
اجازت کے متعلق مضمون ہے اس کو بھی
مطالعہ میں رکھیں اجازت بیعت کی حقیقت ایک سند
کی سی ہے اس کو دلیل کمال نہیں سمجھنا چاہئے
بہت سے لوگوں کو اس گمان میں مبتلا ہو جانے کی وجہ
سے [illegible] سے تحت الثری میں گرتے ہوئے
دیکھا کہ انہوں نے اس کو دلیل کمال سمجھ کر معمولات
چھوڑ دیئے، حالانکہ اس کے بعد تو ذمہ داری اور بھی
بڑھ جاتی ہے، یہ تو دلیل مناسبت ہے کہ آدمی اس کے
بعد اگر محنت کرتا رہے تو اس نسبت کو بڑھا لے تو
ترقی کرتا ہے ورنہ کبھی کبھی نسبت ختم ہو جاتی ہے
چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا واقعہ
تذکرۃ الرشید میں جس اہتمام سے ہے دوسری تالیفات
میں بھی کثرت سے مذکور ہے کہ حضرت کو حضرت حاجی صاحب
نے بیعت کے ایک ہفتہ کے بعد فرما دیا تھا کہ میاں
رشید احمد مجھے جو کچھ دینا تھا دیدیا اب

بڑھانا تمہارا کام ہے، اور دوسرے موقع پر
کسی کے استفسار پر کہ "حضرت پیر کیا ہوا"
حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ "کچھ نہیں
مر گیا" حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے
کہ جب حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ جو کچھ دینا
تھا دے دیا، اس وقت تو مجھے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ حضرت
نے کیا چیز دی کیا مراد ہے، ۱۵ سال کے بعد معلوم
ہوا کہ وہ کیا چیز تھی، میرا تو جی چاہتا تھا
کہ بہت تفصیل سے لکھوں مگر میری طبیعت بہت خراب ہے بہت مشکل
سے یہ چند سطور لکھوا سکا ہوں، آپ کیلئے دل سے دعا
کرتا ہوں فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ
۷ جون سنہ ۸۰ء
مدینہ طیبہ

نوٹ: یہ صحیفہ مبارکہ ۳۰ رجب ۱۴۰۰ھ
کو موصول ہوا۔ اس کو پڑھتے ہی نہایت
رقت سے گریہ طاری ہوا۔
اے اللہ! میری جو
حالت ہے وہ آپ کے سامنے
ہے، یا اللہ اپنے مقبول
بندوں کے حسن ظن کو قبول فرما
اپنے اس نالائق و گنہگار بندہ کو ان کی
جوتیوں میں جگہ عطا فرما۔

محمد یوسف
[illegible]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی جانب سے عطا کردہ خلافت نامے کا عکس

محمد عبد الحی عفی عنہ

فون نمبر { مطب : ۶۱۰۳۶۵
گھر : ۶۱۰۴۱۹

۵-اے ۳/۲ ناظم آباد کراچی۔

زاد اللہ مکارمکم

محبی و مشفقی جناب مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ایک مدت مدید سے احقر کے ساتھ آپ کا رابطہ اخلاص و اعتماد محبت و حسن ارادت قائم ہے جو باعث مسرت بھی اور باعث تقویت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست دین اور نسبت باطنی سے نوازا ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے حالانکہ آپ مرشد کامل کی طرف سے آپ کو شرف خلافت حاصل ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اظہار مسرت اور آپ کی قلبی طمانیت کے لئے اپنی طرف سے کہ آپ نے تجدید اجازت کر دوں۔ اللہ تعالیٰ اسکو ظاہری و باطنی خیر و برکت کا باعث بنا دیں۔ آمین

احقر محمد عبد الحی عفا عنہ

۲۰ر رجب المرجب ۱۴۰۱ھ
۱۴ر [illegible]

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی کے خلافت نامہ کا عکس

محمد یوسف لدھیانوی
علامہ بنوری ٹاؤن ۞ کراچی ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت عالی جناب حضرت مولانا محمد ہارون اسلام آبادی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون مؤدبانہ التماس ہے کہ میری کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کا ترجمہ بنگلہ میں کوئی صاحب علم کردیں تو اس ناکارہ کو بہت مسرت ہوگی، اور یہ ان شاء اللہ آپ حضرات کے طفیل میں اس روسیاہ کے لئے بھی صدقہ جاریہ ہوگا، مگر یہ ضروری ہے کہ ترجمہ میں زبان و ادب کی صحت کا لحاظ رکھا جائے، اور اگر کسی جگہ اس ناکارہ سے لغزش ہوئی ہو تو اس کی اصلاح فرمادی جائے، ترجمہ سے پہلے اور ترجمہ کے بعد اہل علم حضرات اس کو بغور دیکھ لیا کریں۔

اسی طرح اس ناکارہ کے دیگر رسائل - خصوصاً "اختلاف امت اور صراط مستقیم"، "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" اور "تحفہ قادیانیت" کے بارے میں مذکورہ بالا قیود کے ساتھ ترجمہ کی درخواست ہے، حق تعالیٰ اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں، ہمارے تمام اعمال کو خالصۃً لوجہہ الکریم بنائیں، اور دنیا و آخرت میں اپنے محبوب و مقبول بندوں کی معیت نصیب فرمائیں۔ والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

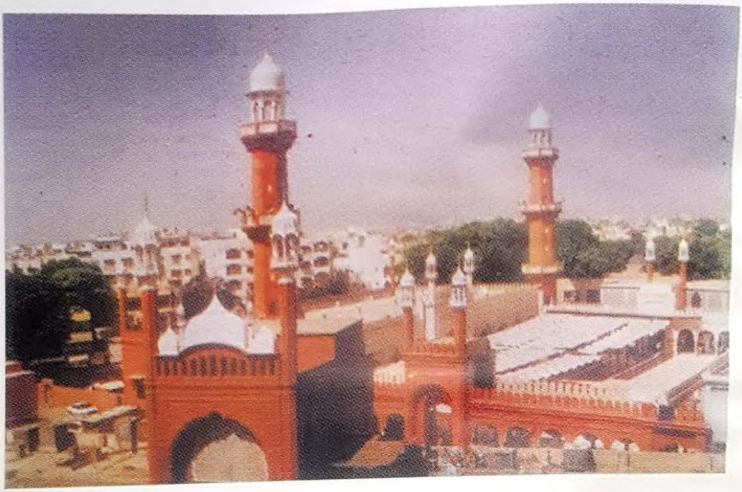
قلمکار عام طور پر تیز رفتار تحریر کی وجہ سے بدخط ہوتے ہیں
لیکن شہید اسلام کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت خط کا
عطیہ فرمایا تھا، ایک خوبصورت تحریر کا عکس

حضرت اقدس رائے پوری کا سلسلہ:

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے جانشین اپنے شیخ کے ہم رنگ وہم ذوق اور ان کے اوصاف وکمالات کے وارث تھے۔ حضرتؒ کا قیام اگرچہ اپنے شیخ کی جگہ خانقاہ رحیمیہ رائے پور ضلع سہارنپور میں تھا۔

٦

ذہن اور سوچ سے تیز رفتار قلم کی سرعت کا اندازہ حضرت شہید کے قلم کی جولانی تحریر سے ملاحظہ فرمائیں



جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا منظر: جہاں حضرت بنوریؒ کے حکم سے آپؒ تشریف لائے



جامعہ بنوری ٹاؤن کے دار الحدیث کا منظر، جہاں آپؒ درس حدیث دیتے رہے



دار الحدیث کے برآمدہ کا بیرونی منظر



جامعہ علوم اسلامیہ کے دار الحدیث کا اندرونی منظر



بنوری ٹاؤن کے اس کمرہ کا برآمدہ جہاں آپ ”بینات“ کی تیاری کے لئے ہر ماہ دس روز قیام فرماتے تھے



جامعہ علوم اسلامیہ کے دار الافتاء کا خوبصورت منظر جہاں سے ہر فتنہ کے خلاف امت کی راہنمائی کی جاتی ہے



جامع مسجد فلاح جہاں ۱۹۸۰ء سے شہادت تک آپؒ نے رشد وہدایت کے نغمات سے شکستہ دلوں کو سیراب کیا



جامع مسجد فلاح کی وہ محراب جس میں آپؒ نے سالوں امامت و خطابت کے انوار بکھیرے اور اعتکاف کئے



مسجد فلاح کے اس دروازہ کا منظر جس سے آپؒ سفر شہادت کے لئے روانہ ہوئے





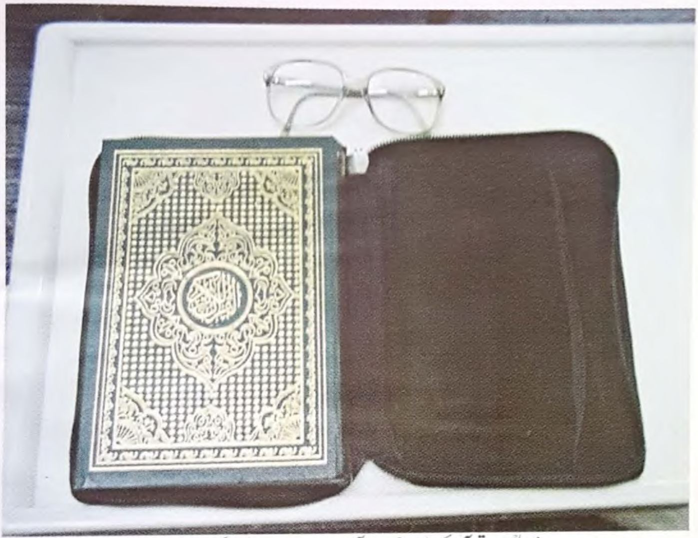
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کا دفتر اور مسجد باب رحمت جہاں سے آپؒ نے قادیانیت کا تعاقب کیا



دفتر ختم نبوت میں حضرت شہیدؒ کے کمرہ کا اندرونی منظر



دفتر ختم نبوت میں آپؒ کی نشست گاہ جہاں پر آپؒ تادم واپسیں تصنیف و تالیف فرماتے رہے



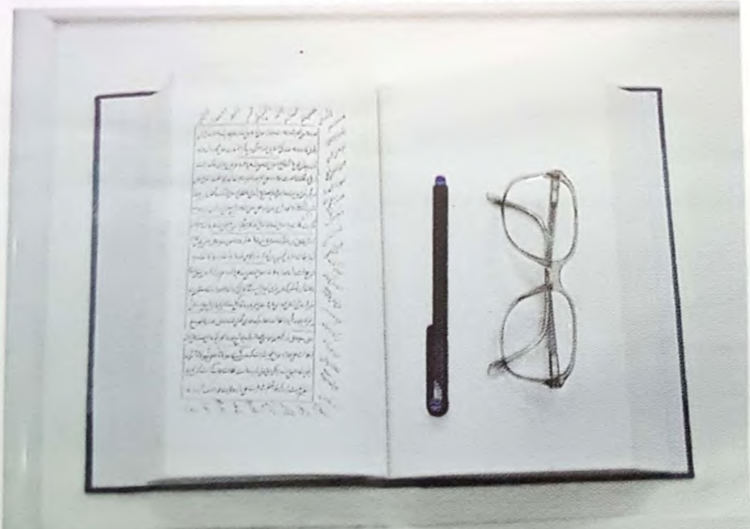
حضرت شہیدؒ کا وہ قرآن کریم، جس پر آپ ہمیشہ تلاوت فرمایا کرتے تھے

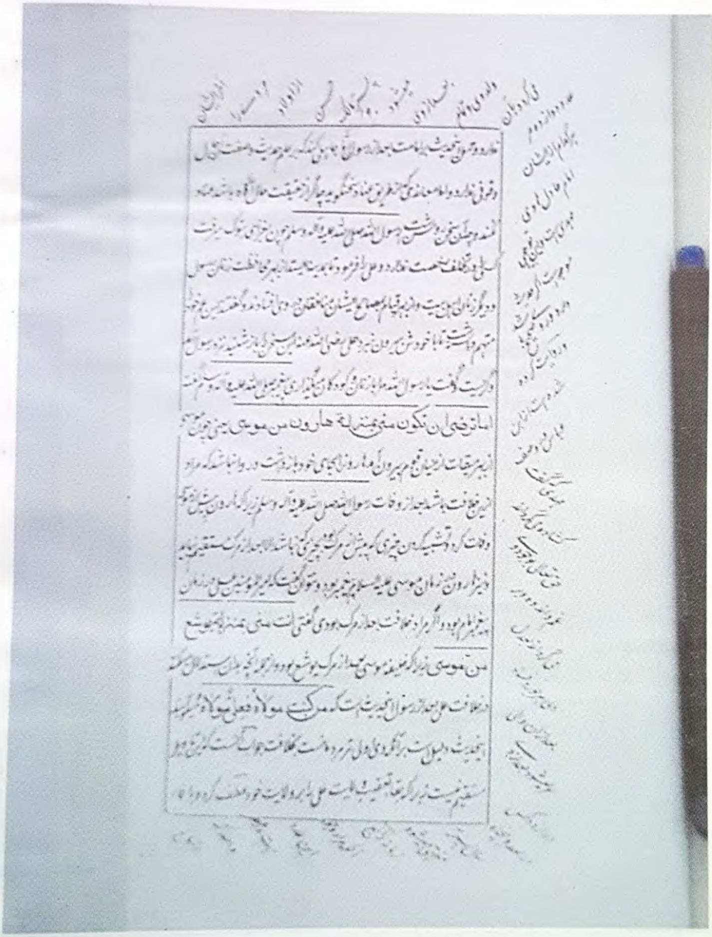


قرآن کریم اس کے اس صفحہ کا عکس جو شہادت سے ایک روز قبل آپؒ نے تلاوت فرمایا



شہادت سے قبل جس کتاب کی تصنیف فرمارہے تھے اس کا عکس




اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی

شہادت سے ایک دن قبل آپؒ نے جس صفحہ کا ترجمہ فرمایا اس کا عکس



حضرت شہیدؒ کی حیات مستعار میں تصنیف کی جانے والی چند کتب کے ٹائیٹلوں کا عکس



حضرت شہیدؒ کا وہ مصلیٰ جس پر آپؒ نے آخری تہجد اور شہادت پر روانگی سے قبل نوافل ادا فرمائے



وہ گاڑی جس میں درندہ صفت دہشت گردوں کے ہاتھوں آپؒ نے حیات جاودانی پائی



پھل فروش نعیم کے ٹھیلے کے سامنے وہ جگہ جہاں حضرتؒ نے جامِ شہادت نوش فرمایا



شہید اسلامؒ کے مبارک لہو سے مزین کپڑے آپ کی حیاتِ جاودانی کی نوید سنا رہے ہیں







شہید اسلامؒ کی تعمیر کردہ مسجد خاتم النبیین اور مدرسہ کی دو تصاویر، ہاں آپؒ مدفون بھی ہیں



شہید اسلامؒ کے مرقد مبارک کے دو مختلف مناظر

